





## ہجرت محمد اور اسلام

لکھک—سندرلال

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1941 میں نکلا تھا۔ اس کے اس کا سرائت کیا اور جلدی وہ ختم ہو گیا۔ اسے ایڈیشن کی مانگ عرصے سے ہو رہی تھی۔ پر وہ ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس ایڈیشن کو یلڈت سدر لال جی احتیاط کے دیکھ کر تھیں۔ بہت سے بڑوں اور تہوں کی نی رائے اور سبھاؤں سے اس میں فائدہ آئے یا گیا ہے۔ ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کے شروع میں ت بشمول رائے کے دس صفحے کا ایک نمونہ اور وزمدار یعنی آئیکہ لکھا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے بنی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت بد کی سادھی سچی اور بے مثال زندگی—ایک زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں لوگوں کے جہن وائن رہا ہے—کی دھلک ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلے گا اس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جہ سے اسی اور فوٹہ بدست دیں ہی کیا بلکہ دی ملے، نہ دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو دیا۔

ہمیں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی مانگ ہوگی اور پڑھنے والے اس سے فائدہ آئے۔ ٹھیک ہے۔

سندر جلد، پوٹھا قبل د الی کھل پر چھپی 160 نئی تصویروں اور نقوش کے ساتھ کتاب کا دام نون روپے ہے۔

میلان کا پتا—

مہنجر 'نیا ہند' 145، مڈیگن، بھارت۔

مہنجر 'نیا ہند' 145، مڈیگن، بھارت۔



## ہندوستانی کالج سوسائٹی

## ہندوستانی کالج سوسائٹی

مقدمہ

مقدمہ

(1) ایک ایسی ہندوستانی کالج کا بھانا، کھانا اور پکوانا رنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ہفتا کھانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پکوانے والے، کتاب فروش، سبزی فروش، کانفرنسوں، جلسوں سے سب ذمہ دار، جاتوں، بھارتیوں اور غیر ہندوستانیوں کے میل بھانا

(1) ایک ایسی ہندوستانی کالج کا بھانا، کھانا اور پکوانا رنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ہفتا کھانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پکوانے والے، کتاب فروش، سبزی فروش، کانفرنسوں، جلسوں سے سب ذمہ دار، جاتوں، بھارتیوں اور غیر ہندوستانیوں کے میل بھانا

—:—

—:—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ علی شاہ;  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس;  
سکرٹری—پروفیسر سید محمد

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ علی شاہ;  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس;  
سکرٹری—پروفیسر سید محمد

گورننگ باڈی کے اور ممبر

گورننگ باڈی کے اور ممبر

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید  
سید محمد، ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس;  
سکرٹری—پروفیسر سید محمد

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید  
سید محمد، ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس;  
سکرٹری—پروفیسر سید محمد

ممبری کے قاعدوں کے لئے اگلی

ممبری کے قاعدوں کے لئے اگلی

سید محمد

سید محمد

سکرٹری، ہندوستانی کالج سوسائٹی

سکرٹری، ہندوستانی کالج سوسائٹی

145، سڈی گنج، لاہور

145، سڈی گنج، لاہور

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ دینی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گھر ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلنے  
والے ممبر بننا چاہیے۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے अनुसार ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ دینی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گھر ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلنے  
والے ممبر بننا چاہیے۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔



## ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

## ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	دাম	لکھک	نام کتاب
1. شہر اور شاعری	آئی اے پراساد گوبالی	8 0 0	شری اے پراساد گوبالی	1. شعر و شاعری
2. شہر اور سون	"	8 0 0	"	2. شعر و سون
3. گھرے پانی پٹ	"	2 8 0	"	3. گھرے پانی پٹ
4. ہمارے آراہی	آئی بنارسداس چکرویدی	3 0 0	شری بنارسداس چکرویدی	4. ہمارے آراہی
5. سنسکرت	"	3 0 0	"	5. سنسکرت
6. دو ہزار ورس پورانی کہانیاں	آئی جگدیپچندر جین	3 0 0	شری جگدیپچندر جین	6. دو ہزار ورس پورانی کہانیاں
7. جگدیپچندر	آئی نارائن پراساد جین	6 0 0	شری نارائن پراساد جین	7. جگدیپچندر
8. پنج پند	آئی شانتی پریہدیدی	2 0 0	شری شانتی پریہدیدی	8. پنج پند
9. پنج پند	شانتی ایم. اے.	2 0 0	شانتی ایم. اے.	9. پنج پند
10. آکاہ کے تارے دھرتی کے پھول	آئی کنہیالال مشر پربھاکر	2 0 0	شری کنہیالال مشر پربھاکر	10. آکاہ کے تارے دھرتی کے پھول
11. مکتی دوت	آئی ویرندر کمار جین ایم. اے.	5 0 0	شری ویرندر کمار جین ایم. اے.	11. مکتی دوت
12. ملین پامنی	آئی بھنن	4 0 0	شری بھنن	12. ملین پامنی
13. راجت رشی	ڈاکٹر رامکمار ورمہ	2 8 0	ڈاکٹر رام کمار ورمہ	13. راجت رشی
14. مہرے ہاپو	آئی تلمبھ بھاریا	2 8 0	شری تلمبھ بھاریا	14. مہرے ہاپو
15. وشو سنگھ کی اور	پندیت سندرلال بھگوانداس کےلا	3 0 0	پندیت سندرلال بھگوانداس کےلا	15. وشو سنگھ کی اور
16. بھارتیہ ارنہ شاستر	آئی بھگوانداس کےلا	5 0 0	شری بھگوانداس کےلا	16. بھارتیہ ارنہ شاستر
17. بھارتیہ شاستر	"	3 0 0	"	17. بھارتیہ شاستر
18. ناگرک شاستر	"	2 4 0	"	18. ناگرک شاستر
19. سامراج اور ان کا پتن	"	2 8 0	"	19. سامراج اور ان کا پتن
20. بھارتیہ سوادھیتا آندولن	"	1 4 0	"	20. بھارتیہ سوادھیتا آندولن
21. سرورے ارنہ ویوکتا	"	1 8 0	"	21. سرورے ارنہ ویوکتا
22. ہمارے آدم جاتھان	آئی بھگوانداس کےلا اور آئی اسخیل بنی	3 8 0	شری بھگوانداس کےلا اور شری اسخیل بنی	22. ہمارے آدم جاتھان
23. ارنہ شاستر شبدابلی	آئی دیا شکر دویہ ایم. اے. ایل ایل. بی. گجاپھر پراساد، امبھٹ، بھگوانداس کےلا	2 0 0	شری دیا شکر دویہ ایم. اے. ایل ایل. بی. گجاپھر پراساد، امبھٹ، بھگوانداس کےلا	23. ارنہ شاستر شبدابلی
24. ناگرک شاستر	بھگوانداس کےلا آئی دیا شکر دویہ	1 8 0	شری بھگوانداس کےلا دیا شکر دویہ	24. ناگرک شاستر
25. راجت مغل شاستر	آئی دیا شکر دویہ	1 8 0	دیا شکر دویہ	25. راجت مغل شاستر
26. جوتو	مہاتما بھگوان دین	3 0 0	مہاتما بھگوان دین	26. جوتو
27. مارنے کی ہمت	"	1 0 0	"	27. مارنے کی ہمت
28. مارنے کی ہمت	"	0 8 0	"	28. مارنے کی ہمت
29. مہرے ساتھی	"	1 0 0	"	29. مہرے ساتھی

مکتی دوت

مکتی دوت

145، گوالیار، گوالیار-3

مکتی دوت

145، گوالیار، گوالیار-3



## جھنگار

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'फिराक'

سہاگ—ہدی دلہوتی سہاگ 'فراق'

पिछले पन्ध्र बरस से आज तक की उर्दू की चुनो हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ज़्याली दुनिया को छोड़ कर हिन्दुगी की सच्चाइयों से झपना नाता जोड़ लिया है. आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व किराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ऐसी आवाज सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी.

“इन कविताओं में अन्तर्राष्ट्री तथा राष्ट्री दोनों  
मूलकों मिलती हैं.....सजीव तथा साकार हैं.....वास्तव  
में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उरदू  
साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय है..”

23-2-'52                      --रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

“जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चस्तर की हैं।”

6. 3. '52 — 'विशाल भारत' कलकत्ता

“मंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रोत हैं।”

17. 2. '52 — 'नव भारत टाइम्स' दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है।”

13. 1. '52 — 'अमृत पत्रिका' इलाहाबाद

“हम इन की (कविताओं की) शक्ति, तात्पर्य और सूत्र के क्रायल हैं। वह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है।”

8. 5. '52 — 'जीवन साहित्य' दिल्ली

‘मंजुशर’ की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बोल चाल के निकट है”—‘नया समाज’ कलकत्ता नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उरदू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिव्हा, बढ़िया कागज, उन्हा इन्कई. दाम सिर्फ़ तीन रुपया. दस किताबों की एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

پچھلے پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کرپیتاؤں کا یہ سنگرہ پوہکر ایک معلوم ہوگا کہ اردو کو پتا نے کس طرح خیالی دنیا کو چھو کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا نانا چوڑا لیا ہے۔ آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کرپیتا میں کسانوں اور مزدوروں کے دلوں کی دھڑکنیں سنائی دینگیں۔ ملائی، اٹھائی اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سہیلنگے جو آپ کے دل کی گہرائیوں کو چھوئے گی۔

”اُن دوپٹاؤں میں اتھر دھڑکی تکتا واشکری  
 دینوں چہلکوں مٹتی ہیں... سچو زما ساگر ہیں...  
 راستو میں ہندی سنسار میں یہ دیاس انوکھا ہے اور  
 اُردو ساتھ کے آدھک دور میں اُتھو ہے...“

23-2-'52 — روزانہ 'لوک وانی' ہے پورا

”جہاں تک بہار کا سہلہ ہے کویتائیں آج استر  
فی ہیں۔“

— 'وہاں بہارت' کلکتہ 6-3-'52

”چھلکار میں پوکشت 72 اوروں کی کھیتوں آج  
ہی کے پگ کی مددگاروں سے اوت پروت ہوں۔“

17-2-'52 —'نو بھارت ٹائمس' دلی

”ہندوؤں کے ہاتھک اسلحہ اور چاؤ سے اس سنگرم کا  
آئندہ لہنگہ اور اُن سے پہننا کڑھن دہنگے یہ شجیت ہے۔“

13-1-'52 — 'امرت بفتحها' الہ آباد

”ہم اُن کی (کیپٹان کی) شکست، تازی اور موٹر  
ع قاتل ہیں۔ وہ ایک نئے ملک کا سلبہیں دیتی ہیں...  
پہلے اہک نر سہل اور ہاسٹارہ ہے۔ کہیں کہیں تو  
تھپتھپ ہندی ہے۔“

—'جهون سامتہ' دلی 8-5-'52

"چھلکار" کی دہائیوں میں ایک کی پکار ہے اور بھاٹا بالکل بول چال کے نکتہ ہے۔ "نہا ساج" کلکتہ ناگرو لکھاریت میں ایسا ہیریڈو اردو کہتا سنکرہ آج تک نہیں نکلا۔ سنکرہ جلد ہو گیا غلط۔ عمدہ چھپائی۔ دام صرف تین روپے۔ دس کتابوں کی ایک سالہ خریداری پر پچاس لیسنی کوشن۔

**पढ़ने का पता--**

मैसोजर 'नया दिग्ग' 145, सुदीर्गज, इलाहाबाद.

— 124 —

ملحق 'بها' عدد '145' من مجلدات 'الأنباء'.



## गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में वह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी।

पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है... मुझे ख़ुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइट में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मज़कूत जिल्द—सब केवल दो रुपये।

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी बच्चे और हिन्दुस्तानी की तफ़रार पर एक बे लाज राख इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सबाल में विलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फ़ायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सबा सौ सक्के की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

## गान्धे बाबा

लेखक—लक्ष्मण जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

یہ انمول کتاب جنم سے بلیدان تک کی گاندھی جی کی پوری اور سچی چھوٹی بھی ہے اور کہانی بھی۔ ہمارے دیس میں یہ پراٹا رواج رہا ہے کہ ماںیں اپنے بچوں کو مہاپرشوں کے چھوٹے چھوٹے کہانی کے روپ میں سناتی ہیں۔ اس طرح کی کہانیاں عام طور پر ویر راجاؤں اور ان کے پندھوں کی کہانیاں ہوتی ہوں۔ بہکم قدسہ زیدی نے جو مہاتما گاندھی کی پریم بھکت ہوں، اپنی اس کتاب میں گاندھی جی کی چھوٹی اور ان کا سچہ 'املسا' پریم اور تھاک کا ابدیش بچوں کو ایسی پھاری، سہدی سادی پہلی میں اور ایسے تھلک سے سنایا ہے کہ بچوں کے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ہندی میں گاندھی جی کے اوپر بچوں کے لئے اس سے بڑھ کر کتاب نہیں ہے۔ اس میں کہانی کا دس بھی ہے اور بچوں کو اونچا اٹھانے والے ابدیش بھی۔

پلکت جواہر لال نہرو نے اپنے 'دو شبد' میں لکھا ہے—

“انہوں نے (قدسہ زیدی نے) یہ چھوٹی سی کتاب سچے دل سے لکھی ہے۔ وہ اسے صرف ایک کتاب نہیں سمجھتی۔ ان کے لئے گاندھی جی کی کہانی ایک بہت ہی مہتم کی اور پھاری چیز ہے... مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔”

موتے کاڈ پر، موتے کاٹپ میں، بہت سی رنگوں تصویریں، آرت پیپر پر سندو رنگین کور اور دفتی کی مہبوط جلد—دایم کھول دو روپے۔

## بھاشا

লেখক—লাল মদন গোপাল

হিন্দি বড় এবং হিন্দুস্তানী की तफ़रार पर एक बे लाज राख इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सबाल में विलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फ़ायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सबा सौ सक्के की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

154 मन्नी मन्नी, इलाहाबाद.



## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ گھنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوگ سہوا سنگھ میں بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہانت کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی وکھا گاندھی جی کے پریم بھکت شری ملطظ علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور ایلانے والے دیہانت کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحے کی سندر جلد بلندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے ہے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری مںجڑ اہلی سوختا

اس छोटी सी किताब को पढ़ कर आपको पता चलेगा कि महात्मा गांधी क्या चाहते थे और किस तरह उनके रास्ते पर चल कर अहिंसात्मक ढंग से देश में इन्कलाब लाया जा सकता है।

पैंतीस पन्ने की किताब, दाम सिर्फ चार आने.

## आज के शहीद

सम्पादक—श्री रतन लाल बंसल

उन बहादुरों की कहानियां जिन्होंने विदेशी हाकिमों की फैलाई फूट की आग में इन्सानियत को भस्म होते देख एक छन की भी देर न की और उसे बुझाने की कोशिश में अपनी जान कुरबान कर दी. दाम सिर्फ ढाई रुपया.

## मुस्लिम देश भक्त

लेखक—श्री रतन लाल बंसल

उन मुसलमान देश भक्तों के जीवन का हाल जिन्होंने अपनी जान हथेली पर रखकर हिन्दुस्तान और विदेशों में रहते हुए भारत माता को गुलामी की जंजीरों से आजाद करने की कोशिश की. किताब बड़े दिलचस्प ढंग से लिखी गई है. कीमत सिर्फ एक रुपया बारह आने

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 45, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

## महاتमा گاندھی کی وصیت

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ گھنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوگ سہوا سنگھ میں بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہانت کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی وکھا گاندھی جی کے پریم بھکت شری ملطظ علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور ایلانے والے دیہانت کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحے کی سندر جلد بلندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے ہے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری ملطظ علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک انقلاب سے دیہانت میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

پہلے پچاس پے کی کتاب، دام صرف چار آئے۔

## آج کے شہید

سہادک—شری رتن لال بंसल

ان بہادروں کی کہانیاں جنہوں نے ویدیشی حاکموں کی پھولائی پھوٹ کی آگ میں انسانیت کو بھسم ہونے دیکھ ایک چھن کی بھی دیر نہ کی اور اُسے بجھانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی۔ دام صرف ڈھائی روپے

## مسلم دیش بھکت

لکھک—شری رتن لال بंसल

ان مسلمان دیش بھکتوں کے چھن کا حال جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہندوستان اور ویدیشوں میں رہتے ہوئے بھارت ماتا کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کی کوشش کی. کتاب بڑے دلچسپ ڈھنگ سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آئے۔

میلے کا پتہ—

مہاجر 'نہا ہلد' 145، مہی ٹکج، اللہ آباد۔



## لےکھک—پंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें हैं। गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मसलमूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ़्ज़ी तर्जुमा बरौदा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफ़े की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेक्चर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफ़े की किताब, क्रीमत सिर्फ़ बारह आने।

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज। इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा वर्णन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत चार आने।

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1948-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरकेबाराभा भगदों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगदों की हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ़ दो आने।

मिलाने का पता—

जे.के.ए. 'नया दिन' 145, सुदीर्गज, इलाहाबाद।

## लिक़क—پندت سندر لال گیتا اور قرآن

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتیں ہیں۔ گیتا کا بڑپن، گیتا کے ایک ایک ادھیائے کا نیچوڑ، قرآن کا بڑپن، لگ بھگ 15 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی قریب 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بنیادی ایکتا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔  
پولے تین سو صفحے کی سندر جلد بندھی کتاب کی قیمت صرف دھائی روپے، ڈاک خرچ الگ۔

### ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لیکچر جمع کئے گئے ہیں جو پندت جی نے کونسلیٹری بورڈ گوالیار کی دعوت پر گوالیار میں دئے تھے۔  
سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آنے۔

### مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامبرداہیتا یعنی فرقہ پرستی کی بیماری پر راج کاچی، مذہبی اور اتھاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج۔  
اسی نے آخر میں دیہی پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے ہوج میں نہ رہنے دیا۔  
قیمت بارہ آنے۔

### پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

اکتوبر سن 1947 میں پچھمی اور پوربی پنجاب کے بٹوارے کے بعد وہاں کی بھونکر برہادی اور آپسی مار کٹ کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں اُن کا دردناک آنکھوں دیکھا ورنن۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سجاوڑ بھی پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آنے۔

### بنگال اور اُس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1948-50 میں پوربی اور پچھمی بنگال کے فرقہ وارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکیب بھی سجھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آنے۔

میلانے کا پتہ—

میلنگ ایڈا ہلڈ، 145، مہمی کلج، الہ آباد۔



تھرہ کام کے بنا دیے جاتے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ گھوڑوں کا استعمال نہ پا سکیں۔ ہر شہر ہر حصہ میں درمیانی درجے کے آدمی لائے جاتے ہیں خواہش رکھتے ہیں نہ ان کے پاس رکھنے کو جگہ ہے، نہ چرانے کے لئے گھوڑوں کے لئے چرائیوں کا انتظام کر لے گا اور گرائوں کی ایسی جماعت تیار کر دے گا جو پہلے کی طرح گھوڑے سے لائے جائیں گے اور شام کو واپس چھوڑ جائیں گے تو گورنمنٹ کا سوال ہوئی آسانی سے حل ہو جائیگا۔ گائے سے ہر ہندوستانی کو محبت ہو جائیگی اور پھر شاید اس بات کی ضرورت ہی نہ رہے کہ گائے کو بدھ ہندو قانون کے لئے سرکار کے پاس دوڑے دوڑے جائیں۔

کسی راجکشی فائدے کو نکالنا ہوں دیکھ کر کوہدہ ہندو کو لے کر آوار ہو کر نہیں آتھائی چاہئے۔ یہ ہونا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ آوار بادشاہ دابر نے آتھائی۔ گوہر دہلوی کی صلاح اس نے اپنے بہتے ہماریوں کو دی۔ اس صلاح میں گورنمنٹ کا انداز خیال نہ تھا جتنا ہماریوں کے راج کے جملہ کا اور ان مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا جو ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے اور جن کے ہاتھ میں ہندوستانی حکومت کی ہاک تھوڑی تھی۔ انگریزوں کے خلاف اس ہتھیار سے کام لیا گیا۔ گندمی جی کو چھوڑ کر بہت سے لوگوں نے مل کا کھڑا چھوڑنے کے لئے یہ دہلوی دی کہ اس میں گائے اور سور کی چربی لگتی ہے۔ آج بھی کوہدہ ہندو کا سوال راج کاجی ہتھیار بنا ہوا ہے، سچے معنوں میں گورنمنٹ کا ہتھیار نہیں ہے۔

کسی راجکاجی فراموشی کو نیکار میں رکھ کر گوبندھ بند کرنے کی آواز ہرگز نہیں اٹھانی چاہئے۔ یہ ہونا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ آوار بادشاہ دابر نے آتھائی۔ گوہر دہلوی کی صلاح اس نے اپنے بہتے ہماریوں کو دی۔ اس صلاح میں گورنمنٹ کا انداز خیال نہ تھا جتنا ہماریوں کے راج کے جملہ کا اور ان مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا جو ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے اور جن کے ہاتھ میں ہندوستانی حکومت کی ہاک تھوڑی تھی۔ انگریزوں کے خلاف اس ہتھیار سے کام لیا گیا۔ گندمی جی کو چھوڑ کر بہت سے لوگوں نے مل کا کھڑا چھوڑنے کے لئے یہ دہلوی دی کہ اس میں گائے اور سور کی چربی لگتی ہے۔ آج بھی کوہدہ ہندو کا سوال راج کاجی ہتھیار بنا ہوا ہے، سچے معنوں میں گورنمنٹ کا ہتھیار نہیں ہے۔

کسی راجکاجی فراموشی کو نیکار میں رکھ کر گوبندھ بند کرنے کی آواز ہرگز نہیں اٹھانی چاہئے۔ یہ ہونا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ آوار بادشاہ دابر نے آتھائی۔ گوہر دہلوی کی صلاح اس نے اپنے بہتے ہماریوں کو دی۔ اس صلاح میں گورنمنٹ کا انداز خیال نہ تھا جتنا ہماریوں کے راج کے جملہ کا اور ان مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا جو ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے اور جن کے ہاتھ میں ہندوستانی حکومت کی ہاک تھوڑی تھی۔ انگریزوں کے خلاف اس ہتھیار سے کام لیا گیا۔ گندمی جی کو چھوڑ کر بہت سے لوگوں نے مل کا کھڑا چھوڑنے کے لئے یہ دہلوی دی کہ اس میں گائے اور سور کی چربی لگتی ہے۔ آج بھی کوہدہ ہندو کا سوال راج کاجی ہتھیار بنا ہوا ہے، سچے معنوں میں گورنمنٹ کا ہتھیار نہیں ہے۔



यहां की म्यूनिसिपल्टी बंध करने के लिये पास नहीं करती वह लोगों के हाथ पड़ जाती है और उनका बंध चोरी चोरी होता है। हमने कहा, "बह रोका क्यों नहीं जाता?" वह बोले, "रोके कौन? जो रोकने वाले हैं वही तो बंध कराते हैं।" हम कुछ न समझ पाये, उन्होंने हमें यों समझाना शुरू किया :

वार्जिलिंग में यह लोग हैं जो गाय से क्या किसी भी जानवर से कुछ परहेज नहीं रखते. पहले नंबर पर हैं अंगरेज, जो चाय बाग में रहते हैं, जिनकी तादाद एक हजारके लगभग है. दूसरे नंबर पर हैं नैपाली, जो दो हजार से कुछ कम ही हैं. तीसरे नंबर पर हैं तिब्बती, जिनकी संख्या है तो कम पर फिर भी काफी है. हम पूछ बैठे, "क्या नैपाली भी गाय से परहेज नहीं करते?" वह बोले, "नैपाली ब्राह्मण क्वात्रिय वैश्य तो गाय से परहेज करते हैं पर शूद्र कहलाने वाली जातियां किसी तरह का भी परहेज नहीं रखती. और इन ही जातियों में से बहुत से लोग पुलिस में हैं. और एक तो ऐसी जगह पर है जहां उनके हांसे से गोबध में बड़ी मदद मिलती है. अब चोरी चोरी गोबध न हो तो क्या हो? उन्होंने यह भी कहा कि जब से बंगाल में गोबध का क़ानून बना है तब से गोबध रुकना तो एक तरफ, ऐसी गांयें भी मरने लगी हैं जो पहले नहीं मारी जाती थीं.

यह सब ऐसी बातें हैं जिन पर ठंडे दिल से विचार करने की ज़रूरत है. भावुकता में डूब कर जो काम किये जाते हैं उनका नतीजा शुरू में भले ही कुछ भला मात्स हो अंत में बुरा ही रहता है.

कब से, क्यों, किसलिये हिन्दुस्तानी सरकार बड़ा मांस भोजन के लिये मजबूर है, पता नहीं? वह एक तो कोरिया जाता है और दूसरे लिसबन जो योरप के राज स्पेन की राजधानी है. यह व्योपार भी गोबध का ज़बरदस्त कारन है. पर हम इस तरफ भी निगाह क्यों डालें? हमें तो सोचना यह है कि हम गोबध क्यों रोकना चाहते हैं? सिर्फ इसीलिये कि हमें काफी दूध नहीं मिलता और हमारी खेती बारी के लिये हमें काफी मजबूत बैल नहीं मिलते. अगर यह दो चीज़ हमें मिलने लगे तब हमारी निगाह गोबध की तरफ जाना बंद हो जायगी जिस तरह वेद काल में नहीं जाती थी. और यह दोनों काम गोरक्षा से हो सकते हैं, गोबध बंदी के क़ानून से नहीं.

घोड़े का बंध नहीं होता. इतना ही नहीं, अब तो जंगली घोड़े मिलते ही नहीं. बोडा आदमी के लिये इतने काम का जानवर हो गया है कि आदमी उसके बंध की बात सोच ही नहीं सकता. अगर घोड़ा और बखड़े भी इसी

पैदा की महुसिलगी बंद करने के लिये पास नहीं करती वे लोकों के हाथ पड़ जाते हैं और उन का बंध चोरी चोरी होता है. हमने कहा, "वे रोका क्यों नहीं जाता?" वह बोले, "रो के कौन? जो रोकने वाले हैं वही तो बंध कराते हैं." हम कुछ न समझ पाये, उन्होंने हमें यों समझाना शुरू किया :

दार्जिलिंग में यह लोग हैं जो गाय से क्या किसी भी जानवर से कुछ परहेज नहीं रखते. पहले नंबर पर हैं अंगरेज, जो चाय बाग में रहते हैं, जिनकी तादाद एक हजार के लगभग है. दूसरे नंबर पर हैं नैपाली, जो दो हजार से कुछ ज्यादा ही हैं. तीसरे नंबर पर हैं तिब्बती, जिनकी संख्या है तो कम पर फिर भी काफी है. हम पूछ बैठे, "क्या नैपाली भी गाय से परहेज नहीं करते?" वह बोले, "नैपाली ब्राह्मण क्वात्रिय वैश्य तो गाय से परहेज करते हैं पर शूद्र कहलाने वाली जातियां किसी तरह का भी परहेज नहीं रखती. और इन ही जातियों में से बहुत से लोग पुलिस में हैं. और एक तो ऐसी जगह पर है जहां उनके हांसे से गोबध में बड़ी मदद मिलती है. अब चोरी चोरी गोबध न हो तो क्या हो? उन्होंने यह भी कहा कि जब से बंगाल में गोबध का क़ानून बना है तब से गोबध रुकना तो एक तरफ, ऐसी गांयें भी मरने लगी हैं जो पहले नहीं मारी जाती थीं.

यह सब ऐसी बातें हैं जिन पर ठंडे दिल से विचार करने की ज़रूरत है. भावुकता में डूब कर जो काम किये जाते हैं उनका नतीजा शुरू में भले ही कुछ भला मात्स हो अंत में बुरा ही रहता है.

कब से, क्यों, किसलिये हिन्दुस्तानी सरकार बड़ा मांस भोजन के लिये मजबूर है, पता नहीं? वह एक तो कोरिया जाता है और दूसरे लिसबन जो योरप के राज स्पेन की राजधानी है. यह व्योपार भी गोबध का ज़बरदस्त कारन है. पर हम इस तरफ भी निगाह क्यों डालें? हमें तो सोचना यह है कि हम गोबध क्यों रोकना चाहते हैं? सिर्फ इसीलिये कि हमें काफी दूध नहीं मिलता और हमारी खेती बारी के लिये हमें काफी मजबूत बैल नहीं मिलते. अगर यह दो चीज़ हमें मिलने लगे तब हमारी निगाह गोबध की तरफ जाना बंद हो जायगी जिस तरह वेद काल में नहीं जाती थी. और यह दोनों काम गोरक्षा से हो सकते हैं, गोबध बंदी के क़ानून से नहीं.

घोड़े का बंध नहीं होता. इतना ही नहीं, अब तो जंगली घोड़े मिलते ही नहीं. बोडा आदमी के लिये इतने काम का जानवर हो गया है कि आदमी उसके बंध की बात सोच ही नहीं सकता. अगर घोड़ा और बखड़े भी इसी



کو جیسے بنے اپنے اوپر سے ڈھا کر فٹک دے۔ سر ہر رس گولے پٹ میں پکے भारी नहीं مالوم होते पर वही रसगुल्ले हाथ में रखे आदमी को थका देते हैं. और उनको फँकने के लिये जल्दी ही जी मचलने लगता है. यही हाल सरकारी कानूनों का होता है. सरकारी कानून धर्म नियमों की तरह कभी भी आदमी के जीवन का अंग नहीं बन पाते.

आज जो लोग गोबध बंद करना चाहते हैं वह गोबध बंदी कानून तो बनवा सकते हैं पर गोबध रोक नहीं सकते. चोरी छिपे गोबध होता ही रहेगा. गोबध बंद कराने के काम में जो लोग सच्चे जी से लगे हुए हैं उनसे हम मिले हैं. उनका कहना है, बंगाल ने गोबध बंदी कानून पास किया, उसको चौदह म्युनिस्पलिटियों में लागू किया. नतीजा यह हुआ कि जहाँ वह लागू नहीं हुआ था वहाँ गोबध शुरू हो गया और गायों के मरने की तादाद उतनी ही बनी रही जितनी पहले थी. उनका यह भी कहना था कि जब तक सारे बंगाल में वह कानून लागू न किया जाय तब तक बंगाल में गोबध बंद नहीं हो सकता. हम पूछ बैठे, तब पड़ोसी रियासतों में होगा. वह बोले, "हां यह तो होगा ही." यह भी बोले, हिन्दुस्तान भर में ही लागू होने पर गोबध बंद हो सकता है. हमने कहा—"तब गोया, पांडेचरी, कारीकाल, माही खुले रहेंगे क्योंकि यह हिन्दुस्तान में होते हुए भी विदेशी राज के कारन हिन्दुस्तान में नहीं माने जाते." वह बोले हां यह तो होगा ही. हमने कहा, "इतना ही क्यों, बंदरों की तरह फिर गायें भी बध होने के लिये विदेश लदने लगेंगी. वह बोले, "उसे रोकने के लिये एक कानून और बनाना पड़ेगा." मतलब यह कि कानून पर कानून बनाते जाइये और नतीजा कुछ नहीं.

आजकल गायें जियादातर इस गरज से नहीं मारी जाती जिस गरज से बकरे मारे जाते हैं. यह तो व्यापार की गरज से मारी जाती हैं. हज़ारों बाखों मन बड़ा मांस कोरिया लद कर जाता है. या लिसबन की मंडी को चला जाता है जो योरप के एक देश की राजधानी है.

गाय को बध होने से बचाने के लिये यह बिलकुल जरूरी है कि एक पेसी जमात तैयार की जाय जो हर तरह के मांस से परहेज करती हो. जैसा महावीर और बुद्ध के समय में हुआ. तब और तब ही यह संभव है कि गाय के लिये वही क़द्र फिर पैदा हो जाय जो कभी उस व़क्त पैदा हुई थी जब गाय से किसी को परहेज न था.

इसी महीने में हम दार्जिलिंग थे. वहां गोबध रोकने के प्रचारक से हमारी मेंट हुई. उन्होंने हमें बताया कि दार्जिलिंग के क़साई घर में 22 गायों का रोज़ बध होता है और इससे कई गुना और गायें चोरी चोरी बध की जाती हैं. हमने पूछा यह चोरी से बध क्यों? वह बोले, "जो गायें

کو چھسہ بلے لیے اور سے اٹھا کر پھینک دے. سر ہر رس گولے پٹ میں پکے भारी नहीं مالوم होते पर वही रसगुल्ले हाथ में रखे आदमी को थका देते हैं. اور ان کو پھینکنے کے لئے جلدی ہو جی مچلنے لگتا ہے. یہی حال سرکاری قانونوں کا ہوتا ہے. سرکاری قانون دھرم دھرم کی طرح کھوی ہوئی آدمی کے جھون کا انگ نہیں بن پاتے.

آج جو لوگ گوہدہ بھد کرنا چاہتے ہیں وہ گوہدہ بھدی قانون تو بلوا سکتے ہیں پر گوہدہ روک نہیں سکتے. چورو گوہدہ ہوتا ہی رہے گا گوہدہ بھد کرانے کے کام میں جو لوگ سچے جی سے لگے ہوئے ہیں ان سے ہم ملے ہیں. ان کا کہنا ہے، بنگال نے گوہدہ بھدی قانون پاس کیا، اسکو چودہ مونسپلٹوں میں لگو کیا. نتیجہ یہ ہوا کہ چھپاں وہ لگو نہیں ہوا تھا وہاں گوہدہ شروع ہو گیا اور گاؤں کے سولے کی تعداد اُٹلی ہی بلی رہی جتنی پہلے تھی. ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ جب تک سارے بنگال میں وہ قانون لگو نہ کیا جائے تب تک بنگال میں گوہدہ بھد نہیں ہو سکتا. ہم پوچھتے تھے، تب پورے ریاستوں میں ہوگا. وہ بولے، "ہاں یہ تو ہوگا ہی." یہ بھی بولے، "ہندستان بھر میں ہی لگو ہونے پر گوہدہ بھد ہو سکتا ہے. ہم نے کہا—"تب کوہا" یا "پانچ پوری" گاؤں، ماہی کھلے، روہیں گے کیونکہ یہ ہندستان میں ہوتے ہوئے بھی ویسی راج کے کارن ہندستان میں نہیں مانے جاتے." وہ بولے ہاں یہ تو ہوگا ہی. ہم نے کہا، "اندا ہی کہوں، ہندوؤں کی طرح پور گاؤں بھی بھد ہونے کے لئے دیکھ لڈنے لگیں گی." وہ بولے، "اے روکنے کے لئے قانون اور بلانا پڑے گا." مطلب یہ کہ قانون پر قانون بھاتے جاہلے اور نچھتے کچھ نہیں.

آج دل گاؤں زیادہ تر اس فرض سے نہیں ماری جاتیں جس فرض سے بکرے مارے جاتے ہیں. یہ تو بھوہار کی فرض سے ماری جاتی ہیں. ہزاروں لاکھوں من پورا ماہس کوڑیا لڈکر جاتا ہے یا لندن کی ملدی کو چلا جاتا ہے جو یورپ کے ایک دیس کی راجدھانی ہے.

گائے کو بھد ہونے سے بچانے کے لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ ایک ایسی جماعت، تھار کی جائے جو ہر طرح کے ماہس سے پرہیز کرتی ہو. جیسا مہاراج اور بھد کے رسم میں ہوا. تب اور تب ہی یہ سمجھو گے کہ گائے کے لئے وہی قدر پور پھدا ہو جائے جو کھوی اُس وقت پھدا ہوئی تھی جب گائے سے کسی کو پرہیز نہ تھا.

اس سہیلے میں ہم دارجلنگ تھے. وہاں گوہدہ روکنے کے پرچارک سے ہماری پہچنت ہوئی. انہوں نے ہمیں بتایا کہ دارجلنگ کے قصائی گھر میں ہائیس گاؤں کا روز بھد ہوتا ہے اور اس سے کئی کئی اور گاؤں چورو چورو بھد کی جاتی ہیں. ہم نے پوچھا یہ چورو سے بھد کیوں؟ لگے وہ بولے، "جو گاؤں



## گورکھا بنام گوہدہ بندی

گورکھا سے ہمارا मतलब ہے گाय کے لیے अच्छی چراگااہوں کا प्रबंध करना, गाय की नसल बढ़ाना, ऐसी दुधारी गाय तैयार करना जो एक वक़्त में दस पंद्रह सेर दूध दे सके. गाय के सुख के लिये सब तरह के साधन जुटाना. लोगों के लिये ऐसे सुभीते कर देना कि वह आसानी से गाय पाल सकें. बीमारी से बचने के लिये उचित साहित्य जुटाना और इलाज के लिये काफ़ी अस्पताल खोलना.

गोबध बंदी में यह सब बातें शामिल नहीं हैं. उसमें तो सिर्फ़ इस बात का शोर मचाया जाता है कि गायों का किसी तरह भी बध न होने पाए.

वेद काल में आर्य लोग गाय पालने के बड़े शौकीन थे. उस समय का साहित्य गाय की बढ़वारी का हाल इतना अच्छा बताता है कि उसको सुन सुनकर मुंह में पानी भर आता है. दूध की नदी बहने की बात सचमुच अगर कभी सही रही होगी तो वेद काल में ही सही रही होगी. पर कन दिनों गोबध बंद नहीं था.

उसके बाद के काल में भी गोबध बंद करने की बात कभी नहीं उठी. पर गोरक्षा जरूर होती रही. गोबध बंद करने की बात सिर्फ़ उस वक़्त उठी जब बुद्ध भगवान और महावीर स्वामी जैसों ने मांस खाने के खिलाफ़ आवाज़ उठाई. और सैकड़ों इंसारों नहीं लाखों ने उनकी बात सुनी, मानी और उस पर अमल किया. करोड़ों के गले उत्तर गई. और वह बाहे मांस छोड़ न सकें हों तब भी निरामिश भोलियों से हर तरह की सहायभूति रखते थे, उनकी इच्छा करते थे. जब मांस न खाने वालों की तावात काफ़ी हो गई तब एक आवाज़ यह भी उठी कि भाई अगर तुम और मांस नहीं छोड़ सकते तो कम से कम ऐसे पशु का मांस तो छोड़ो जो खेती में तुम्हारी बड़ी मदद करता है. मां के मर जाने पर आदमी के बच्चे का पालन करता है. और बेहद मोलाभावा है. इस आवाज़ ने जब बड़ा रूप लिया तब नतीजा यह हुआ कि लोग जिस गाय को बहुत पहले से मां समझते आ रहे थे सच्चे मानों में मां मानने लगे और उसके बच्चे को अपना भाई समझने लगे. फिर जल्दी ही वह दिन आ गया कि गाय का बध करना, अपने आप अधर्म बन बैठा. गोबध बंद करने का अगर कहीं क़ानून बना होता तो गाय को यह बड़ी जगह कभी न मिली होती जो आज मिली हुई है. धर्म विधान और राज विधान में यही तो अंतर है. धर्म विधान आदमी के मन मस्तक में ही नहीं सारी आत्मा में रम जाता है. और राज विधान ऊपर ऊपर रहता है जिसे आदमी हमेशा बोझ समझता रहता है. अंतर ये यह चाहता रहता है कि वह उस बोझ

## गोरक्षा بنام گوہدہ بندی

گورکھا سے ہمارا مطلب ہے گائے کے لئے اچھی چراگاہوں کا پر بندہ کرنا، گائے کی نسل بڑھانا، ایسی دودھاری گائے تیار کرنا جو ایک وقت میں دس پندرہ سےر دودھ دے سکے . گائے کے سکھ کے لئے سب طرح کے سامان چٹانا . لوگوں کے لئے ایسے شہید کر دینا کہ وہ آسانی سے گائے پال سکیں . بیماری سے بچنے کے لئے اچت سامان چٹانا اور علاج کے لئے کافی اسپتال کھولنا .

گوہدہ بندی میں یہ سب باتیں شامل نہیں ہیں . اس میں تو صرف اس بات کا شور مچایا جاتا ہے کہ گایوں کا کسی طرح بھی بدھ نہ ہونے پائے .

وہد کال میں آریہ لوگ گائے پالنے کے بڑے شوقین تھے. اس سلسلہ کا سامانہ گائے کی بڑھواری کا حال "اندا اچھا بتانا ہے کہ اُسکو سن سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے . دودھ کی ندی بہنے کی بات سچ مچ اگر کہیں صحیح دھی ہوگی" تو وہد کال شاہی صحیح دھی ہوگی . پر ان دنوں گوہدہ بند نہیں تھا .

اس کے بعد کے کال میں بھی گوہدہ بند کرنے کی بات کہی نہیں آئی . پر گورکھا ضرور ہوتی رہی . گوہدہ بند کرنے کی بات صرف اس وقت آئی جب بدھ بھگوان اور مہاویر سوامی جیسوں نے مانس کھانے کے خلاف آواز اٹھائی اور سیکڑوں هزاروں نہیں لاکھوں نے ان کی بات سنی، مانی اور اس پر عمل کیا . کروڑوں کے کلمہ اُتر آئی . اور وہ چاہے مانس نہ چھوڑ سکے ہوں تب بھی ترانے بوجھوں سے ہر طرح کی سہانوبھوتی دھتے تھے، ان کی عزت کرتے تھے . جب مانس نہ کھالے والوں کی تعداد کافی ہوگئی تب ایک آواز یہ بھی آئی کہ بھائی، اگر تم اور مانس نہیں چھوڑ سکتے تو کم سے کم ایسے دھو کا مانس تو چھوڑو جو کھیتی میں تمہاری ہی مدد کرنا ہے . ماں کے مرنے پر جانے پر آدمی کے بچے کا پالن کرنا ہے . اور بے حد بھولا بھالا ہے . اس آواز نے جب ہوا روپ لیا تب نتیجہ ہوا کہ لوگ جس گائے کو بہت پہلے سے ماں سمجھتے آ رہے تھے سچے معنوں میں ماں ماننے لگے اور اس کے بچہروں کو اپنا بھائی سمجھنے لگے . پھر جلدی ہی وہ دن آگیا کہ گائے کا بدھ کرنا، اپنے آپ ادھرم بن بیٹھا . گوہدہ بند کرنے کا اثر کہیں قانون بنا ہوتا تو گائے کو یہ بڑی جگہ کہیں نہ ملی ہوتی جو آج ملی ہوئی ہے . دھرم دھمان اور راج دھمان میں یہی تو اंतर ہے . دھرم دھمان آدمی کے من مستک میں ہی نہیں ساری آتما میں دم جاتا ہے . اور راج دھمان لوہر اور دھتا ہے جیسے آدمی ہمیشہ بوجھا سمجھتا دھتا ہے . اندر سے یہ چاہتا دھتا ہے کہ وہ اس بوجھ



ڈاکٹر لویڈیا نے وہ دونوں خط آجاریہ کڑوائی کے اخبار ”وجل“ میں چھپوا دیئے۔ لیکن مس اسکندر کا نام ظاہر نہیں کیا۔ پر نہ جانے کسے دلی کے امریکی دوتاواس نے لکھک کا ٹھہک پتہ لگا لیا۔ یہ بات ہمارے لئے شرم کی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک معمولی سا راز بھی چھپا کر نہیں رکھ سکتے اور اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ امریکی خفیہ جال بہت دور تک پہنچے ہوئے ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مس اسکندر کو نوکری سے ہٹا دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ فوراً امریکہ کے لئے روانہ ہو جائیں۔ وہاں سہکارتھی کی دسی اسکندر کی گردن کے انتظار میں ہے۔

سب کو اس طرح دبانے، سب کو اس طرح سے ختم کرنا اگر آجادی ہے تو امریکہ میں یہ آزادی کافی مالو میں پائی جاتی ہے!

ایک دو ہفتہ گز گزائیں یہ نہیں ہوں بلکہ یہ وہ گزائیں ہوں جو کسی طرح ظاہر ہو گئی ہوں۔ 25 مئی کو سٹینلی بوریچ نے لندن سے نکلنے والے اخبار ’نیوز ٹرانسکال‘ میں لکھا ہے کہ 12000 ویدشی امریکہ سے نیکالے جا رہے ہیں اور دس ہزار ایسے ویدشیوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ انہیں امریکہ کا نائیک رکھ دیا جائے یا نہیں جو کہ باہر سے آ کر امریکہ کے نائیک بن گئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے: آخر ان لوگوں کو کیا خطا ہے جس کی وجہ سے انہیں دیہی نکالا مل رہا ہے۔ امریکی استیث قہار و استیث کے سوچنا وہاں کے سرکاری قائلر و اہرت جانسن نے اس بات کا ٹھہک جواب دیا ہے۔ ”جو آدمی سرکار کے مصلوبوں سے پوری ہمدردی نہیں رکھتا اسے ختم کر دیا جائے گا۔“ دھواں دے کہ یہ شہد اس دیہی کے ذمہ دار شاک کے ہیں جو لوک شاہی کے نام پر خون خرابہ کرتا رہتا ہے اور دسائی آزادی کو بہت اہم سمجھتا ہے اور ایسی آزادی ڈراپ کر کے لئے وہ کروڑوں جانیں مار سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایٹم بم کا ایڈوک کر سکتا ہے۔

ان گزائیں کو بھکر وٹیں کھڑے ہو جانے سواہاک ہے۔ پر اب مل کا وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ امریکہ کے ویدانوں، سماجی کام کرنے والوں اور ہر طرح کے لوگوں کی جان بچانے کی ہم کوشش کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک سنگتوں کھڑا کیا جائے جو اس طرح کے سوالوں کو لے کر یہاں کے امریکی دوتاواس پر اثر قائل اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر امریکی جلتا کو نہتک بل دے جس سے کہ وہ اس برہنہ کے خلاف آواز اٹھا سکے اور ظلم کا خاتمہ کر سکے۔

سب کو اس طرح دبانے، سب کو اس طرح سے ختم کرنا اگر آزادی ہے تو امریکہ میں یہ آزادی کافی مالو میں پائی جاتی ہے!

ایک دو ہفتہ گز گزائیں یہ نہیں ہوں بلکہ یہ وہ گزائیں ہوں جو کسی طرح ظاہر ہو گئی ہوں۔ 25 مئی کو سٹینلی بوریچ نے لندن سے نکلنے والے اخبار ’نیوز ٹرانسکال‘ میں لکھا ہے کہ 12000 ویدشی امریکہ سے نیکالے جا رہے ہیں اور دس ہزار ایسے ویدشیوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ انہیں امریکہ کا نائیک رکھ دیا جائے یا نہیں جو کہ باہر سے آ کر امریکہ کے نائیک بن گئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے: آخر ان لوگوں کو کیا خطا ہے جس کی وجہ سے انہیں دیہی نکالا مل رہا ہے۔ امریکی استیث قہار و استیث کے سوچنا وہاں کے سرکاری قائلر و اہرت جانسن نے اس بات کا ٹھہک جواب دیا ہے۔ ”جو آدمی سرکار کے مصلوبوں سے پوری ہمدردی نہیں رکھتا اسے ختم کر دیا جائے گا۔“ دھواں دے کہ یہ شہد اس دیہی کے ذمہ دار شاک کے ہیں جو لوک شاہی کے نام پر خون خرابہ کرتا رہتا ہے اور دسائی آزادی کو بہت اہم سمجھتا ہے اور ایسی آزادی ڈراپ کر کے لئے وہ کروڑوں جانیں مار سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایٹم بم کا ایڈوک کر سکتا ہے۔

ان گزائیں کو بھکر وٹیں کھڑے ہو جانے سواہاک ہے۔ پر اب مل کا وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ امریکہ کے ویدانوں، سماجی کام کرنے والوں اور ہر طرح کے لوگوں کی جان بچانے کی ہم کوشش کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک سنگتوں کھڑا کیا جائے جو اس طرح کے سوالوں کو لے کر یہاں کے امریکی دوتاواس پر اثر قائل اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر امریکی جلتا کو نہتک بل دے جس سے کہ وہ اس برہنہ کے خلاف آواز اٹھا سکے اور ظلم کا خاتمہ کر سکے۔



مان لی جاتی تو سوال اٹھتا ہے کہ پروفیسر لیتھمور، دوسرے جانے پہچانے نہتا بھی کہا راج کو آئندہ کے دھن میں ہیں۔ دنیا انہیں کمونسٹ ورورڈ ہی تو کہہ سکتی ہے پر ان پر کمونسٹ ہونے کا شک نہیں کر سکتی۔ ہم ان سب کو چھوڑ دیتے ہیں جو خودکشی کر کے "لوک شاہی" کی ویڈی پر بلی چڑھ گئے۔ یہاں ہم ان والعات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو حال کے ہیں۔

پروفیسر لیتھمور جیسے ویڈیان پر ہر آدمی فکڑ کرے گا۔ پر ان تک کو نہیں چھوڑا گیا۔ طرح طرح سے پریشان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ کمونسٹ ہیں اور اس لئے ان پر وشواس کہات کا الزام لگا کر ختم کر دیا جائے۔ لیتھمور پر اب بھی مقدسہ چل رہا ہے اور جو الزام ان پر ہے وہ خود امریکی لوک شاہی کی قلمی کھول کو رکھ دیتا ہے : دوسری لوائی کے رسالے میں پروفیسر لیتھمور نے کسی دن روسی راجدوت کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ سرکاری پکھ کا کھانا ہے کہ چونکہ روسی راجدوت سے ان کا روتی کا سببندہ تھا اسلئے یہ ضرور روسی راجدوت ہونگے۔ لیتھمور نے صدائی دی ہے کہ انہوں نے روسی راجدوت کے ساتھ اُس سے کھانا کھایا ہے جب روس اور امریکہ ایک ساتھ ہوئے تھے۔ پر سرکار کا کہنا ہے کہ انہوں نے کھانا روس اور امریکہ کے ایک سے پہلے کھایا ہے۔ سوہم کورٹ کو پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ انہوں نے کھانا پہلے کھایا تھا یا پچھلے !

بھارت کی سوشلسٹ پارٹی اور اس کے नेता ڈاکٹر راممنوہر لودھیہ پر کوئی کمونیٹ ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا بلکہ لوگ امریکہ کے ساتھی ہونے کا ان پر شک کرتے ہیں۔ کلکتہ میں بولتے ہوئے ڈاکٹر ساہب کو بھی وہی بڑے بڑے میں امریکہ سے اپیل کرنی پڑی کہ وہ سچ بولنے پر مس مارگریٹ اسکندر کو سزا نہ دے۔ گتھمور ہیں : فلیپائن پر امریکہ قبضہ چمائے ہوئے ہے۔ وہاں کی جلتا ہے حد فریب ہے اور ان کی فریبی پر امریکی دولت کے محفل کھڑے کر رہے ہیں۔ مس اسکندر کو امریکہ سے اسکالر شپ دے کو فلیپائن کی راجدھانی ملو بہوچا گیا تھا۔ وہ ملو کے ایک اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ ملو میں رہ کر انہوں نے اُس دیہ کی دردنا کو اچھی طرح دیکھا اور دیہی لوگوں کے ساتھ امریکی جو بدوہار کرتے تھے اس سے ان کو بہت شاک لگا۔ ڈاکٹر لودھیہ ملو گئے تھے اور مس اسکندر نے ان سے وہاں ملازمت کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ہندستان لوتھے پر مس اسکندر نے دو خط ڈاکٹر لودھیہ کو لکھے تھے جس میں وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی تھی۔



میں پُنجیباد کی رक्षा کا نام نہ لے کر लोकशाही کی रक्षा का नाम क्यों लेते हैं ? इस सबाल पर सोचने पर पता चलता है कि पंजीबाद का डांचा इतना सड़ा है और उसकी नैतिकता इतनी गिरी है कि आम जनता की अदालत के सामने उसके पक्ष में कुछ नहीं कहा जा सकता. सब जानते हैं कि अमरीका पंजीबाद का अलमबरदार है और उसी व्यवस्था से वह चिपका रहना चाहता है. पर उसमें इतना साहस बाकी नहीं रह गया है कि वह इस बात को साफ साफ कह सके. कम्युनिज्म की यह जबरदस्त नैतिक जीत है, इससे इनकार नहीं किया जा सकता.

कुछ लोग हमारी बात को नहीं मानेंगे और कहेंगे कि अमरीका लोकशाही का नाम इसलिये लेता है क्योंकि रूस में तानाशाही है. विरोध असल में कम्युनिज्म का नहीं है बल्कि तानाशाही बंग के राज का है. हम इस बात को नहीं मानते. फिर भी इस बात पर विचार करना गलत न होगा.

बात समझने के लिये हम अमरीका की उस नीति को लें जो "लोकशाही" की रक्षा के लिये बनाई गई है. उल्लेख साहब ने शान्ति के पांच खम्बे बनाए हैं. पांचवां खम्बा यह है—"धार्मिक और दिमागी आजादी." यह बात बहुत ही अच्छी है और दिल पर असर करती है. पर अमरीकी लोकशाही में इस पर अमल किस तरह किया जाता है, यह बात सोचने की है. खुद अमल करके जो उपदेश दूसरों को दिया जाता है वह ज़ियादा असरदार होता है. हमें दुख है कि अमरीका वालों के शब्दों और कामों में ज़मीन आसमान की दूरी है.

आज यह बात छिपी नहीं है कि सैकड़ों ने अमरीका में खुदकुशी कर ली है और हजारों जेलों में बन्द हैं. मैकारथी का नाम सुन कर तो हम लोगों के बदन में भी झुरझुरी पैदा हो जाती है. अगर दिमागी आजादी से मतलब किसी खास तरह की आजादी से है तो हमें कुछ नहीं कहना. पर अगर दिमागी आजादी का मतलब है माली, समाजी, नैतिक, धार्मिक विचार रखना और आजादी से उनकी जाहिर करना तो हमें यह बात घटनाओं के आधार पर मानना पड़ती है कि अमरीका में यह आजादी आज बिलकुल नहीं है. कम्युनिज्म एक विचार है और उस विचार के मानने वालों को आजादी मिलना चाहिये. शायद आदर्श के रूप में अमरीकी शासक इस बात को मानते हों पर अमल में सामंजस्य बिलकुल उलटा है.

कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बरों को जेलों में रखा जाता है, उन्हें तरह तरह से ज़ख्मी किया जाता है. इसका जवाब यह हो सकता है कि यह लोग तारुत से राज उलटना चाहते हैं, इस कारन से इनको सज़ाएं दी जाती हैं, नहीं तो कम्युनिज्म को मानना जुर्म नहीं है. अगर यह बात

मैं पंजीबाद की रक्षा का नाम न लेकर लोकशाही की रक्षा का नाम क्यों लेते हैं ? इस सबाल पर सोचने पर पता चलता है कि पंजीबाद का डांचा इतना सड़ा है और उसकी नैतिकता इतनी गिरी है कि आम जनता की अदालत के सामने उसके पक्ष में कुछ नहीं कहा जा सकता. सब जानते हैं कि अमरीका पंजीबाद का अलमबरदार है और उसी व्यवस्था से वह चिपका रहना चाहता है. पर उसमें इतना साहस बाकी नहीं रह गया है कि वह इस बात को साफ साफ कह सके. कम्युनिज्म की यह जबरदस्त नैतिक जीत है, इससे इनकार नहीं किया जा सकता.

कुछ लोग हमारी बात को नहीं मानेंगे और कहेंगे कि अमरीका लोकशाही का नाम इसलिये लेता है क्योंकि रूस में तानाशाही है. विरोध असल में कम्युनिज्म का नहीं है बल्कि तानाशाही बंग के राज का है. हम इस बात को नहीं मानते. फिर भी इस बात पर विचार करना गलत न होगा.

बात समझने के लिये हम अमरीका की उस नीति को लें जो "लोकशाही" की रक्षा के लिये बनाई गई है. उल्लेख साहब ने शान्ति के पांच खम्बे बनाए हैं. पांचवां खम्बा यह है—"धार्मिक और दिमागी आजादी." यह बात बहुत ही अच्छी है और दिल पर असर करती है. पर अमरीकी लोकशाही में इस पर अमल किस तरह किया जाता है, यह बात सोचने की है. खुद अमल करके जो उपदेश दूसरों को दिया जाता है वह ज़ियादा असरदार होता है. हमें दुख है कि अमरीका वालों के शब्दों और कामों में ज़मीन आसमान की दूरी है.

आज यह बात छिपी नहीं है कि सैकड़ों ने अमरीका में खुदकुशी कर ली है और हजारों जेलों में बन्द हैं. मैकारथी का नाम सुन कर तो हम लोगों के बदन में भी झुरझुरी पैदा हो जाती है. अगर दिमागी आजादी से मतलब किसी खास तरह की आजादी से है तो हमें कुछ नहीं कहना. पर अगर दिमागी आजादी का मतलब है माली, समाजी, नैतिक, धार्मिक विचार रखना और आजादी से उनकी जाहिर करना तो हमें यह बात घटनाओं के आधार पर मानना पड़ती है कि अमरीका में यह आजादी आज बिलकुल नहीं है. कम्युनिज्म एक विचार है और उस विचार के मानने वालों को आजादी मिलना चाहिये. शायद आदर्श के रूप में अमरीकी शासक इस बात को मानते हों पर अमल में सामंजस्य बिलकुल उलटा है.

कम्युनिस्ट पार्टी के मेम्बरों को जेलों में रखा जाता है, उन्हें तरह तरह से ज़ख्मी किया जाता है. इसका जवाब यह हो सकता है कि यह लोग तारुत से राज उलटना चाहते हैं, इस कारन से इनको सज़ाएं दी जाती हैं, नहीं तो कम्युनिज्म को मानना जुर्म नहीं है. अगर यह बात



مانیتا ہے اور زمینداروں سے انکی زمین کا چھٹا حصہ کر کے روپ میں کسانوں کو دلانا ہے، اس کے دان اور پگھلے شہدوں کا کھا اوتہ ہوا ہے اسے بھی سمجھدار نہ سمجھے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے یہ اوتہ بھی کہسے نکال لیا کہ زمیندار اپنی زمین کا چھٹا بھاگ دیکر ہوشیہ کے لئے چھوٹا جائیگر۔ کھا کر ایک ہی بار اٹھایا جاتا ہے۔ کو طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ سال میں دوبارہ وصول کئے جاتے ہیں کچھ ایک بار اور کچھ کئی سال کے بعد۔ یہ چھٹے بھاگ والا بھوسی کر کس طرح کا ہے یہ ابھی طے ہی کہاں کہاں تھا۔ یہ تو راجہ ہی طے کرے گا۔ اور ونوبا کی راجہ ہے چلتا۔

جب ونوبا جی بھوسی دان کے لئے نکلے تھے تب 'نیا دنیا' میں ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا۔ اس وقت ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری نگاہ اس طرف نہیں دھونگی کہ ونوبا جی کو کب کہاں نکلی زمین ملی ہے۔ ہماری نگاہ تو اس طرف دھونگی کہ انہیں اس بات میں کہاں تک سہلوتا ہوئی کہ ملنا سے نہیں اہلسا ہے یہی یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور آج ہم یہ نوٹ اس بات کو لیکر لکھ رہے ہیں کہ ہمیں یہ چلتا نہیں کہ کب سب زمین کسانوں کے ہاتھ میں آئی ہے؟ ہمیں تو یہ چلتا ہے کہ کب ہندوستان کی ساری چلتا یہ سمجھنے لگتی ہے کہ ہندوستان کی وہ مالک ہے نہ کہ وہ سرکار جسکو اس نے کھوا کھا ہے۔ اور یہ ایسا کام ہے جس پر ہر ایک کو خواہ ہونا چاہئے۔

10-6-53

—مگھانہین

## لوکشاہی اور امریکا

جین شہدوں کا سب سے بڑا دھوکہ دیا ہے ان میں سے "لوکشاہی" ایک ہے۔ طرح طرح کے مانی اس شہد کو پہنچا جانے لگے ہیں۔ امریکا والے تو اس حد تک گئے ہیں کہ انکی ہر نیتی "لوکشاہی" کہی جانے لگی ہے۔ آج کل یہ ہے کہ لوکشاہی اور کمیونیزم دو گروہ ہیں۔ کمیونیزم کا سرکار روس ہے اور لوکشاہی کا سرکار امریکا ہے۔ پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ لوکشاہی کے مقابلے میں "ٹانا شاہی" بادشاہی و قہورہ کو تو کھوا کھا جاسکتا ہے۔ پر کمیونیزم سے اسکی کوئی ہوز نہیں ہو سکتی۔ کمیونیزم ایک طرح کی مالی دہشت گردی اور اس مالی دہشت گردی پر ہندوستانی نئی دنیا کا نام ہے۔ لوکشاہی صرف اس مضمون کا نام ہے جس نے راجا سے راج ستا اچے ہاتھوں میں لے لی ہے۔

کمیونیزم ایک منہ بول ہے اور لوکشاہی صرف ایک راستہ۔ منہ بول اور راستہ میں نگر نہ سکتی ہے۔ لیکن سوال آتا ہے کہ امریکا والے کمیونیزم کے مقابلے

مائلتہ ہے اور زمینداروں سے انکی زمین کا چھٹا حصہ کر کے روپ میں کسانوں کو دلانا ہے، اس کے دان اور پگھلے شہدوں کا کھا اوتہ ہوا ہے اسے بھی سمجھدار نہ سمجھے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے یہ اوتہ بھی کہسے نکال لیا کہ زمیندار اپنی زمین کا چھٹا بھاگ دیکر ہوشیہ کے لئے چھوٹا جائیگر۔ کھا کر ایک ہی بار اٹھایا جاتا ہے۔ کو طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ سال میں دوبارہ وصول کئے جاتے ہیں کچھ ایک بار اور کچھ کئی سال کے بعد۔ یہ چھٹے بھاگ والا بھوسی کر کس طرح کا ہے یہ ابھی طے ہی کہاں کہاں تھا۔ یہ تو راجہ ہی طے کرے گا۔ اور ونوبا کی راجہ ہے چلتا۔

جب ونوبا جی بھوسی دان کے لئے نکلے تھے تب 'نیا دنیا' میں ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا۔ اس وقت ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری نگاہ اس طرف نہیں دھونگی کہ ونوبا جی کو کب کہاں نکلی زمین ملی ہے۔ ہماری نگاہ تو اس طرف دھونگی کہ انہیں اس بات میں کہاں تک سہلوتا ہوئی کہ ملنا سے نہیں اہلسا ہے یہی یہ کام ہو سکتا ہے۔ اور آج ہم یہ نوٹ اس بات کو لیکر لکھ رہے ہیں کہ ہمیں یہ چلتا نہیں کہ کب سب زمین کسانوں کے ہاتھ میں آئی ہے؟ ہمیں تو یہ چلتا ہے کہ کب ہندوستان کی ساری چلتا یہ سمجھنے لگتی ہے کہ ہندوستان کی وہ مالک ہے نہ کہ وہ سرکار جسکو اس نے کھوا کھا ہے۔ اور یہ ایسا کام ہے جس پر ہر ایک کو خواہ ہونا چاہئے۔

—بھگوان دین

10.6.53

## لوک شاہی اور امریکا

جین شہدوں کا سب سے بڑا دھوکہ دیا ہے ان میں سے "لوکشاہی" ایک ہے۔ طرح طرح کے مانی اس شہد کو پہنچائے جانے لگے ہیں۔ امریکا والے تو اس حد تک گئے ہیں کہ انکی ہر نیتی "لوکشاہی" کہی جانے لگی ہے۔ آج کل یہ ہے کہ لوکشاہی اور کمیونیزم دو گروہ ہیں۔ کمیونیزم کا سرکار روس ہے اور لوکشاہی کا سرکار امریکا ہے۔ پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ لوکشاہی کے مقابلے میں "ٹانا شاہی" بادشاہی و قہورہ کو تو کھوا کھا جاسکتا ہے۔ پر کمیونیزم سے اسکی کوئی ہوز نہیں ہو سکتی۔ کمیونیزم ایک طرح کی مالی دہشت گردی اور اس مالی دہشت گردی پر ہندوستانی نئی دنیا کا نام ہے۔ لوکشاہی صرف اس مضمون کا نام ہے جس نے راجا سے راج ستا اچے ہاتھوں میں لے لی ہے۔

کمیونیزم ایک منہ بول ہے اور لوکشاہی صرف ایک راستہ۔ منہ بول اور راستہ میں نگر نہ سکتی ہے۔ لیکن سوال آتا ہے کہ امریکا والے کمیونیزم کے مقابلے



سُنکر اسے ہی جتنی جلدی مر جاتا یا جیسے آجکل کوئی پُداشیہم ساڑناٹھاٹ کر مر سکتا ہے۔ پریم میں مارنے کی جیتنی پھیلاوا تاڑت ہوتی ہے۔ جتنی کڑوہ میں نہی، کڑوہ جیتنی آسانی سے سیدھ ہوتا ہے۔ اُلی کڑوہ میں نہیں، پر کڑوہ جیتنی آسانی سے سیدھ ہوتا ہے۔ اُلی آسانی سے پریم سیدھ نہیں ہوتا۔ اسی بات کس نے نہیں سہی کہ امک پتلی آپ پتی کے مرنے کی خبر سُنکر ایک دم دم توڑ بیٹھی یا امک ماں آپ بچے کی موت پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ چترور کے اُلی کُٹ مہن لکڑی دس نارواں کھینچی گئی تھیں تو سہلکڑوں نے اسی کُٹ میں خورے خورے چھلک بھی ماری تھی۔ پرانی باتیں چھوڑو، لاکھوں روپے کا مال دوکان داروں نے خوشی خوشی سن 1921 میں اپنے ہی چلے دیا تھا جو سے بدھ بھگوان نے اپنا راج چھوڑ دیا تھا۔ پھر ونوبا کو یہ سوچنے کا کہیں حق نہیں کہ اگر کانگریس اور دوسری سلسلہاں اُس کے ساتھ اُس کے آندولن میں جت جائیں تو زمین کا سوال ایک دن میں حل ہو سکتا ہے۔

جیسے دیکھو وہ ونوبا کو کالے کی لکڑی میں لٹا ہوا ہے۔ ہم اسے برا نہیں سمجھتے۔ اس کے بھور کوئی اس بات کا پتہ نہیں کہ اسے کونسا کھانا کھانا ہے۔ وہ ہو سکتا ہے۔ سولے نے 'کب کہاں' آگ میں تھوہ بنا کسی کو پتہ نہیں دیا ہے کہ اسکی چمک سدا دھلے والی ہے؟

ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ جیسے دیکھو وہ ونوبا کو کالے کی لکڑی میں لٹا ہوا ہے۔ ہم اسے برا نہیں سمجھتے۔ اس کے بھور کوئی اس بات کا پتہ نہیں کہ اسے کونسا کھانا کھانا ہے۔ وہ ہو سکتا ہے۔ سولے نے 'کب کہاں' آگ میں تھوہ بنا کسی کو پتہ نہیں دیا ہے کہ اسکی چمک سدا دھلے والی ہے؟

کچھ لوگوں کو دان اور یکن شब्दوں سے چید ہے۔ جی میں کب ان شब्दوں سے چپٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہ وہاں کہ سب زمین کا مالک ایدھر یا ایدھر وہ جو اسکی چھاتی پھر کر اُس میں اُسی کے کام کی چھوڑ دیا کرے یا نکالے، وہ دان اور یکن شब्دوں سے چپٹا ہو کر رہ سکتا ہے؟ شब्دوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو جینوبا جنتا کو راج

کچھ لوگوں کو دان اور یکن شब्دوں سے چید ہے۔ جی میں کب ان شब्دوں سے چپٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہ وہاں کہ سب زمین کا مالک ایدھر یا ایدھر وہ جو اسکی چھاتی پھر کر اُس میں اُسی کے کام کی چھوڑ دیا کرے یا نکالے، وہ دان اور یکن شब्دوں سے چپٹا ہو کر رہ سکتا ہے؟ شब्دوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو جینوبا جنتا کو راج

کچھ لوگوں کو دان اور یکن شब्دوں سے چید ہے۔ جی میں کب ان شब्دوں سے چپٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہ وہاں کہ سب زمین کا مالک ایدھر یا ایدھر وہ جو اسکی چھاتی پھر کر اُس میں اُسی کے کام کی چھوڑ دیا کرے یا نکالے، وہ دان اور یکن شब्دوں سے چپٹا ہو کر رہ سکتا ہے؟ شब्دوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو جینوبا جنتا کو راج

کچھ لوگوں کو دان اور یکن شब्دوں سے چید ہے۔ جی میں کب ان شब्دوں سے چپٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہ وہاں کہ سب زمین کا مالک ایدھر یا ایدھر وہ جو اسکی چھاتی پھر کر اُس میں اُسی کے کام کی چھوڑ دیا کرے یا نکالے، وہ دان اور یکن شब्دوں سے چپٹا ہو کر رہ سکتا ہے؟ شब्دوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو جینوبا جنتا کو راج

کچھ لوگوں کو دان اور یکن شब्دوں سے چید ہے۔ جی میں کب ان شब्دوں سے چپٹنے والے ہیں۔ جو یہ کہ وہاں کہ سب زمین کا مالک ایدھر یا ایدھر وہ جو اسکی چھاتی پھر کر اُس میں اُسی کے کام کی چھوڑ دیا کرے یا نکالے، وہ دان اور یکن شब्دوں سے چپٹا ہو کر رہ سکتا ہے؟ شब्دوں کا اثر بدلتا رہا ہے، بدلتا رہا ہے، بدلتا رہے گا۔ جو جینوبا جنتا کو راج



اوپر کے اعتراض ایسے ہیں جن کا کچھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اس کام کی وہ ایسی برائیاں ہیں جو اس سے دور نہیں کی جاسکتیں۔ جنہوں میں سے دو بھلائی نہیں دے سکتی جسکے لئے یہ اندولیں اٹھایا گیا ہے۔

ہاں کچھ ایسے اعتراض ہیں جن میں آسانی سے سدھار کیا جاسکتا ہے، جیسے دان میں ملیں جمنیوں کا پورا پورا حساب نہ لگانا، یا پھر جمنیوں کو بھی دان میں سے لینا جو کھجور کی جڑ ہیں۔

مگر ایسی بات ہے جو کبھی ناپی نہیں جاسکتی، مانتے ہیں کہ کھجور پر نہیں چڑھتی۔ کسی طرح کے بیٹھان کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ تو کسی کی پکڑ میں آتی ہے جو اسے لے کر چلتا ہے۔ تلوار کے بیٹھان سے ہندوستان کی تمام سے پرے کی بات ہے۔ پر ایسا کام ہو گیا، پامی ہندوستان آباد ہو گیا۔ بیٹھان بھاپ کھانکھن کاٹ سکتا ہے، پامی جمنیوں کا جنتا میں ایک ایک پتھارا ہو سکتا ہے۔ یہ کسی مائیس باہی نہیں سوچ سکتا۔ کسی ایسا آدمی میں نہیں ہے جو اس بھادان کے کام میں آگاہ ہو، پر اگر ہمارا انومان غلط نہیں ہے تو وہی کو ایسا لگتا چاہئے کہ جلد ہی سب زمیندار خوشی سے اپنی زمینوں کو دے ڈالیں گے۔ جلد ہی سے وہ ہری ہری ہوتی رہے گی۔ ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اگر سارے زمیندار اپنی زمیندار چاہیں گے راجہ کے چرنوں میں آئیں گے۔ ہوں تو وہی کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ایک نہ ایک دن سب زمیندار ضرور اپنی زمینوں کو خوشی خوشی کسانوں کو دے ڈالیں گے۔ اگر لوائی جھگڑے کے بعد خون خرابہ کے پتھر چرچل صاحب کی جگہ اٹلی لے سکتے ہیں تو کھانا یہ ممکن نہیں تھا کہ زار کے گھرانے کا سربراہ لگے پتھر لٹاؤں۔ اس میں اس طرح کی حکومت قائم کر سکتے تھے۔ آج قائم ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ جو جس طرح کا وہاں لوگوں کو کام کرنے لگتا ہے وہ اسی قہقہے سے سہل ہو سکتا ہے، ہوتا ہے۔ اس کا نام 'سودھرم' ہے۔

دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو ہلکا سے ہی ہو سکے اور اہلکسا سے نہ ہو سکے۔ دوسرے کی جان لینے لگے کا کام اہلکسا سے ہوتا ہے۔ پرائیں میں ہم لے پڑا ہے۔ اور دوسروں سے آگے گاہیں بنا ہے اور اپنی آنکھوں دیکھا ہی ہے۔ پرائیں کا کہنا ہے کہ ایک سے تھا جب آدمی اپنا بھو تھا کہ اگر بھول سے یا پرہیز سے وہ کسی کی جان لے لیتا تو وہ سچے کے کسی بڑے بڑے کے ملک سے صرف 'ہل' ہوتا۔

ہاں کچھ ایسے اعتراض ہیں جن میں آسانی سے سدھار کیا جاسکتا ہے، جیسے دان میں ملیں جمنیوں کا پورا پورا حساب نہ لگانا، یا پھر جمنیوں کو بھی دان میں سے لینا جو کھجور کی جڑ ہیں۔

مگر ایسی بات ہے جو کبھی ناپی نہیں جاسکتی، مانتے ہیں کہ کھجور پر نہیں چڑھتی۔ کسی طرح کے بیٹھان کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ تو کسی کی پکڑ میں آتی ہے جو اسے لے کر چلتا ہے۔ تلوار کے بیٹھان سے ہندوستان کی تمام سے پرے کی بات ہے۔ پر ایسا کام ہو گیا، پامی ہندوستان آباد ہو گیا۔ بیٹھان بھاپ کھانکھن کاٹ سکتا ہے، پامی جمنیوں کا جنتا میں ایک ایک پتھارا ہو سکتا ہے۔ یہ کسی مائیس باہی نہیں سوچ سکتا۔ کسی ایسا آدمی میں نہیں ہے جو اس بھادان کے کام میں آگاہ ہو، پر اگر ہمارا انومان غلط نہیں ہے تو وہی کو ایسا لگتا چاہئے کہ جلد ہی سب زمیندار خوشی سے اپنی زمینوں کو دے ڈالیں گے۔ جلد ہی سے وہ ہری ہری ہوتی رہے گی۔ ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اگر سارے زمیندار اپنی زمیندار چاہیں گے راجہ کے چرنوں میں آئیں گے۔ ہوں تو وہی کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ایک نہ ایک دن سب زمیندار ضرور اپنی زمینوں کو خوشی خوشی کسانوں کو دے ڈالیں گے۔ اگر لوائی جھگڑے کے بعد خون خرابہ کے پتھر چرچل صاحب کی جگہ اٹلی لے سکتے ہیں تو کھانا یہ ممکن نہیں تھا کہ زار کے گھرانے کا سربراہ لگے پتھر لٹاؤں۔ اس میں اس طرح کی حکومت قائم کر سکتے تھے۔ آج قائم ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ جو جس طرح کا وہاں لوگوں کو کام کرنے لگتا ہے وہ اسی قہقہے سے سہل ہو سکتا ہے، ہوتا ہے۔ اس کا نام 'سودھرم' ہے۔

دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو ہلکا سے ہی ہو سکے اور اہلکسا سے نہ ہو سکے۔ دوسرے کی جان لینے لگے کا کام اہلکسا سے ہوتا ہے۔ پرائیں میں ہم لے پڑا ہے۔ اور دوسروں سے آگے گاہیں بنا ہے اور اپنی آنکھوں دیکھا ہی ہے۔ پرائیں کا کہنا ہے کہ ایک سے تھا جب آدمی اپنا بھو تھا کہ اگر بھول سے یا پرہیز سے وہ کسی کی جان لے لیتا تو وہ سچے کے کسی بڑے بڑے کے ملک سے صرف 'ہل' ہوتا۔

دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو ہلکا سے ہی ہو سکے اور اہلکسا سے نہ ہو سکے۔ دوسرے کی جان لینے لگے کا کام اہلکسا سے ہوتا ہے۔ پرائیں میں ہم لے پڑا ہے۔ اور دوسروں سے آگے گاہیں بنا ہے اور اپنی آنکھوں دیکھا ہی ہے۔ پرائیں کا کہنا ہے کہ ایک سے تھا جب آدمی اپنا بھو تھا کہ اگر بھول سے یا پرہیز سے وہ کسی کی جان لے لیتا تو وہ سچے کے کسی بڑے بڑے کے ملک سے صرف 'ہل' ہوتا۔



विनोबा जी ने यह चुनौती चुपचाप सुन ली। कुछ दिनों वार्धा बैठ कर उस चुनौती के बोझ से हलके हुए और फिर बट भूदान यज्ञ के लिये वार्धा से निकल पड़े। चुनौती के जवाब में नहीं, अन्दर की प्रेरणा पर निकले। जैसे जैसे सफलता मिलती गई प्रेरणा बढ़ती गई, बलवती होती गई। मध्य प्रांत लांघते, ओपाल होते हुए, उत्तर प्रदेश के कुछ जिलों को पार करते, दिल्ली के रास्ते प्रयाग पहुंचे। वहां से बिहार चल दिये, आज भी वही हैं। अब तक लाखों एकड़ जमीन उन्हें दान में मिल चुकी। भूमि दान आन्दोलन दिन दिन और पकड़ता जा रहा है। बहुतों की निगाह उस तरफ जाने लगी है। उसके अन्दर जो बुराइयां हैं वह बिखलाई देने लगी हैं। बुराइयां देख भी नहीं सकता है जो उस काम में लगा हुआ न हो। जो जिस काम में जुटा रहता है उसके सामने भलाई ही भलाई रहती है, नहीं तो वह उसमें लगे ही क्यों। हां, जो आदमी किसी काम में नैकनियती से दूसरों की भलाई के लिये लगा होता है वह उस काम की बुराइयों को सुन कर बिगड़ता तो है ही नहीं, बबराता भी नहीं है। सबके ऐतराजों को बड़े ध्यान से सुनता है, उन पर विचार करता है। ठीक होते हैं तो उन्हें अपनाता है, ना ठीक होते हैं तो उन पर ध्यान नहीं देता। और अगर ऐसे होते हैं कि उन पर बहुत फ़ियादा ध्यान रखने से वह भलाई हो ही न सकेगी तो वह उन बुराइयों को चिपका रहता है और अपने काम में लगा रहता है।

विनोबा का भूदान यज्ञ आज इस हालत को पहुंच गया है कि क्या सरकार, क्या कम्युनिस्ट, क्या वह लोग जो अपने आपको मामूख से जियादा समझदार समझते हैं, क्या वह लोग जिन्हें गांधी वाद से चिढ़ सी हो गई है, क्या वह जो एक तरह से, अपने आपको विनोबा का साथी समझते हैं, सब ही इस दान को शंका की नज़र से देखने लगे हैं।

जिनका शुरू में यह कहना था कि विनोबा ने हमारे बीच हुए को काटा है वह अब यह कहते हैं कि सीधे न सीधे जमींदारों से जमीन बरा धमका कर ली जा रही है या ऐसे लोगों की मदद से ली जा रही है जो बराने धमकाने में माहिर हैं। दूसरों का यह कहना है कि जो जमीन दान में हासिल हो रही है उनमें से अस्सी या नब्बे फी सदी निरक्षर हैं। जिसके हाथ वह पड़ेगी वह सिर पीट कर रह जायगा, कभी न उभर सकेगा। कुछ का कहना है कि इस तरह जमीनों के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे और जिस बात का हिन्दुस्तान में पहले ही से रोना था वह रोना और बढ़ जायगा। कुछ यह ऐतराज करते हैं कि इस आन्दोलन से वह बात तो होनी नहीं, जो दूसरे देश कर चुके हैं या जिसकी इस वक़्त हिन्दुस्तान में बहुत जरूरत है, फिर इस तरह क्यों बात बराब किया जाय ?

उन्हा जी ने ये चुनौती चपचाप सुन ली। कुछ दिनों वार्धा बैठ कर उस चुनौती के बोझ से हलके हुए और फिर बट भूदान यज्ञ के लिये वार्धा से निकल पड़े। चुनौती के जवाब में नहीं, अन्दर की प्रेरणा पर निकले। जैसे जैसे सफलता मिलती गई प्रेरणा बढ़ती गई, बलवती होती गई। मध्य प्रांत लांघते, ओपाल होते हुए, उत्तर प्रदेश के कुछ जिलों को पार करते, दिल्ली के रास्ते प्रयाग पहुंचे। वहां से बिहार चल दिये, आज भी वही हैं। अब तक लाखों एकड़ जमीन उन्हें दान में मिल चुकी। भूमि दान आन्दोलन दिन दिन और पकड़ता जा रहा है। बहुतों की निगाह उस तरफ जाने लगी है। उसके अन्दर जो बुराइयां हैं वह बिखलाई देने लगी हैं। बुराइयां देख भी नहीं सकता है जो उस काम में लगा हुआ न हो। जो जिस काम में जुटा रहता है उसके सामने भलाई ही भलाई रहती है, नहीं तो वह उसमें लगे ही क्यों। हां, जो आदमी किसी काम में नैकनियती से दूसरों की भलाई के लिये लगा होता है वह उस काम की बुराइयों को सुन कर बिगड़ता तो है ही नहीं, बबराता भी नहीं है। सबके ऐतराजों को बड़े ध्यान से सुनता है, उन पर विचार करता है। ठीक होते हैं तो उन्हें अपनाता है, ना ठीक होते हैं तो उन पर ध्यान नहीं देता। और अगर ऐसे होते हैं कि उन पर बहुत फ़ियादा ध्यान रखने से वह भलाई हो ही न सकेगी तो वह उन बुराइयों को चिपका रहता है और अपने काम में लगा रहता है।

उन्हा जी का भूदान यज्ञ आज इस हालत को पहुंच गया है कि क्या सरकार, क्या कम्युनिस्ट, क्या वह लोग जो अपने आपको मामूख से जियादा समझदार समझते हैं, क्या वह लोग जिन्हें गांधी वाद से चिढ़ सी हो गई है, क्या वह जो एक तरह से, अपने आपको विनोबा का साथी समझते हैं, सब ही इस दान को शंका की नज़र से देखने लगे हैं।

जिनका शुरू में यह कहना था कि विनोबा ने हमारे बीच हुए को काटा है वह अब यह कहते हैं कि सीधे न सीधे जमींदारों से जमीन बरा धमका कर ली जा रही है या ऐसे लोगों की मदद से ली जा रही है जो बराने धमकाने में माहिर हैं। दूसरों का यह कहना है कि जो जमीन दान में हासिल हो रही है उनमें से अस्सी या नब्बे फी सदी निरक्षर हैं। जिसके हाथ वह पड़ेगी वह सिर पीट कर रह जायगा, कभी न उभर सकेगा। कुछ का कहना है कि इस तरह जमीनों के टुकड़े टुकड़े हो जायेंगे और जिस बात का हिन्दुस्तान में पहले ही से रोना था वह रोना और बढ़ जायगा। कुछ यह ऐतराज करते हैं कि इस आन्दोलन से वह बात तो होनी नहीं, जो दूसरे देश कर चुके हैं या जिसकी इस वक़्त हिन्दुस्तान में बहुत जरूरत है, फिर इस तरह क्यों बात बराब किया जाय ?



कर दो तो धर्म तुम्हें खतम कर देगा, धर्म की रक्षा करो तो धर्म तुम्हारी रक्षा करेगा।" एक दूसरी कहावत है— "जहां धर्म है वहां जीत लाजमी है।" हमें इस पन्के विरवास के साथ इस युग धर्म को अपनाना होगा।

—सुन्दरलाल

## भूदान और विनोबा

सन 57 के बाद से हिन्दुस्तानी जनता कुछ ऐसी दबी कि आजादी की बात मुंह पर लाना हर की बात बन गया। बाबा साई नौरोजी ने जब पहले पहल स्वराज की बात कही तो कितनी ही आंखें पट्टी की पट्टी रह गई और कितने ही मुंह खुले के खुले रह गए। उसके बाद लोकमान्य तिलक ने जब यह बात कही कि 'स्वराज मेरा जन्म सिद्ध अधिकार है' तब भी लोग अचरज में पड़े। और जब महात्मा गांधी ने यह कहा कि स्वराज हासिल करना धर्म है तब समझदार लोग अचकचाए पर जनता एकदम उछल पड़ी और मैदान में ब्या गई। कुछ ही दिनों में स्वराज ले भी लिया।

हैदराबाद रियासत में कहीं सर्वोदय मेला था। उसके दिखे विनोबा जी वहाँ से पैदल चल पड़े। उस वक़्त उन्होंने यह शायद सोचा भी न था कि मुझे तेलंगाना जाना पड़ेगा। मेला खतम होने के बाद इन्हें कुछ ऐसा मालूम हुआ कि उन्हें तेलंगाना जा कर वहाँ की हालत देखनी ही चाहिये। वह वहाँ गए। वहाँ के जमींदारों से मिल कर उन्हें ऐसा पता लग्य कि वह इतने बुरे तो नहीं हैं जितने कुछ लोगों ने उन्हें समझ रखा है। जल्दी ही उन्होंने बहुत से जमींदारों को इस बात पर राखी कर लिया कि वह उन किसानों को जमीन दे दें जिनके क़बजे में वह किसी भी तरह पहुँच गई है इसी सिलसिले में वह किसानों से मिले। किसान इस बात पर राखी हो गए कि वह उस जमीन को जमींदारों को लौटा देंगे जिस पर उन्होंने क़बज़ा कर लिया है और जो उनकी जरूरत से ज्यादा है। इन दोनों बातों ने किसान और जमींदारों में मेल करा दिया और भूदान का सिलसिला चल पड़ा। उस पर कम्यूनिस्ट लोगों ने यह बात उठाई कि इसमें विनोबा जी की क्या सफलता है वह तो सब इस वजह से हुआ कि हम वहाँ जेहवत कर चुके थे और किसानों को जमीन दिला चुके थे। जमींदारों ने वह समझ कर किसानों के पास जमीन छोड़ दी कि 'जाता बन देखिये तो आधा लीजिये बाँद' हाँ, अगर विनोबा जी हैदराबाद छोड़ कर किसी दूसरी जगह किसानों को जमीन दिलाकर तब वेशक वह कहा जा सकता है कि विनोबा जी सचमुच लोगों का दिल बरस सकते हैं।

कहो तो धर्म। लेकिन खत्म करने का धर्म की क्या करो तो धर्म तमारी रक्षा करे का।" एक दूसरी कहावत है। "जहाँ धर्म है वहाँ जीत लाजमी है।" हमें इस पन्के विरवास के साथ इस युग धर्म को अपनाना होगा।

—सुन्दरलाल

## भूदान और विनोबा

सन 57 के बाद से हिन्दुस्तानी जनता कुछ ऐसी दबी कि आजादी की बात मुंह पर लाना हर की बात बन गया। बाबा साई नौरोजी ने जब पहले पहल स्वराज की बात कही तो कितनी ही आंखें पट्टी की पट्टी रह गई और कितने ही मुंह खुले के खुले रह गए। उसके बाद लोकमान्य तिलक ने जब यह बात कही कि 'स्वराज मेरा जन्म सिद्ध अधिकार है' तब भी लोग अचरज में पड़े। और जब महात्मा गांधी ने यह कहा कि स्वराज हासिल करना धर्म है तब समझदार लोग अचकचाए पर जनता एकदम उछल पड़ी और मैदान में ब्या गई। कुछ ही दिनों में स्वराज ले भी लिया।

हैदराबाद रियासत में कहीं सर्वोदय मेला था। उसके दिखे विनोबा जी वहाँ से पैदल चल पड़े। उस वक़्त उन्होंने यह शायद सोचा भी न था कि मुझे तेलंगाना जाना पड़ेगा। मेला खतम होने के बाद इन्हें कुछ ऐसा मालूम हुआ कि उन्हें तेलंगाना जा कर वहाँ की हालत देखनी ही चाहिये। वह वहाँ गए। वहाँ के जमींदारों से मिल कर उन्हें ऐसा पता लग्य कि वह इतने बुरे तो नहीं हैं जितने कुछ लोगों ने उन्हें समझ रखा है। जल्दी ही उन्होंने बहुत से जमींदारों को इस बात पर राखी कर लिया कि वह उन किसानों को जमीन दे दें जिनके क़बजे में वह किसी भी तरह पहुँच गई है इसी सिलसिले में वह किसानों से मिले। किसान इस बात पर राखी हो गए कि वह उस जमीन को जमींदारों को लौटा देंगे जिस पर उन्होंने क़बज़ा कर लिया है और जो उनकी जरूरत से ज्यादा है। इन दोनों बातों ने किसान और जमींदारों में मेल करा दिया और भूदान का सिलसिला चल पड़ा। उस पर कम्यूनिस्ट लोगों ने यह बात उठाई कि इसमें विनोबा जी की क्या सफलता है वह तो सब इस वजह से हुआ कि हम वहाँ जेहवत कर चुके थे और किसानों को जमीन दिला चुके थे। जमींदारों ने वह समझ कर किसानों के पास जमीन छोड़ दी कि 'जाता बन देखिये तो आधा लीजिये बाँद' हाँ, अगर विनोबा जी हैदराबाद छोड़ कर किसी दूसरी जगह किसानों को जमीन दिलाकर तब वेशक वह कहा जा सकता है कि विनोबा जी सचमुच लोगों का दिल बरस सकते हैं।



अबने उड़ाई गई और दुविधा भर में फैलाई गई. अफसोस केवल इतना है कि आज की अन्तरराष्ट्री राजनीति उस समय की अन्तरराष्ट्री नीति से अधिक पवित्र नहीं है.

बाहिर है आजकल की दुनिया में नीचे से ऊपर तक नेकी और भक्तमनसी में अविश्वास पूरे जोरों पर है, रू-तों दुनिया का इस तरह झुकाव आजकल की मशीनी पद्धिमी सभ्यता के शुरू होने के साथ साथ दिखाई देने लगता है लेकिन खास कर पहले महायुद्ध के बाद से दुनिया की तत्कालीन क्रौमों की धन और राज पाट की बाढ ने दुनिया की इस नैतिक गिरावट को एक खौफनाक दरजे तक पहुँचा दिया है, हमारा मुल्क भी जाने अनजाने आज इसी भँवर में फँसा हुआ है, यही आजकल की दुनिया के और हमारे सारे दुखों और मुसीबतों की जड़ है.

मलामनसी के अन्दर इस अविरवास ने ही दुनिया की बड़ी बड़ी सलतनतों को मिटा दिया। इसी ने भारत में अंगरेजी राज का ज्ञातमा किया, रूस में इसी ने पार के तख्त को उल्टा। इसी ने हिटलर और मुसोलिनी जैसों को नीचा दिखाया। लेकिन अपने धन और हथियारों के बमबं में अन्वी शक्तियाँ इतिहास से सबक लेने के अयोग्य साबित होती रही हैं।

हमें अगर खुद अपने को बचाना है और दुनिया को बचाने में अपनी शक्ति भर मदद देना है तो हमें पहले अपने अन्दर भलमनसी और सदाचार के उस कठिन पाठ को फिर से ताजा करना होगा जिसे हमने हाल में इतना अधिक भुला दिया है। हमें दुनिया की उन दूसरी शक्तियों की समझना और एक दूसरे के पास लाना होगा जो इन्सान की क़ौम की उस सोई हुई भलमनसी को फिर से जगाने की कोशिश कर रही हैं। अपने देश के अन्दर हमें महात्मा गांधी के उपदेशों को नये सिरे से समझना और ईमानदारी के साथ अमल में लाना होगा। आज भी नये चीन जैसे देश में अकसर रेलवे बुकस्टालों के ऊपर कोई रखवाली करने वाला नहीं रहता। खरीदार किताबें उठाते हैं और पास की गुल्लक में क़ीमत डाल कर चल देते हैं। शाम को जब बुक स्टाल का मालिक पैसे गिनता है तो कभी कभी नहीं पड़ती। नेकी की सोई हुई शक्ति धीरे धीरे जाग रही है। यही माबी दुनिया के लिये आशा की किरन है। ऐसे देशों के साथ हमें मेल बढ़ाना होगा। हमें उन सब छोटे बड़े देशों के साथ भी मिल कर लड़ा होना होगा जो अपनी आजादी के लिये कोशिश कर रहे हैं या जो दुनिया से बेइन्साफी, गुलामी और काले गोरे और पीले के भेद को मिटाना चाहते हैं। यही इस समय हमारा सब से बड़ा धर्म है। यही धर्म है। यही दुनिया के सारे रोग का इलाज है। संस्कृत की एक मशहूर कहावत है—“धर्म को खत्म

تھیں اڑائی لکھیں اور قتلہا ہو رہی تھیں۔ انیسویں  
 کھول لیا کہ آج کی آفت زاری داج نیتی اس سے کی  
 آفت زاری داج نیتی سے ادھک پور نہیں ہے ۔

ہمارے آجکل کی دنیا میں پہلے سے اوپر تک نیکی اور بھلائی میں! شوالس پورے زوروں پر ہے۔ میں تو دنیا کا اس طرف جھکاؤ آجکل کی مشینوں پر بھی سمجھتا ہے شروع کرنے کے ساتھ ساتھ دکھائی دینے لگتا ہے لیکن خاص کر پہلے مہاراجہ کے بعد سے دنیا کی طاقتور قوموں کی ذہنی اور راج ہاتھ کی چاٹ نے دنیا کی اس بے تک کراؤ کو لہک خوں لہک درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارا ملک بھی جانے اتنا آج اسی بہرور میں پہنسا ہوا ہے۔ یہی آجکل کی دنیا کے اور ہمارے سارے دکھوں اور مصیبتوں کی جو ہے۔

بہلمسٹی کے اندر اس اوفو اس نے ہی دنیا کی ہڑی ہڑی  
سلطنتوں کو مٹا دیا۔ اسی نے بھارت میں انگریزی راج  
کا خاتمہ کیا۔ روس میں اسی نے زار کے تخت کو الٹا۔  
اسی نے ہنگری اور مسوولینی جھڑپوں کو نہچا دکھایا۔ لیکن  
اپنی دھن اور مہمیاؤں کے کیمفٹ میں اندھی شکستیاں  
انہاس سے سبق لہنے کے ابھگ ثابت ہوئی رہی ہیں۔

ہمیں اگر خود اپنے کو پہچانا ہے اور دنیا کو پہچانے  
میں اپنی شکتی بہر مدد دینا ہے تو ہمیں پہلے اپنے اندر  
پہنچنے کی اور سداچار کے اس تہوں پائے کو بہر سے تازہ کرنا  
ہوگا جسے ہم نے حال میں اندھا ادھک بہا دیا ہے ۔ ہمیں  
دنیا کی ان دوسری شکتیوں کو سمجھنا اور ایک دوسرے  
کے پاس لانا ہوگا جو انسانی قوم کی اس سوئی ہوئی  
پہنچنے کو بہر سے جگانے کی کوشش کر رہی ہیں ۔  
دیہیں نے اندر ہمیں مہلتا گندھی کے اُپدیشہوں کو نئے  
سہ سے سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانا ہوگا۔  
آج بھی نئے چہن چہسے دیہیں میں انڈر ریلوے یک استار  
کے اوپر کوئی ریلواری کرنے والا نہیں رہتا ۔ خریدار  
کتاہیں اُٹھاتے ہیں اور پاس کی کلک میں قیمت ڈال کر  
چل دیتے ہیں شام کو جب یک استار کا مالک پیسے  
گنتا ہے تو کہیں کسی نہیں پڑتی ۔ نیکی کی سوئی ہوئی  
شکتی دھیرے دھیرے جاگ رہی ہے ۔ یہی بہاری دنیا کے  
لئے آقا کی نوبی ہے ۔ ایسے دیہیں کے ساتھ ہمیں مہل  
پوہانا ہوگا۔ ہمیں ان سب چوہے بڑے دیہیں کے ساتھ یہی  
ملکر کھوا ہونا ہوگا جو اپنی آزادی کے لئے کوشش کر رہے  
ہیں یا جو دنیا سے بے انصافی فلسفی اور کالے گہرے اور  
پہلے کے بہود کو ستانا چاہتے ہیں ۔ یہی اس سے ہمارا  
سب سے بڑا ٹھہر ہے ۔ یہی دیہی ہے ۔ یہی دنیا کے سارے درگ کا  
ہاتھ ہے ۔ فلسفہ کی ایک مشہور گھڑت ہے ۔ ”ادھر کو ختم



فرستادہ ہیں کی چالیں لوو اُن کے ہوتے ہوئے ہوشیار نے  
ایسے لوگوں کے لئے ایمانداری نہاد رکھا جکہ جکہ ناممکن  
کر دیتا ہے ۔

ہمیں دیکھ اور لکھا کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہماری شکشا سندسکھاؤں اور پرہیزگاروں تک میں وضاحتوں کا پاس نہیں یا قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ کبھی کبھی نوٹوں کے ساتھ لکھنا سے کوئی سہولت ہی نہیں دیکھائی دیتا۔

اب اگر آپ اس چھوٹے سے دیہے سے ہٹ کر ہم دنیا کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو حالت اور بھی بے ہنگام دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے راج نہتکھے اور اُونچے سے اُونچے تعلیم یافتہ لوگ آج کروڑوں انسان کے بچوں کو کہول ان کے رنگ کے کارن خود اُن کی جلم بھوسی کے اندر اُن مادی ادھیکاروں کا حقدار نہیں سمجھتے جو ان کے ملک میں ہزاروں سال دورے آکر بسے ہوئے دوسرے رنگ کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ اور اگر اس دیہے کے لوگ آپ دیہے کے اندر اُن ادھیکاروں کے لئے کوشش کرتے ہیں تو اُن کی اس کوشش کو کچلنے کے لئے ہر آپائے اور ہر ہتھیار جائز سمجھا جاتا ہے۔ آپ کو سسکرتی اور سبھتا کا ٹھہکدار سمجھنے والی دنیا کی کچھ بڑی بڑی قوسوں کی آواز اگر اُٹھتی ہے تو مطلوبوں کی حمایت میں نہیں بلکہ ظالم کی مدد میں۔ چھوٹے اور کمزور ملکوں کو مالی راجکاجی یا فوجی ننگ سے آپ نہچے دیا کر رکھتا، اُن کی آزادی کی کوششوں کو کچلتا اور کچلنے والوں کو مدد دیتا، اُن ملکوں کے حصوں پر زبردستی قبضہ پٹائی رکھتا، اُن کے گھریلو جھگڑوں میں زبردستی دخل دیتا یہ سب آج کی انڈیا واشگباری راجنیتی میں تعریف کے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی دیہے کی جلتا اس طرح کے انہائے کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں کی نہتی شریب جلتا پر ایتہم یا اسی طرح کا کوئی اور پھاچی استر پھڈک کر لاکھوں نورویں مرد مرد اور بچوں کو بھون دیتا یا زندہ جلا دیتا طاقوز قوم کا جائز ادھیکار سمجھا جاتا ہے۔ اِس کی کہلے عام دھکھاں دی جاتی ہیں اور کہلے تھاریاں کی جاتی ہیں۔

پہلے مہاجرین کے دنوں میں دنیا کے تین بڑے بڑے  
 دانشوروں کی طرف سے کہلے طور پر تین الگ الگ محکمے  
 کہلے گئے تھے جن کا کام یہ تھا کہ وہ دشمن کے بارے میں  
 چھوٹی اور قزاقی خبریں کو دے دینا اور میں یہ معلوم  
 یہاں ان محکموں کے کارناموں کو بیان کرنے کی ضرورت  
 نہیں ہے، دنیا میں جو معلوم ہو چکا ہے کہ ان دشمنوں  
 ایک دوسرے کے خلاف کتنی بے مروتی کی اور ہتھیار



یا۔ خاص کر پھاڑی علاقوں میں آپ نکلے رہنے پر یا खुली اہلگیری میں کود کر چلے جائے کوئی پھاڑی نوکر کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ ان علاقوں میں وہ چور اب ایک پرانی کہانی رہ گئی ہے۔

آج ایک عام وھواس ہے کہ بھوپار اور ایمان داری دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ابھی حال میں کان پور کے ایک بہت بڑے مل مالک نے اپنے ایک چھوٹے بھائی کے ہارے و شہرست اور ایمان دار پورے لکھ ملازم کو کھول اس لئے اور یہ کہہ کر نوکری سے الگ کر دیا کہ وہ ملازم مل کے رجسٹروں میں چھوٹی خانہ پوری کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور مل مالک کو اب ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو یہ سب کر سکے۔

ماملوی خاں نے پینے کی چیخوں کا تو کہنا ہی کیا۔ ہماری گھراؤں اس بارے میں اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ دواؤں اور انجکشن کے اندر بھی یہ وھواس ہونا دکھن ہو گیا ہے کہ شیشی یا نلی کے اندر اسل دروا ہے یا نوئی اور اس کے لئے اور زہریلی چیز ہے۔ اس طرح کے کالی معاملے ہمارے جا چکے ہیں۔

بھوپار سے ہٹ کر اگر ہم راجکاج کی طرف آئیں تو ہالہات اور بھی بھارے دکھائے دیتی ہے۔ چٹاؤ اور ایمان داری دونوں پر سہر و رھدی ہند ہو گئے ہیں۔ حال کے ایک چٹاؤ کی باہت تصدیقات کرنے والے سجن نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس چٹاؤ کی دو باتوں میں سے ہر ایک نے دوسری بات کی امداد کو گرانے یا ہرانے کے لئے کوئی سوچے نہ سوچے آپالے اٹھا نہیں دیا۔ یہ حالت لک بھگ ایک عام حالت ہے۔ مثالوں دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے بڑے بڑے ذمہ دار بھلا بھلا شخصوں میں یہ کتے ہیں کہ: "Politics has nothing to do with—morals." یعنی راج نہتی کا نہتی بدی سے کوئی سمجھ نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دفتروں، کچھروں اور راجکاج نے بہت سے معصوموں میں بھڑکنا چار نہتی کے ساتھ بھڑکا چلا جا رہا ہے۔

تب سوال ہوتا ہے کہ اگر بھلمسی یا سداچار کے لئے چکے نہ بھوپار میں ہے اور نہ راجکاج میں تو بھلمسی نے چاروں کہاں جا کر دیے۔

راجکاج آج مانو جہوں کے سب بھلوں پر حاوی ہے اور "پتھا راجا پتھا پرجا" کے سدھانت کے انوسار راج کچھ میں بھڑکنا چار ہی چلتا ہے چوتھر کی گراؤں کا سب سے بڑا اور سول کارن ہے۔ رات دن ہوں سکوں مبالغہ اس طرح کی ملتی ہوں کہ چلتا ہے جو سادھارن آدمی یا بھو باری سچے سچے سچائی اور ایمانداری کے ساتھ اپنا کام چلانا چاہتے ہوں مرکزوں

تھا۔ خاص کر پھاڑی علاقوں میں آپ نکلے رہنے پر یا खुली اہلگیری میں کود کر چلے جائے کوئی پھاڑی نوکر کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ ان علاقوں میں وہ چور اب ایک پرانی کہانی رہ گئی ہے۔

آج ایک عام وھواس ہے کہ بھوپار اور ایمان داری دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ابھی حال میں کان پور کے ایک بہت بڑے مل مالک نے اپنے ایک چھوٹے بھائی کے ہارے و شہرست اور ایمان دار پورے لکھ ملازم کو کھول اس لئے اور یہ کہہ کر نوکری سے الگ کر دیا کہ وہ ملازم مل کے رجسٹروں میں چھوٹی خانہ پوری کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور مل مالک کو اب ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو یہ سب کر سکے۔

ماملوی خاں نے پینے کی چیخوں کا تو کہنا ہی کیا۔ ہماری گھراؤں اس بارے میں اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ دواؤں اور انجکشن کے اندر بھی یہ وھواس ہونا دکھن ہو گیا ہے کہ شیشی یا نلی کے اندر اسل دروا ہے یا نوئی اور اس کے لئے اور زہریلی چیز ہے۔ اس طرح کے کالی معاملے ہمارے جا چکے ہیں۔

بھوپار سے ہٹ کر اگر ہم راجکاج کی طرف آئیں تو ہالہات اور بھی بھارے دکھائے دیتی ہے۔ چٹاؤ اور ایمان داری دونوں پر سہر و رھدی ہند ہو گئے ہیں۔ حال کے ایک چٹاؤ کی باہت تصدیقات کرنے والے سجن نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس چٹاؤ کی دو باتوں میں سے ہر ایک نے دوسری بات کی امداد کو گرانے یا ہرانے کے لئے کوئی سوچے نہ سوچے آپالے اٹھا نہیں دیا۔ یہ حالت لک بھگ ایک عام حالت ہے۔ مثالوں دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے بڑے بڑے ذمہ دار بھلا بھلا شخصوں میں یہ کتے ہیں کہ: "Politics has nothing to do with—morals." یعنی راج نہتی کا نہتی بدی سے کوئی سمجھ نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دفتروں، کچھروں اور راجکاج نے بہت سے معصوموں میں بھڑکنا چار نہتی کے ساتھ بھڑکا چلا جا رہا ہے۔

تب سوال ہوتا ہے کہ اگر بھلمسی یا سداچار کے لئے چکے نہ بھوپار میں ہے اور نہ راجکاج میں تو بھلمسی نے چاروں کہاں جا کر دیے۔

راجکاج آج مانو جہوں کے سب بھلوں پر حاوی ہے اور "پتھا راجا پتھا پرجا" کے سدھانت کے انوسار راج کچھ میں بھڑکنا چار ہی چلتا ہے چوتھر کی گراؤں کا سب سے بڑا اور سول کارن ہے۔ رات دن ہوں سکوں مبالغہ اس طرح کی ملتی ہوں کہ چلتا ہے جو سادھارن آدمی یا بھو باری سچے سچے سچائی اور ایمانداری کے ساتھ اپنا کام چلانا چاہتے ہوں مرکزوں



بڑی विशेषता سائنس کی तरکبکی ہے لیکن سائنس کی نئی ترکبکیوں نے جہاں ایک طرف ہماری جانکاری کو بڑھایا ہے وہاں دوسری طرف ہماری ضرورتوں اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو بڑھا کر ہمارے دلوں کو سوتا دیا ہے۔ اس یگ میں ہماری اُمتی بڑے درجے تک ایک انگری رہی ہے۔ یعنی ہماری پھلپھلی یا نہتک اُمتی ہماری دماغی ترقی کے ساتھ ساتھ نہ چل سکی۔

نہکی، انسانیت یا پھلپھلی میں وہ فردہا جو لوگوں کو آج سے کچھ پہلے ہی ترقی سے متعلق تھی، نہکی اور ایمانداری کے وہ سہدے سادے اصول جو آدمی نے لاکھوں برس کے تجربے سے معلوم کئے تھے اور جنہوں میں اس نے اپنی سکھ سہدہ کے لئے ضروری پایا تھا آج میں فہر ضروری اور اپنی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہونے لگے ہیں۔

بھائی اور بھائی، ایمانداری اور بے ایمانی ہر زمانے میں رہی ہیں اور جب تک آدمی آدمی ہے کم یا زیادہ ہمیشہ رہیں گی۔ آج سے پچاس سال پہلے کے لاہور کی ایک بٹنا ہمیں یاد ہے۔ ایک جوتا بچنے والا دوپہر کو چر گیا، دکان پر اپنے بھائی کو بھجوا دیا اور کہہ دیا کہ ہر چوڑی ہر اسکی قیمت لکھی ہوئی ہے۔ کوئی گاہک آئے تو بچہ دینا۔ بچہ نے چچا کی غورحاضری میں ایک چوڑی بھجی۔ دکان دار واپس آیا تو لوگ نے دیکھا روپیہ قیمت کا اس کے حوالے کیا۔ دکان دار نے دیکھا تو بکے ہوئے چوڑے کی اصلی قیمت سوا روپیہ تھی۔ وہ بچہ پر ناراض ہوا کہ اس نے چار آئے ادھک کیوں لئے۔ دکان دار نے وہ چار آئے الگ اٹھا کر دیکھے۔ بچہ سے خریدار کا حلقہ پڑچھا۔ کئی دن تک اسکی کھوج میں رہا۔ آخر ایک دن جب وہ خریدار وہی جوتا پہنے دکان کے سامنے سے نکلا تو دکان دار نے اسے بلا کر چوڑی واپس کی اور تسلی کی سانس لی۔

میں نے اس طرح کا کوئی آدمی آج بھی نہیں مل جائے۔ لیکن پچاس سال پہلے اس طرح کے آدمی بہت تھے، آج نہیں کے برابر ہیں۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے ریلوے کے کسی بازار میں اگر کوئی آدمی کسی دکان پر اپنی بھرتی بھرتی جاتا تو دس دکان داروں میں سے کم سے کم آٹھ آٹھ نکلنے والے جوتا بچے کو لٹا دیتے۔ آج اس بازار میں دس دکان دار آپ کو مشکل سے اس طرح کے ملے گے۔

اس طرح کی مثالیں بہت سی ہیں اور لگ بھگ ہر پورے اور ہر دھندے کے لوگوں میں سے لی جا سکتی ہیں۔

ہمارے اس ملک میں تیس تیس سال پہلے تک ریلوے کے علاقے میں سے کسی آدمی کو ریلوے نہیں کرنا

پڑی وہی تھا سائنس کی ترقی ہے۔ لیکن سائنس کی ترقیوں نے جہاں ایک طرف ہماری جانکاری کو بڑھایا ہے وہاں دوسری طرف ہماری ضرورتوں اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو بڑھا کر ہمارے دلوں کو سوتا دیا ہے۔ اس یگ میں ہماری اُمتی بڑے درجے تک ایک انگری رہی ہے۔ یعنی ہماری پھلپھلی یا نہتک اُمتی ہماری دماغی ترقی کے ساتھ ساتھ نہ چل سکی۔

نہکی، انسانیت یا پھلپھلی میں وہ فردہا جو لوگوں کو آج سے کچھ پہلے ہی ترقی سے متعلق تھی، نہکی اور ایمانداری کے وہ سہدے سادے اصول جو آدمی نے لاکھوں برس کے تجربے سے معلوم کئے تھے اور جنہوں میں اس نے اپنی سکھ سہدہ کے لئے ضروری پایا تھا آج میں فہر ضروری اور اپنی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہونے لگے ہیں۔

بھائی اور بھائی، ایمانداری اور بے ایمانی ہر زمانے میں رہی ہیں اور جب تک آدمی آدمی ہے کم یا زیادہ ہمیشہ رہیں گی۔ آج سے پچاس سال پہلے کے لاہور کی ایک بٹنا ہمیں یاد ہے۔ ایک جوتا بچنے والا دوپہر کو چر گیا، دکان پر اپنے بھائی کو بھجوا دیا اور کہہ دیا کہ ہر چوڑی ہر اسکی قیمت لکھی ہوئی ہے۔ کوئی گاہک آئے تو بچہ دینا۔ بچہ نے چچا کی غورحاضری میں ایک چوڑی بھجی۔ دکان دار واپس آیا تو لوگ نے دیکھا روپیہ قیمت کا اس کے حوالے کیا۔ دکان دار نے دیکھا تو بکے ہوئے چوڑے کی اصلی قیمت سوا روپیہ تھی۔ وہ بچہ پر ناراض ہوا کہ اس نے چار آئے ادھک کیوں لئے۔ دکان دار نے وہ چار آئے الگ اٹھا کر دیکھے۔ بچہ سے خریدار کا حلقہ پڑچھا۔ کئی دن تک اسکی کھوج میں رہا۔ آخر ایک دن جب وہ خریدار وہی جوتا پہنے دکان کے سامنے سے نکلا تو دکان دار نے اسے بلا کر چوڑی واپس کی اور تسلی کی سانس لی۔

میں نے اس طرح کا کوئی آدمی آج بھی نہیں مل جائے۔ لیکن پچاس سال پہلے اس طرح کے آدمی بہت تھے، آج نہیں کے برابر ہیں۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے ریلوے کے کسی بازار میں اگر کوئی آدمی کسی دکان پر اپنی بھرتی بھرتی جاتا تو دس دکان داروں میں سے کم سے کم آٹھ آٹھ نکلنے والے جوتا بچے کو لٹا دیتے۔ آج اس بازار میں دس دکان دار آپ کو مشکل سے اس طرح کے ملے گے۔

اس طرح کی مثالیں بہت سی ہیں اور لگ بھگ ہر پورے اور ہر دھندے کے لوگوں میں سے لی جا سکتی ہیں۔

ہمارے اس ملک میں تیس تیس سال پہلے تک ریلوے کے علاقے میں سے کسی آدمی کو ریلوے نہیں کرنا



## '53 1074



گاंधی جی پر बहुत सी किताबें निकल चुकी हैं. कुछ में उनके जीवन के एक पहलू पर रोशनी डाली गई है और कुछ में पूरे जीवन का बर्णन किया गया है. "शान्ति दूत अमर बापू" में गांधी जी के जीवन के लगभग हर पहलू का वर्णन किया गया है पर किसी पहलू पर भी लेखक ने रोशनी नहीं डाली. इस तरह इस किताब की अहमियत नहीं के बराबर रह जाती है.

किताब की छपाई सुन्दर है, कवर भी मन को मोह लेता है, जगह जगह उचित चित्र दिये हैं. जो लोग गांधी जी की एक मामूली जानकारी हासिल करना चाहें उनके लिये कम दाम में यह किताब अच्छी है.

—मुजीब रिखावी

## संत विनोबा और भूदान यज्ञ

प्रकाशक—सर्वोदय साहित्य संघ, काशी; सफे 88, राम 5 आने; पहली बार नवम्बर 1952.

गांधी स्मारक निधि (बिहार शाखा) के प्रतिनिधि सर्वोदय साहित्य संघ, काशी जैसी जिम्मेदार संस्था की तरफ से यह छोटा सा प्रकाशन देख कर हमें जहां खुशी होती है वहां यह रंज भी होता है कि तैर जिम्मेदारी के साथ यह प्रकाशन किया गया है. किताब में सूची नहीं है, इनवर्टेड कामा का इस्तेमाल नहीं है, नहीं नहीं है.

इस किताब के चार हिस्से हैं—जीवन चरित्र, भूदान-यज्ञ, संत बाणी और गीत एवं कवितायें. पहले हिस्से में जीवन झांकी के नाम पर विनोबा जी के जीवन की कुछ तारीखों और कुछ दूसरी घटनाओं की तारीखें दे दी गई हैं. फिर विनोबा जी के ऊपर महात्मा गांधी, महादेव देसाई काका कालेलकर और एक पत्रकार के लेखों के बाद जीवन प्रसंग के नाम से विनोबाजी के जीवन से छै घटनाओं के चुटकुले दिये गये हैं.

भूदान यज्ञ वाले हिस्से में कहीं भूदानयज्ञ का इतिहास है, विनोबा जी की स्पीचें हैं और कहीं कुछ संकलन संत बानी में विनोबा जी के 36 छोटे बड़े प्रवचन जमा कर दिये गये हैं. आखीर में विनोबाजी और भूदान यज्ञ पर आठ गीत हैं.

किताब में सम्पादक या उस में सामग्री जमा करने वाले का नाम नहीं दिया गया. पुस्तक के शुरू में ही प्रकाशक की तरफ से जो जरूरी निवेदन है वह प्रचार मात्र लगता है.

हम उम्मीद करते हैं कि दूसरे संस्करण में प्रकाशक हमारे ऊपर के शब्दों पर नज़र से विचार कर किताब को उपयोगी और आकर्षक बनाने की कोशिश करेंगे.

—सुरेश दामभाई

गंधी जी پر بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں۔ کچھ میں اُن کے جہوں کے ایک پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ میں پورے جہوں کا ورثہ لکھا ہے۔ "شانتی دوت امار باپو" میں گاندھی جی کے جہوں کے لگ بہک ہر پہلو کا ورثہ لکھا ہے پر کسی پہلو پر بھی لکھک نے روشنی نہیں ڈالی۔ اس طرح اس کتاب کی اہمیت نہیں کے برابر رہ جاتی ہے۔

کتاب کی چھپائی سندھ ہے، کور بھی من کو موہ لوتا ہے، جگہ جگہ آجٹ چکر دیے ہیں۔ جو لوگ گاندھی جی کی ایک معمولی جانکاری حاصل کرنا چاہیں اُن کے لئے کم دام میں یہ کتاب اچھی ہے۔

—محبوب رفوی

## سنت ونوبا اور بھودان یگہ

پرکاشک—سرودنے ساہتیہ سنگھ، کاشی؛ صفحہ 88؛

دام پانچ آئے؛ پہلی بار نومبر 1952.

گاندھی اسٹارک ندھی بہار (شاخا) کے پرتی ندھی سرودنے ساہتیہ سنگھ، کاشی جیسی ذمہ دار سندھتا کی طرف سے یہ چھوٹا سا پرکاشن دیکھکر ہمیں جہاں خوشی ہوتی ہے وہاں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ غیر ذمہ داری کے ساتھ یہ پرکاشن لکھا گیا ہے۔ کتاب میں سوچی نہیں ہے، انورٹڈ کاما کا استعمال نہیں ہے، نہیں نہیں ہے۔

اس کتاب کے چار حصے ہیں—جہوں چرتر، بھودان یگہ، سنت بانی اور گیت ایوم کویتاں۔ پہلے حصے میں جہوں جہانکی کے نام پر ونوبا جی کے جہوں کی کچھ تاریخیں اور کچھ دوسری کہتیاں کی تاریخیں دے دی گئی ہیں۔ پھر ونوبا جی کے اوپر مہاتما گاندھی، مہادیو دھسائی، کاکا کالہلکر اور ایک پترکار کے لکھوں کے بعد جہوں پرسلگ کے نام سے ونوبا جی سے جہوں سے جہ کہتیاں کے چٹکے دیئے گئے ہیں۔

بھودان یگہ والے حصے میں کہیں بھودان یگہ کا اتھاس ہے، ونوبا جی کی آہوچھیں ہیں اور کہیں کچھ سنگلیں۔ سنت بانی میں ونوبا جی کے 36 چھوٹے بڑے پرچن جمع کر دیئے گئے ہیں۔ آخر میں ونوبا جی اور بھودان یگہ پر آٹھ گیت ہیں۔

کتاب میں سپہادک یا اس میں سامگری جمع کرنے والے کا نام کہیں نہیں دیا گیا، مستک کے شروع میں ہی پرکاشک کی طرف سے جو ضروری نویدن ہے وہ پرچار مائر لکھا ہے۔

ہم اُپید کرتے ہیں کہ دوسرے سنگریں میں پرکاشک ہمارے اوپر کے شبدوں پر نمرنا سے وچار کر کتاب کو آہوکی اور آکھک بنانے کی کوشش کریں گے۔

—سرودھی رامبانی





# کتابیں

## کرائل و فریسل

## قول و فیصل

لکھنے والے—مولانا अबولکلام آزاد؛  
 अनुवादक—सैयद कासिम अली साहित्यसंस्कार; निकालने  
 वाले—हिन्दी प्रचारक पुस्तकालय, ज्ञानवापी, बनारस  
 सिटी; लिखावट—हिन्दी; सफा 104; दाम—एक रुपया  
 आठ आना.

لکھنے والے—مولانا ابوالکلام آزاد؛ انوارک—سید قاسم  
 علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—ہندی پرچارک پستکالہ  
 گمان دہلی؛ پلاس سٹی؛ لکھارت—ہندی؛ صفحہ 104؛  
 دام—ایک روپہ آٹھ آنا.

—”کرائل و فریسل“ उस जमाने की याद दिलाती है जब  
 अंगरेज यहां राज करते थे और देश भक्त जेलों की  
 कोठरियां आबाद करते थे, गोलियां खाते थे. अंगरेजों की  
 ज्वालन थी, उनका कानून था, उनका फ़ैसला था. देश  
 भक्त होना जुर्म था पर देश भक्ति जुरमों की लिस्ट में  
 नहीं थी. इस कारन से सच्चा दूसरे कानूनों के अन्तरगत  
 दी जाती थी. मौलाना आज़ाद पर बहुत से मुकदमे चले  
 हैं, उन्हीं में से एक मुकदमे का पूरा बर्नन इस किताब में  
 दिया गया है.

”قول و فيصل“ اس زمانے کو یاد دلاتی ہے جب انگریز  
 یہاں راج کرتے تھے اور دیہی بہکت جہلوں کی کوٹھریاں  
 آباد کرتے تھے، گولیاں کھاتے تھے، انگریزوں کی عدالت تھی، ان  
 کا قانون تھا، ان کا فیصلہ تھا، دیہی بہکت ہوا جرم تھا  
 پر دیہی بہکتی جرموں کی لسٹ میں نہیں تھی۔ اس  
 کارن سے سچا دوسرے قانونوں کے انٹرکٹ دی جاتی تھی۔  
 مولانا آزاد پر بہت سے مقدمے چلے تھے، انہیں میں سے  
 ایک مقدمہ کا پورا ورنن اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

मौलाना की कलम का लोहा अदब की दुनिया जानती  
 है. उनकी लेखनी कभी हिन्दुस्तानियों का दिल हिला चुकी  
 है. पर वह सब उरदू लिखावट में है. लोगों को खोज है  
 कि वह मौलाना की किताबें पढ़ें पर लिखावट एक मुश्किल  
 खड़ी कर देती है. सैयद कासिम अली ने “क़ौल व फ़ैसल”  
 का हिन्दी में अनुवाद कर के हिन्दी की जबरदस्त सेवा  
 की है और बहुत लोगों की प्यास बुझाने का इन्तजाम  
 किया है. पर अनुवाद के बजाय यह किताब अगर जूं कि तं  
 हिन्दी लिखावट में छपती और मुश्किल शब्दों के अर्थ  
 लिख दिये जाते तो अच्छा होता. इस तरह मौलाना  
 आज़ाद की शैली अपने असली रूप में जनता तक पहुँच  
 सकती.

مولانا کی قلم کا لوہا ادب کی دنیا جانتی ہے۔ ان کی  
 لکھنی کبھی ہندوستانوں کا دل ہلا چکی ہے پر وہ سب  
 اوردو لکھاوت میں ہے۔ لوگوں کو کھوج ہے کہ وہ مولانا کی  
 کتابوں پڑھیں پر لکھاوت ایک مشکل کھڑی کر دیتی ہے۔  
 سید قاسم علی نے ”قول و فیصل“ کا ہندی میں انوار  
 کرکے ہندی کی زبردست سہوا کی ہے اور بہت لوگوں کی  
 پیاس بجھانے کا انتظام کیا ہے پر انوار کے بجائے یہ کتاب  
 اگر جوں کی توں ہندی لکھاوت میں چھپتی اور مشکل  
 شبدوں کے اوردو لکھ دئے جاتے تو اچھا ہوتا اس طرح مولانا  
 آزاد کی شہلی اچھے اصلی روپ میں جلتا نک پھونچ  
 سکتی۔

—مصحف دہلی

—मुजीब रिखी

## शान्ति दूत अमर बापू

## شانتي دوت امر बापू

लिखने वाले—सैयद कासिम अली साहित्यसंस्कार,  
 निकालने वाले—हिन्दी प्रचारक पुस्तकालय, ज्ञान वापी,  
 बनारस सिटी; लिखावट हिन्दी; सफा 175; दाम  
 दो रुपया.

لکھنے والے—سید قاسم علی سامعہ الذکر؛ نکالنے والے—  
 ہندی پرچارک پستکالہ، گمان دہلی؛ پلاس سٹی؛ لکھاوت—  
 ہندی صفحہ 175؛ دام دو روپہ.



میں دیکھ سکتی ہے، کوئی نہیں چاہتا کہ اس کا گھر،  
اس کے بال بچے ختم ہوں، اس کا کلچر ختم ہو۔

### سولتانپور

شانٹی کانفرنس کے لیے سہی ممبر آئے تھے۔ ہر  
بیمار کے لیے آئے تھے... پر ایسا لگتا تھا کہ راشنری سوسائٹی  
سوسائٹی کے لیے آئے تھے... بہت سے سوال پوچھنا چاہتے تھے۔ ایک سچ  
نے پلٹتے سندر لال سے پوچھا۔ ”چھوٹے گھونستے راج ہے اور  
گھونستے گھونستے کو نہیں مانتے اور بھارت ایسور وادی میں  
ہے۔ اس طرح چھوٹے اور ہندوستان کی دوستی کھسے ہو سکتی  
ہے؟“ پلٹتے جی نے ملو بھوان کے دھرم کے دس لکھن آئیں  
گئے۔ اس میں ایسور کا نام نہیں تھا۔ پلٹتے جی نے ہر  
دھرم کی کتاب سے دھرم کی پوری بھاشا سنائی، پر کسی میں  
ایسور کا نام نہیں تھا۔ سب میں ایک بات تھی—  
سادگی، ایمانداری، جلتا کی سوا۔ ”اگر دھرم اس کا نام  
ہے، اگر مذہب اسی کو کہتے ہیں تو چھوٹے سے زیادہ یہ  
دھرم کہیں نہیں مانا جاتا ہے... آپ لوگ دھرم کی لہجہ  
سے چھوٹے ہوئے ہیں اور چھوٹی دھرم کی آتما کو ایسا دھ  
ہوں!“ پلٹتے جی نے کہا۔

اسی طرح کے اور بہت سے سوال لوگ پوچھتے رہے اور  
پلٹتے جی ان کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

### سیٹاپور

شانٹی کمیٹی نے پلٹتے سندر لال کو बुझایا تھا۔ پلٹتے  
جی کے भाषण में लोगों को किफाय दिया और उनकी  
समझ में शान्ति आन्दोलन की असलियत आ गई۔

### जलपाईगुरी

इलाहाबाद और जलपाईगुरी बहुत दूर हैं... फिर  
भी लक्ष के एक ने उन्हें एक कर दिया ... रात और  
दिन सफर कर के एक बूढ़ा इंसान जलपाईगुरी पहुंच  
ही गया... वही जाना पहचाना चेहरा... वही आवाज...  
इस कंठ से हमेशा शान्ति की आवाज निकलती है, यह  
लड़ाई का माना हुआ विरोधी है। बंगाली जनता से हिन्दु-  
स्तानी में बात करना बहुत उचित नहीं था... पर क्या किया  
जाय. पलित जी घंटों बोलते रहे और सारी बात जनता  
के दिलों में उतरती चली गई. भाषा भिन्न थी पर भाषा  
एक थी, विश्वास एक था, निश्चय एक था—जंग नहीं  
होने पाएगी, एशिया वाले एशिया वालों से नहीं लड़ेंगे,  
उनका खून नहीं बहेगा—हिन्दुस्तान का एक दाना, हिन्दु-  
स्तान का एक क़तरा खून, हिन्दुस्तान की एक फूटी कौड़ी  
भी साम्राज को मजबूत करने में खर्च नहीं होगी...  
हिन्दुस्तान इसको सहन नहीं करेगा! हिन्दुस्तान की  
जनता इसकी इजाजत नहीं दे सकती !!

—प्रवासी

میں دیکھ سکتی ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ اس کا گھر،  
اس کے بال بچے ختم ہوں، اس کا کلچر ختم ہو۔

### سلطان پور

شانٹی کانفرنس کے لیے سہی آئے تھے۔ ہر  
لوگ آئے تھے... پر ایسا لگتا تھا کہ راشنری سوسائٹی  
سوسائٹی کے لیے آئے تھے... بہت سے سوال پوچھنا چاہتے تھے۔ ایک سچ  
نے پلٹتے سندر لال سے پوچھا۔ ”چھوٹے گھونستے راج ہے اور  
گھونستے گھونستے کو نہیں مانتے اور بھارت ایسور وادی میں  
ہے۔ اس طرح چھوٹے اور ہندوستان کی دوستی کھسے ہو سکتی  
ہے؟“ پلٹتے جی نے ملو بھوان کے دھرم کے دس لکھن آئیں  
گئے۔ اس میں ایسور کا نام نہیں تھا۔ پلٹتے جی نے ہر  
دھرم کی کتاب سے دھرم کی پوری بھاشا سنائی، پر کسی میں  
ایسور کا نام نہیں تھا۔ سب میں ایک بات تھی—  
سادگی، ایمانداری، جلتا کی سوا۔ ”اگر دھرم اس کا نام  
ہے، اگر مذہب اسی کو کہتے ہیں تو چھوٹے سے زیادہ یہ  
دھرم کہیں نہیں مانا جاتا ہے... آپ لوگ دھرم کی لہجہ  
سے چھوٹے ہوئے ہیں اور چھوٹی دھرم کی آتما کو ایسا دھ  
ہوں!“ پلٹتے جی نے کہا۔

اسی طرح کے اور بہت سے سوال لوگ پوچھتے رہے اور  
پلٹتے جی ان کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

### سیٹاپور

شانٹی کمیٹی نے پلٹتے سندر لال کو बुझایا تھا۔ پلٹتے  
جی کے भाषण में लोगों को किफाय दिया और उनकी  
समझ में शान्ति आन्दोलन की असलियत आ गई۔

### जलपाईगुरी

इलाहाबाद और जलपाईगुरी बहुत दूर हैं... फिर  
भी लक्ष के एक ने उन्हें एक कर दिया ... रात और  
दिन सफर कर के एक बूढ़ा इंसान जलपाईगुरी पहुंच  
ही गया... वही जाना पहचाना चेहरा... वही आवाज...  
इस कंठ से हमेशा शान्ति की आवाज निकलती है, यह  
लड़ाई का माना हुआ विरोधी है। बंगाली जनता से हिन्दु-  
स्तानी में बात करना बहुत उचित नहीं था... पर क्या किया  
जाय. पलित जी घंटों बोलते रहे और सारी बात जनता  
के दिलों में उतरती चली गई. भाषा भिन्न थी पर भाषा  
एक थी, विश्वास एक था, निश्चय एक था—जंग नहीं  
होने पाएगी, एशिया वाले एशिया वालों से नहीं लड़ेंगे,  
उनका खून नहीं बहेगा—हिन्दुस्तान का एक दाना, हिन्दु-  
स्तान का एक क़तरा खून, हिन्दुस्तान की एक फूटी कौड़ी  
भी साम्राज को मजबूत करने में खर्च नहीं होगी...  
हिन्दुस्तान इसको सहन नहीं करेगा! हिन्दुस्तान की  
जनता इसकी इजाजत नहीं दे सकती !!

—प्रवासी



ایک بھی دیکھنے کی بات ہے۔ بہت ہی اچھے درجہ میں۔ ذرا آنکھ بند کیجئے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ سوچئے کہ آپ میرے دیس میں ہیں۔۔۔ رات بھر یہ ہے۔ رات بھر جہازوں نے نیلے آسمان کے نیچے لٹا ہوا کھلی ہیں۔۔۔ اور اس سے صبح کے وقت دھواں آنکھوں میں بھرا ہے۔۔۔ سوچ کر کدھر سے نکل رہا ہے اس کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ بہت سے پتار جل گئے ہیں، بہت سے دھتے بھی چمکے ہیں۔۔۔ ان سب کا دھواں اٹھ رہا ہے! پرہادی کے اسی دھیر میں کوئی ایسا بھٹکا تھوڑا دھواں کسی کو اچھے پتی کی کھوج ہے، کسی کا سہارا چاہے کسی کا پتار لٹ گیا ہے، ایک طرف لاشوں کے انبار لگے ہیں۔۔۔ پر لوگ ان میں سے کس کس کو روکوں۔ یہ بھی تو پتہ نہیں کہ کون مر گیا ہے اور کون زندہ ہے۔ زندوں کی حالت پر روپا چائے یا مردوں کی لاشوں پر آسو بہائے جائیں۔۔۔

ہر شہر، ہر گاؤں کا یہی درجہ ہے۔ روز 700 سے کر 1000 تک ہوائی جہاز ہمارے دیس پر ملدے رہتے ہیں۔۔۔ دو سال میں۔۔۔ صرف دو سال میں ہماری راجدھانی پر پندرہ لاکھ بم گراہے جا چکے ہیں۔ ایک آدمی پر چار بم! ذرا سوچئے، ذرا دھیان دیجئے۔ ایک کروڑ 50 لاکھ نہام بم کوریائی دیس پر اسی طرح 11 جولائی 1952 کو۔ پھانگ پانگ پر 6000 بم گرائے گئے، 1000 گھر پرہاد ہو گئے، 6000 انسان مر گئے۔۔۔ کچھ نہیں کہتی۔۔۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ اچھے اچھے دیسوں کی کلہا کھجئے۔ پھانگ پانگ کے بجائے اچھے شہروں کی کلہا کھجئے۔۔۔ آپ سوچئے کہ یہ سب آپ کے دیس میں ہو رہا ہے، یہ سب آپ کے شہروں میں ہو رہا ہے۔۔۔

ہاں سہریا کہتی تھی، جگ یہ داستان سننا تھا۔۔۔ ایک طرف سے امریکی پرانی نڈھی ملال اٹھا۔۔۔ بڑے، جوان، مرد، اورت۔۔۔ اور انھوں نے سیریا کو گالے لگا لیا۔۔۔ انکی آوازوں میں آواز تھی۔۔۔ اور سیریا کی آوازوں میں انکی ہمدردی نے آواز پیدا کر دی تھی۔۔۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اسے اس کا اثر ہو رہا ہے۔۔۔ سہریا نے دیکھا میں کہا تھا۔ انسانیت کو نہیں ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ ایک اس بات کی امداد کہ شانتی ممکن ہے۔ دوسری اس بات کا وضوح کہ شانتی ہوگی اور تیسری اس بات کا انشائیہ کہ شانتی کا نام کی جائے۔ آج انسان کو شانتی کی آواز ہے، آج شانتی پر آواز ہو رہی ہے، آج وہ پورا نقشہ کر چکا ہے!

شانتی کا سلسلہ

کون ہے جسے شانتی نہیں چاہئے۔۔۔ کون ہے جسے جنگ

شانتی کا سلسلہ

کون ہے جسے شانتی نہیں چاہیے۔۔۔ کون ہے جسے جنگ



پر کوئی رخصت نہیں، پھر بھی وہ مجرم ہے، پھر بھی وہ  
فریبی ہے۔ کوریا کے ہر ہر کونے پر ہر ہر جگہ نے یونو سے فریب  
کی۔ ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے والو ہماری بات بھی  
سن لو، ہم کو مجرم ٹھہرانے والو ہماری فریب بھی سن لو۔  
ہر یونو نے کُن مہن کُن ڈال لیا، اُس کے سارے چارٹر  
خاموش رہے، اُس کی ساری طاقت، سارے اندھکار امریکہ  
کی آنکھوں پر ناچتے رہے...

اور آج کوریا کی کہانی سننے کے لئے ہر ہو دیہے کے  
ہر تہذیبی اکتھا ہے۔ یہ لہک سکسوس نہیں بلکہ دہانا ہے۔  
یہاں کوریا کو اپنی بات سننے کے لئے مائیک نہیں کرنی  
پڑتی بلکہ لوگ اچھک مہن نہ وہ دیکھ کی داستان سن  
سکے، اور اُسے سن کر کوئی ملاح نکال سکے۔ ہندو نے  
جذبات اُبھار دیئے، دی ہوئی آگ پھر جل اُٹی، ہان  
سہریا کے خوں مہن جڑھی پھر گیا۔ وہ نہیں بول رہی  
تھی بلکہ اُس کا دل بول رہا تھا۔ وہ نہیں کہہ رہی تھی  
بلکہ کوریا اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے کہتا رہی  
تھی۔ کوریا کی اس بھتی نے کہا تھا۔ ”مجھے شانت  
ہونا چاہئے، مہن جانتی ہوں... پر مہن شانت کسے  
دھن، مہن اپنے بہاؤں کو کسے دباؤں... ابھی لوائی ہو  
رہی ہے، ابھی کولے چل رہے ہیں... ابھی مجھے شانتی  
کہاں... ابھی مہن شانت کسے دھن۔“

دنیا کے بڑے بڑے ودوان بہاشن دے چکے تھے، بڑی  
ہوئی باتوں ہو چکی تھیں... پر وہ سب دماغ کی باتوں  
تھیں، سوچ وچار کی باتوں تھیں... یہاں صرف دل بول  
رہا تھا... ایک صورت کا دل اپنی فریب سن رہا تھا۔ ”ہم  
کوریا سے دہانا آئے ہیں، بہت سے دیکھوں کو ہم نے دیکھا  
ہے، سنسکرتی اور فلا کے بہت سے نونے ہم نے دیکھے ہیں  
... مہرے سانہو، شانتی کے اُپریمہوں! مہن سچ کہتی  
ہیں، مہرا وشواس کرو... مجھے ان لمونوں کو دیکھ دیکھ کر  
خوشی ہوئی تھی، شاید ہونٹ مسکراتے ہی تھے... پر مہن  
دو ہی تھی، مہرا دل خوں ہوا جا رہا تھا۔ مہرا دیہے  
پرانا ہے، ہماری سہوکتا پرانی ہے، ہمارے پاس پانچ ہزار  
ہر پرانی سنسکرتی کے خزانے تھے... پر اب وہ کہاں...!  
راکھ کا ایک تھہر، ہر بادی کا ایک کھلوان اور کچھ نہیں،  
بالکل کچھ نہیں۔ مہن آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ  
مہرے دیہے چلئے، ہماری سنسکرتی دیکھئے... ہم آپ کی  
سہمانداری کا سہباگ پر اپمت کرنا چاہتے ہیں... پر  
مہن یہ کسے کہوں... مہن آپ کو کس چیز کو دیکھئے  
کی دعوت ہوں!...“

ہال مہن سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں  
تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنکھوں کو جھنجھوڑ  
کر رکھ دیا تھا۔ ہائی سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو

پر کوئی رخصت نہیں، پھر بھی وہ مجرم ہے، پھر بھی وہ  
فریبی ہے۔ کوریا کے ہر ہر کونے پر ہر ہر جگہ نے یونو سے فریب  
کی۔ ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے والو ہماری بات بھی  
سن لو، ہم کو مجرم ٹھہرانے والو ہماری فریب بھی سن لو۔  
ہر یونو نے کُن مہن کُن ڈال لیا، اُس کے سارے چارٹر  
خاموش رہے، اُس کی ساری طاقت، سارے اندھکار امریکہ  
کی آنکھوں پر ناچتے رہے...

اور آج کوریا کی کہانی سننے کے لئے ہر ہو دیہے کے  
ہر تہذیبی اکتھا ہے۔ یہ لہک سکسوس نہیں بلکہ دہانا ہے۔  
یہاں کوریا کو اپنی بات سننے کے لئے مائیک نہیں کرنی  
پڑتی بلکہ لوگ اچھک مہن نہ وہ دیکھ کی داستان سن  
سکے، اور اُسے سن کر کوئی ملاح نکال سکے۔ ہندو نے  
جذبات اُبھار دیئے، دی ہوئی آگ پھر جل اُٹی، ہان  
سہریا کے خوں مہن جڑھی پھر گیا۔ وہ نہیں بول رہی  
تھی بلکہ اُس کا دل بول رہا تھا۔ وہ نہیں کہہ رہی تھی  
بلکہ کوریا اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے کہتا رہی  
تھی۔ کوریا کی اس بھتی نے کہا تھا۔ ”مجھے شانت  
ہونا چاہئے، مہن جانتی ہوں... پر مہن شانت کسے  
دھن، مہن اپنے بہاؤں کو کسے دباؤں... ابھی لوائی ہو  
رہی ہے، ابھی کولے چل رہے ہیں... ابھی مجھے شانتی  
کہاں... ابھی مہن شانت کسے دھن۔“

دنیا کے بڑے بڑے ودوان بہاشن دے چکے تھے، بڑی  
ہوئی باتوں ہو چکی تھیں... پر وہ سب دماغ کی باتوں  
تھیں، سوچ وچار کی باتوں تھیں... یہاں صرف دل بول  
رہا تھا... ایک صورت کا دل اپنی فریب سن رہا تھا۔ ”ہم  
کوریا سے دہانا آئے ہیں، بہت سے دیکھوں کو ہم نے دیکھا  
ہے، سنسکرتی اور فلا کے بہت سے نونے ہم نے دیکھے ہیں  
... مہرے سانہو، شانتی کے اُپریمہوں! مہن سچ کہتی  
ہیں، مہرا وشواس کرو... مجھے ان لمونوں کو دیکھ دیکھ کر  
خوشی ہوئی تھی، شاید ہونٹ مسکراتے ہی تھے... پر مہن  
دو ہی تھی، مہرا دل خوں ہوا جا رہا تھا۔ مہرا دیہے  
پرانا ہے، ہماری سہوکتا پرانی ہے، ہمارے پاس پانچ ہزار  
ہر پرانی سنسکرتی کے خزانے تھے... پر اب وہ کہاں...!  
راکھ کا ایک تھہر، ہر بادی کا ایک کھلوان اور کچھ نہیں،  
بالکل کچھ نہیں۔ مہن آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ  
مہرے دیہے چلئے، ہماری سنسکرتی دیکھئے... ہم آپ کی  
سہمانداری کا سہباگ پر اپمت کرنا چاہتے ہیں... پر  
مہن یہ کسے کہوں... مہن آپ کو کس چیز کو دیکھئے  
کی دعوت ہوں!...“

ہال مہن سٹاٹا تھا، کسی کے منہ پر ہنسی نہیں  
تھی... ایک لڑکی کی آواز نے سب کی آنکھوں کو جھنجھوڑ  
کر رکھ دیا تھا۔ ہائی سہریا کہہ رہی تھی۔ ”مہن آپ کو



میں اس رات نہیں سو پایا... ایک سواگت میرے دماغ میں گونجتا رہا۔ مہرے ماں باپ کہتے ہیں کہ وہ نروہ ہیں... آپ کی سرکار کہتی ہے کہ وہ جاسوس ہیں... میں فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں... ماں لہا وہ جاسوس ہیں... ہر اوتس بھی تو جاسوس تھے... اگر اوتس کو اٹھا چاری نروہ کی کمونست اسی جرم میں چھوڑ سکتے ہیں... تو آپ... آپ تو کمونست نہیں ہیں، آپ تو کرسچن ہیں... پھر آپ ضرور ہمارے ماں باپ کو رہا کر سکتے ہیں... میں سوچتا رہا... آپ سے یہ جانے کتنی اہل نہیں ہیں... کہیں... کاش آپ مہرے سامنے ہوتے، کاش آپ مہرے حالت دیکھ سکتے... مہرے پرسودت! میں نے جاننا چاہا کہ اوتس کو سے چھوڑ گئے... کونسی ترکیب تھی جس نے کمونستوں کا دل پکھلا دیا... اور مجھے یہ جان کر تعجب ہوا... کمونست بھی اہل ملتے ہیں... ان کے بھی دل ہوتا ہے، وہ بھی رحم کرنا جانتے ہیں... اوتس کی بددیہی نے اہل کی اور اوتس چھوڑ گئے... اوتس کی بددیہی نے رحم مانا اور کمونستوں نے اہل رحم دے دیا... میں نے سنا ہے مہرے بزرگ کہ بچوں کی پرورش میں بہت اثر ہوتا ہے، بچوں پر سب کو ہی رحم آ جاتا ہے... میں اسی افسد پر آپ کو لکھ رہا ہوں... میں اسی لئے آپ سے فریاد کر رہا ہوں۔ مہرے ماں باپ کو چھوڑ دیجئے، مجھے یہ کہہ دیجئے... مہرے پرسودت!... پر آپ خاموش ہیں! آپ جواب بھی نہیں دیتے... کیا میں یہ سہجہ لوں کہ— رحم، عسائیت، انصاف، آزادی... سب قدامت ہے! سب نکالوا ہے، گورا پر چار ہے!!

### کوریان کی بے

ہمدردی مشاقت سے ملتے ہیں... شاید کسमत سے ملنے میں ہمدردی مرہم کا کم کرتی ہے یا زخموں کو ہرا کر دیتی ہے، اس کا صاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ دکھ کی پہچان ہوں ایک اکتھان وہ بھی ہے جہاں دکھ کی پہچان ہوتی نہیں رہ جاتی۔ یہوت یہ نہیں جانتا کہ پہوا کیا ہے؟ اس سے اگر کوئی تسلی کی باتوں کرتے لگے، اس وقت اگر کوئی اپنا دکھ صرف سلیے کو تیار ہو جائے! آدمی دو ہوتا ہے۔ دکھ کی پہچان ہو جاتی ہے، کسک تیز ہو جاتی ہے، لاکہ روکنے پر بھی طبیعت نہیں مانتی۔ وہاں کوریا کے پرتلہدھوں کو وہ واناروں دے رہا تھا جس کی اہل اچھا نہیں اور جس سے یونو نے انہیں معصوم کر دیا تھا، جو ان کا ادھکار تھا پر جس سے "انصاف اور آزادی کے سلیکریوں" نے کوریا کو ونجیت کر دیا تھا۔ اگر کوریا نے ہر بار پرورش کیا اور ہر بار اس کی مانگ کو تھکوا دیا تھا۔ یونو بھی کہا عدالت ہے! ملزم کا چہرہ بھی دیکھنے کو کوئی تھلا نہیں! اس کی بات سلیے

### کوریا کی بددیہی

ہمدردی مشاقت سے ملتے ہیں... شاید کسमत سے ملنے میں ہمدردی مرہم کا کم کرتی ہے یا زخموں کو ہرا کر دیتی ہے، اس کا صاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ دکھ کی پہچان ہوں ایک اکتھان وہ بھی ہے جہاں دکھ کی پہچان ہوتی نہیں رہ جاتی۔ یہوت یہ نہیں جانتا کہ پہوا کیا ہے؟ اس سے اگر کوئی تسلی کی باتوں کرتے لگے، اس وقت اگر کوئی اپنا دکھ صرف سلیے کو تیار ہو جائے! آدمی دو ہوتا ہے۔ دکھ کی پہچان ہو جاتی ہے، کسک تیز ہو جاتی ہے، لاکہ روکنے پر بھی طبیعت نہیں مانتی۔ وہاں کوریا کے پرتلہدھوں کو وہ واناروں دے رہا تھا جس کی اہل اچھا نہیں اور جس سے یونو نے انہیں معصوم کر دیا تھا، جو ان کا ادھکار تھا پر جس سے "انصاف اور آزادی کے سلیکریوں" نے کوریا کو ونجیت کر دیا تھا۔ اگر کوریا نے ہر بار پرورش کیا اور ہر بار اس کی مانگ کو تھکوا دیا تھا۔ یونو بھی کہا عدالت ہے! ملزم کا چہرہ بھی دیکھنے کو کوئی تھلا نہیں! اس کی بات سلیے



سچائی کیا تھی، بلکہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں...میں  
 اتنا سمجھ سکتا ہوں کہ اوتس نے وہی جرم  
 کیا تھا جس کا الزام میرے ماں باپ کی گردن پر ہے...فرق  
 ہے تو بس اتنا کہ میرے ماں باپ نے سدا اچے کو نردوس  
 کہا ہے، اچے کو دیس بھکت کہا ہے اور اوتس نے جرم کو سنا  
 ہے... لہکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ اوتس نے اٹھارہ سے  
 مجبور ہو کر جرم مانا ہے... نہیں تو الزام غلط ہے، اوتس  
 پر قصور نہیں... یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کمونسٹ اسی  
 طرح لوگوں کو پھانسی دیا کرتے ہیں... پر مجھے تعجب  
 ہوا کہ "ظالم کمونسٹوں" نے اوتس کو چھوڑ دیا... اوتس  
 امریکہ آئے... ہمارے دیس کے بڑے بھٹا قلس نے انہوں  
 بدھائی دی۔ اوتس صاحب اِنٹل اہم تھے کہ دور یورپ اور  
 ایشیا کی اچھی ہوئی سمجھاؤں کے بوجھ بھی قاس  
 صاحب کو اُن کا خیال رہا!... اوتس کا جلوس نکل رہا تھا  
 ... لوگ کھڑے تاشہ دیکھ رہے تھے... میرے پریسڈنٹ  
 ہم بھی گئے تھے... یہ دیکھتے کہ اوتس کی شکل کمونسٹوں  
 نے کھسی بنا دی ہے... اُن کو کھسی کھسی تکلیفوں  
 پہنچائی ہیں... پر وہ خوش تھے، وہ تلخترست تھے، وہ  
 موت تازے تھے... پھر میرے دماغ میں ایک خیال اُٹھا...  
 کیا کمونسٹ ظلم کرنے لوگوں کو ایسا ہی بنا دیتے ہیں  
 ... شک پیدا ہو گیا تھا پر مجھے اطمینان چاہئے تھا...  
 میں اُن کی پریس کانفرنس میں گیا... لوگ اُن سے سوال  
 کر رہے تھے۔ دو سو ملے ہر طرف سے شدوں نے اور پرسا  
 دے تھے۔ اوتس نے مجلس کو جواب دیا... آپ نے سنا تو  
 ہوگا... جتنی تکلیف آپ لوگ مجھے اس سب سے  
 دے رہے ہیں، اتنی چوکوسلوپیکھا کی پولیس نے مجھے  
 کھسی بھی نہیں دی... میری آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی  
 ... میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے اور قریب چلا گیا...  
 پھر ایک ہتھکڑی نے اُن سے پوچھا—کیا یہ سچ ہے کہ اُنکو  
 اسٹیمت ڈھارتیملت سے تلخترست ملتی ہے، کیا یہ سچ ہے کہ  
 آپ نے جاسوسی کا الزام سویکار کر لیا ہے... اوتس چپ رہے  
 اُنہوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ  
 جہل میں اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا تھا، وہ  
 بہت اچھی طرح رکھے گئے تھے... اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ  
 جس طرح پیکار امریکہ میں ختم کی کہوچ کرتے ہیں اُن  
 طریقوں سے چوکوسلوپیکھا میں جہل کی ہوا ضرور کھانی  
 پڑے گی... اُنہوں نے جاسوس نہ ہونے کی صفائی نہیں دی  
 ... یہ ضرور کہا—اگر آپ لوگ امریکہ میں بھی یہ دیکھ  
 لگاتے جائیں کہ یورپ میں کن راستوں سے اور کن کن دیشوں  
 سے یہاں آتا ہے تو آپ ضرور گرفتار کر لیں گے... کانفرنس  
 ختم ہوگئی... میں نے لوگوں کو کہتے سنا— "اُنہوں نے  
 جاسوسی ضرور کی تھی... الزام کو سویکار ٹھوک ہی کیا  
 تھا"

سچائی کیا تھی، بلکہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں...میں  
 اتنا سمجھ سکتا ہوں کہ اوتس نے وہی جرم  
 کیا تھا جس کا الزام میرے ماں باپ کی گردن پر ہے...فرق  
 ہے تو بس اتنا کہ میرے ماں باپ نے سدا اچے کو نردوس  
 کہا ہے، اچے کو دیس بھکت کہا ہے اور اوتس نے جرم کو سنا  
 ہے... لہکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ اوتس نے اٹھارہ سے  
 مجبور ہو کر جرم مانا ہے... نہیں تو الزام غلط ہے، اوتس  
 پر قصور نہیں... یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کمونسٹ اسی  
 طرح لوگوں کو پھانسی دیا کرتے ہیں... پر مجھے تعجب  
 ہوا کہ "ظالم کمونسٹوں" نے اوتس کو چھوڑ دیا... اوتس  
 امریکہ آئے... ہمارے دیس کے بڑے بھٹا قلس نے انہوں  
 بدھائی دی۔ اوتس صاحب اِنٹل اہم تھے کہ دور یورپ اور  
 ایشیا کی اچھی ہوئی سمجھاؤں کے بوجھ بھی قاس  
 صاحب کو اُن کا خیال رہا!... اوتس کا جلوس نکل رہا تھا  
 ... لوگ کھڑے تاشہ دیکھ رہے تھے... میرے پریسڈنٹ  
 ہم بھی گئے تھے... یہ دیکھتے کہ اوتس کی شکل کمونسٹوں  
 نے کھسی بنا دی ہے... اُن کو کھسی کھسی تکلیفوں  
 پہنچائی ہیں... پر وہ خوش تھے، وہ تلخترست تھے، وہ  
 موت تازے تھے... پھر میرے دماغ میں ایک خیال اُٹھا...  
 کیا کمونسٹ ظلم کرنے لوگوں کو ایسا ہی بنا دیتے ہیں  
 ... شک پیدا ہو گیا تھا پر مجھے اطمینان چاہئے تھا...  
 میں اُن کی پریس کانفرنس میں گیا... لوگ اُن سے سوال  
 کر رہے تھے۔ دو سو ملے ہر طرف سے شدوں نے اور پرسا  
 دے تھے۔ اوتس نے مجلس کو جواب دیا... آپ نے سنا تو  
 ہوگا... جتنی تکلیف آپ لوگ مجھے اس سب سے  
 دے رہے ہیں، اتنی چوکوسلوپیکھا کی پولیس نے مجھے  
 کھسی بھی نہیں دی... میری آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی  
 ... میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے اور قریب چلا گیا...  
 پھر ایک ہتھکڑی نے اُن سے پوچھا—کیا یہ سچ ہے کہ اُنکو  
 اسٹیمت ڈھارتیملت سے تلخترست ملتی ہے، کیا یہ سچ ہے کہ  
 آپ نے جاسوسی کا الزام سویکار کر لیا ہے... اوتس چپ رہے  
 اُنہوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ  
 جہل میں اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا تھا، وہ  
 بہت اچھی طرح رکھے گئے تھے... اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ  
 جس طرح پیکار امریکہ میں ختم کی کہوچ کرتے ہیں اُن  
 طریقوں سے چوکوسلوپیکھا میں جہل کی ہوا ضرور کھانی  
 پڑے گی... اُنہوں نے جاسوس نہ ہونے کی صفائی نہیں دی  
 ... یہ ضرور کہا—اگر آپ لوگ امریکہ میں بھی یہ دیکھ  
 لگاتے جائیں کہ یورپ میں کن راستوں سے اور کن کن دیشوں  
 سے یہاں آتا ہے تو آپ ضرور گرفتار کر لیں گے... کانفرنس  
 ختم ہوگئی... میں نے لوگوں کو کہتے سنا— "اُنہوں نے  
 جاسوسی ضرور کی تھی... الزام کو سویکار ٹھوک ہی کیا  
 تھا"



## پر و اسی کی ڈائری

میکائیل نے لکھا ہے : میری ماں کو छोड़ दो, मेरे बाप को बचा लो. मेरे देश के प्रेसीडेन्ट ! मुझे यतीम होने से तुम ही बचा सकते हो, तुम्हीं मुझे मां का प्यार दिला सकते हो. हम आई बहन मां की गोद के लिये बरसों से तरस रहे हैं. हमें मां की गोद वापस कर दो. अभी तो मां के मधुर गीत पूरे नहीं हुए, अभी तो उसने जी भर हमें प्यार नहीं किया, अभी तो उसकी लोरियां बाक़ी हैं, अभी तो उसके उपदेश बाक़ी हैं...मेरे प्रेसीडेन्ट ! तुम मुझे यह सब दे सकते हो. मैकाइल को ईथिल दे सकते हो, जूलियस से मैकाइल को भिला सकते हो...प्रेसीडेंट ! खामोशी...कोई जवाब नहीं...कोई तसल्ली नहीं...कोई दिलासा नहीं...हमें निराश मत करो...अब भी चुप हो...मेरी उमर दस बरस की है...मैं बचचा हूँ...बिलकुल वैसा ही बचचा जैसा तुम्हारा कोई बचचा होगा...तुम्हारे बेटे का बचा होगा...तुम्हारी बेटी का बचा होगा...प्रेसीडेंट ! मैंने ऐसा साहस क्यों किया, आपको लिखने की हिम्मत क्यों की ?...आप जरूर पढ़ेंगे...आप यह भी सोचेंगे...तुम्हें किसी ने सिखा दिया है...मैंने आपको नहीं लिखा बल्कि मुझ से यह सब लिखाया गया है...यह ठीक नहीं है...यह सच नहीं है. यह शब्द मेरे हैं, यह भाव मेरे हैं, यह पुकार मेरी है...अगर इस में असर नहीं है, अगर यह आवाज़ आप के दिल को नहीं हिला सकती, तो यह मेरी कमी है...मैंने क्यों लिखा है, इसका भी कारन सुन लीजिये...रेडियो पर, स्कूल में, सनीमे में, हर जगह मुझे एक बात सुनने को मिलती है...कमयुनिस्ट ज़ालिम होते हैं...कमयुनिस्ट बेरहम होते हैं...अत्याचारी होते हैं...खून बहाना उनका पेशा है...मासूमों को फांसी देने में उन्हें आनन्द आता है...मैं भी यही समझता था...भला आप भूट कैसे बोल सकते हैं...अपने बच्चों को आप भ्रम में कैसे रख सकते हैं ! पर एक दिन, एक सुबह...मैंने सुना कि मिस्टर ओटिस को चेकोस्लोवेकिया के कमयुनिस्टों ने छोड़ दिया है...मुझे अचंबा हुआ...विश्वास कीजिये मुझे यकीन नहीं पड़ा. मैंने सब से पूछा, सब से सवाल किया...पर किसी ने ठीक जवाब नहीं दिया...ओटिस को चेकोस्लोवेकिया में पकड़ लिया गया था...उन पर इफ़लाह था कि वह मासूम हैं...वह चेकोस्लोवेकिया में हमारे देश की तरफ से मुजाहिदी करते हैं.. मुझे यह भी मासूम हुआ कि उन्होंने अपना जुर्म मान लिया है. क्यों मान लिया था,

## پر و اسی کی ڈائری

میکائیل نے لکھا ہے : میری ماں کو چھوڑ دو، میرے باپ کو بچا لو. میرے دیس کے پریسیڈنٹ ! مجھے یتیم ہونے سے تم ہی بچا سکتے ہو، تم ہی مجھے ماں کا پیار دلا سکتے ہو. ہم بھائی بہن کی گود کے لئے برسوں سے ترس رہے ہیں. ہمارے ماں کی گود واپس کر دو. ابھی تو ماں کے مہرے گھٹ پورے نہیں ہوئے، ابھی تو اُس نے جی بھر کر ہمیں پیار نہیں کیا، ابھی تو اُس کی لوریاں باقی ہیں، ابھی تو اُس کے اُپدیش باقی ہیں...میرے پریسیڈنٹ ! تم مجھے یہ سب دے سکتے ہو. میکائیل کو ایتھل دے سکتے ہو، جولیوس سے میکائیل کو بھلا سکتے ہو...پریسیڈنٹ !...خاموشی...کوئی جواب نہیں...کوئی تسلی نہیں...کوئی دلاسا نہیں...ہمیں نہ اس سے کچھ کہو...اب بھی چپ ہو...میری عمر دس برس کی ہے...میں بچتا ہوں...بالکل ویسا ہی بچتا ہوں...جیسا تمہارا کوئی بچتا ہوگا...تمہارے بچے کا بچتا ہوگا...تمہاری بہتی کا بچتا ہوگا...پریسیڈنٹ ! میں نے ایسا ساہس کہاں کہاں آپ کو لکھنے کی ہمت کہاں کی ؟...آپ ضرور پڑھیں گے...آپ یہ بھی سوچیں گے...مجھے کسی نے سکھا دیا ہے...میں نے آپ کو نہیں لکھا بلکہ مجھ سے یہ سب لکھایا گیا ہے...یہ ٹھیک نہیں ہے...یہ سچ نہیں ہے. یہ شبد میرے ہیں، یہ بھاء میرے ہیں، یہ پکار میری ہے...اگر اِس میں اثر نہیں ہے، اگر یہ آواز آپ کے دل کو نہیں ہلا سکتی، تو یہ میری کمی ہے...میں نے کہاں کہاں اِس کا بھی کارن سن لیا ہے...ریڈیو پر، اسکول میں، سنیما میں، ہر جگہ مجھے ایک بات سننے کو ملتی ہے...کمیونسٹ ظالم ہوتے ہیں...کمیونسٹ بے رحم ہوتے ہیں...انہما چاری ہوتے ہیں...خون بہانا اُن کا پیشہ ہے...میں نے انہیں دیکھے ہیں...میں نے انہیں آنا دیکھا ہے...میں نے انہیں سمجھتا تھا...بھلا آپ جھوٹ کسے بول سکتے ہیں...اچھے بچوں کو آپ بھرم میں کسے دیکھ سکتے ہیں ! ہر ایک دن ایک صبح...میں نے سدا کے میسٹر اوتیس کو چیکوسلوواکیا کے کمیونسٹوں نے چھوڑ دیا ہے...مجھے اچھلکا ہوا...وہ اسی کھوکھلے بطن میں نہیں ہوا. میں نے سب سے پوچھا، سب سے سوال کیا...پر کسی نے ٹھیک جواب نہیں دیا...اوتیس کو چیکوسلوواکیا میں پکڑ لیا گیا تھا...اُن پر الزام تھا کہ وہ جاسوس ہیں...وہ چیکوسلوواکیا میں ہمارے بھی کسی طرف سے منظم کرتے ہیں...مجھ سے بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے ایسا جرم ثابت کیا ہے. کہیں مان لیا تھا،



پر دوسرے دن ہی وہ بہت گئی کہ وہ کدواری  
ہے۔ لیجانے لگے شہر میں کھن پھندا کر رہا۔ وہ چاہتی  
تھی کہ بچہ کو چھوڑ کر سب کی نظر سے بچ کر وہ بدن  
چراتی وہاں سے ہٹا جائے۔ پر بچہ کو ہٹا کر اٹھ کر وہ  
نہیں بھی اٹار سکتی تھی۔

سدا چمچا پ اُتسو بہا رہی تھی... اس کا ہتی نظریں  
لہجی کئے چلتا میں قویا کھوا تھا۔

دو منٹ کے بعد شکوہ آگے بڑھی۔ اچے آنچل سے ملنے  
پونچھتے ہوئے سدا کو اس نے کئے سے لگا لیا۔

”مجھے معاف کر دو، بہن۔ میری بےکسی اسی کارن  
سے تھی، میں نہیں چاہتی تھی کہ تم ہماری حالت  
جانو“ سدا نے کہا۔

شکولہ نے اُسے پہنچ لیا اور کہا—

”تم تم دونوں ایک ہی ناؤ کے سوار ہیں بہن میں  
تم سے تمہارے گھر کا چھوٹی مائیک آئی تھی... تمہارا  
دع دیکھ کر میں نے تمہارے بارے میں نہ جانے کسے  
برے برے خیال ہٹا کئے تھے... میں نے سوچا تھا  
کہ ہندو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں اس لئے  
مسلمانوں کو نوکری نہیں ملتی، مگر پھر وہاں کو نوکری نہیں  
ملتی... پر مجھے پتہ نہیں تھا کہ ہندو بھی بھوکے رہتے  
ہیں۔ بھوکے رہتے ہیں۔ بہن مجھے معاف کر دو... مجھے  
معاف کر دو گی تہ بہن...“

دونوں نے ایک دوسرے کو زوروں سے پہنچ لیا، دونوں  
کی آنکھوں سے آنسو برستے رہے۔

—موجیہ ریکھی

—مجموعہ روضی



”یوم سے مت پوچھو کہ میں کیا چاہتی ہوں، اپنے لالچ سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“

”وہ سے سمجھا سکتی تھی تو... فوسلا سکتی تھی تو... مار سے ہی کیا کام چل سکتا ہے... اور کوئی تریکا نہیں ہے۔“

”تریکا ہے تو... پر میں اسے دھ کھان سے دوں... تم کما کر رکھ گئے ہو اور نہ میں کہیں سے کما کر لا سکتی ہوں۔“

”سودا، تمہارے تانے بھٹ ہو چکے... اب میرا کالہجا ڈالنی مت کرو... آخیر میں کیا کرے... تمہیں بتاؤ... ایک راستہ باقی ہے... میں کراچی لگا لوں... مر جاؤں۔“

شکیلا یہ بات چیت سن کر ان دونوں کے پاس آ گئی۔ بچہ روتا رہا، مرد کھوا سوچتا رہا۔

استری اپنے بھائی کی کوشش کرتی رہی، مرد نے شکیلا کو سمجھوتہ کر کے کہا—

”بھئی تم ہی سمجھاؤ، تم ہی انصاف کر دو! اس میں میری کیا خیریت ہے... میری نوکری چھوٹ گئی تھی... بھوکوں مرنے کی نوبت آ گئی... مرنے کا نہ کرنا انہیں سمجھ بھجوا دیا... یہیں مانو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی... پھر مجھوری کو کیا کروں... میں ایک ملت بھی نہ چھوٹ نہیں بھجوا، دروازے دروازے چکر کٹے... کہیں نوکری نہیں ملی... کسی کو مجھوری ضرورت نہیں تھی... آخر ایک لکھی کی ٹال پر پچاس روپے ماہوار پر نوکری کر لی... پچاس روپے میں کیا ہو سکتا تھا، ان لوگوں کا کرایہ کہاں سے لانا، توں مہلے تک تن پھٹ گئے روپے جتانے رہا... نہ جانے کیا سوچتی تھی مجھے کہ اپنے پاس روپے رکھنے کے بجائے میں نے سہتے کے پاس پوری رقم جمع کر دی... پچھلی ہفتہ میں برتن دھو رہی تھی ایک گئے تھے، سوچا تھا کہ اس رقم سے گھر سستی پھر سے چلتا لوں گا... پھر کہا کروں، ان نے بھائی کل یہاں چھوڑ گئے... بھلا مانس دگا بھی نہیں... میں دوڑا دوڑا سہتے کے پاس گیا... اپنا روپہ مانگا—بھئی! اس نے صاف انکار کر دیا... مجھے چھوٹا اور بے ایمان بتائے لگا... مارا روپہ میرا ہضم کر گیا... اب نوکری سے میں کیا کروں... تم ہی بتاؤ میں میں کیا کروں... تم ہی سودا کو سمجھا دو... فوسلا نہ کرے... بچے کو نہ مارے... اس مصوم کی کیا خطا ہے... وہ ہماری مشکلوں کو تو نہیں سمجھ سکتا... پھر اس پر ناراض ہونے سے کیا لے۔“

شکیلا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا، آنچل سے اسکا منہ پونچھا اور ایک بار اس کے دماغ میں یہ خیال کھینچا کہ وہ اپنا دودھ بچے کو نہیں دے گا۔

”مجھے یہ مت پوچھو کہ میں کیا چاہتی ہوں، اپنے لالچ سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“

”وہ سے سمجھا سکتی تھی تو... فوسلا سکتی تھی تو... مار سے ہی کیا کام چل سکتا ہے... اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔“

”طریقہ ہے تو... پھر میں اسے دودھ کہاں سے دوں... تم کما کر رکھ گئے ہو اور نہ میں کہیں سے کما کر لا سکتی ہوں۔“

”سودا، تمہارے طمعے بہت ہو چکے... اب میرا کالہجا ڈالنی مت کرو... آخر میں کیا کرے... تمہیں بتاؤ... ایک راستہ باقی ہے... میں کراچی لگا لوں... مر جاؤں۔“

شکیلا یہ بات چیت سن کر ان دونوں کے پاس آ گئی۔ بچہ روتا رہا، مرد کھوا سوچتا رہا۔

استری اپنے بھائی کی کوشش کرتی رہی، مرد نے شکیلا کو سمجھوتہ کر کے کہا—

”بھئی تم ہی سمجھاؤ، تم ہی انصاف کر دو! اس میں میری کیا خیریت ہے... میری نوکری چھوٹ گئی تھی... بھوکوں مرنے کی نوبت آ گئی... مرنے کا نہ کرنا انہیں سمجھ بھجوا دیا... یہیں مانو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی... پھر مجھوری کو کیا کروں... میں ایک ملت بھی نہ چھوٹ نہیں بھجوا، دروازے دروازے چکر کٹے... کہیں نوکری نہیں ملی... کسی کو مجھوری ضرورت نہیں تھی... آخر ایک لکھی کی ٹال پر پچاس روپے ماہوار پر نوکری کر لی... پچاس روپے میں کیا ہو سکتا تھا، ان لوگوں کا کرایہ کہاں سے لانا، توں مہلے تک تن پھٹ گئے روپے جتانے رہا... نہ جانے کیا سوچتی تھی مجھے کہ اپنے پاس روپے رکھنے کے بجائے میں نے سہتے کے پاس پوری رقم جمع کر دی... پچھلی ہفتہ میں برتن دھو رہی تھی ایک گئے تھے، سوچا تھا کہ اس رقم سے گھر سستی پھر سے چلتا لوں گا... پھر کہا کروں، ان نے بھائی کل یہاں چھوڑ گئے... بھلا مانس دگا بھی نہیں... میں دوڑا دوڑا سہتے کے پاس گیا... اپنا روپہ مانگا—بھئی! اس نے صاف انکار کر دیا... مجھے چھوٹا اور بے ایمان بتائے لگا... مارا روپہ میرا ہضم کر گیا... اب نوکری سے میں کیا کروں... تم ہی بتاؤ میں میں کیا کروں... تم ہی سودا کو سمجھا دو... فوسلا نہ کرے... بچے کو نہ مارے... اس مصوم کی کیا خطا ہے... وہ ہماری مشکلوں کو تو نہیں سمجھ سکتا... پھر اس پر ناراض ہونے سے کیا لے۔“

شکیلا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا، آنچل سے اسکا منہ پونچھا اور ایک بار اس کے دماغ میں یہ خیال کھینچا کہ وہ اپنا دودھ بچے کو نہیں دے گا۔



बी. वह तौर मानुषिक बातान्वरण में एक कृम भी नहीं ठहरना चाहती थी, वह इस औरत की शकल देखना नहीं चाहती थी ...पर वह जा भी नहीं सकती थी...एक ही दरवाजा था जिस पर कामयाबी की कुछ उम्मीद थी और वह पूरी कोशिश किये बिना वहां से दलना नहीं चाहती थी. मन को समन्त कर के उसने इधर उधर की बात करनी आरम्भ कर दी.

“आप घर का जूठन मेहतरानिन को दे देती होंगी”  
उसने सवाह किया.

“दे दिया करते थे...”

शकीला निराश हो गई, इस ज़ोरत से बिलकुल ना-उत्प्रेय हो गई. जो ठीक से बात न करे उसके सामने मुँह कोझने से क्या फायदा...शकीला उठ कर चलने लगी. उस ज़ोरत ने कुछ नहीं कहा. शकीला भी कुछ नहीं बोली.

हाकीला के पैर सौ सौ मन के हो गए थे। वह चल नहीं सकती थी पर चलने पर मजबूर थी। क्रवम नहीं उठ रहे थे पर उन्हें उठना पड़ता था। हर पग पर हाकीला सोच रही थी—“मां ठीक कहती है...हिन्दू लोग मुसलमानों से हमदर्दी नहीं रखते...जो ठीक से बात करना गवारा नहीं करते वह नौकरी क्या देंगे...भय्या को अब यहां नौकरी नहीं मिल सकती...” उसका मन चाहा कि वहीं बैठ कर फूट फूट कर रोने लगे। पर वह रुकी नहीं। उसने आंसू भी नहीं बहाए, वह सोचती रही—“मैंने इसका खाना तो मांगा नहीं था। मैं तो जूठन के बारे में पूछ रही थी...ऐसा जवाब दे रही थी जैसे मैं इससे भीक मांग रही थी...किसी मुसलमान के घर जाती तो चाहे वह खाना न देता पर ऐसे क्लेपन से ब्योहार तो न करता...हिन्दू बहुत बुरे होते हैं...मुसलमानों से वह नफरत करते हैं.. मैं भी हिन्दुओं से नफरत करूंगी...उनसे पूरी नफरत करूंगी...”

झकीला के विचारों का तार टूट गया। बच्चे की पीछ ने उसे चौंका दिया। आगे बढ़ने के बजाय उसने मुड़ कर देखा—

एक दो साल का बच्चा कटोरा हाथ में लिये अपनी माँ से कुछ माँग रहा है। माँ ने उसे एक चपत मार दिया। बच्चा चीख कर रो पड़ा माँ ने कोई ध्यान उसकी तरफ नहीं दिया और बड़बड़ाने लगी—“दूध ! दूध !! दूध !!! कहां से लाऊँ दूध ! कौन तेरा बाप दूध कमा कर रख गया है...”

बच्चे ने फिर एक चीख मारी और मां ने फिर ताबड़ तोड़ तमाचे जमाए. बच्चा ज़मीन पर लोट गया. कटोरा उसके हाथ से झूट कर दर गिर पड़ा...

“कलबे को मार डालोगी क्या... आखिर तुम चाहती क्या हो...” एक मर्द ने सामने से आते हुए कहा.

تھی۔ وہ شہر مانیٹوک و اتارون میں ایک چھوٹی سی نہیں  
 ٹھہرنا چاہتی تھی، وہ اس صوبہ کی شکل دیکھنا نہیں  
 چاہتی تھی... پر وہ جا بھی نہیں سکتی تھی... ایک ہی دروازہ  
 تھا جس پر کامیابی کی کچھ امید تھی اور وہ پوری کوشش  
 کئے بنا وہاں سے قیلاً نہیں چاہتی تھی۔ من کو شانت  
 کو لے آس نے اندر اندر کی بات کرنی آرمہ کر دی۔  
 ”آپ کب کا چوتھیں مہتران کو دے دیئے ہونگی۔“

اُس نے سوال کیا .

”دے دیا کرتے تھے۔۔۔“

شکھلے نہ اُٹھ ہو گئی، اُس صورت سے بالکل ناسمجھ ہو گئی۔ جو تھپک سے بات نہ کرے اُس کے سامنے منہ کھولنے سے کیا فائدہ... شکھلے اُٹھ کر چلنے لگیں۔ اُس صورت نے کچھ نہیں کہا۔ شکھلے بھی نہیں بولی۔

شکملہ کے پھر سو سو میں کے ہو گئے تھے۔ وہ چل نہیں  
سکتی تھی پر چلنے پر مجبور تھی۔ قدم نہیں آتے رہے  
تھے پر انہیں اٹھنا پڑتا تھا۔ ہر یک پر شکملہ سوچ رہی  
تھی۔ ”ماں تھک چکی ہے... ہلدو لوگ مسلمانوں  
سے ہمدردی نہیں رکھتے... جو تھک سے بات کرنا گوارا  
نہیں کرتے وہ نوکری کہا دیں گے... بھیا کو اب یہاں نوکری  
نہیں مل سکتی... اُس کا من چاہا کہ وہیں پہنچکر پھوٹ  
پھوٹ کر دولے لگے۔ پر وہ دکی نہیں۔ اُس نے آنسو بھی  
نہیں بہائے۔ وہ سوچتی رہی۔ ”میں نے اِس کا کھانا  
تو مانگا نہیں تھا، میں تو جوہن کے بارے میں سوچ رہی  
تھی... ایسا جواب دے رہی تھی جسے میں  
اُس سے بھوک مانگ رہی تھی... کسی مسلمان کے  
گھر جانی تو چاہے وہ کھانا نہ دیتا پر ایسے دوکے پن سے  
بہوہار تو نہ کرنا... ہلدو بہت برے ہوتے ہیں...  
مسلمانوں سے وہ نفرت کرتے ہیں... میں بھی ہلدوؤں سے  
نفرت کرونگی... اُن سے پوری نفرت کرونگی...”

شعبہ کے وجہوں کا ثبوت کیا۔ پھر کی جمع نے  
اسے چونکا دیا۔ آگے بڑھنے کے بجائے اُس نے مو کر دیکھا۔

ایک دو سال کا بچہ کتروا ہاتھ میں لئے اپنی ماں سے کچھ مانگ رہا ہے۔ ماں نے اسے ایک چھپ مار دیا۔ بچہ چہچ کر دوڑا۔ ماں نے کوئی دھیان اسکی طرف نہیں دیا اور بولنے لگی۔ ”دودھ! دودھ! دودھ!!! کہاں سے لیں دودھ! کہیں تمہارا پاپ دودھ کما کر رکھ گیا ہے۔“

بچے نے ہر ایک جمع ماویٰ اور مالا نے ہر تابو اور  
طماچہ چسارے۔ بچہ زمین پر لوٹ گیا۔ کتورا اُس کے  
ہاتھ سے چھوٹ کر دیو بن گیا۔...

”بچہ کو مارا قالوکی کہا... آخر تم چاہتی کہا ہو...“  
ایک مرد نے جاسم سے آگے ہوئے کہا۔



پھر کسی نے फिर बांधने शुरू कर दिये. उसने इस बसमंजस से छुटकारा पाने के लिये दांत पीसे और मुट्ठी भीच ली और भागे बढ़ गई. आखिर वह एक घर के दरवाजे पर आ कर रुक गई.

महीनों से यह घर बन्द था आज ही खुला था. शकीला इस घर में आ चुकी थी. वह घर बालों को जानती थी... पर वह खाना मांगने का साहस कर सकेगी इसका यकीन उसे नहीं था.

विल ने कहा—लौट जाओ.

दिमारा ने कहा—कर गुजर. जो कल करना है उसे आज ही कर गुजर.

शकीला दरवाजे तक पहुँच गई. उसने कुनड़ी खट-खटाई. पर उसके हाथ कांपने लगे, पैर में कपकपाहट पैदा होने लगी. हाटों पर खुशकी छाने लगी... उसे ऐसा लगा कि वह घंटों से व्यासा है.

जल्दी ही दरवाजा खुल गया और एक स्त्री सामने से आ कर खड़ी हो गई. उनके मुँह पर हंसी नहीं थी. उनके मुँह से ऐसा लग रहा था कि शकीला का आना उन्हें अच्छा न लगा हो.

शकीला को बहुत बुरा लगा. उसका मन चाहने लगा कि वह कह दे—“मैं तुम्हारे खाने की भूका नहीं हूँ, मैं भीक मांगने नहीं आई हूँ... फिर क्यों तुम इस तरह का चेहरा बना रही हो...” पर उसने यह सब नहीं कहा. दो एक सिकन्ध दोनों तरफ से खामोशी रही और फिर शकीला ने पूछा—

“बहन आप बहुत दिनों के बाद दिखाई पड़ी हैं.”

“हां, मैके गई थी, चार महीने के बाद कल आई हूँ.” दूसरी स्त्री ने रुले-पन से उत्तर दिया.

शकीला चुप रही, उसने चाहा कि वह भाग जाय पर वह न जाने क्यों वहीं खड़ी रही.

“आओ अन्दर आओ” दूसरी स्त्री ने शकीला को बुलाया.

दोनों अन्दर चली गईं.

इधर उधर की गपशप होती रही. कपड़ों की सिलाई पर बातचीत चल पड़ी... मंहगाई की बात चल पड़ी, घंटों बातें होती रहीं. और बात ही बात में शकीला ने पूछा—  
“बहन आप के यहां जूठा तो बचता होगा.”

“बचा करता था” दूसरी ने इस तरह जवाब दिया जैसे वह सवाल उसे पसन्द न हो. शकीला को जबरदस्त धक्का लगा. गुस्से का तीर दिमारा को बीदता हुआ तलुवे से निकल गया. वह उसी समय वहां से भाग जाना चाहती

پھر کسی نے پھر باز تعمیر شروع کر دی۔ اُس نے اس بسمجس سے چھٹکارا پانے کے لئے دانت پیسے اور مٹھی بھیچ لی اور آگے بڑھ گئی. آخر وہ ایک گھر کے دروازے پر آ کر رک گئی.

مہینوں سے یہ گھر بند تھا. آج ہی کھلا تھا. شکیلہ اس گھر میں آ چکی تھی... وہ گھر والوں کو جانتی تھی... پر وہ کتنا مانگنے کا ساہس کر سکے گی اس کا یقین اسے نہیں تھا.

دل نے کہا—لوٹ جاؤ.

دماغ نے کہا—کر کر. جو کل کرنا ہے آج ہی کر کر.

شکیلہ دروازے تک پہنچ گئی. اُس نے کدلی کھٹ کھٹائی. پر اُس نے ہاتھ کانپنے لگے. پھر مہن کھکھامت پوندا ہونے لگی. ہونٹوں پر خشکی چھانے لگی... اسے ایسا لگا کہ وہ کھنگٹوں سے بھاری ہے.

جلد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک استری سامنے آ کر کھڑی ہو گئی. اُن کے منہ پر ہلسی نہیں تھی. اُن کے منہ سے ایسا لگ رہا تھا کہ شکیلہ کا آنا انہیں اچھا نہ لگا ہو.

شکیلہ کو بہت برا لگا. اُس کا من چاہنے لگا کہ وہ کہے—“میں تمہارے کھانے کی بھوک نہیں ہوں” مہن بھیک مانگنے نہیں آتی ہوں... پھر مہن تم اس طرح کا چہرہ بنا رہی ہو...”

پر اُس نے یہ سب نہیں کہا. دو ایک سکتے دونوں طرف سے خاموشی رہی اور پھر شکیلہ نے پوچھا—

“بہن آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی پڑی ہیں.”

“ہاں، مکے گئی تھی، چار مہینے کے بعد کل آئی ہوں” دوسری استری نے دودھ پن سے اثر دیا.

شکیلہ چپ رہی. اُس نے چاہا کہ وہ بھاگ جائے پر وہ نہ جانے کبوں وہیں پہنچی رہی.

“او اندر آؤ” دوسری استری نے شکیلہ کو بلایا.  
دونوں اندر چلی گئیں.

اُدھر اُدھر کی کپ کپ ہوتی رہی. کپڑوں کی سلائی پر بات چیت چل پڑی... مہنگائی کی بات چل پڑی، کھنگٹوں باتیں ہوتی رہیں. اور بات ہی بات میں شکیلہ نے پوچھا—  
“بہن آپ کے یہاں جوتھا تو بچتا ہوگا.”

“بچا کرتا تھا” دوسری نے اس طرح جواب دیا جیسے یہ سوال اسے پسند نہ ہو. شکیلہ کو زبردست دھکا لگا. قصہ کا گھر دماغ کو پہلوتا ہوا تلوے سے نکلی گیا. وہ اسی سے مہن سے بھاگ جانا چاہتی



”میتھی... کیتاویں مے لیتا ہے یھ دھیا کبھی خالی نہی جاتی... پھر پھر آتی ہے...“

”نہی شکیلا، نہی.. نیکری نہی میلی.. دھیاچی مے نیکری دیلانے کی تاکت نہی ہے، شکیلا، دھیاچی بے پھر ہے.. نیکری سماج کے ڈیکھاروں کے ہاتھ مے ہے اور دین رات بھ دھیاچی کرتے ہیں کی انکاں کھپا جما رہے... تم جالی دھیاچی کرتی ہو... خد کو کھ نپڑ نہی کرتی ہو... بھ مندر بنواتے ہیں، مسجید کھڑی کرتے ہیں، دان کرتے ہیں، ہج کرتے ہیں، یاत्रا کرتے ہیں.. بھ کھ دیتے ہیں... تم سیک لےنا چاہتی ہو... تھاری دھیا کھول ہو یا ان کی دھیا کھول ہو... تم ہی سوچو بھن..“

”میتھی!“

”ٹیک کھتا ہیں بھن“ سلیم کی نپڑوں کھ گئی، دو آس شکیلا کے کھدوں پر تپک پڑے۔

موتی کے ان پھالوں مے شکیلا نے سب کچھ دیکھ لیا۔ سلیم کے من کی ویدنا، اسکی بھک، اسکی کمپوڑی، اسکے دھلی باہ... اسنے نہ جانے کیوں اور کس ہراہ سے کھا—

”میتھی، تم بھک ہوگو، مے آبی روتی لائی... مہ ہاتھ پو ڈالو... مے آبی روتی لائی...“

”روتی کھاں سے آپی شکیلا...“ سلیم نے نہ کھا۔

”نہی، تم مہ پو ڈالو... مے روتی لا رہی ہیں...“ کھتی ہڈی بھ جوش سے باہر کر رسوئی پر کی طرف چل دی۔ پور کے مٹکے سے دروازا کھولا اور اندر پھس گئی۔ کھی روتی نہی تھی... پورا مہ نہی تھا... وہ ہر برتن کی لاشی لیتی رہی، ہر سب کوشش دھل رہی۔ وہ جانتی تھی کہ کھ مہ روتی نہی ہے... پھر اس کے دماغ مہ یہ ناک کھس آ گیا... یہ ناک نہی تھا شاید اس کی لاشی تھی... ہر روتی کو نہی ملتا تھا اور وہ نہی ملی۔ شکیلا نیراں ہو گئی۔ بھ آگے بڑی اور پھر ٹیٹک گئی۔ آئی سے اسے شام آ رہی تھی، روتا بھ مہی نہیں کر سکتی تھی...!

دین مے اسنے کھ بار کوشش کی تھی۔ بھ بار بار دروازے تک جاتی تھی اور لوٹ آتی تھی۔ کھ سے طے کر کے جاتی تھی کہ پھوکوں مرنے سے اچھا ہے کہ مٹکے والوں سے مانگ لیا جاسے پر باہر مہیا پھر پکھ لیتی تھی۔ وہ کھ نے باہر قدم اٹھائی تھی ہر پھر اسے واپس لوٹ آنا پونا تھا۔ ہر بار وہ کھ سے باہر نکل گئی۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈروائی اور کھوں کو یہ طے کرنے لگی کہ کس کھ مہ چائے۔ کھڑے ہوتے ہی جیسے اس کے مشیٹ لڑکے مہ کمپوڑی آئے لگی، جیسے اس کے

بھ... کیتاویں مہ لکھا ہے یہ دھیا کھیں خالی نہی جاتی... پھر پھر آتی ہے...“

”نہی شکیلا، نہی.. نیکری نہی میلی.. دھیاچی مے نیکری دیلانے کی تاکت نہی ہے، شکیلا، دھیاچی بے پھر ہے... نیکری سماج کے ڈیکھاروں کے ہاتھ مے ہے اور دن رات وہ دھیاچی کرتے ہیں کہ ان کا کھ جما رہے... تم خالی دھیاچی کرتی ہو... خدا کو کھ نپڑ نہی کرتی ہو... وہ مندر بنواتے ہیں، مسجید کھڑی کرتے ہیں، دان کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، یاत्रا کرتے ہیں... وہ کھ دیتے ہیں... تم صرف لکھا چاہتی ہو... تمہاری دھیا کھول ہو یا ان کی دھیا کھول ہو... تم ہی سوچو بھن...“

”تھیک کھتا ہوں بھن“ سلیم کی نظریں کھک گئیں، دو آنسو شکیلا کے قدموں پر تھک پڑے۔

موتی کے ان پھالوں مہ شکیلا نے سب کچھ دیکھ لیا۔ سلیم کے من کی ویدنا، اس کی بھوک، اس کی کمپوڑی، اس کے ڈکھی بھ... اس نے نہ جانے کھوں اور کس لڑکے سے کھا—

”بھیا، تم بھوکے ہوئے“ مہ ابھی روتی لائی... ملے ہاتھ دھو ڈالو... مہ ابھی روتی لائی...“

”روتی کھاں سے آئے کی شکیلا...“ سلیم نے کھا۔

”نہی“ تم ملے دھو ڈالو... مہ روتی لا رہی ہیں...“ کھتی ہوئی وہ جوش سے بھاک کر رسوئی کھ کی طرف چل دی۔ زور کے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اندر کھس گئی۔ کھیں روتی نہی تھی... پورا مہ نہی تھا... وہ ہر برتن کی لاشی لیتی رہی، ہر سب کوشش دھل رہی۔ وہ جانتی تھی کہ کھ مہ روتی نہی ہے... پھر اس کے دماغ مہ یہ ناک کھس آ گیا... یہ ناک نہی تھا شاید اس کی لاشی تھی... ہر روتی کو نہی ملتا تھا اور وہ نہی ملی۔ شکیلا نیراں ہو گئی۔ وہ آگے بڑی اور پھر ٹیٹک گئی۔ بھائی سے اسے شام آ رہی تھی، روتی وہ مہی نہیں کر سکتی تھی...!

دین مہ اس نے کئی بار کوشش کی تھی۔ وہ بار بار دروازے تک جاتی تھی اور لوٹ آتی تھی۔ کھ سے طے کر کے جاتی تھی کہ پھوکوں مرنے سے اچھا ہے کہ مٹکے والوں سے مانگ لیا جائے پر باہر مہیا پھر پکھ لیتی تھی۔ وہ کھ نے باہر قدم اٹھائی تھی ہر پھر اسے واپس لوٹ آنا پونا تھا۔ ہر بار وہ کھ سے باہر نکل گئی۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈروائی اور کھوں کو یہ طے کرنے لگی کہ کس کھ مہ چائے۔ کھڑے ہوتے ہی جیسے اس کے مشیٹ لڑکے مہ کمپوڑی آئے لگی، جیسے اس کے



दी मुक्ति !

बड़ा क्रोधम बापस हो गया, वह लौट पड़ी...न जाने, क्यों, कैसे, किस तरह फिर उसका क्रोधम बाहर निकल गया.

फिर वह सौट पड़ी.

इस बार उसने मन ही मन एक कैसला कर लिया था और मुख के भाव से ऐसा लगता था कि वह बाहर निकल जायगी, अपनी मंजिल तक पहुँच कर रहेगी...पर उसे फिर रुक जाना पड़ा, ठिठक जाना पड़ा...वह कभी लाल हो जाती थी, कभी पीली...कभी दुख उसके चेहरे पर दिखाई पड़ता था और कभी गुस्सा—कुछ देर वह वैसे ही वहीं खड़ी रही...एक चौखट का सहारा छोड़ कर दूसरी चौखट का बसने सहारा लिया.

“आगे मान मर्यादा की लाश है...पीछे भूक की मुतना नोचने को खड़ी है...किधर जाऊं...क्या करूं...मान मर्यादा...भूक और मान मर्यादा !”

**शकीला फिर लौट पड़ी.**

कमरे में जाकर उसने जाए नमाज़ बिछा दी, कुरान निकाला. पढ़ने लगी. उसने सुना था कि कुरान में हर मुश्किल का हल है, उसको बताया गया था कुरान पढ़ने से शान्ति मिलती है..., वह कुरान पढ़ती गई...वह सब कुछ भूल कर कुरान पढ़ने की कोशिश करती रही...आखिं कुरान पढ़ती रही..दिमाग कोई दूसरा चित्र खींचता रहा... गरीबी, बेकारी...मां...मां के कपड़े, उसका बुढ़ापा... भाई...जवान शकल पर मुरदानी की छाया...हंसी की जगह आंसू ..बंचलता की जगह पैरों में कमफोरी की लडखड़ाहट ..बेकारा!...घर में कुछ नहीं...खाने को कुछ नहीं ..दो रोज़ का फाक्का...भूक...मान...भाई... और वह...

वह बीस छठी, क्रूरान को खोरों से बन्द कर दिया,  
ठठ लड़ी हुई, बाहर निकल गई.

किसी ने कहा—“दुआ करो...शायद भाई को नौकरी मिल जाय . दिल से जो आह निकलता है, अक्सर रखती है. तुम्हारी दुआ शायद कबूल हो जाय...”

भांचल के नीचे उसके हाथ उठ गए, वह दुआ करती रही, करती चली गई, न जाने कब तक करती चली जाती। एक आवाज ने उसे चौंका दिया। आंख खोली तो देखा सलीम सामने खड़ा है। उसे किसी बात की याद नहीं रह गई थी, जैसे वह सपना सा देख रही थी और अब भी उसका अक्षर बाक़ी था। उसने सलीम के बाजू पकड़ लिये और उठावले पन से कहने लगा—“भय्या आज तो तुम्हें नौकरी मिल गई होगी, मेरा दिल कहता है कि तुम्हें नौकरी मिल गई होगी...मैंने ‘दुआए नूर’ पढ़ कर दुआ मांगी थीं

! 2000

ہوھا قدم واپس ہو گیا' وہ لوٹ ہوئی... نہ جانے  
 کہوں' کہسے' کس طرح پھر اُس کا قدم باہر نکل گیا۔  
 پھر وہ لوٹ ہوئی ۔

اس ہار اُس نے من ہی من ایک فیصلہ کر لیا تھا اور مکہ کے پہاڑ سے ایسا لگتا تھا کہ وہ باہر نکل جائے گی، اٹھی منزل تک پہنچ کر رہ گئی... پر اُسے پھر رک جانا پڑا، تھمک جانا پڑا... وہ کبھی لال ہو جاتی تھی، کبھی پھلی... کبھی دکھ اُس نے چہرے پر دکھائی پونا تھا اور کبھی غصہ—کچھ دیر وہ ویسے ہی وہیں کھڑی رہی... ایک چوٹیت کا سہارا چھو کر دوسری چوٹیت کا اُس نے سہارا لیا۔

”آپے سان سرہادا کی لائن ہے... ہچکچہ بھوک کی ہمتی  
نوجھلے کو کھڑی ہے... کندھر جاؤں... ٹہا کروں... سان سرہادا  
... بھوک اور سان سرہادا!“  
شکھلے پھر لوٹ پڑی۔

نعرے میں جاکر اُس نے جائے نماز پہنچا دی، قرآن  
نکلا پڑھنے لگی۔ اُس نے سنا تھا کہ قرآن میں ہر مشکل  
کا حل ہے، اُس کو بتایا گیا تھا قرآن پڑھنے سے شانتی  
ملتی ہے... وہ قرآن پڑھتی گئی... وہ سب کچھ بھول کر  
قرآن پڑھنے کی کوشش کرتی رہی... آنکھیں قرآن پڑھتی  
رہیں... دماغ کوئی دوسرا چتر کھینچتا رہا... فریبی،  
بہکاوے... ماں... ماں نے کہہ دے، اُس کا بڑھاپا... بھائی...  
جوان شکل پر مردنی کی چھاپا... ہنسی کی جگہ آنسو  
... چلنے لگتا ہی جگہ پڑوں میں کمزوری کی لوکھاہٹ...  
بھکاوے... گھر... گھر میں کچھ نہیں... کھانے کو کچھ نہیں  
... دو روز کا فاقہ... بھوک... ماں... بھائی... اور وہ...

کسی نے کہا۔ ”دعا کرو... شاید بھائی کو نوکری مل جائے... دل سے جو آہ نکلتی ہے“ اثر رکھتی ہے۔ تمہاری دعا شاید قبول ہو جائے...

انجیل کے نچھڑے اُس کے ہاتھ اٹھ گئے، وہ دعا کرتی رہی،  
 فری چلی گئی، نہ جانے کب تک کرنی چلی جاتی۔  
 ایک آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اُنکھ کھولی تو دیکھا سلم  
 سامنے کھڑا ہے۔ اُسے کسی بات کی یاد نہیں وہ گئی تھی  
 جیسے وہ سہلا سا دیکھ رہی اور اب بھی اُس کا اثر  
 باقی تھا۔ اُس نے سلم نے بازو دھرتے اور اُٹاوتے ہیں سے  
 کہنے لگی۔ ”بھیا آج تو تمہیں سواری مل گئی ہوگی“  
 صبراً دل کہتا ہے کہ تمہیں سواری مل گئی  
 ہوگی... میں نے ’دعا گھر‘ پر کمر دیا مانگی تھی۔



”نہی بے، کوئی بات نہیں... سبھی میں آئے۔۔۔  
تو سبھی میں آئے۔۔۔ ہمارے میں دن بھر تھے۔۔۔ پھر  
بہار چلائی گئی۔۔۔ میں نے شکیلہ کے ہاتھ کو اٹھاتے  
ہوئے کہا اور بنا دے کہتی گئی۔۔۔ ”سلم کو نوکری ضرور  
مل جائے گی۔۔۔ بس وہ نوکر ہوا نہیں“ سب تھک کر  
چلے گئے۔۔۔“

”نوکری... اور وہ... انہیں نوکری مل ہی نہیں سکتی۔“

”بہائی کے بارے میں اسے شک نہیں رہے ہوتے۔“

”تھک کہتی ہیں میں۔ نوکری انہیں ملتی ہے جو  
کوشش کرتے ہیں۔۔۔“

”کیا خواہ مسطورہ قصہ کرتی ہے تو اپنا دل بھی جلائی  
ہے، سلم کا دل بھی جلائی گئی۔۔۔ بے چارہ دن بھر تو کہتا  
رہتا ہے، ہر ہر دفتر کی تو خاک چھاتتا ہے۔۔۔ پر قسمت  
کو کہا کرے۔۔۔“

”قسمت! قسمت!! قسمت!!! ناچ نہ جانے  
تھوڑا“ شکیلہ نے جھنجھک کر جواب دیا۔

”قسمت نہیں تو اور کہا۔۔۔ سہرا بچا ہی۔ اے۔ پاس  
ہے، قابل ہے۔۔۔ پھر وہی نوکری نہیں ملتی۔۔۔ قسمت ہی  
کا تو سب کہہ دے۔۔۔ تو کہا جانے والے کا رنگ ڈھنگ۔۔۔  
کبھی باہر تو نکلتی نہیں ہے۔۔۔ مسلمانوں کو آجکل نوکری  
نہیں ملتی۔۔۔ سلم کا ہی کہا“ سبھی مسلمانوں کا یہ  
حال ہے۔۔۔“

”ماں، میں نے کتنی بار تو تم سے کہا کہ ہندو مسلمان  
کی بات مت کیا کرو۔۔۔ تمہارے لڑکے کو کیا آتا ہے  
جو نوکری مل جائے۔ نوکری کے لئے قابلیت کی ضرورت ہے۔ خالی  
ہی۔ اے۔ پاس کر لیتے سے کام نہیں چلتا۔۔۔ بھتے کو نہ آئے  
تو جائے اور ماں چلی ہے قسمت کو گوسنے“ ہندوؤں کی  
پہادتی بتاتے۔۔۔ اس طرح سے اچھے نکتے ہیں تو نہیں چھاپا  
جاسکتا۔۔۔“ شکیلہ نے تنگ آ کر کہا اور ماں کی گود سے  
اُٹ کر چل دی۔

ماں نے ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“

”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“  
شکیلہ ایک تھپاک لٹایا اور بولی۔۔۔ ”پائل کہیں کی۔“



بار سنا، دو بار سنا...مُنگھلا ہڈی، چارپاई سے کھل پڑی، پوری طاقت سے پھٹتا کر उसने कहा—

“क्या है ! कहो न, क्या है.”

दूसरी तरफ से कोई जवाब नहीं आया.

“शकीला” फिर किसी ने आवाज दी.

मُंगलाइट से शकीला जमीन पर कूद पड़ी. पैर पटके और रास्से से भरी उस तरफ चल दी जिधर से आवाज आ रही थी. उसकी चाल में वेग था, तेजी थी, खून का उबाल था, सारे शरीर में रास्सा था. जाते जाते उसने फिर सुन—

“शकीला !”

शकीला ने कोई जवाब नहीं दिया, तेजी से बरामदे में आ गई और खटोले पर बैठी बुढ़िया से बोली— “कहो न, क्या बात है.” पर यह वाक्य कहते समय उसमें रास्सा नहीं रह गया था, उसमें तनाव नहीं बाक़ी था. वह बुढ़िया के चेहरे को देख रही थी, उसके कपड़े पर नज़र जमाए थी.

“मां, तुम दुपट्टा बांध लो और अन्दर कमरे में जाकर बैठ जाओ. मैं तुम्हारे कपड़े धो दूँ. बहुत गन्दे हो गए हैं. एक तो ऐसे ही बहुत साफ़ रहती हो. दूसरे भरते से और गंदगी फैलाती रहती हो...छी...छी...कुरते पर क्या बेल बूटे बनाए हैं...” शकीला ने बुढ़िया के हाथ सहलाते हुए कहा.

“बेटी कई दिन से तमबाकू नहीं मिली, मन न्याकुल है.”

“तमबाकू !” शकीला ने ठंडी सांस भरते हुए कहा.

मां की आंखों में आंसू भर आए. उसने बेटी के सर को अपनी गोद में रख लिया. शकीला ने बुढ़िया के इरादों का विरोध नहीं किया. उसने उसे अपनी जांगों पर लेटा लिया और थपथपाने लगी.

“पगली, अफसोस करती है...इसमें दुखी होने की क्या बात है. यह तो क्रिसमत का खेल है...कभी धी घना .. कभी मुट्ठी भर बना.” मां धीरे धीरे कहती रही.

शकीला चुप रही, शान्त रही.

मां ने फिर कहा— “तू भी क्या खूब है. मां को तमबाकू तो खिल्ला नहीं सकती...पर सफाई की फिकर है. कुरता धुल्ला तो लूँ...सुमे भी बुरा लगता है, बहुत गन्दा हो गया है...पर साबुन कहाँ है...बिना साबुन के कैसे धोयेगी...”

“साबुन !” शकीला ने फिर ऐसी सांस ली जैसे उसके दिमाग की खबरदस्त घण्टा लगा हो.

बार सना, दो बार सना...जहल जहल अँही, चारपाई से अँही  
‘पूरी’ पुरी पुरी से जल कर अँही ने कहा—

“कहा है ! कहे न, कहा है.”

दूसरी तरफ से کوئی جواب نہیں آیا .

“شکیلہ !” پھر کسی نے آواز دی .

جھلجھلاہٹ سے شکیلہ زمین پر کود پڑی . پور پٹکے اور فیسے سے بھری اُس طرف چل دی جدھر سے آواز آ رہی تھی . اُس کی چال میں ویگ تھا، تیزی تھی، خوں کا اُبال تھا، سارے شریروں میں راسا تھا . جاتے جاتے اُس نے پھر سنا—

“شکیلہ !”

شکیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا، تیزی سے برآمدے میں اُگلی اور کھٹولے پر بھٹی بڑھیا سے بولی— “کہو نہ” کہا بات ہے. پر یہ واقعہ کہتے سے اُس میں فیسہ نہیں رہ گیا تھا، اُس میں تھلاؤ نہیں باقی تھا. وہ بڑھیا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، اُس کے کپڑے پر نظر جمائے تھی .

“ماں، تم قریب سے ہاتھ لہو اور اندر کمرے میں جا کر بیٹھو جاؤ . میں تمہارے کپڑے دھو دوں . بہت گندے ہو گئے ہیں. ایک تو ایسے ہی بہت صاف دھتی ہو. دوسرے بھرتے سے اور گندگی پھیلاتی رہتی ہو...چھی...چھی...کرتے پر کیا بیل بوٹے بنائے ہیں...” شکیلہ نے بڑھیا کے ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا .

“بھٹی کئی دن سے تمہا کو نہیں ملی، من بھائل ہے.”

“تمہا کو !” شکیلہ نے تھلکی سانس بھرتے ہوئے کہا .

ماں کی آنکھوں میں آنسو بہہ اُٹا . اُس نے بھٹی کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا . شکیلہ نے بڑھیا کے ارادوں کا ورنہ نہیں کیا . اُس نے اُسے اپنی جانگوں پر لٹھا لیا اور لپیٹ لیا لگی.

“پگلی، افسوس کرتی ہے...اُس میں دکھی ہونے کی کیا بات ہے . یہ تو قسمت کا کھیل ہے...کبھی کبھی کھٹا...کبھی مٹھی بھر چلا.” ماں دھیرے دھیرے کہتی رہی.

شکیلہ چپ رہی، شانت رہی .

ماں نے پھر کہا— “تو بھی کہا خوب ہے. ماں کو تمہا کو تو کھل نہیں سکتی...پر صفائی کی ہوی فکر ہے. کورنا دھلوا تو لیں...مجھے بھی برا لگتا ہے، بہت گندا ہو گیا ہے... پر صابن کہاں ہے...بلا صابن کے کیسے دھوئگی...”

“صابن !” شکیلہ نے پھر ایسی سانس لی جیسے اُس کے دل کو زبردست دھکا لگا ہو .



## دو بھوکے !

شکلی کے بڑے دھڑلے سے گھر گئے۔

وہ نے سوچا کہ وہ اندر لوٹ جائے... پر وہ کھڑی رہی۔ وہ نے سوچا کہ آگے بڑھ جائے... پر وہ کھڑی رہی۔

نہ وہ پیچھے آ سکی نہ آگے جاسکی۔

ایک جگہ، ایک پوز سے، ایک منظر میں وہ کھڑی رہی، سوچتی رہی، اپنے سے لڑتی رہی۔

وہ کھڑی کھڑی سی تھی، فیر بھی اس میں جھجکاؤ تھا۔ دیکھنے والوں کا سامنے ٹھٹھکا رہا تھا اور وہ اس میں کھڑی جا رہی تھی۔ فیر بھی اس میں کچھ چھٹکا ہوا تھا۔ دماغ اور دل کے ہر سوال کا وہ جواب دینے کی کوشش کرتی تھی، ہر طرح سے سادھان کرنے کا پریکٹس کر رہی تھی۔

سکھنے کی جگہ ملتوں بہت کثرت پر کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔ وہ سوچتی تھی اور سمجھتا جلتے جلتے ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کہا بات اس کے دماغ میں گونج گئی۔ نہ جانے کس نے اس کو آگے دیا۔ وہ لوٹ پڑی، اندر جانے لگی۔ رنگ بدلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لالی، گالوں پر سرخی، لبت کی نسمیں کسی ہوئی، دورے بدن میں ایک سختی، کھلتی کی جگہ ایک تھلاؤ۔ وہ گھر کے اندر کھس رہی تھی، آنکھوں سے ہوا میں کچھ شکلوں بدلتی تھی، ہوسٹ ملتی تھی، کچھ کہتی تھی۔

تھوڑی سی شکلی ایک کمرے میں کھسی اور دھڑام سے بستر پر گر گئی۔ اس نے تھکے ہوئے منہ کرا دیا اور منہ سے زور زور سے سانس لہنے لگی۔ کبھی کبھی سسکی بھرنے کی بھی کوشش کی، پر وہل رہی۔ آہستہ آہستہ اس سے چہرے کٹے گئے، کھسے روپا جانا اس کی ایک دھندلہ سی یاد اس کے دماغ میں ہائی تھی... پر وہ دو نہیں سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کھڑکی بدلی اور چت لہت گئی... پر کوئی فائدہ نہیں ہوا... وہی وچار، وہی چلتا... سب کچھ وہی۔ اس نے چہرے پر آنکھوں کوا دیں۔ سوچتی رہی، منہ سے سانس لہتی رہی، ہانپوں سے منہ پر مالش کرتی رہی۔

## دو بھوکے !

شکلی کے بڑے دھڑلے سے گھر گئے۔

اس نے سوچا کہ وہ اندر لوٹ جائے... پر وہ کھڑی رہی۔ اس نے سوچا کہ آگے بڑھ جائے... پر وہ کھڑی رہی۔

نہ وہ پیچھے آ سکی نہ آگے جاسکی۔

ایک جگہ، ایک پوز سے، ایک منظر میں وہ کھڑی رہی، سوچتی رہی، اپنے سے لڑتی رہی۔

وہ کھڑی کھڑی سی تھی، پھر بھی اس میں جھجکاؤ تھا۔ دیکھنے والوں کا سامنے ٹھٹھکا رہا تھا اور وہ اس میں کھڑی جا رہی تھی۔ پھر بھی اس میں کچھ چھٹکا ہوا تھا۔ دماغ اور دل کے ہر سوال کا وہ جواب دینے کی کوشش کرتی تھی، ہر طرح سے سادھان کرنے کا پریکٹس کر رہی تھی۔

سکھنے کی جگہ ملتوں بہت کثرت پر کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔ وہ سوچتی تھی اور سمجھتا جلتے جلتے ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کہا بات اس کے دماغ میں گونج گئی۔ نہ جانے کس نے اس کو آگے دیا۔ وہ لوٹ پڑی، اندر جانے لگی۔ رنگ بدلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لالی، گالوں پر سرخی، لبت کی نسمیں کسی ہوئی، دورے بدن میں ایک سختی، کھلتی کی جگہ ایک تھلاؤ۔ وہ گھر کے اندر کھس رہی تھی، آنکھوں سے ہوا میں کچھ شکلوں بدلتی تھی، ہوسٹ ملتی تھی، کچھ کہتی تھی۔

تھوڑی سی شکلی ایک کمرے میں کھسی اور دھڑام سے بستر پر گر گئی۔ اس نے تھکے ہوئے منہ کرا دیا اور منہ سے زور زور سے سانس لہنے لگی۔ کبھی کبھی سسکی بھرنے کی بھی کوشش کی، پر وہل رہی۔ آہستہ آہستہ اس سے چہرے کٹے گئے، کھسے روپا جانا اس کی ایک دھندلہ سی یاد اس کے دماغ میں ہائی تھی... پر وہ دو نہیں سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کھڑکی بدلی اور چت لہت گئی... پر کوئی فائدہ نہیں ہوا... وہی وچار، وہی چلتا... سب کچھ وہی۔ اس نے چہرے پر آنکھوں کوا دیں۔ سوچتی رہی، منہ سے سانس لہتی رہی، ہانپوں سے منہ پر مالش کرتی رہی۔

”شکلی“ ایک مدہم سی آواز اس کے کان میں گئی

پر اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔

”شکلی“ پھر وہی آواز آئی۔

کھنکھار، کھانسی، کلمے کی گھراہٹ اور انہوں نے سب کچھ کے بیچ شکلی، شکلی کی رت، شکلی نے ایک

”شکلی“ ایک مدہم سی آواز اس کے کان میں گئی، پر اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔

”شکلی“ پھر وہی آواز آئی۔

کھنکھار، کھانسی، گلوں کی گھراہٹ اور انہوں نے سب کچھ کے بیچ شکلی، شکلی کی رت، شکلی نے ایک



گھر والوں، شیشوں اور منوہیجانیوں کے پاس دودھ بچے پیرتے ہیں۔

ہم اپنا دل اور مستک کبھی نہیں دٹولتے، ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نکر دھرم جو اس بालک میں جگہ پا گیا ہے، یہ سب کا سب ہماری دین ہے۔ مار گریٹ سٹیٹ نامی ایک مانوس شریہ رچنا شاکس نے ایک بار نیویگینی میں رہنے والے ایک کبیلے کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کوئی کام کرنے سے نہیں روکتے، جب تک کہ وہ سات برس کا نہ ہو جائے اور پھر اس کا یہ کہنا ہے کہ اسے بालک سب کے سب دنگی اور اسٹاکاوی تو ہوتے ہیں، اتنے کمر کے بچے ہمارے ممبر بن جاتے ہیں، خوب ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ماں باپ کا کہنا تو مانتے ہی ہیں۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ یہ کہ رہا ہوں کہ سب لوگ اپنے بچوں کو جنگلی جانوروں کی طرح چھوڑ دیں، میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ لوگ بچوں کی قدر کرنا سمجھیں کہونکہ ہر بچہ یہ جانتا ہے کہ اس کی بھائی کے لئے کھا کھا کام ضروری ہیں اور انکی ہی اچھی طرح جانتا ہے جنگلی اچھی طرح ہم۔

جب بچہ بھوک سے روتا ہے تو وہ سچے جی سے روتا ہے، بالکل سچے جی سے، اس میں ڈرا بھی بہانے باری نہیں ہوتی۔ عام طور سے بچوں کا پیٹ دو گھنٹے میں خالی ہو جاتا ہے، ان کا پیٹ سکڑے لگتا ہے اور ایلٹھم لگتا ہے۔ ایک دن کے بچے کے پیٹ کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بچہ خوب سمجھتا ہے کہ ان کی بھائی کس میں ہے۔ جون ہوپکلس ہسپتال میں ڈاکٹر کلہس قہیس نے ایک پریکٹس کر کے دیکھا، چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس طرح طرح کی چھوڑوں کا رس لگا کر کچھ چھوٹے دیکھے گئے اور ان کو چھوڑ کے لئے بچوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا، وہ چاہے جس کو چھوڑے اور چاہے جنگلی چھوڑے۔ ایک نے کاہلر آئل چاٹا، میٹھے کو لٹا تا تک نہیں، ایک نے نمک چاٹا، وہ منہ بھی بناتا رہا اور نمک چاٹتا بھی رہا، اسات میں اس کے بدن کو نمک کی ضرورت تھی۔

بس اگر آپ اپنے بچے کو پھار کرتے ہیں تو آپ اس طرح ایک دو البت باہوں سے کام لےجئے، آپ اپنے بچے کا آدھ لٹھئے اور اسے سمجھئے کہ وہ بھی ایک ویکتی ہے، اسکی اپنی ضرورتوں ہیں، اس کے اپنے ادھکار ہیں۔ ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے سے نگرہ اور شہروں میں صاف کمرے دیکھئے تو یہ مایوں پر آپ کو اول درجے کے بچے ضرور دیکھئے تو مایوں اور انت میں اچھے ناگرک۔

—مگھانہہ

گروں، شیشوں اور منوہیجانیوں کے پاس دودھ بچے پیرتے ہیں۔

ہم اپنا دل اور مستک کبھی نہیں دٹولتے، ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نکر دھرم جو اس بालک میں جگہ پا گیا ہے، یہ سب کا سب ہماری دین ہے۔ مار گریٹ سٹیٹ نامی ایک مانوس شریہ رچنا شاکس نے ایک بار نیویگینی میں رہنے والے ایک کبیلے کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کوئی کام کرنے سے نہیں روکتے، جب تک کہ وہ سات برس کا نہ ہو جائے اور پھر اس کا یہ کہنا ہے کہ اسے بालک سب کے سب دنگی اور اسٹاکاوی تو ہوتے ہیں، اتنے کمر کے بچے ہمارے ممبر بن جاتے ہیں، خوب ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ماں باپ کا کہنا تو مانتے ہی ہیں۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ یہ کہ رہا ہوں کہ سب لوگ اپنے بچوں کو جنگلی جانوروں کی طرح چھوڑ دیں، میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ لوگ بچوں کی قدر کرنا سمجھیں کہونکہ ہر بچہ یہ جانتا ہے کہ اس کی بھائی کے لئے کھا کھا کام ضروری ہیں اور انکی ہی اچھی طرح جانتا ہے جنگلی اچھی طرح ہم۔

جب بچہ بھوک سے روتا ہے تو وہ سچے جی سے روتا ہے، بالکل سچے جی سے، اس میں ڈرا بھی بہانے باری نہیں ہوتی۔ عام طور سے بچوں کا پیٹ دو گھنٹے میں خالی ہو جاتا ہے، ان کا پیٹ سکڑے لگتا ہے اور ایلٹھم لگتا ہے۔ ایک دن کے بچے کے پیٹ کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ بچہ خوب سمجھتا ہے کہ ان کی بھائی کس میں ہے۔ جون ہوپکلس ہسپتال میں ڈاکٹر کلہس قہیس نے ایک پریکٹس کر کے دیکھا، چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس طرح طرح کی چھوڑوں کا رس لگا کر کچھ چھوٹے دیکھے گئے اور ان کو چھوڑ کے لئے بچوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا، وہ چاہے جس کو چھوڑے اور چاہے جنگلی چھوڑے۔ ایک نے کاہلر آئل چاٹا، میٹھے کو لٹا تا تک نہیں، ایک نے نمک چاٹا، وہ منہ بھی بناتا رہا اور نمک چاٹتا بھی رہا، اسات میں اس کے بدن کو نمک کی ضرورت تھی۔

بس اگر آپ اپنے بچے کو پھار کرتے ہیں تو آپ اس طرح ایک دو البت باہوں سے کام لےجئے، آپ اپنے بچے کا آدھ لٹھئے اور اسے سمجھئے کہ وہ بھی ایک ویکتی ہے، اسکی اپنی ضرورتوں ہیں، اس کے اپنے ادھکار ہیں۔ ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے سے نگرہ اور شہروں میں صاف کمرے دیکھئے تو یہ مایوں پر آپ کو اول درجے کے بچے ضرور دیکھئے تو مایوں اور انت میں اچھے ناگرک۔

—مگھانہہ



راش نہیں، ہسپتال ویدرلن کی ہے جسکو انہوں نے نیو یارک کے اخبار 'ہیرالڈ ٹریبون' میں دیا تھا۔

یہاں کے ڈاکٹر آرنولڈ جوسل نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ انسان پرانی کو کام کرنے کے لیے پرکھتی ہے۔ ایک نیا کو کوئی کام نہیں ہے۔ اس پرانی کی اتنی تھک اس کے مطابق ہوتی ہے۔ جب دانہ نکلتے لگتے ہوں، تو تھوڑی لگے ہوئے لگتی ہے، جبکہ مضبوط ہونے لگتے ہوں، پانچ لگتی ہو جاتی ہے، اور پھر اب مضبوط چوڑے کھانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں کے لحاظ سے نئے بچے کے ہاتھ چلنے کے لئے کافی مضبوط ہوتے ہوں، آپ سہارا دیکھتے، وہ پاؤں اٹکے ہوئے کرنا، ہمارے ہاتھ کو ابھی بچہ پر آڑا کر دیکھ لیتے ہیں، بچہ اب آپ تو میں نہیں چل پاتا کہ اس کو سنبھالیں نہیں آتا۔ آپ میں ہائیکل چلنے کی طاقت ہے، کوئی پکڑے تو چلے ہی لیتے، ہر سنبھالیں نہ جانے سے آپ ایک قدم چل کر ہی سنبھال سے کر پڑتے ہوں۔ سنبھالیں سنبھالے ہر بچہ چلنے لگتا ہے، اس کے نی اور مستح کی دوسری کپڑاں کا بھی یہی حال ہے۔ ان سب کا وقت نہیں ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے، بچہ کو وہ سب آ جاتی ہے۔

ہم چاہتے تو یہ تھ کہ ہم یہیں قلم روک دیں ہر نیکو نکلے ہوا ایسا کہے کریں۔ یوں سمجھ لیتے اور کی باتوں سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے :

ہمارا بچہ ہمیں بچہ میں ڈالنے والا ہوتا ہے، اور بچہ ایسا پرانی ہوتا ہے جو بھادور ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے، اور ہمارا سہارا ہوتا ہے۔ وہ تیار ہو کر آتا ہے اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آتے ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں، ہم اس کا خصوصی سے سواکت کرتے ہوں، اسے بھارت کرتے ہوں، ہر نہ چالے کہیں ہم لپے ہمارے ساتھ پرانی کھانے چوڑے ہوئے ہوں، "بچوں کو پالنے میں ہی پکوانا چاہئے اور ان کے ساتھ سستی سے پرواز کرنا چاہئے۔"

بچوں کے ساتھ ہمارا پرواز، بہت حد تک، نکواندک ہوتا ہے۔ ہم ابھی سمجھتے کے لئے آج کی اس ہدایت کو ایک دم بھلا دیتے ہیں جو یہ کہتی ہے، "بچوں کو اپنی سرفی پر ہی چھوڑا جائے۔" بچہ بھوکا ہے، تو ہم کہیں کہیں، بچہ متاسا ہے، ہم کہیں کہیں، "بچہ بھاسا ہے، ہم کہیں کہیں، بچہ تھکا ہے، تو ہم کہیں کہیں، وہ کھانا نہیں چاہتا، ہم کہتے ہوں، ہم وہ کھانا چاہتے ہوں جو وہ نہیں کھانا چاہتا۔ بچہ نہالے کے لئے تیار نہیں، ہم ابھی نہاتے ہوں۔ ہم بچے سے بڑے ہوں، مضبوط ہوں، ہموں چلتی ہے، اسکی نہیں۔ اور جب وہ بڑا ہو کر اس کام کے کوئے سے انکو کوئے لگتا ہے، جسے ہم ابھی کوئے کو کہتے ہیں، تب ہم

ہم چاہتے تو یہ تھ کہ ہم یہیں قلم روک دیں ہر نیکو نکلے ہوا ایسا کہے کریں۔ یوں سمجھ لیتے اور کی باتوں سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے :

ہمارا بچہ ہمیں بچہ میں ڈالنے والا ہوتا ہے، اور ایک ایسا پرانی ہوتا ہے جو بھادور ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے، اور ہمارا سہارا ہوتا ہے۔ وہ تیار ہو کر آتا ہے اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آتے ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں، ہم اس کا خصوصی سے سواکت کرتے ہوں، اسے بھارت کرتے ہوں، ہر نہ چالے کہیں ہم لپے ہمارے ساتھ پرانی کھانے چوڑے ہوئے ہوں، "بچوں کو پالنے میں ہی پکوانا چاہئے اور ان کے ساتھ سستی سے پرواز کرنا چاہئے۔"

ہم چاہتے تو یہ تھ کہ ہم یہیں قلم روک دیں ہر نیکو نکلے ہوا ایسا کہے کریں۔ یوں سمجھ لیتے اور کی باتوں سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے :

ہمارا بچہ ہمیں بچہ میں ڈالنے والا ہوتا ہے، اور ایک ایسا پرانی ہوتا ہے جو بھادور ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے، اور ہمارا سہارا ہوتا ہے۔ وہ تیار ہو کر آتا ہے اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آتے ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں، ہم اس کا خصوصی سے سواکت کرتے ہوں، اسے بھارت کرتے ہوں، ہر نہ چالے کہیں ہم لپے ہمارے ساتھ پرانی کھانے چوڑے ہوئے ہوں، "بچوں کو پالنے میں ہی پکوانا چاہئے اور ان کے ساتھ سستی سے پرواز کرنا چاہئے۔"

بچوں کے ساتھ ہمارا پرواز، بہت حد تک، نکواندک ہوتا ہے۔ ہم ابھی سمجھتے کے لئے آج کی اس ہدایت کو ایک دم بھلا دیتے ہیں جو یہ کہتی ہے، "بچوں کو اپنی سرفی پر ہی چھوڑا جائے۔" بچہ بھوکا ہے، تو ہم کہیں کہیں، بچہ متاسا ہے، ہم کہیں کہیں، "بچہ بھاسا ہے، ہم کہیں کہیں، بچہ تھکا ہے، تو ہم کہیں کہیں، وہ کھانا نہیں چاہتا، ہم کہتے ہوں، ہم وہ کھانا چاہتے ہوں جو وہ نہیں کھانا چاہتا۔ بچہ نہالے کے لئے تیار نہیں، ہم ابھی نہاتے ہوں۔ ہم بچے سے بڑے ہوں، مضبوط ہوں، ہموں چلتی ہے، اسکی نہیں۔ اور جب وہ بڑا ہو کر اس کام کے کوئے سے انکو کوئے لگتا ہے، جسے ہم ابھی کوئے کو کہتے ہیں، تب ہم



ڈاکٹر لیوینا نام گارڈر جو نیویارک میں بال  
 ویجنان کا شاہی ہے اسکا کہنا ہے کہ بالک کا جاتا  
 رہنا ایک بڑا باری بمرکار ہے۔

بچا دھ کا سخت ہوتا ہے، اتنا ہی نہیں، وہ کونی نا  
 اور تھ ہوتا ہے، اور بہت ہوشیار ہوتا ہے۔ اسے کیا  
 باہیہ، یہ وہ خوب سمجھتا ہے، اور جو چاہے وہ کہے ملتا، یہ  
 بھی خوب جانتا ہے۔ دنیا کے لوگوں سے ہوا کرتے کے لئے  
 اس کے پاس دو زبردست آواز ہوں—ایک کا نام ہے  
 مسکن، دوسرے کا نام ہے، مسکن کے وقت وہ اچے چہرے  
 کے ہنسنے سے کام لیتا ہے۔ بالک دوسروں کے چہرے کی  
 مسکن ہونے لیتا بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ 'مسکن' نامی  
 سماجی مکر کی قدر اس کو سب سے پہلے اور بہت جلدی  
 آ جاتی ہے۔ اس کے میں لہن دین کرنا وہ انکی جلدی  
 سمجھ جاتا ہے، جسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبانی  
 پڑتی ہے، تو اسکو سوزہ پہناتہ اور جوتا پہنا کر چہرے میں  
 آپ تسمہ کس کر فارغ ہونگے وہ چٹ آپ کی مصلحت  
 کے دام چکا دیتا، یعنی مسکرا دیتا۔ اڈھار دھلا وہ جانتا  
 ہی نہیں۔ وہ لب تہائی ہونگتا ہے، ایشور کی طرح ہر  
 وقت دھلائے کام میں لگا رہتا ہے۔ ابھی بلیک دھا ہے  
 لہجے بھارتی لگتا! وہ بے مطلب کہوں نہیں ہوں! اس  
 کا وقت اس کے دفتر ہی گھلتی ہے۔ اس کا مطلب ہے  
 اسلی یا باہا میں سے کوئی یا دونوں جلدی دور کر او، اور  
 خالی حالہ نہیں، ساتھ میں کھانا لو، سونے کھڑے لو  
 اور یہ اشارہ تو ہے ہی کہ ہوشیہ ان کی آواز پر چست  
 چالاک رہو۔

ڈاکٹر لیوینا نام گارڈر جو نیویارک میں بال  
 ویجنان کا شاہی ہے اس کا کہنا ہے کہ بالک کا چمکتا رہنا ایک  
 بڑا باری چمکتا ہے۔

بچہ دھ کا سخت ہوتا ہے، اتنا ہی نہیں، وہ کونی نا  
 اور تھ ہوتا ہے، اور بہت ہوشیار ہوتا ہے۔ اسے کیا  
 باہیہ، یہ وہ خوب سمجھتا ہے، اور جو چاہے وہ کہے ملتا، یہ  
 بھی خوب جانتا ہے۔ دنیا کے لوگوں سے ہوا کرتے کے لئے  
 اس کے پاس دو زبردست آواز ہوں—ایک کا نام ہے  
 مسکن، دوسرے کا نام ہے، مسکن کے وقت وہ اچے چہرے  
 کے ہنسنے سے کام لیتا ہے۔ بالک دوسروں کے چہرے کی  
 مسکن ہونے لیتا بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔ 'مسکن' نامی  
 سماجی مکر کی قدر اس کو سب سے پہلے اور بہت جلدی  
 آ جاتی ہے۔ اس کے میں لہن دین کرنا وہ انکی جلدی  
 سمجھ جاتا ہے، جسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبانی  
 پڑتی ہے، تو اسکو سوزہ پہناتہ اور جوتا پہنا کر چہرے میں  
 آپ تسمہ کس کر فارغ ہونگے وہ چٹ آپ کی مصلحت  
 کے دام چکا دیتا، یعنی مسکرا دیتا۔ اڈھار دھلا وہ جانتا  
 ہی نہیں۔ وہ لب تہائی ہونگتا ہے، ایشور کی طرح ہر  
 وقت دھلائے کام میں لگا رہتا ہے۔ ابھی بلیک دھا ہے  
 لہجے بھارتی لگتا! وہ بے مطلب کہوں نہیں ہوں! اس  
 کا وقت اس کے دفتر ہی گھلتی ہے۔ اس کا مطلب ہے  
 اسلی یا باہا میں سے کوئی یا دونوں جلدی دور کر او، اور  
 خالی حالہ نہیں، ساتھ میں کھانا لو، سونے کھڑے لو  
 اور یہ اشارہ تو ہے ہی کہ ہوشیہ ان کی آواز پر چست  
 چالاک رہو۔

بچا کس تہی سے مسکن اور سوکھنے کی تاکرتوں کا  
 پتا لگا لیتا ہے، یہی اس بات کا سبوت ہے کہ وہ  
 سیکھنے کی کیتنی یوگیتا لیکر پیدا ہوا ہے۔ سال भर  
 میں ایک मामूली बचा कम से कम एक दर्जन नई नई कलाएं  
 इतनी तेजी से सीख लेता है जिसनी तेजी किसी आदमी  
 को नसीब नहीं! घुटनों चलना सीख जाता है, खड़ा होना  
 सीख लेता है, बैठना आ जाता है और दो चार क्रम  
 चलना भी आ जाता है. दो बरस का होते होते बोलना  
 सीख लेता है. बाप की पहचान जाता है, मां का पहचान  
 जाता है, आई बहिन, बड़ोसी पड़ोसी और वसियों रिशतों  
 से जान पहचान कर लेता है. इसके बाद तो जो कुछ वह  
 सीखता है वह उसी सीख की मंजाई होती है जो उसने  
 दो बरस में सीखी होती है. बुनियादी ज्ञान पहले ही से  
 उसमें मौजूद रहता है.

एक बचा साल भर में जितना सीख लेता है उतना  
 अगर कोई बड़ा सीख सकता होता तो वह दुनिया में सबसे  
 बड़े बुद्धिमान के नाम से मशहूर हो गया होता. वह हमारी

بچہ کس تہی سے مسکن اور سوکھنے کی طاقتوں کا  
 پتہ لگا لیتا ہے، یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سیکھنے  
 کی تہی یوگیتا لے کر پیدا ہوا ہے۔ سال भर میں ایک  
 मामूली बचा कम से कम एक दर्जन नई नई कलाएं  
 इतनी तेजी से सीख लेता है जिसनी तेजी किसी आदमी  
 को नसीब नहीं! घुटनों चलना सीख जाता है, खड़ा होना  
 सीख लेता है, बैठना आ जाता है और दो चार क्रम  
 चलना भी आ जाता है. दो बरस का होते होते बोलना  
 सीख लेता है. बाप की पहचान जाता है, मां का पहचान  
 जाता है, आई बहिन, बड़ोसी पड़ोसी और वसियों रिशतों  
 से जान पहचान कर लेता है. इसके बाद तो जो कुछ वह  
 सीखता है वह उसी सीख की मंजाई होती है जो उसने  
 दो बरस में सीखी होती है. बुनियादी ज्ञान पहले ही से  
 उसमें मौजूद रहता है.

ایک بچہ سال भर میں جتنا سمجھ لیتا ہے اتنا  
 اگر کوئی بڑا سمجھ سکتا ہوتا تو وہ دنیا میں سب سے بڑے  
 بڑی مانی کے نام سے مشہور ہو جاتا۔ یہ ہماری



کو کبھی کام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کافی مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اس سے بچا رہ سکتا ہے۔ اور بچا رہتا پایا گیا ہے۔ ہر ہر کھانسی رہا ہے، کھینک رہا ہے، کھنکھاتا رہا ہے اگر کچھ ہو ہی گیا تو بڑوں سے بہت کم۔

شہر مایہ آج بھی ہوتے ہیں اور پورے ہی ہوتے ہیں۔ آج بھی شہر مایہ باہری آسمان سے آدھمی کو بچا رہتا ہے، پورے شہر مایہ سستی پیدا کرتے ہیں۔ ہمارا آج بھی ہے۔ ایک ڈاکٹر جو ہارورڈ یونیورسٹی میں بالیہ کیلئے جاتے ہیں، وہ تو یہ بات دیکھ کر ایک دم آج بھی ہے۔ پر بولے ہیں کہ یہ کوئی ٹھیک ٹھیک نہیں ہوتا ہے کہ پورے اس معاملے میں بچے کو ہی ایسا ہو سکتا ہے۔

بچے کی سب سے بڑی یوگیتا یہ ہے کہ گہرائی کے آگے بڑھنے کے دوسرے دن ہی وہ اپنے آپ کو ان حالتوں کے مابین بنا لیتا ہے، جن میں وہ پہلے کبھی نہیں رہا تھا۔ گہرائی میں تو وہ مہینوں ایسی چیزوں میں لپکتا رہتا ہے جن کی مدد سے اسے کسی طرح کا دھکا نہیں لگ سکتا۔ وہاں دنیا کا شور سنا نہیں دیتا، نہ سردی گرمی پہنچ پاتی ہے۔ وہ تولی بھلی دس، جس میں وہ ڈوبا رہتا ہے، اور ماں کے ہمت کی دیوار، جس سے وہ کھو رہتا ہے، وہاں باہری دنیا کی ہوا تک نہیں پہنچ پاتی۔ ماں کے ہمت میں بچہ جس جگہ رہتا ہے وہ ایسی گدگد اور لچکدار ہوتی ہے کہ ماں اگر گر پڑے تو بچہ کو دھکا نہیں لگتا۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ماں کے ہمت میں کسی نے اس مار دی ہے، پر بچہ کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔

اور پھر بے وقت بچے صاحب میں کہ پودا ہو پھٹا! کس سردی گرمی سے مضبوط کوٹھری میں آپ بولتے تھے، اور جب اندھیری آجالی، تھکنی گرم دنیا میں آگے آگے کہیں ہوا کے چھونکے میں کہیں شور مچا رہا ہے اور کہیں کچھ! کتنی مڑے دار ہی ماں کے ہمت کی کوٹھری جہاں بے ماتکے کھانا ملتا تھا۔ یہ کھسی دنیا، جہاں کھالے کی کھوج آپ آپ کرنی پڑے! کتنی اچھی تھی ماں کے ہمت کی کوٹھری، جہاں بچہ پانی میں اترا ہوا رہتا تھا! کتنی خراب ہے یہ باہر کی دنیا جہاں بستر پر لوٹنا ہوتا ہے! بستر وہ کتنا ہی ملائم کہیں نہ ہو ماں کے ہمت کے تول سے تو محنت ہی ہے۔ ماں کے ہمت کی کوٹھری میں باہری چرمس نام کو نہ تھے، اب تو دھور کے دھور اس پر حملہ بول دیتے ہیں۔ ماں کے ہمت میں تو آج بھی ہوا کی ضرورت ہی نہ تھی، اب تو پتے جیسے ہوا کو ہوا کی خاطر کھنکھانے کی طرح پھٹنا پڑتا ہے۔

بچہ کی سب سے بڑی یوگیتا یہ ہے کہ گہرائی کے آگے بڑھنے کے دوسرے دن ہی وہ اپنے آپ کو ان حالتوں کے مابین بنا لیتا ہے، جن میں وہ پہلے کبھی نہیں رہا تھا۔ گہرائی میں تو وہ مہینوں ایسی چیزوں میں لپکتا رہتا ہے جن کی مدد سے اسے کسی طرح کا دھکا نہیں لگ سکتا۔ وہاں دنیا کا شور سنا نہیں دیتا، نہ سردی گرمی پہنچ پاتی ہے۔ وہ تولی بھلی دس، جس میں وہ ڈوبا رہتا ہے، اور ماں کے ہمت کی دیوار، جس سے وہ کھو رہتا ہے، وہاں باہری دنیا کی ہوا تک نہیں پہنچ پاتی۔ ماں کے ہمت میں بچہ جس جگہ رہتا ہے وہ ایسی گدگد اور لچکدار ہوتی ہے کہ ماں اگر گر پڑے تو بچہ کو دھکا نہیں لگتا۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ماں کے ہمت میں کسی نے اس مار دی ہے، پر بچہ کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔

اور پھر بے وقت بچے صاحب میں کہ پودا ہو پھٹا! کس سردی گرمی سے مضبوط کوٹھری میں آپ بولتے تھے، اور جب اندھیری آجالی، تھکنی گرم دنیا میں آگے آگے کہیں ہوا کے چھونکے میں کہیں شور مچا رہا ہے اور کہیں کچھ! کتنی مڑے دار ہی ماں کے ہمت کی کوٹھری جہاں بے ماتکے کھانا ملتا تھا۔ یہ کھسی دنیا، جہاں کھالے کی کھوج آپ آپ کرنی پڑے! کتنی اچھی تھی ماں کے ہمت کی کوٹھری، جہاں بچہ پانی میں اترا ہوا رہتا تھا! کتنی خراب ہے یہ باہر کی دنیا جہاں بستر پر لوٹنا ہوتا ہے! بستر وہ کتنا ہی ملائم کہیں نہ ہو ماں کے ہمت کے تول سے تو محنت ہی ہے۔ ماں کے ہمت کی کوٹھری میں باہری چرمس نام کو نہ تھے، اب تو دھور کے دھور اس پر حملہ بول دیتے ہیں۔ ماں کے ہمت میں تو آج بھی ہوا کی ضرورت ہی نہ تھی، اب تو پتے جیسے ہوا کو ہوا کی خاطر کھنکھانے کی طرح پھٹنا پڑتا ہے۔

اور پھر بے وقت بچے صاحب میں کہ پودا ہو پھٹا! کس سردی گرمی سے مضبوط کوٹھری میں آپ بولتے تھے، اور جب اندھیری آجالی، تھکنی گرم دنیا میں آگے آگے کہیں ہوا کے چھونکے میں کہیں شور مچا رہا ہے اور کہیں کچھ! کتنی مڑے دار ہی ماں کے ہمت کی کوٹھری جہاں بے ماتکے کھانا ملتا تھا۔ یہ کھسی دنیا، جہاں کھالے کی کھوج آپ آپ کرنی پڑے! کتنی اچھی تھی ماں کے ہمت کی کوٹھری، جہاں بچہ پانی میں اترا ہوا رہتا تھا! کتنی خراب ہے یہ باہر کی دنیا جہاں بستر پر لوٹنا ہوتا ہے! بستر وہ کتنا ہی ملائم کہیں نہ ہو ماں کے ہمت کے تول سے تو محنت ہی ہے۔ ماں کے ہمت کی کوٹھری میں باہری چرمس نام کو نہ تھے، اب تو دھور کے دھور اس پر حملہ بول دیتے ہیں۔ ماں کے ہمت میں تو آج بھی ہوا کی ضرورت ہی نہ تھی، اب تو پتے جیسے ہوا کو ہوا کی خاطر کھنکھانے کی طرح پھٹنا پڑتا ہے۔

اور پھر بے وقت بچے صاحب میں کہ پودا ہو پھٹا! کس سردی گرمی سے مضبوط کوٹھری میں آپ بولتے تھے، اور جب اندھیری آجالی، تھکنی گرم دنیا میں آگے آگے کہیں ہوا کے چھونکے میں کہیں شور مچا رہا ہے اور کہیں کچھ! کتنی مڑے دار ہی ماں کے ہمت کی کوٹھری جہاں بے ماتکے کھانا ملتا تھا۔ یہ کھسی دنیا، جہاں کھالے کی کھوج آپ آپ کرنی پڑے! کتنی اچھی تھی ماں کے ہمت کی کوٹھری، جہاں بچہ پانی میں اترا ہوا رہتا تھا! کتنی خراب ہے یہ باہر کی دنیا جہاں بستر پر لوٹنا ہوتا ہے! بستر وہ کتنا ہی ملائم کہیں نہ ہو ماں کے ہمت کے تول سے تو محنت ہی ہے۔ ماں کے ہمت کی کوٹھری میں باہری چرمس نام کو نہ تھے، اب تو دھور کے دھور اس پر حملہ بول دیتے ہیں۔ ماں کے ہمت میں تو آج بھی ہوا کی ضرورت ہی نہ تھی، اب تو پتے جیسے ہوا کو ہوا کی خاطر کھنکھانے کی طرح پھٹنا پڑتا ہے۔



ہاں۔ بارہ مہینے کا بچہ پانی سے نہیں ڈرتا۔ وہ،  
سبناہ سے جو تیرتا آتا ہے، اسکی بھی نہیں ڈرتا۔

بالک بہت سکتا جان ہوتا ہے، تو اسکی ایک ٹانگ  
کا ایک ہاتھ پکڑ کر اسکی آسانی سے اٹھا سکتے ہو،  
یہاں کرنے سے اسکو کوئی بوجھ نہیں آتی۔ اسے اپنا  
بوجھ سنبھالنے میں کراہا دیکھتا نہیں ہوتا۔ وہ ایک  
سے بڑے کو پکڑ کر لٹکتا ہے۔ یورپ کی لڑکیوں کے  
بچے کے بچے جیسے ہی پتہ ہو کہ وہ نہیں ملتا تھا،  
وہ بھی اپنے ہی سکتے جانے۔ بچہ میں ہی یہ  
طاقت ہے کہ وہ بچہ کو اپنے ہمراہ لے جاسکے۔

بچہ ہوتے وقت بچہ جو سب سے بڑی طاقت ساتھ  
جاتا ہے، وہ ہے، چوسنے کی طاقت۔ چوسنے کا کام بچہ  
میں بھی جانتا ہے۔ چوسنے کے لیے اسکی منہ کی بناوٹ  
دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلے اسکی ٹوپی کو لہجیجیے، وہ  
کچھ اس طرح کی بنی ہوئی ہے کہ اسکی مدد سے اس کی  
ٹک پھونکنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسکی تھوڑی سی  
مٹام ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے پر بچہ مڑ جاتا ہے۔

اب لہجیجیے اس کے گال، دونوں گالوں میں اندر کی  
طرف دو ہتھی سے لگے رہتے ہیں، جن کی شکل بادام  
جیسی ہوتی ہے۔ یہ بڑے چھوٹے ہوتے ہیں، ان سے چوسنے  
میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بچہ کے ہونٹوں میں قدرتی  
کھینچاؤ بھی ہوتا ہے۔ بچہ کے اوپری ہونٹ کو ذرا  
چھوئے، وہ چھتے آگے کو بڑھ جائے گا اور چوسنے کی شکل  
اچھا کرے گا۔

یہ سب ہونے بچہ کی بامری ہلاوت اور سجاوٹ،  
اس کے اندر بھی خون، دل، ہارمونس اور دھاتوں  
کے تعداد میں رہتی ہیں۔ ان سب میں ماں کے  
دیکھنے والے انگلیت زہر سورے اور چور لہجیجیے اور بچہ  
کی طاقت کا خیال رکھو۔ زہر سورے سے ہمارا مطلب  
ان چوسنے سے ہے جو بچہ ماں سے حاصل کرتا ہے۔  
چوسنے کی یہ فوج اس کے بڑے کام آتی ہے۔ اس کا سہارا  
ہی ہے کہ بچہ بامری چوسنے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی  
فوج کے بل پر وہ چاہے جس چور کو ملے وہ ڈال لیتا  
ہے اور بچہ ہی سے بچا رہتا ہے۔ بچہ کے شروع شروع کے  
چوسنے میں ان زہر سوروں سے اپنا ہی فائدہ ہوتا ہے کہ  
بامری کے چوسنے بچہ پر اثر نہیں کرتے۔ وہ اس کی  
مدد سے چوسنے کا ناٹھ نہیں کر سکتا، بامری سے آگے  
ہوئے چوسنے اس میں جمع ہونے رہتے ہیں، بچہ کے  
بڑے ہو جانے پر بامری ٹھیک اور ہواؤں کی وجہ  
سے جب اسکی فوج کمزور ہو جاتی ہے تو یہ دیکھی فوج  
جو اس کے ملک میں قہر قائم ہو رہی ہے، سوجھ پا کر  
دھاوا بول دیتی ہے۔ پر اب وہ بالک کہاں  
رہا ہوتا ہے۔ دو ہتھی یا اس سے بھی کم کے بچہ



میل کر کام کرتا ہے اور ماں کی بڑی مدد کرتا ہے۔ اگر ماں کو کچھ کی ضرورت ہو تو وہ ماں کی خوراک میں سے چونا لہار کرتے لگتا ہے۔ پرکرتی نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ بہت سے ہر چھوٹے بچے کو ملتی ہے، پہلے ہی ماں کو اس چھوٹی کسی پر جائے۔ جہاں یہ ہے وہاں یہ بات ہوئی ہے کہ جب ماں کی خاص خاص گرتیوں میں کسی خاص چھوٹی کسی ہوتی ہے تو بہت کا بچہ اس خاص چھوٹی پہلی ماں کو دے دیتا ہے۔ ماں لپکتے گریہ وئی ہونے سے پہلے ایک ماں کی گلے کی گرتیوں میں گرتیوں کے مسائل کی کسی ہے اور یا کسی خاص گرتیوں میں کسی چھوٹی کسی ہے تو گریہ وئی ہونے کے بعد اس کے بہت کا بچہ ان کمپوں کو پورا کر دے گا۔ کچھ دنوں میں ماں کا رنگ لکھ جائے گا، ماں نلدرست ہو جائے گی۔ بہت کے بچے میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ دو دو کے لئے گرتیوں کا مسالہ لہار کر سکتا ہے۔ گریہ اوستھا میں ماں اور بچہ دونوں مل کر زور لگاتے ہیں۔

پیدا ہونے پر بچے نام کا یہ انوکھا پرانی پورے آبادی سے کھائی بچھا کام کرنے والا دل لے کر جنم لیتا ہے۔ تونہارا خون دس بیس لاکھ نمبر کا ہوتا ہے، بچے کا خون ساٹھ لاکھ نمبر کا ہوتا ہے۔ سوت یا اور پانی کی طرح خون کے بھی نمبر ہوتے ہیں۔ خون کے نمبر ان لاکھوں ٹیکلیوں سے لیتے جاتے ہیں جو خون میں پائی جاتی ہیں۔ نیا پیدا ہوا بچہ آدمی سے جلدی جلدی ساںس لیتا ہے، اس کے خون کو گدیش توں سب سے کھائی بچھی ہوتی ہے۔ بس یہ سمجھتے بچھا ایک دھوک دھوک کرنے والی، بن بن بدنے والی، لالہ گرم تانکرت پیدا کرنے والی ایک مڈھی ہوتا ہے۔ اس میں ہم سے جیسا کہ لودھا ملے گا، ہم سے جیسا کہ چونا، ہم سے زیادہ فاسفورس، ہم سے زیادہ وٹامن ملینگے۔ اور اس کی بھوک تو اتنی بھوک کی ہوتی ہے کہ اسے دیکھ کر بھوک کی بھوک پانی بہنے لگے گی، اس کو ہم سے نکلی پروٹین چاہئے۔ ایک برس میں وہ وزن میں لگتا ہو جاتا ہے۔

نیا پیدا ہوا بچہ کو آپ پانی میں ڈال دیجیے، وہ میرا بھ کی طرح تیر کر آگے بدنے لگے گا یا نہی وہ اپنا سیر پانی کے اندر ڈبو دے گا۔ اپنی کمر اونچ کر لے گا، پاؤں پانی میں ہی رکھ کر، پہلی بہت کے ہل کمان بن جائے گا۔ بری بات یہی ہے کہ وہ مچھلی کی طرح پانی کے نیچے تیرتا ہے۔ توں اس کا منہ اور اس کی ناک پانی کے تال سے اوپر رکھ کر ہی اس کا تیرنا دیکھ سکتے ہو۔ ڈاکٹر-میڈیٹل مینکما جیسے بچوں کو تیرا کر دیکھنے کا بھوت شوق تھا اور جو بچوں پر کیا کرتا تھا اس کا کہنا ہے کہ بچوں کو تیرنا سیکھانے کے دن بھی ہوتے ہیں جب بچہ بارہ مہینے کا

لگے پیدا ہونے بچے کو آپ پانی میں ڈال دیجئے، وہ کراؤ کی طرح تیر کر آئے بھولے لگے گا پہلی وہ اپنا سر پانی کے اندر ڈبو دے گا۔ اپنی کمر اونچ کر لے گا، پاؤں پانی میں ہی رکھ کر، پہلی بہت کے ہل کمان بن جائے گا۔ بری بات یہی ہے کہ وہ مچھلی کی طرح پانی کے نیچے تیرتا ہے۔ توں اس کا منہ اور اس کی ناک پانی کے تال سے اوپر رکھ کر ہی اس کا تیرنا دیکھ سکتے ہو۔ ڈاکٹر-میڈیٹل مینکما جیسے بچوں کو تیرا کر دیکھنے کا بھوت شوق تھا اور جو بچوں پر کیا کرتا تھا اس کا کہنا ہے کہ بچوں کو تیرنا سیکھانے کے دن بھی ہوتے ہیں جب بچہ بارہ مہینے کا



## बालक एक चमत्कारी प्राणी

## بالک ایک چمکاري پرائی

परी की तरह एक दोस्त, एक दिन मेरे घर आ टपके, बोले, "मैं खाट पर नहीं बैठूंगा, कर्श पर लेट कर अपने छै महीने के बच्चे की नक़ल करूंगा. बच्चा पास ही लेटा था, जैसे ही बच्चे ने अपना बदन तोड़ना मोड़ना शुरू किया वैसे ही उन्होंने उसकी नक़ल करना शुरू कर दी, लगे अपना बदन तोड़ने मोड़ने, जब बच्चे ने हवा में हाथ मारने शुरू किये तो उन्होंने भी हाथ हिलाने शुरू कर दिये, उसने टांगें फेंकनी शुरू की, इन्होंने भी शुरू कीं. उसने अपनी कमर की कमान बनाई, इन्होंने भी, वह सिर पड़ी के बल खड़ा हो गया यह भी खड़े हो गए, वह उठा यह उठे, वह गिरा यह गिरे. तीस मिनट में मेरे यह हट्टे कट्टे दोस्त थक कर चारों खाने चित्त गिर पड़े. और बालक था, कि खुश खुश अपने खेल दिखाए जा रहा था! वह मिनट के बाद मिनट पर ताज़ा से ताज़ा तर दिखाई देता था, थकान खड़ी खड़ी उसका तमाशा देख रही थी, ताज़गी उससे लिपटी हुई थी, और छन छन में उसके अन्दर दाखिल हो कर उससे एकमेक होने की कोशिश में थी.

जिस मार्के को बात को हम बिल्कुल भूले हुए हैं, ऊपर की वक्तियां उसकी भूमिका हैं. तन, मन, मस्तक तीनों के लिहाज़ से बालक तुम सबसे कहीं ऊंचे दर्जे का आदमी है, सबूत लीजिए.

पैदा होने से पहले, मां के पेट में ही, वह राजब का प्राणी है. जिन डाक्टरों ने बारीक औजारों की मदद से पेट में रहने वाले बच्चे की जांच की है, उनका कहना है, "मां के पेट के अन्दर बच्चा खांसता है, छींकता है, अंगड़ाई लेता है, आहें भरता है, कराहता है, अंगूठा चूसता है, और, अगर मां का गुदगुदाया जाय, तो बच्चा उस गुदगुदी को महसूस करता है और पेट में हिलता बुलता है." डाक्टरों का यह भी कहना है, "कभी कभी पेट के अन्दर से बच्चे के रोने की आवाज़ भी सुनी गई है." एक गर्भवती ने तो यहां तक बताया कि थियेटर में ताली पीटते समय उसके बच्चे ने पेट में ताली बजाई. एक मां ने यह शिकायत की कि वह कपड़ा धोने की मशीन को न अपने घर में रख सकती है, न कपड़ा धो सकती है, क्योंकि उसका पेट का बच्चा उसकी 'घरें घरें' की आवाज़ से बुरी तरह बिगड़ता है, और पेट में सुदर सुदर करने लगता है.

इससे बढ़ कर बात यह है, जिसको बड़े बड़े हकीमों ने साबा है, कि अनजाने ही पेट का बच्चा मां के साथ

अपनी ही तरह एक दोस्त, एक दिन मेरे घर आ टपके, बोले, "मैं खाट पर नहीं बैठूंगा, कर्श पर लेट कर अपने छै महीने के बच्चे की नक़ल करूंगा. बच्चा पास ही लेटा था, जैसे ही बच्चे ने अपना बदन तोड़ना मोड़ना शुरू किया वैसे ही उन्होंने उसकी नक़ल करना शुरू कर दी, लगे अपना बदन तोड़ने मोड़ने, जब बच्चे ने हवा में हाथ मारने शुरू किये तो उन्होंने भी हाथ हिलाने शुरू कर दिये, उसने टांगें फेंकनी शुरू की, इन्होंने भी शुरू कीं. उसने अपनी कमर की कमान बनाई, इन्होंने भी, वह सिर पड़ी के बल खड़ा हो गया यह भी खड़े हो गए, वह उठा यह उठे, वह गिरा यह गिरे. तीस मिनट में मेरे यह हट्टे कट्टे दोस्त थक कर चारों खाने चित्त गिर पड़े. और बालक था, कि खुश खुश अपने खेल दिखाए जा रहा था! वह मिनट के बाद मिनट पर ताज़ा से ताज़ा तर दिखाई देता था, थकान खड़ी खड़ी उसका तमाशा देख रही थी, ताज़गी उससे लिपटी हुई थी, और छन छन में उसके अन्दर दाखिल हो कर उससे एकमेक होने की कोशिश में थी.

पैदा होने से पहले, मां के पेट में ही, वह राजब का प्राणी है. जिन डाक्टरों ने बारीक औजारों की मदद से पेट में रहने वाले बच्चे की जांच की है, उनका कहना है, "मां के पेट के अन्दर बच्चा खांसता है, छींकता है, अंगड़ाई लेता है, आहें भरता है, कराहता है, अंगूठा चूसता है, और, अगर मां का गुदगुदाया जाय, तो बच्चा उस गुदगुदी को महसूस करता है और पेट में हिलता बुलता है." डाक्टरों का यह भी कहना है, "कभी कभी पेट के अन्दर से बच्चे के रोने की आवाज़ भी सुनी गई है." एक गर्भवती ने तो यहां तक बताया कि थियेटर में ताली पीटते समय उसके बच्चे ने पेट में ताली बजाई. एक मां ने यह शिकायत की कि वह कपड़ा धोने की मशीन को न अपने घर में रख सकती है, न कपड़ा धो सकती है, क्योंकि उसका पेट का बच्चा उसकी 'घरें घरें' की आवाज़ से बुरी तरह बिगड़ता है, और पेट में सुदर सुदर करने लगता है.

इससे बढ़ कर बात यह है, जिसको बड़े बड़े हकीमों ने साबा है, कि अनजाने ही पेट का बच्चा मां के साथ







“نیرس بارڈر” کو اپنی راہ سے ہٹا دیا یا، پھر وہ جادو کی لکڑی ہے جس نے، مرے کو جیلا دیا یا، پھر وہ رکابی ہے جو پھر ڈالتے ہی رنگ بدلتی ہے— وہ سارے جادو اب بے اثر ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی آج آٹا پر اثر نہ دے رہا جتنا نئے چھین کے نرمان کا جادو جو آج ناسکین کو بھی مسکن کر رہا ہے۔

چیروں سستی ہیں۔ ہاؤس کی بوناوٹ سے سزا یرمیس تین ہپ کا ہے، کراؤنڈنپن کے کا، سندر چڑیاں 60 کی، پابنل پانچ آنے سے! پور اب چیروں کی باریکی اور کوالیٹی کا خیال زیادہ ہے۔ سندر اور ٹکاؤ چھڑوں کی قیمت لوگ زیادہ دیتے کو تیار ہیں۔ خریدنے کی طاقت بڑھ گئی ہے، خریداروں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ کٹکر بے چین والے ایک دکاندار سے پوچھا کہ اس سال کا رोजگار پچھلے سال کے مقابلے میں کتنا ہے؟ جواب ملا، روز 500 روپے کی بڑتی، آج کی 26 تارکے کو۔

کٹکر رोजگار میں بڑا سا آگاہ ہے۔ آئیٹیم کی پیدوار کی بڑتی نے مچھڑوں کی مچھڑی بڑا دی ہے، ہسٹیمالی چیروں کی کیمت بڑا دی ہے۔ کیمتیں بدستور کرایس رکھنے کے لیے چیروں کو ہڈیوں کی آغا میں ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گاؤں کی کسٹل نے کسانوں کو آمادہ بنی بڑا دی ہے، اور ساہ ہی گاؤں کے لیے مول بڑا دیا ہے۔ سائنکائن اور وکرائن (بھٹاچار، بھڑا دی اور بھڑا دی سستی کے خیلاک آندولن) کیمتوں کے آندولن کے انولول، سٹیکٹ اور سرکاری کارخانوں کے بہتر طریقوں نے کیمتیں اور کم کر دی ہیں۔ سوداگر بھی بڑھادی کی آمدنی سے بڑھادی رہے۔ سرکاری روزگار بھی روزگاروں کو راہ دے رہا ہے اور ٹیبلو ایڈوک دھندوں کو راہ دے رہا ہے۔ ساتھ ہی سوداگروں کو تہہ سود پر قرض دیتے ہیں جس سے کہ وہ مال ٹوک میں نقد دام پر سودیہ کارخانوں سے خرید سکیں۔ مال کی تہہ سے ٹیبلو اور خریدار نے اوپر قیمت کا ہلکا بہار، اسی کا نتیجہ ہے۔

چترا، لکھا ہے دھن مجھ پر سوار ہو گئی کہونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں قیمتوں کی یہ نہیں تالیکا پوچھنے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مجھ بھی وقت کی کچھ بچھٹ ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھن کر بھٹک ہے۔ مہتمم کی بھٹک، کشمیر کی سمجھا پر وچار کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مائل آ پھونچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک ملا جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے— آٹھوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

پہلے میں سستی ہیں۔ ہاؤس کی ہڈات سے سجا کھوس تین روپے کا ہے، فائٹنگون چھ کا، سندر ٹیبلو 60 کی، چاول پانچ آنے سے! اور اب چھڑ کی باریکی اور کوالیٹی کا خیال زیادہ ہے۔ سندر اور ٹکاؤ چھڑوں کی قیمت لوگ زیادہ دیتے کو تیار ہیں۔ خریدنے کی طاقت بڑھ گئی ہے، خریداروں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ کٹکر بے چین والے ایک دکاندار سے پوچھا کہ اس سال کا رोजگار پچھلے سال کے مقابلے میں کتنا ہے؟ جواب ملا، روز 500 روپے کی بڑتی، آج کی 26 تارکے کو۔

کٹکر روزگار میں بڑا سا آگاہ ہے۔ آئیٹیم کی پیدوار کی بڑتی نے مچھڑوں کی مچھڑی بڑا دی ہے، ہسٹیمالی چیروں کی کیمت بڑا دی ہے۔ کیمتیں بدستور کرایس رکھنے کے لیے چیروں کو ہڈیوں کی آغا میں ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گاؤں کی کسٹل نے کسانوں کو آمادہ بنی بڑا دی ہے، اور ساہ ہی گاؤں کے لیے مول بڑا دیا ہے۔ سائنکائن اور وکرائن (بھٹاچار، بھڑا دی اور بھڑا دی سستی کے خیلاک آندولن) کیمتوں کے آندولن کے انولول، سٹیکٹ اور سرکاری کارخانوں کے بہتر طریقوں نے کیمتیں اور کم کر دی ہیں۔ سوداگر بھی بڑھادی کی آمدنی سے بڑھادی رہے۔ سرکاری روزگار بھی روزگاروں کو راہ دے رہا ہے اور ٹیبلو ایڈوک دھندوں کو راہ دے رہا ہے۔ ساتھ ہی سوداگروں کو تہہ سود پر قرض دیتے ہیں جس سے کہ وہ مال ٹوک میں نقد دام پر سودیہ کارخانوں سے خرید سکیں۔ مال کی تہہ سے ٹیبلو اور خریدار نے اوپر قیمت کا ہلکا بہار، اسی کا نتیجہ ہے۔

چترا، لکھا ہے دھن مجھ پر سوار ہو گئی کہونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں قیمتوں کی یہ نہیں تالیکا پوچھنے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مجھ بھی وقت کی کچھ بچھٹ ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھن کر بھٹک ہے۔ مہتمم کی بھٹک، کشمیر کی سمجھا پر وچار کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مائل آ پھونچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک ملا جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے— آٹھوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف

چترا، لکھا ہے دھن مجھ پر سوار ہو گئی کہونکے میں آرتھ شاستر کی خاصی چرچہ کرتے لگا ہوں۔ اب میں لکھا ہلکا کرونگا جس سے تمہیں قیمتوں کی یہ نہیں تالیکا پوچھنے سے راحت ملے اور ساتھ ہی مجھ بھی وقت کی کچھ بچھٹ ہو۔ اسی وقت ہمارے قبیلے کھن کر بھٹک ہے۔ مہتمم کی بھٹک، کشمیر کی سمجھا پر وچار کرنے کے لئے۔ پاکستان کا یوں ندھی مائل آ پھونچا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے ایک ملا جلا اعلان کریں جو شانتی سمیلن ہوگی کر کے۔ ہم نے یں کر لیا ہے— آٹھوں نے پاکستان کی طرف سے، ہم نے ہندوستان کی طرف



کو بھیڑ اور پھاڑا ہو جاتی ہے۔ ہفتے کے چار دن  
گاہکوں کی گینتی تقریباً 22,000 ہوتی ہے، ہفتے کے  
دین 44,000 سے بھی زیادہ۔ ہفتے میں 1,75,000 سے زیادہ  
گاہک۔ ان کے لیے دکان کے لیے گاہکوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ یہ دکانوں کی  
کمی نہیں اور نہ ان میں سے کچھ بکے والے مال کی۔  
میں نے بہت سے گاہکوں کو دیکھا ہے جو کسی خاص دکان کی طرف  
جھڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ دکان کی طرف سے  
چوتھے دیکھا۔ جو آگے چلے گئے وہ دکان کے لیے  
والوں کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے، جیسے کہ وہ  
ہوں، ہم ابھی چکے کر دیکھ کر ایک منٹ اور پس ہمارے  
خریداری ختم۔ لہذا میں گہرا بھائی چارہ ہے اگرچہ  
وہ شاید ہی کبھی ملے ہوں۔ ایسے ہی موقعوں پر شاید  
ایک دوسرے کو دیکھا ہو پر بات تو کبھی نہیں کی۔ ایک  
جوان لڑکی، جو شاید دیکھ رہی تھی، شاید مڑتے ہوئے  
ایک آدمی اور عورت کے بیچ میں تھیں۔ آدمی اس سے  
مٹے، دھڑکے کی کوشش کر رہا تھا پر مارے بہت سے آگے کو  
سنبھال نہ پا کر آگے دباؤ سے اس کو بچانے کی ہرگز  
کوشش کر رہا تھا۔ چہن بہت سے لڑکیوں کی آنکھوں  
میں ہر طرف۔ میں جو دیکھی اس کا سنہرے دیکھ  
رہا ہوں۔ وہ مسکرا پڑی ہے جیسے آنکھوں میں سے ہی  
کہتی ہے—کوئی بات نہیں، کوئی پروا نہیں، کوئی  
کھٹ نہیں ہو رہا ہے، بات بدستور ہے۔ یہ بھی اس کی  
لچاری سے کچھ دیکھ رہا تھا، اس کی طرف مسکراتے  
کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا مسکراتا وہ پورا دیکھ نہیں  
پاتی لہذا بہت سے دباؤ ڈھکے پر لگا ہے اور وہ چھت دکان  
کے بہت چلی گئی ہے۔ میں اسے اور نہیں دیکھ پاتا۔ ہر  
جگہ ہی مجھے اس کی تیزی پر اچھڑ ہوتا ہے اُنہی  
اس سے ملتے ہیں۔ وہ تم لوگوں سے نہیں جو چھپکلی  
دیکھ کر کانپ جائے، چھپکلی کی آواز سن کر سہم جائے،  
کوئی چھپکلی کوئی نہیں جو ڈرا چھپنے سے مرعہ جائے۔  
چھپکلی ناپی وہ ہے جو طوفان پر حکومت کرتی ہے۔ یہ مقصد  
میں اس دکان سے اس دکان میں جا رہا ہوں، تیزی  
سے گھس جاتا ہوں، تیزی سے ہی باہر نکل جاتا ہوں،  
کچھ لہتا نہیں، پر بہت سے درخت دیکھ ادھک جڑیں ہوں  
آنا جا رہا ہوں۔ چھپکلی ہر طرح طرح سے چھپتے، رنگ  
پرنگی سب سے چھپتی لڑکی کی کٹھن، لگی کٹی  
قرائیں کے مہلوں کے ہلکے، آتشک چھپتے، غور  
معمولی ہائیں کے گلاس، کمزوراب جو ماکوں کو لچکا ہے،  
سبک اور سائیں، تھار بے کوش، پاجامے اور چھپکلی، تانے،  
شہر اور دھات کی ہلی چھپتے—سہلگی اور سستی،  
سہلگی سے زیادہ سستی۔ ان کٹھن آتھیں چھپتے۔ یہاں  
یہ چھپتے پرنگی رکھا ہے جس میں، پرہم میں اچھل ہو  
جانے کے لیے، چھپتی دانی نے زہر پھا تھا، وہاں وہ تھوڑے  
چھپتے ہیں جس کے لیے شہرہ آباد ہے، چھپتے

کو بھیڑ اور پھاڑا ہو جاتی ہے۔ ہفتے کے چار دن  
گاہکوں کی گینتی تقریباً 22,000 ہوتی ہے، ہفتے کے  
دین 44,000 سے بھی زیادہ۔ ہفتے میں 1,75,000 سے زیادہ  
گاہک۔ ان کے لیے دکان کے لیے گاہکوں کی یہ تعداد کچھ کم نہیں۔ یہ دکانوں کی  
کمی نہیں اور نہ ان میں سے کچھ بکے والے مال کی۔  
میں نے بہت سے گاہکوں کو دیکھا ہے جو کسی خاص دکان کی طرف  
جھڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ دکان کی طرف سے  
چوتھے دیکھا۔ جو آگے چلے گئے وہ دکان کے لیے  
والوں کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے، جیسے کہ وہ  
ہوں، ہم ابھی چکے کر دیکھ کر ایک منٹ اور پس ہمارے  
خریداری ختم۔ لہذا میں گہرا بھائی چارہ ہے اگرچہ  
وہ شاید ہی کبھی ملے ہوں۔ ایسے ہی موقعوں پر شاید  
ایک دوسرے کو دیکھا ہو پر بات تو کبھی نہیں کی۔ ایک  
جوان لڑکی، جو شاید دیکھ رہی تھی، شاید مڑتے ہوئے  
ایک آدمی اور عورت کے بیچ میں تھیں۔ آدمی اس سے  
مٹے، دھڑکے کی کوشش کر رہا تھا پر مارے بہت سے آگے کو  
سنبھال نہ پا کر آگے دباؤ سے اس کو بچانے کی ہرگز  
کوشش کر رہا تھا۔ چہن بہت سے لڑکیوں کی آنکھوں  
میں ہر طرف۔ میں جو دیکھی اس کا سنہرے دیکھ  
رہا ہوں۔ وہ مسکرا پڑی ہے جیسے آنکھوں میں سے ہی  
کہتی ہے—کوئی بات نہیں، کوئی پروا نہیں، کوئی  
کھٹ نہیں ہو رہا ہے، بات بدستور ہے۔ یہ بھی اس کی  
لچاری سے کچھ دیکھ رہا تھا، اس کی طرف مسکراتے  
کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا مسکراتا وہ پورا دیکھ نہیں  
پاتی لہذا بہت سے دباؤ ڈھکے پر لگا ہے اور وہ چھت دکان  
کے بہت چلی گئی ہے۔ میں اسے اور نہیں دیکھ پاتا۔ ہر  
جگہ ہی مجھے اس کی تیزی پر اچھڑ ہوتا ہے اُنہی  
اس سے ملتے ہیں۔ وہ تم لوگوں سے نہیں جو چھپکلی  
دیکھ کر کانپ جائے، چھپکلی کی آواز سن کر سہم جائے،  
کوئی چھپکلی کوئی نہیں جو ڈرا چھپنے سے مرعہ جائے۔  
چھپکلی ناپی وہ ہے جو طوفان پر حکومت کرتی ہے۔ یہ مقصد  
میں اس دکان سے اس دکان میں جا رہا ہوں، تیزی  
سے گھس جاتا ہوں، تیزی سے ہی باہر نکل جاتا ہوں،  
کچھ لہتا نہیں، پر بہت سے درخت دیکھ ادھک جڑیں ہوں  
آنا جا رہا ہوں۔ چھپکلی ہر طرح طرح سے چھپتے، رنگ  
پرنگی سب سے چھپتی لڑکی کی کٹھن، لگی کٹی  
قرائیں کے مہلوں کے ہلکے، آتشک چھپتے، غور  
معمولی ہائیں کے گلاس، کمزوراب جو ماکوں کو لچکا ہے،  
سبک اور سائیں، تھار بے کوش، پاجامے اور چھپکلی، تانے،  
شہر اور دھات کی ہلی چھپتے—سہلگی اور سستی،  
سہلگی سے زیادہ سستی۔ ان کٹھن آتھیں چھپتے۔ یہاں  
یہ چھپتے پرنگی رکھا ہے جس میں، پرہم میں اچھل ہو  
جانے کے لیے، چھپتی دانی نے زہر پھا تھا، وہاں وہ تھوڑے  
چھپتے ہیں جس کے لیے شہرہ آباد ہے، چھپتے



آبساچاران मात्रا में उसमें परिवर्तन हुआ है। वैसे तो वह नगर हमेशा से सुन्दर रहा पर इधर सदियों की जमीन सी ठोस जमी गलीब ने उसे भद्दा और नापाक बना रखा था। मजदूरों ने ही हम नगर को सदियों पहले दूसरों के लिये बनाया था, आज वही उसे फिर से अपने लिये बना रहे हैं। वह ही जो मेहनत को इनाम समझते हैं, सुस्ती से घुना करते हैं। उन्होंने सैकड़ों मील लम्बी नालियाँ बनाई हैं, पानी के लाखों नल लगाए हैं, हजारों घरों में बिजली ले जा कर उन्हें चमका दिया है।

पीकिंग की शकल आज बदल गई है। उसके फैले महल जो कभी सिर्फ साम्राटों के आनन्द लेने की जगह थी आज आम जनता के लिये खोल दिये गए हैं। उसके पार्कों में जीवन इठला रहा है, छोटे बड़े बच्चे दौड़ते, खेलते और नाचते रहते हैं। देखने वालों की आंखें निहाल हो जाती हैं। पार्क आम तौर से हर माह बनते जा रहे हैं। मीलों भी हर साल। और इन्हें बना कौन रहा है? मजदूरों के अलावा लाल कौज जिस कौज ने चीन को बाहरी दुश्मनों और उनके एजेण्टों से आजाद किया है वही उसके नगरों और देहातों को भी आज गलीब और गर्द से मुक्त कर रही है। पिछले दो बरसों से वह सदियों की गन्दगी से फावड़ा लेकर लड़ती रही है, वैसे ही जैसे कुम्हार चाक पर अभिराम कल से बनाता रहा है, जैसे राज करनी से भव्य भवन खड़े करता रहा है। कौज ने बेकार बैठे रहने या मार काट के इन्तजार के लिये राश्ट्र से तनखा लेना नामंजूर कर दिया है। उसके बदले वह नगरों में जोश खराश से निर्माण करती है, गांवों में फसल बोती और काटती है।

खत बन्द करने के पहले तुम से बाजार का कुछ हाल कहूंगा। खरीदारी के बारे में तुम्हारी उदासीनता मैं जानता हूँ अगरचे वह लड़कियों की खास कमजोरी है। तुम में नहीं है। इससे गां तुम्हें दुकानों की बाबत जानकारी में कुछ खास विलचस्पा न हागो, फिर भी पीकिंग के बाजार का कुछ हाल सुनो।

बांगफू चिंग पीकिंग के बाजार की खास सड़क है। मैंने कान्तोन का बाजार देखा है पर पीकिंग कान्तोन से हर बात में बड़ा है। सड़क पर खासी भीड़ थी, दुकानें भी लोगों से भरी थीं। सरकारी दुकान में खोर की बिक्री हो रही थी। उनके भीतर और दरवाजे में मक्खन औरत पिले हुए थे। गमीं काफ़ी थी। सूरज तप रहा था। लोग भीतर घुसने के इन्तजार में बाहर कतार में खड़े थे। पास के गांव के किसान, रात में काम करने वाले मजदूर, सैनिक, घर की औरतें। सरकारी दुकानें इस घण्टे खुलती हैं, ग्यारह बजे दिन से नौ बजे रात तक। इतबार को भी। असल में इतबार

आसपास के मात्रा में असल में ही होती है। वैसे तो वह नगर हमेशा से सुन्दर रहा पर इधर सदियों की जमीन सी ठोस जमी गलीब ने उसे भद्दा और नापाक बना रखा था। मजदूरों ने ही हम नगर को सदियों पहले दूसरों के लिये बनाया था, आज वही उसे फिर से अपने लिये बना रहे हैं। वह ही जो मेहनत को इनाम समझते हैं, सुस्ती से घुना करते हैं। उन्होंने सैकड़ों मील लम्बी नालियाँ बनाई हैं, पानी के लाखों नल लगाए हैं, हजारों घरों में बिजली ले जा कर उन्हें चमका दिया है।

पीकिंग की शकल आज बदल گئی ہے۔ اس کے پھلے محل جو کہیں صرف سمراٹوں کے آئندہ لہلہ کی جگہیں تھیں آج عام جماعت کے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔ اس کے پارکوں میں بچوں اڑتے رہا ہے، چھوٹے بڑے بچے دوڑتے، کھیلنے اور ناچتے رہتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں نہال ہو جاتی ہیں پارک عام طور سے ہر ماہ بنائے جا رہے ہیں، چھوٹے بڑے ہر سال۔ اور انہوں نے کون رہا ہے؟ مژدوروں کے علاوہ لال فوج۔ جس فوج نے چین کو باہری دشمنوں اور ان کے اہلکاروں سے آزاد کیا ہے۔ وہی اس کے نگر اور دیہاتوں کو بھی آج محفوظ اور گرد سے محنت کر رہی ہے۔ پچھلے دو برسوں سے وہ صدیوں کی گندگی سے بہادور لے کر لڑتی رہی ہے، ویسے ہی جیسے شہر چاک پر ابھی دام لکڑی بھانا رہا ہے، جیسے راج کرنی سے ہونے کوڑے کرنا رہا ہے۔ فوج نے ہتھیار بھرتے دھلے یا مار کاٹ کے انتظار کے لئے راشتہ سے منتظر تھا نا منظور کر دیا ہے۔ اس کے بدلے وہ نگر میں جوش خروش سے نرساں کر رہی ہے اور گاؤں میں فصل ہوتی اور کاٹتی ہے۔

خط بند کرنے کے پہلے تم سے بازار کا کچھ حال کہوں گا۔ خریداری کے بارے میں تمہاری آداسیتنا میں جانتا ہوں۔ اگرچہ وہ لوگوں کی خاص کمزوری ہے، تم میں نہیں ہے۔ اس سے گو تمہیں دکانوں کی باہت چامکاری میں کچھ خاص دلچسپی نہ ہوگی، یہ وہی پیکینگ کے بازار کا کچھ حال صلو۔

وانگ فوجنگ پیکینگ کے بازار کی خاص سڑک ہے۔ میں نے کانتون کا بازار دیکھا ہے پر پیکینگ کانتون سے ہر بات میں بڑا ہے۔ سڑک پر خاصی بھیڑ تھی، دکانیں بھی لوگوں سے بھری تھیں۔ چاکری دکانوں میں زور کی ہتھوڑی ہو رہی تھی۔ ان کے ہوتے اور دروازے میں مرد عورت ہلے ہوئے تھے۔ گرمی کافی تھی۔ سورج تپ رہا تھا۔ لوگ ہوتے کھسکے کے انتظار میں باہر قطار میں کھڑے تھے۔ پاس کے گاؤں کے کسان رات میں کام کرنے والے مزدور، سیلنگ، کھو کی موٹریں، سرکاری دکانوں میں کھلے کھلتے ہیں، گھارے ہوتے ہیں سے نو بجے رات نکلتے۔ انوار کو بھی۔ اصل میں انوار



کو بھ اپنا جودی نہیں مانتا۔ اس میں شک نہیں پیکنگ  
آج سلسلہ کا سب سے صاف نگر ہے۔ کہیں کالڈ کا ایک ٹکڑا  
نہیں، کورے کا ایک ٹکڑا نہیں، نہ سڑکوں پر، نہ گلیوں  
میں، نہ لٹ پاتھوں پر۔ نشیچے یہ ماسی ہوئی بات ہے۔  
میں نے نیویارک، لندن اور پیرس دیکھا ہے، میں ان کے  
بلڈج کا فرق جانتا ہوں۔ نیویارک کی سڑکوں پر بے انتہا  
کوڑا ہوا رہتا ہے، اس کے لٹ پاتھ لایرواہی سے پھیلنے لگے  
لخماریوں کے پتوں، ٹکڑوں اور بلڈجوں سے ڈھکے رہتے ہیں  
ان کے ڈسٹ بن میں ٹائپ رائٹر سے لے کر سڑے ٹولے تک  
چھٹی چھڑیں ہوں سڑی لکڑھانی رہتی ہیں۔ پیکنگ  
کی صفائی ایلی اسادھائی ہے کہ وہاں جانے والوں پر اس  
کا اثر ہوتا ہوا نہیں رہتا چائے چائے والا لٹا بھی لایرواہ  
کہوں نہ ہو۔ سلو ایک سڑے دار قصہ۔ راج دھانی  
پہونچنے کے دوسرے دن ہم بس میں کہیں جا رہے تھے۔  
ہم میں بہت سارے سگریٹ پی رہے تھے۔  
بس کے بہتر انہوں نے اس قدر نہیں ملی۔ شوشہ کی طرح  
چوسنی صاف سڑکوں پر انہوں نے سگریٹوں کے ٹکڑے پھیلنے  
کی ہمت نہ کی۔ تب میں نے ایلی چوب سے ایک خالی  
لفافہ نکالا اور اس میں سگریٹوں کے ٹکڑے بھر لئے۔  
یاد ہے کہ توک دان میں قلعے کے بھلے مجھے اس ہمت  
کو قریب قریب لکھنے ایلی چوب میں لئے رہتا ہوا۔

یہ صفائی چہن کی قومی پوجنا کا انگ بن گئی ہے۔  
اس طرح کی صفائی چہن نے سبھی سڑکوں میں کی گئی  
ہے، پیکنگ میں، مکدن میں، تھائیس میں، نانکینگ میں،  
میں، شنگھائی اور گوانگژن میں۔ گاؤں تک میں اسی  
طرح کی صفائی کی کوشش جاری ہے۔ سلیووریا کے شہروں  
میں مکھی، مچھڑ، وغیرہ بھت کر دینے کا آرگن پوجنا  
کے علاوہ بھی ایک مقصد ہے۔ کھانوں پر دھ کو ہونے پر دینے  
کے لئے چھلکوں نے ان جانوروں نے حباب ہی دن تھان دیا  
ہے جو بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ اسی خیال سے انہوں نے  
مکھیاں، مچھڑ، مکڑیاں، چھلکھار، چوہ اور دوؤں کے  
ان سبھی کھانوں کو مار ڈالا ہے جو پرہیز کا سکہ نہاد  
کو دیتے ہیں۔ معصوم بچوں، جوانوں اور بڑوں کو خطرے  
میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ تو خیر دشمن کے جان ہوا  
معدمواروں کے جواب میں انتہائی پرہیز ہے، پر جو بات  
چھلی چلتا کا سوہاؤ بن کر ان کے چہن میں بس  
چالھکی وہ ہے انتہائی صفائی۔ گھروں، سڑکوں، گلیوں  
بازار، مچھلی کی دکانوں تک صفائی کی پوجنا کا انگ  
بن گئی ہیں۔ ناکرک اور خاص کو ناکرکوں کی مدد سے  
صفائی کی یہ پوجنا کامیاب ہو رہی ہے۔ یہ صفائی وہاں کی  
چلتا کے آچوں کا انگ بن جائے سے روکیں اور موت کے نظر  
نہ آئے والے سادھوں کا سچل مقابلہ کرے گی۔

پیکنگ کے تین سال کے عرصے میں بہت کچھ دیکھا ہے۔  
آج سلسلہ کا سب سے صاف نگر ہے۔ کہیں کالڈ کا ایک ٹکڑا  
نہیں، کورے کا ایک ٹکڑا نہیں، نہ سڑکوں پر، نہ گلیوں  
میں، نہ لٹ پاتھوں پر۔ نشیچے یہ ماسی ہوئی بات ہے۔  
میں نے نیویارک، لندن اور پیرس دیکھا ہے، میں ان کے  
بلڈج کا فرق جانتا ہوں۔ نیویارک کی سڑکوں پر بے انتہا  
کوڑا ہوا رہتا ہے، اس کے لٹ پاتھ لایرواہی سے پھیلنے لگے  
لخماریوں کے پتوں، ٹکڑوں اور بلڈجوں سے ڈھکے رہتے ہیں  
ان کے ڈسٹ بن میں ٹائپ رائٹر سے لے کر سڑے ٹولے تک  
چھٹی چھڑیں ہوں سڑی لکڑھانی رہتی ہیں۔ پیکنگ  
کی صفائی ایلی اسادھائی ہے کہ وہاں جانے والوں پر اس  
کا اثر ہوتا ہوا نہیں رہتا چائے چائے والا لٹا بھی لایرواہ  
کہوں نہ ہو۔ سلو ایک سڑے دار قصہ۔ راج دھانی  
پہونچنے کے دوسرے دن ہم بس میں کہیں جا رہے تھے۔  
ہم میں بہت سارے سگریٹ پی رہے تھے۔  
بس کے بہتر انہوں نے اس قدر نہیں ملی۔ شوشہ کی طرح  
چوسنی صاف سڑکوں پر انہوں نے سگریٹوں کے ٹکڑے پھیلنے  
کی ہمت نہ کی۔ تب میں نے ایلی چوب سے ایک خالی  
لفافہ نکالا اور اس میں سگریٹوں کے ٹکڑے بھر لئے۔  
یاد ہے کہ توک دان میں قلعے کے بھلے مجھے اس ہمت  
کو قریب قریب لکھنے ایلی چوب میں لئے رہتا ہوا۔



تو کلمہ آئے یہ منظور نہ تھا کہ ہم بغیر اپنے سوال کا جواب  
پائے چلے جائیں۔ وہ ہمیں اشاروں حلیہ کے سے روک کر تیزی  
سے اندر گیا اور جہت ایک آدمی کے ساتھ لوٹا۔ یہ تیسرا  
بھی ہماری بات نہ سمجھ سکا پر وہ بھی ہمیں جانے نہ  
دے گا جب تک ہمارے سوال کا جواب نہ مل جائے۔ وہ  
بھی اندر چلا گیا اور ایک آدمی کو لئے لوٹا۔ سمجھا حل  
ہو گئی۔ یہ تہی پہنچی انگریزی بول لیتا تھا۔ انہوں  
نے ہمیں روک رکھنے کے لئے بار بار معافی مانگی اور  
انگریزی جاننے والے نے تھک تھک 'شانتی ہوٹل'  
کی راہ بتا دی۔ وہ خود ہمارے ساتھ چلا اور ہمارے بہت  
صرار کرنے پر لوٹا۔ غضب کا خلق ہے ان چوہوں کا!

شاعری ہوٹل کھلی آہادی کے بیچ اونچے مکانوں کے  
پہنچے تھوڑے۔ اچرچ کی عمارت ہے۔ عصب کی خوبصورت  
ملکی پہلکی، ایلنڈ، ٹیکریٹ اور دھاتو کی ہلی ہانکل  
'ماٹورن' بھٹکے اور تھوس۔ آٹھ منزل اونچی، ہمس  
پرلر برابر چھوڑی تھوڑکھاں، آج کی ضرورتوں سے لوس۔ نہچے  
کی منزل کی ہوتھک طبعیت کے مطابق جہاں سے دل  
کو ہولہ والے ملنے سامنے دکھائی پڑتے۔ اس کے پردے  
اس کا رنگ اور شکل، ہوی بڑی مولگ تصویریں سبھی  
اس کی خوبصورتی کے ثبوت ہیں۔

ہم نے اتفاقاً کے پرتی ندری مسٹر اور مسز گارڈنر سے ملنا چاہا۔ اُن سے چھٹی دیوار کے اوپر پہلے ہم مل چکے تھے۔ اُن کو خبر نہ تھی کہ وہ چھٹی دیوار کے اوپر پہلے تھا۔ اس کا فریجیٹر اُپر تھا۔ دیوار پر ان ہر انگ کے پرتی چتر کی ایک نقل تنگ دی تھی۔ سرسولی مول کا چتر اچھٹا کی نقل تھا۔ گارڈنر پری وار نے ہمیں بتایا کہ اُن کا کمرہ ٹھیک اور کمروں کی طرح ہے۔ پھر وہ ہمیں ہوٹل کھانے کے چلے۔ اوپر اور نیچے کے پوچھ کر کے والے (بے) گارڈنر اور ہر آدمے، چھت اور دفتر سبھی خاص قلمک سے ملے تھے۔ شہر، دھات اور چھٹی مٹی کی پٹی سبھی چھڑوں پر امن کی لاختہ پٹی تھی۔ چھت، کمر، چھڑی، صراحی، پلمٹ، سب پر، نوکوں، چاند، تولیہ نک۔ اور یہ سبھی عمارت معض 75 روز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ پلمٹ کے مزدوروں نے اسے چھڑی کے آج کے سہانوں، شانسی سر لہ کے پرتی ندریوں کے لکے تیار کر شانتی سمی کو پلمٹ کر دیا تھا۔

کچھ سال پہلے جو کچھ ہم نے یونیننگ کے سلسلہ میں پورا کیا اس سے آج کا یونیننگ بالکل دوسرا ہے۔ اس کا کیا جتن ہوا ہے۔ اس نے جتن ہی دیا ہے اور آج سندھ کے سب سے صاف نگر تک



ایک شخص، 'ہوپنگ' کے ساتھ نہ سکا۔ 'ہوپنگ' کا ارادہ 'شانتی' میں جاننا تھا اور مجھے لگا کہ وہ مجھے دہی ہے کہ کیا میں شانتی سے مل سکتا ہوں۔ میرے 'ہاں' کہنے پر وہ اور پاس آ گئی۔ کچھ لوگ تب تک مجھے گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ کچھ اُنکے تھے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اُس نے کچھ کہا جس میں 'ہوپنگ' لفظ بار بار آیا۔ اُس کا اچھا بھلا کرتے سے اُس نے وہاں کھڑے لوگوں میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا جس سے میں نے جانتا کہ وہ کہنا چاہتی ہے کہ وہ اور سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ سبھی شانتی کے پیروی ہیں۔

دھڑے سے کسی نے کہا، 'ہوپنگ وانکے!' 'شانتی چورچوری ہو!' جو پاس سے گذر رہے تھے انہوں نے بھی نعرہ لگایا۔ میں نے بھی اُن گھبراہٹوں کو دہرایا۔ پھر اُس شخص سے چھٹی لی، اُس کے بچوں سے ہاتھ ملایا اور پاس کے لوگوں سے بدالے کر نئے چمن سے پروہارت لوٹ پڑا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ چمن شانتی نہیں چاہتا، چمن کی شانتی کی چرچا لوگوں کو بہ وقت بلدا کر وقت حاصل کرنے کے لئے ہے، کہ چمن کی کانفرنسوں کی دستوری فریب میں، کہ چمن کی جلتا دارا سنگت شانتی کے مورچے بھول سرکاری رہدستی ہیں۔ کتنا سفید چہرہ ہے یہ! جو ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں اُن کو سمجھ لیتا چاہئے کہ اِنڈیا ڈسٹر، سرکاری رہدستی کا اِنڈیا سنگت دلتاوارا لڑ سچ مچ دلتاوارا ہی ہے تب بھی وہ سواہارک ہی رہے گا۔ پولیس یا سرکار دلوں میں جوش نہیں ہو سکتی۔ تم سے کم چلتی جلتا کے شانتی پسند ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں۔ میں یہ بات بغیر کوئی رنگ چھڑانے نہیں بتاتا ہوں۔ کوئی پتا ایلی ہیٹی کو ہاتھ رنگ تو نہیں بتاتا۔ چلتی سچ مچ شانتی چاہتے ہیں، نہ اُن نے ہونٹ اُسکی آواز باہر کی کر جتنی توہیں سے نہیں اونچتی ہے، نہ وہ آواز توہیں کی کرچ کو چپ کر دے گی۔

ایک سانچہ ڈاکٹر علم، امرت اور میں گھومنے نکلے۔ وہی ہے، بغیر کسی مقصد کے۔ سوک چمک رہی تھی۔ اُس کا آدھن میں کھینچ لے چلا۔ مشہور شانتی ہوٹل کی سیدہ آئی تو ہم کمرہ کی طرف چل پڑے۔ راہ معلوم نہ تھی تو نہ پتہ تھا کہ کسی سے پوچھتے۔ پر ہم چلتے گئے اور مڑ پر ہاتھیں گھوم پڑے۔ ایک اونچے عمارت کے سامنے دو آدمی ہاتھ کر رہے تھے۔ ہم نے اُن سے 'شانتی ہوٹل' کی راہ انگریزی میں پوچھی۔ کچھ سمجھ نہ سکے پر اُن میں سے ایک نے ہم کو ہونٹ چلتے کو دیا۔ ہم اُسے دیکھتے ہی کہہ کر آگے بڑھے۔ پر اُس نے راہ روک لی



پارک ہے۔ ملت بھر کو دم جھم ہوئی تھی، سورج قریب رہا تھا۔  
 میں ادھر نکل گیا تھا۔ پارک لوگوں سے بھرا تھا۔ لوگ  
 گھاس پر بیٹھے جہاں تھاں بات کر رہے تھے۔ عورتیں سکھی  
 بچوں کو دلا رہی تھیں۔ تندرست تازہ ہنسنے چڑھنے کی  
 طرح چہک رہے تھے۔ میں بھی وہیں سانس لی لی اور  
 لوہے میں کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ آسمان روشنی کے  
 پھولے پھولے پر ہلاتا چلا جا رہا تھا۔

رائے ہلکے ہلکے آسمان پر چھا چلی تھی ۔ پھر  
چھوٹے چھوٹے دلوں میں آتی اور چلی جاتی ۔ ایک آدمی  
آدمی پاس آئے ' مجھے چپ چاپ دیکھتے ' ہلکے سے مسکرا  
دیتے ' چلے جاتے ۔ چپ چاپ میں وہ درخشہ دیکھ رہا  
تھا اور رائے تارا تارا کھری ہوتی جاتی تھی ۔ چاند ' جو  
کھول آدھا کھلا تھا ' روئی کے بکھرے کھیتوں پر سرکتا جا  
رہا تھا ۔ کسی نے مجھے چہرہ لہا ۔ میں زمین کو لوٹا ۔

اسورہی ہوو تک نہ تھا ۔ صرف کچھ بچے پاس کھڑے  
 ہو مجھے دیکھنے لگے تھے ۔ بڑھتے ہوئے سداۓ میں  
 کسی کے قریب آ جانے سے واندرون چھوٹے ذرا ہوجھل ہو  
 جانا ۔ ویسے ہی ہوجھل واندرون کی چھٹکنا ہے مجھے  
 سمجھت کر دیا ۔ سلفاتا نہیں تھا ۔ کھونکرہ اندر اندر  
 بہرے ابھی خاصی تھی ۔ بچے تھن تھے کوئی چار اور  
 چھ بچے لے بچے کے ۔ اُن کی ماں بھی پاس ہی کھڑی  
 چپ چاپ دیکھ رہی تھی ۔ میں نے جھٹ پرستہتی کے  
 مطابق آجڑن کہا ۔ منہ سے ہلکی سہتی بچائی اور دو  
 کے ہاتھ تھام لئے ۔ تھرا لجا کر پرے ہٹ گیا ۔ یہ دونوں  
 بھی ہر سہلے ہی تھے پر وہ اپنی جگہ کھڑے رہے ۔ ویسے ہی  
 اُن کی ماں بھی پہلے کی سی ہی کھڑی رہی ۔ میرے  
 پاس کچھ چاکلہٹ اور کافی تھوہوں چٹھوں میں نے انہوں  
 دھپا چاہا ۔ پر دے لیلے کو راضی نہ ہوئے اور نہ انہوں نے  
 لیا ۔ پورے نے پہلے تو اچھے فرائد کی چوہ میں بار بار  
 ہاتھ مارا پھر وہ ماں کے پاس دوڑ گیا ، اُس کا ہتھو کھولا  
 اور میری طرف کھینچنے لگا ۔ ماں مسکرائی ہوئی اور  
 پاس سرک آئی ۔ بچے نے ہتھو کی قدری کھینچ لی تھی ۔  
 اُس کا منہ کھول کر مجھے دیکھنے لگا ۔ اُس میں کافی اور  
 مٹھائیاں تھیں ۔ جانا انہوں نے چھوڑی کی کسی نہیں ۔  
 ایک چو ہواک لگی تھی وہ بھی پاس آ گئی اور اپنی جھکی ماں  
 کی چھاتی میں سرگھسکا لگی ۔

وہ بھی ہنسنے کی قوری کھینچنے لگی۔ میں نے اسے  
تالی دے کر غصت کہا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ اس نے  
کچھ تالی اس نے میری طرف بڑھائیں۔ میں نے اس کی  
ہاتھ دھکے کے لئے ایک لہ لہی۔ وہ خوشی سے لال ہو گئی۔  
اس کا چہرہ تھل اٹھا۔ اس نے پوچھا—'اندرا؟' 'ہاں'  
'اندرا؟' اور تب یہ سوچ کر کہ شاید اندرا کا مطلب ہندو  
ہے، میں نے کہا—'ہندو؟' پھر اس نے کچھ کہا جو میں سوائے



[ ڈاکٹر مگنات شرن وپادھیای پشیاہ شانتی سمینلن میں باق لینے کے لیے اکتوبر 1952 میں چین گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ دیکھا اُسکی جانکاری خطوں کے ذریعے براہ راست ساتھ ہی کو دیتے رہے۔ انہوں میں سے ایک خط ہم نے بھیج دیا ہے۔ اس سے کافی جانکاری ملے گی۔ ایڈیٹر ]

پیشا،

بہت ناراض ہوگی۔ انہیں لکھا نہیں، ابھر کے لکھتا رہا ہے۔ اور وہ بھی چھوٹی نہیں، خاصی لمبی چھوٹی۔ انہیں کی بابت انہیں لکھا جو ہے۔ اُس میں کی بابت جس نے ایسی باتیں توڑ دی ہیں۔ یہاں سے ایک خط ملتا ہے۔ انہیں چھوٹی کی مہربانی چاروں طرف دکھائی دیتی ہے۔ چھوٹی جو کئی ماں ہے، کرمتہ ہے، مہمت کرتا ہے، ہلستا ہے۔

چین کے بارے میں کچھ خیال تو رکھتی ہی ہوگی۔ ہم سب کے کچھ نہ کچھ ہوں۔ کچھ پہلے خود مہرے ہی اُس دنیا میں آئے وچار تھے۔ نہایت سستی کے۔ کئی مہرے، سہولتوں سے بھرے چھوٹی کے۔ اہم چھوٹی کے جو ہر ہر ہتھوں اور گاؤں نے ظالم زمینداروں کے لہجے کے لئے شرم کر کے ہسٹل سے تر پتھر تھا۔ چھوٹی جو ادھک نکال تھا، بالکل شرمناک تھا۔ مادک اہم سے چھکا ہوا، اٹوا سر، ٹھلے ہونٹ۔ اور اس میں شک نہیں ہمارے یہ وچار پھٹے پر ٹھہر رہے ہسٹل میں تو بے ہمدردان میں کھڑے ٹھہر رہنے والے چھوٹی سوداگر سے ہلے تھے۔

ہر اہم وچار نہایت غلط ہونگے۔ چھوٹی اب وہ چھوٹی نہیں، بالکل دوسرا چھوٹی ہے۔ ایک نیا عالم آتے کھوا ہوا ہے، نئی مہربانی جاگ کئی ہے۔ چھوٹی کی زمین وہی ہے، وہی اُس کا آسمان ہے، ہر دوپوں کے ہچے کی زندگی بالکل بدل گئی ہے، پہلے سے بالکل ہون ہے۔ پہلے کی ہی طرح موسم کے بعد موسم بدلتے ہوں، پہلے کی ہی طرح ہلوا ہل چلتا ہے، کسان پکے کھدیت کھتا ہے۔ ہر فصل کا ناچ اب کرنا اُس کی بکھار میں ہے، مالک کی بکھار میں نہیں۔ سب ہاتھ بدل گئی ہیں۔

پیکینگ بھی بدل گیا ہے۔ مہان نگر کی سبیلوں بڑی ہیں، پورانی شالیناں دیواروں، لہجہ بانی مہیل، پارک، مہل، گد، بوجیاں بھی پہلے کی طرح ہی جاگ رہی ہیں۔ اس سبکوں کے پیچھے گلیوں میں شانتی پیراں رہی ہے، پشیاہوں کے کلر بڑی ہیں، ویسے ہی پکڑوں کی سمناسناہٹ ہے، ویسی ہی بکچوں کی آوازوں، پر پیکینگ پیر بھی وہ نہیں ہے۔ پہلے سے بالکل مختلف ہے۔

ابھی دھل کر لپٹا ہے۔ مامولی بے مہمت چکر ابھی اس مہان پیرتورن کو انوبھ کرتا ہے۔ پیکینگ ہوتے کے پاس ہی پھر، پاد، سبک کے پار یک سٹلا

[ ڈاکٹر مگنات شرن وپادھیای پشیاہ شانتی سمینلن میں باق لینے کے لیے اکتوبر 1952 میں چین گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ دیکھا اُسکی جانکاری خطوں کے ذریعے براہ راست ساتھ ہی کو دیتے رہے۔ انہوں میں سے ایک خط ہم نے بھیج دیا ہے۔ اس سے کافی جانکاری ملے گی۔ ایڈیٹر ]

بہت ناراض ہوگی۔ انہیں لکھا نہیں، ابھر کے لکھتا رہا ہوں۔ اور وہ بھی چھوٹی نہیں، خاصی لمبی چھوٹی۔ انہیں کی بابت انہیں لکھا جو ہے۔ اُس میں کی بابت جس نے ایسی باتیں توڑ دی ہیں۔ یہاں سے ایک خط ملتا ہے۔ انہیں چھوٹی کی مہربانی چاروں طرف دکھائی دیتی ہے۔ چھوٹی جو کئی ماں ہے، کرمتہ ہے، مہمت کرتا ہے، ہلستا ہے۔

چھوٹی کے بارے میں کچھ خیال تو رکھتی ہی ہوگی۔ ہم سب کے کچھ نہ کچھ ہوں۔ کچھ پہلے خود مہرے ہی اُس دنیا میں آئے وچار تھے۔ نہایت سستی کے۔ کئی مہرے، سہولتوں سے بھرے چھوٹی کے۔ اہم چھوٹی کے جو ہر ہر ہتھوں اور گاؤں نے ظالم زمینداروں کے لہجے کے لئے شرم کر کے ہسٹل سے تر پتھر تھا۔ چھوٹی جو ادھک نکال تھا، بالکل شرمناک تھا۔ مادک اہم سے چھکا ہوا، اٹوا سر، ٹھلے ہونٹ۔ اور اس میں شک نہیں ہمارے یہ وچار پھٹے پر ٹھہر رہے ہسٹل میں تو بے ہمدردان میں کھڑے ٹھہر رہنے والے چھوٹی سوداگر سے ہلے تھے۔

ہر اہم وچار نہایت غلط ہونگے۔ چھوٹی اب وہ چھوٹی نہیں، بالکل دوسرا چھوٹی ہے۔ ایک نیا عالم آتے کھوا ہوا ہے، نئی مہربانی جاگ کئی ہے۔ چھوٹی کی زمین وہی ہے، وہی اُس کا آسمان ہے، ہر دوپوں کے ہچے کی زندگی بالکل بدل گئی ہے، پہلے سے بالکل ہون ہے۔ پہلے کی ہی طرح موسم کے بعد موسم بدلتے ہوں، پہلے کی ہی طرح ہلوا ہل چلتا ہے، کسان پکے کھدیت کھتا ہے۔ ہر فصل کا ناچ اب کرنا اُس کی بکھار میں ہے، مالک کی بکھار میں نہیں۔ سب ہاتھ بدل گئی ہیں۔

پیکینگ بھی بدل گیا ہے۔ مہان نگر کی سبیلوں بڑی ہیں، پورانی شالیناں دیواروں، لہجہ بانی مہیل، پارک، مہل، گد، بوجیاں بھی پہلے کی طرح ہی جاگ رہی ہیں۔ اس سبکوں کے پیچھے گلیوں میں شانتی پیراں رہی ہے، پشیاہوں کے کلر بڑی ہیں، ویسے ہی پکڑوں کی سمناسناہٹ ہے، ویسی ہی بکچوں کی آوازوں، پر پیکینگ پیر بھی وہ نہیں ہے۔ پہلے سے بالکل مختلف ہے۔

ابھی دھل کر لپٹا ہے۔ مامولی بے مہمت چکر ابھی اس مہان پیرتورن کو انوبھ کرتا ہے۔ پیکینگ ہوتے کے پاس ہی پھر، پاد، سبک کے پار یک سٹلا



کوآپریٹو کا سارا کام کسانوں کو خود کرنا ضروری ہے۔ کوآپریٹو کے لئے پہلے کچھ شرطوں کی پوری کرنی پڑتی ہے۔ ان شرطوں میں سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ ہر کسان اپنی مرضی کے موافق کوآپریٹو میں شامل ہو اور کسی دباؤ یا قہر کے کارن سپروگ نہ دے۔ اس بات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور کوآپریٹو کا لائسنس دینے سے پہلے ادھیکاری اس بات کی کالی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ کوآپریٹو میں شامل ہونے والے ہر کسان کو ادھیکار ہے کہ اگر وہ چاہے تو تین سال کے بعد اپنی زمین الگ کرے اور جس طرح سے چاہے اس کا استعمال کرے۔

کھیتی باڑی کے کام آنے والے جانوروں کی تاداد ہنگری میں بہت کم ہو گئی تھی۔ بہت سے جانور تو ویدھی لوجھن مار کر کھا گئے تھے اور جب وہ ہنگری سے ہواگ وہی تھے تو انہ ساتھ ہی تعداد ہلکا کر بھی لیتی تھیں۔ اس کارن سے کسانوں کو ہی دولت ہو گئی تھی لیکن انہوں نے زمین یا لینے کے بعد پھوپال پر دھیان دیا اور تھوڑے عرصے میں پھوپوں کی تعداد بھالی۔

نچھ کے تھیل سے ان کی ترقی کا پتہ چلتا ہے :

کریسم	1945 میں تاداد	1949 میں تاداد
گای بیل	1,069,000	2,306,457
بوزے	329,026	750,000
سوار	1,113,517	3,382,000
بھڈ	328,467	760,800

لسم	1945 میں تعداد	1949 میں تعداد
کالے بیل	1,069,000	2,306,457
گوزے	329,026	750,000
سوار	1,113,517	3,382,000
بھڈ	328,467	760,800

1942 میں جیتنے جانور ہنگری میں تھے ان سے 1949 میں تاداد کم ہے لیکن اگر رفتار یہی رہی تو 1954 تک جانوروں کی تاداد میں بھاری بڑھتی ہو جائیگی۔

1942 میں جتنے جانور ہنگری میں تھے ان سے 1949 میں تعداد کم ہے لیکن اگر رفتار یہی رہی تو 1954 تک جانوروں کی تعداد میں بھاری بڑھتی ہو جائے گی۔

سادیوں کے باڈ ہنگری کے کسان کا سہنا سچ ہوا ہے۔ وہ پھداوار بھالے کے دھن میں لگا ہوا ہے۔ کل تک جو دیہی غریب تھا آج وہاں خوشحالی ہے۔ ہنگری اور ایسے ہی دیہوں کی اور مثالیں یہ سہہ کر دیتی ہیں کہ غریبی تقدیر کے کارن نہیں ہے بلکہ مالی وبھکتا کی خرابی کے کارن ہی کوئی غریب ہے اور کوئی امیر !

سادیوں کے بعد ہنگری کے کسان کا سہنا سچ ہوا ہے۔ وہ پھداوار بھالے کے دھن میں لگا ہوا ہے۔ کل تک جو دیہی غریب تھا آج وہاں خوشحالی ہے۔ ہنگری اور ایسے ہی دیہوں کی اور مثالیں یہ سہہ کر دیتی ہیں کہ غریبی تقدیر کے کارن نہیں ہے بلکہ مالی وبھکتا کی خرابی کے کارن ہی کوئی غریب ہے اور کوئی امیر !



خوٹے خوٹے تاللوں کے داروں کی پوری زمین برباد نہیں کی گئی جن کے پاس 1400 ایکڑ زمین تھی انہیں 140 ایکڑ زمین پر کھجور رکھنے کی اجازت دی گئی۔ گرجوں کے پاس بھی زمین برباد کی گئی۔ کچھ گرجوں کے قبضے میں 300 ایکڑ زمین رہ گئی اور کچھ کے پاس 15 ایکڑ۔

اس بے رحمی سے یہ بات سنا کر ہو جاتی ہے کہ سب لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی۔

### کوآپریٹو

ہنگری میں تین طرح کی خیریت ہو رہی ہے: (1) کسان اور اس کا گھرانہ اپنی زمین پر خیریت کرتا ہے اور کسی دوسرے کسان یا گھرانے کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ (2) کسان اپنے گھرانے کے ساتھ مل کر خیریت کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی خیریت ہے۔ (3) کسان اپنے گھرانے کے ساتھ مل کر خیریت کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی خیریت ہے۔

### کوآپریٹو

ہنگری میں تین طرح کی خیریت ہو رہی ہے: (1) کسان اور اس کا گھرانہ اپنی زمین پر خیریت کرتا ہے اور کسی دوسرے کسان یا گھرانے کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ (2) کسان اپنے گھرانے کے ساتھ مل کر خیریت کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی خیریت ہے۔ (3) کسان اپنے گھرانے کے ساتھ مل کر خیریت کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی خیریت ہے۔

کوآپریٹو کا خیال یہاں اب بڑھ رہا ہے لیکن ابھی تک ہنگری کی زمین کے کل 3.2 فی صدی حصہ پر ہی اس طرح کی خیریت ہوئی ہے۔ اس سے یہاں تک پہنچ 510 کوآپریٹو فارم بنائے گئے ہیں۔ (1) کوآپریٹو کی ایک طرح کی خیریت ہے کہ دو یا کئی کسان اپنے اپنے زمینوں کے ساتھ مل کر خیریت کرتے ہیں۔ یہ لوگ مل کر ہر کسان کے خیریت کی جو خیریت کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی یہ خیریت پر ہوتا ہے۔ اسے ہم "کوآپریٹو" کی خیریت کہتے ہیں۔ جو خیریت اور خیریت کے علاوہ ایک دوسرے کی خیریت سے کسی دوسرے کو کوآپریٹو نہیں دیتا۔ (2) دوسری قسم کی کوآپریٹو میں صرف خیریت کی جو خیریت ہے وہی خیریت نہیں دیتا بلکہ کسان مل کر خیریت بھی کرتے ہیں اور جس کے خیریت میں جو خیریت بھی اور خیریت بھی دیتا ہوتا ہے وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ کوآپریٹو حصہ نہیں لیتے۔ (3) تیسری قسم کی کوآپریٹو یہ ہے جس میں کوآپریٹو، کوآپریٹو کے خیریت اور خیریت سب کوآپریٹو کی ضرورتوں کو ایک ساتھ مل کر لیا جاتا ہے۔ سارے کسان مل کر کام کرتے ہیں۔ کوآپریٹو کو دے دینے کے بعد کوآپریٹو کوآپریٹو کا نہیں رہ جاتا بلکہ سب ساجھ داروں کا ہو جاتا ہے۔ فصل کا پتوارہ دو آدمی پر ہوتا ہے: (1) جس کسان نے کوآپریٹو میں خیریت کی وہی کوآپریٹو دی ہے اس آدمی پر اس کا حصہ ملتا ہے۔ (2) ہر کوآپریٹو پر خیریت کا کام کرتا ہے اس آدمی پر بھی اس کا حصہ ملتا ہے۔



ملک کی ترقی کے لیے

گئی۔ پاس کر کے اس کھلی کو ہدایت دی گئی  
 تھی کہ پوری زمیں چھوڑ کر تھیں وہیں ہانک دی  
 جائے۔ زمیں پر پہلے حتیٰ اُن کا مانا گیا تھا جو لوگ بڑے  
 بڑے تعلقوں میں نوکر کے روپ میں کھیتی کرتے تھے۔  
 پھر اُن کا نام نہ تھا جن کے پاس کوئی کھیت نہیں تھا۔  
 اُس کے بعد اُن کسانوں کا حتیٰ تھا جن کے پاس ٹھوڑی  
 کھیت تھی۔ اُس کے بعد اُن خاندانوں کو زمیں دی  
 گئی تھی جن کے پاس کھیت ضرور تھی لیکن خاندان  
 بچت ہوا تھا۔ ہر ایسے خاندان میں جب سے بڑے لوگ  
 کو زمیں دی گئی۔ شرط یہ تھی کہ اُس لوگ کا حصہ اپنی  
 پہلی زمین ملنے کا ہوتا ہے زیادہ نہ ہو۔

زمین دھرتی کے آدھار پر بھی ہانتی لٹی ہے اور  
پہوار کے آدھار پر بھی۔ جو لوگ کسی علاقے میں ایسے  
بچ رہے جہاں زمین نہیں مل سکی انہیں دوسرے  
علاقوں میں زمین دی لٹی اور ترشہ کی لٹی کہ ان سب  
کو ایک ساتھ زمین مل جائے لیکن ہر ایک کا پلاٹ الگ  
رکھا گیا۔

نہیں ہے لیکن یہ بتواری ہے ہر پہلو کی جانکاری ملتی ہے :

تعداد	نام	زمن کی تعداد
109,875	فادرسوں پر نوکری کرنے والے	1,300,000 ایکڑ
261,088	بھوتپر مزدور	1,820,000 ایکڑ
218,930	جن کے پاس ہلات تھ	1,170,000 ایکڑ
32865	جن کسانوں نے پاس کھیت تھ	200,000 ایکڑ
27164	مزدور اور بھوہادی	70,000 ایکڑ
2420	کھیت پر کام کرنے والے اور	
	جنگل کے مزدور	30,000 ایکڑ
642,342	پروردوں نے	4,600,000 ایکڑ
—	چراغ	25000 ایکڑ
—	چراگھیں	600,000 ایکڑ
—	استعمت فارم	70,000 ایکڑ
—	جنگل جن پر جنگل کا قبضہ تھ	2,060,000 ایکڑ
—	جنگل کے استعمال کے لیے	
	دیوہرے ہلات	550,000 ایکڑ

78 لاکھ 95 ہزار ایکوڑ زمین کا بتوڑا کیا گیا جس میں سے آبادی اور جنگلوں کو چھوڑ کر کھیتی والی زمین 89 لاکھ 70 ہزار ایکوڑ تھی۔ پھر کے تعین سے پتہ چلتا ہے کہ کھیتی والی زمین کا ایک تہائی حصہ اُن 6 لاکھ 42 ہزار تھیں جو پچاس کسان پرواروں میں بانٹا گیا جن کے پاس کھیت ہانگل نہیں تھے اور اگر کسی کسی کے پاس تھے بھی تو کھول نام ملا۔ اس طرح ہر خانہ داری کو لگ بھگ سارے ساتھ لکھو زمین ملی۔



چار کی فوجیں آ کر آئیں اور آئیں کو فوجی طاقت سے دبا دیا گیا۔ کچھ کسانوں کو دیہی علاقہ سے اور کچھ کو قبر میں زمین ملنے کی آگاہی کے ساتھ مل دیا گیا۔

لیکن اب کسان جاگ گیا تھا اور زمین حاصل کرنے کی اس کی پیاس بڑھ گئی تھی۔ اسی کارن ہنگری کی ہر راجکائی پارٹی نے اس مانگ کو اپنے پروگرام میں شامل کر لیا تھا کہ جانتے بولنے والوں کو زمین ملے۔ بہت سے اہل فہم ہونے لگے لیکن کسانوں کا یہ سہل سچ نہ ہوسکا۔

مارچ 1919 میں کمیونسٹ پارٹی نے ہنگری میں سوویت ریپبلک بنائی لیکن ساڑھے چار مہینے کے بعد ویدہشی فوجوں نے آ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس سے پہلے ہی ریاستوں سے زمین چھٹی ہوئی تھی لیکن کسانوں تک وہ نہ پہنچ سکی۔ زمین چھٹی کر ان میں پلچٹتی کمیٹی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان نواہ ہو گیا اور اس کا سامس قائم نہ رہا۔ اس سوویت ریپبلک کے خاتمہ میں یہ بھی ایک ہوا کارن تھا۔ بعد کو ہنگری کے انقلابی نھتاروں نے اسے مانا اور دوبارہ طاقت ہاتھ میں آئے پر انہوں نے یہ غلطی پھر نہیں ہونے دی۔

### آئیں کی پوری

دوسری لڑائی میں روس نے ہٹلر کی فوجوں کا اپنے ہاتھ کے باہر آ کر پکڑا لیا۔ 1944-45 میں روسی فوج نے ہنگری سے ہٹلر کی فوجوں اور اس کے سہوکاروں کو ختم کر دیا اور ہنگری وہاں کی جلتا کے سپرد کر دیا۔ ہنگری میں جو سرکار بنی وہ سب پارٹیوں کی سرکار تھی اور کمیونسٹ پارٹی ان میں سے ایک تھی۔ اس سرکار نے 15 مارچ سن 1945 کو ایک ہنگری پاس کی جس کے अनुसार بڑی بڑی ریاستوں توڑ دی گئی اور زمین کسانوں میں بانٹ دی گئی۔

### زمین کا حق

بڑی بڑی ریاستوں سے زمین لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ زمین کا ہتھوڑا کون کرے۔ اس کا حل یہ نکلا گیا کہ ہر انتظامی علاقے کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس کے سپرد یہ کام کر دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ممبر سرکار نے مقرر نہیں کیے۔ ان سب کی کمیٹی کی گئی جو اس علاقے میں زمین ہانے کے حق دار تھے۔ ان سب کو حق تھا کہ زمین کا ہتھوڑا کرنے کے لئے چلاؤ کر کے یہ ایک کمیٹی بنائیں۔ ہر ایسی کمیٹی پر ایک ایسی کمیٹی میں چلا جاتا تھا۔ اس طرح سے خود کسانوں نے ہی زمین کا ہتھوڑا کیا ہے۔

لیکن اب کسان جاگ گیا تھا اور زمین حاصل کرنے کی اس کی پیاس بڑھ گئی تھی۔ اسی کارن ہنگری کی ہر راجکائی پارٹی نے اس مانگ کو اپنے پروگرام میں شامل کر لیا تھا کہ جانتے بولنے والوں کو زمین ملے۔ بہت سے اہل فہم ہونے لگے لیکن کسانوں کا یہ سہل سچ نہ ہوسکا۔

مارچ 1919 میں کمیونسٹ پارٹی نے ہنگری میں سوویت ریپبلک بنائی لیکن ساڑھے چار مہینے کے بعد ویدہشی فوجوں نے آ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس سے پہلے ہی ریاستوں سے زمین چھٹی ہوئی تھی لیکن کسانوں تک وہ نہ پہنچ سکی۔ زمین چھٹی کر ان میں پلچٹتی کمیٹی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان نواہ ہو گیا اور اس کا سامس قائم نہ رہا۔ اس سوویت ریپبلک کے خاتمہ میں یہ بھی ایک ہوا کارن تھا۔ بعد کو ہنگری کے انقلابی نھتاروں نے اسے مانا اور دوبارہ طاقت ہاتھ میں آئے پر انہوں نے یہ غلطی پھر نہیں ہونے دی۔

مارچ 1919 میں کمیونسٹ پارٹی نے ہنگری میں سوویت ریپبلک بنائی لیکن ساڑھے چار مہینے کے بعد ویدہشی فوجوں نے آ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس سے پہلے ہی ریاستوں سے زمین چھٹی ہوئی تھی لیکن کسانوں تک وہ نہ پہنچ سکی۔ زمین چھٹی کر ان میں پلچٹتی کمیٹی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان نواہ ہو گیا اور اس کا سامس قائم نہ رہا۔ اس سوویت ریپبلک کے خاتمہ میں یہ بھی ایک ہوا کارن تھا۔ بعد کو ہنگری کے انقلابی نھتاروں نے اسے مانا اور دوبارہ طاقت ہاتھ میں آئے پر انہوں نے یہ غلطی پھر نہیں ہونے دی۔

### آئیں کی پوری

دوسری لڑائی میں روس نے ہٹلر کی فوجوں کا اپنے ہاتھ کے باہر آ کر پکڑا لیا۔ 1944-45 میں روسی فوج نے ہنگری سے ہٹلر کی فوجوں اور اس کے سہوکاروں کو ختم کر دیا اور ہنگری وہاں کی جلتا کے سپرد کر دیا۔ ہنگری میں جو سرکار بنی وہ سب پارٹیوں کی سرکار تھی اور کمیونسٹ پارٹی ان میں سے ایک تھی۔ اس سرکار نے 15 مارچ سن 1945 کو ایک ہنگری پاس کی جس کے अनुसार بڑی بڑی ریاستوں توڑ دی گئی اور زمین کسانوں میں بانٹ دی گئی۔

### زمین کا حق

بڑی بڑی ریاستوں سے زمین لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ زمین کا ہتھوڑا کون کرے۔ اس کا حل یہ نکلا گیا کہ ہر انتظامی علاقے کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس کے سپرد یہ کام کر دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ممبر سرکار نے مقرر نہیں کیے۔ ان سب کی کمیٹی کی گئی جو اس علاقے میں زمین ہانے کے حق دار تھے۔ ان سب کو حق تھا کہ زمین کا ہتھوڑا کرنے کے لئے چلاؤ کر کے یہ ایک کمیٹی بنائیں۔ ہر ایسی کمیٹی پر ایک ایسی کمیٹی میں چلا جاتا تھا۔ اس طرح سے خود کسانوں نے ہی زمین کا ہتھوڑا کیا ہے۔



کا کچا سہارا ہو سکتا تھا جس کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا۔ ہنگری میں کارخانے نہیں تھے جن میں نوکری لگ سکتی۔ سرکار اور تعلقہ داروں کو ان کی مصیبت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بڑے بڑے زمیندار وہیں کو سستا فائدہ پہنچتے تھے اور غریب کسانوں کی جان توڑ مصلحت کے بل بوتے پر سوچ کرتے تھے۔ بے کھمت والے لسان بڑے بڑے تعلقوں پر جا کر کام کرتے تھے۔ اچھے سے اچھے زندگی ان لسانوں کے لئے جو نہیں وہ یہ تھی کہ مسکری مزدوری پر کام کرتے رہیں اور ہری سے ہری زندگی جو ان کے لئے تھی وہ یہ تھی کہ ان کو بالکل ہی کام نہ ملے اور یہ بہو کوں نہیں۔ یہ تعلقہ ان کو برابر کام سمجھا نہیں دے سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ہنگری کے لسان دورگاہ کی تلاش میں اندر اندر بھٹکتے پھرتے تھے۔ 1899 سے لے کر 1913 تک 14 سال میں بارہ لاکھ لسان اپنا وطن چھوڑ کر بہت دور کی کھوج میں وہیں کو چلے گئے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے کوئی استعارہ ورنہ ہی بھڑک رہا تھا۔ چھوڑوں میں یہ لوگ رہتے تھے۔ ان چھوڑوں میں نہ کوئی ہوئی تھی اور نہ فرش ہی ہوتا تھا۔ انہیں کھوڑوں میں بچے بڑے، مرد، عورت سب گڈاڑا کر کے پرستار تھے۔ ظاہر بات ہے جس دیہات کی یہ حالت ہو وہاں ہنگری کی کشتی کو سامنے نہ

لگاسک ورگ کے لوگ اپنا آلو سہارا کرنے کے لئے کسانوں کو بہرہ میں ڈال دیتے تھے۔ ایسا مطلب سادہ کے لئے انہوں نے ہر طرح کی نفرت پھیلانے کا سامان اپنایا تھا۔ انہیں وطن پرستی چلتا کی کہتی تھی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ ہنگری والے سب سے اونچے جات کے ہیں اور ہنگری نے پوری دنیا کو دیکھا اور سوائیا کی چلتا سے ان کو نفرت کرنا چاہئے۔ اچھے دیہات کے ان لوگوں سے بھی نفرت کرنے کا پتہ عام چلتا کو پڑھایا گیا تھا جن کی ہنگری میں کم تعداد تھی۔ ہنگری میں یہودیوں نے خلاف زبردست کھوسا پہلی ہوئی تھی۔ فرض ہر طرح سے یہ کوشش کی گئی تھی کہ چلتا خواستہ وہاں کے چھوڑوں میں بھلسی دے اور اچھے ہت کو نہ دیکھ پائے !

### کسان کی مانگ

تمام کوششوں کے بعد بھی کبھی کبھی چلتا اچھے ہت کو پہچانتی تھی اور وہ اپنا حق لینے کے لئے کوشش کرتی تھی۔ سولہویں صدی میں کسانوں نے ہنگری میں بددلت دی تھی۔ شاد ورگ سے ان کی مانگ تھی کہ زمین کسانوں کو ملے۔ لیکن وہ انقلاب کا سہارا نہ دے سکا۔ 1848 میں کسانوں کو واسطہ ضرور معلوم ہو گیا۔ 1848 میں بھی ہنگری کے کسانوں نے انقلاب کا چیلڈا بلند کیا۔ وہ کامیاب بھی ہو گئے لیکن روس سے

حاکم صوبہ کے لوگ اپنا اصل سہارا کرنے کے لئے کسانوں کو ہرم میں ڈالے رکھتے تھے۔ اپنا मतलब साधने के लिये उन्होंने हर तरह की नफरत फैलाने का साधन अपनाया था। अंधी वतन परस्ती जनता की घुट्टी में माँ के दूध की तरह उतार दी गई थी। इन्हें बताया गया था कि हंगरी वाले सब से ऊँची जात के हैं और हंगरी के पड़ोसी रोमानिया और सलावाकिया की जनता से उनको नफरत करना चाहिये। अपने देश के उन लोगों से भी नफरत करने का पाठ आम जनता को पढ़ाया गया था जिनकी हंगरी में कम तादाद थी। हंगरी में यहूदियाँ के खिलाफ जबरदस्त घृणा फैली हुई थी। ग़रब हर तरह से यह कोशिश की गई थी कि जनता खामखा के झगड़ों में फँसी रहे और अपने हित को न देख पाय !

### किसान की मांग

समाम कोशिशों के बाद भी कभी कभी जनता अपने हित को पहचानती थी और वह अपना हक लेने के लिये कोशिश करती थी। सोलहवीं सदी में किसानों ने हंगरी में बराबत की थी। शासक वर्ग से इनकी मांग थी कि जमीन किसानों को मिले। लेकिन वह इनक्रिलाब कामयाब न हो सका पर किसानों को रास्ता जरूर मालूम हो गया। 1848 में भी हंगरी के किसानों ने इनक्रिलाब का झंडा बुलंद किया। वह कामयाब भी हो गए लेकिन रुस से



## ہنگری کا भूमि सुधार

( گنگا شرن )

ہنگری پوربی یورپ کے ان देशوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمارا دھیان अपनी तरफ खींचा है. इस देश का कुल रकबा 36 हजार चौरबा मील है और 92 लाख आबादी में से 45 लाख आदमी खेती बारी पर निर्भर करते हैं. योरप का यह देश पिछड़ा हुआ और गरीब माना जाता था. कैन्चे माल और राल्ले के लिये उद्योग वाले देश हमेशा इस पर दांत चढ़ाए रहते थे. इस पर कभी तुर्कों ने राज किया और कभी जर्मनों ने, कभी यह आस्ट्रिया के अधीन रहा और कभी किसी और शक्ति शाही राष्ट्र के सामने सर झुकाता रहा. इसके इतिहास में बहुत उथल पुथल हुए हैं पर कुछ चीजें ऐसी रही हैं जिनमें किसी समय भी, किसी के राज में भी कोई तबदीली नहीं आई—गरीबी, बेकारी और गुलामी. दबा हुआ, गुलाम, गरीबी की लानत में डूबा हुआ यह देश कैसे सर उठा सका, कैसे इसमें नई लहर दौड़ सकी, कैसे इसका नया जन्म हो सका, यह हमारे लिये जानना जरूरी है. नये हंगरी को जन्म देने में यहां के भूमि सुधार का अबरदस्त हाथ है. इस सुधार की तकसील समझने से पहले जरूरी है कि हम उन समस्याओं को समझ लें जिनका हल जमीन सुधार ने किया है

### जमीन का ना बराबर बंटवारा

कुल किसान आबादी में से सिर्फ 16 लाख किसान ऐसे थे जिनके पास खेत के छोटे छोटे टुकड़े थे. बहुत से टुकड़े तो आधे एकड़ से भी कम थे. हंगरी की खेती वाली जमीन के 48 फी सदी हिस्से पर 12000 ताल्लुकदार कब्जा जमाए थे. इस जमीन का भी बहुत बड़ा हिस्सा 304 रियासतों के पास था. तीस लाख किसानों के पास एक इंच भी जमीन नहीं थी. यह लांग "30 लाख भिकमंगे" के नाम से याद किये जाते थे. हंगरी गिरजों की पिछादती के लिये मशहूर है. इन गिरजों के पास भी जमीन का बहुत बड़ा हिस्सा था.

### किसान की हालत

जब इतना ना बराबर बंटवारा होता यह बात चाहिए है कि एक बड़े हिस्से को बेरोजगार रहना पड़ेगा, भूकों मरना पड़ेगा और दरबदर की ठोकर खाना पड़ेगी वह किसान भी अपना पेट नहीं भर सकते थे जिनके पास एकाध एकड़ जमीन थी. फिर उन किसानों की भूक मिटाने

## हंगरी का भूमि सुधार

( कलकत्ता )

हंगरी पुरबी युरप के ان دیہوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمارا دھیان اپنی طرف کھینچا ہے. اس دیہ کا کل رقبہ 36 ہزار مربع میل ہے اور 92 لاکھ آبادی میں سے 45 لاکھ آدمی کھیتی باری پر برہم کرتے ہیں. یورپ کا یہ دیہ پیچھا ہوا اور غریب مانا جاتا تھا. کچھ سال اور قبل کے لئے اندیوک والے دیہیں ہمیشہ اس پر دانت چومائے رہتے تھے. اس پر کبھی ترکوں نے راج کیا اور کبھی جوسلین نے, کبھی یہ آسٹریا کے اندھ بن رہا اور کبھی کسی اور شکست شالی راجت کے سامنے سر جھکا دیا. اس کے انہاس میں بہت اٹھل پٹھل ہوئے ہیں پر کچھ چھڑوں ایسی رہی ہیں جن میں کسی سے بھی کسی کے راج میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی—غریبی, بوقافی اور غلامی. دبا ہوا, غلام, غریبی کی لعنت میں ڈوبا ہوا یہ دیہیں کسے سے اٹھا سکا, کسے سے اس میں نئی لہر دوڑ سکی, کسے سے اس کا نیا جنم ہو سکا, یہ ہمارے لئے جاننا ضروری ہے. نئے ہنگری کو جنم دینے میں یہاں کے بھومی سدھار کا زبردست ہاتھ ہے. اس سدھار کی تفصیل سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان سمسٹاؤں کو سمجھ لیں جن کا حل زمین سدھار نے کیا ہے :

### زمین کا نابرابر بٹوارہ

کل کسان آبادی میں سے صرف 16 لاکھ کسان ایسے تھے جن کے پاس کھیت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے. بہت سے ٹکڑے تو آدھے ایکڑ سے بھی کم تھے. ہنگری کی کھیتی والی زمین کے 48 فیصدی حصے پر 12000 تعلقہ دار کنبہ چائے تھے. اس زمین کا بھی بہت بڑا حصہ 30± رہاستوں کے پاس تھا. انیس لاکھ کسانوں کے پاس ایک انچ بھی زمین نہیں تھی. یہ لوگ "30 لاکھ بھوک منگرے" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے. ہنگری گرجوں کی زیادتی کے لئے مشہور ہے. ان گرجوں کے پاس بھی زمین کا بہت بڑا حصہ تھا.

### کسان کی حالت

جب اتنا نابرابر بٹوارہ ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ ایک بڑے حصے کو بے روزگار رہنا پڑے گا, بھوکوں مرنا پڑے گا اور ہر بندر کی تھوکر کھانی پڑے گی. وہ کسان بھی اپنا پیٹ نہیں پور سکتے تھے جن کے پاس ایک آدھ ایکڑ زمین تھی. پھر ان کسانوں کی بھوک مٹانے



## ہندوستانی شہدیاں کا ساتواں اصول: ہندوستانی میں باہری لفظوں کی نیسبت بندی

( ڈاکٹر آفٹر حسن )

ہندوستانی کو سب کی بولی بنانے اور भारत کی سب سے پیاوا आम और बाल भाषा बनाने के लिये हिन्दुस्तानी में अरबी, फारसी, संस्कृत, हिन्दी, अंगरेजी और देसी भाषाओं के लफ्जों का ऐसा तनासुब (Proportion) होना चाहिये कि हिन्दुस्तानी का मुकाब देसीयत की तरफ हो. वह हिन्दी नुमा उर्दू या उर्दू का मजा रखने वाली हिन्दी हो जिस में यورपी भाषाओं से बिचाई शब्द और देसी भाषाओं से अच्छे अच्छे लफ्ज बिला मिश्रक लिये जायें.

उर्दू ने पिछली दहाइयों में यह भारी रालती की कि नवे लफ्जों को सिर्फ अरबी और फारसी से लिया, और संस्कृत या हिन्दी की तरफ ध्यान नहीं दिया. इस वजह से हिन्दी लफ्जों की गिनती उर्दू में बराबर कम होती गई और अरबी फारसी का पल्ला भारी होते होते उर्दू मुश्किल, अजनबियाना और डरावनी हो गई. उर्दू ने अपने और सर चशमों को छोड़ कर सिर्फ एक चशमे से सेराब होना चाहा इसलिये वह बेगाना हो गई क्योंकि बढ़ती हुई गहराई से उर्दू में फारसी पन और अरबी पन का रंग पैदा होता गया. फिर क्या ताज्जुब है कि आम तौर पर उर्दू को मुसलमानों की ज़बान खयाल किया जाने लगा.

अगर हिन्दी प्रेमी और हिन्दुस्तानी के पक्ष पाती उर्दू की रालती से फायदा उठाना चाहते हैं तो उनके लिये खास कर हिन्दुस्तानी वालों के लिये यह जरूरी है कि वह हिन्दुस्तानी के तीनों सर चशमों से सेराब होते रहें और वह भी इस तरह कि हिन्दुस्तानी की आम कहमी क़ायम रहे और वह बिचाई, दफ्तरी, सरकारी, समाजी, व्यापारी शरफ सب प्रकार की जरूरतों को पूरा कर सके जिसके लिये फिर वही असूल इस्तिहार करना पड़ता है कि हिन्दुस्तानी में सब क्रिसम के लफ्ज हों और वह भी इस खास निमत से कि उसकी सही हालत और कैफियत पर असर न पड़े.

हिन्दुस्तानी मिलबां भाषा है. बहुत पियावा तादाव में इसके लफ्ज हिन्दी और संस्कृत से आए हैं. पच्छिमी एशिया की भाषाओं के लफ्ज भी काफ़ी तादाव में हैं. योरपी भाषाओं के सैकड़ों लफ्ज हिन्दुस्तानी में आ चुके हैं. देसी भाषाओं से हिन्दुस्तानी बहुत से लफ्ज ले चुकी और ले सकती है. अगर हम आइन्दा यही कोशिश करें कि नवे शब्द पियावा तर हिन्दी और संस्कृत से लें. इसके बाद देसी भाषाओं, योरपी भाषाओं और पच्छिमी एशियाई भाषाओं से तो हिन्दुस्तानी का मिलबां पन बाझी रहेगा.

हिन्दुस्तानी की सب से बड़ी बिशेशता में उसका हर दिल प्रेम और आम समझ पन है. इनको क़ायम रखने के लिये यह जरूरी है कि तमाम सर चशमों के लफ्ज खास निमत से लिये जायें ताकि हिन्दी या उर्दू के बरखिलाफ हिन्दुस्तानी बोझ, बिहंगम और भयानक न हो जाय.

## ہندستانی شہدیاں کا ساتواں اصول: ہندستانی میں باہری لفظوں کی

نسبت بندی

( ڈاکٹر جالب حسن )

ہندستانی کو سب کی بولی بنانے اور भारत کی سب سے پیاوا आम और बाल भाषा बनाने के लिये हिन्दुस्तानी में अरबी, फारسی, संस्कृत, हिन्दी, अंगरेजी और देसी भाषाओं के लफ्जों का ऐसा तनासुब (Proportion) होना चाहिये कि हिन्दुस्तानी का मुकाब देसीयत की तरफ हो. वह हिन्दी नुमा उर्दू या उर्दू का मजा रखने वाली हिन्दी हो जिस में योरपी भाषाओं से बिचाई शब्द और देसी भाषाओं से अच्छे अच्छे लफ्ज बिला मिश्रक लिये जायें.

उर्दू ने पिछली दहाइयों में यह भारी रालती की कि नवे लफ्जों को सिर्फ अरबी और फारसी से लिया, और संस्कृत या हिन्दी की तरफ ध्यान नहीं दिया. इस वजह से हिन्दी लफ्जों की गिनती उर्दू में बराबर कम होती गई और अरबी फारसी का पल्ला भारी होते होते उर्दू मुश्किल, अजनबियाना और डरावनी हो गई. उर्दू ने अपने और सर चशमों को छोड़ कर सिर्फ एक चशमे से सेराब होना चाहा इसलिये वह बेगाना हो गई क्योंकि बढ़ती हुई गहराई से उर्दू में फारसी पन और अरबी पन का रंग पैदा होता गया. फिर क्या ताज्जुब है कि आम तौर पर उर्दू को मुसलमानों की ज़बान खयाल किया जाने लगा.

अगर हिन्दी प्रेमी और हिन्दुस्तानी के पक्ष पाती उर्दू की रालती से फायदा उठाना चाहते हैं तो उनके लिये खास कर हिन्दुस्तानी वालों के लिये यह जरूरी है कि वह हिन्दुस्तानी के तीनों सर चशमों से सेराब होते रहें और वह भी इस तरह कि हिन्दुस्तानी की आम कहमी क़ायम रहे और वह बिचाई, दफ्तरी, सरकारी, समाजी, व्यापारी शरफ सب प्रकार की जरूरतों को पूरा कर सके जिसके लिये फिर वही असूल इस्तिहार करना पड़ता है कि हिन्दुस्तानी में सब क्रिसम के लफ्ज हों और वह भी इस खास निमत से कि उसकी सही हालत और कैफियत पर असर न पड़े.

हिन्दुस्तानी मिलबां भाषा है. बहुत पियावा तादाव में इसके लफ्ज हिन्दी और संस्कृत से आए हैं. पच्छिमी एशिया की भाषाओं के लफ्ज भी काफ़ी तादाव में हैं. योरपी भाषाओं के सैकड़ों लफ्ज हिन्दुस्तानी में आ चुके हैं. देसी भाषाओं से हिन्दुस्तानी बहुत से लफ्ज ले चुकी और ले सकती है. अगर हम आइन्दा यही कोशिश करें कि नवे शब्द पियावा तर हिन्दी और संस्कृत से लें. इसके बाद देसी भाषाओं, योरपी भाषाओं और पच्छिमी एशियाई भाषाओं से तो हिन्दुस्तानी का मिलबां पन बाझी रहेगा.



جیسے آپ آئے سمجھتے تھے ٹکڑے تک کروا دیئے۔ آپ کی اس ساتھی بھگتی کو لے کر ہمارے فلاسٹر آپ سبھا ہتی راندھا کوشن جی 16 اپریل کو آپ محل سے کئی محل چلکر نئی دلی کے اسٹیشن آئے اور صرف اس لئے کہ ان کو نئی دلی سے ریل میں بٹھکر ریل کی نالیں دیکھنے جانا تھا۔ یہ نالیں نئی دلی سے لاکھوں ہی انچ دور تھیں۔ سرکار کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ انہیں ہال کے ہوائی اڈے لے جا کر ہوائی جہاز سے نالیں بھجھ کر پر شائد اس لئے انہیں ریل کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے مجبور کیا تھا کہ نالیں ریل کی تھی۔ لوگ اگر فلاسٹر صاحب پر انگلیاں اٹھاتے تو یہ ان کی ایسی ہی بدقولی ہوگی جیسے کوئی اس دولہے پر انگلی اٹھائے جو جلد سے سسرال تک ٹھوڑی پر چوہر جائے۔ اس میں اس کا کیا قصور! سچ جائے، اس کا باپ جائے! تھک اسی طرح اس میں فلاسٹر صاحب کا کیا قصور؟ وہ تو ہندوستانی جمہوریت کے یعنی بھارت، چاندا راج کے دولہا نہ تھے شہزاد تو تھے ہی۔ دولہے کی طبیعت خراب ہونے پر، کہیں کہیں رواج ہے، دولہے نے بھائی سے کام لے لیا جانا ہے۔

جیسے آپ آئے سمجھتے تھے ٹکڑے تک کروا دیئے۔ آپ کی اس ساتھی بھگتی کو لے کر ہمارے فلاسٹر آپ سبھا ہتی راندھا کوشن جی 16 اپریل کو آپ محل سے کئی محل چلکر نئی دلی کے اسٹیشن آئے اور صرف اس لئے کہ ان کو نئی دلی سے ریل میں بٹھکر ریل کی نالیں دیکھنے جانا تھا۔ یہ نالیں نئی دلی سے لاکھوں ہی انچ دور تھیں۔ سرکار کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ انہیں ہال کے ہوائی اڈے لے جا کر ہوائی جہاز سے نالیں بھجھ کر پر شائد اس لئے انہیں ریل کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے مجبور کیا تھا کہ نالیں ریل کی تھی۔ لوگ اگر فلاسٹر صاحب پر انگلیاں اٹھاتے تو یہ ان کی ایسی ہی بدقولی ہوگی جیسے کوئی اس دولہے پر انگلی اٹھائے جو جلد سے سسرال تک ٹھوڑی پر چوہر جائے۔ اس میں اس کا کیا قصور! سچ جائے، اس کا باپ جائے! تھک اسی طرح اس میں فلاسٹر صاحب کا کیا قصور؟ وہ تو ہندوستانی جمہوریت کے یعنی بھارت، چاندا راج کے دولہا نہ تھے شہزاد تو تھے ہی۔ دولہے کی طبیعت خراب ہونے پر، کہیں کہیں رواج ہے، دولہے نے بھائی سے کام لے لیا جانا ہے۔

ہاں، ابھی آپ اس پر تھکا نہ کھجئے۔ یہ تو ہم نے پرچا سنا راج فاسی ندی کا ایک کنارہ دکھایا۔ اسی سے ملتا چلتا دوسرا کنارہ ہے سمت ونوبا، جو ہزاروں سال دور جائیں تو پیدل ہی جائیں۔ آجے دانندی مارچ پیدل تھا تھا تو راونڈتھیل میں شامل ہونے کے لئے غلے سے آپ کے لئے اسٹیشن چھوٹی تھی اور بمبئی میں جہاز رکا رہا تھا۔

ہم اور ہماری سرکار آپ کے کسی بھی روپ کو کہیں نہیں بھالتے، آپ کے رنگ سے سب روپ آئے ہاں میں۔ کس پالہ کا کہاں ابھوگ کرنا چاہئے یہ تو وہ اہلی سمجھ سے ہی ابھوگ کرے گی، کہونکہ آپ تک نہ نار کا سلسلہ ہے نہ ٹھیلہ میں کا، نہ والٹریس کا، دیکھو تک آپ تک پہنچنے میں ہار مان بھگتا ہے۔ پر ہاں ہماری سب بات آپ سن لیتے ہیں اور جہی آپ مسکرا رہے ہوں۔

—بھگوانداس—

—بھگوانداس—

ہاں، ابھی آپ اس پر تھکا نہ کھجئے۔ یہ تو ہم نے پرچا سنا راج فاسی ندی کا ایک کنارہ دکھایا۔ اسی سے ملتا چلتا دوسرا کنارہ ہے سمت ونوبا، جو ہزاروں سال دور جائیں تو پیدل ہی جائیں۔ آجے دانندی مارچ پیدل تھا تھا تو راونڈتھیل میں شامل ہونے کے لئے غلے سے آپ کے لئے اسٹیشن چھوٹی تھی اور بمبئی میں جہاز رکا رہا تھا۔

ہم اور ہماری سرکار آپ کے کسی بھی روپ کو کہیں نہیں بھالتے، آپ کے رنگ سے سب روپ آئے ہاں میں۔ کس پالہ کا کہاں ابھوگ کرنا چاہئے یہ تو وہ اہلی سمجھ سے ہی ابھوگ کرے گی، کہونکہ آپ تک نہ نار کا سلسلہ ہے نہ ٹھیلہ میں کا، نہ والٹریس کا، دیکھو تک آپ تک پہنچنے میں ہار مان بھگتا ہے۔ پر ہاں ہماری سب بات آپ سن لیتے ہیں اور جہی آپ مسکرا رہے ہوں۔



ہمت جھام بھی کر رکھا تھا جیسا کہ لوگوں کے پاؤں پڑ کر  
بھ جال بپتیزم نہ ہونے پایا۔ پر وہ دو تان گنا چوڑا  
پول لاکھوں آدمیوں کو کسے گھارتا۔ اس لیے جگہ جگہ  
سے لوگ اسے پائوں پائوں پار کر رہے تھے، ہم یہ دیکھ کر من  
مساوس کر رہ جاتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے کئی بار اسے  
بھکتوں پر فیکڑے بھی کسے، یہ دیکھ کر یہ جھلا مائی کے پوتر چل کر  
اچھے پھروں سے گھبرا کر رہے تھے۔

بھکے کے منہ کے کھانے کو پار کرتے ہوئے ہم ریت  
کے میدان میں آئے۔ جھلا مائی کی بھتی ہوئی گھار جہاں سے  
کر لائے گئے تھے۔ وہاں بھی انکسٹ لوگ دھار کے  
گھارے گھارے دور تک پہنچے۔ ہم بھی بھکتی  
سے وہاں پہنچے۔ ہمارے ساتھی بھتی ہوئی گھار کو دیکھ  
کر چھوڑ کر اور وہ اس لیے کہ جھلا مائی نے 'جل نہ رہا' ادھ  
اچھے دودھ کی طرح گارھا روپ لے لیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ جھلا  
مائی نے اچھے بھکتوں کے لیے اچھے ہوئے ہوئے ہینگ پھنگی مصیبت  
کی وجہ سے ہو۔ ہم تو بھی سمجھ۔ اور باپو! ہم ہلا  
سوچے سمجھے بھکتی میں قرب کر جھلا مائی کے چل  
میں چل ہی پڑے۔ لہذا دور چل کر جب چل گھٹوں  
سے اوپر آیا اور قدسہ ٹھاک جھسی گدھہ بھی نکھلیں  
مہم پہنچیں تو پھر ہمت نہ ہوئی کہ ہم اسے نہ لے  
چل کر لپٹا کر لیں۔ بس ہم لوٹ آئے اور ہمارے سب  
ساتھوں نے، ملے سے ایک شہد نکالے ہمارا ساتھ دیا۔

باپو، یہ سب تو ہوا، پر سواراج کا اس سے بھی بڑھ کر تماشہ  
دیکھنے کے لیے۔ چھوٹے بڑے، مرد عورت، مسجد دار باسجہ  
سب نے سب آزاد پائے، جہاں جہاں وہ شہاب کو لے چاہے  
جہاں لگی کر کے سب کے سب پوری طرح آزادی کا آئندہ  
لے رہے تھے۔ سب سے بڑھ کر بات جو کچھ سمجھداروں سے  
سنگھے کو ملی، 'باپو! وہ یہ ہے' "یہ سب کھنڈن کے لیے  
لگائے گئے اور دلی کی سڑک کے اس کو چھوڑنے کے لیے خاص  
طور سے انتظام کیا ہے۔"

بس باپو! آپ کی انتوں والی لگائیں کی بات کو دلی  
سڑک کے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اور یہ سن کر آپ  
کو نکلی خورجی ہوئی ہوگی کہ وہ اس جانکری کا کتنا اچھا  
اچھا کر رہی ہے..... باپو! دلی سڑک کبھی بھی اسے  
معلوم نہ ہو آپ کو نہیں ہوتی!

اور سنئے! آپ ٹانگوں کے پھٹ پھٹ رہے تو بڑے  
بڑے آدمیوں نے ڈرتے رہے تو ہمیشہ اچھے ساتھوں کی  
بات دھیان سے سنتے رہے۔ اور وہی کرتے رہے جو آپ کے  
ساتھوں نے چاہا۔ ساتھوں کی خاطر آپ نے بھارت کے

انتظام ہو کر دکھا تھا۔ جس سے لوگوں کے پاؤں پڑ کر وہ چل  
اوتار نہ ہوئے ہوتے۔ پر وہ دو تان گنا چوڑا پول لاکھوں آدمیوں  
کو کھسے گھارتا۔ اس لیے جگہ جگہ سے لوگ اسے پائوں پائوں پار کر رہے تھے، ہم یہ دیکھ کر من  
مساوس کر رہ جاتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے کئی بار اسے  
بھکتوں پر فیکڑے بھی کسے، یہ دیکھ کر یہ جھلا مائی کے پوتر چل کر  
اچھے پھروں سے گھبرا کر رہے تھے۔

دھکے مکے کہا کر بھوکے کو پار کرتے ہوئے ہم ریت  
کے میدان میں آئے۔ جھلا مائی کی بھتی ہوئی گھار جہاں سے  
کر لائے گئے تھے۔ وہاں بھی انکسٹ لوگ دھار کے  
گھارے گھارے دور تک پہنچے۔ ہم بھی بھکتی  
سے وہاں پہنچے۔ ہمارے ساتھی بھتی ہوئی گھار کو دیکھ  
کر چھوڑ کر اور وہ اس لیے کہ جھلا مائی نے 'جل نہ رہا' ادھ  
اچھے دودھ کی طرح گارھا روپ لے لیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ جھلا  
مائی نے اچھے بھکتوں کے لیے اچھے ہوئے ہوئے ہینگ پھنگی مصیبت  
کی وجہ سے ہو۔ ہم تو بھی سمجھ۔ اور باپو! ہم ہلا  
سوچے سمجھے بھکتی میں قرب کر جھلا مائی کے چل  
میں چل ہی پڑے۔ لہذا دور چل کر جب چل گھٹوں  
سے اوپر آیا اور قدسہ ٹھاک جھسی گدھہ بھی نکھلیں  
مہم پہنچیں تو پھر ہمت نہ ہوئی کہ ہم اسے نہ لے  
چل کر لپٹا کر لیں۔ بس ہم لوٹ آئے اور ہمارے سب  
ساتھوں نے، ملے سے ایک شہد نکالے ہمارا ساتھ دیا۔

باپو! یہ سب تو ہوا، پر سواراج کا اس سے بھی بڑھ کر تماشہ  
دیکھنے کے لیے۔ چھوٹے بڑے، مرد عورت، مسجد دار باسجہ  
سب نے سب آزاد پائے، جہاں جہاں وہ شہاب کو لے چاہے  
جہاں لگی کر کے سب کے سب پوری طرح آزادی کا آئندہ  
لے رہے تھے۔ سب سے بڑھ کر بات جو کچھ سمجھداروں سے  
سنگھے کو ملی، 'باپو! وہ یہ ہے' "یہ سب کھنڈن کے لیے  
لگائے گئے اور دلی کی سڑک کے اس کو چھوڑنے کے لیے خاص  
طور سے انتظام کیا ہے۔"

بس باپو! آپ کی انتوں والی لگائیں کی بات کو دلی  
سڑک کے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اور یہ سن کر آپ  
کو نکلی خورجی ہوئی ہوگی کہ وہ اس جانکری کا کتنا اچھا  
اچھا کر رہی ہے..... باپو! دلی سڑک کبھی بھی اسے  
معلوم نہ ہو آپ کو نہیں ہوتی!

اور سنئے! آپ ٹانگوں کے پھٹ پھٹ رہے تو بڑے  
بڑے آدمیوں نے ڈرتے رہے تو ہمیشہ اچھے ساتھوں کی  
بات دھیان سے سنتے رہے۔ اور وہی کرتے رہے جو آپ کے  
ساتھوں نے چاہا۔ ساتھوں کی خاطر آپ نے بھارت کے



## बापू سے

अगर हम भूलते नहीं हैं तो बापू, आप लहसन प्यास के बहुत शौकीन थे लहसन तो आप कच्ची बेनमक पिसवाकर खाया करते थे और इतना खाते थे कि आप के पसीने से लहसन की बू आने लगी थी. जो बहनें आपकी सेवा में रहती थीं वह उस गंध से घबरा उठीं थीं जो आपने तन से निकलती थी. पर, वह सब थीं भक्त, उस गंध को सहन करती थीं, और इस ख्याल से कि कहीं उनकी भक्ती को बढ़ा न लग जाय वह अपनी नाक तक बंद न करती थीं. यह तो पता नहीं कि आपने उन भक्तों का ख्याल कर के लहसन छोड़ा या नहीं, पर यह जरूर याद है कि एक बार लहसन की तारीफ में आपने यह कहा था कि यह आंतों की फिनाइल है, फिनाइल ! इस से सैकड़ों बीमारी के जर्म्स दूर भागते हैं. बापू, ठीक इसी तरह का एक तमाशा हमें बैशाखी के दिन दिल्ली में जमना के किनारे देखने को मिला. हम बाल बच्चों समेत चार बजे उठकर, जमना स्नान की भक्ति में डूबे हुए जमना की ओर चल दिये. उस भक्ति में हमें उस तकलीफ का कोई ध्यान ही न हो पाया जो हमें भीड़ में चलने से हुई. सिक्ख जवान लड़कों की उन समाज सेवाओं की तरफ जरा भी ध्यान न गया जो वह अपने साथियों को धक्का दे कर सामने से आती जवान लड़कियों पर गिरा कर कर रहे थे. हम इन सब अड़चनों को पार करते हुए ज्यों त्यों कर कुदसिया घाट पहुँचे. वहाँ पहुँचते ही बदबू का एक झोंका आया, हमारे साथियों ने नाकें बंद करना शुरू कीं, हमारा हाथ नाक तक पहुँचे पहुँचे कि हम जमना माई की सामने की सीढ़ियों पर जा पहुँचे. पता लगा यह बदबू जमना माई की है और दुर्गंध नाम से नहीं पुकारी जा सकती क्योंकि कि वह तो जमना माई के जल से आ रही थी जो बक गया था और जो शायद टखनों टखनों भी न था. जब फिनाइल की बू को बदबू नहीं कहा जाता और जब आप लहसन की बू को बदबू नहीं कहते थे, तब हम उसको कैसे दुर्गंध कहते. जमना माई के जल का बदबूदार कहना अपने को अभक्त साबित करना था. बस बापू हमने हिम्मत करके नाक नहीं बंद की, नहीं बंद की ! अपने साथियों को नाक बंद करने के लिये फटकारा कुछ पर धसर हुआ कुछ पर नहीं. जमना जी के जैसे पवित्र जल का अपमान करके गंदे जल में तबदील करने की बात भी हम न सोच सके. फिर उसमें पांख डाल उसे अपवित्र करने का पाप तो हम कर ही कैसे सकते थे. दिल्ली सरकार या दिल्ली सरकार की मातहत दिल्ली म्युनिस्पैलिटी ने बहुत सोच समझ कर बाधिरत डेढ़ बाधिरत डेढ़ एक पुख का

## बापू से

अगर हम भूलते नहीं हैं तो बापू, आप लहसन प्यास के बहुत शौकीन थे. लहसन तो आप कच्ची बेनमक पिसवाकर खाया करते थे और इतना खाते थे कि आप के पसीने से लहसन की बू आने लगी थी. जो बहनें आपकी सेवा में रहती थीं वह उस गंध से घबरा उठीं थीं जो आपने तन से निकलती थी. पर, वह सब थीं भक्त, उस गंध को सहन करती थीं, और इस ख्याल से कि कहीं उनकी भक्ती को बढ़ा न लग जाय वह अपनी नाक तक बंद न करती थीं. यह तो पता नहीं कि आपने उन भक्तों का ख्याल कर के लहसन छोड़ा या नहीं, पर यह जरूर याद है कि एक बार लहसन की तारीफ में आपने यह कहा था कि यह आंतों की फिनाइल है, फिनाइल ! इस से सैकड़ों बीमारी के जर्म्स दूर भागते हैं. बापू, ठीक इसी तरह का एक तमाशा हमें बैशाखी के दिन दिल्ली में जमना के किनारे देखने को मिला. हम बाल बच्चों समेत चार बजे उठकर, जमना स्नान की भक्ति में डूबे हुए जमना की ओर चल दिये. उस भक्ति में हमें उस तकलीफ का कोई ध्यान ही न हो पाया जो हमें भीड़ में चलने से हुई. सिक्ख जवान लड़कों की उन समाज सेवाओं की तरफ जरा भी ध्यान न गया जो वह अपने साथियों को धक्का दे कर सामने से आती जवान लड़कियों पर गिरा कर कर रहे थे. हम इन सब अड़चनों को पार करते हुए ज्यों त्यों कर कुदसिया घाट पहुँचे. वहाँ पहुँचते ही बदबू का एक झोंका आया, हमारे साथियों ने नाकें बंद करना शुरू कीं, हमारा हाथ नाक तक पहुँचे पहुँचे कि हम जमना माई की सामने की सीढ़ियों पर जा पहुँचे. पता लगा यह बदबू जमना माई की है और दुर्गंध नाम से नहीं पुकारी जा सकती क्योंकि कि वह तो जमना माई के जल से आ रही थी जो बक गया था और जो शायद टखनों टखनों भी न था. जब फिनाइल की बू को बदबू नहीं कहा जाता और जब आप लहसन की बू को बदबू नहीं कहते थे, तब हम उसको कैसे दुर्गंध कहते. जमना माई के जल का बदबूदार कहना अपने को अभक्त साबित करना था. बस बापू हमने हिम्मत करके नाक नहीं बंद की, नहीं बंद की ! अपने साथियों को नाक बंद करने के लिये फटकारा कुछ पर धसर हुआ कुछ पर नहीं. जमना जी के जैसे पवित्र जल का अपमान करके गंदे जल में तबदील करने की बात भी हम न सोच सके. फिर उसमें पांख डाल उसे अपवित्र करने का पाप तो हम कर ही कैसे सकते थे. दिल्ली सरकार या दिल्ली सरकार की मातहत दिल्ली म्युनिस्पैलिटी ने बहुत सोच समझ कर बाधिरत डेढ़ बाधिरत डेढ़ एक पुख का



को अलौकिक शक्तियों के फेर में नहीं पड़ना चाहिये, वे शक्तियां आदमी को रास्ते से भटका देती हैं। उसे चाहिये कि सब प्राणियों के अन्दर उसी एक ईश्वर को देखने की कोशिश में लगा रहे, यह सब अलौकिक शक्तियां नष्ट नष्ट का अहंकार पैदा करके आदमी को फंसाए रखती हैं, इसलिये चाहिये कि वह सब के अन्दर के भगवान को देखने की कोशिश में लगा रहे, यही अमर जीवन हासिल करने का रास्ता है।

बिना इस परोपकार भाव और इस त्याग भाव के भी  
 आदमी बड़ी बड़ी शक्तियाँ हासिल कर सकता है और  
 बाहर की प्रकृति पर क़ाबू पा सकता है, पच्छिम के  
 साइन्स वालों ने ऐसा किया भी है, लेकिन इससे आत्मा  
 की शांति नहीं मिलती, अपने अपने दिलों के खोज करने  
 पर सब को अपने अन्दर अशांति और असन्तोश ही दिखाई  
 देता है, इस असन्तोश में भी एक तरह का सुख है, नशा  
 है, तेज़ी है, टाप टाप है, तड़क भड़क है, गैस बिजली और  
 महल हैं, युद्ध के मैदान और लाखों और करोड़ों की तड़प  
 तड़प कर मौत है, जिन लोगों की आत्माएं अभी इसी दर्जे  
 तक पहुँची हैं, और जो इस बुझार में मुबतला हैं उन पर  
 इन उपदेशों का कोई असर नहीं हो सकता, उन्हें उस समय  
 तक उन्हीं के रास्ते पर चलने देना चाहिये जब तक कि  
 उनके अन्दर से आवाज़ न आवे, और कड़वे तजरबे के  
 बाद वह इस अधोमार्ग यानी क़ौसे नज़ूल से मुड़ कर ऊर्ध्व  
 मार्ग यानी क़ौसे उरूज पर न चलने लगें ऊर्ध्व मार्ग यानी  
 ऊपर की चढ़ाई में भी बड़े बड़े तजरबे होते हैं, बड़ी बड़ी  
 शक्तियाँ खुलती हैं, बाहर की प्रकृति यानी क़ुदरत के ऊपर  
 भी और अपनी आत्मा के ऊपर भी वो वो शक्तियाँ खुलती  
 हैं जो उतार के रास्ते की शक्तियों से कहीं बढ़ कर होती हैं,  
 फ़रक केवल यह होता है कि साइन्स फिर आत्मा की दामी  
 बन कर काम करता है, मनुष्य उन शक्तियों का उपयोग  
 दूसरों के यानी सब के भले के लिये करता है और पग पग  
 पर यह देखता परखता रहता है कि कहीं अपने भूटे स्वार्थ  
 या खुशी के असर में आकर वह उन शक्तियों का शलत  
 इस्तेमाल तो नहीं कर रहा है, इस मार्ग पर हर आदमी  
 अपने तन मन धन और अपनी सारी शक्तियों को सब की  
 अमानत समझता है, यही इन्सानी तरक्क़ी यानी मानव  
 इन्नति की असली राह है, यह इस लोक और परलोक  
 दोनों की भलाई, खुशहाली और बढ़ौती की राह है।

کو الٹک شکستوں کے پھر میں نہیں پڑتا چاہئے، یہ شکستیں آدمی کو راستہ سے بہکا دیتی ہیں۔ اے چاہئے کہ سب پرواہوں کے اندر اسی ایک ایہرو کو دیکھنے کی کوشش میں لگا دے، یہ سب الٹک شکستیں ملے ملے قہقہے کا اعلکار پیدا کرنے آدمی کو پہنچائے رکھتی ہیں، اس لئے چاہئے کہ وہ سب کے اندر بے بہرہوں کو دیکھنے کی کوشش میں لگا دے، یہی امر چہون حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

یہاں اس پر ہنگامہ بھاؤ اور اس تھاک بھاؤ نے بھی آدمی بڑی بڑی شکستیں حاصل کر سکتا ہے اور باہر کی پرکرتی پر قابو پاسکتا ہے۔ بدھم نے سائنس دانوں نے ایسا کیا بھی ہے۔ لیکن اس سے آتما کی شانتی نہیں ملتی۔ اچھے اچھے فلسفوں کی کھوج کرنے پر سب کو اچھے اندر اشرافی اور استغویٰ ہی دلہائی دیتا ہے۔ اس استغویٰ میں بھی ایک طرح کا سکھ ہے، نفع ہے، توبہ ہے، ٹیپ ٹپ ہے، ٹوک بھوک ہے، کوس بھلی اور سھل ہوں، پدہ کے مہدائیں اور لالہوں اور کروڑوں کی ٹروپ ٹوپ ٹر موت ہے۔ جن لوگوں کی آتماں ابھی اسی درجہ تک پہنچتی ہیں اور جو اس بھار میں مبتلا ہیں ان پر ان 'اپدہوں' کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ انہوں اس سے تک انہوں کے راستہ پر چلنے دینا چاہئے جب تک کہ ان کے اندر سے آواز نہ آوے اور دوسرے تجربے کے بعد وہ اس ادھرمارگ یعنی قوس نزول سے مڑ کر آوندھرومارگ یعنی قوس عروج پر نہ چلے گئے۔ آوندھرومارگ یعنی اوپر کی چڑھائی میں بھی بڑے بڑے تجربے ہوتے ہیں، بڑی بڑی شکستیں کھلتی ہیں، باہر کی پرکرتی یعنی قدرت نے اوپر بھی اور اپنی آتما نے اوپر بھی وہ وہ شکستیں کھلتی ہیں جو آثار کے راستہ کی شکستوں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہیں۔

نور قبول یہ ہونا ہے کہ سائنس پھر آتما کی داسی بن کر کام کرتی ہے، مشغولہ ان شکستوں کا، ابھوک دوسروں کے یعنی سب کے بہانے کے لئے کرتا ہے اور پگ پگ پر یہ دیکھتا پڑھتا رہتا ہے کہ کہیں اچھے تجربے سوارانہ یا خودی کے اثر میں اثر رہے ان شکستوں کا غلط استعمال تو نہیں کر رہا ہے۔ اس مارگ پر ہر آدمی اچھے تن من دھن اور اپنی ساری شکستوں کو سب کی اسانت سمجھتا ہے۔

یہی انسانی کرتی یعنی مانو اتی کی اصلی راہ ہے۔ یہ اس لوک اور پرلوک دونوں کی بھائی، خوشحالی اور بڑھتی کی راہ ہے۔



( ریشیٹ ناٹ ڈیٹل ), اور من. بچن, اور کرم تینوں کو پاک رکھا. ایسا نے کہا ہے کہ ہمارے جیون حاصل کرنے کے لیے یانی کا 'میل' بنانے کے لیے سب پرانے راہ دیکھانے والے یہی उपदेश دیتے رہے ہیں۔

مोहम्मद ساہب نے بھی اس طرح کے سختیوں کے لیے 'فکر' اور 'سکت' یعنی اہمیت اور سکتوں کا उपदेश دیا ہے۔ ایک مشہور حدیث ہے :-

अल फुको फखरी.

یانی میں اپنی فکری کا अभिमान ہے.

वैदिक धर्म में सन्यासियों के लिए हुकुम है कि वह रुपये पैसे या धन को हाथ न लगावें.

इस्लाम ईसा ने अपने चेलों को हुकुम दिया था कि वे "अपने धैलों में सोना, चांदी, या पीतल न रखें." लिखा है कि 'ईसा के पास कोई चीज या कोई जगह ऐसी नहीं थी जहां सिर धर कर लेट सके'

सेंट पीटर को जब किमी ने ईसाई धर्म के प्रचार के लिए धन देना चाहा तो उन्होंने यह कह कर लेने से इनकार कर दिया—"तेरा धन तेरे साथ ही नष्ट हो. क्योंकि तू समझता है कि ईश्वर का वरदान धन से खरीदा जा सकता है." ( बाइबल ).

यह सब रास्ता अपनी खुशी को मिटाने और सबके अन्दर रहे हुए खुदा को पहचानने का रास्ता है.

इस रास्ते में एक बड़ा डर यह है कि बीच में आदमी को अनीसी ताकतें, करामात और अद्वि मिद्धि लुमाने जाती हैं और बहुत से लोग उन्हीं में फंस कर रह जाते हैं. इसके लिये एक सूफी ने लिखा है :-

दरां मंजिल बुअद कस्को करामात,  
बले बायद गुजरतन जां मुक्रामात  
अगर दुनिया व उक्रबा पेश आयद,  
नजर करदन दरां हरशिय न शायद  
अगर गरदो तू दरे तौहीद फानी  
ब हक याबी बक्राये जिन्दगानी

इस रास्ते में कस्को और करामात यानी अद्वि सिद्धि मिलती हैं, लेकिन आदमी को चाहिये कि उनका झोड़ कर आगे बढ़ जाय. अगर लोक और परलोक दोनों उसके सामने आ जावें तब भी उसे चाहिये कि उनकी तरफ आंख उठा कर भी न देखे. अगर तू तौहीद यानी एक ईश्वर के अन्दर अपने को मिटा दे तो हक (अल्लाह) के अन्दर हमेशा के लिये अमर हो जाय.

योगसूत्र में, शंकराचार्य के शारीरिक भाष्य में, और आगबत तीनों में जगह जगह साफ साफ लिखा है कि योगी

( رزست ناٹ اہل ) اور من 'بچن' اور کرم تینوں کو پاک رکھو. عیسائی نے کہا ہے کہ ہمارے جیون حاصل کرنے کے لئے یعنی کامیابی کے لئے سب پرانے راہ دیکھانے والے یہی اہمیت دیتے رہے ہوں.

محمّد صاحب نے بھی اس طرح کے کھوجوں کے لئے 'فکر' اور 'سکت' یعنی اہمیت اور سکتوں کا اہمیت دیا ہے. ایک مشہور حدیث ہے :-

ال فقر و الفخری

یعنی مجھے اپنی فقری کا ابھمان ہے.

ویدک دھرم میں سنیاسیوں کے لئے حکم ہے کہ وہ روپے پैसे یا دھن کو نہ لیں.

حضرت عیسیٰ نے اپنی چھڑوں کو حکم دیا تھا کہ وہ "اپنی تھیلوں میں سونا، چاندی، یا پیتل نہ رکھیں." لکھا ہے کہ "عیسیٰ نے پاس کوئی چھڑ یا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں سر دھر کر لوٹ سکیں."

سینٹ پیٹر کو جب کسی نے عیسائی دھرم کے پرچار کے لئے دھن دینا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر لہجے سے انکار کر دیا—"تمہارا دھن تمہارے ساتھ ہی نشت ہو، کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ ایشور کا وردان دھن سے خریدا جاسکتا ہے." ( بائبل )

یہ سب راستہ اپنی خودی کو مٹانے اور سب کے اندر رہے ہوئے خدا کو پہچاننے کا راستہ ہے.

اس راستے میں ہوا قدر یہ ہے کہ بچ میں آدمی کو انوکھی طاقتوں، کرامات اور دھمی سدھی لہجے جاتی ہوں اور بہت سے لوگ انہیں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں. اس کے لئے ایک صوفی نے لکھا ہے :-

دراں منزل بود کسف و کرامات,  
وے ہائد گذشتن زان مقامات  
اگر دنیا و عقبی یہیں آند  
نظر کردن دراں ہرگز نہ شاید  
اگر کردی تو در توحید فانی  
بہ حق یابی بقائے زندگانی

اس راستے میں کسف اور کرامات یعنی دھمی سدھی ملتی ہیں، لیکن آدمی کو چاہئے کہ ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے. اگر لوگ اور پرلوک دونوں اُس کے سامنے آجائیں تب بھی اُسے چاہئے کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے. اگر تو توحید یعنی ایک ایشور کے اندر آجے تو حق ( اللہ ) کے اندر ہمیشہ کے لئے ابر ہو جائے.

یوگ سوتر میں، شنکر اچاریہ کے شارک بھاشہ میں اور بھاکتیاہوں میں جگہ جگہ صاف صاف لکھا ہے کہ یوگی



دے دیتے جائیں۔ شہل یعنی نوکی ایسی ہو کہ بھی ہو  
 پورا ہو جائے پر بھی اسی نوکی سے نہ ملے۔ اچھا یا کسا  
 کسی چھوٹی سے چھوٹی چھوٹی ہو نہ رہ گئی ہو۔ بدھی انہی  
 صاف ہو نہ سب کے اندر ہی حقیقت (یعنی ایک ہی  
 آتما) دکھائی دیتی ہو، سب نے پہلے نے لگے سدا تن میں  
 لگا رہے، موت کے سامنے بھی سچائی پر قنّا رہے، ہوئی سے  
 ہوئی تکلیفوں میں ہوئی شانتی ملی رہے، دھوچ نہی  
 بھی ہاتھ سے نہ جائے، سب پر دیا اور پرہم دے اور نہ سچل  
 میں سے دنیا کے چلتے ہوئے چکر کو دیکھ۔

اس طرح نے ہمیں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی باہر سے ہفت ڈر اپنے اندر کی طرف مڑے اس سے دھوڑے دھوڑے اندر کی سبکی ہوئی طاقتیں جاگتی ہوں۔ دنیا کا سفر اور یہاں سے کوچ کا راستہ آسان ہو جاتا ہے' اہلکار پہلی خودی ملتی ہے، اور آدمی دھوڑے دھوڑے اپنے اصلی روپ کو پہچان کر اسی میں جا ملتا ہے۔ ہر مذہب کی کتابوں میں اس طرح کی اودھنی انصار اور اس طرح کے کامل لوگوں کے بیان ملتے ہیں جنہوں نے دھوڑے دھوڑے اس راستے کو طے کیا ہے۔

ہائیکلے نے اپنے یوگ سوتلوں میں ایسے کہو جیوں کے لئے پانچ ہم اور پانچ نیم گناہ ہیں، لکھا ہے کہ :-

اعلیٰ مستوی استے ہر دم چہ پایہ گراہا یمہ  
 شریعہ سلفہاں تہا سوادہاے ایشور ہر سہ دہائی نیمہ

اہلسا یعنی کسی جاندار کو ایذا نہ پہونچانا۔ سچائی

چوری نہ کرنا یعنی کسی طرح بھی دوسرے کا حق نہ لوگنا۔ ہر چیز پر یعنی ہر جگہ، اپنی کڑی یعنی اپنی ضرورت سے ادھک مال نہ جمع کرنا، یہ پانچ ہم ہوں۔ اور شہرچ یعنی پانی، سنکڑھ یعنی قلعہ، سپ یعنی اپنے گھر، لہر، سوادھما یعنی اچھی چھڑیں، پوہلا، اور ایشور پری سدھان یعنی اچے آپ کو چوری طرح اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا، یہ پانچ ہم ہوں۔

ایکھور پوری بھان کا ہے تھک تھک آمواد 'إعظام' شہد ہے۔ 'مسلم' کے لفظی معنی ہیں وہ آدمی جس نے اپنی آپ کو پوری طرح ایکھور کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو۔

میں نے کہا کہ میں اس کے لئے پوچھا تھا "اگر تمہیں اس کا جواب دینا ہے تو اس کا جواب دینا ہے" تو اس نے کہا کہ "اگر تمہیں اس کا جواب دینا ہے تو اس کا جواب دینا ہے"۔

ہندو دھرم میں اس راستے کو 'یوگ' اسلام میں  
'سلوک' اور عیسائی دھرم میں 'کھوہن' و 'گنڈ' کہا گیا ہے ۔

ایسے لوگوں کو حکم ہے کہ جب یہ انہیں کو اپنے دامن میں لے لیا ہے "ہرائی کا مقابلہ میں کو"



ہزارت موسا کی دس آگاہیوں میں سے پانچ یہ ہیں :—  
کسی کی جان مت لو، بھڑی گواہی مت دو، چوری  
مت کرو، بدچلتی مت کرو، اپنی پڑوسی کے مال کا لوہ  
مت کرو۔

ہزارت عیسا نے بھی انہی آگاہیوں کو دہرایا اور  
بڑایا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے :—لانا ہے ان پر جو سوہا اٹھتے  
ہیں اور دین میں شراہ پیتے ہیں ( بائبل، عیسا )۔

ایک دوسری جگہ انجیل میں لکھا ہے :—

سوسیہت کین پر آتی ہے؟ رنج کینہے ہوتا ہے؟  
مگدے کینہے کرنے پڑتے ہیں؟ بڑبڑانا کینہے پڑتا ہے؟  
بےکار شاہ کینہے لگاتے ہیں؟ آسٹن لال کینکی ہانتی  
ہیں؟ یہ وہ لگا ہیں جو بٹھ کر شراہ پیتے ہیں۔ اسلئے  
تو شراہ کی لالہ پر مت جاآ اور شراہ کے پالے  
سے دین ن لگاآ۔ آسٹن میں شراہ ساپ کی ترہ  
آدمی کو ہس لےتا ہے۔ اسے اپنے جہر سے مار ڈالتی  
ہے۔ ( Bible Proverbs, 23-29-32 ).

کوران میں لکھا ہے :—

آسٹا کے بندوں میں سے کسی کو کلا ن کرو،  
آسٹا نے اسے منا کیا ہے۔ سیباہ انساک کے لیے،  
بھڑ مت بولو، جو آدمی یا آسٹا چوری کرے اس کے  
ہاٹ کاٹ لےنے چاہیے، شراہ اور نرہ کی چیخیں شتان  
کی چالوں میں سے ہیں، جا لگا اپنا ہڈیاں پر کابو رکھتے  
ہیں اور بدچلتا نہیں کرتے۔

یہ پانچ آسٹا جینہے منو۔ بوڈ، موسا، عیسا،  
اور ماہممد سب نے ہزارت دہرایا ہے، مامولی گھڑیوں  
کے لیے ہیں۔ سنیاسیوں، مینو، یوگیوں، سالیوں،  
اور کھڑیوں کے لیے جو اُچی رھانا جیندگی بسر  
کرنا چاہتے ہیں، اس سے اور ہم میں تھ وہ لکوں کی اور  
اچھی طرح سہا کر سکتے۔ انہیں مندو دھرم میں ہم  
اور اسلام میں زہد اور ریاضت کہتے ہیں۔ اور ہر دھرموں  
میں ان کے دوسرے نام ہیں۔ اصل میں یہ اوپر کے پانچ  
نہیں نے ہی بڑھ ہوئے وہ ہیں۔

بوڈ مینو یا آسٹا کے لیے یہ پانچ باتیں بھی  
آسٹا ہیں :—

( 1 ) سیباہ نیت سم کے اور کبھی سانا نہیں  
خانا، ( 2 ) ناچ، گانا، بجانا، اور ناٹک نہیں  
دیکھنا، ( 3 ) فوٹ مالا، سٹریٹ فوٹ، اور سجاوٹ کی  
چیخیں سے بچنا، ( 4 ) اُچی آسٹا اور گدے دار جگہوں پر  
بٹھنا، اور ( 5 ) سونا، چاندی نہیں بربتانا۔ یہ پانچ  
میکر کر دس شیل ہو جاتے ہیں۔ آگے چل کر ان میں اور  
بھی کچھ کڑا ہوتی جاتی ہے۔ بوڈ مینو میں لکھا ہے :—

جان عیسا دو کہ یہ کسی کو بھی مانگے تو اسے

حضرت موسیٰ کی دس آگاہیوں میں سے پانچ یہ ہیں :—  
کسی کی جان مت لو، جھوٹی گواہی مت دو، چوری  
مت کرو، بدچلتی مت کرو، اپنی پڑوسی کے مال کا لوہ  
مت کرو۔

حضرت عیسیٰ نے بھی انہیں آگاہیوں کو دہرایا اور  
بڑایا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے :—

لکھا ہے ان پر جو صبح اٹھتے ہیں اور دن میں  
شراہ پیتے ہیں ( بائبل، عیسا )۔

ایک دوسری جگہ انجیل میں لکھا ہے :—

مصلحت کن پر آتی ہے؟ رنج کینہے ہوتا ہے؟  
جھگڑے کینہے کرنے پڑتے ہیں؟ بڑبڑانا کینہے پڑتا ہے؟  
بےکار لگا کینہے لگاتے ہیں؟ آسٹن لال کینکی ہانتی  
ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو بھگت شراہ پیتے ہیں۔ اس  
لئے ہم شراہ کی لالی پر مت جاؤ اور شراہ کے پالے  
سے دین نہ لگاؤ۔ آخر میں شراہ سانپ کی طرح آدمی  
کو دس لیتی ہے۔ اسے اپنے زہر سے مار ڈالتی ہے۔ ( Bible  
Proverbs 23-29-32 )

قرآن میں لکھا ہے :—

اللہ کے بندوں میں سے کسی کو قتل نہ کرو۔ اللہ نے  
اسے منع کیا ہے۔ سوائے انصاف کے لئے جھوٹ مت بولو  
جو آدمی یا عورت چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹ لے  
چاہئیں شراہ اور شرہ کی چوڑیں شطان کی چالوں  
میں سے ہیں، جو لوگ اپنی اندریوں پر قابو رکھتے ہیں  
اور بد چلتی نہیں کرتے وہی جہنم میں سہل ہوتے ہیں۔

یہ پانچ اصول جہنم میں بڑھ، موسیٰ عیسیٰ اور  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا ہے، معمولی گھڑیوں کے  
لئے ہیں۔ سنیاسیوں، بھگتوں، یوگیوں، سالیوں اور  
فقہروں کے لئے جو اُسکی روحانی زندگی بسر کرنا چاہتے  
ہیں، اس سے اور ہم میں تھ وہ لکوں کی اور  
اچھی طرح سہا کر سکتے۔ انہیں مندو دھرم میں ہم  
اور اسلام میں زہد اور ریاضت کہتے ہیں۔ اور ہر دھرموں  
میں ان کے دوسرے نام ہیں۔ اصل میں یہ اوپر کے پانچ  
نہیں نے ہی بڑھ ہوئے وہ ہیں۔

بوڈ بھگتوں یا شراہوں کے لئے یہ پانچ باتیں بھی  
ضروری ہیں :—

( 1 ) سوائے نیت سم کے اور کبھی کھانا نہیں کھانا،  
( 2 ) ناچ، گانا بجانا اور ناٹک نہیں دیکھنا، ( 3 )  
پھول مارا، مٹر پھل، اور سجاوٹ کی چوڑیوں سے بچنا،  
( 4 ) اُسکی آسٹا اور گدے دار جگہوں پر نہیں بٹھنا،  
اور ( 5 ) سونا، چاندی نہیں بربتانا۔ یہ پانچ مل کر دس  
شیل ہوجاتے ہیں۔ آگے چل کر ان میں اور بھی کچھ  
کڑا ہوتی جاتی ہے۔ بوڈ بھگتوں میں لکھا ہے :—

جان عیسا دو کہ یہ کسی کو بھی مانگے تو اسے



हिन्दू धर्म में मनु को सब से पहला राह दिखाने वाला माना जाता है। मनु ने जिसे आदमी का सामासिक धर्म बताया है वह वही है जिसे योगशास्त्र में पांच धर्म कह कर बखान किया गया है। उसी को बुद्ध ने पांच गीन कहा है। यही पांच असून मूमा की दस आक्षाओं में हैं इन्हीं को हस्तरत ईसा ने दोहराया। यही हमें करान में मिलते हैं। मनु-स्मृति में लिखा है :—

अहिंसा सत्यमस्तेयं  
शौचं इन्द्रिय निग्रह  
एतम् सामासिकम् धर्मम्,  
चातुर्वर्ण्ये ज्ञेयान्मनुः

यानी, अहिंसा ( किसी को ईजा न पहुँचाना ), सचाई, चोरी न करना, सफाई और अपनी इन्द्रियाँ यानी नपस को क्राबू में रखना। यही थोड़े से शब्दों में मनु के अनुसार मनुष्य मात्र का धर्म है, चाहे वह किसी भी पेशे के हों।

- बुद्ध ने हर आदमी के लिये धर्म के पांच अमूल गिनाए हैं जिन्हें सर एडविन आरनाल्ड ने अपनी मञ्जूर, सुन्दर और अमर किताब “दी लाइट आफ एशिया” में इस तरह अनुवाद कर के बताया है :—

( 1 ) किसी की जान मत लो ताकि ऐसा न हो किसी छोटी से छोटी चीज की उन्नति में भी तुम से रुकावट पड़ जावे, ( 2 ) भूटी गवाही मत दो। भूट मत बोलो, सचाई ही अन्दर की पवित्रता को बाहिर करती है, किसी की निन्दा न करा, ( 3 ) लोगों से लेन देन करो पर लोभ, जबरदस्ती, या छल से किसी का चीज मत लो, ( 4 ) शराब और नशे की चीजों से बचो। इन से अकल खराब होती है, जिन लोगों के मन और तन साफ हैं उन्हें साम-रस की कोई जरूरत नहीं, ( 5 ) किसी स्त्रा की तरफ बुरी निगाह से न देखो। आत्मा को ऊंचा रखने के यह ही पांच उपाय हैं।

जैन शास्त्रों में लिखा है :—

आदमी के लिए पांच व्रत यह हैं :—किसी की जान न लेना, भूट न बोलना, जबरदस्ती किसी की चीज न लेना, व्यवहार यानी बदचलनी न करना, और अपनी असली आवश्यकता से अधिक माल अपने पास न रखना।

जैन ग्रन्थों में कहीं कहीं इनके साथ शराब, मांस और मद्य का त्याग भी बताया गया है।

ज्ञानार्थ में लिखा है :—

किसी को मारना भूट बोलना, चोरी करना, बदचलनी और लोभ, इन पाँचों को छोड़ देना और सबका भला चाहना, यही धर्म का सार है।

हल्दु धर्म में मनु को सब से बेह राह दिखाने वाला माना जाता है। मनु ने जिसे आदमी का सामासिक धर्म बताया है वह वही है जिसे योगशास्त्र में पांच धर्म कह कर बखान किया गया है। उसी को बुद्ध ने पांच गीन कहा है। यही पांच असून मूमा की दस आक्षाओं में हैं इन्हीं को हस्तरत ईसा ने दोहराया। यही हमें करान में मिलते हैं। मनु-स्मृति में लिखा है :—

अहिंसा सत्यमस्तेयम्  
शौचम् इन्द्रिय निग्रह  
एतम् सामासिकम् धर्मम्,  
चातुर्वर्ण्ये ज्ञेयान्मनुः

यानी, अहिंसा ( किसी को ईजा न पहुँचाना ), सचाई, चोरी न करना, सफाई और अपनी इन्द्रियाँ यानी नपस को क्राबू में रखना। यही थोड़े से शब्दों में मनु के अनुसार मनुष्य मात्र का धर्म है, चाहे वह किसी भी पेशे के हों।

( 1 ) किसी की जान मत लो ताकि ऐसा न हो किसी छोटी से छोटी चीज की उन्नति में भी तुम से रुकावट पड़ जावे, ( 2 ) भूटी गवाही मत दो। भूट मत बोलो, सचाई ही अन्दर की पवित्रता को बाहिर करती है, किसी की निन्दा न करा, ( 3 ) लोगों से लेन देन करो पर लोभ, जबरदस्ती, या छल से किसी का चीज मत लो, ( 4 ) शराब और नशे की चीजों से बचो। इन से अकल खराब होती है, जिन लोगों के मन और तन साफ हैं उन्हें साम-रस की कोई जरूरत नहीं, ( 5 ) किसी स्त्रा की तरफ बुरी निगाह से न देखो। आत्मा को ऊंचा रखने के यह ही पांच उपाय हैं।

जैन शास्त्रों में लिखा है :—

आदमी के लिए पांच व्रत यह हैं :—किसी की जान न लेना, भूट न बोलना, जबरदस्ती किसी की चीज न लेना, व्यवहार यानी बदचलनी न करना, और अपनी असली आवश्यकता से अधिक माल अपने पास न रखना।

जैन ग्रन्थों में कहीं कहीं इनके साथ शराब, मांस और मद्य का त्याग भी बताया गया है।

ज्ञानार्थ में लिखा है :—

किसी को मारना भूट बोलना, चोरी करना, बदचलनी और लोभ, इन पाँचों को छोड़ देना और सबका भला चाहना, यही धर्म का सार है।



## भक्ति यानी इश्क का रास्ता

( डाक्टर भगवानदास )

भक्ति मार्ग यानी इश्क की राह कोई अलग राह नहीं है, आदमी की ज़िन्दगी में ज्ञान यानी "मारफत" इच्छा यानी इनाहिश, और काम यानी अमल, तीनों साथ साथ चलते हैं, उन्हें एक दूसरे से बिनकुल अलग नहीं किया जा सकता, केवल समझने की आसानी के लिए हम इन्हें अलग अलग बयान करते हैं, भक्ति का सम्बन्ध आदमी की इच्छा, उसके दिल के भावों और जज़बों से है भक्ति, प्रेम, यानी इश्क एक तरफ आत्मा का ऊँचा उठाना है और दूसरी तरफ दिल की गहराइयों को साफ़ कर के उनमें उजाला पैदा करता है, इसी से आदमी का सदाचार मफ़ता और उभरता है,

ज्ञान को अगर हम आदमी का सिर कहें तो प्रेम आदमी का दिल है, और अमल आदमी के हाथ पैर हैं, इन तीनों को मिला कर ही पूरा आदमी बनता है साधारण मानव प्रेम, जिसे इश्क मजाजी कहते हैं, जीवन में आनन्द पैदा करता है, यह मानव प्रेम भगवद् भक्ति का जिसे अख़्तानन्द या इश्क़े हकीक़ी कहा जाता है केवल एक अवस्था है, इसलिए भगवद् भक्ति या इश्क़े इलाही ही सुख का असली स्रोत है,

दुनिया भर की साइन्स और इल्म, अगर उसके साथ दिल की ऊँचाई और गहराई न हो तो ऐसा ही है जैसा बे पानी का रेगिस्तान या वह रूखे नगे पहाड़ जिन पर कोई हरियाली न हो, साइन्स बिना प्रेम के केवल एक मुरदा लाश है, एक सुन्दर शरीर जिसमें रूह या जान नदारद, ज्ञान की जब प्रेम के साथ शादी रची जाती है तभी वह दोनों मिल कर एक शरीर बनते हैं, तभी उनसे अच्छे अच्छे कामों के बच्चे पैदा होते हैं, इन दोनों में से हर एक दूसरे के बिना अधूरा है, साइन्स के साथ जब तक प्रेम और परोपकार का मेल न हो तब तक सच्ची बुद्धि पैदा नहीं हो सकती, इनका मेल होने पर ही आदमी में अज़ल सलीम जागती है, इस मेल से ही असली मानव धर्म, यानी मज़हबे इनसानियत जनम लेता है, इस धर्म को हम अपने अन्दर जगा लें तो दुनिया भर का नेमते अपने आप हमारे पैरों पर आ गिरे, इसके बिना ज़िन्दगी बेकार और बाँक है,

सब धर्म मज़हबों में आदमी के लिए इख़लाक़ या सदाचार के जो नियम बताए गए हैं वह सब इसीलिए एक से हैं क्योंकि वह ज्ञान और प्रेम के इसी मेल से निकले हैं और इसी पर कायम हैं,

## बेहती یعنی عشق کا راستہ

( قاتر بھوان داس )

بہتی مارگ یعنی عشق کی راہ کوئی الگ راہ نہیں ہے، آدمی کی زندگی میں ج्ञान ج्ञان یعنی "مارفٹ" اچھا یعنی خواہش، اور کام یعنی عمل، تینوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، انہیں ایک دوسرے سے بالکل الگ نہیں کیا جا سکتا، کھول سمجھنے کی آسانی کے لئے ہم انہیں الگ الگ بیان دیتے ہیں، بہتی کا سمبندھ آدمی کی اچھا اس کے دل کے بہاؤ اور جذبوں سے ہے، بہتی 'پریم' یعنی عشق ایک طرف آتما کو اونچا اٹھاتا ہے اور دوسری طرف دل کی گہرائیوں کو صاف کر کے ان میں اچھا پیدا کرتا ہے، اسی سے آدمی کا سداچار مصلحہ اور بھرتا ہے،

جہان کو اگر ہم آدمی کا سر کہیں تو پریم آدمی کا دل ہے، اور عمل آدمی کے ہاتھ پیر ہیں، ان تینوں کو ملا کر ہی پورا آدمی بنتا ہے، سادھارن مانو پریم جسے عشق منجاری کہتے ہیں، جہان میں اسلند پیدا کرتا ہے، یہ مانو پریم بھگوت بہتی کا جسے برہما مہد یا عشق حقیقی کہا جاتا ہے بھول ایک مفس ہے، اس لئے بھگوت بہتی یا عشق الہوی ہی سکھ ۵ اصلی سوت ہے،

دنیا بھر کی سائنس اور علم، اگر اس کے ساتھ دل کی اونچائی اور گہرائی نہ ہو تو ایسا ہی ہے جیسا ہے پانی کا ریگستان یا وہ رُوخے بلکے پہاڑ جن پر کوئی ہریالی نہ ہو، سائنس بلا پریم کے کھول ایک مردہ لاش ہے، ایک سلندر شہیر جس میں روح یا جان ندارد، جہان کی جب پریم کے ساتھ شادی رچی جاتی ہے تبھی وہ دونوں مل کر ایک شہیر بنتے ہیں، تبھی ان سے اچھے اچھے کاموں کے بچے پیدا ہوتے ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بلا ادھورا ہے، سائنس کے ساتھ جب پریم اور پروکار کا مہل نہ ہو تب تک سچی بدھی پیدا نہیں ہو سکتی، ان کا مہل ہونے پر ہی آدمی میں عقل سلیم جانتی ہے، اس مہل سے ہی اصلی مانو دھرم یعنی مذہب انسانیت جنم لیتا ہے، اس دھرم کو ہم اچے اندر چکا لیں تو دنیا بھر کی نعمتیں اچے آپ صاف بھروسہ پر آئیں، اس کے بلا زندگی بھکار اور باسجہ ہے،

سب دھرم مذہبوں میں آدمی کے لئے اخلاق یا سداچار کے جو نم بتاتے ہیں وہ سب اس لئے ایک سے ہیں کیونکہ وہ جہان اور پریم کے اسی مہل سے نکلے ہیں اور اسی پر قائم ہیں،



# نیا ہند

جلد 14

جون، سن '53

نمبر 6

نمبر 6

جون، سن '53

جلد 14

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھونکے گا ہر گھر پر لیے پریم کی مولا۔

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھونکے گا ہر گھر پر لیے پریم کی مولا۔

کسیا ؟

کسیا ؟

جب تو نہیں ہیں تم تو وصال یار کسیا ؟  
ہیں توک میں میں سما یا تب انتظار کسیا ؟

جب تو نہیں ہیں تم تو وصال یار کسیا ؟  
ہیں توک میں میں سما یا تب انتظار کسیا ؟

جب روبرو ہیں دونوں، جب دُور ہیں دونوں  
واپس آکر کسیا ؟ اور انتظار کسیا ؟

جب روبرو ہیں دونوں، جب دُور ہیں دونوں  
واپس آکر کسیا ؟ اور انتظار کسیا ؟

دل میں چھوٹے ہیں کچھ تو نظر نہیں جب  
جب ہے نہیں چکر ہے، تو چکر ہے وار کسیا ؟

دل میں چھوٹے ہیں کچھ تو نظر نہیں جب  
جب ہے نہیں چکر ہے، تو چکر ہے وار کسیا ؟

اب کس لیے نصیحت اور کہا دہی نصیحت  
اب راز دار کسیا ؟ اور ہم گداور کسیا ؟

اب کس لیے نصیحت اور کہا دہی نصیحت  
اب راز دار کسیا ؟ اور ہم گداور کسیا ؟

مرنا تو زندگی ہے مرنا سری تری  
سو بار کہیں نہ ہو وہ، اب ایک بار کسیا ؟

مرنا تو زندگی ہے مرنا سری تری  
سو بار کہیں نہ ہو وہ، اب ایک بار کسیا ؟

خیندا یا میں تو مر رہا، تھی آپ کی مہربانی  
اب یہ سماجی کسیا ؟ اور یہ مزار کسیا ؟

خیندا یا میں تو مر رہا، تھی آپ کی مہربانی  
اب یہ سماجی کسیا ؟ اور یہ مزار کسیا ؟

—مہربانی—

—مہربانی—



”کھیا دیند“

# ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

جون 1953

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

کھیا کس سے

صفحہ

کس سے

1—کےسا؟ (کویتا) —بگواندین	313	...	—کےسا؟ (کویتا) —بگوان دین
2—مکت یا نو دھرم کا راستہ —ڈاکٹر بگوانداس	314	...	—بگوان دین مکت کا راستہ —ڈاکٹر بگوان داس
3—باپ سے —بگواندین	320	...	—باپ سے —بگوان دین
4—ہندوستانی شہریات کا ساتواں اصول : ہندوستانی میں باہری لفظوں کی نسبت بندی —ڈاکٹر جاکر حسن	323	...	—ہندوستانی شہریات کا ساتواں اصول : ہندوستانی میں باہری لفظوں کی نسبت بندی —ڈاکٹر جاکر حسن
5—ہنگری کا بھوم سوار —گنگا شرن	324	...	—ہنگری کا بھوم سوار —گنگا شرن
6—پیکنگ سے —ڈاکٹر بگوان شرن وپادھیان	330	...	—پیکنگ سے —ڈاکٹر بگوان شرن وپادھیان
7—بالک ایک چمکری پراسی —بگوان دین	339	...	—بالک ایک چمکری پراسی —بگوان دین
8—دو بھوکے ! (کہانی) —مونیو ریجیوی	346	...	—دو بھوکے ! (کہانی) —مونیو ریجیوی
9—پراسی کی ڈائری —پراسی	355	...	—پراسی کی ڈائری —پراسی
10—کھ کتاہیں —	361	...	—کھ کتاہیں —
11—ہماری رات —	363	...	—ہماری رات —
بکلمنسی میں ایشواس —سندر لال ؛ بھودان اور اور بکلمنسی میں ایشواس —سندر لال ؛ بھودان اور اور بکلمنسی میں ایشواس —سندر لال ؛ بھودان اور			

کلیات — ہندوستان میں ہے کھیا ساک، کھیا دس کھیا  
کلیات، کھ پرچا دس کھیا

مکتور

کھیا دیند

145

کلیات — ہندوستان میں ہے کھیا ساک، کھیا دس کھیا  
کلیات، کھ پرچا دس کھیا

مکتور

کھیا دیند

145







## حضرت محمد اور اسلام

لکھک—سندر لال

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن سن 1941 میں نکلا تھا۔ دیکھ لے اس کا سرائت کیا اور جلدی وہ حتم ہو گیا۔ دوسرے ایڈیشن کی مانگ اس سے ہو رہی تھی۔ پر وہ اب ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس ایڈیشن کو پبلش سندر لال جی احتیاط کے ساتھ دیکھ گئے تھے۔ بہت سے بزرگوں اور ساتھیوں کی قیمتی رائے اور مشوروں سے اس میں فائدہ اٹھا یا گیا ہے۔ نئے ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب نے شروع میں پبلش بشمیر ناتھ نے دس صفحے کا ایک کمپوزر اور ڈیزائنر نوٹ یعنی آئیکہ لکھا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد کی سادگی اور بے مثال زندگی—ایک ایسی زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دروزوں کے جہوں کو روشن کیا ہے—کی جھلک ملتی ہے۔ اس سے بڑھ چلنے والا کہ کس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جیسے دلہا دوسری اور فرقہ پرست دیکھ لی گئی پبلش دی بلکہ ایک نئے دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

اس میں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی کافی مانگ ہوگی اور پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سندر لال، بدلیا ڈبیل ڈیمائی کاراج پر لکھتے ہیں۔ 160 صفحے، کئی تصویروں اور نقشوں کے ساتھ کتاب کا صرف تین روپے۔

ملنے کا پتہ—

مئینجر 'نیا ہند' 145، سڈی گنج، شلاہا آباد۔

## حضرت محمد اور اسلام

لکھک—سندر لال

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن سن 1941 میں نکلا تھا۔ دیکھ لے اس کا سرائت کیا اور جلدی وہ حتم ہو گیا۔ دوسرے ایڈیشن کی مانگ اس سے ہو رہی تھی۔ پر وہ اب ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اس ایڈیشن کو پبلش سندر لال جی احتیاط کے ساتھ دیکھ گئے تھے۔ بہت سے بزرگوں اور ساتھیوں کی قیمتی رائے اور مشوروں سے اس میں فائدہ اٹھا یا گیا ہے۔ نئے ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب نے شروع میں پبلش بشمیر ناتھ نے دس صفحے کا ایک کمپوزر اور ڈیزائنر نوٹ یعنی آئیکہ لکھا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کی اصلی تعلیم اور اس کے بنیادی اصولوں کی جانکاری ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد کی سادگی اور بے مثال زندگی—ایک ایسی زندگی جس نے صدیوں سے لاکھوں دروزوں کے جہوں کو روشن کیا ہے—کی جھلک ملتی ہے۔ اس سے بڑھ چلنے والا کہ کس طرح حضرت محمد نے نہ صرف عرب جیسے دلہا دوسری اور فرقہ پرست دیکھ لی گئی پبلش دی بلکہ ایک نئے دھرم، ایک نئے راج اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

اس میں یقین ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح اس کی بھی کافی مانگ ہوگی اور پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سندر لال، بدلیا ڈبیل ڈیمائی کاراج پر لکھتے ہیں۔ 160 صفحے، کئی تصویروں اور نقشوں کے ساتھ کتاب کا صرف تین روپے۔

ملنے کا پتہ—

مئینجر 'نیا ہند' 145، سڈی گنج، شلاہا آباد۔



# हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

## هندستانی کلچر سوسائٹی

### ५. मक़सद

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढ़ाना, फैलाना और प्रचार रना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(2) एकता फैलाने के लिये कताबों, अखबारों, रिमालो वगैरा का छापना.

(3) पढ़ाई, धरो, किताब धरो, सभाओं, कानफरेन्सों, लेक्चरों से सब धर्मों, जातों, बिरादरियों और फिक्तों में आपस का मेल बढ़ाना

—:~:—

सांसाइटी के प्रेसीडेन्ट—मि० अब्दुल मजीद खानजा,  
वाइस प्रेसीडेन्ट—डा० भगवाननाम और डा० अब्दुल  
हक गवर्निंग बाडी के प्रेसीडेन्ट—डा० भगवाननाम,  
सेक्रेटरी - पं० सुन्दरलाल.

**गवर्निंग बाडी के आंग मेम्बर—**

डा० सैयद महमूद, डा० ताराचन्द, मौलवी सैयद  
मुलेमान नदवी, मि० मज्जर अली मोंगला, श्री बी० जी०  
खंर, प० विशम्भर नाथ महात्मा भगवानदीन, मेठ पूनम  
चन्द रांका, क्राप्पी मोहम्मद अब्दुल राफ़ाग और श्री आम  
प्रकाश पालीवाल.

मेम्बरी के कायदों के लिये लिखिये—

मृन्दरलाल

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

145, मुर्दागंज, इलाहाबाद

नोट—मोसाइटी के नए कायदे के अनुसार मेम्बरों की फीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है, “नया हिन्द” के जो गाहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ छै रुपया चन्दा देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा, अलग से मेम्बरों की फीस देने वाले मोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या ज्यादा दाम की किताब लेने पर एक बार एक रुपया कम करा सकेंगे.

میتھ

(1) ایک ایسی سندسٹانی لکچر کا بہانا، پہلانا اور پچار کرنا جس میں سب سندسٹانی شامل ہوں۔

(۱) ایکٹا پہلانے کے لئے ائمہ فقہانوں، احمادوں، رسالوں  
وہودہ کا جہانہ

(۱) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کلب دسوں  
لوکچروں سے سب گھروں، چاروں، برادریوں اور فرقوں میں  
آپس کا مہل بھانا۔

— 22 —

سوسائٹی نے پیسہ دیتا — مسٹر عبدالعزیز دواخہ  
 وائس پیسیدیت — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالعزیز  
 کورنگ بانی نے پیسہ دیتا — ڈاکٹر بھگوان داس  
 سکریٹری — یحییٰ سید لال

گورنگ واڈی نے اور محسب —

ڈاکٹر سید منصور، ڈاکٹر نارا چند، مولوی سید  
 سلیمان ندوی، مسٹر مظفر علی سوختہ، شیخی بی بی  
 نور، پرنسپل رشید خان، مہاتما بھگوان دین، سیٹھ یونس  
 چند راسا فاضل، محمد عبدالغفار اور شیخی اوم پرکاش  
 بالہوال

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

19, 1954

حکومتی و دستاویزاتی

۱۱۵) منتهی کلبی، 'الہ آباد'.

نوٹ۔۔۔ سوسائٹی نے نئے قاعدے نے اسوساں ممبری کی  
 مہس صرف ایک روپیہ کڑی لٹی ہے ”بھا ہند“ نے  
 سو لاکھ ممبر ملنا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ  
 دینے پھر ممبر ملنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
 مہس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب ہو  
 ایک روپیہ دام کی ہوگی مہس لے سکیں گے یا زیادہ دام  
 پر کتابوں لہند۔ یہ ایک دوسرا ایک روپیہ کم کرنا سیکھنے



# हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

# हमारे यहां मिलने वाली किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नाम किताब	लेखक	वाम	लेखक	नाम किताब
1. शेर और शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	1. शेर और शायरी
2. शेर और सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण प्रसाद जैन	6 0 0	श्री नारायण प्रसाद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पंच बिम्ब	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पंच बिम्ब
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्त दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	5 0 0	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्त दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बचन	4 0 0	श्री बचन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	श्री तन्मय बुखारिया	14. मेरे बापू
15. विरह संच की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विरह संच की ओर
16. भारतीय धर्मशास्त्र	श्री भगवानदास केला	5 0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय धर्मशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और जनका पत्तन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और जनका पत्तन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र अन्वेषणी	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिका, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिका, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र अन्वेषणी
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानो
27. आर्य की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. आर्य की हिम्मत !
28. सहीना सच	"	0 8 0	"	28. सहीना सच
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी



# فیرکا بندی پر باپو

سम्पादक—श्री श्रीकरन दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस बहर को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज. दो सौ सठ्ठे कीमत दो रुपया.

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाज राख इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नजरियां मिटेंगी.

फ़रीब सवा सौ सठ्ठे की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

# فرقة بندی پر باپو

سہادک—شعبی شریکرشن داس

اِس پستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک لکھی جی نے سامہر دایکتا کے سوال پر جو لکھ کر کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملے گا.

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارت والی سامہر دایکتا کے نقصان کو سمجھے اور اِس بھر کو اپنی اندر سے صاف کرے.

سندر جلد. اچھا کاغذ. دو سو سٹھٹھ. قیمت دو روپے.

## بیہاشا

لیکھک—لالہ مदन گوپال

ہندی اُردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاغ والے اِس نقاب میں آپ کو ملے گی. راشٹر بیہاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اِس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھے گی اور طرح طرح کی تگ نظریاں مٹیں گی.

فریب سوا سو سٹھٹھ کی سندر کتاب، دلم تیرہ روپے.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

PRICE

BY PANDIT SUNDARLAL

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Bliss, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.



## لےکچر-پंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 लाख लाख मजहमनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्फी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर फिल्ल बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ बाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बह बार लेखर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिवे थे।

सौ सफे की किताब, क्रीमत सिर्फ बारह आने।

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्राज्यिकता यानी किरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी फलू से विचार और इसक इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक की हमारे बीच में न रहने दिया।

क्रीमत बारह आने।

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद बहा की मयकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक वर्नन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क्रीमत बार आने।

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरकवाराना मजहबों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे मजहबों को हमेशा के लिए खत्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क्रीमत सिर्फ दो आने।

जिन्हने का पता—

मैसज, 'नया हिन्द' 145, इलीगंज, इलाहाबाद।

## लिकचर—پندت سندر لال گیتا اور قرآن

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتوں، گیتا کا بڑپن، گیتا کے ایک ایک ادھارے کا نچوڑ، قرآن کا بڑپن، لگ بھگ 15 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی کریم 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بھادسی لیکتا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔  
پولے تین سو صفحے کی سندھ جلد بھدی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ، ڈاک خرچ الگ۔

### ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لیکچر جمع کئے گئے ہیں جو پندت جی نے کنسیلٹری بورڈ کوالیار کی دعوت پر کوالیار میں دیے تھے۔  
سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آئے۔

### مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامراجیتا یعنی فرقہ پرستی کی بھادوں پر راج کاچی، مذہبی اور اتھاسی بھلو سے بچار اور اسکا علاج جس نے آخر میں دیے پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے بیچ میں نہ رہنے دیا۔  
قیمت بارہ آئے۔

### پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

مہاتما گاندھی کی صلح۔ ۱۰ اکتوبر سن 1947 میں پچھمی اور پوربی پنجاب کے دورے کے بعد وہاں کی بھلکرو بربادی اور اسی مار کاٹ کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں ان کا دردناک ورنن۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سبھاوی بھی دیے گئے ہیں۔ قیمت چار آئے۔

### بنگال اور اس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوربی اور پچھمی بنگال کے فرقہوارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکیب بھی سکھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آئے۔

میلے کا پتہ—

میلے، 'نیا ہند' 145، ملکی علی، الہ آباد۔



ہے۔ آئین ہاؤز کے بھائی کا سہیلہ ہیٹنگ کمیٹی کی اسی سفارش سے ہے۔ اس طرح بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس سہیلہ کے پیچھے بھی امریکہ کا سہارا کام کر رہا ہے۔ چاہے سہیلہ ہو یا نہ ہو دنیا کی "رचना اور विकास" کے نام پر ایک فائدہ ضرور ڈھونڈا جائے گا اور ایک ہولک بھی چلو ہوگا۔ اس کا ہم سب کو یقین ہونا چاہئے۔ اس فائدہ کا ہر چارے حد تک جاننے کا اور یہ ثابت کرنے کی اور بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے گی کہ دوس دنیا کی "رचना اور विकास" نہیں چاہتا۔

اب شانتی کا ناटक खेलنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہتھیار کی دھج بھڑک ہو چکی! لگاتار بھج اور چلتا کی زبانی بہت ہو چکی! آدمیوں کا خون بہت ہو چکا! اب سے اٹھا ہے کہ امریکہ، روس، چین، برطانیہ اور فرانس مل کر ایک مصلحتاء دیں، اپنی اپنی فوجوں کو لے کر ایٹم بم پر پابندی لگائیں۔ جنرل آئزن ہاؤز دوس سے شانتی کی قیمت مانگنے کے بجائے اگر اس بات کا پتلا کرے کہ وہ شانتی کی کیا قیمت دینا چاہتے ہیں تو دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے، اسالیات کو سامنے رکھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے آج دنیا کی ساری جنیتا یہ محسوس کرتی ہے کہ چین کو ہونو کی سبھی ملنے پر دور دور کے گلی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا امریکہ اس بات کے لئے تیار ہے، کیا وہ چین کو مانتا دے گا، کیا وہ دنیا کی جنیتا کی آسائوں کو پورا کرے گا۔ چین کو مانتا دینا امریکہ کے نیک ارادوں کا ثبوت ہوگا، امریکہ کا سان بھائی ہے۔ ہماری امریکی جنیتا ہے اپنی ہے کہ وہ اپنے شمسکیں کو سچی شانتی کی طرف قدم اٹھائے پر مجبور کرے اور ان کے دھوئے میں نہ آئے!

اب شانتی کا ناٹک खेलنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہتھیار کی دھج بھڑک ہو چکی! لگاتار بھج اور چلتا کی زبانی بہت ہو چکی! آدمیوں کا خون بہت ہو چکا! اب سے اٹھا ہے کہ امریکہ، روس، چین، برطانیہ اور فرانس مل کر ایک مصلحتاء دیں، اپنی اپنی فوجوں کو لے کر ایٹم بم پر پابندی لگائیں۔ جنرل آئزن ہاؤز دوس سے شانتی کی قیمت مانگنے کے بجائے اگر اس بات کا پتلا کرے کہ وہ شانتی کی کیا قیمت دینا چاہتے ہیں تو دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے، اسالیات کو سامنے رکھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے آج دنیا کی ساری جنیتا یہ محسوس کرتی ہے کہ چین کو ہونو کی سبھی ملنے پر دور دور کے گلی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا امریکہ اس بات کے لئے تیار ہے، کیا وہ چین کو مانتا دے گا، کیا وہ دنیا کی جنیتا کی آسائوں کو پورا کرے گا۔ چین کو مانتا دینا امریکہ کے نیک ارادوں کا ثبوت ہوگا، امریکہ کا سان بھائی ہے۔ ہماری امریکی جنیتا ہے اپنی ہے کہ وہ اپنے شمسکیں کو سچی شانتی کی طرف قدم اٹھائے پر مجبور کرے اور ان کے دھوئے میں نہ آئے!

—محبوب دھوبی

15.5.53

15.5.53

—موجیہ ریکابی



ہیویار بننے اور چھاپا سہولت ہوگی۔ ڈیڑھ سال کے لیے 76 سو ملین ڈالر رکھا گیا اور آئیڈیونہاؤس نے اسے 58 سو ملین ڈالر کر دیا ہے۔ اس بات کو مسترد نہیں کیا ہے۔ اس بات کو میسٹر ڈیبر نے ساف کر دیا ہے کہ پچھلی رکنم بہت بڑی ہے اور بیانا کرایہ کے لیے 58 سو ملین ڈالر سے آسانی سے 40 سو ملین ڈالر کر دیا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نئی رکنم لہجہ کے بجائے آئینہ دار نے پرانی رکنم کا استعمال کیا ہے اور اس نگرانی سے انہوں نے شادی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

دوسرے देशों को जो सहायता अमरीका देता है उसका अमरीका के लिये बहुत महत्व है। इसके बिना अमरीका के साथी उसे छोड़ देंगे। दूसरी बात यह भी है कि अमरीका ने अपने साथियों को ऐसा बना दिया है कि वह बिना उस की सहायता के खिन्दा भी नहीं रह सकते। इस तरह यह सवाल उठता है कि अमरीका ने सहायता कोश में कमी क्यों की? हम पहले बता चुके हैं कि बायदा प्रति के लिये ऐसा किया गया है और अमरीकी शासक परिस्थिति को पूरी तरह जानने हैं। अमरीकी सेनेट की बैंकिंग कमेटी ने इस समस्या का एक हल सुझाया है—“दूसरे देशों को जो सहायता हम देते रहे हैं उसके बजाय अब हमें चाहिये कि हम विदेशों में रचनात्मक कामों के लिये अपना धन लगाएं। लेकिन हमारे धन को सुविधाएं मिलनी चाहिये।” इसी बात को सामने रख कर माली सहायता बन्द करने की चेतावनी योरप के देशों को दी गई है। लेकिन अमरीका वाले जानते हैं कि यह राष्ट्र बिना मदद के नहीं चल सकते। इस कारन से यह देश मजबूर हो कर अमरीकी धन को अपने देश में आने देंगे और उन्हें गर्मनाक से गर्मनाक शरतें मनजूर करनी पड़ेंगी।

इसी कमेटी ने कहा है कि नौ महीने में पांच लाख पचास हजार डॉलर का अन्तर राष्ट्रीय व्योपार होना जरूरी है.....नहीं तो माली व्यवस्था खराब हो जायगी और कमयुनिज्म को बढ़ने का मौका मिलेगा। इस कमेटी ने सिफारिश की है कि अमरीका का अन्तर राष्ट्रीय व्योपार बढ़ाने के लिये इम्पोर्ट और एक्सपोर्ट बैंक खोले जायें और ऐसे डंग निकाले जायें जिससे अमरीका चिबावा से चिबावा धन विदेशों में लग सके।

अमरीकी सीनेट की बैंकिंग कमेटी ने खोर दिया है कि परिस्थिती सुधारने के लिये यह जरूरी है कि “रचना और विकास” के लिये अन्तरराष्ट्रीय बैंक खोला जाय। हमने ऊपर लिखी बातें पूरी बात साफ करने के लिये कही

है। 76 سو ملین ڈالر رکھا گیا اور آئیڈیونہاؤس نے اسے 58 سو ملین ڈالر کر دیا ہے۔ اس بات کو مسترد نہیں کیا ہے۔ اس بات کو میسٹر ڈیبر نے ساف کر دیا ہے کہ پچھلی رکنم بہت بڑی ہے اور بیانا کرایہ کے لیے 58 سو ملین ڈالر سے آسانی سے 40 سو ملین ڈالر کر دیا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نئی رکنم لہجہ کے بجائے آئینہ دار نے پرانی رکنم کا استعمال کیا ہے اور اس نگرانی سے انہوں نے شادی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

دوسرے देशوں کو جو سہائتا امریکہ دیتا ہے اس کا امریکہ کے لئے بہت مہم ہے۔ اس کے ہذا امریکہ کے ساتھی اسے چھوڑ دیں گے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ امریکہ نے اپنے ساتھیوں کو ایسا بنا دیا ہے کہ وہ بنا اس کی سہائتا کے زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ اس طرح یہ سوال اٹھتا ہے کہ امریکہ نے سہائتا دہی میں کسی دھوکے کی؟ ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ وعدہ پورے کے لئے ایسا کیا گیا ہے اور امریکی شاکس پرستی کو پوری طرح جانتے ہیں۔ امریکی سہائت کی ہولنگنگ کمیٹی نے اس سہائتا کا ایک حل سچھایا ہے۔ “دوسرے راشنوں کو جو سہائتا ہم دیتے رہے ہیں اس کے بجائے اب ہمیں چاہئے کہ ہم ویشوں میں رجٹانک کاموں کے لئے اپنا دھن لگائیں۔ لیکن ہمارے دھن کو سودھائیں ملنی چاہئیں۔” اسی بات کو سامنے رکھ کر مالی سہائتا بند کرنے کی چھٹاویں یورپ کے ویشوں کو دی گئی ہے۔ لیکن امریکہ والے جانتے ہیں کہ یہ راشن ہذا مدد نے نہیں چل سکتے۔ اس کارن سے یہ ویش مجبور ہو کر امریکی دھن کو اپنے ویش میں آئے دیں گے اور انہیں شرمناک سے شرمناک شرطیں منظور کرنی پڑیں گی۔

اسی کمیٹی نے کہا ہے کہ نو مہینے میں پانچ لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا انٹر راشنری ہوپار ہونا ضروری ہے..... نہیں تو مالی ویشکتی خراب ہو جائے گی اور کمونزم کو ہولے کا موقع ملے گا۔ اس کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ امریکہ کا انٹر راشنری ہوپار ہولے کے لئے امریکہ اور انٹرنیشنل ہولنگنگ کونسلوں اور ایسے ڈھنگ لکالے جانوں جس سے امریکہ کا زیادہ سے زیادہ دھن ویشوں میں لگ سکے۔

امریکی سہائت کی ہولنگنگ کمیٹی نے زور دیا ہے کہ ہرستی سہائت کے لئے یہ ضروری ہے کہ “رجٹا اور وکس” کے لئے انٹر راشنری ہولنگنگ کونسلوں کو جائے۔ ہم نے اوپر لکھی باتوں پر صاف کرنے کے لئے کہی



شامی کا ایک نیکالیہ اس میں وہ راہ نہیں ہو سکتی کہ  
میل کر بیٹھنے اور نیک نیتی سے بات چیت کرنے سے  
کچھ نہ کچھ حل نکل ہی آتا ہے۔ لیکن نہ جانے کون  
امریکہ اس بات چیت سے دور بھاگتا ہے اور جو کوئی بھی  
اس سے نیک صلح دیتا ہے اسکو بری نظر سے دیکھتا ہے۔  
اسے مسٹر چرچل نے یہ سچھا دکھا ہے کہ پانچ ہوی  
شعبوں کے درمیان بات چیت شروع کی جائے۔ اس  
سچھاؤ کو لے کر چرچل صاحب کی امریکہ میں لے دے  
مچی ہوئی ہے۔ امریکہ میں کالی اس بات پر فضا  
ظاہر کیا گیا ہے۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ جب یونو کا چارٹر  
موجود ہے تب پانچ ہوی کی ہتھک کی کہا ضرورت ہے۔  
یونو کے چارٹر کی موجودگی ٹھیک ہے لیکن یہ بھی دہا  
جانتی ہے کہ اس چارٹر کی موجودگی میں ہی دنیا آج  
اس حالت کو پہنچ گئی ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ  
پانچ ہوی کی بات چیت شروع کی جائے اور امریکہ  
روس اور چین کے ساتھ اچھوتوں کا سا برتاؤ کرنا چھوڑ دے۔

### تیسرا ماہ

آئینہ دار کی تقریر کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں  
انہوں نے سچھاؤ دکھا ہے کہ دنیا کی غریبی کے خلاف  
لوائی چھوٹی جائے۔ اس کے لئے ان کا سچھاؤ ہے کہ ایک  
لگاتار لگاتار جس میں اس نیک کام کے لئے دنیا  
کی ساری سرکاری رقم جمع دیں۔ ارادہ نیک ہے۔ لیکن  
یہ سچھاؤ کیا نہیں ہے۔ دو سال پہلے ہندوستان نے ایسا  
سچھاؤ دکھا تھا اور اس سے امریکہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔  
سوال اٹھتا ہے کہ کیا آج امریکہ کی نہت بدل گئی ہے؟  
نہت میں جانے پر بات صاف ہو جاتی ہے۔ آئینہ دار نے  
چٹاؤ کے سبب امریکی جنگ سے بہت سے وعدے کئے تھے۔  
ان وعدوں میں سے ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ وہ امریکہ میں  
انکم ٹیکس کم کرانیں، قیمتیں گھٹائیں گے اور شاسن  
کا خرچ کم کریں گے۔ آئینہ دار نے انکم ٹیکس میں کسی  
کے سوال کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ جون 1954 تک  
ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85  
سوی میلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے۔ یہ کٹوتی  
پہلے تو سرکھا پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو  
مٹانے والی سہائیاؤں میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے  
کہ وہ پیمائش پادری والے قیمتیں کو انہیں مدد کو لے کر  
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی  
سے ہتھیار بندی پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ ہتھیار بندی  
میں کسی موٹے کے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ

### تیسرا ماہ

آئینہ دار کی تقریر کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں  
انہوں نے سچھاؤ دکھا ہے کہ دنیا کی غریبی کے خلاف  
لوائی چھوٹی جائے۔ اس کے لئے ان کا سچھاؤ ہے کہ ایک  
لگاتار لگاتار جس میں اس نیک کام کے لئے دنیا  
کی ساری سرکاری رقم جمع دیں۔ ارادہ نیک ہے۔ لیکن  
یہ سچھاؤ کیا نہیں ہے۔ دو سال پہلے ہندوستان نے ایسا  
سچھاؤ دکھا تھا اور اس سے امریکہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔  
سوال اٹھتا ہے کہ کیا آج امریکہ کی نہت بدل گئی ہے؟  
نہت میں جانے پر بات صاف ہو جاتی ہے۔ آئینہ دار نے  
چٹاؤ کے سبب امریکی جنگ سے بہت سے وعدے کئے تھے۔  
ان وعدوں میں سے ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ وہ امریکہ میں  
انکم ٹیکس کم کرانیں، قیمتیں گھٹائیں گے اور شاسن  
کا خرچ کم کریں گے۔ آئینہ دار نے انکم ٹیکس میں کسی  
کے سوال کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ جون 1954 تک  
ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85  
سوی میلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے۔ یہ کٹوتی  
پہلے تو سرکھا پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو  
مٹانے والی سہائیاؤں میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے  
کہ وہ پیمائش پادری والے قیمتیں کو انہیں مدد کو لے کر  
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی  
سے ہتھیار بندی پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ ہتھیار بندی  
میں کسی موٹے کے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ

آئینہ دار نے انکم ٹیکس میں کمی کے سوال کو  
یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ جون 1954 تک ایسا  
ممكن نہیں ہے۔ لیکن اس سال کے بجٹ میں انہوں نے 85  
سوی میلین ڈالر کی کٹوتی کی ہے یہ کٹوتی  
پہلے تو سرکھا پر خرچ ہونے والی رقم میں سے اور دیکھوں کو  
مٹانے والی سہائیاؤں میں سے کی گئی ہے۔ اسکا کارن یہ ہے  
کہ وہ پیمائش پادری والے قیمتیں کو انہیں مدد کو لے کر  
فصل خرچ اور نکما بناتے آئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے اس کٹوتی  
سے ہتھیار بندی پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ ہتھیار بندی  
میں کسی موٹے کے بجائے اسکم یہ ہے کہ 53-54 میں زیادہ



نہ سبک کھاتا ہے کہ پشچیم والے لڑائی میں پेटن بم بھی استعمال کئے اور انہوں نے ایسی ہتھیاروں کے استعمال کے لئے فوجوں کی ٹریننگ پر زور دیا ہے۔ پشچیم والوں نے روس کے خلاف جو فوجیں گٹ کھوا کھا ہے اس کا نام نہتو رکھا ہے۔ نہتو میں اس سے چوتھ واہتر ہیں اور اس کا نہتو امریکہ ہے جو وقت پڑے ان واشنگٹن کی مرضی کے خلاف بھی نہتو کی فوجوں کو لڑائی میں بھیج سکتا ہے۔ نہتو کی فوج 37 لاکھ سے بڑھ کر اب 70 لاکھ ہو چکی ہے۔ نئے نئے ہتھیاروں سے یہ فوج لیس ہے۔ اس کے پاس بے حد ہوائی اقدے ہیں۔ یہ بھی ہاتھ نہتو کرنے کے قابل ہے کہ ایک طرف امریکہ صلح کی بات کر رہا ہے اور دوسری طرف نہتو کا 70 ہزار مہلک ڈالر کا بجٹ پاس کیا گیا ہے جو پچھلے سالوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ نہتو والوں کا کہنا ہے کہ وہ لمحہ پروگرام کو سامنے رکھ کر اتنی رقم خرچ کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ امریکہ والوں کا خالی یہ کہنا کہ یہ فوجیں روس پر حملہ کرنے کے لئے نہیں ہیں دوسروں کو تسلی نہیں دے سکتا !

امریکہ والے یہ بھی مانگ کرتے ہیں کہ روس ملایا اور ہند چین میں چلنے والے آزادی کے آندولنوں کو روکا دے۔ ظاہر بات ہے کہ روس کی شکتی سے یہ بات باہر ہے۔ نہ اس میں شکتی ہی ہے اور نہ اسے اندھکار ہی ہے۔ یہاں کی لڑائیاں تبھی رک سکتی ہیں کہ جب سامراجی طاقتیں ان دیہیوں کو چھوڑ دیں۔

امریکہ والے یہ بھی مانگ کرتے ہیں کہ روس ملایا اور ہند چین میں چلنے والے آزادی کے آندولنوں کو روکا دے۔ ظاہر بات ہے کہ روس کی شکتی سے یہ بات باہر ہے۔ نہ اس میں شکتی ہی ہے اور نہ اسے اندھکار ہی ہے۔ یہاں کی لڑائیاں تبھی رک سکتی ہیں کہ جب سامراجی طاقتیں ان دیہیوں کو چھوڑ دیں۔

ڈیلس صاحب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان دیہیوں میں لڑائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیلس دار آدمی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں لڑائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈیلس صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں کی سلطنت میں تو انہیں حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی دیکھی واہتر کو دخل دیہی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو کھینچنے کے دیہیوں کے لئے نہیں مانگا !

ڈیلس صاحب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان دیہیوں میں لڑائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیلس دار آدمی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں لڑائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈیلس صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں کی سلطنت میں تو انہیں حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی دیکھی واہتر کو دخل دیہی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو کھینچنے کے دیہیوں کے لئے نہیں مانگا !

ڈیلس صاحب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان دیہیوں میں لڑائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیلس دار آدمی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں لڑائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈیلس صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں کی سلطنت میں تو انہیں حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی دیکھی واہتر کو دخل دیہی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو کھینچنے کے دیہیوں کے لئے نہیں مانگا !

ڈیلس صاحب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان دیہیوں میں لڑائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیلس دار آدمی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں لڑائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈیلس صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں کی سلطنت میں تو انہیں حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی دیکھی واہتر کو دخل دیہی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو کھینچنے کے دیہیوں کے لئے نہیں مانگا !

ڈیلس صاحب کہتے ہیں کہ جب تک کمونیسٹ ان دیہیوں سے ختم نہیں ہوئے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کمونیسٹ کون ہیں؟ کیا روسی لوگ ان دیہیوں میں لڑائی چلے رہے ہیں اور امریکہ کی بات مان کر وہ یہاں سے چلے جائیں۔ برطانیہ نے ڈیلس دار آدمی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی روسی ان دیہیوں میں نہیں ہے۔ پھر کیا چین والے وہاں لڑائی چلے رہے ہیں؟ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خود امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی سپاہی ان دیہیوں میں نہیں ہیں۔ پھر آخر یہ کمونیسٹ کون ہیں جن سے ڈیلس صاحب ملایا اور ہند چین کو خالی کرانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کمونیسٹ ان دیہیوں کی سلطنت میں تو انہیں حق ہے کہ وہ اپنی دیہیوں میں رہیں اور جیسی چاہیں سرکار بنائیں۔ امریکہ یا کسی دیکھی واہتر کو دخل دیہی کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امریکہ اس اندھکار کو کھینچنے کے دیہیوں کے لئے نہیں مانگا !



استغاث کا جھٹکا مقرر کیا گیا ہے۔ ریڈکروٹ جنرل موٹ آرٹھر کے دھماکوں کے آدمی ہیں۔ ان کا نعرہ ہے کہ جاپان اور فارس کی فوجوں کا استعمال لوائی میں کیا جائے، جن پر پوری طرح چوہائی کی جائے اور اُسے پورے عالم بدلایا جائے۔ ایک طرف صلح کی بات بھی ہو اور دوسری طرف لوائی کی تباہی بھی ہو یہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

دیکھا جاتے تھے کہ یورپی یورپ کے دیہوں میں کمپنسٹ راج قائم ہے اور ان دیہوں کی چلتا مالی اور سماجی حیثیت سے کافی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن امریکہ والے کہتے ہیں کہ یہ واشنگٹن قلم ہیں۔ سچ چلنے کی بات ہے کہ ان ریاستوں میں روس کی کوئی فوج نہیں ہے، روس ان دیہوں میں اپنا گورنر جنرل مقرر نہیں کرتا، یہ واشنگٹن روس کے دھماکے اور اس کے پردھان کو نہیں سنتے۔ لیکن یہودی امریکہ کی نظر میں یہ واشنگٹن روس کے قلم ہیں لیکن مصعب مزائی ہے کہ امریکہ کو سلیا، ہند چین، جاپان، تھائی لینڈ، عرب دیہیں دیکھا، تمبوٹھا، مراٹھوں واشنگٹن آزاد دہائی دیتے ہیں! امریکہ نے شرط رکھی ہے کہ صلح تعمیل ہو سکتی ہے جب روس یورپی یورپ کو آزاد کرے۔ پہلی روس پہلے یہ مانے کہ یہ دیہیں اس کے قلم ہیں۔ نہ روس یہ بات سہیکار کر سکتا ہے اور نہ یہ واشنگٹن اس ایمان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف تالس صاحب کا کہنا ہے کہ ”یورپی یورپ کی اس چلتا کو ہم صاف بتا دینا چاہتے ہیں جو قلم بنا لی گئی ہے کہ ہم اس کی فلاسفی کو تاریخ کا استعمالی فیصلہ نہیں مانتے۔“ لیکن دیکھو کہ سلیا، ہند چین، امریکہ کے کروڑوں انسانوں کی فلاسفی کو تالس صاحب تاریخ کا استعمالی فیصلہ مانتے ہیں اور کبھی بھول کر بھی ان دیہوں کی چلتا کی آڑ میں ڈنر وہ نہیں کرتے۔ روس کا اعتراض یہی رہا ہے کہ امریکہ والے اسے اور اس کی وجہ دھارنے لوگوں کو چھوٹے نہیں بیٹھتے دیتے۔ یہ لوگ ان ملکوں میں بغاوت پھیلانے میں اور ایک بہہ کا آواز دہار دیتے رہتے ہیں۔ تالس صاحب کے یہاں سے ان اعتراضوں کی اصلیت کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے۔

مسٹر چرچل نے ٹھیک کہا ہے کہ بچہم والے اِس بات کو زوروں سے کہتے ہیں کہ دوس اُن پر حملہ کر دے گا اور اُسی بھ کے کاررو وہ فوجیں بڑھاتے جاتے ہیں لیکن ٹھہری یہ نہیں سوچتے کہ دوس کو بھی اُن سے قہر ہے۔ اُنزں ہارو نے اِس قہر کو مٹانے کی کوئی بات اچے بھاشن میں نہیں ٹھہری۔ قہر ختم کرنے کے بجائے دوس کو اور قہر والے کی بات کی گئی ہے۔ حال میں جنرل دجوبے



के कम्युनिस्टों की रक्षा न करेगा....."इमने बस्तानिया, फ्रान्स और दूसरी सरकारों से बात की है कि कम्युनिस्ट चीन के खिलाफ ब्योपारी नाकाबन्दी को सख्ती से अमल में लाया जाय. यह सरकारें अपने उन जहाजों को रोकने के लिये जो जरूरी सामान और ईंधन चीन ले जाते हैं अमली क्रम उठा रही हैं. दूसरे देशों के जहाजों को भी रोका जा रहा है कि वह चीनी जहाजों के लिये ईंधन और दूसरे जरूरी सामान न दोंयें....." चीन संबन्धी अमरीका के इस रुख में कोई फरक नहीं आया बल्कि अमल में तेजी आ गई है. 13 मई को फिनलैंड का एक जहाज दस हजार टन जहाज में इस्तेमाल होने वाला ईंधन लेकर चीन जा रहा था. अमरीका ने रास्ते में उसे भारी रकम दे कर खरीद लिया है और अपने फौजी अड्डों को भेज दिया है.

यह बात आज साफ है कि बिना चीन के पूर्वी एशिया में सुलह नहीं हो सकती। लेकिन फिर भी अमरीका चीन से सुलह करना नहीं चाहता। इस से साफ नतीजा यह निकलता है कि वह सुलह का नाटक खेलना चाहता है लेकिन सुलह करना नहीं चाहता वह इस बात का दावा करता है कि हर राष्ट्र को अधिकार है कि वह जिस तरह की भी सरकार चाहे अपने देश में क़ायम करे लेकिन वह इस दावे की अमल में नहीं मानता।

आइसनहावर को शुरू से यह पालिमी रही है कि योरप में लड़ाई न जेड़ कर एशिया में खून खराबा किया जाय और एशिया वालों को आपस में लड़ाया जाय. इस पालिसी को कामयाब बनाने की तरफ जो क़दम अमरीका ने उठाया है उसका फ़िकर करते हुए मिस्टर डलेस ने कहा है—“दूर पूरब की समस्याओं को दूसरे सवालियों पर तरजीह दी गई है. यह बात साफ़ कर दी गई है कि अमरीका इस अमानक परिस्थिती को समझता है जिसका सामना पूरब के हमारे मित्रों जापान, कोरिया और फारमोसा से लेकर हिन्द चीन और मलाया तक सभी को करना पड़ रहा है. यह बात भी साफ़ कर दी गई है कि इस मुसीबत का मुक़ाबला एक लगन, एक विचार और बढ़ते हुए सहयोग से ही किया जा सकता है.....” अमल से भी यह बात साबित है कि अमरीका इस तरफ़ क़ौज की एक दीवार खड़ी कर रहा है और इन सब देशों में चलने वाले आप्तादी के आन्दोलनों को कुचलने की लिये हथियार भेज रहा है. यही नहीं, उसने एशिया में लड़ाई ख़ाने के लिये अपने ज्वाइन्ट चीफ़ आफ़ आफ़ स्टॉफ़ भी बदल दिया है. पहले इस स्टॉफ़ में उन जनरलों का बहुमत था जो योरपी रन-नीति से पूरी जानकारी रखते थे लेकिन नये स्टॉफ़ में उन लोगों का बहुमत रखा गया है जो एशियाई रन-नीति के जादूर हैं. जनरल उमर ब्रैडले की जगह रेडक्रॉफ़ को जनरल

کے کمپنیشنوں کی دکھا نہ کرے گا..... ہم نے برطانیہ، فرانس اور دوسری سرکاروں سے بات کی ہے کہ نیٹو سٹ جہن کے خلاف بھوپاوی فائدہ ہندسی کو مستثنیٰ سے عمل میں لیا جائے۔ یہ سرکاریں اپنے اُن جہازوں کو روکنے کے لئے جو ضروری سامان اور ایندھن جہن لے جاتے ہیں اصلی قدم اٹھا رہی ہیں۔ دوسرے دیہوں کے جہازوں کو بھی روکا جا رہا ہے کہ وہ چھٹی جہازوں کے لئے ایندھن اور دوسرے ضروری سامان نہ تھوٹیں۔۔۔“ جہن سمیلدھی امریکہ کے اِس رخ میں دوئی فرقی نہیں آیا بلکہ عمل میں توہی اُگنی ہے۔ 13 مئی کو فرینلند کا ایک جہاز دس ہزار تن جہاز میں استعمال ہونے والا ایندھن لے کر جہن جا رہا تھا۔ امریکہ نے راستے میں اُسے بھاری رقم دے کر خرید لیا اور اپنے فوجی اقدوں کو بھج دیا ہے۔

یہ بات آج صاف ہے کہ ہمارے چین کے پوری ایشیائی  
میں صلح نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی امریکہ چین سے  
صلح نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے صاف سمجھتے ہیں کہ  
کہ وہ صلح کا ٹانگ کھیلنا چاہتا ہے لیکن صلح کرنا نہیں  
چاہتا۔ وہ اس بات کا دعویٰ ضرور کرتا ہے کہ ہر راشٹر کو  
اندھیکار ہے کہ وہ جس طرح کی بھی سرکار چاہے اپنے  
میں قائم کرے لیکن وہ اس دعوے کو عمل میں نہیں  
سارکتا۔

آنکون ہاؤز کی شروع سے یہ پالہسی رہی ہے کہ یورپ  
میں لڑائی نہ چاہیے کر ایشیا میں خون خرابہ کیا جائے  
اور ایشیا والوں کو آپس میں لڑایا جائے۔ اس پالہسی کو  
کامیاب بنانے کی طرف جو قدم امریکہ نے اٹھایا ہے اس کا  
ڈنکر کرتے ہوئے مسٹر ڈالس نے کہا ہے—”دور یورپ کی  
سمسیاؤں کو دوسرے ندالوں پر ترجمہ دی گئی ہے۔ یہ بات  
صاف کر دی گئی ہے کہ امریکہ اس بھوانک پرستہتی  
کو سمجھتا ہے جس کا سامنا یورپ کے ہمارے مکتروں  
جاپان، کوریا اور فارسوسا سے لے کر ہند چین اور ملائیک  
میں کو کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ بات بھی صاف کر دی گئی  
ہے کہ اس مصیبت کا مقابلہ ایک لکن، ایک وچار اور  
بڑھتے ہوئے سپورک سے ہی کیا جاسکتا ہے.....“ عمل سے  
بھی یہ بات ثابت ہے کہ امریکہ اس طرف فوج کی ایک  
دیوار کھڑی کر رہا ہے اور ان سب دیشوں میں چلنے والے  
آزادی کے آندولنوں کو کچالنے کے لئے ہتھیار بھیج رہا ہے۔  
یہی نہیں، اس نے ایشیا میں لڑائی چلانے کے لئے اپنا  
جوائنٹ چیف آف اسٹاف بھی بدل دیا ہے۔ پہلے اس  
اسٹاف میں ان جنرلیوں کا بہرست تھا جو یورپی دن تھتی  
سے یورپی چانکاری رکھتے تھے لیکن نئے اسٹاف میں  
ان لیٹنوں کا بہرست رکھا گیا ہے جو ایشیائی دن تھتی کے  
ماتھ میں۔ جنرل عمر بریڈلے کی جگہ ریڈفورڈ کو جنرل



پرسش: کیا آئین ہمارو دنیا کے دل پر اپنی نیک نیتی کا سکھ چھانچھے اور دنیا میں خود آسانی قائم ہو سکتی ہو؟ اور یہ اصلاح کو سامنے رکھ کر ہمچھ لکھی باتوں کیجئے؟

( 1 ) کوریا میں فوراً جنگ بند کی جائے اور سب  
 ریاضی فوجیں دیہے سے ہمارے چلی جائیں۔ شانتی کا  
 واکاؤ قائم کر کے دھن اور آکر کوریا میں صلح کرانے کی  
 کوشش کی جائے اور روس، چین، امریکہ اور انکوائف مل  
 کر ایک ساتھ ایک لگن سے اس نیک کام کا ہمار  
 گناہوں۔

(2) یونو میں نگی چھٹی سرکار کو اچھا استھان  
میں اور چانگ کائی شیک کو نئے چھٹی نے خلاف مدد  
دیلا امریکہ اور یونو بند کر دیں۔

(3) ملایا کو پوری آزادی سی جائے اور انگریز  
ملایا کو چھوڑ دیں ۔

(۴) ہندو چین اور تہہ و نیشہا سے فرانسیسی ایذا  
قبضہ ہٹائیں۔

(۵) جاپان سے امریکہ اپنی فوجیں ہٹانے اور وہاں 804 فوجی اقامے ختم کر دینے جائیں۔

(6) ہتھیار بندی کی دوز ختم کر دی جائے اور  
 نیٹو (N. A. T. O.) کے نام سے جو فوجیں یورپ میں  
 بولائی جا رہی ہیں انہیں کم کیا جائے۔ امریکہ نے جو  
 فوجی اقداروں نے چاروں طرف بندیں ہیں انہیں  
 ختم کر دیا جائے۔

(7) ایران اور مصر نے جائز ادھکار کو مانا جائے اور  
سولہ سو سے انگریزی فوجیں ہٹ جائیں ۔

( 8 ) افریقہ میں نسلی بھد بھاد کا خاتمہ کیا جائے۔

پہلی نہیں تھیں ان ہاتھوں کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان  
 ہاتھوں پر بعد میں وہ دائے ہاتھ کی لکڑی ہے جس کے آدھار  
 پر صلح کی بات کہتے کہتے اور یہی نزاعیں پیدا ہوئے  
 اور شک شبہ بڑھنے کی سببواں ہیں۔ امریکی ایڈیٹروں  
 کی اسی سببواں 18 لاپرواہیوں کو بولتے ہوئے مسٹر کلس  
 نے کہا ہے۔ ”وہی کی پوسٹلسٹ مرکز سے ہمارے سمجھوتہ  
 بہت بہتر ہوئے ہیں۔ فارموسا میں ہمارا ایک واحد دوست  
 ہے۔ فارموسا مرکز کو جو فوجی مہاتما ملنی چاہئے تھی وہ  
 تھوڑے فیصد ہائی تھی۔ اب ہم وہ مہاتما تھوڑے کے ساتھ فارموسا  
 کو دے رہے ہیں۔ ساتویں جنگی ہتھیار کو جو آدھیں  
 ہتھیار تھے انہیں پریسیکشن آفیسر ہارو نے بدل دیا ہے۔  
 اب یہ جنگی ہتھیار فارموسا کی حفاظت تو کرے گا لیکن وہی



کہتا ہے، شاید امریکا نے روس کو اس نسلخ کے سبھاؤ کے روپ میں چمکنج ہی دیا ہے۔ امریکی اخباروں نے بھی اسے "ایہل" کا نام نہ دے کر "چمکنج" کا نام ہی دیا ہے۔ دلی سے نکلنے والے امریکی دونوں اس کے اخبار "امریکن ریپورٹر" نے بھی اسے "چمکنج" کہا ہے۔ مسٹر ڈلس 18 اپریل کو اسی سبھا میں بولے تھے جس میں انڈون ہاور نے یہ بیان دیا ہے۔ انہوں نے بھی اس بیان کو "چمکنج" کہا ہے۔

امریکی اخباروں کی ٹیپنی اور مسٹر ڈلس کے بیانوں کو بھان سے پڑنے پر یہ بات ساک ہو جاتی ہے کہ روس والوں نے جگ کی سبھاؤ کو کم کرنے کے لیے جو امریکی کدھم بٹا پے انکا جواب اس ماہان کے روپ میں دیا گیا ہے۔ یہ ایمانداری نہیں پورہکنہ ہے، ایہل نہیں چمکنج ہے!

### دوسرا ماہ

امریکن ہاور کے ماہان کے دوسرے ماہ میں شانتی کے لیے شرطوں کی ایک لست گناہی گئی ہے۔ یہ شرطیں یہ ہیں: (1) آسٹریا کے سبندھ میں روس ایک نئے سبندھ پر دستخط کرے (2) دوسری لوائی کے جو قبضی کہا جاتا ہے ابھی تک روس میں ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے (3) کوریا میں لوائی بلد کرنے کے لئے صلح کی جائے۔ لوائی ختم کر کے کوریا کے راج کچ کے سبندھ میں بات چیت ہو اور ایسا چلایا گیا جائے جس کے اندھار پر کوریا کے دونوں بھاگ ایک ہو سکیں۔ (4) ہلد چین اور ملایا پر روس کسی طرح کا حملہ نہ ہونے دینے کی ذمہ داری لے (5) یورپی یورپ کے دیہوں کو یورپی آزادی دی جائے تاکہ یورپ کا جو غیر قدرتی بقوارہ ہوا ہے وہ ختم ہو جائے۔ (6) جرمنی کو آزاد کیا جائے اور چلایا کرے جرمنی کے دونوں بھائیوں کی ایک سرکار بھائی جائے (7) ہتھیاروں اور فوجوں کی ایک تعداد مقرر کی جائے اور بیٹوں کی دیکھ دیکھ میں سب ملکوں کی فوجوں اور ہتھیاروں پر کنٹرول رکھا جائے۔

صاف ہے کہ ان شرطوں میں امریکہ سبکچل لے لیتا چاہتا ہے لیکن دینا لچھ نہیں چاہتا۔ یہ شرطیں یکطرفہ ہیں۔ صلح ملانی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ ان میں روس کہا گیا ہے کہ سب بھائی لیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ امریکہ کو کیا کرنا چاہئے۔ لیکن امریکہ نے ان یکطرفہ شرطوں کے اوپر بھی ایک شرط لگادی ہے کہ روس جب تک اوپر کی شرطوں کو پورا نہ کر دے تب تک آگ بات چیت میں نہیں چلائی جاسکتی۔ ظاہر بات ہے کہ یہ شرطیں یورپی کرنا روس چاہے بھی تو اسکی ہمتی کے باہر ہے۔ اس کا فکر ہم بعد میں کریں گے۔

دوسرا ماہ

### دوسرا بھاگ

دوسرا بھاگ

دوسرا بھاگ



کرنے، ہر دم بربادانے کا मतलब آشکار ہے یہی ہوتا ہے—انکے ہمسایوں کی چوری جو بھوکے ہیں اور جنہیں کھانا نہیں ملتا، جو سرحدی میں ٹھہر رہے ہیں اور جنہیں کپڑا نہیں ملتا۔

”یہ دنیا ہمسایوں پر دلت ہی نہیں جاتا کر رہی ہے۔

یہ دنیا اپنے مزدوروں کی محنت، اپنے وکٹروں کی نیکیوں کی قربانی اور اپنے بچوں کی آفتابوں کی قربانی پر خرچ کرتی ہے۔

”آجکل ایک دم پھٹنے والے ہوائی جہاز کی لاگت کی لاگت اتنی ہے جتنی رقم سے 30 سے زیادہ شہروں میں ایک عمارت اسکول بنائی جاسکتی ہے اور انہیں چلایا جاسکتا ہے۔

”اس رقم سے بجلی کے دو ایسے کارخانے چلائے جاسکتے ہیں جن میں سے ہر ایک 60 ہزار آبادی والے شہر کو پوری بجلی مہیا کر سکتا ہے۔

”اس رقم سے دو بڑے اور ہر سامان سے لیس اسپتال کھل سکتے ہیں۔

”اس رقم سے 50 میل لمبی عمارت عمارت بن سکتی ہے۔

”جتنی رقم ایک جنگی جہاز میں خرچ ہوئی ہے اتنی رقم میں 5 لاکھ خوشحال گھر بنائے جاسکتے ہیں۔

”جتنے دھم میں ایک ڈسٹرکٹ جہاز بناتا ہے اس دھم میں اتنے مکان بن سکتے ہیں کہ ان میں 8 ہزار سے زیادہ آدمی رہ سکیں۔“

جنگ کا یہ بھانک نقشہ ہمیں کرنے کے بعد پریسڈنٹ آئیڈن ہاور نے دنیا سے اپیل کی ہے: ”میں دوبارہ کہتا ہوں کیا یہی زندگی کا سب سے اچھا راستہ ہے جس پر اب تک یہ دنیا چلتی آئی ہے؟ زندگی کا یہ کوئی راستہ نہیں ہے۔... کیا کوئی دوسرا راستہ ہے جس پر دنیا چل سکے؟..... یہ ابھر رہی ہے کہ دنیا کی سرکاروں سے مانگ کر کہ وہ اپنے ارادے صاف صاف اور ایمانداری سے بتائیں۔“

لیکن اس وقت یہ ہے کہ خود پریسڈنٹ آئیڈن ہاور نے اپنے ارادے صاف صاف نہیں بتائے۔ وہ یہاں ہی رک جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ ہر انہوں نے اپیل کے بجائے دوسرے اور دوسرے ایسٹائن کی ابتدا شروع کر دی: ”میریٹ سمارچ اپنی درجہ اور اچھلتے ہوئے دلت والی ہمت سے سوچی گئی ہے۔ وہ زندہ رہ گیا ہے تانہ ہمیں جنگ کا خطرہ پیدا کرے۔“ ہمارے اچھا خاصہ حصہ اسی طرح کی ہونے والی باتوں سے بھرا ہے اور پورے ہمسایوں پر کالہ ہوت دیتا ہے، اپیل کی جگہ چیلنج کی شکل لے

کرتے، ہر دم بربادانے کا मतलब آشکار ہے یہی ہوتا ہے—انکے ہمسایوں کی چوری جو بھوکے ہیں اور جنہیں کھانا نہیں ملتا، جو سرحدی میں ٹھہر رہے ہیں اور جنہیں کپڑا نہیں ملتا۔

”یہ دنیا ہمسایوں پر دلت ہی نہیں جاتا کر رہی ہے۔

یہ دنیا اپنے مزدوروں کی محنت، اپنے وکٹروں کی نیکیوں کی قربانی اور اپنے بچوں کی آفتابوں کی قربانی پر خرچ کرتی ہے۔

”آجکل ایک دم پھٹنے والے ہوائی جہاز کی لاگت اتنی ہے جتنی رقم سے 30 سے زیادہ شہروں میں ایک عمارت اسکول بنائی جاسکتی ہے اور انہیں چلایا جاسکتا ہے۔

”اس رقم سے بجلی کے دو ایسے کارخانے چلائے جاسکتے ہیں جن میں سے ہر ایک 60 ہزار آبادی والے شہر کو پوری بجلی مہیا کر سکتا ہے۔

”اس رقم سے دو بڑے اور ہر سامان سے لیس اسپتال کھل سکتے ہیں۔

”اس رقم سے 50 میل لمبی عمارت عمارت بن سکتی ہے۔

”جتنی رقم ایک جنگی جہاز میں خرچ ہوئی ہے اتنی رقم میں 5 لاکھ خوشحال گھر بنائے جاسکتے ہیں۔

”جتنے دھم میں ایک ڈسٹرکٹ جہاز بناتا ہے اس دھم میں اتنے مکان بن سکتے ہیں کہ ان میں 8 ہزار سے زیادہ آدمی رہ سکیں۔“

جنگ کا یہ بھانک نقشہ ہمیں کرنے کے بعد پریسڈنٹ آئیڈن ہاور نے دنیا سے اپیل کی ہے: ”میں دوبارہ کہتا ہوں کیا یہی زندگی کا سب سے اچھا راستہ ہے جس پر اب تک یہ دنیا چلتی آئی ہے؟ زندگی کا یہ کوئی راستہ نہیں ہے۔... کیا کوئی دوسرا راستہ ہے جس پر دنیا چل سکے؟..... یہ ابھر رہی ہے کہ دنیا کی سرکاروں سے مانگ کر کہ وہ اپنے ارادے صاف صاف اور ایمانداری سے بتائیں۔“

لیکن اس وقت یہ ہے کہ خود پریسڈنٹ آئیڈن ہاور نے اپنے ارادے صاف صاف نہیں بتائے۔ وہ یہاں ہی رک جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ ہر انہوں نے اپیل کے بجائے دوسرے اور دوسرے ایسٹائن کی ابتدا شروع کر دی: ”میریٹ سمارچ اپنی درجہ اور اچھلتے ہوئے دلت والی ہمت سے سوچی گئی ہے۔ وہ زندہ رہ گیا ہے تانہ ہمیں جنگ کا خطرہ پیدا کرے۔“ ہمارے اچھا خاصہ حصہ اسی طرح کی ہونے والی باتوں سے بھرا ہے اور پورے ہمسایوں پر کالہ ہوت دیتا ہے، اپیل کی جگہ چیلنج کی شکل لے



## آئزن ہاور کا شانتی سہماؤ

17 اپریل 1953 کو امریکا کے پریسیڈنٹ آئزن ہاور نے امریکی ایڈیٹروں کے سامنے ایک भाशन دیا تھا۔ اس भाशन کی ساری دنیا میں چرچا ہوئی ہے اور اسے امریکا کی آئیں کی پالیسی کا آدھار مانا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس भाशन پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ भाशन کی ابتدا کو پوری طرح سمجھ لیں۔ اس भाशन کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ ہواؤنٹا سے بھرا ہے، دنیا کی آج کی حالت پر چلتا پرگت کی گئی ہے۔ یہ حصہ دل پر اثر کرتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ پریسیڈنٹ آئزن ہاور اور ”سہامی“ آئزن ہاور میں لگاتار لڑائی ہوئی وہی ہے اور کہیں کہیں سہامی نے پریسیڈنٹ کو پچھتاؤ دیا ہے سہامی جانتا ہے کہ لڑائی کیا بل ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں بھونکے ہوئے ہیں، سہامی کو کس طرح جانور بلایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچیں گے کہ ایک آدمی کے دو روپ کیسے ہو سکتے ہیں۔ پر اس بیان کو دیکھان سے پوچھنے پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ سہامی آئزن ہاور آج کی حالت پر افسوس ظاہر کرتا ہے، لڑائی کی پرہادی کا نقشہ ہمیں پتا ہے لیکن جلد ہی اسے یاد ہو جاتا ہے کہ وہ امریکا کا پریسیڈنٹ بھی ہے اور وہ ان سب باتوں کی ذمہ داری جھٹ سے دوسرے سر لہو پ دیتا ہے اور اپنے دیکھ کر خود کو اور امریکا کے پرانے دشمنوں کو سب کو دیکھنا ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ برطانیہ کے لہر ہوتا مستر بیون نے اس بیان پر بولتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس भाशन کا روپ ٹھیک نہیں ہے اور جہاں جہاں یہ ٹھیک روپ میں ہے وہی ان حصوں نے اثر کو ضبط کر دیا گیا ہے۔“ آئزن ہاور نے لڑائی کا جو بھانک درشہ اپنے भाशन میں کھینچا ہے اسے ہم نیچے دے دے ہیں :

”جنگ سے جس خراب سے خراب نتیجے کا ڈر ہے اور جس اچھی سے اچھی بات کی امداد کی جاسکتی ہے وہ سب سے برا نتیجہ ایسی لڑائی ہو سکتی ہے۔“

سب سے خراب نتیجہ ایسی لڑائی ہو سکتی ہے۔ اچھی سے اچھی بات یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے واناورن میں زندگی بہتے جس میں لگاتار تر چمایا رہے اور ہر طرف سلسلی پھیلی ہو، دنیا کے دیہوں کی دولت اور صنعت کا ڈیڑھوک ہو اور جس شکتی کی مدد سے دوسری قہنگ، امریکی قہنگ یا اور کوئی قہنگ بھی اس دنیا کی خوبصورتی ہو سکتا ہے وہ ساری شکتی اس ملک نام میں ڈھونڈنے کے لئے استعمال کی جائے۔

”ہر بندوق کے بنانے، ہر لڑائی کے جہاز کو تیار

## آئزن ہاور کا شانتی سہماؤ

17 اپریل 1953 کو امریکا کے پریسیڈنٹ آئزن ہاور نے امریکی ایڈیٹروں کے سامنے ایک भाशन دیا تھا۔ اس भाशन کی ساری دنیا میں چرچا ہوئی ہے اور اسے امریکا کی آئیں کی پالیسی کا آدھار مانا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس भाशन پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ भाशन کی ابتدا کو پوری طرح سمجھ لیں۔ اس भाशन کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ ہواؤنٹا سے بھرا ہے، دنیا کی آج کی حالت پر چلتا پرگت کی گئی ہے۔ یہ حصہ دل پر اثر کرتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ پریسیڈنٹ آئزن ہاور اور ”سہامی“ آئزن ہاور میں لگاتار لڑائی ہوئی وہی ہے اور کہیں کہیں سہامی نے پریسیڈنٹ کو پچھتاؤ دیا ہے سہامی جانتا ہے کہ لڑائی کیا بل ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں بھونکے ہوئے ہیں، سہامی کو کس طرح جانور بلایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچیں گے کہ ایک آدمی کے دو روپ کیسے ہو سکتے ہیں۔ پر اس بیان کو دیکھان سے پوچھنے پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ سہامی آئزن ہاور آج کی حالت پر افسوس ظاہر کرتا ہے، لڑائی کی پرہادی کا نقشہ ہمیں پتا ہے لیکن جلد ہی اسے یاد ہو جاتا ہے کہ وہ امریکا کا پریسیڈنٹ بھی ہے اور وہ ان سب باتوں کی ذمہ داری جھٹ سے دوسرے سر لہو پ دیتا ہے اور اپنے دیکھ کر خود کو اور امریکا کے پرانے دشمنوں کو سب کو دیکھنا ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ برطانیہ کے لہر ہوتا مستر بیون نے اس بیان پر بولتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس भाशन کا روپ ٹھیک نہیں ہے اور جہاں جہاں یہ ٹھیک روپ میں ہے وہی ان حصوں نے اثر کو ضبط کر دیا گیا ہے۔“ آئزن ہاور نے لڑائی کا جو بھانک درشہ اپنے भाशन میں کھینچا ہے اسے ہم نیچے دے دے ہیں :

”جنگ سے جس خراب سے خراب نتیجے کا ڈر ہے اور جس اچھی سے اچھی بات کی امداد کی جاسکتی ہے وہ سب سے برا نتیجہ ایسی لڑائی ہو سکتی ہے۔“

سب سے برا نتیجہ ایسی لڑائی ہو سکتی ہے۔

اچھی سے اچھی بات یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے واناورن میں زندگی بہتے جس میں لگاتار تر چمایا رہے اور ہر طرف سلسلی پھیلی ہو، دنیا کے دیہوں کی دولت اور صنعت کا ڈیڑھوک ہو اور جس شکتی کی مدد سے دوسری قہنگ، امریکی قہنگ یا اور کوئی قہنگ بھی اس دنیا کی خوبصورتی ہو سکتا ہے وہ ساری شکتی اس ملک نام میں ڈھونڈنے کے لئے استعمال کی جائے۔

”ہر بندوق کے بنانے، ہر لڑائی کے جہاز کو تیار



कहाँ श्री पपिलबाई का वह सर्टीफिकेट और कहाँ श्री गोरबाबा का यह सर्टीफिकेट ! जिस तरह अंगरेजी राज में हर अंगरेज हिन्दुस्तान का हुक्काम बन सकता है इस तरह आजकल हर अमरीकन हिन्दुस्तान का विशेषज्ञ सलाहकार बन सकता है चाहे उसकी जानकारी कितनी ही कम हो. फिर, चाहे वह किसी भी विषय का जानकार क्यों न हो वह हिन्दुस्तान आकर हर विषय का एक्सपर्ट माना जायेगा. इसके अलावा बात यह भी है कि श्री पपिलबाई अमरीकी होने के नाते रूस चीन वगैरा को तो किसी गिनती में ही नहीं रखते होंगे. फिर, खुद अमरीका का इन्तज़ाम कौन रानीमत या अच्छा है ? ट्रूमन के शासन के खिलाफ जनता को कितनी शिकायत थी इसका अन्धाधुन इस बात से लगता है कि अमरीका के नये राष्ट्रपति के चुने जाने पर किसी ने उन्हें “भाड़ू” भेंट में भेजी ताकि क्लाइव हावस में से गन्दगी साफ कर दें ! अगर अमरीका का शासन इतना पतित हो और उसके मुक़ाबले हिन्दुस्तान बारहवें दर्जे में आये यह तो वैसा ही है कि किसी इन्तिहान में साठ में से चालीस लड़के ही शरीक हों और उन चालीस में दस पास हो जिनमें पहली डिवीज़न में कोई पास न हो, दूसरी में चार हों और तीसरी में छै और ग्यारहवां कहे कि मैं फेल भले होऊँ पर नम्बरों के लिहाज़ से ग्यारहवें पर हूँ !

लेकिन सौ बातों की एक बात यह है कि श्री एपिलबाई की राय कितनी सच्ची क्यों न हो उसके मुकाबले श्री गोरवाला की राय कहीं ज़ियादा क्लीमती और खरी समझी जायेगी. इस वजह से नहीं कि श्री गोरवाला की क्लाबलियत श्री एपिलबाई से ज़ियादा है, इस वजह से नहीं कि श्री गोरवाला को सरकारी तन्त्र का तजुर्बा श्री एपिलबाई से ज़ियादा है, इस वजह से नहीं कि श्री गोरवाला हिन्दुस्तानी हैं और श्री एपिलबाई अमरीकन, बल्कि इस वजह से कि श्री गोरवाला भारत सरकार के ही तैनात किये हुए आदमी हैं और अगर सरकार को उनकी राय का एतबार नहीं है तब फिर उसे अपनी किसी कमेटी या कमीशन की राय पर भरोसा नहीं रखना चाहिये. यही नहीं, वह अपने पर ही भरोसा नहीं कर सकती. और जब श्री गोरवाला कहें कि सरकार सच्चा-साफ इन्तज़ाम नहीं चाहती तो पंडित जवाहर लाल नेहरू को सोचना पड़ेगा कि दो सर्टिफिकेटों में कौव ज़ियादा सच्चा है और उनका या उनकी सरकार का क्या कर्ष है.

हम इतना कह कर खत्म करेंगे कि अगर पंडित जवाहरलाल भी गोरवाला के कहे को क्रमूल नहीं करते हैं और उसकी रोशनी में हकूमत को ढंग पर जाने की कोशिश नहीं करते तो इतिहास उन्हें इसके लिये माफ नहीं करेगा.

23. 4. '53

—सुरेश रामभाई

کہاں بھی لپھل پائی کا وہ سرٹھکھٹ اور کہاں شری  
 گورو کا یہ سرٹھکھٹ ! جس طرح انگریزی راج میں ہر  
 انگریز ہندوستان کا حکم بن سکتا ہے اسی طرح آج کل ہر  
 امریکی ہندوستان کا رشے شک صالح کار بن سکتا ہے چاہے  
 اُسکی جان کاری کتنی ہی کم ہو۔ پھر چاہے وہ کسی بھی  
 رشے کا جان کار کہوں نہ ہو وہ ہندوستان آکر ہر رشے کا  
 ایکسپریٹ مانا جائیگا۔ اس کے علاوہ بات یہ بھی ہے کہ  
 شری لپھل پائی امریکی ہونے کے ناتے روس چھوٹے وغیرہ  
 کو تو کسی گنتی میں ہی نہیں دیکھتے ہونگے پھر خود  
 امریکہ کا انتظام کون فلیٹ یا اچھا ہے ؟ ترومن کے سامان  
 کے خلاف جلتا کو کتنی شکایت تھی اس کا انداز اس بات  
 سے لگتا ہے کہ امریکہ کے نئے رالٹریٹی کے چلے جانے پر  
 کسی نے انہیں ”جھاڑ“ بھینٹ میں بھینچی تاکہ  
 رعایت ہاؤس میں سے لٹکنی صاف کر دیں ! اگر امریکہ کا  
 ہاسٹی انفا یٹت ہو اور اُس کے مقابلے ہندوستان بارہویں  
 درجہ میں آئے یہ تو ویسا ہی ہے کہ کسی امتحان میں  
 ساٹھ میں سے چالیس لڑکے ہی شریک ہوں اور اُن چالیس  
 میں دس پاس ہوں جن میں پہلی توبہزن میں کوئی  
 پاس نہ ہو، دوسری میں چار ہوں اور تیسری میں چھ۔ اور  
 تیارہولی کہہ کہ میں فیل بہلے ہوؤں پر نمبروں کے لحاظ  
 سے لیاہویں پر ہوں !

تھیں سو ہاتوں کی ایک ہات یہ ہے کہ شری اپہل ہائی کی دائہ نکلی ہی سچی کہوں نہ ہو اُس کے مقابلے شری گوروالا کی دائہ کہیں زیادہ قیمتی اور گہری سمجھی جائیگی۔ اس وجہ سے کہیں کہ شری گوروالا کی قابلیت شری اپہل ہائی سے زیادہ ہے، اس وجہ سے کہیں کہ شری گوروالا کو سرکاری دفتر کا تجربہ شری اپہل ہائی سے زیادہ ہے، اس وجہ سے کہیں کہ شری گوروالا ہندوستانی ہیں اور شری اپہل ہائی امریکن، بلکہ اس وجہ سے کہ شری گوروالا بھارت سرکار کے ہی طبعات کئے ہوئے آدمی ہیں اور اگر سرکار کو ان کی دائہ کا اعتبار نہیں ہے تب پھر اُسے اپنی کسی قیمتی یا قیمتی کی دائہ پر بھروسہ نہیں دینا چاہئے۔ یہی نہیں، وہ اپنے پر ہی بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اور جب شری گوروالا کہیں کہ سرکار سچا انتظام نہیں چاہتی تو پختہ جواہر لال نہرو کو سوجھا دیتا کہ دو سرگرمیوں میں کون زیادہ سچا ہے اور ان کا یا ان کی سرکار کا کیا فرض ہے۔

ہم انعام کو ختم کرینگے کہ اگر بدلتے جواہر لال شہی  
گورو لانے کہہ کو قبول نہیں کرتے ہیں اور اُسکی روشنی  
میں حکومت کو قہقہہ پر لانے کی کوشش نہیں کرتے  
کو اٹھائیں انہیں اُسکے لئے معاف نہیں کریں ۔

— سرپرست وام بھائی

23.4.53



ایسی دیوت میں شری کووالا نے کئی سچاواں دیے۔  
 ان میں سے ایک یہ ہے :

”اگر سرکار یہ چاہتی ہے کہ اونچے مہذبے پر کام کرے  
والوں کی نمٹک کھڑکی میں چلتا کا وشواس ہوتا رہے تو  
اس ہاتھ کا انتظام ہونا چاہئے کہ کوئی آدمی چاہے کتنا  
ہی اونچا کہوں نہ ہو، پر اگر اُس نے خلاف ذمے دار  
فہمیوں کی طرف سے اعتراض اُٹھتے ہوں اور اُن سے  
کس یا معاملہ چلایا جاسکتا ہے تو وہ جانچ ضرور کرائی  
جائے۔ اس کے لئے ایک مشہوری ہونی چاہئے جو سرکاری  
نظام کا حصہ ہو نہ کہ جیسا منسٹروں کے معاملے میں  
کسی راج کاجی ہارٹی کا۔ کنبھن بھی راج کاجی یا نجی  
کاروں سے اس چیز میں ثالثا نہیں ہونا چاہئے اور نہ  
ثالثا نظر ہی آنا چاہئے۔“

اس لئے شری گوروالا کی کمپنی نے سچھاؤ رکھا تھا کہ  
راہتروہی یا ہوی عدالت کو سچائی جانے کے لئے اعتبار  
سودھ جائیں پر ایسا نہیں کیا گیا۔ شری گوروالا نے اپنے لئے  
میں کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ منسٹروں کے  
خلاف ڈسپدار لوگوں کی طرف سے ہونے والی شکایتوں کی  
جانچ اگر سرکار کرنا چاہتی تو اس سمبندھی قانون بنانے  
بٹوالے میں اسے جلد مہینوں سے زیادہ نہیں لگتے۔ کہیں  
1952 میں ایسا ہو گیا ہوتا تو اب تک سارے دیہے کے  
اندر شاسن کی حالت بدل گئی ہوتی۔

اسی طرح سے، شری گورو والا نے لکھا ہے، سوال ہے مستشرقین کا دھیسوں کے یہاں جاکر تھہرنا و دھونیں اُڑانا۔ پر دھان ملتاری نے ایک موقع پر بھی اس طرح کی مہمان داری کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی۔ پر اگر چاہ رہی ہوتی مے تو اس سلسلے میں احکام بخوبی جاری کئے جاسکتے تھے جو نہیں کئے گئے۔ شری گورو والا کی رائے ہے اور صحیح رائے ہے کہ ”اگر کسی مستشرق سے پوچھا جائے کہ اُس کے اچھے پاس یا اُس نے اُنھرتوں کے پاس تھوڑے ہی عرصے میں زیادہ دھن دولت کہاں سے جمع ہوگئے تو یہ پوچھنا بھجنا نہیں تھا۔ اگر اُبی پر مقدمہ چلایا جاتا ہے تو یہ دیکھ کر ہی چلایا جاتا ہے کہ گنجانا ہی ہے۔ پر یہ تک نہ ہوا۔ ضرور چاہ کی ہی کسی ہے۔“

آخر میں شہری گوروں کے ساتھ کہتے ہیں :

”زیادہ مغرور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تہذیبی  
 صی مشابہت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سوال پر سرکار  
 کا دمج کیا ہے۔ کل ملا کر یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ سچے  
 صاف یا انصاف پسند انتظام کی ضرورت سرکار سمجھتی  
 ہی نہیں۔ کیا اس دیکھ کی سرکار فیصلہ پر ایمانی ناکامی  
 پر اکتا رہے؟ ظاہر جواب ہے کہ نہیں۔“



ملازمینوں کی تاواذ کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں۔ کہ ”چھوڑا سی یا نیچے درجہ اور کم تنخواہ والے آدمی“ بھلے پھیلاوا ہوں لےکین اُنہیں اور پھیلاوا پھیلاوا سب جگہوں پر کام کرنے والے ملازمینوں کی تاواذ ضرورت سے پھیلاوا کم ہے۔

ملازمینوں کے ایمان کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں کہ سرکاری شاسن میں کئی بڑے ایماندار اور نیسواہی لوگوں کی تاواذ کسی بھی بڑے نیجی کاروبار کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اسی طرح سے اُن کا کہنا ہے کہ ملازمین کی ہوشیاری کے خلاف والی شکایت بھی غلط ہے۔ ”لال فہمے“ کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں کہ ایک حد تک تو یہ ضروری چیز ہے اور اس کے بلا کام نہیں چل سکتا۔

اسی طرح سے اُن کا کہنا ہے کہ روپے پوسے کے معاملے میں یہاں بہت ”کنجوسی“ برتی جاتی ہے اور چھوٹی بہت پر دھماں دیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ سکریٹریٹ کے طریقہ و فہرہ بھی بڑے بال کی کھال نکالنے والے اور وجار ہون میں اُن کا ایک سچھا یہ بھی ہے کہ ”آزادی“ دینے سے دیہی کی ایکتا کو خطرہ ہے۔ اور اُن کی جانچ کا نیچوڑ یہ ہے ”جھساہم نے اور کہا ہے ”بھارت کا سرکاری شاسن دنیا کے بارے یا آس پاس دیہوں میں ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر پردھان ملتری نے دیہی اور شان کے ساتھ کانگریسی بھائیوں کو یہ بلا مانگے سرٹیفکیٹ کی تفصیل سنائی جس سے کہا اُنہوں نے اُن کے سلسلے والوں کو بڑا حلقہ ہوا ہوا !

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس میں“ اخبار میں چھپا ہوا ہے۔ قی۔ کورالا کا ایک لیکچر دیکھا جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ شری پیلواری نے قی۔ کورالا پشٹی یافتہ آئی۔ سی۔ ایس۔ میں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمیشنوں اور کمیشنوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آئے سرکار بھکتی مل پھیلاوی اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے تھے اور کھلدری کرن کہا کرام آدیوگ، کہا اہلسا کسی میں ہوئی۔ ہمارے فائی نیلس ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دلی بہر و خواہش نہیں ہے۔

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس میں“ اخبار میں چھپا ہوا ہے۔ قی۔ کورالا کا ایک لیکچر دیکھا جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ شری پیلواری نے قی۔ کورالا پشٹی یافتہ آئی۔ سی۔ ایس۔ میں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمیشنوں اور کمیشنوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آئے سرکار بھکتی مل پھیلاوی اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے تھے اور کھلدری کرن کہا کرام آدیوگ، کہا اہلسا کسی میں ہوئی۔ ہمارے فائی نیلس ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دلی بہر و خواہش نہیں ہے۔

اپنے اس لیکچر میں شری کورالا کا کہنا ہے کہ تین سال ہوئے شاسن سدھار کے لئے سرکار نے اُن کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اُس کمیٹی نے اپنی رپورٹ دو برس پہلے پش کر دی تھی۔ مگر 1951 کا 1952 پورا نکل گیا، 1953 کے تین چار ماہ چلے گئے سرکار نے اُس کے مطابق ایک قدم بھی نہیں اٹھایا !

ملازمینوں کی تاواذ کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں۔ کہ ”چھوڑا سی یا نیچے درجہ اور کم تنخواہ والے آدمی“ بھلے پھیلاوا ہوں لےکین اُنہیں اور پھیلاوا پھیلاوا سب جگہوں پر کام کرنے والے ملازمینوں کی تاواذ ضرورت سے پھیلاوا کم ہے۔

ملازمینوں کے ایمان کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں کہ سرکاری شاسن میں کئی بڑے ایماندار اور نیسواہی لوگوں کی تاواذ کسی بھی بڑے نیجی کاروبار کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اسی طرح سے اُن کا کہنا ہے کہ ملازمین کی ہوشیاری کے خلاف والی شکایت بھی غلط ہے۔ ”لال فہمے“ کے بارے میں شری پیلواری کہتے ہیں کہ ایک حد تک تو یہ ضروری چیز ہے اور اس کے بلا کام نہیں چل سکتا۔

اس کے مقابلے ہماری نگاہ سے 15 اپریل کے ”اسٹیمس میں“ اخبار میں چھپا ہوا ہے۔ قی۔ کورالا کا ایک لیکچر دیکھا جس کا نام ہے ”ایک زیادہ سچا صاف انتظام“ شری پیلواری نے قی۔ کورالا پشٹی یافتہ آئی۔ سی۔ ایس۔ میں جن کی بھارت سرکار میں بڑی عزت ہے جو ہندو سرکاری کمیشنوں اور کمیشنوں کے ممبر یا صدر رہ چکے ہیں۔ وہ سولہ آئے سرکار بھکتی مل پھیلاوی اور فوج پریمی جنہوں میں چلے گئے تھے اور کھلدری کرن کہا کرام آدیوگ، کہا اہلسا کسی میں ہوئی۔ ہمارے فائی نیلس ملستر شری دیہی مکہ یا انڈسٹری ملستر شری کرشنمچاری کی طرح دلی بہر و خواہش نہیں ہے۔

اپنے اس لیکچر میں شری کورالا کا کہنا ہے کہ تین سال ہوئے شاسن سدھار کے لئے سرکار نے اُن کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اُس کمیٹی نے اپنی رپورٹ دو برس پہلے پش کر دی تھی۔ مگر 1951 کا 1952 پورا نکل گیا، 1953 کے تین چار ماہ چلے گئے سرکار نے اُس کے مطابق ایک قدم بھی نہیں اٹھایا !



کون سا ہوگی جو اپنے بے ڈھنگے اور بے ہوشانہ رویے سے  
 دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے  
 نہ چاہے کہ وہ دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے  
 دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے

—مہاتما گاندھی

کون سا ہوگی جو اپنے بے ڈھنگے اور بے ہوشانہ رویے سے  
 دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے  
 نہ چاہے کہ وہ دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے  
 دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے اور دنیا کی ترقی و ترقی کے لیے

—مہاتما گاندھی

## دو سٹریٹ فٹ بال

## دو سٹریٹ فٹ بال

ہمارے প্রধান منتری پندت جواہر لال نہرو کو اپنے  
 دیش والوں سے ایک خاص شکایت یہ ہے کہ جو کوئی بھی  
 چاہے یا بڑا کام سرکار کرتی ہے، اسکی وہ ٹیکا-  
 ٹیپنی کرنے لگتے ہیں، لہذا اس کے خلاف قانونی کارروائی  
 کرنا پڑتی ہے اور تارکین کے لیے۔ اور کیونکہ پندت  
 جواہر لال کی دلیل ہے، باہر والے اپنے فن میں  
 مہارت اور بہت سے لوگ اس کے لیے آتے ہیں۔ ان کی بات  
 کو زیادہ مصلحت مانتا ہے۔ ہمارے پروردگار صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے ان کی سرکار کو جلتا ہے دور رہنے  
 کے کارن چھوٹے لگا کر چھوٹے دیکھنا پڑتی ہیں اور باہر  
 والے جو آتے ہیں وہ بھی ہم سے اور کچھ زیادہ دور رہنے کے  
 کارن، ویسا ہی یا زیادہ پاور کا چھوٹے لگا کر دیکھتے ہیں۔  
 یہی وجہ ہے کہ چھوٹے سرکار کو دیکھنا ہے ویسا ہی ان  
 دیکھتی مہارتوں کو اور دونوں کی پوری کیا جاتی ہے اور  
 دونوں میں اصلاح ہے اچھوتے دیکھتے ہیں۔

ہمارے پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکار کو جلتا ہے دور رہنے  
 کے کارن چھوٹے لگا کر چھوٹے دیکھنا پڑتی ہیں اور باہر  
 والے جو آتے ہیں وہ بھی ہم سے اور کچھ زیادہ دور رہنے کے  
 کارن، ویسا ہی یا زیادہ پاور کا چھوٹے لگا کر دیکھتے ہیں۔  
 یہی وجہ ہے کہ چھوٹے سرکار کو دیکھنا ہے ویسا ہی ان  
 دیکھتی مہارتوں کو اور دونوں کی پوری کیا جاتی ہے اور  
 دونوں میں اصلاح ہے اچھوتے دیکھتے ہیں۔

ہمیں یہ کہنے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ پچھلی  
 بار اپریل کو پارلیمان کی کانگریس پارٹی کی ایک نمائندہ  
 کمیٹی میں پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایک "پرسنل  
 ایڈمنسٹریٹو سسٹم" نے ہندوستان کے شاسن کی تعریف کرتے  
 ہوئے اسے دنیا کی "بارہ بہترین شاسن والے دیشوں میں"  
 لکھا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ سسٹم نئی دہلی میں ہے۔  
 اپریل ہائی جو امریکہ میں جس شاسن کے ایک شعبہ شک  
 نہم جاتے ہیں، پچھلے سال امریکہ کی طرف سے ہمارے  
 میں چلتے والے فورڈ ایمڈل نے ان اپریل ہائی صاحب کی  
 "ہوائی ہمارے سرکار کو دی تھی۔ انہوں نے چار مہینے کی  
 چھان بین کے بعد اس سال فروری میں اپریل ہوائی  
 کی ہے۔

ہمیں یہ کہنے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ پچھلی  
 بار اپریل کو پارلیمان کی کانگریس پارٹی کی ایک نمائندہ  
 کمیٹی میں پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایک "پرسنل  
 ایڈمنسٹریٹو سسٹم" نے ہندوستان کے شاسن کی تعریف کرتے  
 ہوئے اسے دنیا کی "بارہ بہترین شاسن والے دیشوں میں"  
 لکھا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ سسٹم نئی دہلی میں ہے۔  
 اپریل ہائی جو امریکہ میں جس شاسن کے ایک شعبہ شک  
 نہم جاتے ہیں، پچھلے سال امریکہ کی طرف سے ہمارے  
 میں چلتے والے فورڈ ایمڈل نے ان اپریل ہائی صاحب کی  
 "ہوائی ہمارے سرکار کو دی تھی۔ انہوں نے چار مہینے کی  
 چھان بین کے بعد اس سال فروری میں اپریل ہوائی  
 کی ہے۔

ان امریکی ایکسپٹ کی رائے ہے کہ "دھیرے دھیرے  
 میں اس سسٹم پر پورنچا ہوں کہ بھارت سرکار کی  
 دنیا کی بہت ترقی یافتہ بارہ یا اس کے لگ بھگ سرکاروں  
 میں چکے ہے۔" نئی دہلی ہائی کا کہنا ہے کہ شاسن  
 کے خلاف آج جو چار طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں—اس  
 میں ضرورت سے زیادہ آہنی کم کر دہے ہیں، یہ ہے کہ ان  
 کے ہونے کی وجہ سے اور "قل قیوم" کا بہت زیادہ  
 رقم ہے۔ وہ ان میں سے کوئی بھی مصلحت نہیں ہے۔

ان امریکی ایکسپٹ کی رائے ہے کہ "دھیرے دھیرے  
 میں اس سسٹم پر پورنچا ہوں کہ بھارت سرکار کی  
 دنیا کی بہت ترقی یافتہ بارہ یا اس کے لگ بھگ سرکاروں  
 میں چکے ہے۔" نئی دہلی ہائی کا کہنا ہے کہ شاسن  
 کے خلاف آج جو چار طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں—اس  
 میں ضرورت سے زیادہ آہنی کم کر دہے ہیں، یہ ہے کہ ان  
 کے ہونے کی وجہ سے اور "قل قیوم" کا بہت زیادہ  
 رقم ہے۔ وہ ان میں سے کوئی بھی مصلحت نہیں ہے۔



نیزامیہ دینی سے ساتھ ساتھ ایک اور ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ یہاں پر ایک ولی کا مقبرہ ہے اور انہیں کے نام سے اس آبادی کا نام پڑا ہے۔ ایک طرح سے یہ آبادی نام کے لئے آبادی ہے۔ یہاں آبادی سے زیادہ مقبرے ہیں اور قبریں ہیں۔ یہ سب ہر عمر کے ہیں۔ کچھ سو گروں پر ہیں، کچھ برسوں میں بنائے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی موتی ہوئی ہوتی ہیں۔ انہیں قبریں ہیں جو کہ اس جگہ پہنچنا چاہتی تھیں جہاں آصف علی صاحب دہلوی چلے گئے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے قبروں کو ختم کر رہے ہیں اور ان سے بچ کر نکلتے ہیں۔ ہر مسلمان دیکھتا ہے کہ وہ قبریں سمیت قبروں پر پاؤں رکھتے ہوئے اس کے جنازے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوا دیکھتا ہے۔ جو ہندوستان کے لئے چلا اور اسی کے لئے مرا۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اپنے ہندو ساتھیوں کا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح قبروں کو کھینچ رہے ہیں۔ اب ہندو بھی اس طرف سے بے فکر ہو گئے ہیں اور یہ خیال ہی نہیں رہا کہ وہ راستے راستے جا رہے ہیں یا قبروں پر ہوتی ہوئی جا رہے ہیں۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہیں کھوے ہو کر اس نے وہی کے درخت بنے اور جنازہ کو قبر میں اتار دیکھا۔

ایک دو کے ملے سے ہم نے یہ بات بھی سنی، اہلی بڑی موت میں ہی نہیں ملی۔ یہ جب ہی ملتی ہے جب اس سے بڑی موت کسی نے چھوڑی ہو۔ اسی بات کو انہیں ایک دو نے پھر اس طرح سمجھا کہ اگر آصف علی صاحب نے ایک عمارت کے نام پر انگریزوں سے فی جانے والی موت کو لیا ہے تو کبھی ہوتا تو کیا آج یہ موت نصیب ہوتی۔ اور پھر اسی سلسلے میں ایک ملے سے یہ بات بھی سنی کہ جو آج اس موت سے دور رہ کر دیہی کے دیہوں کو دور کر کے میں اہلی جان لوٹا گا تو کیا وہ اس سے بھی بڑھ کر مسلمان نہیں بنے گا۔

آصف علی صاحب اہلی ماں کی بغل میں دفن دیکھ گئے۔ ان کی ماں کی قبر پہلوں سے لدا کر پہلوں کا قہر ہی لگتی تھی۔ پہلوں کا انتظام دیکھتے ہی قبر میں ملتی دیکھ کر پھاسی ہو کر آصف علی صاحب کی قبر کی طرف لپکی تو وہ پھر ان کی ماں کی قبر پر چڑھ گئی اور مٹی ڈالتے کی پھاس بچوانے لگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت آصف علی صاحب کی والدہ یعنی سارا جی کی روح قبر میں ایسے ہی آندے رہی ہوگی مگر یہ سب اسی کے بچے ہیں جو اس کی چھاتی پر کھل رہے ہیں۔

ایک دو کے ملے سے ہم نے یہ بات بھی سنی، اہلی بڑی موت میں ہی نہیں ملی۔ یہ جب ہی ملتی ہے جب اس سے بڑی موت کسی نے چھوڑی ہو۔ اسی بات کو انہیں ایک دو نے پھر اس طرح سمجھا کہ اگر آصف علی صاحب نے ایک عمارت کے نام پر انگریزوں سے فی جانے والی موت کو لیا ہے تو کبھی ہوتا تو کیا آج یہ موت نصیب ہوتی۔ اور پھر اسی سلسلے میں ایک ملے سے یہ بات بھی سنی کہ جو آج اس موت سے دور رہ کر دیہی کے دیہوں کو دور کر کے میں اہلی جان لوٹا گا تو کیا وہ اس سے بھی بڑھ کر مسلمان نہیں بنے گا۔



ہوئے۔ ان کے خیروں پر باقی کبھی جا سکتی تھی۔ لیکن رکنے کی جگہ نہ تھی۔ ہم تو اسی دور میں مل کر دیکھنے کی صفت ہی نہ کر سکے۔ تو ہمارے ساتھ لے کر آئے چوتھے برس میں سے ایک میں جا رہے تھے جو دہلی کے ساتھ ساتھ چلے گئے تھے تعلیم کی کئی تھیں۔

بہت سے بڑے بڑے لوگوں کی قربانی ہم آسٹریا آسٹریا کی جیہتی میں گئے اور اس سب کا جواب بھی لوگوں سے یا گئے کہ ایک راج دولت کا سرکار ہوا سمعان کہیں کر رہی ہے؟ بس میں سے ہی کسی ایک نے جواب دیا کہ نہ یہ راج دولت آسٹریا علی کا سمعان ہے، نہ یہ گورنر آسٹریا علی کا سمعان ہے، نہ یہ کانگریس آسٹریا علی کا سمعان ہے، یہ تو اس عاشق پروانے کا سمعان ہے جو آرمی فرسٹ پر ہر دم چلنے کو تیار رہتا تھا۔

جو بہت دور تھے کے درمیان کے لئے آمو ہوئی تھی اس میں ہندو مسلمانوں سے زیادہ اور مسلمان ہندوؤں سے زیادہ تھے۔ پہلی ہندو مسلمان کی کوئی قسم ہی نہیں رہ گئی تھی۔ دلی میں گریپ گریپ سب پروانے کے لوگ رہتے تھے، پر اس وقت پر سب اپنی پروانے بول رہے تھے۔ جو سرکار کی ہر وقت تھکا کرتے رہتے تھے۔ آج وہ بھی سرکار کی تھکا بول کر رہی کے ساتھ موجود تھے۔ دھرم بھد، جاتی بھد، سبھی بھد نہ جانے آج کہاں چلے گئے تھے۔ سب مسلمان عام طور سے اور گریپ مسلمان خاص طور سے کچھ ایسا محسوس کرتے معلوم ہو رہے تھے۔ ساتھ یہ انہیں کا سمعان ہو رہا ہو۔ جب کوئی ہندو دلی دیکھنے کے لئے آئے ہوتا تھا تو وہاں کوئی مسلمان ہوتا تھا تو وہ بڑے ادب سے آئے جگہ دے دیتا تھا۔ مسلمان کا یہ کام یہ بتانا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دلی اس کے ہی کسی گریپ وقت دار کی ہے۔ کئی مسلمان جوان لوگوں کو تو ہم نے چھوٹے چھوٹے ہندو بچوں کو کھدھوں پر بٹھا کر دلی دے دئے تھے دیکھا۔ ہندو بچوں میں سے بہتوں کی یہ خواہش تھی کہ ان کے لئے ان کے بچے ایسے دیہی بھکت کی نہ دلی کو چھو پائے اور نہ فن کا ایک کھوا گئے میں لڑکے کو پا سکے۔

بہت سے سب عمر کی بہنیں، سالکوں اور بہنوں تھیں۔ سب ہی ان کا پورا پورا خیال دے رہے تھے۔ کئی بہنیں تو اپنی بچوں کو کوئی میں لئے رہتے تھیں۔ یہ بھی اس پاس کے لوگ انہیں کوئی دقت نہیں ہونے دے دے تھے۔

جب دلی نظام الدین پورنچی تو بس میں خالی ہو گئیں اور بس میں بہت لوگ اس طرف دروے چلے آسٹریا علی صاحب ہندو کے آرام کے لئے لگائے جانے لگے تھے۔

ہم تو اسی دور میں مل کر دیکھنے کی صفت ہی نہ کر سکے۔ تو ہمارے ساتھ لے کر آئے چوتھے برس میں سے ایک میں جا رہے تھے جو دہلی کے ساتھ ساتھ چلے گئے تھے تعلیم کی کئی تھیں۔

بہت سے بڑے بڑے لوگوں کی قربانی ہم آسٹریا آسٹریا کی جیہتی میں گئے اور اس سب کا جواب بھی لوگوں سے یا گئے کہ ایک راج دولت کا سرکار ہوا سمعان کہیں کر رہی ہے؟ بس میں سے ہی کسی ایک نے جواب دیا کہ نہ یہ راج دولت آسٹریا علی کا سمعان ہے، نہ یہ گورنر آسٹریا علی کا سمعان ہے، نہ یہ کانگریس آسٹریا علی کا سمعان ہے، یہ تو اس عاشق پروانے کا سمعان ہے جو آرمی فرسٹ پر ہر دم چلنے کو تیار رہتا تھا۔

جو بہت دور تھے کے درمیان کے لئے آمو ہوئی تھی اس میں ہندو مسلمانوں سے زیادہ اور مسلمان ہندوؤں سے زیادہ تھے۔ پہلی ہندو مسلمان کی کوئی قسم ہی نہیں رہ گئی تھی۔ دلی میں گریپ گریپ سب پروانے کے لوگ رہتے تھے، پر اس وقت پر سب اپنی پروانے بول رہے تھے۔ جو سرکار کی ہر وقت تھکا کرتے رہتے تھے۔ آج وہ بھی سرکار کی تھکا بول کر رہی کے ساتھ موجود تھے۔ دھرم بھد، جاتی بھد، سبھی بھد نہ جانے آج کہاں چلے گئے تھے۔ سب مسلمان عام طور سے اور گریپ مسلمان خاص طور سے کچھ ایسا محسوس کرتے معلوم ہو رہے تھے۔ ساتھ یہ انہیں کا سمعان ہو رہا ہو۔ جب کوئی ہندو دلی دیکھنے کے لئے آئے ہوتا تھا تو وہاں کوئی مسلمان ہوتا تھا تو وہ بڑے ادب سے آئے جگہ دے دیتا تھا۔ مسلمان کا یہ کام یہ بتانا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دلی اس کے ہی کسی گریپ وقت دار کی ہے۔ کئی مسلمان جوان لوگوں کو تو ہم نے چھوٹے چھوٹے ہندو بچوں کو کھدھوں پر بٹھا کر دلی دے دئے تھے دیکھا۔ ہندو بچوں میں سے بہتوں کی یہ خواہش تھی کہ ان کے لئے ان کے بچے ایسے دیہی بھکت کی نہ دلی کو چھو پائے اور نہ فن کا ایک کھوا گئے میں لڑکے کو پا سکے۔

بہت سے سب عمر کی بہنیں، سالکوں اور بہنوں تھیں۔ سب ہی ان کا پورا پورا خیال دے رہے تھے۔ کئی بہنیں تو اپنی بچوں کو کوئی میں لئے رہتے تھیں۔ یہ بھی اس پاس کے لوگ انہیں کوئی دقت نہیں ہونے دے دے تھے۔

جب دلی نظام الدین پورنچی تو بس میں خالی ہو گئیں اور بس میں بہت لوگ اس طرف دروے چلے آسٹریا علی صاحب ہندو کے آرام کے لئے لگائے جانے لگے تھے۔



پہلے اس میں قہقہہ کر اور اس میں کے بدلے لہجے سے نہجے  
کام کرنے میں شرم تو لگتی ہی نہیں، دونا انسا ہوتا ہے  
ہے، جانم نہ آتا ہے۔

یہ جانکر ہمارے پڑنے والوں کو کیتنی خوشی ہوگی کہ  
جوتا گاٹتے گاٹتے ان ہاڈی کے بچار کیتنے اُچے جاتے  
ہے۔ نہ انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ چہل ہمارے  
ہمیں لگتی بچت ہوتی، نہ یہ کہ اس کے کتلے دام آہلکے۔  
یہ تو یہ سوچتی رہتی ہوں کہ کس طرح ان کا دیس اچے  
پہلوں پر آپ بکھو ہوگا اور نہ صرف اچے ضرورتوں کے لئے  
دوسروں ملکوں کی اور نا اچھا چھوڑ دینا بلکہ ضرورت پڑے پر  
دوسروں کا دھنہ دور کرنے کے قابل بن سکے گا۔

یہ چہل کلاس ہوں دوری چہل کلاس نہ ملی۔ یہ تو  
لچھی خاصی نہ لاس نہی۔ کلا پورن چہل کی چارواں تو  
نہی ہوں، پر سارے کمرے میں چکر ڈرنے کے لئے پورن سولے  
بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک چکر میں گاندھی جی کی دو  
ٹانگیں دھائی لگی تھیں، ان کے پاؤں میں چہل تھے  
ان کے چہلوں کے ہاتھ (راج) چہل چہوت، داسکا نے  
گاندھی کی ٹانگوں کو لٹکی ہوئی دھائی لگی تھیں۔ اسی کا  
نام ہے 'سادگی' سے دھلا اور اونچی اراں لہنا۔

یہ چہل والوں کو یاد رہے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ  
کلاکار حسین صاحب کی قہقہہ مہولہ کی محفلت کا  
نتیجہ تھا۔ ان قہقہہ مہولوں میں چہلوں لگتی ہوں  
لگتیوں نے لگنا سکھا اور کوسا کام سکھا اس زپ تول سے  
ہمیں کیا لہنا۔ ہمیں تو ہم سے اس چاروں کی کیا پلٹ  
ہے جو کالج کی مہولہ پڑھسروں اور پڑھنے والی بہلوں  
پر بہلوں میں ہوئی۔

—بھگواندین

—بھگواندین

## راجدوت اصف علی صاحب کی دتھی

راجدوت اصف علی صاحب کی دتھی پڑھنے کی سب سے  
خیر دتھی والوں کو دیکھو سے چہلے ہی ملی ویسے  
ہی ملی شہر کے ہر مرد عورت چہلے آئے، عرب  
اسہر، سب کے دل میں ایک ہل چل مچ لگی۔ ہم  
جس گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے اس گھر کے اور پڑوس  
کے بچوں کی تو یہ بھی اچھا ہوئی کہ وہ عالم ہوئی  
انہی پر پڑھ کر ان کی دتھی کو حسان دیں اور تارن  
حال بھی پڑھیں جہاں ہی دتھی چلتا ہے درمیں نے لئے  
دتھی جانے والی نہی۔ پر ان بچوں کی یہ اچھا پڑی نہ ہو  
سکی۔ دوسرے دن چہلے تو وہ بچے کسی طرح روئے نہ دے اور  
دتھی نے درمیں نے لئے چلے گئے۔ ہم ہی ان کے ساتھ ہو گئے۔  
چہلے مسجد سے اجمہری کھٹک لوگوں نے تلوے تلوے لگے







ماحول میں لگا کر ہم اپنے گھر میں ہوں اور ہماری بہن بیٹیوں کے ساتھ کام دیکھا رہی ہیں۔

چھوٹی کی کئی چھوٹی انگ انگ ٹکڑوں پر چھوٹی ہوئی کھڑے آج کھڑے سے دیکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے دو ایک تو بڑے نمونہ تھیں۔ آرتھسٹ صاحب نے ان کو بھی ہاروی ہاروی سے دیکھا۔

ہاس ہی کاؤ پر لکھو لکھو چوکے چوکے چوکے چوکے چوکے کے ٹکڑے دیکھنے کو ملے۔ ان سب پر ہاروی ہاروی ہاروی کی ہوئی تھی۔ اس نمازیں کو ہم بالکل نہ سمجھ پاتے۔ کلاؤ سے پوچھا ہوا یہ کیا اور کس لئے؟

حسینی صاحب نے یہ ہوں چھل کی کٹھنوں آپ جانتے ہی ہوں، آج کل چھوٹا کنڈا کراں ہے، ہم چھوٹے کا ایک ٹکڑا خراب نہیں جانتے دیتے۔ یہ جو ان ٹکڑوں پر سلائی کی ہوئی ہے یہ ہمارے سیکھنے والوں نے پہلے ہی کا کام ہے ہم پہلے پہل ان کو سلائی ہی سکھاتے ہیں۔ ان کٹھنوں کو ہم چھوٹی کی اہلی میں بٹھا دیتے ہوں۔ ان کٹھنوں کو کاؤ پر اس لئے لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی کو یہ دیکھان دے اور اس کی نظر کے سامنے دے کہ اس نے پہلے ہی کھسی سلائی کی تھی اور آج وہ کھسی کرتا ہے۔

ہاتھ ہاتھ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک چھوٹی چھل کٹائی سے لکھو سلائی ہو کر ہر طرح تیار ہونے میں کم سے کم، کمائی کھلتے اور زیادہ سے زیادہ تین کھلتے یعنی ہر اس پر کچھ بڑے کام کھائے تو زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ ایک چھل میں تین سے پانچ روپے تک کی قیمت لگتی ہے۔ اور بازار میں اس کے دام چار سے آٹھ تک آسانی سے مل سکتے ہیں۔ اچھی دکان میں دس تک بھی لگ سکتی ہے۔

ہمیں 'کھائی کھلتے' والی بات پر کچھ شک ہو رہا تھا۔ ہم سوال کرنے کو ہی تھے کہ ایک بہن نے آٹھ کر کہا "ایک دن ایک شخص کالج میں لکھو دیکھو آئے، ان کی چھل کا اسی سے تیار کیا گیا۔ ان کا لکھو ختم ہونے کے بعد کالج میں تیار کی ہوئی ان کی چھل ان کے پاؤں میں پھنساؤ گئی۔ ان کے کالج پہنچنے لکھو ختم کرنے میں ہرے تین کھلتے کا سے لگا۔

ہاتھ ہاتھ میں اوراں کی بات چل پڑی۔ معلوم ہوا چھل سازی کے اوراں کو دو ہی ہیں۔ ایک 'دھوپ' لکھو سلائی۔ دھوپ کٹتی ہے، معاری سہتی ہے۔ دونوں کے دام آٹھ آٹھ یا ایک روپیہ۔ یہ دونوں آسانی سے کوئی بھی لکھو بنا سکتا ہے۔ اس کی ٹوٹ پھوٹ چھل بنانے والا خود کوڑتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ تھک کرے والے اوراں کوڑتا نہیں، ان کے دام بھی روپیہ آٹھ آٹھ۔ وہ اوراں بھی معمولی لکھو بنا سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ چھل کلاس میں لکھو



سہدوگ مل سکنا ناممکن ہے۔ چلتا سرکار کے ساتھ سہدوگ  
کرنے کو ملے گا۔ ہر یہ سہدوگ چلتا آ رہا  
ہو چلاؤں میں کر سکتی ہے جو چلتا ہے دل لگتی ہوں۔  
آجکل کی پہچانوں نہ چلتا ہے دل لگتی ہوں اور نہ  
ہو سکتی ہوں۔

ہزاروں نوجوان ہیں جو دیہی کو آگے بڑھنے کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی دیہی مٹی کی شکتی کسی دیہی کے نوجوانوں کی شکتی سے کم نہیں۔ ہر اکمل جو لڑکہ ہے اُن کا دھن سہن، اُن کا دھم اور اُن کے وچار ان نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچے یا ان میں اسٹیک پیدا کرنے کی جگہ ابھرنے اور دور ہٹانے میں۔

مہانتا گاندھی بھارت اور بھارت واسیوں کو اچھے طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے کامیابی کی ایک سب اور سیدھی سڑک تیار کر دی ہے۔ پڑوسی دیشوں کی جیتی جاتی مثالیں بھی ہم میں سامنے اور دیکھیں پھدا کر لے کر لائے آئی ہوئی چاہتیں۔ اچھا ہو کہ اب بھی ہم میں اتنی سمجھ اور ایذا ہل آئے کہ ہم سیدھے راستے پر چل سکیں۔ ہمارے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

— سید ذوال

✍ **اندر پرستہ دلج اور چہل سازی**

دوسرے ہاتھ سندر آل جی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی سی  
تو میں کچھ نہ سمجھ پایا۔

حسینی صاحب اندر پرستہ کالج میں پڑھتے ہوئے تھے۔  
 پہلے قیومہ میونسپل ہوا آپ بعد ازاں سے اندر پرستہ کالج  
 کی لڑکیوں کو چھل بٹائی کا کام سکھانے آئے ہوئے تھے۔  
 بعد چھل ہونے، اندر پرستہ کالج، چھل ساری اور  
 کلارا

دوسرے دن میں پلٹتے جی کے ساتھ ساتھ کالج پہنچے  
 ہی تو کہا . کہا دیکھتا ہوں ' آرٹسٹ صاحب دعوے میں  
 ننگے سر ہماری طرف لہکے چلے آ رہے ہیں ! ہمیں کسی  
 وجہ سے پانچ سات صلیب کی دیوڑھی ہوگئی تھی . آرٹسٹ  
 صاحب نے ہمیں معافی مانگنے تک کا موقع نہ دیا، ترس  
 ہم دونوں کو اپنی چھل نکلاں میں لے گئے . چھل نکلاں  
 کہا تھی ایک دکان تھی جس میں کچھ لونگیاں ایک  
 اندھیرے عورت کی مہولہ کی مانند تھیں میں چوڑے گلابیہ کا نام  
 کر رہی تھیں .

تھوڑی دیر میں ہم اُن کے کوچ میں تھے اور آرٹسٹ صاحب ہمیں اُن کے ہاتھوں سے چھان لے کر دیکھا رہے تھے۔ ملٹ کیورڈ ملٹ کے بعد ہی اُن پہلیں میں سے کوئی کوئی اپنی چوہل سلائی کا کام دیکھنے لگے۔ اب ہمارے سر سے یہ ہفتہ نکل گئی کہ ہم کسی کلاس میں گورے ہیں۔ ایسا



کی سہا، شیکا اور سنگٹن میں اپنا سارا سرمایہ لگانا چاہیے۔ گاंधی جی کی سلاہ پر اگر اس سرمایہ کو مل گیا جاتا تو ہمارے دیس کے شاموں اور چلتا کے بوجھ جو کھائی ہوہتی جا رہی ہے وہ پیدا ہی نہ ہوتی اور دیس میں ایک سچی چلتا کی سرکار قائم ہو سکتی۔

اس طرح ہمارے اندر جو کسی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے لیے سامنے کوئی ٹھیک ٹھیک آدش نہیں ہوں اور گاندھی جی کے آدشوں اور انکی صلح میں ہمیں دشواس نہیں اسی لکھ ہم نے انہوں نہیں مانا۔

ہمارے ادھکار سرکاری محکموں میں غریب چلتا کا روہہ جس طرح ہائی کی طرح بھایا جا رہا ہے اُسکی تفصل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ہورہوں تک ہم یہ شکایت کرتے رہے کہ انگریزی حکومت اس دیس کے لکھ بہت مہنگی ہے اور روہہ ہر مہنگی ہے۔ آج ہمارے حکومت انگریزی حکومت سے کہوں زیادہ مہنگی ہے اور اہیں کا خرچ ہوہتا چلا جا رہا ہے۔ اڈہم بہار کے اندر ہمیں پتایا گیا ہے کہ کھول پولیس کا خرچ جو انگریزی راج کے سامنے مہنگ لگ بھگ 75 لاکھ روہہ سالانہ تھا اور جسکی ہمیں ہوی شکایت دھتی ہوئی اب لگ بھگ تھن کرور اسی لاکھ ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آزاد بہارت میں پولیس اور کم ہوئی۔ دوسرے محکموں میں ہوی اسی طرح کی تفصل خرچوں اور دیس کی اصلی حالت پر نگاہ نہ دیکھ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم باہر کے ملکوں کے ساتھ بالکل غور ضروری اور خطرناک مالی دیلداریوں اور راجکاری الجھنوں میں پھلسے چلے جا رہے ہیں۔

چلتا کھلے اب دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آجکل کے شاموں پر اس بات کو لکھ کالی دباؤ نہ لگائے کہ وہ اپنی لمظواہوں اور خرچوں کو کم کریں، معمولی شہریوں کی طرح معمولی کھروں میں رہیں، اچھے رہن سہن کو چھان لک ہو۔ کہ چلتا کے رہن سہن کے نزدیک لڑیں اور اس طرح ان لوگوں کو لکھ ایک مثال قائم کریں جو اس سرمایہ اور سے نہچے تک راج چلا رہے ہیں۔ چلتا سرکار کو مجبور کرے کہ وہ شاموں کے خرچ کو کم کرے اور کھوس خوری، ہورشتا چار اور ہوکاری کو ختم کرنے کا بھن کرے۔

اگرچہ نہ ہوسکے تو دوسرا راستہ چلتا کھلے یہ ہے کہ آجکل کے شاموں کی جگہ اس طرح کے آدمیوں کو چلے اور ہوتھارے جو چاہے کسی بھی پارٹی کے ہوں یا نہ ہوں، ان سب باتوں کے کرنے کی ہر تگیا کریں۔

سرکار کے ساتھ سہوگ کرنے کو لکھ چلتا میں جوہی پیدا کرنے کا یہی ایک مائو طریقہ ہے۔ آج کے حالات میں چلتا میں جوہی پیدا ہو سکتا اور سرکار کو

جننتا کے لیے اب دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آجکل کے شاموں پر اس بات کو لکھ کالی دباؤ نہ لگائے کہ وہ اپنی لمظواہوں اور خرچوں کو کم کریں، معمولی شہریوں کی طرح معمولی کھروں میں رہیں، اچھے رہن سہن کو چھان لک ہو۔ کہ چلتا کے رہن سہن کے نزدیک لڑیں اور اس طرح ان لوگوں کو لکھ ایک مثال قائم کریں جو اس سرمایہ اور سے نہچے تک راج چلا رہے ہیں۔ چلتا سرکار کو مجبور کرے کہ وہ شاموں کے خرچ کو کم کرے اور کھوس خوری، ہورشتا چار اور ہوکاری کو ختم کرنے کا بھن کرے۔

اگرچہ نہ ہوسکے تو دوسرا راستہ چلتا کھلے یہ ہے کہ آجکل کے شاموں کی جگہ اس طرح کے آدمیوں کو چلے اور ہوتھارے جو چاہے کسی بھی پارٹی کے ہوں یا نہ ہوں، ان سب باتوں کے کرنے کی ہر تگیا کریں۔

سرکار کے ساتھ سہوگ کرنے کو لکھ چلتا میں جوہی پیدا کرنے کا یہی ایک مائو طریقہ ہے۔ آج کے حالات میں چلتا میں جوہی پیدا ہو سکتا اور سرکار کو

چلتا کھلے اب دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ آجکل کے شاموں پر اس بات کو لکھ کالی دباؤ نہ لگائے کہ وہ اپنی لمظواہوں اور خرچوں کو کم کریں، معمولی شہریوں کی طرح معمولی کھروں میں رہیں، اچھے رہن سہن کو چھان لک ہو۔ کہ چلتا کے رہن سہن کے نزدیک لڑیں اور اس طرح ان لوگوں کو لکھ ایک مثال قائم کریں جو اس سرمایہ اور سے نہچے تک راج چلا رہے ہیں۔ چلتا سرکار کو مجبور کرے کہ وہ شاموں کے خرچ کو کم کرے اور کھوس خوری، ہورشتا چار اور ہوکاری کو ختم کرنے کا بھن کرے۔

اگرچہ نہ ہوسکے تو دوسرا راستہ چلتا کھلے یہ ہے کہ آجکل کے شاموں کی جگہ اس طرح کے آدمیوں کو چلے اور ہوتھارے جو چاہے کسی بھی پارٹی کے ہوں یا نہ ہوں، ان سب باتوں کے کرنے کی ہر تگیا کریں۔

سرکار کے ساتھ سہوگ کرنے کو لکھ چلتا میں جوہی پیدا کرنے کا یہی ایک مائو طریقہ ہے۔ آج کے حالات میں چلتا میں جوہی پیدا ہو سکتا اور سرکار کو



بسر کرتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی کہتے تھے تو  
 ممکن ہے ہم یہ سمجھتے کہ گاندھی جی کی صلاح عمل  
 کرنے کی چیز نہیں تھی۔

گاندھی جی نے یہ بھی صلاح دی تھی کہ پارلیامینٹ  
 جیسی سب شاندار عمارتیں جو انگریزوں نے دلی میں  
 بنائیں ہیں یا تو اسکو لوٹ کر کالجوں اور دھرم و دیالوں کو دے  
 دی جائیں اور یا ان میں فریبوں کے لئے اسپتال کھول  
 دیئے جائیں اور سوراخ سرکار کو اپنا سارا کاروبار اس طرح  
 کے سہولت سادے مکانوں میں کرنا چاہئے جو بہارت جیسے  
 نوردھن دیہی کے جہوں سے کہتے ہوئے ہوں۔ ہمیں یاد  
 رکھنا چاہئے کہ نئے جہوں میں سب پرالے متصل اور بڑی  
 بڑی عمارتیں فریبوں اور مزدوروں کو دے دی گئی ہیں  
 جن میں وہ لوگ اپنے سہولت تھوڑے تھوڑے اور آمد پر سہوہ کرتے  
 ہیں اور جہوں اب وہ ورکرس کنگرول پھلسس کہتے ہیں۔  
 چوتھی کے لوگوں کے سادہ اور کفایت شعاری کی زندگی بسر  
 کرنے سے ہی نچھ کے سرکاری افسروں اور نوکروں میں وہ  
 اسٹیک پیدا ہو سکتی ہے جو کہوس خوردی اور بہرہ رشتہ چار  
 کو روک سکے۔

دیش کے آجیاد ہو جانے سے باء گاندھی جی نے جب  
 دیکھا کہ جھوٹی شان کے خہال میں پو کر کانگریس نہتا  
 ان کی صلاح نہیں مان رہے ہیں تو انہوں نے سانس کے  
 ساتھ اور صاف شہدوں میں سب کانگریس والوں سے کہا کہ وہ  
 دلی سرکار اور پرانتی سرکاروں کے سب عہدوں سے استعفیہ  
 دے دیں۔ سب دھارا سہاؤں میں سے باہر نکل آویں  
 کانگریس سلگھتی کو توڑ دیں اور گڑوں گڑوں میں جائے  
 چلتا کو سمجھائے اس طرح سلگھت کر دیں کہ شاشن  
 چاہے کسی کے بھی ہاتھ میں رہے لوگوں میں اتنا ہل ا  
 جاوے کہ جہاں کہیں اور جب کہیں شاک اپنی شکتی کا  
 دورا پھوگ کریں لوگ ان کا ہاتھ روک سکیں جس سے کوئی  
 سرکار چلتا کی اچھا کے وردہ چلتا کی ہمت نہ کر سکے۔

مہاتما گاندھی نے یہ پویشن کوئی کر دی تھی کہ اگر  
 کانگریس والوں نے انکی صلاح پر عمل نہ کیا تو حکومت  
 ہاتھ میں آئے ہی کانگریس والوں کا چلنے پگڑ جائے گا اور  
 وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاویں گے جس سے چلتا اور  
 ادھک مصیبت میں پھنسے گی جس کی ساری ذمہ داری  
 کانگریس والوں پر ہوگی۔ کانگریسی بھتاؤں نے اس سے  
 گاندھی جی کی بات نہ سنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی  
 کی پویشن کوئی سچی نکلی۔

ہمیں کھٹھام سلگھ گھٹے کے جو بہار کی تصویقات  
 کیلئے پویشن کے لئے اپنی رپورٹ میں یہ بھی صلاح دی  
 ہے کہ کم سے کم بہار میں سب کانگریس والوں کو سرکاری  
 عہدوں سے استعفیہ دے دینا چاہئے دھارا سہاؤں سے نکل  
 آنا چاہئے اور چلتا میں جائے نہیں سال تک چلتا



ہماری راہ پر سب کو دیکھا تھا اس لئے آتم ہتھا کر لی کہونکہ اُس پر یہ بوجھ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ کسی دوسرے اہم کارکن کے لئے جو اوپر کے کانسٹیبل آدھکارتوں کا ادھکارتہم پاتو تھا ایسا نام واپس لے لے۔ اُسے ڈر لیا تھا۔ دیکھ میں ہو کر اُس نے ایک خط ہفتت جواہر لال کے نام لکھ کر جس میں اُس نے دہایا ہے کہ ہمارا راجکاجی جہوں کتلا کر گیا ہے آتم ہتھا کر لی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس سے ملنے چلتی اور بھی کھلتا نہیں ہوں۔

ہماری آجکل کی مصیبتوں کے کارن کا اس سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ وہ ہزاروں آدمی جو ابھی حال تک آزادی کے سوا ہی تھے اور جو ظاہر ہے اب اپنی ان سہولتوں کے لئے انعام چاہتے ہوں یا پائلوں کی طرح سنا حاصل کرنے یا اچھے ہاتھ میں سنا پلانے کے لئے کی جی نور کوششوں میں لگے ہوئے ہوں۔ اُس پائل پن نے کارن ہمارا چور ہر حد کر گیا ہے۔ اب ہمارے لئے مقصد اگر ٹھیک ہے تو اُس تک پہنچنے کے لئے سادمن چاہے کتنے بھی خراب کھوں نہ ہوں کوئی ہرج نہیں۔ سچائی اور ایمانداری ہمارے لئے ہوں لفظوں کے دھوکے میں جو راج کاجی نہتوں کو شوبہا نہیں دیتے۔

ہمارے راجکاجی جہوں کا یہ یمن ایسا نہیں ہے جس کا پہلے سے کسی کو انومان نہ ہوا ہو۔ مہاتما گاندھی شروع سے ہی اسے صاف صاف دیکھ رہے تھے۔ اُس سے پہلے کے لئے ہی وہ ہمارے چوٹی کے لوگوں پر بار بار اُس بات کے لئے اور دے رہے تھے کہ سواراج مل جانے کے بعد بھی انہوں نے اچھے جہوں کی سادگی اور تہسما اسی طرح پلانے دیکھی چاہئے۔ ایک بار شری راج کوہالاچاری نے رائے ظاہر کی نہ گندھی جی نے ہر ہرے سے بڑے ہندوستانی سرکاری ہندو ادھکارتی کے لئے جو ادھکارتے سے ادھکارتے سو روپے ساموار کی تہسما باندھ دی تھی وہ سکن ہے اُس عہدے کی شان کو پلانے دیکھنے کے لئے کافی نہ ہو۔ اُس پر گندھی جی نے جواب دیا تھا کہ پانچ سو روپے کی حد ہفتت جواہر لال جہوں کے لئے ہے چلتے ہیں سے خاص طرح سے دھم کی عادت ہے لیکن راجا جی کو مستر یا گورنر ہونے کی صورت میں 75 روپے پہلے سے زیادہ ہرگز نہیں لیتا چاہئے۔ راجا جی ان دنوں 75 روپے ساموار میں ہی رہ رہے تھے۔

گندھی جی اس بات پر اور دھم تھے کہ آزادی کے بعد ہمارے مستروں اور گورنروں کو جہاں تک ہوسکے دھم کی عام چلتا کی طرح دھم اور زندگی بسر کرنا چاہئے اُس معاملہ میں اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ کچھ دوسرے دھم کے شاکس جو ہمارے دھم سے بڑے دھم ہیں تھیں اسی طرح کی سادگی اور تہسما کی زندگی

ہماری راہ پر سب کو دیکھا تھا اس لئے آتم ہتھا کر لی کہونکہ اُس پر یہ بوجھ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ کسی دوسرے اہم کارکن کے لئے جو اوپر کے کانسٹیبل آدھکارتوں کا ادھکارتہم پاتو تھا ایسا نام واپس لے لے۔ اُسے ڈر لیا تھا۔ دیکھ میں ہو کر اُس نے ایک خط ہفتت جواہر لال کے نام لکھ کر جس میں اُس نے دہایا ہے کہ ہمارا راجکاجی جہوں کتلا کر گیا ہے آتم ہتھا کر لی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس سے ملنے چلتی اور بھی کھلتا نہیں ہوں۔

ہماری آجکل کی مصیبتوں کے کارن کا اس سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ وہ ہزاروں آدمی جو ابھی حال تک آزادی کے سوا ہی تھے اور جو ظاہر ہے اب اپنی ان سہولتوں کے لئے انعام چاہتے ہوں یا پائلوں کی طرح سنا حاصل کرنے یا اچھے ہاتھ میں سنا پلانے کے لئے کی جی نور کوششوں میں لگے ہوئے ہوں۔ اُس پائل پن نے کارن ہمارا چور ہر حد کر گیا ہے۔ اب ہمارے لئے مقصد اگر ٹھیک ہے تو اُس تک پہنچنے کے لئے سادمن چاہے کتنے بھی خراب کھوں نہ ہوں کوئی ہرج نہیں۔ سچائی اور ایمانداری ہمارے لئے ہوں لفظوں کے دھوکے میں جو راج کاجی نہتوں کو شوبہا نہیں دیتے۔

ہمارے راجکاجی جہوں کا یہ یمن ایسا نہیں ہے جس کا پہلے سے کسی کو انومان نہ ہوا ہو۔ مہاتما گاندھی شروع سے ہی اسے صاف صاف دیکھ رہے تھے۔ اُس سے پہلے کے لئے ہی وہ ہمارے چوٹی کے لوگوں پر بار بار اُس بات کے لئے اور دے رہے تھے کہ سواراج مل جانے کے بعد بھی انہوں نے اچھے جہوں کی سادگی اور تہسما اسی طرح پلانے دیکھی چاہئے۔ ایک بار شری راج کوہالاچاری نے رائے ظاہر کی نہ گندھی جی نے ہر ہرے سے بڑے ہندوستانی سرکاری ہندو ادھکارتی کے لئے جو ادھکارتے سے ادھکارتے سو روپے ساموار کی تہسما باندھ دی تھی وہ سکن ہے اُس عہدے کی شان کو پلانے دیکھنے کے لئے کافی نہ ہو۔ اُس پر گندھی جی نے جواب دیا تھا کہ پانچ سو روپے کی حد ہفتت جواہر لال جہوں کے لئے ہے چلتے ہیں سے خاص طرح سے دھم کی عادت ہے لیکن راجا جی کو مستر یا گورنر ہونے کی صورت میں 75 روپے پہلے سے زیادہ ہرگز نہیں لیتا چاہئے۔ راجا جی ان دنوں 75 روپے ساموار میں ہی رہ رہے تھے۔

گندھی جی اس بات پر اور دھم تھے کہ آزادی کے بعد ہمارے مستروں اور گورنروں کو جہاں تک ہوسکے دھم کی عام چلتا کی طرح دھم اور زندگی بسر کرنا چاہئے اُس معاملہ میں اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ کچھ دوسرے دھم کے شاکس جو ہمارے دھم سے بڑے دھم ہیں تھیں اسی طرح کی سادگی اور تہسما کی زندگی



سوال ہوتا ہے کہ یہ سب حالت کبھی ہوں گے۔ ہمارے  
آج کے شامک جس درجہ تک وہ اس حالت کو پہنچے  
ہوں اُس کا کارن ایک تو یہ بتاتے ہیں کہ سوراخ سوراخ  
کو کام کرتے ابھی بہت تھوڑے دن ہوئے ہیں اور دوسرا یہ  
بتاتے ہیں کہ سوراخ کے سامنے ابھی بڑی کٹھنائیاں رہی  
ہیں جیسے ملک کا بقدرہ، دیسی دیاستوں کے منگے، کھمبہ  
اور حیدرآباد کے منگے، پانستان سے آنے والے سدا کو  
شرناتھوں کا پھر ہساؤ وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے یہ بھی شکایت  
ہے کہ انہیں چلتا سے جو سہوگ ملنا چاہئے تھا وہ  
نہیں ملے۔

ہم ماننے میں کہ ہمارے فلسفوں کی اس بات میں کچھ سچائی بھی ہے۔ لیکن دوسری طرف ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ راجستھان کے ان ہی سب پہلوؤں میں ہمارے کچھ بڑی سی دیکھیں اس سے بہت کم سے کے اندر غلبہ کی ترقی کر چکے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کے راستے میں جو کوتاہیاں تھیں وہ ہماری کوتاہیوں سے کچھ لاکھ کی نہیں کم نہیں تھیں۔

اپنے راشنریہ جہوں کے ایک اور پہلو کی طرف ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنی آج کل کی مصیبتوں کا کارن سمجھنے میں بھی کچھ مدد ملے گی۔ حال کی جھڑپ آباد کانگریس کے لئے جب قیلمت چلے گئے تو جیسا اکثر ہوتا ہے ہمیں سے پرانتوں سے چلاؤ میں ناجائز حرکتوں کی شکایت آئیں۔ اس طرح کی ایک شکایت بہار سے تھی۔ بہار میں دو کانگریس پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ہر پارٹی نے زیادہ سے زیادہ کانگریس ممبر بنانے کی کوشش کی۔ کل ملے کو بیس لاکھ سے اوپر ممبر ملے۔ جب بہار کے چلاؤ کی شکایت ورلڈک کمیٹی تک پہنچی تو ورلڈک کمیٹی نے ایک پرائے 'نیک آرڈر ایسٹاڈار کانگریسی لیڈر' کو تصدیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے لگ بھگ ایک مہینہ بہار میں دو کر دوڑی دوڑی کر دی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کل جتنے کانگریس ممبر بہار میں بنائے گئے ہیں ان میں سے کم سے کم 75 فیصدی جعلی ہیں۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ جعلی ممبر کس کس طرح سے بنائے گئے۔ پوچھ کر ہوا دیکھ ہوتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہر پارٹی نے دوسری پارٹی کے امیدوار کو ہتھام کرنے یا مرانے کے لئے کوئی نہی سے نہی آئے اٹھا نہیں دیا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں وہاں سے کہ اس بارے میں دوسرے پرانتوں کی حالت بہار سے کچھ بہت اچھی نہیں ہے۔

ہمیں انہوں نے ایک دوسرے پر انت کی مثال دی  
جسٹس لاگتوں کے ایک سچے کام کرنے والے نے جس کی



کھلتی کھلتی رہی اب بھٹکتی جا رہی ہیں۔ لگاتار ہر سو کے اندر ہمارا ہزاروں برس پرانا ہاتھ کے کڑیوں کا کام جو ڈیڑھ سو برس کی لکڑیوں والی ہتھیوں کے حملوں سے بھی بچتا رہا اب آخری سانس لہتا ہوا معلوم ہوا ہے۔ سن 1947 تک ہمارے دھرم کے کام میں لگ بھگ پانچ ہزار کرکٹ چلتے تھے۔ دسمبر 1952 میں ان پانچ ہزار میں سے چار ہزار ہڈی ہو چکی تھیں اور ہزاروں ہوشیار کاریگر اور ان کے بال بچے جو اس دستکاری سے پہلے تھے کئی کئی دن کے قلم کر کے

میں لگ رہے تھے۔ کالی برہادی کے بعد آدھ دل سے سرکار نے حال میں کھانسی اور کرکٹ کے دھندے کو مدد دینے کے لئے جو قدم اٹھائے ہیں وہ کسی اڑتھک پوجنا کا حصہ نہیں ہیں بلکہ کھول لوگوں نے استغویٰ کو کم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آج دل کی ہماری دوستیاں میں ان سے کوئی خاص فرق نہیں ہو سکتا۔ دسویں کی کوآپرٹو سوسائٹیاں کئی صوبوں میں السروں نے پورستچار اور - ب ادھکار اچے ہاتھوں میں رکھنے کی انسانی وجہ سے کسانوں کے لئے برکت کی جگہ نصیب ثابت ہو چکی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ بلکروں کی کوآپرٹو سوسائٹیاں کا بھی یہی نتیجہ ہوگا

کاشی برہادی کے بعد آدھ دل سے سرکار نے حال میں کھانسی اور کرکٹ کے دھندے کو مدد دینے کے لئے جو قدم اٹھائے ہیں وہ کسی اڑتھک پوجنا کا حصہ نہیں ہیں بلکہ کھول لوگوں نے استغویٰ کو کم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آج دل کی ہماری دوستیاں میں ان سے کوئی خاص فرق نہیں ہو سکتا۔ دسویں کی کوآپرٹو سوسائٹیاں کئی صوبوں میں السروں نے پورستچار اور - ب ادھکار اچے ہاتھوں میں رکھنے کی انسانی وجہ سے کسانوں کے لئے برکت کی جگہ نصیب ثابت ہو چکی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ بلکروں کی کوآپرٹو سوسائٹیاں کا بھی یہی نتیجہ ہوگا

دیکھ کی کرڑوں چلتا ہے جنوں سے سہلندہ رکھنے والے اور بہت سے دھندوں کی بھی یہی حالت ہے۔ غریبی اور بھکاری بڑھ رہی ہے۔ ہر سال دیکھ کے کسی نہ کسی حصے سے گزرتی اور اکل اکی خبریں آتی دھتی ہیں۔ گھوس خوری اور پورستچار سچے سے اوپر تک اتنا ادھک اور اتنی شکلوں میں دیکھائی دیتا ہے جتنا شاید پہلے دیکھی نہیں تھا۔ لوگوں کے ہر طرح کے کاروبار پر سرکار کا کنٹرول دن دن اتنا بڑھتا جا رہا ہے کہ چلتا پڑھتا اور برباد ہو رہی ہے۔

دش کی کروڑوں جناتا کے جیون سے سمبندھ رکھنے والے اور بہت سے دھندوں کی بھی یہی حالت ہے۔ غریبی اور بھکاری بڑھ رہی ہے۔ ہر سال دیکھ کے کسی نہ کسی حصے سے گزرتی اور اکل اکی خبریں آتی دھتی ہیں۔ گھوس خوری اور پورستچار سچے سے اوپر تک اتنا ادھک اور اتنی شکلوں میں دیکھائی دیتا ہے جتنا شاید پہلے دیکھی نہیں تھا۔ لوگوں کے ہر طرح کے کاروبار پر سرکار کا کنٹرول دن دن اتنا بڑھتا جا رہا ہے کہ چلتا پڑھتا اور برباد ہو رہی ہے۔

تعلیم دن دن ادھک مہنگی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ ادھک تو کتابیں جو ہمارے اسکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں اتنی نکمی، غلط، ساسہرائک زہر سے بھری ہوئی اور اشتہار کے مدھانے کے خلاف ہیں جتنی پانچ سال پہلے نہیں تھیں۔ یہ بات بڑے دنہ کی پر سچ ہے کہ ہمارے دیکھ واسروں میں سے بہت سے اب یہ سوچتے اور نہیں لگے ہیں کہ اس دیکھی راج سے ان کے لئے انگریزوں راج زیادہ اچھا تھا۔ دیکھ کے چند حصوں میں ابھی حال تک نونکھ راجہ سہاراجہ راج کرتے تھے۔ وہاں اب یہ لوگ انہوہو کرتے لگے ہیں کہ اس سے کی حکومت سے ان کے راجہ کی حکومت زیادہ اچھی تھی۔ ان چوتھے چوتھے عاقبت میں بھی جو ابھی تک دیکھی طاقتوں کے ادھم میں سوتلے بھارت میں ملنے کے لئے جو اتناہ اور اصلک لچھ سال پہلے لوگوں میں تھی وہ اب صاف کھٹکی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

تالیمن دین دین ادھک مہنگی ہوئی چلتی جا رہی ہے۔ ادھکتر کیتا بہ جو ہمارے سکول اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں، اتنی نیکرمی، غلط، سامپردایک پھر سے بھری ہوئی اور راشٹرییتا کے سیکھانے کے خیلانک ہیں جیتنی پانچ سال پہلے نہیں تھی۔ یہ بات بڑے دنہ کی پر سچ ہے کہ ہمارے دیکھ واسریوں میں سے بہت سے اب یہ سوچتے اور نہیں لگے ہیں کہ اس دیکھی راج سے ان کے لئے انگریزوں راج زیادہ اچھا تھا۔ دیکھ کے چند حصوں میں ابھی حال تک نونکھ راجہ سہاراجہ راج کرتے تھے۔ وہاں اب یہ لوگ انہوہو کرتے لگے ہیں کہ اس سے کی حکومت سے ان کے راجہ کی حکومت زیادہ اچھی تھی۔ ان چوتھے چوتھے عاقبت میں بھی جو ابھی تک دیکھی طاقتوں کے ادھم میں سوتلے بھارت میں ملنے کے لئے جو اتناہ اور اصلک لچھ سال پہلے لوگوں میں تھی وہ اب صاف کھٹکی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔



سکتا کی آزادی سے جو سماجی، مالی یا دوسرے شعبہ کسی دیہی کو ہونے میں ان کو الگ رکھ کر بھی آزادی خود ایک بڑی قیمتی چیز ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی پچھلے پچاس برس کے اندر جب کہیں ہم نے اس دیہی کی جلتا میں آزادی کا پرہم اور اُسکے لئے قربانی کی بہاؤنا پیدا کرنے کی کوشش کی تو ہم نے ہمیشہ انہیں یہ کہہ کر جوہی دلائی کہ آزادی سے انہیں یہ سماجی اور مالی فائدے ہونگے۔

ہم نے لوگوں کو بتایا کہ اٹھارویں صدی کے آرمیہ تک هندستان دنیا کے اندھک سے اندھک خوشحال دیہوں میں سے تھا اور انگریزی راج کے دو سو برس میں دھیرے دھیرے وہ دنیا کا سب سے غریب اور سب سے نادار دیہی بن گیا۔ ہم نے بتایا کہ کئی کئی طریقوں سے انگریزوں نے ہمارے پرانے ادیبوں اور ہمارے تجارت کو ایک ایک کر ختم کر دیا؛ ہمارے لاکھوں گاؤں کو برباد کر دیا اور ہمارے پرانے تعلیم کے سلسلے کو جس میں ہر گاؤں کے اندر ایک اسکول ہوتا تھا جان بوجھ کر مٹا ڈالا۔ ہم نے لوگوں کو یہ بھی سمجھایا کہ جو کچھ تھوڑی بہت تعلیم ہوں انگریزی راج میں دی جاتی تھی وہ بدیشی حکومت کیلئے دل پرزے اور اچھلت تھار کرنے کیلئے دی جاتی تھی، خوددار بھری پیدا کرنے کیلئے نہیں۔

ہم نے لوگوں کو یہ سب چیزیں بتائیں اور انہیں اُمید دلائی کہ دیہی کے آزاد ہونے پر یہ سب حالت بدل جائے گی، ہمارا چلن اونچا ہو جائے گا، ہمارے ادیبوں دھندے پھر سے پہلے پہلے لگھیں گے اور دیہی کے بچوں کی تعلیم پہلے سے کہیں اچھی اور سب کے لئے عام اور سستی ہوگی۔ کانگریس کے کام کرنے والوں نے گاؤں جا کر کسانوں سے کہا کہ سوراخ ملنے پر کھیتی کی ساری زمین کے مالک دسان ہونگے، جو جوتے گا وہی زمین کا مالک ہوگا۔

قدرتی طور پر 15 اگست سن 1947 کو جب ملک کو سوراخ ملے تو لوگوں کو بڑی بڑی آہائیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان سے جو بڑی بڑی باتیں کہی گئی ہیں وہ اب پوری ہونگی اور دیہی صاف، سکھ، فائتی، خوشحالی اور ترقی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دے گا۔

لیکن ہمارے ہاتھ برس کی آزادی کا نتیجہ کیا ہے؟ اُس دیہی میں جو اندھک تر کھیتی ہمیشہ دیہی ہے جس نے ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج پیدا کیا ہے اور جو صدیوں باہر کی دنیا کے خاصے حصے کو کھانے کے لئے ناچ دیتا رہا ہے آج ہر سال لاکھوں من ناچ باہر لے دیہوں سے منگاتا ہمارے آرٹیکل ویسٹ کا ایک آرٹیکل لنگ بن گیا ہے۔ ہمارے وہ ادیب دھندے اور ہمارے وہ دستکار ہیں جو انگریزی راج تک میں

ہم نے لوگوں کو بتایا کہ اٹھارویں صدی کے آرمیہ تک هندستان دنیا کے اندھک سے اندھک خوشحال دیہوں میں سے تھا اور انگریزی راج کے دو سو برس میں دھیرے دھیرے وہ دنیا کا سب سے غریب اور سب سے نادار دیہی بن گیا۔ ہم نے بتایا کہ کئی کئی طریقوں سے انگریزوں نے ہمارے پرانے ادیبوں اور ہمارے تجارت کو ایک ایک کر ختم کر دیا؛ ہمارے لاکھوں گاؤں کو برباد کر دیا اور ہمارے پرانے تعلیم کے سلسلے کو جس میں ہر گاؤں کے اندر ایک اسکول ہوتا تھا جان بوجھ کر مٹا ڈالا۔ ہم نے لوگوں کو یہ بھی سمجھایا کہ جو کچھ تھوڑی بہت تعلیم ہوں انگریزی راج میں دی جاتی تھی وہ بدیشی حکومت کیلئے دل پرزے اور اچھلت تھار کرنے کیلئے دی جاتی تھی، خوددار بھری پیدا کرنے کیلئے نہیں۔

ہم نے لوگوں کو یہ سب چیزیں بتائیں اور انہیں اُمید دلائی کہ دیہی کے آزاد ہونے پر یہ سب حالت بدل جائے گی، ہمارا چلن اونچا ہو جائے گا، ہمارے ادیبوں دھندے پھر سے پہلے پہلے لگھیں گے اور دیہی کے بچوں کی تعلیم پہلے سے کہیں اچھی اور سب کے لئے عام اور سستی ہوگی۔ کانگریس کے کام کرنے والوں نے گاؤں جا کر کسانوں سے کہا کہ سوراخ ملنے پر کھیتی کی ساری زمین کے مالک دسان ہونگے، جو جوتے گا وہی زمین کا مالک ہوگا۔

قدرتی طور پر 15 اگست سن 1947 کو جب ملک کو سوراخ ملے تو لوگوں کو بڑی بڑی آہائیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان سے جو بڑی بڑی باتیں کہی گئی ہیں وہ اب پوری ہونگی اور دیہی صاف، سکھ، فائتی، خوشحالی اور ترقی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دے گا۔

لیکن ہمارے ہاتھ برس کی آزادی کا نتیجہ کیا ہے؟ اُس دیہی میں جو اندھک تر کھیتی ہمیشہ دیہی ہے جس نے ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج پیدا کیا ہے اور جو صدیوں باہر کی دنیا کے خاصے حصے کو کھانے کے لئے ناچ دیتا رہا ہے آج ہر سال لاکھوں من ناچ باہر لے دیہوں سے منگاتا ہمارے آرٹیکل ویسٹ کا ایک آرٹیکل لنگ بن گیا ہے۔ ہمارے وہ ادیب دھندے اور ہمارے وہ دستکار ہیں جو انگریزی راج تک میں



'53 



## بھارتیہ شاسن

লেখক—भगवानदास केला, निकालने वाले—भारतीय प्रथमाला, दारागंज, प्रयाग, सफे 516, दाम तीन रुपय बारहवीं बार 1952.

यह वह किताब है जो पहली बार 1911 में छपी थी जब हिन्दी में इस चीज पर किताबें लिखने का सपने में भी किसी को खयाल नहीं हो सकता था. लेकिन धुन के पक्के और लगन के सच्चे केला जी ने अपना लेखक जीवन इस किताब से शुरू किया.

देश की बदलती हुई हालत के साथ केला जी के विचार भी बदलते गए और इस किताब में जगह पाते गए. देश के आजाद हो जाने के बाद उन्होंने गहराई से महसूस किया कि अगर भारतीय शासन अब भी वही रहता है जो पहले था तो उससे देश को असली स्वराज नहीं मिल सकता. इसलिये हमारे नये इन्तजामकारों का फर्क है कि पुराने ढांचे को बदल कर इसे वह शकल दें जो महात्मा गांधी ने बतलाई थी, यानी सर्वोदय राज कायम करने में जुट जायें.

तो तो यह किताब 343 सफे पर खतम हो जाती है लेकिन बाद में 68 सफे की एक और किताब जुड़ी हुई है—'सर्वोदय राज क्यों और कैसे?' इस पर हम अपनी राय पहले जाहिर कर चुके हैं. कुल मिला कर यह किताब एक बहुत अच्छी और ठोस चीज बन गई है. छपाई, क्राफ़ बतौरा सब चीज सुन्दर होने के अलावा किताब का दाम सिर्फ तीन रुपया है. हमें उम्मीद है कि राजनीति, इतिहास और अर्थशास्त्र के विद्यार्थी, शिक्षक और समाज सेवक सभी इससे पूरा फायदा उठाएंगे —सुरेश रामभाई

## सर्वोदय संस्थान

লেখক—মহাত্মা গান্ধী और संत विनोबा; प्रकाशक—सर्वोदय संस्थान, पन्ने 56, दाम सात आने, पहली बार अगस्त 1952.

यह किताब सर्वोदय साहित्य संघ की देन है. सूची का कहीं पता नहीं. शुरू के चौदह पन्नों में सर्वोदय या सर्वोदय समाज के सम्बन्ध में महात्मा गांधी और विनोबा जी के कुछ लेख और स्पीचें जमा कर दी गई हैं. इसके बाद 'सर्वोदय की समीक्षा' नाम से छब्बीस पन्नों का एक लेख है जिसके लेखक का नाम नहीं दिया गया. बाद के दस पन्नों में सर्वोदय समाज की और सर्वोदय के लिये काम करने वाली कुछ प्रमुख संस्थाओं की जानकारी दी गई है और आखिर में किताबों की सूची है.

इस 54 पन्नों की बल्कि कहना चाहिये 14 पन्नों की किताब का दाम सात आने है जो जरूरत से थोड़ा है.

इस प्रकाशन संस्था को कामयाब होना है तो इसकी नीति और इन्तजाम में बहुत सुधार की जरूरत है.—सुरेश रामभाई

## بھارتیہ شاسن

লেখক—भगवानदास केला; निकालने वाले—भारतीय प्रथमाला, दारागंज, प्रयाग, सफे 516, दाम तीन रुपय बारहवीं बार 1952.

یہ وہ کتاب ہے جو پہلی بار 1915 میں چھپی تھی جب ہندی میں اس چیز پر کتابیں لکھنے کا سہلے میں بھی کسی کو خیال نہیں ہو سکتا تھا. لیکن دھن کے پکے اور لگن کے سچے کہلا جی نے اپنا لکھک چھوٹے اس کتاب سے شروع کیا.

دیہی کی بدلتی ہوئی حالت کے ساتھ کہلا جی کے دھار بھی بدلتے گئے اور اس کتاب میں جگہ پاتے گئے. دیہی کے آزاد ہو جانے کے بعد انہوں نے گہرائی سے محسوس کیا کہ اگر بھارتیہ شاسن اب بھی وہی رہتا ہے جو پہلے تھا تو اس سے دیہی کو اصلی سوراخ نہیں مل سکتا. اس لئے ہمارے نئے انتظام کاروں کا فرض ہے کہ پرانے ڈھانچے کو بدل کر اسے وہ شکل دیں جو مہاتما گاندھی نے بتلائی تھی. یعنی سرودے راج قائم کرنے میں جت جائیں.

یوں تو یہ کتاب 343 صفحہ پر ختم ہو جاتی ہے لیکن بعد میں 68 صفحہ کی ایک اور کتاب جڑی ہوئی ہے—'سرودے راج کیوں اور کیسے؟' اس پر ہم اپنی رائے پہلے ظاہر کر چکے ہیں. کل مل کر یہ کتاب ایک بہت اچھی اور تھوڑی سی چیز بن گئی ہے. چھپائی، کافڈ وغیرہ سب چیزیں سندر ہونے کے علاوہ اس کتاب کا دام صرف تین روپے ہے. ہمیں اُمید ہے کہ راج نہتی، انتہاس اور ارتھ شاستر کے ویدارتھی، شکشک اور سماج سہوک سبھی اس سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے. —سرییش رام بھائی

## سرودے سنستھان

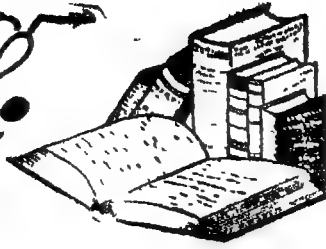
লেখক—মহাত্মা গান্ধী और संत विनोबा; प्रकाशक—सरुदे संस्तथान, पन्ने 56, दाम सात आने, पहली बार अगस्त 1952.

یہ کتاب بھی سرودے ساہتیہ سنگھ کی دین ہے. سوچی کا کہیں پتہ نہیں. شروع کے چودہ پلوں میں سرودے یا سرودے سماج کے سہلہ میں مہاتما گاندھی اور ونوبا جی کے کچھ لکھ اور اسہتھیں جمع کر دی گئی ہیں. اس کے بعد سرودے کی سہکھا نام سے چھبیس پلوں کا ایک لکھ ہے جس کے لکھک کا نام نہیں کہیں دیا گیا. بعد کے دس پلوں میں سرودے سماج کی اور سرودے کے لئے کام کرنے والی کچھ پرکھ سنستھاؤں کی جانکاری دی گئی ہے اور آخیر میں کتابوں کی سوچی ہے.

اس 54 پلوں کی بلکہ کہنا چاہئے 14 پلوں کی کتاب کا دام سات آئے ہے جو سرودے سے زیادہ ہے. اس پرکھیں سنستھا کو کامیاب ہونا ہے تو اس کی نہتی اور انتظام میں بہت سدھار کی ضرورت ہے. —سرییش رام بھائی



# کتابیں



# کتابیں

## نیسرگو اپچار آشرم کی اور سے

پراکاشک—بالکوبا भावे, उरुली कांचन, पूना;  
सर्के 122, दाम बारह आने: पहली बार 1952.

पूना जिले के उरुली कांचन गांव में महात्मा गांधी ने जो प्राकृतिक चिकित्सा केन्द्र 1944 में खोला था वह अपने ढंग की अनोखी संस्था थी. लेकिन पूरबी बंगाल और उत्तर भारत के दूसरे हिस्सों में रहने की वजह से—जिस दौरान में उनका बलिदान भी हो गया—वह इसे कोई ठोस शकल नहीं दे सके थे. गांधी जी के बाद से विनोबा जी के छोटे भाई बालकوبا इसे मेहनत और लगन से चला रहे हैं. यह किताब इस केन्द्र की तरफ से एक प्रकाशन है जिसमें केन्द्र के बारे में जानकारी अच्छी तरह से मिल जाती है. साथ में सेवामाम आश्रम के पिछले मंत्री भाई कुरनचन्द्र के निजी अनुभव के बल पर लिखे गए भोजन संबंधी तीन क्लीमती लेख हैं.

तरह तरह के खानों, नहानों और उपवास के बारे में भी अच्छी तरह बतलाया गया है. आखिर का अध्याय गाय पालने के बारे में है. किताब के शुरू में ही बम्बई के मुख्य मंत्री श्री मोरार जी देसाई की भूमिका है.

उरुली कांचन का केन्द्र प्राकृतिक चिकित्सा का एक संस्था और जन हितकारी केन्द्र है. हर मुमकिन तरीके से इसकी मदद करना हमारे देशवासियों का फर्ज है.

—सुरेश रामभाई

## एक गांव में

लिखने वाले—शिह युन; अनुवादक—आसिफ मिरजा;  
निकालने वाले—अवामी किताब घर, बशीर मंसिल,  
शाफीपुर; लिखावट उरदू; सर्के 77, दाम एक रुपया.

“एक गांव में” एक चीनी नाविल्ट का उरदू अनुवाद है. इस नाविल्ट का जमाना वह है जब चीन की अवामी कौर्जे चांग काई शेक से चीन को आजाद कराने की कोशिश कर रही थी. इस किताब को पढ़ कर जनता के जोश, फौज के अनुशासन और फौजियों के जन प्रेम का पता चलता है. कहानी सीधी सादी है, फिर भी असरदार है. दिल पर भी असर डालती है और दिमाग पर भी. उरदू जानने वाली जनता की अवामी किताब घर ने यह खबरदस्त खिदमत की है, इसलिये हम उसे शुभारंभ काव देते हैं.

—मुजीब रिजवी

नसरुगो अपचार आश्रम की ओर से  
प्रकाशक—बालकوبا भावे; उरुली कांचन, पूना; सर्के 122, दाम बारह आने; पहली बार 1952.

होना सलू के उरुली कांचन गांव में महाना गान्धी ने जो प्राकृतिक चिकित्सा केन्द्र 1944 में खोला था वह अपने ढंग की अनोखी संस्था थी. लेकिन पूरबी बंगाल और उत्तर भारत के दूसरे हिस्सों में रहने की वजह से—जिस दौरान में उनका बलिदान भी हो गया—वह इसे कोई ठोस शकल नहीं दे सके थे. गांधी जी के बाद से विनोबा जी के छोटे भाई बालकوبا इसे मेहनत और लगन से चला रहे हैं. यह किताब इस केन्द्र की तरफ से एक प्रकाशन है जिसमें केन्द्र के बारे में जानकारी अच्छी तरह से मिल जाती है. साथ में सेवामाम आश्रम के पिछले मंत्री भाई कुरनचन्द्र के निजी अनुभव के बल पर लिखे गए भोजन संबंधी तीन क्लीमती लेख हैं.

तरह तरह के खानों, नहानों और उपवास के बारे में भी अच्छी तरह बतलाया गया है. आखिर का अध्याय गाय पालने के बारे में है. किताब के शुरू में ही बम्बई के मुख्य मंत्री श्री मोरार जी देसाई की भूमिका है.

उरुली कांचन का केन्द्र प्राकृतिक चिकित्सा का एक संस्था और जन हितकारी केन्द्र है. हर मुमकिन तरीके से इसकी मदद करना हमारे देशवासियों का फर्ज है.

—सुरेश रामभाई

## एक गांव में

लिखने वाले—शिह युन; अनुवादक—आसिफ मिरजा;  
निकालने वाले—अवामी किताब घर, बशीर मंसिल,  
शाफीपुर; लिखावट उरदू; सर्के 77, दाम एक रुपया.

“एक गांव में” एक चीनी नाविल्ट का उरदू अनुवाद है. इस नाविल्ट का जमाना वह है जब चीन की अवामी कौर्जे चांग काई शेक से चीन को आजाद कराने की कोशिश कर रही थी. इस किताब को पढ़ कर जनता के जोश, फौज के अनुशासन और फौजियों के जन प्रेम का पता चलता है. कहानी सीधी सादी है, फिर भी असरदार है. दिल पर भी असर डालती है और दिमाग पर भी. उरदू जानने वाली जनता की अवामी किताब घर ने यह खबरदस्त खिदमत की है, इसलिये हम उसे शुभारंभ काव देते हैं.

—मुजीब रिजवी



—महासी

”آزادی“ کا پیغام دے رہے تھے اور اُسی سوکے درِ سامنے اُنھار  
 بھجھنے والے چلے رہے تھے۔ پوچھئے۔ امریکہ میں کم گنت لوگوں  
 پر اتنا چار ہوا کیا۔ امریکن یہودی کانگرس کی رپورٹ پوچھئے  
 —نہگوں کو پھر سے کانگرس کے بجائے ہم سے مارنے  
 کی کوششیں ہوتی ہیں۔ پوچھئے اُن کے ساتھ بہت ظلم  
 ہو رہا ہے۔ قانس صاحب پولیس چلنے سے کہہ رہے تھے۔  
 تمہارے چہرے پر لکھا ہے۔۔۔ ہمدانی آزادی کے لئے اور  
 تمہاری آزادی کے لئے ! نہگوں کی آواز شاید اُن تک نہیں  
 پہنچتی۔ اُن کی آزادی کے لئے بھی، اُن کے وکس کے لئے  
 بھی..... قانس صاحب کھڑے پولیس کو آزاد کرانے کے بجائے  
 آزادی کا پرسانہ دہرے سے بانٹنا شروع کریں۔ نہگوں کو آزاد  
 کر دیں..... اُن کو وہ ادھکار دے دیں جو سفید چمڑی  
 والوں کو ملے ہیں..... اُنھیں زندہ چلانے سے بچا لیں،  
 اُنھیں ہموں کا شکار ہونے سے بچا لیں..... اُن کو ترسکا  
 سے بچا لیں..... اُنھیں فلمی سے نجات دلا دیں..... کھڑے  
 قانس صاحب ایسا کر سکیں! کھڑے اُن میں اتنی سدبھاؤ  
 پیدا ہو سکے !!

— پروا می

## عیسیٰ کا سندیش

لہجہ کنٹرول ہے . سی . کنٹرول .

انوار ایک سرپیش دام بھائی۔

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے سندیھی کی ویاکھیا  
ایسے لاجواب قہنگ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا ہری  
آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ عیسائی دھرم کی خاص  
تعلیم کیا ہے اور حضرت عیسیٰ نے انسان انسان کی براہری  
بھائی چارے پریم اور امنسا پر کتنا زور دیا ہے ۔

مہالیا گندھی نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—

”ہر آمتکت ہے“ چاہے وہ موسیقی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو“ مہرے سفارہ ہے کہ اسے پڑھ...”

سندھ، چلند، پوھیا، لاٹھا، قریب سوا سو منصوبے کی کتاب کا نام صرف ایک روپے ۔

— ۲۳۶ —

مجله 'نیا هلد' 145 متنی کلمه 'اله آباد'.



بمقام جاتے.....پر کیا کرتے، موت اور زندگانی اور  
خیریت! چلتے سانسوں کا فاصلہ... پھر بھی بہت ہوا فاصلہ  
تھے آدمی کب سے اس دردی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا  
آیا ہے... .. ابھی تک وہ ناکام رہا..... ابھی تک وہ موت  
پر فتح نہیں حاصل کر پایا ہے..... پر—

ہے موت کا وار مستحکم لیکن جہات کا سر نہ جھک سکے گا  
کسی طرح سے بھی زندگی کا عظیم دھارا نہ رک سکے گا

x x x

بہت سے شہد ہیں جن کا دنیا در آہوگ کرتی ہے .  
”آزادی“ ان میں سے ایک ہے . امریکہ نے لئے وہ سب  
آزاد ہیں جو اس نے پیچھے کے نوجوانوں میں . ملایا آزاد ہے  
فارسیسا آزاد ہے ، فلپائن آزاد ہے ، ویتنام آزاد ہے ، تھائی  
لینڈ آزاد ہے..... سب وہ دیس آزاد ہیں جو امریکہ کی  
ہاں میں صاف ملتے ہیں ، اس نے اشارے پر چلتے ہیں  
..... غلام..... امریکہ میں کوئی غلام نہیں ہے..... جو  
لوگ کہتے ہیں کہ نیگروں کے ساتھ در بدوہار کیا جاتا ہے  
..... وہ جھوٹ کہتے ہیں..... وہ دوس کے ایجنٹ ہیں  
... وہ امریکہ کے درویش ہیں..... مسز روزولٹ بھی  
امریکہ کی درویش ہیں..... کمونسٹوں کی ایجنٹ ہیں  
..... نیگرو سوسائٹی کا حال دنیا کو سنائی ہے..... ان  
آزاد بلدیوں کو غلام بدلتی ہیں..... نیگرو غلام نہیں ہیں  
..... سامراج لوگوں کو غلام نہیں بدلتا..... وہ آزادی دیتا  
ہے..... دنیا کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے..... وہ چاہتا ہے کہ  
سارے دیسوں میں بوجہ ہو ، اس کی ملکی ہو ، اس  
کا تہذیب ہو..... یہی آزادی ہے ! لیکن کی آزادی کوئی  
اور دہی ہوگی..... واشنگٹن نے کوئی اور سہلا دیکھا ہوگا  
..... وہ اور کوئی ملتا ہوگی !..... شاید یہ سب کمونسٹ  
تھے..... وہ ان لوگوں کے گروہ تھے ، لیکن ان کے استاد تھے.....  
ہزاروں امریکی شہری پریموں کو یہ سمجھ دے گئے تھے !  
فلسفہ صاحب اس آزادی کو نہیں مانتے..... وہ ان سب  
کو غلام مانتے ہیں جو ان کے ٹکٹ میں نہیں ہیں ، ان  
کی وچار دھارا نے نہیں ہیں — روسی غلام ہیں ، چینی  
غلام ہیں ، پولینڈ والے غلام ہیں..... امریکہ غلامی نہیں  
پر دامت کر سکتا ”آزادی“ اسے ہمارے ہے..... ”آزادی“  
کا وہ علمبردار ہے..... فلسفہ صاحب واشنگٹن میں فرما  
دے تھے — امریکہ پولینڈ کے لوگوں کے آزادی نے جلیقہ کی  
لہر کرنا ہے..... اسے آقا ہے کہ پولینڈ کے لوگوں کی تمنا  
جیت ہوئی ہوگی..... اس واقعہ کی آزادی کو جو آزاد دھارا  
چاہتا ہے ، ظلم سے قابو میں نہیں رہا جاسکتا..... دیکھتی  
لو اور واقعہ دوسری کی ”آزادی“ امریکہ کی پالیسی کا  
آہوار ہے — ایک حال میں فلسفہ صاحب پولینڈ والوں کو

x x x x

بहुत سے शब्द हैं जिनका दुनिया दुर उपयोग करती है.  
”आजादी“ उनमें से एक है. अमराका के लिये वह सब  
आजाद हैं जो उसके पनजे के नीचे हैं मलया आजाद है,  
कारमांसा आजाद है, फिलीपाइन आजाद है, वीतनाम  
आजाद है, थाईलैंड आजाद है..... सब वह देश आजाद  
हैं जो अमरीका की हां में हां मिलते हैं, उसके इशारे पर  
चलते हैं..... गुलाम..... अमरीका में कोई गुलाम नहीं  
है..... जा लोग कहते हैं कि नीगरों के साथ दुर व्यवहार  
किया जाता है..... वह झूठ कहते हैं..... वह रूस के  
एजेन्ट हैं..... वह अमरीका के विरोधी हैं..... मिसेज  
रूजवेल्ट भी अमरीका की विरोधी हैं..... कम्युनिस्टों की  
एजेन्ट हैं—नीगरों समस्या का हाल दुनिया को सुनाती  
हैं..... इन आजाद बन्दों को गुलाम बनाता हैं..... नीगरों  
गुलाम नहीं है ... सामराज लोगों को गुलाम नहीं बनाता...  
वह आजादी देता है ... दुनिया को आजाद देखना चाहता  
है ... वह चाहता है कि सारे देशों में व्यवहार बढ़े, उसकी  
मंडी बढ़े, उसका क्रबका बढ़े ... यही आजादी है ! लेकिन  
की आजादी कोई और रही होग ... वाशिंगटन ने कोई  
और सपना देखा होगा ... वह और कोई मनजिल होगी  
शायद यह सब कम्युनिस्ट थे ... रोजन बर्ग के गुरु थे.  
लेटमूर के वसताव थे ... हजारों अमरीकी शान्ति प्रेमियों  
को यह सीख दे गए थे ! डलेस साहब इस आजादी को  
नहीं मानते ... वह उन सब को गुलाम मानते हैं जो उनके  
गुट में नहीं हैं, उनके विचार धारा के नहीं हैं—रूसी  
गुलाम हैं, चीनी गुलाम हैं, पोलैंड वाले गुलाम हैं.....  
अमरीका गुलामी नहीं बरदाश्त कर सकता, ”आजादी“  
उसे प्यारी है..... ”आजादी“ का वह अलम बरदार है.....  
डलेस साहब वाशिंगटन में फरमा रहे थे—अमरीका पोलैंड  
के लोगों के आजादी के जज्बे की क्रवर करता है ... उसे  
आजा है कि पोलैंड के लोगों की तमन्ना जलवा पूरी होगी ...  
उस राष्ट्र की आजादी को जो आजाद रहना चाहता है  
कुछ से काबू में नहीं रखा जा सकता ... व्यक्ति और  
राष्ट्र दोनों की ”आजादी“ अमरीका की पालिसी का  
आधार है—एक हाल में डलेस साहब पोलैंड वालों को



[illegible]

فارچہ اس دنیا سے چلے گئے۔ دنیا نے اُن کی آواز دہانا  
 کانگریس میں سنی تھی۔ اُنہوں نے کہا تھا— مجھے دوسروں  
 کی آزادی پہاڑی ہے کیونکہ مجھے اپنی آزادی پہاڑی ہے !  
 آزادی کا یہ پریمی آج نہیں دھا..... فرانس کی ایک  
 سفارت سے فرانس کی گود خالی ہو گئی ہے..... نہیں  
 زندگی سے ایک ہونہار ہستی کو موت نے چھین لیا ہے !  
 موت زندگی پر ایسے وار کرتی رہتی ہے..... پر زندگی اس  
 ہے تو زندگی کی ساری کوششوں اس میں۔ فارچہ کی لگن  
 فارچہ کی سوچ بوجھ، فارچہ کا سانس و ناس نہیں مرا، وہ نہیں  
 مر سکتا..... انسانوں کے دل میں فارچہ نے جگہ پائی ہے  
 ..... فارچہ شاعری کے مہدائے کے پودھا ہے اور شاعری کے  
 مہدائے میں لڑائی کے مہدائے سے زیادہ تکیا نہیں ہوتی  
 ہوں..... فارچہ کا تو نہیں ہے جو استعصان سے قہر کو

× × ×  
 फ़ारजे इस दुनिया से चले गए. दुनिया ले उनकी आवाज  
 बियना कांगरेस में सुनी थी. उन्होंने कहा था—मुझे दूसरों  
 की आज़ादी प्यारी है क्योंकि मुझे अपनी आज़ादी प्यारी है !  
 आज का यह प्रेमी आजादी नहीं रहा... फ़्रांस की एक सन्तान  
 से फ़्रांस की गोद खाली हो गई है ... नहीं जिन्दगी से एक  
 होन्हार इसती की मौत ने छीन लिया है ! मौत जिन्दगी  
 पर ऐसे बार करती रहती है ... पर जिन्दगी अमर है और  
 जिन्दगी की सारी कोशिशें अमर हैं. फ़ारजे के लगन,  
 फ़ारजे की सूख बूझ, फ़ारजे का मानव प्रेम नहीं मरा, वह  
 नहीं मर सकता ... इनसानों के दिल में फ़ारजे ने जगह  
 बनाई ... फ़ारजे शान्ति के मैदान के बोझा थे और  
 शान्ति के मैदान में लड़ाई के मैदान से फिखादा तकलीफें  
 होती हैं ... फ़ारजे कायर नहीं थे जो इमतरान से डर कर



अमरीकी ब्योहार की कथा सुनाने आ रहे थे.....पीले थे दुबले थे.....चोमार थे.....उन्होंने सत्याग्रह कर दिया था ... अमरीकी गारडों के दुर ब्योहार से परेगान हो कर आगे बढ़ने से इनकार कर दिया था.....उन्होंने जुलूम का मुकाबला किया था ... किसी का पैर कटा था, किसी का हाथ टाया था, किसी की छाती पर गोली के निगान थे, कोई पख़म से कराह रहा था ... शायद अमरीकी तख़्त ज़िन्दगी सिखाने के लिये इनके साथ यह ब्योहार किया जा रहा था ! ... मैंने एक कोरियाई कैदी से आगे बढ़ कर पूछा—तुम्हारी क्या कहानी है, तुम्हें कोजे के दीप की भी कुछ ख़बर है ? मेरी क्या पूछते हो. ज़बान से कहने की जरूरत नहीं है, मुझे प्रचार करने की आवश्यकता नहीं है. हमारी शकलें सब कुछ बता रही हैं, हमारी हानतें खुद गवाही दे रही हैं... कोजे !.....मेरे हृदय कांजे का तुम मतलब नहीं जानते होंगे ... कोजे का मतलब है स्वर्ग ! हमने इस सुन्दर दीप का नाम अपनी भाषा में स्वर्ग रखा था....यहां के सोन सोनरी, यहां की जलशाय, यहां के पूरे वातावरन में स्वर्ग का रूप मनकता था.....पर स्वर्ग और नरक का फ़रक हम भूल गए हैं.....हम सोचते हैं यदि स्वर्ग में ऐसा आनन्द आता है तो नरक कितनी भली जगह होगी, कितनी अच्छी तरह वहां हम जाकर रह सकेंगे.....तुम यह पूछना चाहते होंगे वहां दिन में कितनी बार गोलियां चलती हैं ... वहां कितनी बार टैंकों से हमें कुचला जाता है.....बड़ी लम्बी कहानी है, हम सुनाएं तो क्या सुनाएं.....तुम किसी भले अमरीकी से पूछ लेना ... किसी इन्सान से पूछ लेना ... और अगर कोई न बताए तो कांजे दीप की फ़िशारों से पूछ लेना, वहां की धरती से पूछ लेना.....पर जुलूम ज़ियादा ।दनों नहीं फ़नता, जुलूम की गाड़ी बहुत दिनों नहीं चलती... ..

मैं उसकी शकल देखता रहा ... वह कहता रहा ... रोता रहा ... मैं चीन और कोरिया से आए अमरीकी कैदियों को देखता रहा ... मैं अमरीका के भेजे चीनों और कोरियाई कैदियों को देखता रहा ... मैं दुर ब्योहार देखता रहा और सदा ब्योहार को अत्याचार बताने वाले मिस्टर क्लार्क की शकल घूरता रहा ... मैं सब कुछ देखता रहा ... दुनिया सब कुछ देखती रही ... इन्सान सब कुछ समझता रहा ... मैं सपना देख रहा था ... पर यह सब हकीकत थी, असलियत थी यथार्थ था !

किसान जागते हैं !

हजारों हजार नहीं, चालीस हजार किसान दूर दूर से इकट्ठा हुए थे. कोई बूरा था, कोई जवान था कोई अंधे सबका भाँखों में एक चमक थी, सबके माँथों पर एक उपदेश लिखा था ... सबका एक तरफ़ ध्यान था उन्होंने चीन के किसान की खुशहाली के बारे में सुना था.....उन्होंने

अमरीकी ब्योहार की कथा सुनी आ रहे थे.....पीले थे दुबले थे.....चोमार थे.....उन्होंने सत्याग्रह कर दिया था ... अमरीकी गारडों के दुर ब्योहार से परेगान हो कर आगे बढ़ने से इनकार कर दिया था.....उन्होंने जुलूम का मुकाबला किया था ... किसी का पैर कटा था, किसी का हाथ टाया था, किसी की छाती पर गोली के निगान थे, कोई पख़म से कराह रहा था ... शायद अमरीकी तख़्त ज़िन्दगी सिखाने के लिये इनके साथ यह ब्योहार किया जा रहा था ! ... मैंने एक कोरियाई कैदी से आगे बढ़ कर पूछा—तुम्हारी क्या कहानी है, तुम्हें कोजे के दीप की भी कुछ ख़बर है ? मेरी क्या पूछते हो. ज़बान से कहने की जरूरत नहीं है, मुझे प्रचार करने की आवश्यकता नहीं है. हमारी शकलें सब कुछ बता रही हैं, हमारी हानतें खुद गवाही दे रही हैं... कोजे !.....मेरे हृदय कांजे का तुम मतलब नहीं जानते होंगे ... कोजे का मतलब है स्वर्ग ! हमने इस सुन्दर दीप का नाम अपनी भाषा में स्वर्ग रखा था....यहां के सोन सोनरी, यहां की जलशाय, यहां के पूरे वातावरन में स्वर्ग का रूप मनकता था.....पर स्वर्ग और नरक का फ़रक हम भूल गए हैं.....हम सोचते हैं यदि स्वर्ग में ऐसा आनन्द आता है तो नरक कितनी भली जगह होगी, कितनी अच्छी तरह वहां हम जाकर रह सकेंगे.....तुम यह पूछना चाहते होंगे वहां दिन में कितनी बार गोलियां चलती हैं ... वहां कितनी बार टैंकों से हमें कुचला जाता है.....बड़ी लम्बी कहानी है, हम सुनाएं तो क्या सुनाएं.....तुम किसी भले अमरीकी से पूछ लेना ... किसी इन्सान से पूछ लेना ... और अगर कोई न बताए तो कांजे दीप की फ़िशारों से पूछ लेना, वहां की धरती से पूछ लेना.....पर जुलूम ज़ियादा ।दनों नहीं फ़नता, जुलूम की गाड़ी बहुत दिनों नहीं चलती... ..

मैं उसकी शकल देखता रहा ... वह कहता रहा ... रोता रहा ... मैं चीन और कोरिया से आए अमरीकी कैदियों को देखता रहा ... मैं अमरीका के भेजे चीनों और कोरियाई कैदियों को देखता रहा ... मैं दुर ब्योहार देखता रहा और सदा ब्योहार को अत्याचार बताने वाले मिस्टर क्लार्क की शकल घूरता रहा ... मैं सब कुछ देखता रहा ... दुनिया सब कुछ देखती रही ... इन्सान सब कुछ समझता रहा ... मैं सपना देख रहा था ... पर यह सब हकीकत थी, असलियत थी यथार्थ था !

किसान जागते हैं !

हजारों हजार नहीं, चालीस हजार किसान दूर दूर से इकट्ठा हुए थे. कोई बूरा था, कोई जवान था कोई अंधे सबका भाँखों में एक चमक थी, सबके माँथों पर एक उपदेश लिखा था ... सबका एक तरफ़ ध्यान था उन्होंने चीन के किसान की खुशहाली के बारे में सुना था.....उन्होंने



آکر رک گئیں۔ ان پر چھٹی دیک کر اس سوسائٹی کا جھنڈا  
 لہرا رہا تھا۔ یہ سچ چوریا ہے چلی تھیں۔۔۔ زخمی سواہیوں  
 کو لے کر صلح کا پرغام سنائے، شانتی کی آس بلند مانے۔  
 ایک طرف سے چھٹی اور کوریائی افسر اٹے، دوسری طرف  
 سے امریکی افسر۔۔۔۔۔ لکھا پوہی ہوئی۔۔۔۔۔ سب کچھ طے  
 ہو گیا۔ تھدی لڑائیوں سے اُترنے لگے۔ ایک جرنلسٹ نے ہر  
 کر پوچھا— تم لوگ بھوکوں مر گئے ہو۔۔۔۔۔ اُس نے ہنس  
 کر جواب دیا— ہم خوب کھاتے تھے، ہمیں بہت اچھا  
 کھانا ملتا تھا— یہ واقعہ سب نے ایک مددوہی کی حالت  
 میں نوٹ کر لئے۔۔۔۔۔ اُن کے بھاؤ بتا رہے تھے کہ جسے اُن  
 کے وجہ قلعہ فکڑے ہیں۔۔۔۔۔ جسے اُن کا بہرہ ٹوٹا ہو۔۔۔۔۔  
 سارے تھدی جوش میں تھے، خواہ تھے۔۔۔۔۔ پیلے ہونے  
 کے بجائے لال تھے، پیلے ہونے کے بجائے لندرت تھے۔۔۔۔۔  
 ایک نے کہا ہمیں ہر طرح کا آرام تھا۔۔۔۔۔ دوسرے نے کہا  
 ہمیں پڑا تھا کی اجازت تھی، ہمیں ہانڈیوں پوہنے کو  
 مدعی تھیں۔۔۔۔۔ ایک جرنلسٹ سے نہیں دھا گیا۔۔۔۔۔  
 اُس نے پوچھ ہی لیا— ہانڈیوں کہاں کی چھٹی تھیں۔۔۔۔۔  
 یہ سوال کیوں تھا، اُس کے دماغ میں یہ پرسن کیوں اُٹھا؟  
 پر یہ پرسن تھا اور اُس کا جواب ملا— روس! جرنلسٹوں  
 نے اُس بات کو بھی تھدی سے نوٹ کر لی۔۔۔۔۔ چھٹے ہانڈی  
 کوئی تھا ہتھیار ہو، جسے یہ کوئی بھانک ہم ہو جس  
 کو روسوں نے ایجاد کیا ہو۔۔۔۔۔ شاید واسکو میں یہ  
 زبون دست ہتھیار تھا۔۔۔۔۔ اُس ہتھیار سے لڑتھاں ہمیں  
 چھٹی جانوں، آدمی چمکے جاتے تھے، اُن کا سن جھٹا  
 جاتا ہے، اُن کی آتما چھٹی جاتی ہے، اُن کی سبھاؤنا  
 چھٹی جاتی ہے! میں نے دیکھا کچھ جرنلسٹوں کے مکھڑوں  
 پر شک لی دیکھا تھیں تھلچ گئیں۔۔۔۔۔ کچھ اس میں  
 کا پھوسی درنے لگے۔۔۔۔۔ تھیں میں سے ایک نے دوسرے  
 تھدی سے پوچھا— تم لوگوں کو تھونست بلانے کی تھدی  
 کی جانی تھی یا نہیں؟ ” بالکل نہیں۔ “ جواب ملا—  
 شاید اب بھی انھیں یقین نہیں آیا۔۔۔۔۔ انھوں نے ہر  
 ایک سے یہ سوال کیا۔۔۔۔۔ ہر ایک کو تھدی کے ہونڈر  
 میں پھانس کر کچھ اچھ مطلب کی باتیں اُٹوانے کی  
 کوشش اُن لوگوں نے تھیں۔۔۔۔۔ پڑا اٹھا نے سوا کچھ بھی  
 مانہ نہیں لگا— اور اسی سے ایک چمپ پر مارک کلارک  
 کی سواری سا ملے آ گئی۔ افسروں نے اُٹے بوہکر سلوت دیا—  
 جرنلسٹوں نے اُن کے تھوٹو لٹے۔۔۔۔۔ اُن سے سوال پوچھتے  
 شروع کر دیئے۔۔۔۔۔ کلارک صاحب نے ہنسکر کہا— ہمارے  
 کافی سبھاہی تھونست ہو گئے تھے، ہمیں ہر شہار دھنا  
 ہے۔۔۔۔۔ تھونستوں نے اچھ بوہار اُس لئے اُن لوگوں نے  
 ساتھ لئے تھے نائہ اُن کو ہڈاؤ بلدا سکھیں، نائہ اُن میں  
 بغروت پھٹ سکھیں!۔۔۔۔۔ پھر وہی لڑیاں رکھیں۔۔۔۔۔ پھر  
 وہی لکھا پوہی ہوئی۔۔۔۔۔ پھر یہ کوریائی اور چھٹی تھدی تھے۔۔۔



ठीक से उच्छ्वास भी नहीं कर सकता...अर्थ भी नहीं समझ सकता ... यह भी नहीं जानता कि यह गांव है या केवल एक पहाड़ी टीला यह कोई आबादी है या कौजियों का कोई केम्प ... पोन मोन जोन उस स्थान के रूप में मेरे सामने आता है जहां लड़ाई के भूत नहीं आ सकते, यह वह कुम्हल है जिसके चारों तरफ जंग की बदलती चिखती हैं, शोर मचाती हैं, डराती हैं ... पर जिसके अन्दर शान्ति की साधना हो रही है, शान्ति की देवी प्रकट हो इसके लिये कोशिशें की जा रही हैं.

मैं पोन मोन जोन जाना चाहता था ... पर यह मुमकिन न था ... मैंने एक करवट बदली, दो करवट बदली ... न जाने कब तक करवटें बदलता रहा, कब तक कोरिया की लड़ाई, जंगी क्रैदियों के तबादले, कीटानु बम के सम्बन्ध में सोचता रहा सोचना एक बीमारी है और शायद दुनिया में कहीं भी इस बीमारी का इलाज नहीं ! जितना मैं सोने की काशिश करता रहा उतनी ही बेचैनी बढ़ती रही ... और न जाने कब मैं कोरिया पहुँच गया ... कहते हैं सपने कभी सच नहीं होते ... सपने सच हों या न हों पर सपनों में सच्ची बातें अवश्य दिखाई पड़ जाती हैं. मैं कोरिया में था ... उस गांव में मैं पहुँच गया जिस का नाम आषाद गांव है ... चारों तरफ लोग आखें फाड़ फाड़ कर देख रहे थे ... कोई केमरा लिये था, कोई काराज पेंसिल दबाए था, कोई दूरबीन लगाए कुछ देख रहा था ... यह कौन थे ... कौजी नहीं थे, इनके पास कोई वरदी नहीं थी ... यह अमरीकी भी थे, चीनी भी थे, कोरियाई भी थे, अंगरेज भी थे, फ्रानसीसी भी सभी रंग के लोग थे, सभी देशों से यह लोग आए थे. इन सब का नाम एक था—संवाददाता, खबर देने वाले ... जरनलिस्ट ... इन सबका एक ही काम था—सच का पता लगाना, दुनिया की जनता को सच की खबर पहुँचाना, भूट और सच को अलग करना इनका फर्ज था, दुनिया को अन्धेरे से निकाल कर रोशनी के पथ पर चलाना इनका पेशा था...पेशा ! कितना कुरूप शब्द है...कितना भयानक लगता है ... पेशा और जरनलिस्ट ! जरनलिज्म एक फर्ज, एक जिम्मेदारी है, इनसानी समाज के सेवा का एक साधन है पर पेशा ! ... जरनलिस्ट भी पेशा करता है...सच को भूट बनाने का पेशा, अन्धेरे को उजाला साबित करने का पेशा, हकीकत को भ्रम में तब्दील करने का पेशा ! इस गिरोह में कितने जरनलिस्ट थे और कितने जरनलिज्म का का पेशा करते थे यह कहना मुश्किल है !—मैं इसी गिरोह में आकर मिल गया मैं भी देखता रहा ... दूर से तारियों की सुराईट सुनाई पड़ रही थी.....पेसा लग रहा था जैसे चोटियों की एक कतार खाने की तलाश में चल पड़ी हो. हम देखते रहे और देखते देखते वह तारियाँ हमारे सामने

तहिक से अचानक भी नहीं कर सकता.....।रह भी नहीं समझ सकता.....।यह भी नहीं जानता कि यह गांव है या केवल एक पहाड़ी टीला यह कोई आबादी है या कौजियों का कोई केम्प ... पोन मोन जोन उस स्थान के रूप में मेरे सामने आता है जहां लड़ाई के भूत नहीं आ सकते, यह वह कुम्हल है जिसके चारों तरफ जंग की बदलती चिखती हैं, शोर मचाती हैं, डराती हैं ... पर जिसके अन्दर शान्ति की साधना हो रही है, शान्ति की देवी प्रकट हो इसके लिये कोशिशें की जा रही हैं.

मैं पोन मोन जोन जाना चाहता था ... पर यह मुमकिन न था ... मैंने एक करवट बदली, दो करवट बदली ... न जाने कब तक करवटें बदलता रहा, कब तक कोरिया की लड़ाई, जंगी क्रैदियों के तबादले, कीटानु बम के सम्बन्ध में सोचता रहा सोचना एक बीमारी है और शायद दुनिया में कहीं भी इस बीमारी का इलाज नहीं ! जितना मैं सोने की काशिश करता रहा उतनी ही बेचैनी बढ़ती रही ... और न जाने कब मैं कोरिया पहुँच गया ... कहते हैं सपने कभी सच नहीं होते ... सपने सच हों या न हों पर सपनों में सच्ची बातें अवश्य दिखाई पड़ जाती हैं. मैं कोरिया में था ... उस गांव में मैं पहुँच गया जिस का नाम आषाद गांव है ... चारों तरफ लोग आखें फाड़ फाड़ कर देख रहे थे ... कोई केमरा लिये था, कोई काराज पेंसिल दबाए था, कोई दूरबीन लगाए कुछ देख रहा था ... यह कौन थे ... कौजी नहीं थे, इनके पास कोई वरदी नहीं थी ... यह अमरीकी भी थे, चीनी भी थे, कोरियाई भी थे, अंगरेज भी थे, फ्रानसीसी भी सभी रंग के लोग थे, सभी देशों से यह लोग आए थे. इन सब का नाम एक था—संवाददाता, खबर देने वाले ... जरनलिस्ट ... इन सबका एक ही काम था—सच का पता लगाना, दुनिया की जनता को सच की खबर पहुँचाना, भूट और सच को अलग करना इनका फर्ज था, दुनिया को अन्धेरे से निकाल कर रोशनी के पथ पर चलाना इनका पेशा था...पेशा ! कितना कुरूप शब्द है...कितना भयानक लगता है ... पेशा और जरनलिस्ट ! जरनलिज्म एक फर्ज, एक जिम्मेदारी है, इनसानी समाज के सेवा का एक साधन है पर पेशा ! ... जरनलिस्ट भी पेशा करता है...सच को भूट बनाने का पेशा, अन्धेरे को उजाला साबित करने का पेशा, हकीकत को भ्रम में तब्दील करने का पेशा ! इस गिरोह में कितने जरनलिस्ट थे और कितने जरनलिज्म का का पेशा करते थे यह कहना मुश्किल है !—मैं इसी गिरोह में आकर मिल गया मैं भी देखता रहा ... दूर से तारियों की सुराईट सुनाई पड़ रही थी.....पेसा लग रहा था जैसे चोटियों की एक कतार खाने की तलाश में चल पड़ी हो. हम देखते रहे और देखते देखते वह तारियाँ हमारे सामने



## प्रवासी की डापरी

इच्छा जितनी दबाई जाती है उतनी ही प्रबल होती जाती है. जितनी वह प्रबल होती जाती है उतनी ही बेचैनी बढ़ती जाती है, मन व्याकुल होने लगता है, दिमाग डांवा डोल होने लगता है, हर चीज एक नुक़ते पर आ कर केन्द्रित हो जाती है. छोटी मोटी इच्छा हो तो आदमी पूरी भी कर ले....पर उस इच्छा का क्या किया जाय जिसकी पूर्ति मुश्किल ही नहीं नामुमकिन भी हो...इच्छाओं पर जीत हासिल करने के लिये आदमी अथक कोशिश करता रहा है, तप करता रहा है, घरबार छोड़ता रहा है.....पर कितने ऐसे आदमी हैं जो इस लड़ाई को जीत सके हैं, कितनी ऐसी इच्छाएं हैं जिन्हें वह मार सके हैं! शायद इच्छाएं कभी मरती नहीं हैं, केवल रूप बदलती हैं, पूर्ति का दंग बदल देती हैं, अपना स्तर बदल देती हैं! ...मेरी इच्छा तो और भी अनोखी थी... मुझे जन्नत नहीं चाहिये थी ....मुझे कोई महल नहीं चाहिये था..... मुझे अलाउद्दीन के चिराग की इच्छा नहीं थी, न कुछ पाने की इच्छा थी और न कुछ हासिल करने की..... मेरी इच्छा सरल थी बहुत ही मामूली थी.....शायद इसी कारन बहुत ही मुश्किल भी थी ...कहां मैं और कहां कोरिया.....एक दां झगड़े नहीं.....पास पोर्ट.....विसा बन.....नाम.....काम.....एक लम्बी लिस्ट है. इन्हें पार करना आसान नहीं! पर न जाने क्या यह इच्छा पैदा हो गई, न जाने क्यों मैं कोरिया जाने के लिये बेचैन हो उठा ... दिल को इच्छा थी या दिमाग की तय करना मुश्किल है, शायद दोनों की, शायद पूरी आत्मा की... मैं कोरिया जाना चाहता था ... वहां नहीं जहां गोले बरसते हैं, वहां नहीं टैंक ज़मोन की छातियां रौंदते हैं, वहां नहीं जहां गोलियां हर आने वाले का स्वागत करती हैं, वहां नहीं जहां जहाज कीटानु बम उगलते हैं, वहां नहीं जहां मानव नंगा नाच नाचता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां गोलों को धमकता सुनाई पड़ता है पर जहां गोले नहीं गिरते ... जहां आदमी इथियारों से फैंसला नहीं करते ... जहां आपस में बात चीत कर के झगड़ों को ख़तम करने की कोशिश होती है ... जहां इन्सान शैतान का लबादा छोड़ कर अपनी शकल में बाहिर होने की कोशिश करता है ... मैं वहां जाना चाहता था जहां आजादी न होते भी आजादी की बातें सुनाई पड़ती हैं ... पोन मोन ज़ोन! ... मैंने कभी नाम नहीं सुना था ...

## प्रवासी کی ڈاپری

اچھا جتنی دبائی جاتی ہے اتنی ہی پرہل ہوتی جاتی ہے۔ جتنی وہ پرہل ہوتی جاتی ہے اتنی ہی بے چینی بڑھتی جاتی ہے، منی بھائل ہونے لگتا ہے، دماغ ڈنڈناتول ہونے لگتا ہے، ہر چیز ایک نقطے پر آکر کھلدورت ہو جاتی ہے۔ چھوٹی موٹی اچھا ہو تو آدمی پوری بھی کرلے..... پر اُس اچھا کا کیا کیا جائے جس کی پورتنی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو..... اچھاؤں پر جہت حاصل کرنے کے لئے آدمی انہک کوشش کرتا رہا ہے، تپ کرتا رہا ہے، گھوہار چھوڑتا رہا ہے..... پر کتنے ایسے آدمی ہیں جو اِس لڑائی کو جہت سکے ہیں، کتنی ایسی اچھاہوں ہیں جنہیں وہ مار سکے ہیں! شاید اچھاہوں نہیں مورتی نہیں ہیں، کھول روپ بدلتی ہیں، پورتنی کا قہقہ بدل دیتی ہیں، اپنا استر بدل دیتی ہیں!..... مہرے اچھا تو اور بھی انوکھے تھے..... مجھے جنت نہیں چاہئے تھی... مجھے کوئی محل نہیں چاہئے تھا... مجھے ملا الدین کے چراغ کی اچھا نہیں تھی، نہ کچھ پانے کی اچھا تھی اور نہ کچھ حاصل کرنے کی..... مہرے اچھا سرل تھی بہت ہی معمولی تھی..... شاید اسی کون بہت ہی مشکل بھی تھی..... کہاں میں اور کہاں کوریا..... ایک دو جھگڑے نہیں... پاسپورٹ... ویزا... دھن... نام... کام... ایک لمبی لیست ہے۔ اِس میں پاز کرنا آسان نہیں! پر نہ جانے یہ اچھا پیدا ہوگئی، نہ جانے میں کوریا جانے کے لئے بے چین ہو اُٹھا..... دل کی اچھا تھی یا دماغ کی طے کرنا مشکل ہے، شاید دونوں کی، شاید پوری آتما کی..... میں کوریا جانا چاہتا تھا... وہاں نہیں جہاں کلمے پرستم ہیں، وہاں نہیں جہاں تھلک زمین کی چھانٹاں روندتے ہیں، وہاں نہیں جہاں گولہاں ہر آلے والے کا سواکت کرتی ہیں، وہاں نہیں جہاں جہاز کھٹانوں ہم اُلتے ہیں، وہاں نہیں جہاں ماتو نلکا ناچ ناچتا ہے... میں وہاں جانا چاہتا تھا جہاں گولوں کی دھمک تو سنائی دیتی ہے پر جہاں کلمے نہیں گرتے..... جہاں آدمی ہتھیاروں سے فاصلہ نہیں گرتے..... جہاں آپس میں بات چیت کرتے جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوشش ہوتی ہے... جہاں انسان شیطاں کا لبادہ چھوڑ کر اپنی شکل میں ظاہر ہونے کی کوشش کرتا ہے..... میں وہاں جانا چاہتا تھا جہاں آزادی نہ ہوتی بھی آزادی کی باتیں سنائی دیتی ہیں... میں جوں جوں..... میں نے کبھی نام نہیں سنا تھا...



इस बात की कोशिश करना चाहिये कि हम अपने पदार्थों का इस्तेमाल करें और घरेलू धन्यों को प्रोत्साहन दे कर इनसे वह सामान बनायें जिनकी हमें जरूरत है। हमें अपनी जरूरतों को इन्हीं सामानों से पूरी करना चाहिये जिससे कि हमारे सामानों के लिये बाजार पैदा हो सके। इस सम्बन्ध में शायद हमें बाहरी सामानों पर रोक लगानी पड़े और अपनी जरूरतों को भी कम करना पड़े। राष्ट्रों की स्वावलम्बी बनाने का काम मानवता की तरफ़की के नेक काम का एक अंग समझ कर करना चाहिये। इसलिये दुनिया का भविष्य और जनता का शान्तिमय जीवन उस तेषी पर निर्भर है जिस तेषी से जनता अहिंसा और सच्चाई के रास्ते पर अमल करती है। शान्ति आन्दोलन भी ऐसी ही कोशिश का एक हिस्सा है। वह एक ऐसी सोसाइटी क्लायम करना चाहता है जिसमें एक आदमी दूसरे आदमी का गला नहीं काटेगा बल्कि जिसमें सब लोग मिल जुल कर हंसी, खुशी और शान्ति से रहेंगे और कुशहाली का बातावरन पैदा करेंगे।

इस बात की कोशिश करना चाहिये कि हम अपने पदार्थों का इस्तेमाल करें और घरेलू धन्यों को प्रोत्साहन दे कर इनसे वह सामान बनायें जिनकी हमें जरूरत है। हमें अपनी जरूरतों को इन्हीं सामानों से पूरी करना चाहिये जिससे कि हमारे सामानों के लिये बाजार पैदा हो सके। इस सम्बन्ध में शायद हमें बाहरी सामानों पर रोक लगानी पड़े और अपनी जरूरतों को भी कम करना पड़े। राष्ट्रों की स्वावलम्बी बनाने का काम मानवता की तरफ़की के नेक काम का एक अंग समझ कर करना चाहिये। इसलिये दुनिया का भविष्य और जनता का शान्तिमय जीवन उस तेषी पर निर्भर है जिस तेषी से जनता अहिंसा और सच्चाई के रास्ते पर अमल करती है। शान्ति आन्दोलन भी ऐसी ही कोशिश का एक हिस्सा है। वह एक ऐसी सोसाइटी क्लायम करना चाहता है जिसमें एक आदमी दूसरे आदमी का गला नहीं काटेगा बल्कि जिसमें सब लोग मिल जुल कर हंसी, खुशी और शान्ति से रहेंगे और कुशहाली का बातावरन पैदा करेंगे।

## जंग न होने पाए

हृदय न जाय दुख सागर में बरखों की आशाएं  
दूद न जाय बजते चूड़े मांगें उजड़ न जाएं  
रोएं न अपने भागों को ममता की मारी माएं

गली गली में दया धरम की लाज न फिर लुट जाए  
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

हम क्यों मानवता से साथी खून की होली खेलें  
बनवानों के लाभ की खातिर हम क्यों बिपता फैलें  
मौत के कांटों से क्यों उलझें हम जीवन की बेलें

दे कर अपनी जान खरीदें हम क्यों रोग पराए  
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

—मरेश कुमार 'शाव'

## जंग न होने पाए

कौन न जानें दुख सागर में बरखों की आशाएं  
दूद न जाय बजते चूड़े मांगें उजड़ न जाएं  
रोएं न अपने भागों को ममता की मारी माएं  
गली गली में दया धरम की लाज न फिर लुट जाए  
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

हम क्यों मानवता से साथी खून की होली खेलें  
बनवानों के लाभ की खातिर हम क्यों बिपता फैलें  
मौत के कांटों से क्यों उलझें हम जीवन की बेलें  
दे कर अपनी जान खरीदें हम क्यों रोग पराए  
जंग न होने पाए साथी, जंग न होने पाए!

—मरेश कुमार 'शाव'



तब वह बरबादी के हथियारों का संबंध न केवल उन निपाहियों से होता है जो लड़ाई के मारचे पर लड़ते हैं बल्कि इन सशस्त्र ताल्लुक अपने अपने घरों में बैठे लोगों से भी होता है। पटम बम, नपाम बम, कीड़ों और बीमारियों के बम से हर हर घर में मर्तें हुई हैं, हर घर बरबाद हुआ है। यह इस कारन से होता है कि लड़ाई में जनता एक तीसरे गिराई के रूप में शामिल कर ली जाती है। इन लड़ाइयों का सब से भयानक पहलू यह है कि राष्ट्रों के बीच नफरत की भावना जोरों से फैलाई जाती है। अगर इस भावना को हमें रोकना है तो शांति के जमाने में भी हमें जनता को यह समझाना होगा कि लड़ाई हिन्दगी का अंग नहीं है बल्कि इनसानियत के रिश्ते का भयानक कुरूप है।

शान्ति आन्दोलन की सीमा यह नहीं होनी चाहिये कि सिर्फ मौजूदा तत्वाइयों की भाग को शान्त कर दिया जाय बल्कि इस आन्दोलन को इस बात की कोशिश में अपने को लगाना चाहिये कि समाज की रचना ऐसी हो जिसमें हम शान्ति से जिय रहा सकें. नकरत इनसानी समाज के लिये अच्छी चीज नहीं है. अगर मानव को तरक्की करना है तो यह जरूरी है कि सदाभावना और समझदारी का जजबा पैदा हो.

हम जिन बातों का ऊपर फिर कर चुके हैं उनसे बाहर है कि शान्ति की भावना पैदा करने के लिये एक आन्दोलन की जरूरत है जहाँ राष्ट्रों की समस्याओं और झगड़ों को समझने और उनका शान्ति से हल ढूँढ़ने की कोशिश करे, जो लोग शान्ति आन्दोलन में आने के इच्छुक हैं उनके सामने बड़ी जिम्मेदारियाँ हैं। उनको लड़ाई की जड़ को खतम करना है हम पहले बता चुके हैं कि मुख्य मुख्य पदार्थों और बड़े पैमाने पर बने माल की तिजारत लड़ाई पैदा करती है। इससे यह नतीजा निकलता है कि जहाँ तक मुमकिन हो इस तरह के व्यापार में कमी की जाय और हर राष्ट्र अपने रोज की जरूरतों के सम्बन्ध में अपने पैरों पर खड़ा हो जाय। गांधी जी ने हमें सिखाया था कि सत्य और अहिंसा का आतबरन पैदा हो और इन सिद्धान्तों के आधार पर एक समाज बनाने का प्रयत्न किया जाय। अगर शान्ति के लिये ऐसा आन्दोलन न खड़ा हुआ तो यह सील-बेकार बली जायगी।

इसका यह भी मतलब है कि शान्ति आन्दोलन मशीन वाले उद्योगों के मुकाबले में जनता के उद्योगों का प्रचार करे क्योंकि मशीनी उद्योग इस बात की ज़रूरत पैदा करते हैं कि लाखों आदमियों को शिक्षा को कन्ट्रोल किया जाय. शान्ति आन्दोलन में आने वालों को चाहिये कि वह विदेशी ब्योपार में हर तरह से कमी करें. हमको

طرح پر ہوا کسی کے ہاتھوں کا سمجھنا نہ قبول ان سواہروں سے ہوتا ہے جو لوئی کے موچے پر لڑتے ہیں بلکہ ان سب کا تعاقب اچے اچے گہروں میں ہونگے لوگوں سے بھی ہوتا ہے۔ ایتم ہم، ہم، ہم، گہروں اور ہماروں کے ہم سے ہر ہر گہر میں موتوں، موتوں ہیں، ہر گہر پر ہوا ہوا ہے۔ یہ اس کارن سے ہوتا ہے کہ لوائی میں جلتا ایک تیسرے گروہ کے روپ میں شامل کر لی جاتی ہے۔ ان لوائیوں کا سب سے بھانگ پہلو یہ ہے کہ واشگروں کے ہوجے ندرت کی بھاؤنا زوروں سے پھملائی جاتی ہے۔ اگر اس بھاؤنا کو ہمیں روکنا ہے تو شائستگی کے زمانے میں بھی ہمیں جلتا کو یہ سمجھنا ہوا کہ لوائی زندگی کا ایک نہیں ہے بلکہ انسانیت کے رشتے کا بھانگ کر رہا ہے۔

شانتی آندولن کی سمایہ نہیں ہرنی چاہئے کہ صرف موجودہ لوگوں کی آگ کو شانت کر دیا جائے بلکہ اس آندولن کو اس بات کی کوشش میں آجے کہ لوگ چاہئے کہ سماج کی دھچکا ایسی ہو جس میں ہم شانتی سے زندہ رہ سکیں۔ قدرت انسانی سماج کے لئے اچھی چیز نہیں ہے۔ اگر مانو کو ترقی کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ سدھارنا اور سمجھداری کا جذبہ پیدا ہو۔

ہم جن باتوں کا اوپر ذکر کر چکے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ شانتی کی رہنمائی پیدا کرنے کے لئے ایک آندولن کی ضرورت ہے جو دانشوروں کی سمجھاؤں اور جھگڑوں کو سمجھ کر ان کا شانتی سے حل ڈھونڈنے کی کوشش کرے۔ جو لوگ شانتی آندولن میں آنے کے اچھک ہیں ان کے سامنے یہی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کو اولیٰ کی جو کو حکم کرنا ہے۔ ہم پہلے یہاں چکے ہیں کہ مکھو مکھو ہندوؤں اور بڑے پیمانے پر ہلے ریل کی تجارت کوئی پیدا کرتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس طرح کے بیوپار میں کسی کی جائے اور ہر دانشور اپنے روز کی ضرورتوں کے سبب سے ہمیں پرہیز پر کھوا ہو جائے۔ گندھی جی نے ہمیں سکھایا تھا کہ ستوہ اور اہلسا کا واکاؤں پیدا ہو اور ان سہائتوں کے اندھار پر ایک سماج بنانے کا پرہیز کیا جائے۔ اگر شانتی کے لئے ایسا آندولن لے کھوا ہوا تو یہ سبک بھنگ چلی جائے گی۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ شاعری آندوں میں  
والے آدمی کے مقابلے میں چلتا ہے آدمیوں کا پرچار  
کرتے ہیں کہ شاعری آدمیوں کی ہمت کی ضرورت پیدا  
کرتے ہیں کہ انہیں آدمیوں کی زندگی کو کٹھنوں کا  
چائے۔ شاعری آندوں میں آئے والوں کو چاہئے کہ وہ  
زندگی پرچار میں ہر طرح سے کسی کریں۔ ہم کو



اُن کاٹھنوں سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اُن ہاتھوں کی  
کٹ کی جائے جی کا پرچار کر کے عام چلتا میں نفرت کے  
بداؤ پیدا کیے جاتے ہوں اور چلتا دو اس کے ہمت کی  
ہاتھوں صاف صاف ہتائی جائیں۔ مثال کے لئے اگر لندن کے  
بازار میں جو تمباکو خراج ہوتی ہے اُس کی بداداد  
ہندستان میں ہونے والی ہے تو یہ بداداد صرف اُن کوہتوں  
پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ہوجائی جاسکتی ہے جن میں  
عام چلتا کے استعمال کے لئے غلہ پیدا ہوتا ہے اور نہ  
پہلے سے ہی ضرورت سے زیادہ کوہت تمباکو پیدا کرنے کے  
کام میں بہلے ہوئے ہوں۔ جو لوگ لندن میں  
تمباکو کا بیوپار کرتے ہیں اُن کو تمباکو پیدا کرنے والے  
علاقوں کی چلتا کی ضرورتوں اور حکموں سے کوئی دلچسپی  
نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے علاقوں کی چلتا  
کے لئے کھانے کی کسی ہوتی ہے اور لوگ بہکدہ سے مرتے  
ہیں لیکن لندن کے عام لوگ جو اسی تمباکو کا استعمال  
کرتے ہیں مشکل سے اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ  
اس بہکدہ میں اُن کی بھی کچھ نیٹک ڈیرداری ہے۔  
اس طرح کے کچھ سال پر قبضہ رہنے کے لئے یہ بھی  
ضروری ہو سکتا ہے کہ دوسرے دیہی پر راجداری کنٹرول  
رکھا جائے۔ اس لئے ہی آج کل جو شانتی آندولن چل  
رہا ہے اُس کی سخت ضرورت ہے۔ یہ آندولن عام چلتا  
کے بیچ شانتی قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اس آندولن کو  
اُس پرچار کے خلاف آندولن چلتا ہے جس کے ذریعہ  
پرنسپل وادی اور سامراجی چلتا کے بیچ نفرت پھیلنے  
ہیں۔ اس لئے اُن لوگوں کے لئے جو وہم میں شانتی  
قائم کرنا چاہتے ہیں یہ ضروری ہے کہ وہ آج کے انٹر  
ناشنل جمہوروں کے ہاتھ جو مالی نکوس میں اُنہیں  
اچھی طرح سے سمجھیں اور اُن کے ہمارے میں ٹھہک  
ٹھہک دیکھاری حاصل کریں۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اُن جہیزوں کو بھی دور کیا جائے جو عام جہیز کے ہونے سے ممتاز ہوتا کرتے ہیں۔ کرائے دار اور مالک مکان کے ہونے سے ممتاز اور بے قیمت والے نصابوں کے ہونے سے جو جہیزوں میں اُن کا ہوتا ہوا ضروری ہے۔ مساجد میں ایسے اعتبار ہونے والے بھی دیئے جائیں جو ایسے حالت ہوتا کو دیوں جس میں نفرت جو ہونے لگے اور یہ نفرت ہر پاداش کی طرف لے جائے۔

یہی وہ گارن ہیں جو اُنکے مہن و مشورہ و پائی لڑائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کھل دیا جائے۔

ہم پہلے کہ چکے میں کہ پچھلی لڑائیاں لڑنے والے  
گروہوں تک ہی سمیت، وہی نہیں لیکن اب چلتا  
لیکھ تیسرے گروہ کے روپ میں بھی ہو سکتی ہے اور اسی



बड़े बड़े व्यापारों का चाहे जो इश्वर हो लेकिन जनता आम तरीक़े से चालीस एक साल की अपनी छोटी सी उच्च शान्ति और आराम से बसर करना चाहती है। इस कारन से अगर लड़ाई को असरदार बनाना है तो जरूरी है कि उन तत्त्वों को हवा दी जाय जो जनता में लड़ाई की भावना पैदा करते हैं और इसी वजह से प्रचार के हथियार को उतनी ही अहमियत दी जाती है जितनी लड़ने वाली फौजों को। यह प्रचार आन्दोलन समाज के हित को नुक़सान पहुंचाने वाला आन्दोलन है। ऐसे आन्दोलन के विचार में हिंसा है, इसकी अगली जामा पहनाने में हिंसा है और इस से जो नसीजे निकलते हैं, उनमें हिंसा है, बहुत भीले भले ढंग से जर्मनों को यह सिखाया जाता है कि वह नज़रत का गीत गा गा कर भ्रम की इस व्यवस्था में पहुँच जाय जहाँ हर अंगरेज को मार कह वह यह समझे कि वह पुण्य कमा रहे हैं। नज़रत भड़काने वाला यह प्रचार आन्दोलन लोगों को बहका कर फौज में भरती कराता है, लड़ते समय हिम्मत और साहस प्रदान करता है और मारकाट को एक पाक मक़सद को हासिल करने का साधन के रूप में खड़ा कर देता है। अगर कोई रोक थाम न हो तो धर्नीबांधी हित और साम्राज की जरूरतें मिला कर आखिर में आम जनता के बीच नज़रत की वह परिस्थिति पैदा कर देते हैं जिसमें लड़ाई जेदी जा सके।

ہوتے ہوتے بھوپاروں کا چاہے جو حشر ہو لیکن جلتا عام طریقہ سے چالیس ایک سال کی ایلی چھوٹی سی عمر شادی اور آرام سے بسر کرنا چاہتی ہے۔ اس کارن سے اگر لوائی کو اقرار دینا ہے تو ضروری ہے کہ اُن فتنوں کو ہوا دی جائے جو جلتا میں لڑائی کی ہواؤں پیدا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے پرچار ۲ ہتھار کو اُنکی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی کہ لڑنے والی فوجوں کو۔ یہ پرچار آندولن سماج کے ہت کو نقصان پہنچانے والا آندولن ہے۔ ایسے آندولن کے وچار میں ہلسا ہے، اس کو علی جامہ پہنانے میں ہلسا ہے اور اس سے جو نکتے نکلتے ہیں اُن میں ہلسا ہے۔ بہت بھولے بھالے قلعہ نگ سے جر-فلس کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ نفرت کے گیت گائے کو بھرم کی اس اوستھا میں پہنچ جائیں جہاں : انگریز کو مار کر وہ یہ سمجھیں کہ وہ پلٹے کما رہے ہیں۔ نفرت بھوکالے والا یہ پرچار آندولن لوگوں کو بھکا کر فوج میں بھرتی کرانا ہے، لڑنے سے ہمت اور سامہن بردان کرتا ہے اور مار مار کر ایک پاک مقصد کو حاصل کرنے کا سامہن کے روپ میں کھوا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی روک تھام نہ ہو تو یونچ وادی ہت اور سامراج کی ضرورتیں مل کر آخر میں عام جلتا کے بیچ نفرت کی وہ دستکوبی پیدا کر دیتے ہیں جس میں لوائی چھوٹی جاسکے۔



## शान्ति आन्दोलन

( डाक्टर जे सी. कुमारप्पा )

मेरे पास बहुत से खत आते रहने हैं जिनमें पूछा जाता है कि शान्ति आन्दोलन का उद्देश्य क्या है और इस आन्दोलन को जनता में फैलाने की इस समय क्या आवश्यकता है जब कि हिन्दुस्तान में लड़ाई नहीं हो रही है सरसरीनजर से देखने पर यह आन्दोलन पागल की बड़ के समान भावपूर्ण पड़ता है. इस आन्दोलन की आवश्यकता को समझने के लिये जरूरी है कि दुनिया के माली ढांचे की बुनियाद को हम समझें क्यों कि दुनिया की माली व्यवस्था इस बात की ज़बदस्त ज़रूरत पैदा करती है कि शान्ति आन्दोलन का स्थापना की जाय.

गुजरे ज़मानों में बादशाहों और दूसरे नेताओं के हितों के टकराव के कारन लड़ाइयाँ हाँती थीं और यह लोग अपनी जर खरीद फ़ौज की सहायता से एक दूसरे से लड़ाई करते थे. अपना ताक़त को बढ़ाना, इलाकों पर क़ब्ज़ा करना, लूटमार और बदला ही ज़ियादातर इन लड़ाइयों के कारन हाँते थे. यह लड़ाइयाँ लड़ने वालों और उनके साथियों तक सीमित रहती थीं. इसबात की आवश्यकता नहीं हाती थी कि दोनों तरफ़ का जनता को ज़ाह देकर एक दूसरे के ज़िलाफ़ उभारा जाय.

केन्द्रित उद्योगों के फैलाव के कारन हिंसा की मात्रा बढ़ गई है क्योंकि पूंजीवादियों का हित कच्चे माल पर कन्ट्रोल रखने, सस्ते में ख़दूर हासिल करन और अपने माल के लिये बाज़ार पैदा करन में है और इस हित का सुरक्षा बिना हिंसा के नहीं हो सकती. इस मक़सद का पूरा करने के लिये लखोखा आदिमियाँ को राज काजी गुलामी या माली रानामा के फन्दे में जकड़ कर रखना पड़ता है.

पहला बड़ा लड़ाई के शुरू होने का बहुत बड़ा कारन दुनिया के बाजार का बंटवारा ही था. वरतानिया, जर्मनी और जापान के हित आपस में टकरा रहे थे. दूसरी लड़ाई के आरम्भ का मुख्य कारन यह था कि दुनिया के पेट्रोल के कुर्छों पर कौन शक्ति अपना क़बज़ा रखे कोरिया में चलने वाली आज़कल की लड़ाई का कारन यह है कि उत्तरी कोरिया की तैमस्टीन खान को देखकर मेगनाच इस्पात के कारखानेदारों के मुँह में पानी भर गया है.

पेसी सूरत में लड़ाई दोनों फ़रीकों तक ही सीमित नहीं रह सकती. लड़ाई में हिंसा लेने वालों के अजागिर अब इन लड़ाइयों के कारण आम जनता भी मुसीबत में फँस गी है. अभी तक यह होता रहा है कि दो फ़रीक़ आपस में लड़ते

## شانتی آندولن

( دائر ہے . سی . کہ رہا )

مہرے پاس بہت سے خط آتے دھتے ہیں جن میں  
 بوجھا جاتا ہے کہ شائقِ آندولن کا ادب نہیں لیا ہے اور اس  
 آندولن کو چلنا میں پورے ہی اس سمجھ گیا  
 ہے جبکہ ہندستان میں لڑائی نہیں ہو رہی ہے۔ سرکاری  
 نظر سے دیکھتے ہو یہ آندولن باگ کی ہڑتے میں معلوم  
 ہوتا ہے۔ اس آندولن کی آڑھ کھانا کو سمجھنے کے لئے  
 ضروری ہے کہ دنیا کے مالی قہ نیچے کی بھگاد کو ہم  
 سمجھ لیں کہ نہ دنیا کی مالی وابستہ اس بات کی  
 وابستہ ضرورت پیدا کرتی ہے کہ شوقی آندولن کی  
 استحباب کی جائے۔

گوردے زمبابوے میں بادشاہوں اور دوسرے تختیوں کے  
 ہتھوں نے شکاری کے کاروں کو انہیں عورتی تھیں اور یہ لوگ  
 اپنی زر خرید فروج کی سہانچا سے ایک دوسرے سے لوانی  
 دیتے تھے۔ اپنی طاقت کو دعوایاں علاقوں پر قبضہ کر  
 لوہسار اور بدلائی زمینوں پر ان کو انہوں نے کان دیتے تھے۔  
 یہ لوانیاں لوگے واپس اور ان کے ساتھ ہوں تک سمیت دعویٰ  
 تھیں۔ اس بات کی اوشہدیتا یہی ہوتی تھی کہ دونوں  
 طرف کی جملہ کو جوہں سے کر ایک دوسرے کے خلاف  
 ابھرا جائے۔

گھمبیرت اُدھوں کے پھلاؤ کے کارن ہڈا کی مائرا  
 پڑھ لکھی ہے گھومک پونجی وادیوں کا ہت لچھ مال پو  
 لکھوں دہلہ سستہ ۶۰۰ روپے سال کرنے اور اپنے سال نے لئے  
 پڑا ہوتا کرنے میں ہے اور اس ہت کی سرکشا ہڈا  
 کے نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے  
 لکھوہا اُدھوں کو واج دجی فلاسی یا مالی فلاسی کے  
 پھلندے میں چکر کر دہلہ ہوتا ہے۔

پہلی بیوی لڑائی کے شروع ہونے کا بہت ہوا گارن دیا  
کے بازار کا ہمدردا ہی تھا۔ ہرطابقہ چرملی اور چپان کے  
ہفت آہس میں تھا۔ وہی ہے۔ دوسری لڑائی کے آرمہ کا  
مکہ گارن یہ تھا کہ دیا نے یقروں کے لٹوؤں پر دون شکتی  
ایذا قبضہ رکھے۔ گوریا میں چلنے والی آجکل کی لڑائی  
کا گارن یہ ہے کہ آترو گوریا کی ننگستین تھان کو دیکھ کر  
مکملہر اس وقت کے کارخانے داروں کے ہتھ میں بیسی یہو  
آیا ہے۔

اپس صحت میں لوٹتی ہوئیں فریڈم لک کر صحت  
 نہیں رہ سکتی۔ کوئی دن حصہ لہو والوں کے علاقہ اپہ  
 ان لوگوں کے کان عام چلتا بھی مصومت میں پھنستے  
 ہ۔ ابھی تک یہ ہوتا رہا ہے کہ دو فریق آپس میں لڑتے



میں سफलता نہ मिलے، وہ بھی رہے اور افریقیہ نہ لوتیں۔  
اس طرح وہ 19 سال انگلینڈ میں رہے۔

سن 1945 میں کینیا افریقیہ یونین کی تاسیس ہوئی۔ سن 1946 میں جیمز کیسٹن واپس آیا اور اس  
سینے کے صدر بنے۔ اس کے خلاف مکرر بار بار یہ :

(1) جیتنی زمین افریقیہ نے دیا ہے، وہ  
واپس افریقیہ کو مل جائے۔

(2) جیتنی زمین خالی ہوئی ہے، اس کا واکس کرنے  
کے لئے افریقیہ کو موقع دیا جائے۔

(3) وہاں کے باشندوں میں افریقیہ کا بھی ہاتھ ہے۔

(4) جات پات کے فرق کی بنیاد پر متنازعہ۔

یہ سب کچھ چالو ہوا ہے کہ افریقیہ کو اس کے  
بارے میں چلنا ہوئی۔ سن 1951 میں موروی میں  
اس کے لئے ایک سیمینار ہوئی تھی جس  
میں 70 یا 80 ہزار افریقیہ تھے۔ اس ایکسی  
سیمینار میں لگ بھگ 60 ہزار پورٹ کی راشی جمع  
ہوئی تھی۔

افریقیہ افریقیہ کے اس سنگٹھن سے بہت کھڑا ہے۔  
انہوں نے جو قادیانوں کو پکڑ کر انہوں ایک نیا نام  
دیا—”ماو ماو“ جو بھی افریقیہ کو مل کرنا  
ہوا دے، یا کسی طرح کی دشمنی نکال دی ہو، اسے پکڑ  
کر قید کرتے، انہوں طرح کے اہانتے کرتے اور کہتے کہ ماو  
ماو کے کارڈونا کو ہم نے پکڑا ہے۔ اس طرح انہوں چار کر کے  
افریقیہ کے سنگٹھن کو دبا دینا چاہتے ہیں۔

ہماری ماں کا ایک گھرا اسے یہ ہوا کہ برٹش سرکار  
نے ایک کمیٹی بنانا تھی کیا ہے، جو افریقیہ کی زمین  
کی جانچ پڑتال کر کے اپنا فیصلہ دے گا۔ لیکن وہاں کے  
افریقیہ اس کے خلاف کر رہے ہیں۔ برٹش کی سرکار کے آنے  
پر افریقیہ پر اتنا بڑا کر رہے ہیں، اور ان پر  
ہنس کر کراہتے ہوئے انہوں کو انہوں لگا کر لڑتے ہوئے  
کا روپ لگا کر لڑتے ہوئے بھی کھلا جا رہا ہے۔

### میرا ہاتھ آئے کا مقصد

لگ بھگ تین چار سال پہلے پوری افریقیہ کے بھارتی  
راج دولت شری آپا صاحب پت سے میری بھلت ہوئی  
تھی۔ انہوں نے مجھے مطلع دی تھی کہ ہندوستان کے  
بارے میں جاننے کے لئے آپ کو ہندوستان خود جانا  
چاہئے۔ میں خاص کر اس مقصد کو لے کر آیا تھا کہ اس  
طرح مہاتما گاندھی نے اہلسا سے سوراہ لیا اور ان کی  
شکست پرانی کیا تھی۔

### میرا ہاتھ آئے کا مقصد

لگ بھگ تین چار سال پہلے پوری افریقیہ کے بھارتی  
راج دولت شری آپا صاحب پت سے میری بھلت ہوئی  
تھی۔ انہوں نے مجھے مطلع دی تھی کہ ہندوستان کے  
بارے میں جاننے کے لئے آپ کو ہندوستان خود جانا  
چاہئے۔ میں خاص کر اس مقصد کو لے کر آیا تھا کہ اس  
طرح مہاتما گاندھی نے اہلسا سے سوراہ لیا اور ان کی  
شکست پرانی کیا تھی۔



एक तरह का ( राजगिरा के समान ) अनाज का पतला पेय  
(आम्बील के समान ) बना कर पिया जाता है.

खेती के काम में मदद करने के लिये कई बार दूसरे लोग बिना बुलाए भी आ जाते हैं.

## भाषा

अफ़रीक्का में सैकड़ों जातियां हैं। उनकी हर एक की भाषा अलग अलग है, वहां लगभग 130 भाषायें हैं ज़ियादातर लोग 'स्वाहिली' भाषा बोलते हैं—खास तौर से पड़े लिखे या एक जगह से दूसरी जगह जाने वाले लोग प्राथमिक शालाओं में 'स्वाहिली' भाषा ही पढ़ते हैं। ऊपर के दरजों में अंगरेजी भाषा पढ़ाई जाय इस पर अंगरेज लोग काफ़ी ख़ार देते हैं। लेकिन अफ़रीक्का के लोग इसका विरोध करते हैं। स्वाहिली भाषा अरबी और अफ़रीक्की भाषा से मिल कर बनी है यह रोमन लिपि में लिखी जाती है।

## राजराजी समस्यायें

अफ़रीक़ा सैकड़ों सालों से अंगरेज़ों का एक उपनिवेश (नौ आबादी) रहा है. वहाँ पहले सब ज़मीन वहाँ के लोगों की ही थी. लेकिन अंगरेज़ों ने वहाँ आ कर सब ज़मीन पर क़ब्ज़ा कर लिया और अफ़रीक़ियों को बुरी तरह से वहाँ से भगा दिया. ठंडे स्थानों पर अंगरेज़ों ने पहले क़ब्ज़ा जमाया.

हिन्दुस्तान की ही तरह पहले पहल वहां एक ब्योपारी कम्पनी आई जिसका नाम “ईस्ट इन्डिया कम्पनी” था. उस कम्पनी का प्रमुख वही आदमी था, जो ईस्ट इंडिया कम्पनी का था, उसी ने हिन्दुस्तानियों को कुलीमीनी करने करने के लिये वहां बुलवाया था. बाद में इन हिन्दुस्तानियों ने अपनी उन्नति कर ली और कुछ ब्योपार करने लगे, कुछ सरकारी नौकरी. जब ब्रिटिश पार्लियामेन्ट ने देखा कि यह कम्पनी पूरी तरह से राज को संभालने में असमर्थ है, तो उसने अकरीका को अपना उपनिवेश्य ऐना कर दिया और सारे राज के काम अपने हाथ में ले लिये. उसने जितनी जमीन वहां के अगरेजों ने ले ली थी, सब को 999 सालों के लिये उन्हीं के कब्जे में कर दिया.

जैसे जैसे वहां के अफ़रीकियों पर अत्याचार बढ़ने लगे, और वह जागृत होने लगे, उन्होंने सरकार के पास इस बात की शिकायत करनी शुरू की। किकियू लोगों ने अपने नेता जेम्बो केनेटा को इंग्लैंड भेजा कि वह वहां जा कर ब्रिटिश सरकार और जनता से अपील करें कि अंगरेजों ने अफ़रीकियों की जो ज़मीन दबा ली है, वह उन्हें वापस मिले। इस अपील का भी कोई नतीजा नहीं निकला तब जेम्बो केनेटा से कहा गया कि जब तक उसे अपने भक्तसद

ایک طرح کا (راچ گڑا کے حساب) اساج کا  $12\frac{1}{2}$  فی (آسٹل  
 کے حساب) ہلکا رہا جاتا ہے۔

کھیتی کے کام میں مدد کرنے کے لئے کئی بار دوسرے لوگ بلائے بھی آ جاتے ہیں۔

424

افریقہ میں سیکڑوں جاتیں ہیں۔ ان میں ہر ایک کی بھاشا الگ الگ ہے۔ وہاں لگ بھگ 130 بھاشاں ہیں۔ زیادہ تر لوگ 'سواملی' بھاشا بولتے ہیں—خاص طور سے بڑے لکھ یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے لوگ براؤن سکاؤن میں 'سواملی' بھاشا ہی بولتے ہیں۔ اوپر کے درجوں میں انگریزی بھاشا پڑھائی جائے گی۔ ہر ایک بڑے لوگ کافی زور دیتے ہیں۔ لیکن افریقہ کے لوگ اس کا رد دہ کرتے ہیں۔ سواملی بھاشا عربی اور افریقی بھاشا سے مل کر بنی ہے۔ یہ دیکھ لہی میں لکھی جاتی ہے۔

دایہ کا مسموم ہونا

افریقہ سمکڑوں سالوں سے انگریزوں کا ایک اپنی رہی  
(نوآبادی) رہا ہے۔ وہاں پہلے سب زمین وہاں کے  
لوگوں کی ہی تھی۔ لیکن انگریزوں نے وہاں جا کر سب  
زمین پر قبضہ کر لیا اور افریقہوں کو بری طرح وہاں سے  
بھگا دیا۔ تھلکے استعماریوں پر انگریزوں نے پہلے قبضہ  
جسایا۔

ہندوستان کی وہی طرح پہلے پہل وہاں ایک بھڑادی کھلی آئی جس کا نام "ایسٹ البریٹھ اسمبلی کھلی" تھا۔ اس کھلی کا ہر مکہ وہی آدمی تھا جو ایسٹ انڈیا کھلی کا تھا۔ اسی نے ہندوستانوں کو کھلی کردی کرنے کے لئے وہاں بلوایا تھا۔ بعد میں ان ہندوستانوں نے اپنی اپنی کر لی اور کچھ بھڑاد کرنے لگے کچھ سرکاری نوکروں۔ جب برٹش پارلیمینٹ نے دیکھا کہ یہ کھلی پوری طرح راج کو سلجھا لے میں اسمبلی ہے تو اس نے البریٹھ کو اپنا آپ نوپھیں اعلان کر دیا اور سارے راج کے کام اچھے ہاتھ میں لے لئے۔ اس نے جتنی زمین وہاں کے انگریزوں نے لے لی تھی سب کو 999 سالوں کے لئے انہیں لے قبضہ میں کر دیا۔

جیسے جیسے وہاں کے افریقہیوں پر اتنا چار بڑھتا  
 لگے، اور وہ جاگرت ہونے لگے، اُنہوں نے سرکار کے پاس اس  
 بات کی شکایت کرنی شروع کی۔ ککھو لوگوں نے اچھے نہتے  
 چھوٹے لڑکے کو انگلیوں پر بٹھایا کہ وہ وہاں جا کر ہر تھی  
 سرکار اور چلتا سے اہل کریں کہ انگریزوں نے افریقہیوں  
 کی جو زمین دبا لی ہے، وہ اُنہیں واپس ملے۔  
 اس اہل کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ تب  
 چھوٹے لڑکے سے کہا گیا کہ جب تک آپ مقصد



## سب جَمینِ اِیْزَہ کی ہے

گاؤں کی سب جَمین پہلے ایک کُڑیالے کی ہوتی تھی۔ پھر وہ ایک بڑے پوری وار کی ہوئی، اور اب الگ الگ دیواریں کی ہے۔ وہاں یہ نظم ہے کہ جو زمین خالی ہو، یا اگر کھیتی کا مالک اس پر کھیتی نہ کرے، تو کوئی بھی آدمی جو کھیتی کرنا چاہے، اس سے جائز مانگ سکتا ہے کہ یہ زمین مجھے کھیتی کرنے کے لئے چاہئے۔ اور وہ زمین اسے دیلی ہوئی ہے۔ وہاں لوگ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ سب زمین اِیْزَہ کی ہے۔ اس کے لئے انہوں کوئی لگان نہیں دینا پڑتا۔

وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جسکے پاس زمین نہ ہو۔ اور یہی قاعده ہے کہ وہاں کھیتی ہر سزور نہیں ہوتی۔ حالانکہ ابھی کچھ سالوں سے یہوسی کی سمجھا کہیں کہیں دیکھی جاتی ہے، لیکن انگریزوں نے قریب قریب ساری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

## پتلی کا مکان

انگریزوں میں ایک سے زیادہ پتلی رکھنے کی پرتھا چالو ہے۔ کسان کی جتنی پتلیاں ہوتی ہیں، اسی حساب سے وہ اپنی زمین بابت دیتا ہے۔ پہلی پتلی کو کھیتی کے لئے دیتا ہے۔ سبھی پتلیاں الگ الگ مکانوں میں رکھتی ہیں اور مکان بھی الگ الگ رکھتی ہیں۔ سبھی پتلیاں اپنے پکاے ہوئے مکان میں سے بیکار ہو کر اپنے پتلی اور بچوں کے لئے ایک کے اندر (عام طور سے پتلی کے گھر) میں لے آتی ہیں۔ سب لڑکے ایک ساتھ اور سب لڑکیاں بھی ایک ساتھ پتلی اور دوسری پتلیوں کے گھروں کے پاس رکھتے ہیں۔ مرد کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی ہی (پتلی) پتلی سے ہی مانگتا ہے۔

## کام کا بٹوارا

جنگل ساک کرنا پُرکھ کا کام ہے۔ اس کے باوجود کھدنے کا کام، نیدار، کسلا کاटना وغیرہ کام پُرکھ اور سب دونوں کرتے ہیں۔ انناج کے ڈولے بنانا خاص طور سے پُرکھ کا کام ہے، اس میں انناج بھی भरते ہیں۔ لیکن انناج भरنے کے بعد اس کی مالک سب بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک پتلی کے اپنے انناج کے ڈولے ہوتے ہیں۔ کچھ کھیتی پُرکھ کی ہی ہوتی ہے اور اس میں سے بیکار ہو کر انناج وہ الگ رکھتا ہے۔ یہ الگ رکھا ہوا انناج خاص خاص موقعوں پر کام میں آتا ہے۔

## روڑانہ کا کام

وہاں مکھہ بھوجن شام کا بھوجن سمجھا جاتا ہے۔ شام کو کھیت سے آکر استریاں بھوجن دلاتی ہیں۔ صبح کھیت میں جاتے ہیں شام کے بھوجن میں سے بچا ہوا حصہ ہی کھاتے ہیں۔ اسی طرح پُرکھ کو بھی شام کو قریب چار بجے

## سب زمین اِیْزَہ کی ہے

گاؤں کی سب زمین پہلے ایک کُڑیالے کی ہوئی تھی۔ پھر وہ ایک بڑے پوری وار کی ہوئی، اور اب الگ الگ دیواریں کی ہے۔ وہاں یہ نظم ہے کہ جو زمین خالی ہو، یا اگر کھیتی کا مالک اس پر کھیتی نہ کرے، تو کوئی بھی آدمی جو کھیتی کرنا چاہے، اس سے جائز مانگ سکتا ہے کہ یہ زمین مجھے کھیتی کرنے کے لئے چاہئے۔ اور وہ زمین اسے دیلی ہوئی ہے۔ وہاں لوگ اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ سب زمین اِیْزَہ کی ہے۔ اس کے لئے انہوں کوئی لگان نہیں دینا پڑتا۔

وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جسکے پاس زمین نہ ہو۔ اور یہی قاعده ہے کہ وہاں کھیتی ہر سزور نہیں ہوتی۔ حالانکہ ابھی کچھ سالوں سے یہوسی کی سمجھا کہیں کہیں دیکھی جاتی ہے، لیکن انگریزوں نے قریب قریب ساری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

## پتلی کا مکان

انگریزوں میں ایک سے زیادہ پتلی رکھنے کی پرتھا چالو ہے۔ کسان کی جتنی پتلیاں ہوتی ہیں، اسی حساب سے وہ اپنی زمین بابت دیتا ہے۔ پہلی پتلی کو کھیتی کے لئے دیتا ہے۔ سبھی پتلیاں الگ الگ مکانوں میں رکھتی ہیں اور مکان بھی الگ الگ رکھتی ہیں۔ سبھی پتلیاں اپنے پکاے ہوئے مکان میں سے بیکار ہو کر اپنے پتلی اور بچوں کے لئے ایک کے اندر (عام طور سے پتلی کے گھر) میں لے آتی ہیں۔ سب لڑکے ایک ساتھ اور سب لڑکیاں بھی ایک ساتھ پتلی اور دوسری پتلیوں کے گھروں کے پاس رکھتے ہیں۔ مرد کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی ہی (پتلی) پتلی سے ہی مانگتا ہے۔

## کام کا بٹوارا

جنگل صاف کرنا پُرکھ کا کام ہے۔ اس کے بعد کھدنے کا کام، نیدار، کسلا کاटना وغیرہ کام پُرکھ اور سب دونوں کرتے ہیں۔ انناج کے ڈولے بنانا خاص طور سے پُرکھ کا کام ہے، اس میں انناج بھی भरते ہیں۔ لیکن انناج भरنے کے بعد اس کی مالک استریاں بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک پتلی کے اپنے انناج کے ڈولے ہوتے ہیں۔ کچھ کھیتی پُرکھ کی ہی ہوتی ہے اور اس میں سے بیکار ہو کر انناج وہ الگ رکھتا ہے۔ یہ الگ رکھا ہوا انناج خاص خاص موقعوں پر کام میں آتا ہے۔

## روڑانہ کا کام

وہاں مکھہ بھوجن شام کا بھوجن سمجھا جاتا ہے۔ شام کو کھیت سے آکر استریاں بھوجن دلاتی ہیں۔ صبح کھیت میں جاتے ہیں شام کے بھوجن میں سے بچا ہوا حصہ ہی کھاتے ہیں۔ اسی طرح پُرکھ کو بھی شام کو قریب چار بجے



”تو پھر بچے کم پیدا کرو۔“

ایک گاؤں والے نے بہت نخرتا سے پرارتہذا کی۔ ”ہمارے 10 اور 12 سال کے لڑکوں کو بھی کام کرنے کی اجازت دی جائے۔“

”نہیں، سرکار چاہتی ہے کہ بچے تاحاتبر اور تاپدے بنیں، تون لوگ انہیں اتنی جلدی کام پر لگا کر دنکے بدنے کو راک دوگے۔“

”لکین ہم اور ہمارے بچے مڑوں مر رہے ہیں، سرکار۔“

”انہیں پڑھاؤ لکھاؤ۔“

اس پر گاؤں والا کھنا چاہتا تھا یا کھا کر دھا تھا وہ بات شور میں سنائی نہیں دی۔

( پندرہ )

” تو پھر بچے کم پیدا کرو۔“

ایک گاؤں والے نے بہت نخرتا سے پرارتہذا کی۔ ”ہمارے 10 اور 12 سال کے لڑکوں کو بھی کام کرنے کی اجازت دی جائے۔“

”نہیں، سرکار چاہتی ہے کہ بچے طاقور اور تکرے ہوں، تم لوگ انہیں انلی جلدی کام پر لگا کر ان کے ہونے کو روک دوگے۔“

”لکین ہم اور ہمارے بچے ہڈوں مر رہے ہیں، سرکار۔“

”انہیں پڑھاؤ لکھاؤ۔“

اس پر گاؤں والا کھا کھاتا تھا یا کھا کر دھا تھا وہ بات شور میں سنائی نہیں دی۔

( انیس )

## پُرबी افریقا کا سماج

( رام کیشور، سواگرام، برہما )

[پُرबी افریقا کے کینیا प्रदेश کے नेता श्री कोिंगा कोइंगा के साथ हिन्दुस्ताना तालीमों सघ के कार कर्ताओं का चर्चा का निबोध]

खास धंदा

पूरबी अफ्रीका के रहने वालों का खास धंदा खेती बारी है. कुछ लोग जानवर ( गाय, भेड़ बौरा ) भी पालते हैं. वहां के हिन्दुस्तानी खास तौर से गोजगार या सरकारी दफ्तरो में काम करते हैं. अफ्रीकियों में एक बात खास यह है कि खेती बारी के जियादातर काम वह सब मिल जुज कर करते हैं जिस किसान को खेती काटनी हो, ( या मकान बनाना हो ) वह घर घर जा कर निमंत्रण देता है कि आज उसके यहां कलां काम करना है. सब गांव वाले उसके काम में सहयोग देते हैं और उसी के यहां भोजन भी करते हैं.

लेकिन अब कुछ दिनों से अंगरेजी असर के कारन लोगों में स्वार्थ की मात्रा जियादा बढ़ती जा रही है जो लोग शहरों में रहते हैं और खेती करने के लिये देहातों में जाते हैं, उन्हें देहाती लोग अच्छी नजर से नहीं देखते. वह सोचते हैं कि यह महाशय थोड़े दिनों के लिये अपने स्वार्थ के लिये वहां आय है. इस तरह ऐसे शहरियों की पूरी तरह दूसरे लोगों की सहायता नहीं मिल पाती है.

## पूरबी अفریقہ کا سماج

( رام کیشور، سواگرام، برہما )

[ پوری افریقہ کے کینیا प्रदेश کے नेता श्री कोिंगा कोइंगा के साथ हिन्दुस्ताना तालीमों सघ के कार कर्ताओं का चर्चा का निबोध ]

खास دھندا

پوری افریقہ کے رہنے والوں کا خاص دھندا کھیتی باری ہے. کچھ لوگ جانور ( گائے بھڑ وغیرہ ) بھی پالتے ہیں. وہاں کے ہندستانی خاص طور سے روزگار یا سرکاری دفتروں میں کام آتے ہیں. افریقہ میں ایک بات خاص یہ ہے کہ کھیتی باری کے زیادہ تر کام وہ سب مل جل کر کرتے ہیں. جس کسان کو کھیتی کٹنی ہو ( یا مکان بنانا ہو ) وہ گھر گھر جائز نمکتن دیتا ہے کہ آج اسکے یہاں فلاں کام کرنا ہے. سب گاؤں والے اُس کے کام میں سہوگ دیتے ہیں اور اُس کے یہاں بھوجن بھی دیتے ہیں.

لکین اب کچھ دنوں سے انگریزی اثر کے کارن لوگوں میں سوارانہ کی मात्र زیادہ بڑھتی جا رہی ہے. جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں اور کھیتی کرنے کے لئے دیہاتوں میں جاتے ہیں، انہیں دیہاتی لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے. وہ سوچتے ہیں کہ یہ ہمیشہ توہڑے دنوں کے لئے اپنے سوارانہ کے لئے یہاں آئے ہیں. اُس طرح ایسے شہریوں کو پوری طرح دوسرے لوگوں کی سہائتا نہیں مل پاتی ہے.



یہ کہنا کہ مندر ہے کہ راجستھان کا دھن والا چھوٹا  
میں تھیں ہمارے اسٹیشن کرتا ہے۔ جلم، شادی اور سب۔ کہیں  
چار چار سو سب سے ہوتے ہیں اور پھر بھی یہ کوئی  
گولنگی نہیں کہ پانی سے لکھتا ہے۔ ایک ٹونوں کے  
بلکے میں ہوس ہزار روپے خرچ ہوتا ہے جس میں سے  
ایک تھائی روپے تو یہ جاننے پر ہی خرچ ہو جاتا ہے کہ  
پانی سے لکھتا ہے یا نہیں۔

### باریش کا پانی

کچھ سالوں میں باریش کا پانی جما کر لیا  
جاتا ہے جسے آبادی اور جانور سبھی استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے  
ایک گاؤں کا نائب دیکھا تو اس میں مشکل سے دس سو  
کے خرچ کے لائق پانی تھا۔ پانی بہت ہی لگتا تھا۔  
اس کا رنگ ہلکی چائے یا کافی کے رنگوں میں تھی  
سمان تھا۔

”تم لوگ پتی دوسرے گاؤں سے کہیں نہیں لاتے؟“

”ہمارے پاس کٹوں کو لیکھنے کے لیے چارہ نہیں ہے۔“

کچھ گاؤں میں ایک ایک روپے میں گائے بھی دی  
گئی ہیں۔ یہ ایک روپے لگتا ہی ہوتا ہے کہوں نہ  
براہمن لوگ گائے کو مفت میں دان کے روپ میں نہیں  
لہتے۔ بہت سے روپ بھی مر چکے ہیں اور پانی موت کے  
ملہ میں ہیں۔ اصل میں پھو دکھا سہتی کے سامنے  
ہوا بھاری کام ہے۔

چھوٹے چھوٹے قصبوں کے لئے لوگوں کو دھن والوں کے  
پاس آکر بچے ایک ٹونوں دھن ہوتے ہیں۔ وہ بچے ان لوگوں  
کے پاس ان کی مالی حالت سدھرنے تک قائم رہتے۔

ہمکابر میں اگل کوئی نئی بات ہے۔ دس سال  
میں لگ۔ بہک سبب فصلیں خراب ہو جاتی ہیں لہکن  
وہاں کے دھن والوں کی مصیبتوں کے انت کے لئے سرکار  
جو کام کر رہی ہے وہ اتنے مست ہیں کہ اس سے دم لگتا  
ہے۔ ہوں کا پانی نہر جب چالو ہو جائے گی تو ہمکابر  
پرانت کا بہت سا حصہ کھیتی کے قابل بن جائے گا پر  
کوئی یہ نہیں جانتا کہ وہ کب تیار ہوگی۔

جب ہم لوگ تازی گاؤں گئے تب مہکرا کے  
نصیبدار ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں کے لوگ اپنی کھیتوں  
کی داستان سننے کے لئے ہمارے پاس جمع ہوئے۔ ایک  
نے کہا۔ ”معد کے طور پر کام کے بدلے میں ہمیں جو  
پیسہ ملتا ہے وہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے لئے ہوا نہیں  
ہوتا۔“ اسی پر ان کی اور نصیبدار صاحب کی بحث شروع  
ہوئی۔

نصیبدار نے کہا۔ ”تم لوگ زیادہ کہیں نہیں  
کراتے؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”اس سے زیادہ ہمیں مل ہی  
نہیں سکتا۔ کہیں کہ سرکار نے جن پھر کی موہروں کی زیادہ  
سے زیادہ ہمارے لئے روز ملے گی ہے۔“

تھسیلدار نے کہا۔ ”تو لوگ ابھی کبھی نہیں  
کراتے؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”اس سے زیادہ ہمیں مل ہی  
نہیں سکتا۔ کہیں کہ سرکار نے جن پھر کی موہروں کی زیادہ  
سے زیادہ ہمارے لئے روز ملے گی ہے۔“



جواب ملا: ”وہ بھوک سے نہیں بلکہ زیادہ کھانے سے  
 مری ہوئی تھی۔“ آپ کی رائے میں بھوک سے ہونے والی موت  
 کبھی ہوتی ہے؟ جواب ملا: ”جبکہ آدمی کو 15 دن تک  
 بالکل کھانا نہ ملے اور وہ مر جائے۔“

”کیا تمہیں والے پتھروں کی چھال، کھاس اور پیچ نہیں  
 کہا دے رہے ہیں؟“

”نہیں۔ وہ لوگ اپنے گہروں میں اُن چیزوں کی بنی  
کالی دوتی صرف پتھروں اور باہری آدمیوں کو دیکھنے کے  
لئے دھتے ہیں۔“

”ہر ایسا وہ کہوں کرے میں؟“

وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ سرکار پر دھماکا پڑے اور وہ ماسٹر بھگت نمر سرکار کا ہیمان شروع کر دے اور انہیں کام مل جائے۔“

مدد دہانے کے لئے جو کام شروع کئے گئے تھے ان کی حالت بہت بری تھی۔ مرد عورتوں اور بچے پورے آٹھ گھنٹہ کھلی دھوپ اور جلتی دھپ پر بلکہ پورے دن ٹرتے تھے اور اپنا کام ختم کرنے وہ میلوں دور آگے بھاگنے کے لئے اناج خریدتے تھے۔ وہ کول پات میں جاکر لٹاب نام کی دکان سے جو وہاں سے چھ میلے اناج لیتے تھے۔ سرکار نے ان کے کام کرنے کی جگہ نے اس پلاس اناج ملنے کی کوئی دوسرہ جگہ نہیں کی۔ انہوں نے ہم سے یہ بھی شکایت کی کہ دوکاندار اناج میں مٹی ملائے تھے اور کم تولتے تھے۔

پچھلے دھڑپ میں چھلکے داتے میں

سرکار نے کام کرنے والوں کے سولے لے لئے کوئی اعظام نہیں کیا ہے جہاں وہ کام کرتے ہیں وہاں چھایا کا بھی کوئی اعظام نہیں ہے۔ جبکہ ماں باپ کام کرتے ہیں تو ان کے دو سو تین تین سال کے چھوٹے چھوٹے بچے دھوپ میں ان کے چاروں طرف اُس پاس گرم دھیت میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ڈاکٹری مدد تو وہاں ہے ہی نہیں۔ عائنوں نے مجھے بتایا کہ اکال لاسون کے مطابق یہ آسانیاں وہاں دی جاتی ہیں جہاں کم سے کم تین سو آدمی ایک جگہ کام کرتے ہیں۔

کسر بھی مدد والے ٹولڈر میں کم سے کم 13 سال کا ٹوٹا کم ہو کر لیا جاسکتا ہے۔ اس قانون سے فریجوں کو اور بھی مشکل ہوتی ہے کہ وہ ان کی کمائی سے سارے پرواز کا پھٹ نہیں بھرتا۔

آدمی ہلکا کھائے تو وہ سکتا ہے پر ہلکا پانی نہیں ۔  
 ہونکھڑی کھا سارے راجستھان میں سونگھا پانی اناج سے  
 بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ لہذا ہے۔ ہلکے کا سونگھا پانی وہاں پتھلیوں  
 میں جن میں 80 کھلن پانی آتا ہے بڑی دور سے اونگھوں  
 کی پھٹ پر لیا جاتا ہے اور چھ آنے سے ایک (دو) پتھلی  
 تک پکتا ہے ۔



## سہاوت کے طور پر ناکامی سوانح

اس ہر وار کے پانچ آدمی جن میں ایک 13 سال کا بالک بھی ہے ایک سرکاری باندہ ہے کام کرتے ہیں۔ وہاں ہر آدمی کو 60 کھن ورگ فٹ زمین کھودنے پر روزانہ بارہ آٹھ ملے ہیں، صوبہ کو پچاس کھن ورگ فٹ زمین کھودنے کے دس آٹھ اور بالک کو چالیس کھن ورگ فٹ زمین کے آٹھ ملے۔ وہ صبح سات بجے اٹھ کر کام پر جاتے ہیں اور ساڑھے آٹھ بجے شام تک کام کرتے ہیں۔ جہاں کام کرتے ہیں وہ جگہ ان کے گھر سے دو میل دور ہے۔

بڑے پتھر سے زمین نہیں کھودی جاتی اس لئے کام پر نہیں جاتا۔ وہ مال بٹانا چاہتا ہے۔ آٹھ اگر کوئی 500 روپے ادھار دے دے تو وہ 300 روپے کما سکتا ہے۔ ہر سوال یہ ہے کہ آٹھ 500 روپے ادھار کون دے؟

چھوٹے بڑے سب ایسی لال مچ کے ساتھ باجرے کی روٹی کھاتے ہیں۔ وہاں نہ تو کوئی ساگ بھیجی ہوئی ہے اور نہ ہی کھانے کا سامان۔ جب اس سرکاری باندہ کا کام بند ہو جاتا ہے (کیونکہ اس کے لئے صرف دو ہزار روپے کی منظوری ہوئی ہے) تو ان کو یہ روٹی بھی ملنا مشکل ہو جاتی ہے۔

یہ پوچھنے پر کہ ”جب یہ کام بند ہو جائیگا تب تم کیا کرو گے؟“

انہوں نے کہا—”ہم بھگوان سے پرارتھنا کر رہے ہیں کہ اس پاس کوئی دوسرا کام شروع ہو جائے۔“

گلوں میں اسی دن شام کو ایک مندر میں پرارتھنا کی گئی۔ وہ پرارتھنا اس لئے تھی جس سے کہ بھگوان پرسن ہو کر ادھار کام چالو کر دیں اور پانی برسائیں۔ یہ بھی پرارتھنا تھی کہ بھوکے مرنے والے بھگوان دوسرے جنم میں سنبھل سکیں۔ بھجاری نے مجھے دس گالہ کا پرسان دیا اور کہا کہ میرا بھائی ان کے سنگ دس گالہ کھائے گا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اچھے گلوں کے غریب بھوکے غریبوں کی مدد کے واسطے کیا کیا ہے؟ بھجاری کا جواب تھا—”یہ لوگ میں ہی بڑے بدقسمت۔“

یہاں نمبر کا اگلہ پتہ کا اگلہ ہے کیونکہ اگر آپ کے پاس پتہ ہو تو آپ ملکی سے جتنی چاہیں اناج خرید سکتے ہیں۔ یہاں کے غریبوں کو آپ بھی یہ سہارا نہیں دے کہ بھوکے نمبر میں اگلہ ہے۔ وہاں کے کلکٹر کا مات ہے کہ اگل ہونے کے تمام سماچار چھوڑ دیں اور مطالبہ راجہ کی باتیں کر رہے ہیں۔

”لوئرنگ دیویر میں جو ایک استعماری بھوک سے مر گئی اس کے بارے میں آپ کا کیا मत ہے؟“



## गांव के गांव खाली

## गांव के गांव खाली

जिन लोगों के अनाज का स्टॉक खलम हो गया है वह बिबादात्त अपने घरों से भाग रहे हैं। नौरंगदेसर नाम के गांव में जहां 30 नाइक (हरिजन) जात के परिवार रहते हैं उनमें से 27 परिवार अनाज और काम की तलाश में गांव छोड़ कर जा चुके हैं अपने घूमने के दौरान में हमने तनाम गांवों के घरों को देखा। इनमें एक तरह से ताले लगे थे। यह अपनी मूक कहानी खूब सुना रहे थे, कभी इन गांवों में भी इनसान और इनसान का प्रेम निवास करता था।

50 साला लक्ष्मन अपनी स्त्री और चार भूके बच्चों को लेकर 22 मील पैदल चल कर बीकानेर पहुंचा। रास्ते में वह सब भीक मांगते खाते गए और अन्त में एक सेठ की धर्मशाला के बाहर उन्होंने शरण ली। इस धर्मशाला में हर आदमी को एक पाव बाजरा दान की शक्ति में रोखना मिलता है।

58 साला चन्नो भी (अपने सबसे छोटे तीन बरस के लड़के के साथ) अपने तीन लड़कों को लेकर घर से निकल पड़ा है और यह लोग अब भीक के सहारे जीते हैं और रेत के बिल्लौने पर खुले में रहते हैं। इस जगह दिन की गरमी और रात की ठंड से बचाव का कोई साधन नहीं है।

बीकानेर से मामसर गांव रेल से एक घंटे में आदमी पहुंच जाता है। वहां बाजरी भी है और पक्के घर भी हैं, वहां म्युनिसिपल बांड भी है, गांव और रेल के स्टेशन के बीच एक मार्ग का रेगिस्तान है। ऊंट गाड़ियों में उस गांव के रईस लोग स्टेशन आते जाते हैं। मंदिरों के पुजारी महंत लोग वहां खूब ठाट बाट से रहते हैं।

इस गांव के रईस लोगों को अकाल का कोई ज्ञान तक नहीं है, लेकिन अगर आप हरिजन बस्तियों में जायें तो उनके घरों का अंधेरा और उनके पीठ में धंसे पेट खुद ही अपनी कहानी आपको सुना देंगे आप को पता लगेगा कि इनसान इनसान में कितना फरक है।

पेरूमल के परिवार में वह खुद, उसकी स्त्री, उसके दो बड़े लड़के, उन दोनों की बहू और पेरूमल का एक छोटा लड़का और लड़की हैं। उनके पास 100 एकड़ जमीन है जिसमें वो 2 साल से कोई फसल नहीं हुई है। उसके पास एक ऊंट गाड़ी भी जो उसने बेच दी है। स्त्रियों के पास कोई गहने अब नहीं। पेरूमल ने कहा कि "अगर हम को तन डकने को कपड़ा और दो जून भोजन भी मिल जाय तो बस हम बावशाह हैं।"

जिन लोगों के अनाज का स्टॉक खलम हो गया है वह अधिकतर गांवों से भाग रहे हैं। नौरंग देसर नाम के गांव में जहां 30 नाइक (हरिजन) जात के परिवार रहते हैं उनमें से 27 परिवार अनाज और काम की तलाश में गांव छोड़ कर जा चुके हैं। अपने घूमने के दौरान में हमने तनाम गांवों के घरों को देखा। इनमें एक तरह से ताले लगे थे। यह अपनी मूक कहानी खूब सुना रहे थे, कभी इन गांवों में भी इनसान और इनसान का प्रेम निवास करता था।

50 साला लक्ष्मन अपनी स्त्री और चार भूके बच्चों को लेकर 22 मील पैदल चल कर बीकानेर पहुंचा। रास्ते में वह सब भीक मांगते खाते गए और अन्त में एक सेठ की धर्मशाला के बाहर उन्होंने शरण ली। इस धर्मशाला में हर आदमी को एक पाव बाजरा दान की शक्ति में रोखना मिलता है।

58 साला चन्नो भी (अपने सबसे छोटे तीन बरस के लड़के के साथ) अपने तीन लड़कों को लेकर घर से निकल पड़ा है और यह लोग अब भीक के सहारे जीते हैं और रेत के बिल्लौने पर खुले में रहते हैं। इस जगह दिन की गरमी और रात की ठंड से बचाव का कोई साधन नहीं है।

बीकानेर से मामसर गांव रेल से एक घंटे में आदमी पहुंच जाता है। वहां बाजरी भी है और पक्के घर भी हैं, वहां म्युनिसिपल बांड भी है, गांव और रेल के स्टेशन के बीच एक मार्ग का रेगिस्तान है। ऊंट गाड़ियों में उस गांव के रईस लोग स्टेशन आते जाते हैं। मंदिरों के पुजारी महंत लोग वहां खूब ठाट बाट से रहते हैं।

इस गांव के रईस लोगों को अकाल का कोई ज्ञान तक नहीं है, लेकिन अगर आप हरिजन बस्तियों में जायें तो उनके घरों का अंधेरा और उनके पीठ में धंसे पेट खुद ही अपनी कहानी आपको सुना देंगे आप को पता लगेगा कि इनसान इनसान में कितना फरक है।

पेरूमल के परिवार में वह खुद, उसकी स्त्री, उसके दो बड़े लड़के, उन दोनों की बहू और पेरूमल का एक छोटा लड़का और लड़की हैं। उनके पास 100 एकड़ जमीन है जिसमें वो 2 साल से कोई फसल नहीं हुई है। उसके पास एक ऊंट गाड़ी भी जो उसने बेच दी है। स्त्रियों के पास कोई गहने अब नहीं। पेरूमल ने कहा कि "अगर हम को तन डकने को कपड़ा और दो जून भोजन भी मिल जाय तो बस हम बावशाह हैं।"



## बीकानेर में भयानक अकाल

(ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन)

“इस तरह कब तक दिन काटोगे ?” मैंने बच्चों से पूछा जो कि बीकानेर में भीक मांग कर दिन काट रहा है।

सवाल को सुनकर सुनहरे भविष्य की कल्पना की मलह उसके चेहरे पर खेल गई। “मैं अपने घर वापिस तब ही जाऊंगा जब वर्षा हो जायगी और ‘सुरत’ बास फिर से उग आएगी।”

बीकानेर की गरीबी और अकाल का चित्र दिल में उबल पुबल पैदा करता है। 14 लाख की आबादी के इस प्रदेश में दो लाख गांव वाले खतरनाक अकाल के मुख में फंसे हैं।

इन गरीबों की आंखों में आप दुख की फिकरों की वह तस्वीर देखेंगे जो जीवन भर आपके दिमाग पर छाई रहेगी पर उनके चेहरों को देखकर आपको पता लगेगा कि हिम्मत किसे कहते हैं! वह हिम्मत जिसके सामने सारे दुख तुच्छ मालूम होते हैं।

रेगिस्तान के उस लम्बे चौड़े फैले क्षेत्र में आप मीलों तक जीप मोटर में बैठे चले जायें तो भी उस रेत का अंत नहीं जीप मोटर ही इस रेगिस्तानी प्रदेश में यातायान का एक ही साधन है। मीलों पार हो जाते हैं, पर इनसान तो क्या किसी पशु पक्षी के भी दर्शन नहीं होते और न कहीं छाया में बैठने को पेड़ या पीने को पानी ही दिखाई पड़ता है। इसलिये आप यह बिना सोचे नहीं रह सकते कि आखिर फिर किस खिचाब से इनसान इस हिस्से में आकर बसा था।

बीकानेर में साल में कुल एक फसल होती है और वह भी बारिश के सहारे। सिंचाई से होने वाली खेती का कहीं नाम निशान नहीं है। अगर बारिश नहीं होती तो इस प्रदेश में अकाल पड़ जाता है। अगर कहीं दो फसलें अच्छी हो गईं तो एक खराब फसल मेल ली जाती है पर जब लगातार दो फसलें बिगड़ जाती हैं तभी वहां मुसीबत के पहाड़ टूट पड़ते हैं।

1951 में फसल खराब हो गई थी, 1952 में जो थोड़ी बहुत हुई उसे टिड्ढियां साफ कर गईं। सन 50 की फसल का जो बचा हुआ स्टॉक था वह अब करीब करीब खतम हो चुका है। 2 माह से वहां के निवासी “तूम्बा” नाम का पहाड़ीला दाना, खेजरी की छाल, सुरत की बास क्वार या बाजरे के आटे में मिला कर खा रहे हैं जिससे कि यह बचा हुआ अनाज कुछ खियाया दिन तक चल सके।

## पिकानिर میں بھانک اکل

(گوانہلدر پرساد جین)

“اس طرح کب تک دن کاٹو گے؟” میں نے چلو سے پوچھا جو کہ وہاں پر بھیک مانگ کر اپنے دن کاٹ رہا ہے۔

سوال کو سن کر سلہرے بھوشہ کی کلہا کی جھلک اُس کے چہرے پر کھل گئی۔ “میں اپنے گھر واپس آ رہا ہوں۔ جب برسا ہو جائیگی اور ‘سروت’ گھاس پھوس سے اُگ اُٹھگی۔”

بھوشہ کی فریبی اور اکل کا چتر دل میں اُٹھ پھل پیدا کرتا ہے۔ 14 لاکھ کی آبادی کے اس پردیسی میں دو لاکھ لڑکوں والے خطرناک اکل کے منہ میں پھنسنے میں۔

ان فریبوں کی آنکھوں میں آپ دہ کی فکروں کی وہ تصویر دیکھیں گے جو جوں بھر آپ کے دماغ پر چھائی رہے گی۔ پر ان کے چہروں کو دیکھ کر آپ کو پتہ لگے گا کہ ہمت کسے لیتے ہیں! وہ ہمت جس نے سامنے سارے دن کچھ معلوم ہوتے ہیں۔

پکستان کے اس لمبے چوڑے پھلے چھتر میں آپ مہلوں تک چھپ سوتے ہیں بھگتہ چلے جائیں تو بھی اُس ریت کا انت نہیں۔ چھپ سوتے ہی اُس ریگستانی پردیسی میں پائپاٹ کا ایک ہی سادھن ہے۔ مہلوں پاد ہو جاتے ہیں، پر انسان تو کیا کسی پشو پکھی کے بھی درشن نہیں ہوتے اور نہ انہیں چھپا میں بھگتہ کر پھر یا پھلے کو پانی ہی دکھائی پوتا ہے۔ اس لئے آپ یہ پتا سوچ نہیں رہے کہ آخر پھر کس کھیلچڑ سے انسان اس حصہ میں آکر بسا تھا۔

پکستان میں سال بھر میں کل ایک فصل ہوتی ہے اور وہ بھی بارش کے سہارے۔ سلہجائی سے ہونے والی کھیتی کا نہیں تمام نشان نہیں ہے۔ اگر بارش نہیں ہوتی تو اس پردیسی میں اکل پڑ جاتا ہے، اگر نہیں دو فصلیں اچھی ہوگئیں تو ایک خراب فصل جھول لی جاتی ہے۔ ہر جب لاتار دو فصلیں پکو جاتی ہیں تو وہاں مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

1951 میں فصل خراب ہوگئی تھی، 1952 میں جو تھوڑی بہت ہوئی اسے انہیں صاف کر گئیں۔ سن 50 کی فصل کا جو بچا ہوا اُستاک تھا وہ اب قریب قریب ختم ہوچکا ہے۔ دو ماہ سے وہاں کے لوگ ‘تومبا’ نام کا زہریلا دانہ، کھجور کی چھال، سروت کی گھاس جوار یا باجری کے آٹے میں مل کر کھا رہے ہیں جس سے کہ یہ بچتا ہوا اناج کچھ زیادہ دن تک چل سکے۔



रहती हैं, वह यहां के भोले भाले किसानों पर बड़े बड़े ट्रैक्टर वगैरह ऐसे औजार लादना चाहते हैं, जो मनुष्य और जानवर दोनों को बेकार करने वाले हैं। उनका यहां की परिस्थितियों से कोई मेल नहीं खाता। जिनको न वह चला सकता है, न बना सकता है और न बिगड़ने पर सुधार ही सकता है। इसके अलावा आर्थिक नजर से भी किसान की पहुंच से बाहर है।

ऐसे औजार अगर हम भारती किसान के जीवन में पहुँचाते हैं या पहुँचने देते हैं तो उस पर आर्थिक बोझ तो लावते ही हैं और बहुत हद तक उसे दूसरों पर निर्भर बना कर उसकी आजादी का अपहरण भी करते हैं।

इस मुसीबत से किसानों का बचाने की जवाबदारी रचनात्मक कारकर्ताओं पर है। कई लोग हमारे विचारों को न समझ कर हम पर इलजाम भी लगाते हैं उन सब दोस्तों को जो भारत किसान को लाखों करोड़ों (मनुष्य और जानवर जैसी) जीती जागती मशीनों को छोड़ यंत्रों की भयानक दावों में फंसा कर चौपट करना चाहते हैं उन्हें सोचना चाहिये कि हमारी खेती आज छोटे छोटे सैकड़ों हज़ारों टुकड़ों में बटी हुई है जब तक उसका सामुहीकरण नहीं होता तब तक खेती में मशीनों का इस्तेमाल नहीं किया जा सकता इसलिये ऐसे लोगों से हमारी अपेक्षा है कि किलहाल किसान को कल कांटों की बाहरी रालामी से बचा कर उसके गांवों की जानी पहचानी कारीगरी के जरिये पुराने औजारों को ही ज़ियादा कारगर बनाने में हमारा हाथ बटाना चाहिये कि मौजूदा हालत में भारती खेती का पुराना तरीका ही हमारे सर्वथा माफ़क है उसमें खेती के काम के साथ साथ दूसरी तरह के ऐसे धन्दे भी किसान के हाथ में रहते हैं जो खाली समय में उसे बेकारी से बचाते हैं।

भारती खेती के पुराने औजारों में ही कुछ हेर फेर कर के उन्हें ज़ियादा काम में लाने और खुद बनाने की तरफ हमारी सारी कोशिश होनी चाहिये।

याद रहे कि इसी क्रिसम की एक कोशिश अखिल भारत सर्व सेवा संघ के कृषि गो सेवा विभाग की तरफ से की जा रही है जो कारकर्ताओं की जानकारी के लिये पत्र पत्रिकाओं में प्रकाशित किया जा चुका है। साथ ही उन सब माइनों से जो इस दिशा में कोशिश कर रहे हैं, अपील है कि हमारे इस काम में हाथ बटावें।

हमें उम्मीद है कि हर रचनात्मक कारकर्ता इस काम में ज़ियादा से ज़ियादा सहयोग दे कर अपनी ज़िम्मेदारी को निभाने की कोशिश करेगा।

कैमती हैं। वह यहाँ के भोले भाले किसानों पर बड़े बड़े ट्रैक्टर वगैरह ऐसे औजार लादना चाहते हैं जो मनुष्य और जानवर दोनों को बेकार करने वाले हैं। उनका यहाँ की परिस्थितियों से कोई मेल नहीं खाता। जिनको न वह चला सकता है, न बना सकता है और न बिगड़ने पर सुधार ही सकता है। इसके अलावा आर्थिक नजर से भी किसान की पहुँच से बाहर है।

ऐसे औजार अगर हम भारती किसान के जीवन में पहुँचाते हैं या पहुँचने देते हैं तो उस पर आर्थिक बोझ तो लावते ही हैं और बहुत हद तक उसे दूसरों पर निर्भर बना कर उसकी आजादी का अपहरण भी करते हैं।

इस मुसीबत से किसानों को बचाने की जवाबदारी रचनात्मक कारकर्ताओं पर है। कई लोग हमारे विचारों को न समझ कर हम पर इलजाम भी लगाते हैं उन सब दोस्तों को जो भारत किसान को लाखों करोड़ों (मनुष्य और जानवर जैसी) जीती जागती मशीनों को छोड़ यंत्रों की भयानक दावों में फंसा कर चौपट करना चाहते हैं उन्हें सोचना चाहिये कि हमारी खेती आज छोटे छोटे सैकड़ों हज़ारों टुकड़ों में बटी हुई है जब तक उसका सामुहीकरण नहीं होता तब तक खेती में मशीनों का इस्तेमाल नहीं किया जा सकता इसलिये ऐसे लोगों से हमारी अपेक्षा है कि किलहाल किसान को कल कांटों की बाहरी रालामी से बचा कर उसके गांवों की जानी पहचानी कारीगरी के जरिये पुराने औजारों को ही ज़ियादा कारगर बनाने में हमारा हाथ बटाना चाहिये कि मौजूदा हालत में भारती खेती का पुराना तरीका ही हमारे सर्वथा माफ़क है उसमें खेती के काम के साथ साथ दूसरी तरह के ऐसे धन्दे भी किसान के हाथ में रहते हैं जो खाली समय में उसे बेकारी से बचाते हैं।

भारती कैमती के पुराने औजारों में ही कुछ हेर फेर कर के उन्हें ज़ियादा काम में लाने और खुद बनाने की तरफ हमारी सारी कोशिश होनी चाहिये।

याद रहे कि इसी क्रिसम की एक कोशिश अखिल भारत सर्व सेवा संघ के कृषि गो सेवा विभाग की तरफ से की जा रही है जो कारकर्ताओं की जानकारी के लिये पत्र पत्रिकाओं में प्रकाशित किया जा चुका है। साथ ही उन सब माइनों से जो इस दिशा में कोशिश कर रहे हैं, अपील है कि हमारे इस काम में हाथ बटावें।

हमें उम्मीद है कि हर रचनात्मक कारकर्ता इस काम में ज़ियादा से ज़ियादा सहयोग दे कर अपनी ज़िम्मेदारी को निभाने की कोशिश करेगा।



## खेतीबारी के औजार—एक समस्या

( चन्द्रमा सिंह वर्मा )

आज खियावा अनाज पैदा करो का जमाना है. यही एक बात सब की खान पर है. सभी कहते हैं कि अनाज की समस्या सुलके बरौर देश आगे नहीं बढ़ेगा, लेकिन खियावा अनाज पैदा करने के साधन धरती और किसान दोनों ही जर जर हो गये हैं उनकी हालत शोचनीय है. जिस तरह धरती कुछ मुट्टी भर लोगों के हाथ में चली गई है, उसी तरह किसान भी दूसरों का मुहताज हो गया है. वह भूका नंगा रह कर भी अपनी आप दिन की गाड़ी कमाई दूसरों को सौंप देता है या उससे छीन ली जाती है. वह साधन हीन हो गया है. अगर यही हालत रही तो खियावा अनाज पैदा करो की बात तो अलग रही, उल्टे देश तबाह हो जायगा.

इसलिये रचनात्मक संस्थाओं का ध्यान भूमि समस्या के साथ साथ किसान की दूसरी उलझनों को सुलझाने की तरफ भी जाना चाहिये आज किसान के अधूरे जीवन को सम्पूर्ण बनाने में ही भारत का सर्वोदय है, ऐसा मान कर चलना चाहिये.

आज भारत की खेती में जहां अच्छे बीज, खाद, सिंचाई बरौरा की जरूरत है वहां अच्छे औजारों की भी सख्त जरूरत है. जिस तरह हमने चरखा बरौरा प्रामोद्योगों के दूसरे पहलुओं को सोच समझ कर नहीं नहीं तबदीलियां कर के उन्हें खियावा अच्छा बना कर जनता की सेवा की है, उसी तरह खेती बारी के औजारों में भी कुछ सुधार होना लाजमी है.

पुराने जमाने से चलते आए औजारों पर आधार रख कर चलने से आज की समस्या हल नहीं हो सकती उनमें कुछ ऐसे बुनियादी सुधारों की जरूरत है जो खियावा से खियावा काम दे सकें. लेकिन ऐसे औजार किसान के बूते से बाहर के न हों जिन्हें वह गांव के बड़ई लुहार की मदद से अपने आस पास की साधन सामग्री लेकर गांव में ही बना वा सुधार सके. ऐसा करने में एक बड़ा फायदा यह है कि उसे शहर या किसी बाहरी मेकेनिक का मुंह नहीं ताकना पड़ेगा. वह अपने क्षेत्र में ही स्वावलंबी बना रहेगा.

ध्यान रहे कि इस दिशा में सरकार की तरफ से कुछ ऐसे लोग भी लगे हैं जिनके दिमाग, मेस, भूसा आसा और रहन-सहन का डंग यहां का नहीं है जो यहां के किसान की हैसियत से नहीं सोचते. जिनके विचारों में हस व अमरीका की बड़ी बड़ी स्कीमें चक्कर काटती

## कैप्टी बारी के औजार—एक समस्या

( चन्द्रमा सिंह वर्मा )

आज खियावा अनाज पैदा करो का जमाना है. सभी कहते हैं कि अनाज की समस्या सुलके बरौर देश आगे नहीं बढ़ेगा, लेकिन खियावा अनाज पैदा करने के साधन धरती और किसान दोनों ही जर जर हो गये हैं उनकी हालत शोचनीय है. जिस तरह धरती कुछ मुट्टी भर लोगों के हाथ में चली गई है, उसी तरह किसान भी दूसरों का मुहताज हो गया है. वह भूका नंगा रह कर भी अपनी आप दिन की गाड़ी कमाई दूसरों को सौंप देता है या उससे छीन ली जाती है. वह साधन हीन हो गया है. अगर यही हालत रही तो खियावा अनाज पैदा करो की बात तो अलग रही, उल्टे देश तबाह हो जायगा.

इस लक्ष्य के लिए हमें किसानों के सामान्य जीवन को सुलझाने की तरफ भी जाना चाहिये. आज किसान के अधूरे जीवन को सम्पूर्ण बनाने में ही भारत का सर्वोदय है, ऐसा मान कर चलना चाहिये.

आज भारत की खेती में जहां अच्छे बीज, खाद, सिंचाई बरौरा की जरूरत है वहां अच्छे औजारों की भी सख्त जरूरत है. जिस तरह हमने चरखा बरौरा प्रामोद्योगों के दूसरे पहलुओं को सोच समझ कर नहीं नहीं तबदीलियां कर के उन्हें खियावा अच्छा बना कर जनता की सेवा की है, उसी तरह खेती बारी के औजारों में भी कुछ सुधार होना लाजमी है.

पुराने जमाने से चलते आए औजारों पर आधार रख कर चलने से आज की समस्या हल नहीं हो सकती उनमें कुछ ऐसे बुनियादी सुधारों की जरूरत है जो खियावा से खियावा काम दे सकें. लेकिन ऐसे औजार किसान के बूते से बाहर के न हों जिन्हें वह गांव के बड़ई लुहार की मदद से अपने आस पास की साधन सामग्री लेकर गांव में ही बना वा सुधार सके. ऐसा करने में एक बड़ा फायदा यह है कि उसे शहर या किसी बाहरी मेकेनिक का मुंह नहीं ताकना पड़ेगा. वह अपने क्षेत्र में ही स्वावलंबी बना रहेगा.



मुक्राबला करेंगे तो अहिंसा से यानी सत्याग्रह और असहयोग से. सत्याग्रही सिपाही के लिये खादी ही एक बाना है.

हमारे प्रधान मंत्री की बहुत बड़ी कोशिश है कि अमरीका और रूस से अलग दुनिया के अन्तर एक 'तीसरा इलाका' बन जाय लेकिन अगर इलाके में कोई ताकत न होगी तो उसकी कौन परबाह करेगा. बिना ताकत का इलाका वैसा ही है जैसे बिना सियाही के कलमदान. सबाल यह है कि इस इलाके में कौन सी ताकत जमा की जा सकती है, यह इलाका क्या जोर दुनिया को दिखा सकता है? अगर वह ताकत या जोर हिंसा के जरिये हुआ तो लाजमी तौर पर खियादा बड़ी हिंसा वाली ताकतों के आगे उसे माथा टेक देना पड़ेगा और वह कहीं का न रहेगा. इस इलाके में बस एक ही जोर कारगर हो सकता है—अहिंसा का, सत्याग्रह का यानी तरक्की पसन्द अहिंसात्मक असहयोग का. पंडित नेहरू से हमारी प्रार्थना है कि अगर वह अपने "इलाके" को मजबूत बनाना चाहते हैं तो सत्याग्रही बल से उसे लैस करें.

इस तरह हम देखते हैं कि खादी के बारे में प्रधान मंत्री ने जो चार बातें कहीं वह सब की सब खादी के खिलाफ और मिल या बड़े कारोबार के माफिक रहें. इससे हर कोई इस नतीजे पर पहुंचे बिना नहीं रह सकता कि सरकार खादी के साथ खिलवाड़ कर रही है और जो कुछ कर रही है वह खादी के जन्म दाता को नाम के वास्ते बढ़ावा देने या दिखावे के लिये. लेकिन इस तरह वह कब तक जनता की आंखों में धूल भोंकती रहेगी?

### खादी बोर्ड वालों से

आखिर में हमारा सरकारी खादी बोर्ड के बुझुरगों से भी एक निवेदन है हम जानते हैं कि ऊपर जो कुछ हमने कहा है वनसे वह सहमत होंगे और खादी की गहराई को वह हम से कहीं खियादा समझते हैं. हमें यकीन है कि वह अपने बोर्ड की आगे की नीति सरकार के सामने बिल्कुल साफ कर लेंगे और खादी का जो असली मकसद है उसके पूरा करने में एक कदम भी पीछे नहीं हटेंगे. साथ ही साथ हमें यह भी कहना है कि बोर्ड की पहली बैठक में इसके प्रधान ने जो स्पीच दी जिसमें—जैसा कि 21 फरवरी के 'हरिजन' पत्रों में छपी है—वन्होंने कहा कि यह बोर्ड सलाह और जोख या रिसर्च का काम करेगा, उस तरीके से यह बोर्ड इकमत की नीति में धरा भी बुनियादी तबदीली नहीं करा पायगा और हमें डर है कि खादी के कारज को फायदे के बजाय मुक्रान पडुंचायगा. इसलिये बोर्ड को बहुत एहतियात और दूरन्देशी से चलना पड़ेगा. हम उसके कारनामों को बड़े चाव व ध्यान के साथ देखा समझा करेंगे.

—सुरेश रामभाई

مقابلہ کہیں کے تو اھلسا سے یعنی سٹھارہ اور اسپرک سے . سٹھارہ بھی سواھی کے لئے کھادی ہی ایک ہوتا ہے . ہمارے پردھان منتری کی بہت بڑی کوشش ہے کہ امریکہ اور روس سے الگ دنیا کے اندر ایک "تیسرا علاقہ" بن جائے. لیکن اگر علاقے میں کوئی طاقت نہ ہوگی تو اُسکی کون پرواہ کرے گا . بلا طاقت کا علاقہ ویسا ہی ہے جیسے بلا سواھی کے قلمدان . سوال یہ ہے کہ اس علاقہ میں کون سی طاقت جمع کی جا سکتی ہے ' یہ علاقہ کہا زور دنیا کو دکھا سکتا ہے ؟ اگر وہ طاقت یا زور ہلسا کے ذریعہ ہوا تو اسی طور پر زیادہ بڑی ہلسا والی طاقتوں کے آگے اسے ماتھا ٹوک دینا پوے گا اور وہ کہیں کا نہ رہے گا . اس علاقہ میں بس ایک ہی زور کارگر ہو سکتا ہے—اھلسا کا ' سٹھارہ کا یعنی ترکی پسند اھلساندک اسپرک کا . بلڈت نہرو سے ہماری ہرارت تھا ہے کہ اگر وہ اپنی "علاقہ" کو مضبوط بنانا چاہتے ہوں تو سٹھارہ ہی بل سے اسے لیس کریں .

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کھادی کے بارے میں پردھان منتری نے جو چار باتیں کہیں وہ سب کی سب کھادی کے خلاف اور مل یا بڑے کاروبار کے موافق رہیں. اس سے ہر کوئی اس نتیجہ پر پہنچے بلا نہیں رہ سکتا کہ سرکار کھادی کے ساتھ کھلوا کر رہی ہے اور جو کچھ کر رہی ہے وہ کھادی کے جلم دانا دو نام کے واسطے چوہاوا دیلے یا دنیاوی کے لئے. لیکن اس طرح وہ کب تک جلتا کی آنکھوں میں دھول چھونکتی رہے گی .

### کھادی بورڈ والوں سے

آخر میں ہمارا سرکاری کھادی بورڈ کے بزرگوں سے بھی ایک نو خط ہے . ہم جانتے ہیں کہ اوپر جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے وہ سمجھ سکیں گے اور کھادی کی کھائی کو وہ ہم سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں . ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنی بورڈ کی آگے کی ترقی سرکار کے سامنے بالکل صاف کر لیں گے اور کہیں کہیں جو اصلی مقصد ہے اس کے دورا کر کے میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گے. ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بورڈ کی پہلی ہفتک میں اس کے پردھان نے جو اسٹیج دی جس میں—جیسا کہ 21 فروری کے 'ہریجن' پتر میں چھپی ہے—اُنہوں نے کہا کہ یہ بورڈ صلاح اور کھوج یا رسرچ کا نام کرے گا ' اس طریقہ سے یہ بورڈ حکومت کی ترقی میں کھلا بھی بلیاوی نہدیگی نہیں کرا پائے گا اور ہمیں قہر ہے کہ کھادی کے کارج کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچائے گا . اس لئے بورڈ کو بہت احتیاط اور دوراندیشی سے چلنے پوے گا ہم اس کے کاربوں کو بڑے چار دھیمان نے ساتھ دیکھا سمجھا نہیں گے .

—سوریش رام بھائی



## سرکاری سہارا

پرمیان ملتوی کا یہ کہنا کہ اگر کوئی سرکاری مدد کا سہارا لیتی تو وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ سولہ آٹھ مضمون ہاں ہے۔ لیکن کیا ہم بوجھ سکتے ہیں کہ کون ایسا دروازہ ہے جو آج اپنے پیروں پر کھڑا ہو؟ اگر سرکار انہیں مدد دے سکتی ہے تو اور سہولتیں نا سہولتیں ہاتھ پتا سکتی ہے تو کھادی کو کہیں نہیں! لیکن کھادی کا ہر پریمی قبول کرے گا کہ سرکاری مدد سے کھادی کو سچی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ حال ہی میں ایک سرکاری مدد کے ذریعے وادی کا دام روپے پچاس لاکھ لے کر دیا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آج جو دیہی وادی علاقوں یا حکومتیں ہندوستان کی مدد کو تیار ہیں ان کے بل پر کھادی کا دام ادا کیا جا چوہائی بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے کھادی چلنے والی نہیں ہے۔

کھادی اپنے پیروں پر تکی ہو سکتی ہے جب کھادی اپنے پیروں پر کھڑی ہو اگر حکومت خود بڑے کاروبار اور ملوں کا سہارا لیتی تو کھادی کے خلاف ہوا آپ سے آپ بڑھ کر اور پھیلے گی۔ اور حکومت اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہے جب وہ سرکاری قلمی کے انتظام اور بڑی بڑی ملوں، کارخانوں اور جنگی ہتھیاروں پر فوجوں وغیرہ کا استعمال چھوڑ دے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے اور سبھا بل یا پریم بل کو دھن بل یا پشو بل سے اوستی چنگہ دے اور قبول کرے۔ حکومت اپنے پیروں پر کھڑی ہو کھادی بھی فوراً بھڑی ہو جائے گی۔

## کھادی اور فوج

کھادی اور انوکھی ہوشا میں ہمارے پردھان ملتوی کھادی کو آزادی کا پانا کہا کرتے تھے۔ پر آج وہ خود اسے فوج کے لئے نامناسب بتاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آزادی کے بعد کھادی کا سیاسی پہلو ختم ہو گیا۔ جو فوج اعلیٰ کے دائرے سے چل کر اپنی منزل کو پہنچتی اس کے سپہ سالار کے ایسے دھن سن کر کون جنگ نہیں رہ جائے گا۔ اگر 14 اگست 1947 تک کھادی آزادی کا پانا تھا تو آج وہ اس سے بڑھ کر پانا ہے اور دھن دن اسکی اہمیت بڑھ کر گئی۔ کیونکہ مل کا ڈھوا پھلے اور لائنیں میں پلے ہتھیار کھادی ہمارے سیاسی امریکہ پر نہیں یا روس کے ہم کے لئے جارے کے سوائے کچھ نہیں۔ ہم لعلی ہی فوجیں کہیں نہ کھڑی کر لیں ہم ملسا سے کھدی بھی مقابلہ نہیں کر سکیں کہ دیہی طاقتیں کا یہ ہمارا سارا فوجی آڈیٹر دہوے گا دھاک جس سے باہر کی فوجی طاقتیں قوت پاتی ہے نہ کھادی ہے۔

ہم نے آزادی اعلیٰ کے دائرے پر چل کر لی۔ ہم آزادی اعلیٰ کے دائرے پر ہی قائم رہ سکتے۔ سیاسی کا

کھادی اپنے پیروں پر تکی ہو سکتی ہے جب کھادی اپنے پیروں پر کھڑی ہو اگر حکومت خود بڑے کاروبار اور ملوں کا سہارا لیتی تو کھادی کے خلاف ہوا آپ سے آپ بڑھ کر اور پھیلے گی۔ اور حکومت اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہے جب وہ سرکاری قلمی کے انتظام اور بڑی بڑی ملوں، کارخانوں اور جنگی ہتھیاروں پر فوجوں وغیرہ کا استعمال چھوڑ دے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے اور سبھا بل یا پریم بل کو دھن بل یا پشو بل سے اوستی چنگہ دے اور قبول کرے۔ حکومت اپنے پیروں پر کھڑی ہو کھادی بھی فوراً بھڑی ہو جائے گی۔

کھادی اور انوکھی ہوشا میں ہمارے پردھان ملتوی کھادی کو آزادی کا پانا کہا کرتے تھے۔ پر آج وہ خود اسے فوج کے لئے نامناسب بتاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آزادی کے بعد کھادی کا سیاسی پہلو ختم ہو گیا۔ جو فوج اعلیٰ کے دائرے سے چل کر اپنی منزل کو پہنچتی اس کے سپہ سالار کے ایسے دھن سن کر کون جنگ نہیں رہ جائے گا۔ اگر 14 اگست 1947 تک کھادی آزادی کا پانا تھا تو آج وہ اس سے بڑھ کر پانا ہے اور دھن دن اسکی اہمیت بڑھ کر گئی۔ کیونکہ مل کا ڈھوا پھلے اور لائنیں میں پلے ہتھیار کھادی ہمارے سیاسی امریکہ پر نہیں یا روس کے ہم کے لئے جارے کے سوائے کچھ نہیں۔ ہم لعلی ہی فوجیں کہیں نہ کھڑی کر لیں ہم ملسا سے کھدی بھی مقابلہ نہیں کر سکیں کہ دیہی طاقتیں کا یہ ہمارا سارا فوجی آڈیٹر دہوے گا دھاک جس سے باہر کی فوجی طاقتیں قوت پاتی ہے نہ کھادی ہے۔

کھادی اور انوکھی ہوشا میں ہمارے پردھان ملتوی کھادی کو آزادی کا پانا کہا کرتے تھے۔ پر آج وہ خود اسے فوج کے لئے نامناسب بتاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آزادی کے بعد کھادی کا سیاسی پہلو ختم ہو گیا۔ جو فوج اعلیٰ کے دائرے سے چل کر اپنی منزل کو پہنچتی اس کے سپہ سالار کے ایسے دھن سن کر کون جنگ نہیں رہ جائے گا۔ اگر 14 اگست 1947 تک کھادی آزادی کا پانا تھا تو آج وہ اس سے بڑھ کر پانا ہے اور دھن دن اسکی اہمیت بڑھ کر گئی۔ کیونکہ مل کا ڈھوا پھلے اور لائنیں میں پلے ہتھیار کھادی ہمارے سیاسی امریکہ پر نہیں یا روس کے ہم کے لئے جارے کے سوائے کچھ نہیں۔ ہم لعلی ہی فوجیں کہیں نہ کھڑی کر لیں ہم ملسا سے کھدی بھی مقابلہ نہیں کر سکیں کہ دیہی طاقتیں کا یہ ہمارا سارا فوجی آڈیٹر دہوے گا دھاک جس سے باہر کی فوجی طاقتیں قوت پاتی ہے نہ کھادی ہے۔



## खादी کی آنندرونی طاقت

مہمان مंत्री کی باتوں سے ऐसा लगता है कि मानو بڑے کاروبار میں نیجی آنندرونی طاقت ہو اور وہ بڑا سرکاری مدد کے ہی سہارے چلتا ہے۔ پختہ جواہر لال جو سے لاپل انہاس کا اور راج نہتا کے ملو سے ایسے شہد سوں کو بڑا مصعب اور دلو ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بڑے کاروبار کو سرکاری سہارے کی جتنی ضرورت دیتی ہے اتنی کسی دوسرے جہو کو نہیں۔ پختہ انہاس کو چالے دیکھو۔ آج لیا شکل ہے۔ لیا سرکار دیش کے لوہ، کونلہ، پختہ، چالہ، کھوہ، چلتی، پختہ، پختہ، کارخانوں کو شروع سے آخیر تک، یعنی کچھ مال سے لے کر کچھ مال کی بکری تک، مدد نہیں دے دیتی ہے۔ پختہ نہرو اگر یہ باتیں نہیں جانتے تو پھر دوسرا کون جان سکتا ہے؟ اور نہ پختہ جی کو یہ بتلائے کی ضرورت ہے کہ لکھ ان کی سرکار آج بھی بڑے کاروبار اور چھوٹے صنعتی، دونوں کو مددگاروں میں کھلا جہو کر بھاگ کھل اختیار کرے، تو بڑے کارخانے بھی ہیں۔ میں چاروں چالے چت کر دیکھو اور نہ پختہ جی کو یہ بتلائے کی ضرورت ہے کہ امریکہ، انگلینڈ اور روس کی طرح آج کل حکومت یا سرکار بڑے کاروبار کے ہاتھ کی نگہبانی ہوتی ہے، نہ کہ ایک خود مختار آزاد اور سمدری، حکومت، بڑے کاروبار اور سرکار میں جہاں دیکھتے دانت کاتے کی دیتی ہے، دوسوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، سچ پوچھتے تو آج انتظام حکومت کے معنی ہیں۔ بڑے کاروبار کو چالے والا ایک قانونی انتظام۔ یہی نہیں، حکومت خود ایک بڑا کاروبار بن چکی ہے جو دوسرے بڑے کاروبار کے اوپر ملحقہ ہے۔

پودمان، ملکی کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ مانو بڑے کاروبار میں نیجی آنندرونی طاقت ہو اور وہ بڑا سرکاری مدد کے ہی سہارے چلتا ہے۔ پختہ جواہر لال جو سے لاپل انہاس کا اور راج نہتا کے ملو سے ایسے شہد سوں کو بڑا مصعب اور دلو ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بڑے کاروبار کو سرکاری سہارے کی جتنی ضرورت دیتی ہے اتنی کسی دوسرے جہو کو نہیں۔ پختہ انہاس کو چالے دیکھو۔ آج لیا شکل ہے۔ لیا سرکار دیش کے لوہ، کونلہ، پختہ، چالہ، کھوہ، چلتی، پختہ، کارخانوں کو شروع سے آخیر تک، یعنی کچھ مال سے لے کر کچھ مال کی بکری تک، مدد نہیں دے دیتی ہے۔ پختہ نہرو اگر یہ باتیں نہیں جانتے تو پھر دوسرا کون جان سکتا ہے؟ اور نہ پختہ جی کو یہ بتلائے کی ضرورت ہے کہ لکھ ان کی سرکار آج بھی بڑے کاروبار اور چھوٹے صنعتی، دونوں کو مددگاروں میں کھلا جہو کر بھاگ کھل اختیار کرے، تو بڑے کارخانے بھی ہیں۔ میں چاروں چالے چت کر دیکھو اور نہ پختہ جی کو یہ بتلائے کی ضرورت ہے کہ امریکہ، انگلینڈ اور روس کی طرح آج کل حکومت یا سرکار بڑے کاروبار کے ہاتھ کی نگہبانی ہوتی ہے، نہ کہ ایک خود مختار آزاد اور سمدری، حکومت، بڑے کاروبار اور سرکار میں جہاں دیکھتے دانت کاتے کی دیتی ہے، دوسوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، سچ پوچھتے تو آج انتظام حکومت کے معنی ہیں۔ بڑے کاروبار کو چالے والا ایک قانونی انتظام۔ یہی نہیں، حکومت خود ایک بڑا کاروبار بن چکی ہے جو دوسرے بڑے کاروبار کے اوپر ملحقہ ہے۔

جب حکومت اور کاروبار میں اس طرح کا لگہ بگدھ ہو تو نہیں جگہ ہے نہادی کی؟ ایسی صورت میں نہادی نے پختہ نہرو امہ۔ دب ویسا ہی ہوکار ہے جہو جہریا دانی کھچ کی نہادیں میں کلاب کے پھول کی امہد کرنا۔

جب حکومت اور کاروبار میں اس طرح کا لگہ بگدھ ہو تو نہیں جگہ ہے نہادی کی؟ ایسی صورت میں نہادی نے پختہ نہرو امہ۔ دب ویسا ہی ہوکار ہے جہو جہریا دانی کھچ کی نہادیں میں کلاب کے پھول کی امہد کرنا۔

بھ جمانے لاف لاف جب کوئی بھیا اپنی آنندرونی طاقت سے اپنے آپ کو فیل کر سکتا تھا۔ بھ جمان لاف لاف جب راجراج اور انہانیات بھلا بھلا کی ج سکتی تھی۔ بھ راجراج اور انہانیات میں بھد ہی نہیں رہ گیا ہے۔ بھ لاف لاف آنندرونی طاقت کا سوال بھانا دوسروں کی آنسو میں بھل کھانا ہے۔ پھر بھی بھادی میں اپنی خاصیت ضرور ہے جو اندرونی وناوون ہونے پر بھی زندہ ہے۔ دونه وہ لب کی ختم ہو گئی ہوئی۔ ویدی انگریز سرکار دو سو دیشی پختہ کھریس سرکار نے اے مقامے میں کوئی قدم اٹھا نہیں دیا۔ لیکن وہ موی نہیں، یہ ہرکت کس کی ہے؟

وہ زمانے لکھ جب کوئی دھندا اپنی اندرونی طاقت سے اپنی بھل بھول سکتا تھا۔ وہ زمانے لکھے جب راج راج اور اولہ میں ایک ایک کی جا سکتی تھی۔ آج راج لکھی اور اولہ میں بھو ہی نہیں رہ گیا ہے۔ لکھ لکھ اندرونی طاقت کا سوال اٹھانا دوسروں کی آنسو میں بھل کھانا ہے۔ پھر بھی بھادی میں اپنی خاصیت ضرور ہے جو اندرونی وناوون ہونے پر بھی زندہ ہے۔ دونه وہ لب کی ختم ہو گئی ہوئی۔ ویدی انگریز سرکار دو سو دیشی پختہ کھریس سرکار نے اے مقامے میں کوئی قدم اٹھا نہیں دیا۔ لیکن وہ موی نہیں، یہ ہرکت کس کی ہے؟



کھیل جیون کے راستے پر چل کر جی سکتے ہیں۔ اسکے خلیاکر بڑے بھائی کے لیے دیکھنی کران یا نی رور مکرانیاں اور رور کویجیا نا کی ضرورت ہے۔ بھوت باندی سی پوجی سے ہی بھ شری کیے جا سکتے ہیں اور مکرانی بھیاں یا سامان کی مدد سے چلائے جا سکتے ہیں۔ انکی ایک اپنی کھدرتی شان اور جگہ ہوتی ہے پیر، پٹم بھ بڑے کاروبار کو نہتانا بھ کر سکتا ہے لکین دھاتی بھندے کو نہیں۔ اس طرح دوسرے میں زمین آمدن کا فرق ہے۔

اب سوال ہے ان دونوں کے ملان کا سمجھ میں تو یہی بات آتی ہے کہ جب ان دونوں میں الٹا پڑا فرق ہے تو ملان کی گھٹاں بہت تھوڑی ہے یا ہے ہی نہیں پر ہمیں یہ بڑے کاروبار کا موہ ہے اور نہ چھوٹے دھندے کا۔ ہمارے سامنے تو بس ایک ہی بھیا ہے انسان اور اس کی بہتری۔ اس لئے جو مشین انسان کی دوزی چھوڑ کر آئے پھوڑا بلکہ اور بھ کا دھ وہ نکمی جو آئے دوزی سے لکے اور اس نے کھ کو پالے وہ بھلی۔ اس لئے دھستان میں انہیں بڑے بڑے کاروباروں کے لئے جگہ مل سکتی ہے جو ہمارے انہوں کوروزوں کو اپنا ہی نہیں بھائی ہے۔ یہاں ہمیں دھتر پتا ہے وہ اس بھ یاد آ رہے ہیں جو انہوں نے کوئی مسرت دھتر دھتر تھانے لیک ساودھانی بھ لکھ کے جواب میں کہہ تھ —

”میں دھتا ہے کی دھلی مریضوں کو کھ کے بھلی سے آرام نہیں ہونچایا جاسکتا۔ ہمارے میں بھلی چلنا کو بس ایک بھت چاہئے۔ جان دار خوراک اور یہ خوراک انہیں نہیں دی جاسکتی“ انہیں خود کھانی ہوگی اور کھانے کے لئے انہیں اپنا خون پسٹھا چوٹی سے ایڑی تک بھانا ہوگا۔“

پسٹھا بھانے کے لئے کام ملنا چاہئے۔ پر ہمارے دھ میں بھلی اس کام کو ہی چھوڑ لے دھیں اور اس لئے بھلی بھ دھ ہیں۔ اس سے صاف ہے کہ جب تک دھیں میں پھوڑا دوزاری اور بھلی کی آج جھسی حالت ہے تب تک کھانے، پھوڑے اور مکران سے مانا دھنے والے سب کام گرم ادھوں کے دھیرے چھوڑ جائیں۔ اور اس سے سمجھ دھنے والی کوئی چھوڑ نا مشین پر بھ اور نا باہر سے لٹی جائے۔ سرکار چاہے تو دھیں دھنے تھلی بھ یا ہوائی جہاز دور بھ کے کارخانے دھ لکین کھانے بھاسکتی، لکھ، چھلی وغیرہ کے کارخانوں، لکچ پھسٹ، دھلی کوئلہ وغیرہ کی بھلی سے چلنے والی چھوں کے لئے اس وقت ہمارے یہاں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے ہمارا ماننا ہے کہ آج کی ہماری حالت میں بڑے بھوں اور چھوٹے دھندے کا ملان بھی ہو سکتا ہے جب ان کے دائرے الگ الگ باندھ دیئے جائیں۔



## खादी बोर्ड، सरकार और खादी

आज हमारे देश में ग्राम उद्योगों की और खास कर खादी और करघा उद्योग की जो दुर्दशा है उसे देख कर और भारत सरकार की माली और उद्योग नीति और दृष्टि की समझ कर हमारे ऊपर यह असर तेज़ी से पड़ रहा है कि अपने इस अभाग्य देश में किसी चीज़ के लिये जगह हो या न हो मगर ग्राम उद्योगों और खास कर खादी के लिये तो कम से कम कोई जगह नहीं है इस सम्बन्ध में जो कुछ शक ये वह उस स्पीच को पढ़ कर और भी दूर हो गए जा हमारे प्रधान मंत्री पंडित जवाहर लाल नेहरू ने पिछली 2 फरवरी को अखिल भारत खादी और ग्राम उद्योग बोर्ड का उद्घाटन करते वक़्त दी. यह बोर्ड अभी हाल ही में बना है, जिस में श्री सतीशचन्द्र दास गुप्ता (सोबपुर), श्री लक्ष्मी बाबू (मुजफ़्फ़रपुर), बिचित्र भाई (यू. पी.), जाजू जी (बधा) और जेराजी नोजी (बम्बई) जैसे पुराने मंजें हुए और चोटा के रचनात्मक कारकर्ता शामिल हैं. हां, नामो गांधी वादी अर्थ शास्त्रो डाक्टर जे सी. कुमारप्पा का उसमें न होना जरूर खटकता है

प्रधान मंत्री ने अपनी स्पच में जा कुछ कहा उसका निष्ठा यह है:—

(1) बड़े मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में कोई बुनियादी भगड़ा नहीं है और आज देश में दोनों के मिश्रण की बड़ी जरूरत है.

(2) खादी के अन्दर "अन्दरूनी ताक़त" होनी चाहिये क्योंकि वह सरकारी मदद के सहारे ज़िन्दा नहीं रह सकती.

(3) अगर खादी के लिये इमदाद ली गई तो वह अपने पैरों पर खड़ी नहीं हो सकती.

(4) खादी फौज के लायक नहीं है

हम यहाँ इन चारों बातों पर ज़रा तफ़सील के साथ बर्चा करना चाहते हैं.

**मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में बुनियादी भगड़ा**

बड़ी नज़रता पर गम्भीरता के साथ हमारा निवेदन है कि मशीनदार उद्योगों या बड़े कारोबार और ग्राम उद्योगों या छोटे घन्टों में बुनियादी भगड़ा भले ही न हो पर बुनियादी भेद जरूर है. और वह यह कि बड़े कारोबार के लिये बड़े बड़े मरकज़ी या केन्द्राय इन्तज़ाम, बड़ा बड़ा पूंजी या पूंजियाना की जरूरत होता है दूसरे लफ़्ज़ों में बड़े कारोबार का सहारा नौकर शाही, ताना शाही (निजा या सरकारी) और फौजी शाही होती है और यह

## क़ायी बورت, सरकार और क़ायी

आज हमारे देश में ग्राम उद्योगों की और खास कर क़ायी और क़ायी आदमों की जो दुर्दशा है उसे देख कर और भारत सरकार की माली और उद्योग नीति और दृष्टि की समझ कर हमारे ऊपर यह असर तेज़ी से पड़ रहा है कि अपने इस अभाग्य देश में किसी चीज़ के लिये जगह हो या न हो मगर ग्राम उद्योगों और खास कर क़ायी के लिये तो कम से कम कोई जगह नहीं है इस सम्बन्ध में जो कुछ शक ये वह उस स्पीच को पढ़ कर और भी दूर हो गए जा हमारे प्रधान मंत्री पंडित जवाहर लाल नेहरू ने पिछली 2 फरवरी को अखिल भारत क़ायी और ग्राम उद्योग बोर्ड का उद्घाटन करते वक़्त दी. यह बोर्ड अभी हाल ही में बना है, जिस में श्री सतीशचन्द्र दास गुप्ता (सोबपुर), श्री लक्ष्मी बाबू (मुजफ़्फ़रपुर), बिचित्र भाई (यू. पी.), जाजू जी (बधा) और जेराजी नोजी (बम्बई) जैसे पुराने मंजें हुए और चोटा के रचनात्मक कारकर्ता शामिल हैं. हां, नामो गांधी वादी अर्थ शास्त्रो डाक्टर जे सी. कुमारप्पा का उसमें न होना जरूर खटकता है

प्रधान मंत्री ने अपनी स्पच में जा कुछ कहा उसका निष्ठा यह है:—

(1) बड़े मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में कोई बुनियादी भगड़ा नहीं है और आज देश में दोनों के मिश्रण की बड़ी जरूरत है.

(2) क़ायी के अन्दर "अन्दरूनी ताक़त" होनी चाहिये क्योंकि वह सरकारी मदद के सहारे ज़िन्दा नहीं रह सकती.

(3) अगर क़ायी के लिये इमदाद ली गई तो वह अपने पैरों पर खड़ी नहीं हो सकती.

(4) क़ायी फौज के लायक नहीं है

हम यहाँ इन चारों बातों पर ज़रा तफ़सील के साथ बर्चा करना चाहते हैं.

**मशीनदार उद्योगों और ग्राम उद्योगों में बुनियादी भगड़ा**

बड़ी नज़रता पर गम्भीरता के साथ हमारा निवेदन है कि मशीनदार उद्योगों या बड़े कारोबार और ग्राम उद्योगों या छोटे घन्टों में बुनियादी भगड़ा भले ही न हो पर बुनियादी भेद जरूर है. और वह यह कि बड़े कारोबार के लिये बड़े बड़े मरकज़ी या केन्द्राय इन्तज़ाम, बड़ा बड़ा पूंजी या पूंजियाना की जरूरत होता है दूसरे लफ़्ज़ों में बड़े कारोबार का सहारा नौकर शाही, ताना शाही (निजा या सरकारी) और फौजी शाही होती है और यह



ہے، لکھی نیرا کی طرف دیر-دیر سے بد رہی ہے۔ اس نے ساف بتایا تھا کہ اسکی دوا کافی نہیں ہے، وہی دوا 'دوا' ہے، جسے وہ پہلے سے مانگتی آئی ہے۔ پتا چلے کہ دوا۔

وہ کہا کرتے تھے کہ فریبی کے کارن ماڈائیں 'ہرمو' دینا کے ساتھ ساتھ اچے بچوں کو مار دالتی ہیں؛ پالتو جانوروں کی طرح بچے ڈالتی ہیں؛ بچے اڑھنے کے کھڑے نہ دھلے کے کارن ٹھنڈے میں پڑے دو دو کر سکڑ سکڑ کر مر جاتے ہیں؛ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایسا ہو تو ایسا یہ دیکھ ایتلا ہوا نہیں ہے؛ دیکھنے لے سوچا۔ یہ بچہ بھی لہاک اور دیکھ سہتی ہے اور ایسا غرض ادا کرتی ہے۔ لہذا وہ سوچتی ہوئی کہ اگر اس کا بوجھ دور ہو جائے تو اسکی ماں بھی اس دم ٹھنڈے والی چھار دیواری سے چھٹکارا پتا پتا لے کام میں مدد دیکھی اور ایسا دھرم پورا کریگی۔

وہیں بیٹھے، آگے بد رکھمینی نے بچی کا گال چوم لیا۔ بچی نے دھیرے دھیرے اپنی ہلکی آواز سے کہوٹیں کھولیں۔ دیکھنے کو لگا نہ اسکی نظر موٹو پر ٹکی ہوئی ہے، مگر ایسا کوئی بھاؤ انکھوں سے صاف نہیں تھا۔ اسکی دونوں ہاتھ ماں سے جھس جھس جاتے کے لئے ذرا اٹھ پر کمزور ہوکر بچھونے پر ہی ٹھنڈے پڑے رہے اور وہی پرانا سوال—”بابو جی کہاں ہیں؟“ آخری دم نے ساتھ اس نے ہولے سے ہوٹیں سے آواز آئی، اٹلی دھیمی آواز نہ صوف ماں ہی جان پائی۔

ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ سامعہ کی دھلا کے لئے کلہا کی سوجھ بوجھ اور لمبے قلم کالی ہے؛ ہر بچی وچار ہماری ادبی گوارہی کا کارن ہے..... آدھی کا پھٹا ہوا مولے سے بھاشا اچے آپ سرل ہو جاتی ہے..... جو سامعہ کار اسدوں کا ملکہ جو ملکہ والا ہے وہ دوسری دھلا شملی ایلانا ہے؛ جو جن سادھارن کا ہے وہ جن سادھارن کی بھاشا میں لکھتا ہے..... پروپگنڈا بدنام شد ہے؛ لیکن آج کا وچار پھٹا کر لے والا طاقت دیکھنے والا اور سوسٹھ سامعہ پروپگنڈا کے سوانہ لکھتے ہیں، نہ ہو سکتا ہے، نہ ہونا چاہئے اور اس طرح کے پروپگنڈا کے سامعہ سے اتردار کوئی سادھن برہما لے نہیں دچا۔

—’دکھن بھارت‘ سے

—’دکھن بھارت‘ سے

ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ سامعہ کی دھلا کے لئے کلہا کی سوجھ بوجھ اور لمبے قلم کالی ہے؛ ہر بچی وچار ہماری ادبی گوارہی کا کارن ہے..... آدھی کا پھٹا ہوا مولے سے بھاشا اچے آپ سرل ہو جاتی ہے..... جو سامعہ کار اسدوں کا ملکہ جو ملکہ والا ہے وہ دوسری دھلا شملی ایلانا ہے؛ جو جن سادھارن کا ہے وہ جن سادھارن کی بھاشا میں لکھتا ہے..... پروپگنڈا بدنام شد ہے؛ لیکن آج کا وچار پھٹا کر لے والا طاقت دیکھنے والا اور سوسٹھ سامعہ پروپگنڈا کے سوانہ لکھتے ہیں، نہ ہو سکتا ہے، نہ ہونا چاہئے اور اس طرح کے پروپگنڈا کے سامعہ سے اتردار کوئی سادھن برہما لے نہیں دچا۔

ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ سامعہ کی دھلا کے لئے کلہا کی سوجھ بوجھ اور لمبے قلم کالی ہے؛ ہر بچی وچار ہماری ادبی گوارہی کا کارن ہے..... آدھی کا پھٹا ہوا مولے سے بھاشا اچے آپ سرل ہو جاتی ہے..... جو سامعہ کار اسدوں کا ملکہ جو ملکہ والا ہے وہ دوسری دھلا شملی ایلانا ہے؛ جو جن سادھارن کا ہے وہ جن سادھارن کی بھاشا میں لکھتا ہے..... پروپگنڈا بدنام شد ہے؛ لیکن آج کا وچار پھٹا کر لے والا طاقت دیکھنے والا اور سوسٹھ سامعہ پروپگنڈا کے سوانہ لکھتے ہیں، نہ ہو سکتا ہے، نہ ہونا چاہئے اور اس طرح کے پروپگنڈا کے سامعہ سے اتردار کوئی سادھن برہما لے نہیں دچا۔

—’دکھن بھارت‘ سے

—’دکھن بھارت‘ سے



جواب دیا، تاملنی باہر کی۔ اس کے بھلاوا وہ کرتے ہی کیا؟ ان کو بھی معلوم نہیں تھا وہ کہاں ہیں۔ جو ان سے ملے تھے وہ بھی ٹھہک ٹھہک جواب نہیں دے پاتے۔ آخر کسی نے لکھا کہ سرگھٹ روپ سے سمر کرنے کی تھاری ہو جائے یہ وہ بچی کے پاس آ جائیں گے۔ یہ جواب ملنے ہی دھمکی کو دوا تسلیم ہوئی۔

بابو جی سے ملے بلکہ ہی بچی کی طبیعت بگڑے کلمے ہی دن گذر گئے اس کا شہر پر آمد کے فوری سے کرنے کے اندر ہمدردی والی کھات مہم لایا گیا۔ وہ بالکل بول نہ پائی، آنکھوں میں شعل سے کہلاتی جب کہہ کوئی بچہ اس کے پاس دور آنا اور بلانا تو بھی وہ فوراً آنکھوں نہ کہلاتی: آنکھوں کلمے پر بھی حرکت نہ ہلتے۔ وہ بڑی دیر تک آنکھوں موندے ہوئی دھمکی دھمکی چونک سی جانی، جب وہ اپنی بچی کی طرف بغیر ہلک مارے دھمکی ہوئی۔ بچی کی آنکھوں جب کول جانی اور حرکت ہلنے لگے تو وہ اور بھی چونک جانی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہا پرچہ کی—وہی پرانا سوال "بابو جی نہیں آئے؟"

بچی کی اس بڑی حالت پر اس کمر مہم اور کسی نہ نہ اٹلی چلتا ہے نہ دیکھ۔ اس مہم اچھ ہی لگا ہے؟ بڑے پرہیز مہم دو پرانوں کی کلمی ہی کہا؟ تس پر ان سے سمجھنا نہیں۔ دھمکی کے دن جہاں دوتے دوتے رہا کرتے ہیں وہاں دوسروں کے دن ملاقاتیں اور قدر پانچوں سے ہلکے ہو آتے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی ذمہ داری تھی پوری ہوگئی جب قاتل اور دوا کا انتظام کر دیا گیا۔

بھٹی کو فزا بھڑا سا آیا کہ نہیں بابو جی کا من کھولنے لگا اور نکل آجٹ جانی۔ مگر آج وہ کہاں ہیں؟ ان کی بھٹی کا شہر شہان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ کہیں گاندے مہم لڑھ پر دوتے ہوئے کہا؟ بھٹی کو ایک آندہ ہار دیکھنے کی اس نے غلطی کوشش کی ہوگی؟ مگر پھر بھی یہ اچھا ہی ہوا نہ وہ ان دشمنوں کے بچے مہم نہیں آئے۔ اسی کمر کے لوگ عی شائد ان کو پکڑوا دیئے۔ اس بچی کی بھٹی جان اگر بچہ لگی تو اس سے صرف دو پرانی ہی دیکھ ہوئے۔ اور اس دن کا کہاؤ جودن ہور نہ ہو رہا۔ پھر بھی دھمکی نے پرانہا کی کہ ان کو نقصان نہ ہو کہہ دیکھ ان کی جان ہزاروں کی بھائی کے لئے بہت ضروری ہے۔

بھٹی کی فکر سے اچھ من کو الگ کر دھمکی نے اپنی بچی کی طرف دیکھا۔ کلمی دیر سے وہ اس طرح آنکھوں موندے ہوئی ہوئی ہے۔ شاید وہ سولی ہوگی۔ نہیں تو.....

ہاں وہ بھی ہم سکھا ہے۔ قاتل کے ہاؤ بھاؤ سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چھٹا جو ابھی بچہ والی



धीरे धीरे बचची भी बहुत कम सवाल करती, शायद यह समझ कर कि उसकी मां ठीक ठीक जबाब नहीं दे पाती. हां, दूसरे कारन भी थे जब वह पूछती कि बाबू जी मिट्टी के अन्दर हैं यह उनको बड़ों ने ही सिखाया था. यह सुन कर, रुकमणी ने एक दिन बच्चों को फटकारा. तब उसके बड़े भाई ने पैरवी की कि बच्चे सही कहते हैं, क्योंकि वह अंदर प्राण्ड का तरजुमा भर तो करते हैं. रुकमणी की मां सवाल सुनते ही गालियां बरसा देती, "बाबू जी, बाबू जी, हमेशा यही बाबू जी! हम सब क्या आदमी नहीं, जानवर हैं? दुनिया की सुधारने का काम भरे फिरता है! उसके लिये अपनी बचची को मार डालना है क्या उस पाजी को!" ऐसा शुरू कर के गालियों की ककिया मीलों लम्बी हो जातीं उन सबकी राय थी कि रुकमणी उस शैतान से नाता ही तोड़ दे तभी उसकी भलाई होगी. उनकी नजर में उसके पति बाबू और कसाई से भी गए गुफरे हैं. उसने अपनी स्त्री और बचची को निजी स्वार्थ के लिये छोड़ा था क्या? आराम और आमोद में वह पले थे. उन्होंने अपनी स्त्री को और बचची को प्राणों से बढ़ कर प्यार किया था. उन दोनों से दूर, पुलिस की नजर से बचकर, भूकॉ रह, वह जीते हैं तो उनका रास्ता कितना ऊंचा है और उनका मकसद कितना महान है? सोचते सोचते रुकमणी का प्रेम और प्यार धीरे धीरे उनकी आराधना में बदल गया.

आप दिन बचची की खेस इसी बिलकुल बन्द सी हो गई. वह पुराना सावाल भी बहुत कम करती आंगन में उड़लते कुदते दूसरे बच्चों से दूर, बरामदे के किसी खंबे से पीठ लगाए, नन्हे नन्हे पैर फैलाए. अपने बाबू जी की राह देखती रहती. यह देख, रुकमणी का दिल फट सा जाता. अगर बैठी बैठी थक जाती तो वहीं लेट जाती, थकान से आंखें आप मुंद जातीं. किसी की आहट सुनी कि नहीं वह फौरन उठ बैठती जब मालूम हो जाता कि बाबू जी नहीं हैं, दुबले पतले नन्हे हाथों से अपनी आंखें मलती और वहीं बैसे ही लेट जाती. यह देखते देखते रुकमणी को लगा कि वह पागल सी हो जायगी. मां बाप और पड़ोसियों ने जिस बचची को बिना फर्श पर बिठाए, पाला पोखा था, आज वह अपने पिता जी से अलग हो गई तो मां के घर वाले उसे पोदली की तरह ठोकरें मारते हैं. अगर पिता बेटी को देखते...! उनके साथियों में कोई देख लेता...

रुकमणी ने उन सब को खल लिखा, जिनका पता उसे मालूम था; "उनको एक बार, सिर्फ एक बार, किसी तरह पंहुचा दीजिए. अपने बाबू जी को एक बार देख, बचची खंगी ही जायगी." सभी सतों में बड़ी प्रार्थना थी. सब ने

दुसरे दुसरे बच्चे भी बहुत कम सवाल करती, शायद यह समझ कर कि उसकी मां ठीक ठीक जबाब नहीं दे पाती. हां, दूसरे कारन भी थे जब वह पूछती कि बाबू जी मिट्टी के अन्दर हैं यह उनको बड़ों ने ही सिखाया था. यह सुन कर, रुकमणी ने एक दिन बच्चों को फटकारा. तब उसके बड़े भाई ने पैरवी की कि बच्चे सही कहते हैं, क्योंकि वह अंदर प्राण्ड का तरजुमा भर तो करते हैं. रुकमणी की मां सवाल सुनते ही गालियां बरसा देती, "बाबू जी, बाबू जी, हमेशा यही बाबू जी! हम सब क्या आदमी नहीं, जानवर हैं? दुनिया की सुधारने का काम भरे फिरता है! उसके लिये अपनी बचची को मार डालना है क्या उस पाजी को!" ऐसा शुरू कर के गालियों की ककिया मीलों लम्बी हो जातीं उन सबकी राय थी कि रुकमणी उस शैतान से नाता ही तोड़ दे तभी उसकी भलाई होगी. उनकी नजर में उसके पति बाबू और कसाई से भी गए गुफरे हैं. उसने अपनी स्त्री और बचची को निजी स्वार्थ के लिये छोड़ा था क्या? आराम और आमोद में वह पले थे. उन्होंने अपनी स्त्री को और बचची को प्राणों से बढ़ कर प्यार किया था. उन दोनों से दूर, पुलिस की नजर से बचकर, भूकॉ रह, वह जीते हैं तो उनका रास्ता कितना ऊंचा है और उनका मकसद कितना महान है? सोचते सोचते रुकमणी का प्रेम और प्यार धीरे धीरे उनकी आराधना में बदल गया.

आप दिन बचची की खेस इसी बिलकुल बन्द सी हो गई. वह पुराना सावाल भी बहुत कम करती आंगन में उड़लते कुदते दूसरे बच्चों से दूर, बरामदे के किसी खंबे से पीठ लगाए, नन्हे नन्हे पैर फैलाए. अपने बाबू जी की राह देखती रहती. यह देख, रुकमणी का दिल फट सा जाता. अगर बैठी बैठी थक जाती तो वहीं लेट जाती, थकान से आंखें आप मुंद जातीं. किसी की आहट सुनी कि नहीं वह फौरन उठ बैठती जब मालूम हो जाता कि बाबू जी नहीं हैं, दुबले पतले नन्हे हाथों से अपनी आंखें मलती और वहीं बैसे ही लेट जाती. यह देखते देखते रुकमणी को लगा कि वह पागल सी हो जायगी. मां बाप और पड़ोसियों ने जिस बचची को बिना फर्श पर बिठाए, पाला पोखा था, आज वह अपने पिता जी से अलग हो गई तो मां के घर वाले उसे पोदली की तरह ठोकरें मारते हैं. अगर पिता बेटी को देखते...! उनके साथियों में कोई देख लेता...

रुकमणी ने उन सब को खल लिखा, जिनका पता उसे मालूम था; "उनको एक बार, सिर्फ एक बार, किसी तरह पंहुचा दीजिए. अपने बाबू जी को एक बार देख, बचची खंगी ही जायगी." सभी सतों में बड़ी प्रार्थना थी. सब ने



दूसरे दिन पुलिस ने घर की तलाशी ली. रुकमनी को पति से लहर मिली कि वह अपनी मां के घर बनी जाय. उसने चिट्ठी लिख कर, मां के घर से किसी को बुलाया नहीं. वह अकेली अपनी बेटी को ले, मां के घर चली गयी. बिना इतिला के, जब अपनी बेटी और नातिन आ गई, तो मां को रंज हुआ. या खुशो यह रुकमनी समझ नहीं पाई. माता की आंखें, लडकी का गला, कलाई और कान नंगा पा, घुस्से से जल गई. उस परिवार में ऐसा अब तक कोई न था जिसके शरीर पर सोना तिनका बराबर भी न हो. उस आदमी ने अपनी प्लिन्थगी बर्बाद तो की ही अपनी बी को भी न छोड़ा, जो उसकी स्त्री के पद के लिये खूब तैयार हो गई थी. उसकी ताला (मंगल-सूत्र) तक उड़ा ली गई. उस नन्ही बच्ची को भी अपाहिज जैसी क्यों छोड़ गया.

दूसरों की अवहेलना भरी नज़र या तीखा तिरछा व्यंग्य रुकमनी सह लेती; उसका दर्द उसे महसूस नहीं होता. मगर उसके दिल को यह सवाल जरूर चोट करता कि 'अम्मा, बाबू जी कहाँ हैं ?' उसे पता नहीं, बेटी यह सवाल कब पूछ बैठती. दूसरे बच्चों से मिल, जब वह खेलती, उछलती, कूदती तो रुकमनी का मन शान्त हो जाता. मगर सन्तोश की सांस उसके दिल से निकल, हवा में लीन हुई कि नहीं, बच्ची दीदी दीदी आती, उसके घुटनों से चिपट जाती और बड़ी सवाल पूछ बैठती—'अम्मा, बाबू जी कहाँ ?' आधी रात को वह सपने में अपने बाबू जी के वास्तव्य का अनुभव करती. कभी वह मुस्कराती, कभी उसके गालों पर लाला फैल जाती. यह देख, रुकमनी के मन में तसल्ली हो जाती और उसकी आंखें धीरे धीरे मुंद जाती. तभी बेटी फट उठ बैठती, आंखें मलती, वही सवाल करती—'अम्मा, बाबू जी अभी नहीं आए ?' यह सवाल उसके दिल को दहला देता और बुझते दुख को उबाल गरम आंसुओं में बहा देता. शुरू शुरू में उसे उनका पत्र मिलता. उसके बल पर यह कह सकती कि बिटिया 'बाबू जी अभी आएंगे.' मगर आए दिन खत भी ठीक ठीक न मिलता. बेटी भी इस सवाल से उसको खियादा तंग भी न करती. मगर इससे खियादा रुकमनी को और किसी चीज़ ने दुख दिया. बच्ची का उरसाह और जोश इधर कम होने लगा. रुकमनी को खूब मालूम था कि वह कितनी मुश्किल से एक खत उसके पास पहुंचाते. मगर उस नन्ही बच्ची को वह क्या कहे ? उसके बाबू जी पर किसी की कबी निगाह है, इसलिये नहीं आ पाते और खत नहीं. खत पाते और लुक छिप चलते हैं—यह सब बता कर उस नन्ही दिल को डराना उसने ठीक नहीं समझा. वह हवा जाने कि वह कब आएंगे ? वह किसी समय आ सकते हैं और कभी नहीं भी आ सकते हैं.

दूसरे दिन पुलिस ने घर की तलाशी ली. रुकमनी को पति से लहर मिली कि वह अपनी मां के घर बनी जाय. उसने चिट्ठी लिख कर, मां के घर से किसी को बुलाया नहीं. वह अकेली अपनी बेटी को ले, मां के घर चली गयी. बिना इतिला के, जब अपनी बेटी और नातिन आ गई, तो मां को रंज हुआ. या खुशो यह रुकमनी समझ नहीं पाई. माता की आंखें, लडकी का गला, कलाई और कान नंगा पा, घुस्से से जल गई. उस परिवार में ऐसा अब तक कोई न था जिसके शरीर पर सोना तिनका बराबर भी न हो. उस आदमी ने अपनी प्लिन्थगी बर्बाद तो की ही अपनी बी को भी न छोड़ा, जो उसकी स्त्री के पद के लिये खूब तैयार हो गई थी. उसकी ताला (मंगल-सूत्र) तक उड़ा ली गई. उस नन्ही बच्ची को भी अपाहिज जैसी क्यों छोड़ गया.

दूसरों की अवहेलना भरी नज़र या तीखा तिरछा व्यंग्य रुकमनी सह लेती; उसका दर्द उसे महसूस नहीं होता. मगर उसके दिल को यह सवाल जरूर चोट करता कि 'अम्मा, बाबू जी कहाँ हैं ?' उसे पता नहीं, बेटी यह सवाल कब पूछ बैठती. दूसरे बच्चों से मिल, जब वह खेलती, उछलती, कूदती तो रुकमनी का मन शान्त हो जाता. मगर सन्तोश की सांस उसके दिल से निकल, हवा में लीन हुई कि नहीं, बच्ची दीदी दीदी आती, उसके घुटनों से चिपट जाती और बड़ी सवाल पूछ बैठती—'अम्मा, बाबू जी कहाँ ?' आधी रात को वह सपने में अपने बाबू जी के वास्तव्य का अनुभव करती. कभी वह मुस्कराती, कभी उसके गालों पर लाला फैल जाती. यह देख, रुकमनी के मन में तसल्ली हो जाती और उसकी आंखें धीरे धीरे मुंद जाती. तभी बेटी फट उठ बैठती, आंखें मलती, वही सवाल करती—'अम्मा, बाबू जी अभी नहीं आए ?' यह सवाल उसके दिल को दहला देता और बुझते दुख को उबाल गरम आंसुओं में बहा देता. शुरू शुरू में उसे उनका पत्र मिलता. उसके बल पर यह कह सकती कि बिटिया 'बाबू जी अभी आएंगे.' मगर आए दिन खत भी ठीक ठीक न मिलता. बेटी भी इस सवाल से उसको खियादा तंग भी न करती. मगर इससे खियादा रुकमनी को और किसी चीज़ ने दुख दिया. बच्ची का उरसाह और जोश इधर कम होने लगा. रुकमनी को खूब मालूम था कि वह कितनी मुश्किल से एक खत उसके पास पहुंचाते. मगर उस नन्ही बच्ची को वह क्या कहे ? उसके बाबू जी पर किसी की कबी निगाह है, इसलिये नहीं आ पाते और खत नहीं. खत पाते और लुक छिप चलते हैं—यह सब बता कर उस नन्ही दिल को डराना उसने ठीक नहीं समझा. वह हवा जाने कि वह कब आएंगे ? वह किसी समय आ सकते हैं और कभी नहीं भी आ सकते हैं.



میں آئند کے آنسو تھکے تھکے، آج اُسی کو دیکھ دیکھ، روتے روتے آنسو بھی سوکھ گئے ہیں۔

پہلے جب سچ نکلے اور جہوں نے اُنکے کے صلہ میں چلنے لگی۔ ایک دن، یہ مطلب نہیں، اچانک ایک دن، وہ ایک دم بدل گئے۔ دیکھی نے پتی کو دھکی نہ ٹھہرایا، پہلے ہی دوسروں کی نظر میں وہ بھولوف یا سرورکے ہی کہیں نہ ہوں۔ اُس نے اُس کے بازو میں کوئی سوال لگا اُن سے نہ پوچھا، نہ اُن کو اُس سے ہٹانے کی کوشش بھی کی۔ اُسے لگا، اُس کے وچار اور دوشکی کون دھیرے دھیرے اُن کے انوکھل ہو رہے ہوں جس کا وہ شک برتی تھی۔ وہی ہوا، اُنہوں نے اپنی نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ اچھی خاصی لفظوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اُسے تسلی ہوئی کہ اُس کے پتی نے اپنی برقی کے لئے نہ حاکموں کی خواہش کی، نہ اُنہیں دھوکا ہی دی۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ اس بات میں اُسے اُن کو بدعالی ہی دینی چاہئے۔ اپنی فہم اور اندھ کے مطابق چھوٹے موٹے کام کر، جو کچھ وہ کہتے، وہ دے دیتے۔ اس لئے یہ شکایت بھی نہ رہی کہ آخر سب کچھ پرہاد کرنے مانا پتا کی شہن میں۔ دونوں آگئے۔ دونوں کے گھر سے جو خط آئے تھے، اُن میں وہلنگ اور دھمکیاں بھی رہتی تھیں۔ مگر پھر بھی دیکھی دیکھی نہیں ہوئی۔ وہ جہوں کے پھالے کو کبھی خالی نہ ہونے دیتی تھی۔ اُسے تسلی اور پرہم کی ہونڈوں سے وہ پھر دیکھی تھی۔ لیکن اُس کا من، اُس سے سونا سا ہو گیا تھا جب کہ وہ کہتا کہ گئی۔ دیکھی کو معلوم تھا کہ پتی پر سروکار کی کوئی نگاہ لگی تھی۔ پھر بھی جب اُس کی لڑکھائی مچھی سامنے دکھائی پڑی، وہ سن سی رہ گئی، باہر سے اچے کو شانت دکھانے کی کوشش کی، مگر ہیکر!

اوپ ! اُس واس کی گھٹیا کھلی تھوڑی آؤر درناک  
نہی . سانچہ ہوئی اور سانچہ رات ہوئی ، تو رکلی کو لگا  
کہ اُس کے صانع اور زندگی میں بھی اندھیرا چھا رہا ہو بابو  
جی کی انتظار میں ہوتی کی نکلی نکلی آنکھوں میں  
گٹھن ، رکلی نے اُس اپنی گود میں بٹھا لیا اور بولی —  
”تم کہیں اِس طرح آنکھیں ہو . بابو جی جب آتے ہوں  
تو کہو چھپا کر رہی ہوں نہ ؟ سو بٹھا مہری گود میں سو  
جاؤ۔“ اور پھر ؟

دکھائی کو یاد نہیں کہ کتنی دیر وہیں دیوار سے ہٹ کر  
 لٹائے رہے ہونگے وہی ۔ بابو جی کی آصاف سفلے کی ہونگی  
 انتظار کو وہی تھی ۔ اُس نے ماں سے پوچھا—”کہوں  
 اسے، بابو جی نہیں آئے؟“ وہ سوال مانو آنسوؤں سے ٹپکا  
 تھا۔ کوسہ اُس سوال کا جواب دے؟ اُس نے بچی کو اپنی  
 چھاتی سے لٹا لیا۔ وہ چھٹ سے اٹھی۔ اُس کے صاف سے  
 قولوں انتظار کو لٹکا ہوا چلوں چھٹ سے نکل رہا ہو ۔



ماں باپ थोड़ी دیر بچے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر پیتا پالنے کو پکڑ لیتا ہے اور ماں بچے کو झुककर उठा, अपनी गोद में ले लेती है अब बच्चे का रोना बंद हो गया. बस, इतना ही और क्या हुआ रुकमनी समझ नहीं पाई. दीवार पर जो तीन परछाईयां दिखाई पड़ीं, मिल जुल, धुंधली हो, एक बड़ी परछाई में बदल गई, जिसकी कोई साफ झलक सूरत नहीं थी.

रुकमनी की आंखें फिर बची पर आ लगीं. उसने भी, उसी तरह, शायद उससे बढ़कर, तीन आत्माएं एक ही, जीवन की मिठास, मीठे शरबत की तरह, कभी चख लिया था. उसकी खुशी देख, कितने ही वृत्ति जलते मुनते थे. रुकमनी ने अपने जीवन संगी को बुद्धिमानी के के साथ चुना था—कितने ही लोगों ने बधाईयां दी थीं ? मगर आज ईर्ष्या की जगह अवहेलना है, बधाई की जगह हमदर्दी है !

रुकमनी ने ज़रा सिर उठाया. उसकी नज़र ऊपर टंगी फोटो पर टिक गई. उस फोटो के लिए एक बार किसी नुमायश में इनाम मिला था. फोटो में बचपन की मासूमियत और सरलता जाहिर हो रही थी. रिश्तेदारों की और जान-पहचान के लोगों से उस फोटो की अच्छी मांग थी और उसकी बहुत सी प्रतियां मंगवाई थीं ?

काश ! उनमें से कोई आज इस बची का देख लेता ! कौन यकीन करेगा कि वह यही बची है ? उस समय उसे अपनी अपनी गोद में लेने के लिये लोग ज़िद करते थे और आज ? आज खूने तक के लिये लोग नफरत करेंगे. उस बेजान फोटो में आत्मचैतन्य का धुंधलापन जाहिर होता है और इस जानदार बची में मौत की 'ठंड' है जो रेंगती नज़दीक आ रही है.

रुकमनी की निगाह धीरे धीरे बची के चेहरे से हट, दूसरे फोटो की तरफ गई वह वहां इसलिए टगी थी कि बची आंख खुलते ही उसे देख ले. उसमें एक तन्द्रस्त और हंसमुख जवान है और उसके गले से चिपटी एक बची भी, जो कमरे की तरफ देख, हंסती है, मोटी ताजी और चंचल—पिता और पुत्री. ऐसा लगता था कि दोनों आपसी रिश्ते पर फ़ख़ करते हों. बची की आंखें मानां कह रही हों कि कितने अच्छे बाबू जी हैं और पिता का चेहरा कह रहा हो कि ऐसी बच्ची को कौन मिलना नहीं चाहेगा.

रुकमनी उस फोटो को बे पलक मारे देखती रही. उस ओजमरे जवान से ऐसी लाइ दुलारी बच्ची का मां जैसा प्यार पाने के लिए वह अपने मां बाप से लड़ी-मगाड़ी थी. उन लोगों की नज़र में योग्य दामाद बनने के लिये उन्होंने कितनी मेहनत की और नौकरी भी हासिल की ! फिर ?.....उन दिनों जिस फोटो को देख, उसकी आंखों

माں باپ تھوڑی دیر بچے کی طرف دیکھتے رہے . پھر پیتا پالنے کو پکڑ لیتا ہے اور ماں بچے کو جھک کر اٹھا، اپنی گود میں لے لیتی ہے . اب بچے کا رونا بند ہو گیا . بس، اتنا ہی . اور کہا ہوا دلتی سمجھ نہیں پائی . دیوار پر جو تین چھائیاں دکھائی پڑیں، مل جل، دھندلی ہو، ایک بڑی پرچھائی میں بدل گئی، جسکی کوئی صاف شکل صورت نہیں تھی .

رुकمنی کی آنکھیں آجکل اُسے شاید اُس سے بڑھکر، تین آتماں ایک ہو، جہوں کی مٹھاس مٹھ شربت کی طرح، کھپی چمک رہی تھیں . اُسکی خوشی دیکھ، کتنے ہی دھتکتے جلتے پہلے تھے . دلتی نے اپنے جہوں ملکی کو بدھمانی کے ساتھ چلا تھا—کتنے ہی لوگوں نے بدھماناں دی تھیں ؟ مگر آج ابرہا کی جگہ ابرہلہا ہے، بدھمانی کی جگہ ہمدردی ہے !

وہ ای نے ذرا سو اٹھایا . اُس کی نظر اوپر تلکی فوٹو پر ٹک گئی. اُس فوٹو کے لئے ایک بار کسی زمانہ میں انعام ملا تھا. فوٹو میں بچپن کی معصومیت اور سرلحا ظاہر ہو رہی تھی . دھتکاروں کی اور جان پہچان کے لوگوں سے اُس فوٹو کی اچھی مانگ تھی اور اُس کی بہت سی پرٹیاں منگوائی تھیں ؟

ناہی ! ان میں سے کوئی آج اس بچی کو دیکھ اٹھتا ! کون یقین کرے گا کہ یہ وہی بچی ہے ؟ اُس سے بے اہلی اہلی گود میں لہنے کے لئے لوگ ضد کرتے تھے اور آج ؟ آج چھوٹے لک کے لئے لوگ قدرت کرہنگم . اُس کے جان فوٹو، اس آتما چھٹھ نا دھلدلین ظاہر ہوتا ہے اور اُس جاندار بچی میں موت کی 'ٹھنڈ' ہے جو دھتکتی ہر دھتک آ رہی ہے

رुकمنی کی نگاہ دھوڑے دھوڑے بچی کے چہرے سے ہٹ، دوسرے فوٹو کی طرف گئی . وہ وہاں اُس لئے تلکی تھی کہ بچی آتھ لہلتے ہی اُسے دیکھ لے اُس میں ایک تلکدوست اور دلتس مکھ جوان ہے اور اُس کے لئے بے چھتتی ایک بچی بھی، جو کمرے کی طرف دیکھ، دلتستی ہے، موٹی تازی اور چنچل—پیتا اور پتری . ایسا لگتا تھا کہ دونوں اُسی دھتکے پر نظر کرتے ہوں . بچی کی آنکھیں سامو کم دھتی ہوں کہ کتنے اچھے بابو جی میں اور پیتا کا چہرہ کم دھا ہو کہ ایسی بچی کو دن ملنا نہیں چاہیگا .

رुकمنی اُس فوٹو کو بے پلک مارے دیکھتی دھتی. اُس اوچ بھڑے جوان سے ایسی لاق دلاوی بچی کا ماں جوسا پھار پالنے کے لئے وہ اپنے ماں باپ سے بڑی جھگڑی تھی . اُن لوگوں کی نظر میں ہوگ داساد ہلنے کے لئے اُنہوں نے کتنی مصطمت کی اور بولہوی بھی حاصل کی ! پھر ؟ ... اُن دنوں جس فوٹو کو دیکھ، اُس کی آنکھوں



بہد رہی ہے، تو لڑکیوں کو پداوے بنا کام کسے چل سکتا ہے؟

ساویری کی آواز جب کہی اونچی ہو جاتی تو رکمنی کا دھیان اس طرف جاتا۔ بلکہ کہتے، پتے اور سوئے اس نے بھی اسی طرح پڑھا تھا۔ جہوں کے وہ دن کتنے سلورے تھے! دل میں سلورے پہلے تھے، آنکھوں میں خروش۔ کوئی مہم کو کھینچا شاید ساویری کو بچے بچے میں روک لیتی ہوئی۔ نوٹ ہک کے ٹیسٹ ٹیوب اور بن سن ہونے کے دائرہ ڈرام کے بچے سے کسی نوجوان کی پتلی موشی اور چمکلی آنکھوں اس کے دل میں دکھائی پڑتی ہوئی تھیں۔ کون جالے؟ شاید اس لئے پڑھنے کی آواز بھی کہی دھیمی ہو جاتی ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرح رکمنی کے جہوں میں بھی اسی کٹی باتوں کہتی تھیں، مگر ساویری اتنی ہوشیار نہیں کہ وہ اسے کسی ساہسی جوان کو اپنی طرف کھینچ سکے جو اپنی پریکٹ کے لئے مہم مہرو کی اونچی اونچی چوڑیوں پر بھی چڑھنے کا سہکچ نہ کرے۔ اس میں بھی ڈرا شک ہے کہ اگر ساویری ایک پریکٹ کو چن لے، تو اس سے شادی کرنے کے لئے کھو والوں کو ملنا سہکچی یا نہیں۔ یہ سب رکمنی خوب جانتی ہے۔

رکمنی کا دھیان اچانک اس کی دوسری بھن کی طرف گیا۔ دو چار دنوں میں اس کی شادی ہونے والی ہے۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں یہی اس کے شہر شہر کا اور ادھر ادھر چھوڑیں پکھری دھن کا کارن ہے۔ لیکن دلہن کا اتنا دنوں دن کم ہونا چاہا ہے۔ وہ باہر زیادہ دکھائی بھی نہیں پڑتی۔ یہ بات نہیں کہ وہ دولت کو نہیں چاہتی تھی یا گھر سے آئے نہیں تھی۔ اس سے کہہ کر بھی نہیں سکتی، شادی کے پہلے دن دل میں جو آہٹکا ہے مہم، انتہائی، رنج اور خوشی ہوئی ہے، ان کو وہ دور نہیں کر پاتی۔ وہ ایکٹ چاہتی ہے۔ نہا سوامی، نہا کمر، نئے ماں باپ، دوسرے نو سب طرح سے مٹی زندہ کی دھیری پر کھڑی ہے۔ کھینچا کے دوار سے جب وہ چھانکتی ہے.....

رکمنی کا دھیان بچے کے رونے سے خلیج گیا۔ اس نے اسی مدرا میں بہتے بہتے پدا ملے قلم اپنی ہمتی کے چہرے سے نظر ہٹا، اس کمرے کی طرف دیکھا، جہاں سے بچے کی آواز آئی تھی۔ وہاں سے، اس کمرے کا کچھ نہیں دکھائی پڑتا۔ مگر دیوار کی پرچھائوں سے وہ سمجھ گئی کہ بچہ پالنے میں ہوا چھٹکتا رہا ہے۔ بچہ اس کے ہرے ہوائی کا ہے۔ ان کی شادی پارسال ہوئی تھی۔ بچہ سوچا ہوا ہے، مگر پھر بھی اسے دوسرے ہی چہرے کا دھنوں کہاں چلے گئے! ہاں، پالنے کی چھوٹی پرچھائی کے پاس اور دو پرچھائیاں دیں پڑی—ایک پکڑا کی اور ایک کٹی کی۔

بہد رہی ہے، تو لڑکیوں کو پداوے بنا کام کسے چل سکتا ہے؟

ساویری کی آواز جب کہی اونچی ہو جاتی تو رکمنی کا دھیان اس طرف جاتا۔ بلکہ کہتے، پتے اور سوئے اس نے بھی اسی طرح پڑھا تھا۔ جہوں کے وہ دن کتنے سلورے تھے! دل میں سلورے پہلے تھے، آنکھوں میں خروش۔ کوئی مہم کو کھینچا شاید ساویری کو بچے بچے میں روک لیتی ہوئی۔ نوٹ ہک کے ٹیسٹ ٹیوب اور بن سن ہونے کے دائرہ ڈرام کے بچے سے کسی نوجوان کی پتلی موشی اور چمکلی آنکھوں اس کے دل میں دکھائی پڑتی ہوئی تھیں۔ کون جالے؟ شاید اس لئے پڑھنے کی آواز بھی کہی دھیمی ہو جاتی ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرح رکمنی کے جہوں میں بھی اسی کٹی باتوں کہتی تھیں، مگر ساویری اتنی ہوشیار نہیں کہ وہ اسے کسی ساہسی جوان کو اپنی طرف کھینچ سکے جو اپنی پریکٹ کے لئے مہم مہرو کی اونچی اونچی چوڑیوں پر بھی چڑھنے کا سہکچ نہ کرے۔ اس میں بھی ڈرا شک ہے کہ اگر ساویری ایک پریکٹ کو چن لے، تو اس سے شادی کرنے کے لئے کھو والوں کو ملنا سہکچی یا نہیں۔ یہ سب رکمنی خوب جانتی ہے۔

رکمنی کا دھیان اچانک اس کی دوسری بھن کی طرف گیا۔ دو چار دنوں میں اس کی شادی ہونے والی ہے۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں یہی اس کے شہر شہر کا اور ادھر ادھر چھوڑیں پکھری دھن کا کارن ہے۔ لیکن دلہن کا اتنا دنوں دن کم ہونا چاہا ہے۔ وہ باہر زیادہ دکھائی بھی نہیں پڑتی۔ یہ بات نہیں کہ وہ دولت کو نہیں چاہتی تھی یا گھر سے آئے نہیں تھی۔ اس سے کہہ کر بھی نہیں سکتی، شادی کے پہلے دن دل میں جو آہٹکا ہے مہم، انتہائی، رنج اور خوشی ہوئی ہے، ان کو وہ دور نہیں کر پاتی۔ وہ ایکٹ چاہتی ہے۔ نہا سوامی، نہا کمر، نئے ماں باپ، دوسرے نو سب طرح سے مٹی زندہ کی دھیری پر کھڑی ہے۔ کھینچا کے دوار سے جب وہ چھانکتی ہے.....

رکمنی کا دھیان بچے کے رونے سے خلیج گیا۔ اس نے اسی مدرا میں بہتے بہتے پدا ملے قلم اپنی ہمتی کے چہرے سے نظر ہٹا، اس کمرے کی طرف دیکھا، جہاں سے بچے کی آواز آئی تھی۔ وہاں سے، اس کمرے کا کچھ نہیں دکھائی پڑتا۔ مگر دیوار کی پرچھائوں سے وہ سمجھ گئی کہ بچہ پالنے میں ہوا چھٹکتا رہا ہے۔ بچہ اس کے ہرے ہوائی کا ہے۔ ان کی شادی پارسال ہوئی تھی۔ بچہ سوچا ہوا ہے، مگر پھر بھی اسے دوسرے ہی چہرے کا دھنوں کہاں چلے گئے! ہاں، پالنے کی چھوٹی پرچھائی کے پاس اور دو پرچھائیاں دیں پڑی—ایک پکڑا کی اور ایک کٹی کی۔



## بھرم ! بابو جی کہاں ہیں ؟

( کے ۰ سرسبھی بھرم )

کئی بڑے گھر گئے، بھرم جی کے کمرے پر بیٹھی ہے۔ دونوں پہرے کے نیچے پتارے، سیر دھولے پر رکھے۔ وہ اپنی دھولے مٹی کے پتارے سے اپنی بھری ہوا ہاتھی کے کمرے پر بیٹھی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

وہ اپنے کمرے کے دوسرے کمرے میں بیٹھی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

بھرم جی کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

بھرم جی کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بھرم جی کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

## اماں ! بابو جی کہاں ہیں ؟

( کے ۰ سرسبھی اماں )

اماں کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

اماں کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

اماں کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

اماں کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اماں کے کمرے سے باہر کے کمرے کی آواز سنائی دیتی ہے۔



بستوں، تلسیروں اور پستوں کا ہے۔ لاکھوں چترکروں نے ان گنت تلسیروں پر کیا ہے۔ ان میں کتنی سندر ہیں؟ کتنی ہیں جو شہر سمجھی جاسکتی ہیں؟ اور ان میں بھی کتنی ہیں جن کا نام دیکھ کر دل میں ہلکا ہوا اور نام کی آوازوں انسانوں کو ہزاروں برس سے بچھون کر رہی ہے۔ اسی مایا کی خاطر مرنے والوں کی یاد گاہیں بنائی جاتی ہیں اور یادگار کے نور پر ہی قبروں پر سورنماں ہیں، مقبرے بنے۔ ان میں کتنے تاج محل نکلے؟ ہزار دو ہزار نہ سہی دس ہس ہی کے نام لگا دیئے۔

دوسرے بڑے شہروں کی طرح ہمارے شہر میں بھی پچھلے پچھس اسی برس میں لاکھ سوا لاکھ مکان بنے ہونگے۔ ان میں ہزاروں مکان نئی فزائی کے بنے ہوں جن کے مالک اپنے مکان کو بہت خوبصورت سمجھتے ہیں۔ ورنہ سچ مچ جلد ہی مکان ہوں جن میں تھوڑا بہت سندر ہی ہے۔ ورنہ پتہ سب سامانی بلکہ بے گھب ہوں۔

لغزوں کی سندرنا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے لغز بنائے ہوں اور لغزوں کے بنائے وقت سب سے زیادہ دینی سہی بن کا لہار دیکھا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر لغز کو نور یا تاج محل یا اجلتا نکلے! جب پولیس اور فوج نے لکے ہوئے مکان بنائے جاتے ہیں یا مزدوروں اور کاریگروں کے لئے ہزاروں مکان بنائے ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ زور اور کام کاج بن کا خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی سندرنا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگ بن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگ رنگی نہیں پیدا ہوسکتی۔

یہی حال لغزوں کا ہے۔ جلد آجہ سندر لغز بن جائے وہ اور بات ہے۔ مگر ہزاروں آجہ آجہ لغز بنانا جو بہاشاہی اختیار ہے سندر ہو ہوں کسی زبان میں ممکن نہ ہو۔ لہذا سندسٹائی کے لئے لغزوں میں خوبی اور خوبصورتی کی اُمد کرنا اُمد کرنے والوں کی ہول ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ بہاشاہیاں اور دنیا کی زور کو پورا کوسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نئے لغز سندر ہوں اور دینی نقشے سے سہی ہوں تو کافی ہے۔

بستوں، تلسیروں اور پستوں کا ہے۔ لاکھوں چترکروں نے ان گنت تلسیروں پر کیا ہے۔ ان میں کتنی سندر ہیں؟ کتنی ہیں جو شہر سمجھی جاسکتی ہیں؟ اور ان میں بھی کتنی ہیں جن کا نام دیکھ کر دل میں ہلکا ہوا اور نام کی آوازوں انسانوں کو ہزاروں برس سے بچھون کر رہی ہے۔ اسی مایا کی خاطر مرنے والوں کی یاد گاہیں بنائی جاتی ہیں اور یادگار کے نور پر ہی قبروں پر سورنماں ہیں، مقبرے بنے۔ ان میں کتنے تاج محل نکلے؟ ہزار دو ہزار نہ سہی دس ہس ہی کے نام لگا دیئے۔

دوسرے بڑے شہروں کی طرح ہمارے شہر میں بھی پچھلے پچھس اسی برس میں لاکھ سوا لاکھ مکان بنے ہونگے۔ ان میں ہزاروں مکان نئی فزائی کے بنے ہوں جن کے مالک اپنے مکان کو بہت خوبصورت سمجھتے ہیں۔ ورنہ سچ مچ جلد ہی مکان ہوں جن میں تھوڑا بہت سندر ہی ہے۔ ورنہ پتہ سب سامانی بلکہ بے گھب ہوں۔

لغزوں کی سندرنا کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جب ہمیں ہزاروں نئے لغز بنائے ہوں اور لغزوں کے بنائے وقت سب سے زیادہ دینی سہی بن کا لہار دیکھا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر لغز کو نور یا تاج محل یا اجلتا نکلے! جب پولیس اور فوج نے لکے ہوئے مکان بنائے جاتے ہیں یا مزدوروں اور کاریگروں کے لئے ہزاروں مکان بنائے ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ زور اور کام کاج بن کا خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی سندرنا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہزاروں میں خوبصورتی پیدا کرنا نہ فکرت سے ممکن ہوا نہ کسی انسان سے۔ چاہو نہ چاہو سہاگ بن زائر ہوگا۔ ہر مکان میں رنگ رنگی نہیں پیدا ہوسکتی۔

یہی حال لغزوں کا ہے۔ جلد آجہ سندر لغز بن جائے وہ اور بات ہے۔ مگر ہزاروں آجہ آجہ لغز بنانا جو بہاشاہی اختیار ہے سندر ہو ہوں کسی زبان میں ممکن نہ ہو۔ لہذا سندسٹائی کے لئے لغزوں میں خوبی اور خوبصورتی کی اُمد کرنا اُمد کرنے والوں کی ہول ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ بہاشاہیاں اور دنیا کی زور کو پورا کوسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نئے لغز سندر ہوں اور دینی نقشے سے سہی ہوں تو کافی ہے۔



میری भाषाई शब्दावली बनाने में इस तरह काम हरगिष नहीं चल सकता. अगर हम हिन्दी या उर्दू को बिनाई भाषा बनाना चाहते हैं तो हमें बेबस हो कर नया रास्ता इच्छित्यार करना पड़ेगा. शायद आपको वही रास्ता चलना पड़े जो मैंने तलाश किया है. यानी इसम या केल से कैकयती इसम बनाओ, वह भी इस तरह से कि बनाने और ममकने में आसानी हो इसीलिये मुझे यकीन है कि किकरा असूल के मुताबिक नये नये शब्द बनाए जायें तो चन्द दिनों में हम इस तरीके से इतने वाकिक और मानूस हो जायेंगे कि खुद बीसियों नये नये लफ्ज बना सकेंगे जैसे :

बिजली से बिजलियाना	याने	Electrify
बिजलियावा	"	Electrification
कोड से कोडयाना	"	Codify
कोडयावा	"	Codification
कोडयाया	"	Codified
ईसाई से ईसाइयाना	"	Christianize
ईयाइयावा	"	Chritianization
आसानी से आसानियाना	"	Simplify
आसानियावा	"	Simplification

मेरे बाप मित्रों का यह पतराज है कि यह लफ्ज खूबसूरत नहीं हैं. यह पतराज ठीक है. फिर भी मैं अपने भाषाई असूल को ठीक समझता हूँ और इतराज करने वाले मित्रों से दो बातें कहता हूँ एक तो यह कि न सिर्फ लफ्ज बल्कि भाषा का सुन्दरपन बड़ी हद तक मानूस होने पर है. बहुत से नये शब्द जो आज हमें भले नहीं लगते अगर चल पड़ें तो अच्छे मालूम होने लगेंगे क्योंकि इन शब्दों को सुनते सुनते हम इनको खुद बखुद पसन्द करने लगेंगे. दूसरी बात यह कहनी है कि असली संसार में सुन्दर चीजें कितनी कम हैं. जब परमात्मा और कुदरत ने बहुत सी सुन्दर चीजें पैदा नहीं की तो मुझ जैसा मामूली इनसान सुन्दर सुन्दर शब्द जियादा तादाद में कहां से ला सकता है? हमारी भाषा के कितने शब्द सचमुच सुन्दर हैं? जब करोड़ों इनसानों ने सैकड़ों बरस में गिनती के चन्व खूबसूरत लफ्ज बनाए हैं तो चन्द आदमी एक दो दहाइयों में हज़ारों सुन्दर लफ्ज क्यों कर बना सकेंगे? हमारे मुल्क और यहां की कलचर ज़बान को जाने दीजिये दुनिया में और भी तो कौमें हैं जो भांत भांत की ज़बानें बोलती हैं. इन सब की तादाद सैकड़ों बल्कि हज़ारों की है. सारे संसार में कितनी भाषाएं सुन्दर हैं? लाखों इनसानों में दो तीन की सूरतें अच्छी होती हैं. करोड़ों इनसान हैं जिनकी सूरतें बिलकुल मामूली हैं. इनमें कोई सुन्दरता नहीं है. इनके नाक नज़रों, रंग रूप में कोई कशिश नहीं. खूबसूरती तो जाने दीजिये बहुतेरे इनसानों को सूरतें खराब हैं. यही हाल शहरों,

महरी भाषाई शब्दावली बनाने में इस तरह काम हरगिष नहीं चल सकता. اگر ہم ہندی یا اردو کو ودیای بہاشا بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں بیہس ہوکر نیا راستا اختیار کرنا پوگا. شایہ آپ کو وہی راستا چلنا پڑے جو میں نے تلاش کیا ہے. یا انے اسم یا فعل سے ڈھونڈتی اسم بنانا وہ بھی اس تہ سے کہ بنانے اور سمجھانے میں آسانی ہو. اسی لئے مجھے یقین ہے کہ بنانے اور سمجھانے کے متعلق نئے نئے شہد بنائے جائیں تو چند دنوں میں ہم اس تہ سے قلم واقف اور منطوس ہو جائیں گے کہ خود ہندوستان کے لئے لفظ بنانا سکھیں گے۔

Electrify	بجلی سے بجھانا
Electrification	بجھانا
Codify	کوڈ سے کوڈ بنانا
Codification	کوڈ بنانا
Codified	کوڈ بنانا
Christianize	مسیحی سے مسلمان بنانا
Christianization	مسیحی بنانا
Simplify	آسانی سے آسان بنانا
Simplification	آسان بنانا

ہرے بار مکتوب کا یہ ایتراز ہے کہ یہ لغز خوب صورت نہیں ہیں. یہ ایتراز توہمک ہے. یہ بھی میں اپنے بہاشا ٹھانی اسول کو توہمک سمجھتا ہوں اور ایتراز کرنے والے مکتوب سے دو باتوں کہتا ہوں. ایک تو یہ کہ یہ صرف لغز بلکہ بہاشا کا سندر بن ہی ہد تک مانوس ہونے پر ہے. بہت سے نئے شہد جو آج ہمیں بھلے نہیں لگتے اگر چل پڑیں تو اچھے مالموم ہونے لگتے کہوں کہ ان شہدوں کو سلف سلف ہم ان کو خود بخود پسند کرنے لگتے. دوسری بات یہ کہلی ہے کہ اصلی سلسار میں سندر چھوڑیں کلتی کم ہوں. جب پرمانا اور قدرت نے بہت سی سندر چھوڑیں پھدا نہیں کی تو مجھ جیسا مامولی انسان سندر سندر ہمد اپادا تھداں میں کہاں سے لاسکتا ہے؟ ہماری بہاشا کے کلمے شہد سچ سچ سندر ہوں؟ جب کروڑوں انسانوں نے سہکوں برس میں کلتی کے چلد خوب صورت لغز بنائے ہیں او چلد آدمی ایک دو دھانوں میں ہزاروں سندر لغز کہیں کر بنا سکھتے؟ ہمارے ملک اور یہاں کی کلتور اور زبان کو جانے دیجئے. دنہا میں اور بھی تو قومیں ہیں جو بہانت بہانت کی زبانیں بولتی ہیں. ان سب کی تھداں سہکوں بلکہ ہزاروں کی ہے. سارے سلسار میں کلتی بہاشاوں سندر ہوں؟ لاکھوں انسانوں میں دو تین کی سورتوں اچھی ہوتی ہیں. کروڑوں انہاں میں جن کی سورتوں ملک مامولہ ہیں. ان میں کوئی سندر نہیں ہے ان نے تاک نقشہ رنگ روپ میں کوئی دھن نہیں. خوبسورتی تو جانے دیجئے بہتہر سے انسانوں کی سورتوں خراب ہیں. یہی حال شہروں،







isation	के लिये	भाषा
inter	"	अन्तर
counter	"	तोड़

मुद्दरे किये जायं ताकि हर लक्ष्य का अलहदा तरजुमा करने की जरूरत न रहे और बन्द दिनों के इस्तेमाल और बन्द इस्ताहों की वाकफियत से इसी नमूने के और भी लक्ष्य बनाय जा सकें और सुर या उनके माने समझ में आ सकें.

Indianize	हिंदियाना
Indianization	हिंदियावा
Indianism	हिंदियत
Gandhize	गांधियाना
Gandhization	गांधियावा
Gandhism	गांधियत
Nationalize	क्रौमयाना
Nationalization	क्रौमयावा
Nationalism	क्रौमयत
Mechanize	मेकानियाना
Mechanization	मेकानियावा
Mechanism	मेकानियत

इन इस्तलाहों की तरह सैंकड़ों बल्कि हजारों लक्षण हैं जिन की पद्धत मांत मांत के इश्वरों में होती है. अगर मेरे सुभाषण हुए असूल को मान लिया जाय तो आप चाहे जिस लक्षण का तरजुमा किसी दिक्कत के बगैर कर सकेंगे.

अनजुमन तरफ़की उरदू की "फ़र हंग इस्तिलाहात इस्मिया" और ' हंगलिश उरदू बिकशनरी' में बाज़ लफ़्ज़ों के यह मराद ने दिये गए हैं:—

Acidify	लट्टा करना, लट्टा होना, तुर्श करना, तुर्श होना.
Acidity	तुरशियत
Acidification	तुरशाइयत
Commercialization	तिजारती बनाना
Indianization	हिंद्याना
Economization	इस्म मफ़्दूम बाला में

विद्याई भाषा में तिजारती बनाना Commercialize का तरजुमा हो सकता है. Commercialization के बिन्धे ऐसा सम्पन्न बनाना चाहिये जो उसकी असलियत को जाहिर करे. इसी तरह Indianize का तरजुमा हिंद्याना हो सकता है मगर अनजुमन की बिकसनरी में Indianization का तरजुमा हिंद्याना कहा गया है. इस बुराई को अनजुमन तरफ़की उरदू वाले महसूस न कर सकें कि फ़ैज़ ( किया ) का तरजुमा इस्म ( संज्ञा ) से करना विद्याई मुक़ते से रासत है. वह ठीक है कि हमारी भाषा में बन्द सम्पन्न फ़ैज़ होते हुए इस्म के तौर पर पाए हैं जैसे काना, संभर हर फ़ैज़ की इस्म के तौर पर इस्तेमाल किया जायगा

آوا	کے لئے	isation
انتر	"	inter
نور	"	Counter

مقرر کئے جائیں تاکہ ہر لفظ کا لامحدہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ رہے اور جلد دنوں کے استعمال اور جلد استعاروں کی واقفیت سے اسی نمونے کے اور بھی لفظ بنائے جا سکیں اور سر یا ان کے مانے سمجھ میں آ سکیں۔

Indianize	ہندیاانا
Indianization	ہندیاوا
Indianism	ہندییت
Gandhize	گاندھیانا
Gandhization	گاندھیوا
Gandhism	گاندھییت
Nationalize	قومیاانا
Nationalization	قومیاوا
Nationalism	قومیت
Mechanize	میکانیاانا
Mechanization	میکانیاوا
Mechanism	میکانیت

ان استغاثوں کی ترقی سکیموں بلکہ ہزاروں لفظوں میں  
چون کی ضرورت بہانت بہانت کے افسوس میں ہوتی ہے۔ اگر  
ہم سچے ہوئے اصول کو مان لیا جائے تو آپ چاہے  
جس لفظ کا ترجمہ کسی حالت کے بغور کر سکیں گے۔

انجمن ارقی اردو کی ”برگ اصطلاحات علمیہ“  
اور انکس اردو قلمی ”میں ہزار لغتوں کے یہ مراد  
نامہ لکھ رہے ہیں :-

Acidify	کھٹا کرنا، کھٹا ہونا، ترش کرنا، ترش ہونا
Acidity	ترشہٹ
Acidification	ترشائیگی
Commercialization	تجارتی بنانا
Indianization	ہندو بنانا
Economization	اسم مفہوم والا ہونا

وہابی بھابھا میں تجارتی بلانا Commercialize  
 کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ Commercialization کے لئے  
 ایسا لہجہ بلانا چاہئے جو اس کی اصلیت کو ظاہر کرے۔  
 اسی لئے Indianize کا ترجمہ ملندھانا ہو سکتا ہے مگر  
 انھیں کی قاعدہ میں Indianization کا ترجمہ  
 ملندھانا کہا گیا ہے۔ اس پر ہی کو انھیں ترقی اردو والے  
 مہدوس نے کر سکے، فول (کرہا) کا ترجمہ اسم (سلکھا)  
 سے کرنا ویدیاہر نکتہ سے غلط ہے۔ یہ قہوک ہے کہ ہماری  
 بھابھا میں جلد لہجہ لہل ہوئے ہوئے اسم کے نور پر چالو ہیں  
 چھسہ کہاں، مگر ہر لہل کو اسم کے نور پر استعمال کھاجاں کا



انمول، 'ان' بھائی میں ان پہل جوڑ ہے اور گو سے گلوڑ' لڑھ سے لہار' سونے سے سنار' میں 'او' اور 'سراں' نلھمال' ددھمال' میں 'آل' یا 'پداوٹ' 'لکاوٹ' 'پھملاوٹ' 'کاوٹ' 'سجھاوٹ' کیونکہ میں 'لوٹ' آخریہ میں .

ہندوستانی سے ہندوستانی رکھنے والوں کو اردو سے ایک اہم شکایت یہ بھی ہے کہ اردو میں استعمال ہونے والے ہندی پہل جوروں اور آخریوں سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاتا اور جب سے اردو میں مشکل پسندی اور اربعانہ اور فارسی زندگی کا جھکاؤ پیدا ہوا ہے، اسے لغزوں کا رواج کم ہو رہا ہے جن میں ہندی ہیں وہ بڑے جو تھوٹے ہندی میں یا ہندی جوروں کی مدد سے بنتے ہیں . ایک ایک کر کے اردو سے وہ پھارے پھارے لغز ترک کر دیتے گئے جنہیں اردو کے شایروں نے بھی استعمال کیا تھا . ہندی تشبیہیں جاتی رہیں، ہندوستانی خیالات کم ہوتے گئے، فارسی ہیں اور اہلی ہیں کا یہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا . اردو میں ہندی لافندوں کا اصل دخل کم اور فارسی ادبی کا زیادہ ہونے لگا . ہندوستانی پریموں کی اب یہ کوشش ہے اور ہونی چاہئے کہ اس ٹھوٹے ہوئے لغزوں سرمایہ کو دوبارہ حاصل کریں اور ہندوستانی کے خزانے میں ہزاروں نئے نئے سکے تھالیں جو جانے پہچانے سانچوں سے نکلنے کے کارن آپ اچھے کھرے ہیں کا ثبوت ہوں .

اردو میں ہندوستانی جز اور حصہ کو بڑھا کر ہی اسے زبان قائم رہ سکے ہیں جو ساری قوم کی زبان ہو یا جو بھارت کے اکثر حصوں میں بولی اور سمجھی جا سکے . اسی زبان کو تولدی دینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایسے نئے نئے لغز بنائے جائیں جو ہندی میں بھی چل سکیں اور اردو میں بھی .

نئے زمانے کے نئے خیالوں، نئی ضرورتوں اور نئی چیزوں کو ظاہر کرنے کے لیے ہمیں ہزاروں نئے نئے لفظ درکار ہیں . اب ہوا اچھا ہوتا ہے کہ ہم ایسے لغز بنائیں جو ہندی اور اردو دونوں میں چل سکیں . اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہندی اور اردو میں رواج پائے ہوئے پہل جوروں اور آخریوں سے نئے لغز بنائے جائیں جسکی ایک ترکیب یہ ہے کہ انگریزی اور ہندوستانی پہل جوروں اور آخریوں کے برابر (Equivalents) متر کر لیں جائیں اور ایسے سانچے تیار کیے جائیں، جن میں خاموشی کے متعلق اور بھی نئے نئے لغز بنائے جا سکیں .

اسی اسول کے مطابق میں یہ سجھاوٹ بھی کرنا میں کہ :

ism  
ise

کے لیے  
"

یاد  
نا

یہ  
نا

کے لیے  
"

ism  
ise



دیش سے وہاں سے ہے۔ اس نئے انہیں یہ پسند نہیں کہ ان کا صوبہ چھٹا کمشنر صوبہ ہو۔ مئی پوری اگر آسام سے مل جائے تو آسانی سے گورنر صوبہ والے بن سکتے ہیں۔ پر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آسام کے ساتھ ملنے سے ان کا وہ حال ہو جائے گا جو سنگ کا آٹہ میں ہوتا ہے۔ کہونکہ وہ کل تعداد میں چھ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ ہندوستان جیسی بڑی سرکار چھ لاکھ آدمیوں کے لئے ایک الگ صوبہ کھسے بنا سکتی ہے؟ اور وہ چھ لاکھ کا صوبہ اپنے آپ کو کھسے سلیمال سکتا ہے؟ اور وہ بھی اُس وقت جب وہ دوسرے ملک کی سرحد سے لگا ہو۔

آخر میں ہم یہ کہہ کر اپنی بات ختم کرتے ہیں کہ ہمیں اگر کھسور کو قدرت نے سوگ بنا رکھا ہے تو پورب میں آدمی نے کھ کی اُلفتی کر مئی پور کو سوگ میں بدل دیا ہے۔

—بھگواندین

—بھگواندین

## ہندوستانی شبدیات کا چھٹا اسول : شبد جوڑوں کے ترجمہ

( ڈاکٹر جعفر حسن )

ہندوستانی کے لیے نئے نئے استعارے بنانے کا ایک اسول ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ آسان اور آہ مستحق لغزوں کے صلحہ کو یہ نئے نئے لغز بنائے جائیں اسی اسول کے اعداد پر میں نے Prefix کا ترجمہ پہل جوڑ اور Suffix کا آخریہ کیا۔ 'پہل جوڑ' کا لفظ سننے سے ہی پتا چلتا ہے کہ یہ لغز سے پہلے آئے والا ہے۔ اسی تر آخریہ بہت زیادہ آسانی سے Suffix کے مانے واضح کرتا ہے۔

ہندوستانی کے لیے نئے نئے لفظ بنانے کا چھٹا اسول یہ ہونا چاہیے کہ ہر لفظ کا ازلہوا ازلہوا ترجمہ کرنے کے ازلہوا جہاں تک بن سکے پہل جوڑوں (Prefixes) اور آخریوں (Suffixes) کے برابر سے متبر کو لے جائیں تاکہ نئے نئے لفظوں کے بنانے میں سہولت ہو۔

ہر زبان میں لفظی تکرار ہوتے ہیں جو کبھی اصل لغز کے شروع میں، کبھی آخر میں لگاتے جاتے ہیں۔ شروع میں آنے والے لفظی تکرار کو پہل جوڑ اور آخر میں آنے والے کو آخریہ کہتے ہیں : جیسے 'انجان'، 'انمل'،

## ہندوستانی شبدیات کا چھٹا اسول : شبد جوڑوں کے ترجمہ

( ڈاکٹر جعفر حسن )

ہندوستانی کے لئے نئے نئے استعارے بنانے کا ایک اسول ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ آسان اور آہ مستحق لغزوں کے صلحہ کو یہ نئے نئے لغز بنائے جائیں اسی اسول کے اعداد پر میں نے Prefix کا ترجمہ پہل جوڑ اور Suffix کا آخریہ کیا۔ 'پہل جوڑ' کا لفظ سننے سے ہی پتا چلتا ہے کہ یہ لغز سے پہلے آئے والا ہے۔ اسی تر آخریہ بہت زیادہ آسانی سے Suffix کے مانے واضح کرتا ہے۔

ہندوستانی کے لئے نئے نئے لفظ بنانے کا چھٹا اسول یہ ہونا چاہیے کہ ہر لفظ کا ازلہوا ازلہوا ترجمہ کرنے کے ازلہوا جہاں تک بن سکے پہل جوڑوں (Prefixes) اور آخریوں (Suffixes) کے برابر سے متبر کو لے جائیں تاکہ نئے نئے لفظوں کے بنانے میں سہولت ہو۔

ہر زبان میں لفظی تکرار ہوتے ہیں جو کبھی اصل لغز کے شروع میں، کبھی آخر میں لگاتے جاتے ہیں۔ شروع میں آنے والے لفظی تکرار کو پہل جوڑ اور آخر میں آنے والے کو آخریہ کہتے ہیں : جیسے 'انجان'، 'انمل'،



کڑکٹ دیکھنے کو بھی نہیں ملے گا۔ سوکھیں بھی بہت صاف دھتی۔ ہوں۔ اُن کا گھر بہت دوسکتھ ملے گا۔ صاف تو ملے گا ہی۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کڑکٹ دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلکا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اسے گھرانے کی ہو یا چاہے قریب گھرانے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلکا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پلے گھروں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے گھوڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوٹ کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوٹ سستا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کٹا سوٹ کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوٹ کا کھوا ہلکا جانتے ہیں اور ہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک اچھے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلکا جانتی ہی نہیں روز کھوا ہلکی ہے۔ سبکوں گھرانے ایسے ہیں جن کا کھوا ہلکا روز کا کام ہے اور اُسی سے پیسے کساتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے گئے تو وہاں سبکو گھوڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں ملی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتوں پر ہی مشروط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کھوا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا ولت گھر کے کام کاج کے لئے نکل لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی نارایاں ہندستان کی اور نارایوں سے بہت زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وئی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچرچ ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اُس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم گھوڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ملے وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی نارایاں سودا کرتی تھیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کڑکٹ دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلکا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اسے گھرانے کی ہو یا چاہے قریب گھرانے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلکا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پلے گھروں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے گھوڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوٹ کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوٹ سستا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کٹا سوٹ کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوٹ کا کھوا ہلکا جانتے ہیں اور ہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک اچھے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلکا جانتی ہی نہیں روز کھوا ہلکی ہے۔ سبکوں گھرانے ایسے ہیں جن کا کھوا ہلکا روز کا کام ہے اور اُسی سے پیسے کساتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے گئے تو وہاں سبکو گھوڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں ملی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتوں پر ہی مشروط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کھوا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا ولت گھر کے کام کاج کے لئے نکل لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی نارایاں ہندستان کی اور نارایوں سے بہت زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وئی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچرچ ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اُس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم گھوڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ملے وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی نارایاں سودا کرتی تھیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

آسام میں کپڑے کا بہت رواج ہے۔ ہر گھر میں آپ کو کڑکٹ دیکھنے کو ملے گا۔ آسام کی قریب قریب ہر عورت ہلکا جانتی ہے۔ پھر چاہے وہ اسے گھرانے کی ہو یا چاہے قریب گھرانے کی۔ براہمن ناری تو شائد ہی کوئی ملے جو ہلکا نہ جانتی ہو۔ ہاتھ کے پلے گھروں کا رواج بہت پرانا ہے۔ پوجا میں تو مل کے گھوڑے کام میں ہی نہیں آتے۔ ہاتھ کتے سوٹ کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ یہاں کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مل کا سوٹ سستا ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ہاتھ کا کٹا سوٹ کام میں لانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی یہاں کے لوگ ہاتھ کتے سوٹ کا کھوا ہلکا جانتے ہیں اور ہی سکتے ہیں۔ مٹی پوری تو ہر ایک اچھے گھر میں کرکھا لگائے ہوئے ہے اور مٹی پوری ہر ایک ناری ہلکا جانتی ہی نہیں روز کھوا ہلکی ہے۔ سبکوں گھرانے ایسے ہیں جن کا کھوا ہلکا روز کا کام ہے اور اُسی سے پیسے کساتے ہیں۔ مٹی پوری یعنی اسمہال کا بازار جب ہم دیکھتے گئے تو وہاں سبکو گھوڑے کی ایک بھی دکان ایسی نہیں ملی جس کا دوندار مرد ہو۔ معلوم ہوا مٹی پوری عورتوں پر ہی مشروط ہوتی ہیں اور وہ خود دکان چلاتی ہیں۔ کھوا ہی کر اور دکان چلا کر بھی وہ بہت سا ولت گھر کے کام کاج کے لئے نکل لیتی ہیں۔ مٹی پوری کی نارایاں ہندستان کی اور نارایوں سے بہت زیادہ آزاد ہیں اور اوروں سے کہیں زیادہ شہل وئی بھی ہیں۔ یہ سن کر تو پوچھنے والوں کو اچرچ ہی ہوگا کہ مٹی پوری ناری اسکو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے کہ اُس کا مرد بازار میں سودا خریدنے جائے۔ سلتہ میں کہ جس طرح کہیں عورتوں کا بازار میں گھومنا یا سودا کرنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے ویسے ہی مٹی پوری میں مردوں کا سودا خریدنا شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور سچ سچ ہوں کم سے کم گھوڑے کے بازار میں جتنے آدمی سودا کرتے ملے وہ سب گھر مٹی پوری ہی تھے اور جتنی نارایاں سودا کرتی تھیں وہ سب مٹی پوری تھیں۔

مٹی پوری کے مرد یا تو نوکریاں کرتے ہیں یا فوجی کام کرتے ہیں۔ جنہوں نے انگریزی تعلیم پا لی ہے وہ بازار میں سودا کرنے سے بھی نہیں چوکتے پوچھا تو نہیں پر ہو سکتا ہے کہ اُن کے گھر کی نارایوں نے ہلکے کام اگر چھوڑا نہ ہوگا تو کم ضرور کر دیا ہوگا۔ چھوڑ دے یوں نہیں سکتی کہ پوجا کے کام کے لئے ہاتھ کا ہلکا کھوا اور وہ بھی گھر کی کسی ناری کا ہلکا کھوا ہے حد ضروری ہے۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مٹی پوریوں کو لکھ

مٹی پوری کے مرد یا تو نوکریاں کرتے ہیں یا فوجی کام کرتے ہیں۔ جنہوں نے انگریزی تعلیم پا لی ہے وہ بازار میں سودا کرنے سے بھی نہیں چوکتے پوچھا تو نہیں پر ہو سکتا ہے کہ اُن کے گھر کی نارایوں نے ہلکے کام اگر چھوڑا نہ ہوگا تو کم ضرور کر دیا ہوگا۔ چھوڑ دے یوں نہیں سکتی کہ پوجا کے کام کے لئے ہاتھ کا ہلکا کھوا اور وہ بھی گھر کی کسی ناری کا ہلکا کھوا ہے حد ضروری ہے۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مٹی پوریوں کو اپنے



یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ملک کی ہولی تین چار روز تک اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ یہ ہے ہی ٹھیک۔ آخر اگلے آدھی اس طرح منڈلیوں میں بھاگ کھینکے تو چار دن زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں یہ دھماکا دے کہ مئی پوری لوگ آپس میں رنگ نہیں پھینکتے۔ ان کا بھاگ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی ملک کے بچے۔ ہاں، اسمہال میں جو گھر میں پوری لوگ ہیں جیسے مارواڑی وغیرہ وہ اپنے قہنگ سے ہولی کھینکتے ہیں۔ پوہلیے والے اٹلا اور جان لیں کہ اس ملک میں ان کو طرح طرح کے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگ ملہنگے اور ایک ایک رنگ کے لوگ الگ الگ منڈلیوں میں ہوتے ملہنگے۔ یعنی کچھ ایک دم پہنے کپڑوں میں، کچھ ایک دم لال میں، کچھ ایک دم ہرے رنگ میں۔ ہرے اور لال رنگ والوں کی بات ہم پوچھتے ہیں وہ کہتے۔ ہاں پہلے رنگ والوں کی بات ہم نے ضرور جان لی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم ملک میں پہنچے تھے تب پہلے رنگ والے وہاں موجود تھے، لال ہرے رنگ والے وہاں موجود نہ تھے۔ پہلے رنگ کے لوگ سردار لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا پہلاوا اپنے قہنگ کا الگ تھا۔ ان کی دھوئی تھلیوں تک نہ تھی جب کہ سفید مٹی پوریوں کی دھوئی کھٹوں سے کچھ ہی کافی پہنچے تک تھی۔ پہلے مٹی پوریوں نے انگریز کھٹوں سے ابھی پہنچے تھے، تھلیوں تک لیا جائے تو ہرج بھج، جب کہ سفید مٹی پوریوں کی سرزئی آدھی جانکے سے بھی اُرد تھی۔ پہلے مٹی پوری سکلیوں کی طرح پڑے پڑے صاف باندھے ہوئے تھے۔ لال اور ہرے مٹی پوریوں کی پوشاک تھی تو ایک سی پر پہلے اور سفیدوں سے نہیں ملتی تھی۔ مٹی پوری اٹلے صاف دھتے ہیں کہ یہ لیا جا سکتا ہے کہ ملہنگے میں تو لیا لیا ہر مٹی پوری ایسا دیں نہیں ہے جو سماجی روپ ہے اٹلا صاف دھتا ہو۔ مٹی پوری فریب ہو یا اسہر۔ براہمن، چہتری، دیہی، شودر، ٹولی ہو، صاف کپڑے پہنے ملے گا۔ اگر ٹولی لکڑیے کپڑے پہنے ہوئے مل جائے تو آپ بے کھٹکے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مٹی پوری نہیں ہے۔ ایک بار ہم نے ایک مٹی پوری سچن سے پوچھا۔ ”لہا آپ روز کپڑے دھوتے ہیں؟“ آخر اٹلے صاف آپ دھتے کس طرح ہیں؟ وہ بولے۔ ”روز تو ہم دوسرے دوسرے ضرور کپڑے دھوتے جاتے ہیں۔ اٹلے صاف دھتالی دیہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے باہر نکلیے، کپڑے الگ ہوتے ہیں اور گھر میں پہلے کے انک۔ لہا، والے کپڑے دھوتے تو روز جاتے ہیں ہر وہ اٹلے سفید اور چمکدار نہیں ہوتے جتنے باہر والے کپڑے۔“

مٹی پوری کپڑے صاف پہنتے ہیں، یہی بات نہیں۔ وہ ہر طرح صنعتی سفید ہیں۔ مٹی پوریوں نے مٹلیوں میں ڈوڑا

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ملک کی ہولی تین چار روز تک اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ یہ ہے ہی ٹھیک۔ آخر اگلے آدھی اس طرح منڈلیوں میں بھاگ کھینکے تو چار دن زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں یہ دھماکا دے کہ مئی پوری لوگ آپس میں رنگ نہیں پھینکتے۔ ان کا بھاگ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی ملک کے بچے۔ ہاں، اسمہال میں جو گھر میں پوری لوگ ہیں جیسے مارواڑی وغیرہ وہ اپنے قہنگ سے ہولی کھینکتے ہیں۔ پوہلیے والے اٹلا اور جان لیں کہ اس ملک میں ان کو طرح طرح کے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لوگ ملہنگے اور ایک ایک رنگ کے لوگ الگ الگ منڈلیوں میں ہوتے ملہنگے۔ یعنی کچھ ایک دم پہنے کپڑوں میں، کچھ ایک دم لال میں، کچھ ایک دم ہرے رنگ میں۔ ہرے اور لال رنگ والوں کی بات ہم پوچھتے ہیں وہ کہتے۔ ہاں پہلے رنگ والوں کی بات ہم نے ضرور جان لی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم ملک میں پہنچے تھے تب پہلے رنگ والے وہاں موجود تھے، لال ہرے رنگ والے وہاں موجود نہ تھے۔ پہلے رنگ کے لوگ سردار لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا پہلاوا اپنے قہنگ کا الگ تھا۔ ان کی دھوئی تھلیوں تک نہ تھی جب کہ سفید مٹی پوریوں کی دھوئی کھٹوں سے کچھ ہی کافی پہنچے تک تھی۔ پہلے مٹی پوریوں نے انگریز کھٹوں سے ابھی پہنچے تھے، تھلیوں تک لیا جائے تو ہرج بھج، جب کہ سفید مٹی پوریوں کی سرزئی آدھی جانکے سے بھی اُرد تھی۔ پہلے مٹی پوری سکلیوں کی طرح پڑے پڑے صاف باندھے ہوئے تھے۔ لال اور ہرے مٹی پوریوں کی پوشاک تھی تو ایک سی پر پہلے اور سفیدوں سے نہیں ملتی تھی۔ مٹی پوری اٹلے صاف دھتے ہیں کہ یہ لیا جا سکتا ہے کہ ملہنگے میں تو لیا لیا ہر مٹی پوری ایسا دیں نہیں ہے جو سماجی روپ ہے اٹلا صاف دھتا ہو۔ مٹی پوری فریب ہو یا اسہر۔ براہمن، چہتری، دیہی، شودر، ٹولی ہو، صاف کپڑے پہنے ملے گا۔ اگر ٹولی لکڑیے کپڑے پہنے ہوئے مل جائے تو آپ بے کھٹکے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مٹی پوری نہیں ہے۔ ایک بار ہم نے ایک مٹی پوری سچن سے پوچھا۔ ”لہا آپ روز کپڑے دھوتے ہیں؟“ آخر اٹلے صاف آپ دھتے کس طرح ہیں؟ وہ بولے۔ ”روز تو ہم دوسرے دوسرے ضرور کپڑے دھوتے جاتے ہیں۔ اٹلے صاف دھتالی دیہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے باہر نکلیے، کپڑے الگ ہوتے ہیں اور گھر میں پہلے کے انک۔ لہا، والے کپڑے دھوتے تو روز جاتے ہیں ہر وہ اٹلے سفید اور چمکدار نہیں ہوتے جتنے باہر والے کپڑے۔“

مٹی پوری کپڑے صاف پہنتے ہیں، یہی بات نہیں۔ وہ ہر طرح صنعتی سفید ہیں۔ مٹی پوریوں نے مٹلیوں میں ڈوڑا



कुर्ता, एक मिरछई पहने हुए था और पगड़ी बाँधे हुए था। हर एक के हाथ में एक रूमाल था। वह सब के सब इस तरह से आये, ऐसे बैठे और इस तरह से नाचे मानो वह कौज के सिपाही हों। नाच के वक़्त उनके पांव ऐसे ही चलते थे जैसे उन लड़कियों के जिनका चिक पहले किया जा चुका है। कुछ के हाथ में झंझ थी, दो एक के गले में मुद्ग थे, एकाध के हाथ में खंजरी थी। यह कभी बैठ कर गाते थे और कभी खड़े हो कर, फाग का दिन था। उत्तर प्रदेश वाले तो यही सोच रहे होंगे कि किन्हीं गंदे गीतों का सिलसिला चल रहा होगा। पर नही वहाँ गंदे गीत नाम को भी नहीं थे उसे फाग का गाना बजाना ही नहीं कहना चाहिये वह तो भक्ती से भरा कीर्तन था। उसमें या तो राधा कृष्ण के गीत थे या गौरीशंकर के गीत थे या गौरांग प्रभु के गीत थे। कुछ मनीपुरी बोली में थे, कुछ हिन्दी में थे, कुछ बिहारी में थे। बिहारी में विद्यापति के गीत थे, हिन्दी में सूर के और बंगला में गौरांग प्रभु के। यह मंडली जब थोड़ी देर कीर्तन कर चुकी तो मंदिर के दो आदमियों ने इनके ऊपर लाल रंग पिचकारी से छिड़क दिया। यह रंग बाल्टियों में भरा हुआ था। दोनों के पास बड़ी पिचकारियाँ थीं रंग छिड़कने के बाद मंडली जोश में आ गई और कीर्तन में पूरा रंग आ गया। इस मंडली ने आधे घंटे या इससे कम कीर्तन किया होगा। उसके बाद वह चली गई और दूसरी मंडली आ गई। हम ग्यारह बजे से चार बजे तक बैठे। आधा आधा घंटे के बाद बराबर मंडलियाँ आती रहीं। आखिर हम ऊब गये। इतनी देर भी हम इसलिये बैठे कि हमको यह मालूम था कि थोड़ी देर में मनीपुर के राजा आयंगे और वह गोपियों के साथ नाचेंगे। गोपियाँ उन पर रंग छिड़केंगी और वह शायद गोपियों पर रंग छिड़केंगे। पर वह चार बजे तक नहीं आए थे। पता लगा कि वह शहर से बाहर थे। इसमें शक नहीं कि सैकड़ों ही मनीपुर की नारियाँ गोपियों के नाम से मंडप में मौजूद थीं। सब के कपड़े ऐसे ही सफेद थे जैसे सर्वों के। हाँ उनका पहनावा दूसरे ढंग का था। गोपियों में हर उमर की नारियाँ थीं। बहुत छोटी लड़कियाँ नहीं थीं। हाँ ग्यारह बारह बरस की भी थीं, पर बहुत कम। गोपियों का फाग हम नहीं देख पाए। पर जिन लोगों ने वह फाग देखा था उनके मुँह से उसका हाल जान लिया। मनीपुर की नारियाँ पर्दा नहीं करतीं। पर जो गोपी बनकर फाग खेलने आई थीं, वह सब की सब बूँद निकाले थीं। उनका जूड़ा कुछ इस तरह बंधा हुआ था कि उनका सिर दुफ्फे के साथ ऐसे ही उठा हुआ दिखाई देता था जिस तरह हरयाने की जाटनियों का। फाग की गोपियों के सिवा और किसी मनीपुरी नारी का जूड़ा इस तरह बंधा हुआ नहीं देखा गया।

कुरु'। एक मंडली पहले होती है और पगड़ी बाँधे हुए है। हर एक के हाथ में एक रूमाल था। वह सब के सब इस तरह से आये, ऐसे बैठे और इस तरह से नाचे मानो वह कौज के सिपाही हों। नाच के वक़्त उनके पांव ऐसे ही चलते थे जैसे उन लड़कियों के जिनका चिक पहले किया जा चुका है। कुछ के हाथ में झंझ थी, दो एक के गले में मुद्ग थे, एकाध के हाथ में खंजरी थी। यह कभी बैठ कर गाते थे और कभी खड़े हो कर, फाग का दिन था। उत्तर प्रदेश वाले तो यही सोच रहे होंगे कि किन्हीं गंदे गीतों का सिलसिला चल रहा होगा। पर नही वहाँ गंदे गीत नाम को भी नहीं थे उसे फाग का गाना बजाना ही नहीं कहना चाहिये वह तो भक्ती से भरा कीर्तन था। उसमें या तो राधा कृष्ण के गीत थे या गौरीशंकर के गीत थे या गौरांग प्रभु के गीत थे। कुछ मनीपुरी बोली में थे, कुछ हिन्दी में थे, कुछ बिहारी में थे। बिहारी में विद्यापति के गीत थे, हिन्दी में सूर के और बंगला में गौरांग प्रभु के। यह मंडली जब थोड़ी देर कीर्तन कर चुकी तो मंदिर के दो आदमियों ने इनके ऊपर लाल रंग पिचकारी से छिड़क दिया। यह रंग बाल्टियों में भरा हुआ था। दोनों के पास बड़ी पिचकारियाँ थीं रंग छिड़कने के बाद मंडली जोश में आ गई और कीर्तन में पूरा रंग आ गया। इस मंडली ने आधे घंटे या इससे कम कीर्तन किया होगा। उसके बाद वह चली गई और दूसरी मंडली आ गई। हम ग्यारह बजे से चार बजे तक बैठे। आधा आधा घंटे के बाद बराबर मंडलियाँ आती रहीं। आखिर हम ऊब गये। इतनी देर भी हम इसलिये बैठे कि हमको यह मालूम था कि थोड़ी देर में मनीपुर के राजा आयंगे और वह गोपियों के साथ नाचेंगे। गोपियाँ उन पर रंग छिड़केंगी और वह शायद गोपियों पर रंग छिड़केंगे। पर वह चार बजे तक नहीं आए थे। पता लगा कि वह शहर से बाहर थे। इसमें शक नहीं कि सैकड़ों ही मनीपुर की नारियाँ गोपियों के नाम से मंडप में मौजूद थीं। सब के कपड़े ऐसे ही सफेद थे जैसे सर्वों के। हाँ उनका पहनावा दूसरे ढंग का था। गोपियों में हर उमर की नारियाँ थीं। बहुत छोटी लड़कियाँ नहीं थीं। हाँ ग्यारह बारह बरस की भी थीं, पर बहुत कम। गोपियों का फाग हम नहीं देख पाए। पर जिन लोगों ने वह फाग देखा था उनके मुँह से उसका हाल जान लिया। मनीपुर की नारियाँ पर्दा नहीं करतीं। पर जो गोपी बनकर फाग खेलने आई थीं, वह सब की सब बूँद निकाले थीं। उनका जूड़ा कुछ इस तरह बंधा हुआ था कि उनका सिर दुफ्फे के साथ ऐसे ही उठा हुआ दिखाई देता था जिस तरह हरयाने की जाटनियों का। फाग की गोपियों के सिवा और किसी मनीपुरी नारी का जूड़ा इस तरह बंधा हुआ नहीं देखा गया।



हम इस मंडप में ग्यारह बजे पहुँच गए थे. बारह बजे तक मंडप खचाखच भर गया था. जब हम पहुँचे तब एक मंडली उस बड़ी जगह में जो बीच में खुटी रहती है और जिस में पांच सौ आदमियों के लिये जगह होती है, अपना कीर्तन कर रही थी. इस मंडली की जन संख्या पच्चीस तीस के भीतर रही होगी. इसमें हर उमर के आदमी थे दो बारह बरस के बच्चे भी थे. सबके सब सफेद कपड़े पहने हुए थे. और ऐसा सालूस होता था कि वह आज ही धुल कर जाय हैं. मंडली का हर एक आदमी धोती

ہم اس مہذب - من گدازہ پہنچے پہونچ گئے تھے ۔ بارہ  
پہنچے تک مہذب کھنچا کوچ پور لگا تھا ۔ جب ہم پہونچے  
تپ ایک - ملدلی اس بڑی جگہ میں جو بچے میں  
چھٹی رہتی ہے اور جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے  
جگہ ہوتی ہے ، اپنا کمرتن کر رہی تھی۔ اس ملدلی کی  
جن سلکھوا بچہس تھس کے ہوتو رہی ہوگی ۔ اس میں  
ہر صر کے آدمی تھے۔ دو بارہ دوس کے پہنچے ہی تھے۔ سب  
کے سب سفید کھڑے پہلے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ  
وہ آج ہی دھل کر آئے ہوں۔ ملدلی کا ہر ایک آدمی دھوتی



لہجئے اُن کے ہمسفرتِ راس کا حال سنئے۔ اُس سے بھی پہلے ایک بات اور سن لیتئے۔ ہمسفرتِ راس میں لوگیاں ہی حصہ لیتی تھیں۔ کرشن بھی لوکی ہی بنتی ہے۔ کرشن ہلنے کے لئے ایک شرط ضروری ہے، لوکی کی عمر گھارہ برس سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی لوکی رادھا بن کر نہیں ناپ سکتی جب تک کہ وہ ایک بار کرشن نہ بن چکی ہو۔ اِس لئے ہو گھرانہ اِس فکر میں رہتا ہے کہ اُن کی لوکیوں کو گھارہ برس سے پہلے پہلے کرشن بن کر نرتھ کرنے کا موقع مل جائے وہی گھرانہ اپنے آپ کو بہت بھانپے شالی مانتا ہے جس گھرانے کی کوئی لوکی رادھا بن کر نارتھ کا موقع پا جائے۔ اِن باتوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نرتھ وہاں کوزی کلا نہیں، دھرم کا انگ بھی ہے۔ ہمارے پورئے والے یہ بھی خیال رکھیں کہ ملی پورویوں کا ناپ دیکھ کر اُن کے من میں واسدا نہیں جا سکتی، اِلٹا ویہراگ چاکھکا۔ وکاری من پوتر ہونے لگتا۔

اب ناچ دیکھئے۔ دیکھئے گھنگلی بھی پردہ آٹھا۔ وہ دیکھئے دس گھارے برس کے کرشن ناچتے ہوئے چاہ آ رہے ہیں۔ ہاتھ میں ہلسی نہیں ہے۔ ہر دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھے ہیں مالتو ہلسی ہے۔ اور وہ اُن کے ہونٹوں کو چھو رہی ہے۔ ناچتے ناچتے کچھ ملت بھی نہیں بہکتی نہ کرشن جی چل دیتے ہیں۔ اب دیکھئے راندھا جی اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ ناچتے آ رہی ہیں۔ تھنوں کی تھنوں ایک رنگ کی ہیں۔ تھنوں کے کپڑے بہت توڑھے پھوڑھے ہیں۔ بھلی ٹی روشنی میں چھا چم چمکتے ہیں۔ بچے میں راندھا ہیں۔ اندر اندر اُن کی دو سہیلیاں ہیں۔ تھنوں ایسے ناچتی ہیں مالتو کاتھ ٹی پتلہاں میں اور کسی ایسی چوٹی پر چڑی ہوئی جس کے نیچے اسپرنگ لگی ہو۔ اگر ہاتھ اٹھانے کے تو ایک ساتھ گردن ہلکی تو ایک ساتھ۔ یہاں تک نہ آنکھوں نے اشارے بھی ایک ساتھ ہونگے اور ایک ہی طرح کے ہونگے۔ اُن نے ناچنے میں اتنی سب کی بھلی ہلکاپن دیکھا تھا کہ اگر وہ سچ سچ بتاؤں تو ناچتے تو بتاؤں نہ پھوٹتے۔ یہ ناچ چل ہی رہا تھا کہ کرشن جی پھر اُٹھکتے ہیں اور اب پچکاری سے رنگ پھیلنے اور گلال پھیلنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ پاتھوں کو دھبان رہے وہاں دسی نے ہاتھ میں پچکاری ہوتی ہے اور نہ گلال۔ پس ہاتھ نے اشارے بھی یہ بتاتے ہیں کہ پچکاریاں چل رہی ہیں اور گلال پھیلنا جا رہا ہے۔ کبھی راندھا اور کبھی سہیلیاں مل کر کرشن کو بچے میں کھڑ لگتی ہیں اور کبھی الگ ہو جاتی ہیں۔ جب کرشن جی دائیں ہاتھ سے بالیں ہاتھ میں سے گلال لہکر راندھا اور اُن کی سہیلیوں کے ساتھ ہر پھلکتے ہیں تو کچھ گلال راندھا کی آنکھوں میں جا پڑتا ہے اور وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھوں سے قہقہے لگتی ہیں اور آنسو کرائے لگتی ہیں۔



पूजा करने के बाद उस कुटी की परीक्षा करते हैं यानी उसके चारों तरफ घूमते हैं। फिर गौरांग प्रभु की मूर्ती बाहर निकाल कर कुटी में आग लगा देते हैं। उत्तर प्रदेश की तरह जो या गेहूँ की बालें भूनने का रिवाज मनीपुरियों में नहीं है। यह कुटी सारा मोहल्ला मिलकर बनाता है। बांस हरे होते हैं, वह फूस के जलते जलते जल नहीं सकते। उन बचे बांसों की वह आदमी अपने घर ले जाता है जो उसमें आग लगाता है। इस तरह की होली से मनीपुरी यह बताना चाहते हैं कि किस तरह गौरांग, महाप्रभु ने अपना घर छोड़कर उसे हमेशा के लिये जला दिया।

मनीपुरियों में हिन्दुओं की तरह चारों वर्ग मिलते हैं। वह अपने आप को अर्जुन के बेटे ब्रह्मबाहन की औलाद मानते हैं। ब्रह्मबाहन चित्रागंदा से पैदा था। चित्रागंदा मनीपुर की थी। मनीपुरियों में मनीपुर का प्रेम इतना प्रियादा बढ़ गया है कि उसे कम करने की जरूरत है। वह दुनिया की कोई बात मनीपुर के बगैर सोच ही नहीं सकते। मनीपुरी पैदायशी कलाकर होते हैं। इस बात का पूरा वर्णन हम आगे करेंगे जब हम उनके रंग खेलने का प्रिक करेंगे। इस वक़्त तो हम यह दिखायेंगे कि वह कितना अच्छा गाना और बजाना जानते हैं और कितना अच्छा नाचकर दिखाते हैं। इसफ़ाल में "कला-भवन" नाम की एक संस्था है। होली के दिन उनके यहां गाने बजाने का प्रोग्राम था। उसे देखने के लिये हमें बुलावा मिल गया था हम सब उसे देखने पहुंचे। वहां हमको 9 तरह के नृत्य दिखाये गये। उनके नाम यह हैं :

1. बसंत रास, 2. खूबक चौलम, यानी ताली नृत्य, 3. खंजरी नृत्य, 4. चित्रागंदाजुन, 5. लिस्बां नृत्य यानी सुरिंद नृत्य, 6. पुंगचोलंब, 7. कुरनार्जुन, 8. नागाओं का आदम जीवन, 9. जव-कुश अस्त्र शिक्षा।

इन नृत्यों के नाम सुनकर हमारे पढ़ने वाले जरूर अचरज में पड़ जायेंगे। चित्रागंदाजुन, कुरनार्जुन, अस्त्र शिक्षा। यह सब नाच कैसे ? सचमुच यह नाच नहीं हो सकते। हम अपने पाठकों को समझाने की कोशिश जरूर करेंगे, पर उन्हें ठीक ठीक आनंद तो उसी वक़्त आ सकता है जब वह उन नाचों को खुद मनीपुर जा कर देखें।

गाने-बजाने और नृत्य की कला मनीपुरियों में इतनी तरज्जी कर गई कि वह हर काम नाच गाकर करते हैं। इस नाच गाने के सहारे उनमें शिस्त इतनी बढ़ गई है कि उनका हर काम ऐसा मालूम होता है मानो कोई मशीन कर रही हो। मनीपुरी हर काम खूबी के साथ करते हैं, उसको कला का रूप दे देते हैं। हमने उनकी होली देखा। उनका प्रोग्राम नम के लिये फ़ाग है। प्रियादातर तो वह कला का ही भाग है। उसका वर्णन हम अलग से ही करेंगे।

पूजा करने के बाद उस कुटी की परीक्षा करते हैं यानी उसके चारों तरफ घूमते हैं। फिर गौरांग प्रभु की मूर्ती बाहर निकाल कर कुटी में आग लगा देते हैं। उत्तर प्रदेश की तरह जो या गेहूँ की बालें भूनने का रिवाज मनीपुरियों में नहीं है। यह कुटी सारा मोहल्ला मिलकर बनाता है। बांस हरे होते हैं, वह फूस के जलते जलते जल नहीं सकते। उन बचे बांसों की वह आदमी अपने घर ले जाता है जो उसमें आग लगाता है। इस तरह की होली से मनीपुरी यह बताना चाहते हैं कि किस तरह गौरांग, महाप्रभु ने अपना घर छोड़कर उसे हमेशा के लिये जला दिया।

मनीपुरियों में हिन्दुओं की तरह चारों वर्ग मिलते हैं। वह अपने आप को अर्जुन के बेटे ब्रह्मबाहन की औलाद मानते हैं। ब्रह्मबाहन चित्रागंदा से पैदा था। चित्रागंदा मनीपुर की थी। मनीपुरियों में मनीपुर का प्रेम इतना प्रियादा बढ़ गया है कि उसे कम करने की जरूरत है। वह दुनिया की कोई बात मनीपुर के बगैर सोच ही नहीं सकते। मनीपुरी पैदायशी कलाकर होते हैं। इस बात का पूरा वर्णन हम आगे करेंगे जब हम उनके रंग खेलने का प्रिक करेंगे। इस वक़्त तो हम यह दिखायेंगे कि वह कितना अच्छा गाना और बजाना जानते हैं और कितना अच्छा नाचकर दिखाते हैं। इसफ़ाल में "कला-भवन" नाम की एक संस्था है। होली के दिन उनके यहां गाने बजाने का प्रोग्राम था। उसे देखने के लिये हमें बुलावा मिल गया था हम सब उसे देखने पहुंचे। वहां हमको 9 तरह के नृत्य दिखाये गये। उनके नाम यह हैं :

1. बसंत रास, 2. खूबक चौलम यानी ताली नृत्य, 3. खंजरी नृत्य, 4. चित्रागंदाजुन, 5. लिस्बां नृत्य यानी सुरिंद नृत्य, 6. पुंगचोलंब, 7. कुरनार्जुन, 8. नागाओं का आदम जीवन, 9. जव-कुश अस्त्र शिक्षा।

इन नृत्यों के नाम सुनकर हमारे पढ़ने वाले जरूर अचरज में पड़ जायेंगे। चित्रागंदाजुन, कुरनार्जुन, अस्त्र शिक्षा। यह सब नाच कैसे ? सचमुच यह नाच नहीं हो सकते। हम अपने पाठकों को समझाने की कोशिश जरूर करेंगे, पर उन्हें ठीक ठीक आनंद तो उसी वक़्त आ सकता है जब वह उन नाचों को खुद मनीपुर जा कर देखें।

गाने-बजाने और नृत्य की कला मनीपुरियों में इतनी तरज्जी कर गई कि वह हर काम नाच गाकर करते हैं। इस नाच गाने के सहारे उनमें शिस्त इतनी बढ़ गई है कि उनका हर काम ऐसा मालूम होता है मानो कोई मशीन कर रही हो। मनीपुरी हर काम खूबी के साथ करते हैं, उसको कला का रूप दे देते हैं। हमने उनकी होली देखा। उनका प्रोग्राम नम के लिये फ़ाग है। प्रियादातर तो वह कला का ही भाग है। उसका वर्णन हम अलग से ही करेंगे।



बीच का। बड़ी से बड़ी लकड़ी और बोटों से बोटों लकड़ा, सबके सब, चरख कार्यों में इतना होशियार हैं और इतनी पूर्ति से काम करते हैं जितना एक ऐसा बच्चा, जिसने किसी मकदूर के वहाँ जन्म लिया हो। यह सब भिन्न कर क्या हमको कुछ भी काम करने देते थे ? इस बरस की लकड़ी जब हमारे लिये दूध लाती थी और उसमें शक्कर मिलाती थी तब देखते ही बनता था। उसके हाथ इस सफाई और रंग से चमकते थे कि यह नहीं कहा जा सकता था कि यह कि यह इस बरस की लकड़ी के हाथ हैं। किसी बच्चे के हाथ से कभी कोई चीज लिखते नहीं देखी। विस्तर बिछाना, हाथ धुलाना, बात पर सातुन लाकर रख देना, सातुन लाकर रख देना, कोई काम ऐसा न था जिसे घर के सब बच्चे खूबी के साथ न कर सकते हों। बच्चों के माँ बाप को बहुत कम हुक्म देने की जरूरत पड़ती थी। हमारा खयाल है माँ की नैरहाथिरी में भी हमें कोई विकल न होती। यह सूझरी बात है कि चार दिन में हमको कभी ऐसा मौका न मिला—कि घर की माताकिन नैरहाथिर हों।

नृत्य कला के लिये मनीपुर को मराहुर सुना था, देखा न था। वह कला दिखाने के लिये ही श्री कामाख्याराम जी हमें मनीपुर ले गये थे। होली का मौक़ा भी अच्छा ढूँढा गया था। हम 27 की शाम को मनीपुर पहुँच गये। 28 शाम को होली जलने बाकी थी। इच्छा हुई, होली जलने का तमाशा देखा जाय। आसम रास्ट्रभाषा प्रचार समिति के संचालक, श्री रजनीकांत चक्रवर्ती को साथ लेकर पंडित जी और हम होली देखने निकल पड़े। कुछ दूर चलने पर देखने को मिली, एक नई झाई हुई ओपसी। पूछने पर माहूम हुआ। होली के लिये वह ओपसी बनाई गई है। इसी में आग लगाई जायगी। वह सुनकर हमारा अचरज जाग गया। हम पूछ बैठे, “वह कैसी होली ?” पता चला:

मनीपुर है तो नागाओं का देश और वहां के रहने वाले नागा ही थे, पर अब वहां उतने नागा नहीं रह गये मनीपुरी अब बैरुनब हैं, अब से बैरुनब हैं, पता नहीं, राधा-कुरन के अकत हैं, और इसी सिक्कसिले में श्री गौरांगप्रसु के अकत हैं, उन्ही गौरांग प्रसु का जन्म दिन वह होली के दिन से मनाते हैं.

मन्त्रीपुरियों की होती वही वस्तु जलती है जिस वस्तु और लोगों की। यह पहले कहा जा चुका है कि लकड़ियों का डेर लगाने की जगह मन्त्रीपुरी बाँलों की एक चौकोर कुटी फैला करते हैं जिस पर फूस का छप्पर लगा होता है। कुटी की दिवारों पर भी फूस लगा रहता है। दोस्त जलने से पहले वह मोहल्ले के लोग सबके अपने अपने हुए माते-मामने हाथों लेकर उस कुटी के आस-पास हैं। उस कुटी में तीखी मनु की सुरत होती है। बसकी वह पूजा करते हैं।

پانچ لاکھ روپے لڑکی اور چھوٹے سے چھوٹا لڑکا سب کے  
سب گھر والوں کا سر میں اٹھ کر بیٹھا ہوں اور انٹی پڑتی  
ہیں۔ کام کرتے ہیں جتنا لوگ ایسا بچہ جس نے کسی  
مستور کے پہلی چٹم لیا ہو۔ یہ سب مل کر کیا ہنکو کچھ  
بوں کام کرتے دیکھتے تھے؟ نس برس کی لڑکی جب ہمارے  
لئے سودھ لاتی تھی اور اُس میں شکر ملتی تھی تب دیکھتے  
ہی بھٹتا تھا۔ اُس کے ہاتھ اس صفائی اور قلعہ کے چلتے  
تھے کہ یہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ نس برس کی لڑکی  
کے ہاتھ ہیں۔ کسی بچہ کے ہاتھ سے کبھی کوئی چھوڑ  
نہیں دیکھی۔ بستر بچھتا، ہاتھ دھونا، دلت پر  
صابن لا کر رکھ دینا، دانتی لا کر رکھ دینا، کوئی کام ایسا نہ  
تھا جسے گھر کے سب بچہ خوبی کے ساتھ نہ کر سکتے  
ہوں۔ بچوں کے ماں باپ کو بہت کم حکم دینے کی ضرورت  
پڑتی تھی۔ ہمارا خیال ہے ماں کی فہر حاضر میں بھی  
ہمیں کوئی دلت نہ ہوتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ چار  
لکھ میں ہنکو کبھی ایسا موقع نہ ملا کہ گھر کی مالکین  
فہر حاضر میں۔

نرتوتہ کے لئے لکھ ملی پور کو مشہور صفا تھا، دیکھا نہ  
تھا۔ یہ کلا دکھانے کے لئے ہی شری کاسانکھا رام جی ہمیں  
ملی پور لے گئے تھے۔ ہولی کا موقعہ بھی اچھا نہونکھا  
گیا تھا۔ ہم 27 کی شام کو ملی پور پہنچ گئے تھے۔ 28  
کی شام کو ہولی چلنے والی تھی۔ اچھا ہوئی ہولی چلنے  
کا تہانہ دیکھا جائے۔ اہم داشتہ پھانسا پر چار سمیٹے کے  
سندھانک شری وچلی گاتے چکرورتی کو ساتھ لے کر پختہ  
جی آؤر ہم ہولی دیکھنے نکل پڑے۔ کچھ دور چلنے پر  
دیکھنے کو ملی، ایک لگی چھائی ہولی چھوڑی۔ پوچھنے  
پر معلوم ہوا ہولی کے لئے یہ چھوڑی بنائی گئی تھی۔  
اسی میں آگ لگائی جائے گی۔ یہ سن کر ہمارا اچرچ  
جاگ گیا۔ ہم پوچھ پتھے، ”یہ کھسی ہولی؟“ پتہ چلا!

سنی پور سے نو ناکوں کا دیسی اور یہاں کے دھلے والے  
 ناکا ہی تھے۔ پڑ اب یہاں آئے ناکا نہیں رہ گئے۔ سنی پوری  
 سب دیشلو میں، غیب سے دیشلو میں پتہ نہیں۔ رادھا  
 کرشن کے ہیکٹ میں اور اسی سلسلے میں شری گورانگ  
 پورو کے ہیکٹ میں۔ انہیں گورانگ پورو کا چلم دس پتہ  
 مولی کے نام سے مانتے ہیں۔

[illegible]



[illegible]

ہم آسام کے شکشا سیکری سے باتیں کر رہے تھے کہ  
بلذت سندو قال جی کو آسام کے گورنر شری جی رام  
عاس ودلیف رام کا بقوا مل گیا۔ بلذت جی جب  
گورنر صاحب آدر چیف مسٹر سے مل کر لوگ تب پتہ  
چلا کہ ناگ پہاڑوں میں کوہما جانے کے لئے پرمٹ کی  
میں پڑی ہے۔ ویسا پرمٹ ہی وہ چیف مسٹر سے  
لے آئے تھے۔ کوہما میں پور پرائٹ اور آسام ریاست کے  
بھیج کی ایک پہاڑی ہے۔ 900 فٹ اونچی ہے اسی سے لگی  
ایک دس ہزار فٹ اونچی پہاڑی جو جس پر چوہ کر  
جائے انہوں سے انگریزی فوج پر حملہ کیا گیا۔ اسی کوہما  
سے 86 میل دور میں پور کی راجدھانی، اسہمال ہے۔ میں پور  
ریاست میں داخل ہونے کے لئے یا اسہمال جانے کے لئے  
کسی پرمٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسہمال آدر کلکتہ  
کے بھیج عوانی جہاز کا راستہ ہی ہے۔ کلکتہ سے اسہمال  
تک کا فاصلہ جہاز کا کرایہ 5 روپے ہے۔

ملی پور چھوٹا لشکر پرواست ہے۔ اسکی حد ہرما سے  
ملی ہوئی ہے۔ آسام کا تو یہ حال ہے کہ اسکی حد ہرما  
چھوٹا نہال ہووان اور پادستان پانچوں سے ملی ہوئی  
ہے۔ ملن پور گانمہو کی طرح میدان میں ہرما ہے۔  
انہال نام کی ایک ندی ہے جو ملی پور پرواست کے  
پہلے زمین کو تر بہتی ہے۔ 31-0: ملن کو یہ ندی پہاڑ  
کو اٹھ کر ہرما میں جا داخل ہوئی ہے۔

مہلی پور کے دروازے میں شہری کا ساٹھواں دھام جی ہمارے  
ساتھ تھا۔ (اچھا! میں انہوں نے مسکراہٹیں بھیجی کا  
پہچان پہنچا۔ جسے وہ ہم نے ان کی ہتھوڑے مکان میں  
گھس دیا تھا۔ وہاں وہی شہری کا ساٹھواں دھام جی نے سب سے پہلی  
ہاتھ جو ہمیں باندھ رہا تھا، ہٹا دیا۔ اس گھر میں کوئی  
نوکری نہیں ہے۔ میں تو ہمیں نوکریوں سے کام لینے کی عادت  
نہیں، پر یہ سن کر وہ بے آواز ہو کر کام لے لگے اچھے میں کو  
نکال کر لیا۔ پر تو درجہ ملت ہے ہی میں یہ مستحسن  
ہونے لگا کہ ہم ایک ایسے گھر میں ہیں جہاں ایک نہیں  
آگے لوگو ہمارے سوا تو کیا ہوں۔ شہری کا ساٹھواں دھام جی  
کے سامنے انجمن ہوں۔ ہزار روپے نقد فراہم پاتے ہوں، پر  
ان کی دھرم پٹلی، پہلی شہری کا ساٹھواں دھام جی، چھٹا  
چچ کی لڑکی، سارے گھر کا کام اتنی اچھی طرح سنبھالے  
ہوئے تھے جتنی اچھی طرح ایک سہارا جن آواز دو گھر ان  
میں نہیں سنبھال سکتے۔ ان نے چار لوہاں اردو نوکری  
میں۔ سب سے بڑی لڑکی ہندوہ برس کی ہے، سب سے  
چھوٹی تو برس کی۔ سب سے بڑا لڑکا آٹھ اور سب سے چھوٹا



दूसरे दिन हम लोग बशिरठ आश्रम देखने गये, यह आश्रम मोहादी से कुछ मील दूर है, कुवरती नदरे वहाँ एक से बियादा मौजूद हैं, जी चाहता है उन्हें घंटों, हफ्तों, महीनों देखा जाय पर पता लगा, तदुस्तती के लिहाज से यह जगह इतना खराब है कि वहाँ तीन दिन रह कर भी शायद ही कोई बुखार से बच सके.

बशिरठ आश्रम बशिरठ जी की एक पुरानी यादगार है बशिरठ जी के नाम से एक मंदिर बना हुआ है उस मंदिर में बशिरठ जी की एक मूर्ति है जिसके दर्शन दिन में भी वरौर दीपक नहीं हो सकते मंदिर के सामने का वालान भूकंप में टूट गया था उस पर टीन बाल कर मरम्मत कर ली गई है उसके नाचे कुछ और मूर्तियाँ भी बिगाजमान कर दी गई हैं, वहाँ एक पुजारी रहता है जो उस मंदिर की देख रेख करता है और पूजा भी करता है, इस मंदिर या आश्रम से लगी तीन धाराएँ बहती हैं, हर एक धारा कुछ डेढ़ फुट से बियादा चौड़ी नहीं, यों समझिये कि प्रकृति ने ने पत्थर कट कर तीन नानी निकाल दी हैं जो आगे जा कर एक कुंड में मिलती हैं, और नदी का रूप ले लेती हैं.

आसाम वासियों ने प्रकृति से भक्ति दिखा कर उन धाराओं और कुंड के नाम रख दिये हैं, संध्या, ललिता, कांता और कुंड को असृत कुंड कह कर बोलते हैं, कुंड और धाराएँ तीन तरफ ऊँची पहाड़ी से घिरी हैं, एक तरफ एक कम ऊँची पहाड़ी है, उधर से आने जाने का रास्ता है, इस कुंड पर साल में एक से बियादा बार मेले लगते हैं.

24 फरवरी को हम लोग शिलांग पहुंच गये, रास्ते में हमकी एक मदरासी सज्जन मिल गये, मालूम हुआ, यह बरसों से आसाम प्रान्त में काम कर रहे हैं, आसामी बोली येसे ही बोल लेते हैं जैसे मानो इनकी अपनी बोली हो, आसाम के शिक्षा मंत्री के बगले के पास इनका बंगला था, इन्हीं के वहाँ हम लोगों ने खाना खाया, इनके बाल बच्चों से हम इतने हिल मिल गये कि हमको यह मालूम होने लगा कि हम अपने घर में बैठे हैं, इनके बच्चे कुछ कुछ हिन्दी बोल लेते हैं, बच्चों की माँ खुद हिन्दी समझती हैं और बोलती हैं, मदरासी सज्जन अपनी बोली तो जानते ही हैं, बांग्लादेश के पंडित हैं ही, पर हिन्दी और आसामी भी इतनी अच्छी जानते हैं कि अचानक कोई आसामी या बांग्लादेश का रहने वाला इन्हें मदरासी नहीं कह सकता.

शिलांग से तीस मील दूर हमारे देश का विरापूजी नामी यह कस्बा है जो अपनी बरसा के लिये दुनिया में मशहूर है, वहाँ साल भर में दो सौ अस्सी इंच तक बरसा हो जाती है, यहाँ के जो दस इंच लंबे केले खाने में बहुत अच्छे मालूम होते हैं, शिक्षा विभाग के डिपटी बायरेक्टर सरस्वती कुमारेन्द्र ने हमारे लिये यह केले खास तौर से

दोसरे दिन हम लोग बशिरठ आश्रम देखने गये, यह आश्रम मोहादी से कुछ मील दूर है, कुवरती नदरे वहाँ एक से बियादा मौजूद हैं, जी चाहता है उन्हें घंटों, हफ्तों, महीनों देखा जाय पर पता लगा, तदुस्तती के लिहाज से यह जगह इतना खराब है कि वहाँ तीन दिन रह कर भी शायद ही कोई बुखार से बच सके.

बशिरठ आश्रम बशिरठ जी की एक पुरानी यादगार है बशिरठ जी के नाम से एक मंदिर बना हुआ है उस मंदिर में बशिरठ जी की एक मूर्ति है जिसके दर्शन दिन में भी वरौर दीपक नहीं हो सकते मंदिर के सामने का वालान भूकंप में टूट गया था उस पर टीन बाल कर मरम्मत कर ली गई है उसके नाचे कुछ और मूर्तियाँ भी बिगाजमान कर दी गई हैं, वहाँ एक पुजारी रहता है जो उस मंदिर की देख रेख करता है और पूजा भी करता है, इस मंदिर या आश्रम से लगी तीन धाराएँ बहती हैं, हर एक धारा कुछ डेढ़ फुट से बियादा चौड़ी नहीं, यों समझिये कि प्रकृति ने ने पत्थर कट कर तीन नानी निकाल दी हैं जो आगे जा कर एक कुंड में मिलती हैं, और नदी का रूप ले लेती हैं.

आसाम वासियों ने प्रकृति से भक्ति दिखा कर उन धाराओं और कुंड के नाम रख दिये हैं, संध्या, ललिता, कांता और कुंड को असृत कुंड कह कर बोलते हैं, कुंड और धाराएँ तीन तरफ ऊँची पहाड़ी से घिरी हैं, एक तरफ एक कम ऊँची पहाड़ी है, उधर से आने जाने का रास्ता है, इस कुंड पर साल में एक से बियादा बार मेले लगते हैं.

24 फरवरी को हम लोग शिलांग पहुंच गये, रास्ते में हमकी एक मदरासी सज्जन मिल गये, मालूम हुआ, यह बरसों से आसाम प्रान्त में काम कर रहे हैं, आसामी बोली येसे ही बोल लेते हैं जैसे मानो इनकी अपनी बोली हो, आसाम के शिक्षा मंत्री के बगले के पास इनका बंगला था, इन्हीं के वहाँ हम लोगों ने खाना खाया, इनके बाल बच्चों से हम इतने हिल मिल गये कि हमको यह मालूम होने लगा कि हम अपने घर में बैठे हैं, इनके बच्चे कुछ कुछ हिन्दी बोल लेते हैं, बच्चों की माँ खुद हिन्दी समझती हैं और बोलती हैं, मदरासी सज्जन अपनी बोली तो जानते ही हैं, बांग्लादेश के पंडित हैं ही, पर हिन्दी और आसामी भी इतनी अच्छी जानते हैं कि अचानक कोई आसामी या बांग्लादेश का रहने वाला इन्हें मदरासी नहीं कह सकता.

शिलांग से तीस मील दूर हमारे देश का विरापूजी नामी यह कस्बा है जो अपनी बरसा के लिये दुनिया में मशहूर है, वहाँ साल भर में दो सौ अस्सी इंच तक बरसा हो जाती है, यहाँ के जो दस इंच लंबे केले खाने में बहुत अच्छे मालूम होते हैं, शिक्षा विभाग के डिपटी बायरेक्टर सरस्वती कुमारेन्द्र ने हमारे लिये यह केले खास तौर से



[illegible]

دیہی کے مندر کے دروازے پر جب ہم پہنچے تب  
دیہی کا گائیکہ رام جی ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہنسی بھرتی  
اور ہر دم سے اپنا گائیکہ دوار کی تہنوی پر تھکا 'اور' پلٹت  
جی اور مجھے اندر چلنے کے لئے کہا۔ شروع میں پلٹت  
مندر لال جی کچھ تھکے اندر نہ چلنے کے کچھ کارن  
تھکے پر چلتی راضی ہو گئے۔ ہم تینوں مندر میں داخل  
ہوئے۔ ہمارے دائیں طرف کے چھوٹے پر بکروں کے تھن  
سے کتے بڑے تھے۔ پھر وہ راس سے سوچنے لگا اور کسی طرح  
نہ مان پاتا کہ وہ ایک دیہی کے مندر میں ہیں۔ پلٹت  
مندر لال جی پر دانتی نراسی ہو جی نہیں 'سن 1921  
سے نراسی ہو جی ہیں۔ ہم پھدانتی نراسی ہو جی  
ہیں' پر ہم دیکھتے تھے کہ پلٹت جی کے دل پر 'ان کتے  
سبوں کے دکھاوے کا ہم سے زیادہ اثر تھا۔ ان کا چہرہ اس اثر  
کو صاف پتلا معلوم ہوتا تھا۔

ملندر میں کچھ ہی آگے بڑھنے پر دن میں رات ہو گئی۔  
 مجھے کم دکھائی دیتا ہے، میرے لئے چلنا مشکل ہو گیا۔  
 آگے تو کامیابوارام جی، اُن نے پہچھے تو ہفتت ملندر لال  
 جی اور ہفتت جی پکڑے ہوئے تھے میرا ہاتھ اور میں تھا  
 سب کے پیچھے۔ ملندر میں اندھیرے کے ساتھ ساتھ بھڑو  
 بھی لگی تھی۔ جہوں تھیں کر ہم اُس جگہ پہنچے جسے  
 ملندر کی رہنسی کہا جاسکتا ہے وہاں دھبک چل رہا تھا،  
 پر ہم کچھ نہ دیکھ پائے۔ ہفتت جی کے منہ سے یہ پتہ چلا  
 کہ وہاں اُس طرح لنگ کی استعمالیات تھی جس طرح  
 شہر جی کے ہر ملندر میں پائی جاتی ہے۔ وہاں کامیابوارام  
 کی کوئی ضرورت تھی یا نہیں اِس کا پتہ نہ لگ پایا۔  
 ہم نے کسی سے پوچھا بھی نہیں۔ وہاں سے من بھاری لئے  
 ہم لوٹ آئے۔ بہت کچھ سوچنے پر بھی یہ طے نہ کر پائے  
 نہ ہوسٹیں صدی میں اِس طرح کے ملندر اور اِس طرح  
 کی پوجا کہاں تک ضروری ہے؟

مسلماً یہ باتوں کے ہر پاس ہی کچھ کہیں دانہ چمکتے  
مسلماً ان کے بارے میں سوچنے پر یہ پتہ چلا کہ دھوبی پر  
کہوتوں کی بھی مٹی نہ جاتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ  
کاشانی دھوبی پر لکھتے بھی مٹی نہ جاتے تھے۔



## مندیپور اور کلا

27 برس کی عمر سے میں غمناک رہا ہوں۔ ہندوستان کے تین کونے نہیں، سات کونے چوم چکا ہوں۔ پورب کا آٹھواں کونا بچا ہوا تھا یا اس کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ پندت سوندرلال جی کو اسام راجہ پرچار سمیٹتی کا بولنا تھا۔ ساتھ ساتھ میرے لئے بھی بولنا آ رہی تھی۔ ہم دونوں چل دیے۔ اور کلا کلاہارام جی کے 'گوجالی' میں 'مہمان' ہوئے۔ کلاہارام جی مندیپور اسٹیشن میں چھٹے چیمبر کے لئے۔ 22 فروری کو کلاہارام جی ہم کو کلاہارام دیوی کا مندر دکھانے لے گئے۔

کلاہارام دیوی کا مندر برہم پتر کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر ہے۔ اس پہاڑی کی ایک چوٹی سے برہم پتر کا درخت دیکھتے ہی ہلتا ہے۔ برہم پتر کی لہروں میں تھیں تاہم اتنے سہانے دکھائی دیتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ انہیں میں سے کسی ایک میں لگی ہوا کر رہا جائے۔ دوسری چوٹی پر دیوی کا مندر ہے۔ ہم جیسے ہی دیوی کے مندر کے باہری دروازے پر پہنچے وہاں سے دیکھتے کیا ہیں دو جوان لوگ ایک بکرے کی ٹانگوں پر بکڑے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ بالکل پاس آئے تب پتہ لگا کہ وہ بکڑا ہے سر کا تھا، اس کا سر دیوی کی پوجا کے لئے تھا۔ یہ درخت دیکھ کر ہلکے سے میں میں جو چار دوڑ گئے انہیں لہجہ لہجہ میں ہم کچھ حرج نہیں سمجھتے؟

دنیائے 'کریب کریب' سب महापुरुषों کی زندگی ہم نے سیر سے پڑی ہے۔ کسی کی زندگی سے ہم اس نئی چیز پر نہیں پہنچتے کہ سیر کتے بکرے کا جو درخت ہم نے دیکھا وہ کسی کی زندگی سے مل گیا تھا۔ ہر وہ چھوٹی چاہے مہمان سوامی کی ہو، بدھ بھگوان ہو، حضرت عیسیٰ کی ہو یا حضرت محمد کی۔ سب مہمانوں نے اعلیٰ کے اعلیٰ دیا۔ جہاں تک ہیں سب اعلیٰ کو روکا آئے دیوی اور سر کے انبار ہر مہمانوں نے اعلیٰ کے کم کر لے اور اس کی ضرورت کو کھاتے ہیں کوئی ہمت نہ آتا وہیں۔ مہمان کے انویائی دھرم کو لے کر سر پہنچا کر لیتے ہیں۔ یہی حال بدھ کے پیروں کا ہے۔ عیسیٰ کے انویائی دھرم کو لے کر کتے ہلے کھا چکے ہیں، اس کا تھکانہ نہیں۔ محمد کے انویائی اس میں جس طرح لوگ رہے ہیں وہ کسی سے چھپا نہیں۔ آج بھی پاکستان میں قادیانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ کھانا نہیں جو حضرت محمد کے چہرے جی کسی طرح کھانا کھاتا۔

27 برس کی عمر سے میں غمناک رہا ہوں۔ ہندوستان کے تین کونے نہیں، سات کونے چوم چکا ہوں۔ پورب کا آٹھواں کونا بچا ہوا تھا یا اس کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ پندت سوندرلال جی کو اسام راجہ پرچار سمیٹتی کا بولنا تھا۔ ساتھ ساتھ میرے لئے بھی بولنا آ رہی تھی۔ ہم دونوں چل دیے۔ اور کلا کلاہارام جی کے 'گوجالی' میں 'مہمان' ہوئے۔ کلاہارام جی مندیپور اسٹیشن میں چھٹے چیمبر کے لئے۔ 22 فروری کو کلاہارام جی ہم کو کلاہارام دیوی کا مندر دکھانے لے گئے۔

کلاہارام دیوی کا مندر برہم پتر کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر ہے۔ اس پہاڑی کی ایک چوٹی سے برہم پتر کا درخت دیکھتے ہی ہلتا ہے۔ برہم پتر کی لہروں میں تھیں تاہم اتنے سہانے دکھائی دیتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ انہیں میں سے کسی ایک میں لگی ہوا کر رہا جائے۔ دوسری چوٹی پر دیوی کا مندر ہے۔ ہم جیسے ہی دیوی کے مندر کے باہری دروازے پر پہنچے وہاں سے دیکھتے کیا ہیں دو جوان لوگ ایک بکرے کی ٹانگوں پر بکڑے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ بالکل پاس آئے تب پتہ لگا کہ وہ بکڑا ہے سر کا تھا، اس کا سر دیوی کی پوجا کے لئے تھا۔ یہ درخت دیکھ کر ہلکے سے میں میں جو چار دوڑ گئے انہیں لہجہ لہجہ میں ہم کچھ حرج نہیں سمجھتے؟

دنیائے 'کریب کریب' سب महापुरुषों کی زندگی ہم نے سیر سے پڑی ہے۔ کسی کی زندگی سے ہم اس نئی چیز پر نہیں پہنچتے کہ سیر کتے بکرے کا جو درخت ہم نے دیکھا وہ کسی کی زندگی سے مل گیا تھا۔ ہر وہ چھوٹی چاہے مہمان سوامی کی ہو، بدھ بھگوان ہو، حضرت عیسیٰ کی ہو یا حضرت محمد کی۔ سب مہمانوں نے اعلیٰ کے اعلیٰ دیا۔ جہاں تک ہیں سب اعلیٰ کو روکا آئے دیوی اور سر کے انبار ہر مہمانوں نے اعلیٰ کے کم کر لے اور اس کی ضرورت کو کھاتے ہیں کوئی ہمت نہ آتا وہیں۔ مہمان کے انویائی دھرم کو لے کر سر پہنچا کر لیتے ہیں۔ یہی حال بدھ کے پیروں کا ہے۔ عیسیٰ کے انویائی دھرم کو لے کر کتے ہلے کھا چکے ہیں، اس کا تھکانہ نہیں۔ محمد کے انویائی اس میں جس طرح لوگ رہے ہیں وہ کسی سے چھپا نہیں۔ آج بھی پاکستان میں قادیانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ کھانا نہیں جو حضرت محمد کے چہرے جی کسی طرح کھانا کھاتا۔

ہم مندیپور میں کھڑے ہوئے اور اپنے کانپے پاؤں سے آگے بڑھے۔ دیوی کے مندر کے پاس پر پہنچنے سے پہلے ہمیں ایک



## शीशों का मसीहा कोई नहीं

जो हाथ बदे याबर है यहाँ  
जो आँख उठे वह बस्तावर  
यां धन दौलत का अन्त नहीं  
हों घात में डाकू लाख मगर

कब छट मरट से हस्ती की  
दूकानें खाली होती हैं  
यां पर्वत पर्वत हीरे हैं  
यां सागर सागर मोती हैं

कुछ लोग हैं जो इस दौलत पर  
पर्वें छटकाते फिरते हैं  
हर पर्वत को, हर सागर को  
नीलाम चढ़ाते फिरते हैं

कुछ वह भी हैं जो लड़ मिड़ कर  
वह परदे नोच गिराते हैं  
हस्ती के उठाईगीरों की  
हर बाल बलकाए जाते हैं

इन दोनों में रन पड़ता है  
नित बस्ती बस्ती, नगर नगर  
हर बस्ते घर के सीने में  
हर चलती राह के माथे पर

यह कालिक भरते फिरते हैं  
वह जोत जगाते रहते हैं  
यह भाग लगाते फिरते हैं  
वह भाग बुझाते रहते हैं

सब सागर शीशे, लाल गोहर  
इसी बाखी में बंद जाते हैं  
जो सब खाली हाथों को  
इस रन से बुलावे धाते हैं.

—'दस्ते-सबा' से

## कुछ लोग हैं जो इस दौलत पर

जो हाथ बदे याबर है यहाँ  
जो आँख उठे वह बस्तावर  
यां धन दौलत का अन्त नहीं  
हों घात में डाकू लाख मगर

कब लूट जेबों से हस्ती की  
दुकानें खाली होती हैं  
यां पर्वत पर्वत हीरे हैं  
यां सागर सागर मोती हैं

कुछ लोग हैं जो इस दौलत पर  
पर्वें छटकाते फिरते हैं  
हर पर्वत को, हर सागर को  
नीलाम चढ़ाते फिरते हैं

कुछ वह भी हैं जो लड़ मिड़ कर  
वह परदे नोच गिराते हैं  
हस्ती के उठाईगीरों की  
हर बाल बलकाए जाते हैं

इन दोनों में रन पड़ता है  
नित बस्ती बस्ती, नगर नगर  
हर बस्ते घर के सीने में  
हर चलती राह के माथे पर

यह कालिक भरते फिरते हैं  
वह जोत जगाते रहते हैं  
यह भाग लगाते फिरते हैं  
वह भाग बुझाते रहते हैं

सब सागर शीशे, लाल गोहर  
इसी बाखी में बंद जाते हैं  
जो सब खाली हाथों को  
इस रन से बुलावे धाते हैं.

—'दस्ते-सबा' से

याबर = मयदगार, बस्तावर = भाग्यवान, रन पड़ता है =  
संघर्ष होता है.

याबर = मयदगार, बस्तावर = भाग्यवान, रन पड़ता है = संघर्ष

होता है.



तुम मस्तक जमाती में जिनसे  
खिलाबत को समाया करते थे

जमाती, एकतरफ़, झूक और घम  
इन सपनों से दफ़राते रहे  
वे रहन या चौ मुल फ़राव  
वह ख़ाब के हाँचे क्या करते

या शायद इन ज़रों में कहीं  
मोती है तुम्हारी इच्छा का  
वह जिससे तुम्हारे इच्छा पे भी  
कमकाम ज़रों ने ररक किया

इस माल की धुन में फिरते थे  
ताज़िर भी बहुत, रहज़न भी कई  
हैं चोर नगर, यां मुफ़लिस की  
गर जान बची तो ब्याल गई

यह सागर शीशे, लाल-बो-गौहर  
साक्षिम हों वो क़ीमत पाते हैं  
वू ठुक्के ठुक्के हो तो फ़ातत  
चुम्कते हैं, यह बसबाते हैं

तुम नाहक़ शीशे चुन चुन कर  
दामन में छिपाए बैठे हो  
शीशों का मसीहा कोई नहीं  
क्या आस लगाए बैठे हो.

बावों के गरीबानों के रफू  
पर दिल की गुज़र कब होती है  
एक बख़िया उबेड़ा, एक सिया  
वू कब बसर कब होती है

इस कार गहे हस्ती में जहां  
यह सतार, शीशे बलते हैं  
हर सै का बदल मिल सकता है  
सब दामन पुर हो सकते हैं

तुम मस्तक जमाती में जिनसे  
खिलाबत को समाया करते थे

ناداری، دلتو، بویک اور غم  
ان سہنوں سے ٹکراتے رہ  
یہ دھم تھا چومکے پتھرا  
یہ کالج کے تھانے کیا کرتے

یا شاید ان ذروں میں کہیں  
موتی ہے تمہاری موت کا  
وہ جس سے تمہارے معجز پہ بھی  
شہداد تمہوں نے دھک لگا

اس سال کی دھن میں پھرتے تھے  
ناچر بھی بہت، دھڑان بھی کئی  
ہے چور نگر، یاں مفلس کی  
گر جان بچی تو آن کئی

یہ سافر شہم، قل و کھر  
سالم ہیں تو لہست پاتے ہیں  
ہوں ٹکڑے ٹکڑے ہیں تو لفظ  
چمکتے ہیں، لہو دلاتے ہیں

تم ناحق شہم جن جن کر  
دامن میں چبھائے ہوئے ہو  
شہمیں کا سمجھا توئی نہیں  
کیا اُس لکائے ہوئے ہو

یادیں کے گہرے ان کے دلو  
پر دل کی لڈر کب ہوتی ہے  
اک ہضمہ اُدھوا، ایک سہا  
ہوں عمر بسر کب ہوتی ہے

اس کار کبہ ہستی میں جہاں  
یہ سافر شہم قلعے میں  
ہر شہ کا بدل مل سکتا ہے  
سب دامن پر ہو سکتے ہیں

खिलाबत = एकतरफ़; जमाती = गरीबी; इच्छा = लाचारी;  
रहज़न = बहक; मोहर = मोती; गरीबान = कुर्ता; कारगुहस्ती  
= दुनिया; बाव = बीब; बदल = बदल; पुर = अदे;

खिलाबत = لڑکھٹ; ناداری = غریبی; معجز = لچاری;  
موتی = موت; لڈر = لڑائی; کارگہستی = دنیا;  
شہ = چمڑ; بدل = بدلہ; پر = پھرے;



پیشکش کیلئے

پرائمری اسکول

24 NOV 1953

# نیا ہند

جلد 14 مئی '53 نمبر 5 نمبر 8 مئی، سن '53 جلد 14

جانتا بھارتی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھیلے گا ہر طرف لیے پریم کی جھولی۔

جانتا آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھیلے گا ہر گھر لیے پریم کی جھولی۔

## شیشوں کا مسمیٰ کوئی نہیں

(فخر احمد 'فخر')

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ در  
جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا  
کب لکھیں سے، جو سکتا ہے  
جو ٹوٹ گیا، سو چھوٹ گیا

تو نہا کر ڈھکے چن چن کر  
دامن میں چھپا کر بیٹھ گیا  
شیشوں کا مسمیٰ کوئی نہیں  
کچھ بچا لگا کر بیٹھ گیا

شاید کہ انہوں نے کبھی  
بھ سارے دیکھ ہے جس میں کبھی  
سب بچا سے اتر کر رہی  
کچھ بچا لگا کر رہی

فخر دنیا والوں نے تو سے  
بھ سارا لے کر پھینک دیا  
جو مے ہی بھائی کی مٹی میں  
مسمیٰ کا بھ پر تو دیا

یہ رنگین دھڑے ہیں شاید  
ان شمع بلوریں ہیں

## شیشوں کا مسمیٰ کوئی نہیں

(فخر احمد 'فخر')

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ در  
جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا  
کب لکھیں سے، جو سکتا ہے  
جو ٹوٹ گیا، سو چھوٹ گیا

تو نہا کر ڈھکے چن چن کر  
دامن میں چھپا کر بیٹھ گیا  
شیشوں کا مسمیٰ کوئی نہیں  
کچھ بچا لگا کر بیٹھ گیا

شاید کہ انہوں نے کبھی  
بھ سارے دیکھ ہے جس میں کبھی  
سب بچا سے اتر کر رہی  
کچھ بچا لگا کر رہی

فخر دنیا والوں نے تو سے  
بھ سارا لے کر پھینک دیا  
جو مے ہی بھائی کی مٹی میں  
مسمیٰ کا بھ پر تو دیا

یہ رنگین دھڑے ہیں شاید  
ان شمع بلوریں ہیں

در = موتی، ص = شیشہ، گلاب = گلاب، شمع = شمع،  
بلوریں = بلوریں، شمع = شمع، بلوریں = بلوریں

در = موتی، ص = شیشہ، گلاب = گلاب، شمع = شمع،  
بلوریں = بلوریں، شمع = شمع، بلوریں = بلوریں



“नया हिन्द”

## हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

का

### माहवारी परचा

मई 1953 मئی

“نہا ہند”

## ہندستانی کلچر سوسائٹی

کا

### ماہواری پرچا

نیا کس سے	صفحہ نمبر	نیا کس سے
1- شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں (کویتا) — فاض احمد 'فاض'	227	1- شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں (کویتا) — فاض احمد 'فاض'
2- مانیپور اور کلا - भगवानदीन 'हिन्दुस्तानी शब्दशाला' का छटा अमूल: शब्द जांझों व त. जुमे डाक्टर ज. फ. हसन	230	2- मनीपुर और कला - भगवानदीन 'हिन्दुस्तानी शब्दशाला' का छटा अमूल: शब्द जांझों व त. जुमे डाक्टर ज. फ. हसन
3- अम्मा! बबू जी कहाँ हैं? — (कहानी) के. सरस्वती अम्मा	241	3- हिन्दुस्तानी शब्दशाला का छटा अमूल: शब्द जांझों व त. जुमे डाक्टर ज. फ. हसन
4- खादी बोर्ड, सरकार और खादी सुरेश रामभाई...	247	4- अम्मा! बबू जी कहाँ हैं? — (कहानी) के. सरस्वती अम्मा
5- खेती बारी के औजार — एक समस्या चन्द्रमा सिंह वर्मा	255	5- खादी बोर्ड, सरकार और खादी सुरेश रामभाई...
6- बीकानेर में भयानक अकाल — ज्ञानेन्द्र प्रसद जैन...	260	6- खेती बारी के औजार — एक समस्या चन्द्रमा सिंह वर्मा
7- पूरबी अफ्रीका का समाज — राम किशोर	262	7- बीकानेर में भयानक अकाल — ज्ञानेन्द्र प्रसद जैन...
8- शान्ति आन्दोलन — डाक्टर जे. सी. कुमारस्वा	267	8- पूरबी अफ्रीका का समाज — राम किशोर
9- जंग न होने पाए — (कविता) नरेश कुमार 'शार्'	271	9- शान्ति आन्दोलन — डाक्टर जे. सी. कुमारस्वा
10- प्रवासी की डायरी — प्रवासी	275	10- जंग न होने पाए — (कविता) नरेश कुमार 'शार्'
11- कुछ किताबें	276	11- प्रवासी की डायरी — प्रवासी
12- हमारी राय —	283	12- कुछ किताबें
हम में क्या कमी है? — सुन्दरलाल; इन्द्रप्रस्थ कालेज और चपल साजी - भगवानदीन; राजदूत आम्बिका अली का रथो — भगवानदीन; दो सर्टिफिकेट — सुरेश रामभाई; आइजनाहावर का शान्ति सुभाव — मुजीब रिजवी	285	13- हमारी राय —

हीमन — हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल. एक परचा दस आने.

मैनेजर

'नया हिन्द'

145, सुदीर्गज, इलाहाबाद.

हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल. एक परचा दस आने.

मैनेजर

'نہا ہند'

145، متھی کالج، الہ آباد



# नया हिन्दुस्तान

एडिटर—ताराचंद, भगवानदीन, मुखफर हसन, बिसम्बर नाथ, सुन्दरलाल

अध्यक्ष—ताराचंद, बेगवान दीन, मظهر हसन, बहमन नाले, सदरत

नायब एडिटर—सुरेश रामभाई, मुनीब रिजवी, नालब अधिक्—सुरेश राम भाई, मुखबि अधिक्

\*\*\*\*\*

★ मनीपुर और कला—भगवानदीन

★ मनीपुर और कला—भगवानदीन

★ खादी बोर्ड, सरकार और खादी—सुरेश रामभाई

★ खादी बोर्ड, सरकार और खादी—सुरेश रामभाई

★ बीकानेर में भयानक अकाल—ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन

★ बीकानेर में भयानक अकाल—ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन

★ शान्ती आन्दोलन—डॉक्टर जे. सी. कुमारस्वामी

★ शान्ती आन्दोलन—डॉक्टर जे. सी. कुमारस्वामी

हमारी राय

हमारी राय

★ हम में क्या कमी है?—सुन्दरलाल

★ हम में क्या कमी है?—सुन्दरलाल

★ राजदूत आम्बिक अली की रथी—भगवानदीन

★ राजदूत आम्बिक अली की रथी—भगवानदीन

★ दो सर्टिफिकेट—सुरेश रामभाई

★ दो सर्टिफिकेट—सुरेश रामभाई

★ आइज़नहावर का शान्ति मुकाव—मुनीब रिजवी

★ आइज़नहावर का शान्ति मुकाव—मुनीब रिजवी



## झंकार

सम्पादक—श्री रघुपति साहाय 'किराक'

## جهنگار

سہاؤفک—عربی دکنہ دہلی سہائے 'فراق'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याती दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सच्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है. आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और बसल व किराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों कलक मिलता है.....सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय है..."

23-2-52

—रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहा तक भाव का सम्बन्ध है कविता में उच्चस्तर की है."

6-3-52

—'विशाल भारत' कलकत्ता

"झंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से आत प्रोत हैं."

17-2-52

—नव भारत टाइम्स' दिल्ली.

"हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह को अनन्त लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है"

13-1-52

—'अमृत पत्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, तात्त्विकता और सूत्र के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर भरल और बामशायर है. कहीं कहीं तो ये हिन्दी है."

8-5-52

—'जीवन साहित्य' दिल्ली

"झंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है"—'नया समाज' कलकत्ता नागरी लिखाबट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराख. उम्दा. छपाई बाम सिक तीन रुपया. दस किताबों को एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

میں نے پندرہ برس سے آج تک کی اردو کی چنی ہوئی کویتاؤں کا یہ سنگره پڑھکر آپکو معلوم ہوگا کہ اردو کویتا نے کس طرح خدائی دنیا کو چھو کر زندگی کی سچائیوں سے اپنا ناتا جوڑ لیا ہے. آج کی اردو شاعری گل و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے. اب آپ کو اردو کویتا میں کسانوں اور مزدوروں کے دلوں کی دھڑکنیں سنائی دیں گی. فلاسی انھائے اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سنیں گے جو آپ کے دل کو گہرائیوں کو چھوئے گی.

"ان کویتاؤں میں انترراشتری تھا اشتہری دلوں چھلکھن ملتی ہیں... سچو لکھا ساڈر ہیں... واسکو میں ہندی سندھو میں یہ پریاس اویکا ہے اور اردو سامتہ کے آدمک دور میں آدھ ہے..."

23-2-52

—'روزانہ' لوک وانی' جے پور

"جہاں تک بھاؤ کا سہلہ ہے کویتاؤں آج اس قدر کی ہیں."

6-3-52

—'وشال بھارت' لکھنؤ

"جهنگار میں پرکاشت 72 اردو کی کویتاؤں آج ہی کے یک ہی سمسواں سے اوت پروت ہیں."

17-2-52

—'نو بھارت ٹائمز' دہلی

"ہندی کے پائیک اسلہ اور چاڑ سے اس سنگره کا آمد لوٹک اور ان سے پڑینا کرہیں کے یہ سچیت ہے."

13-1-52

—'مرت پتریکا' الہ آباد

"ہم ان کی (کویتاؤں کی) شکتی، تاٹوکی اور سوڈر کے قیل ہیں. وہ ایک نئے یک کا سندھیں دیتی ہیں... بھاشا ادھکتر برل اور بامشاورہ ہے. کہیں کہیں تو تھتہ ہندی ہے."

8-5-52

—'چون سامتہ' دہلی

"(جهنگار کی) دچتاؤں میں یک ہی یکار ہے اور بھاشا بالکل بول چال کے نکت ہے. —'نوا سماج' لکھنؤ ناگرو لکھاوت میں ایسا بھرپور اردو کویتا کا سنگره آج تک نہیں نکلا. سنگدر جلد. بڑھیا کاڈ. مددہ چھپائی دلم صرف تین روپہہ. دس کتابوں کی ایک ساتھ خریداری پر پچاس فیصدی کمیشن.

میلے کا پتہ—

مہاجر 'نہا ہلد' 145، مکھی کنگ الہ آباد.



## ہندستانی کلچر سوسائٹی

## मक़सद

(1) एक ऐसी हिन्दुस्तानी कलचर का बढ़ाना, फैलाना और प्रचार करना जिसमें सब हिन्दुस्तानी शामिल हों.

(2) एकता फैलाने के लिये किनाबों, अस्त्रधारों, रिसालों वगैरों का ध्वपना.

(3) पढ़ाई घरों, किताब घरों, सभाओं, कानफरेन्सों, लेक्चरों से सब धर्मा, जातो, बिरादरियों आंग फिक्को में आपस का मेल बढाना

— 22 —

मोसाइटी के प्रेसीडेंट—मि० अब्दुल मजीद खाना,  
बाइस प्रेसीडेंट—डा० भगवानदास और डा० अब्दुल  
एक गवर्निंग बाडी के प्रेसीडेंट डा० भगवानदास,  
सेक्रेटरी प० मन्दरलाल.

**गवर्निंग बोर्ड के और मेम्बर—**

डा० सैयद महमूद, डा० तागाचन्द, मौलवी सैयद मुलेमान नदवी, मि० मंजूर अली मोस्लता, श्री बी० जी० खेर, पं० विशम्भर नाथ, महात्मा भगवानदीन, सेठ पृतम चन्द रांका, क्राप्पी मोहम्मद अब्दुल गफ्फार आर श्री आम प्रकाश पालीवाल.

मेम्बरी के कायदा के लिये लिखिये—

गुन्दरालाल

सेक्रेटरी, हिन्दुस्तानी कलचर मोमाइटी

145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

नोट- सोसाइटी के नए क्रायदे के अनुसार मेम्बरी की फीस सिर्फ एक रुपया कर दी गई है. "नया हिन्द" के जो ग्राहक मेम्बर बनना चाहें उनको सिर्फ छै रुपया पन्दा देने पर ही मेम्बर बना लिया जायेगा. अलग से मेम्बरी की फीस देने वाले सोसाइटी की निकली हुई कोई किताब जो एक रुपया दाम की होगी मुफ्त ले सकेंगे या ज्येदा दाम की किताबें लेने पर एक बार एक रुपया कम करा सकेंगे.

مفتوح

(1) ایک ایسی ہندستانی کلچر کا بھانا، جو ہونا اور پرچار کا جس میں سب ہندستانی شامل ہیں۔

(۲) ایکتا یہ لانی کے لئے کٹائی، احماروں، رسالوں  
و غیرہ کا جیبا تھا

(۱) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانسرسوں،  
لوکچروں سے سب دھوئیں جاویں، برادریوں اور فرقوں میں  
آپس کا میل نہ ہاں۔

- 4 -

موسیقی نے پریمودیت — مسرتِ عدائمِ جہدِ حادہ  
وائسِ پیسودیت — دافنہ بھگوان داس اور دانترِ عدالحق  
ٹورننگ برائی نے پریمودیت — دانترِ بھگوان داس  
مکریٹھی — بلذبتِ سندرلال

گھوڑیگ دانی کے اوپر ممبر

داکتر سید محمود، ڈاکٹر نازا چلند، مہلوی سید  
 سلیمان لدھی، مسٹر مہذب علی سمیعہ، شی بی بی  
 گوہر، یلڈز رشید، ناٹھ، مہاراجا بھگوان دین، سیٹھ بدھ  
 چلند، رائے قاسمی، محمد عبدالغفار اور شی اور دیکاش  
 بالہوال

محمدی کے قواعدوں کے لئے اہمیت۔

ملد، ۱۹۰۱

حکومتی و عوامی تعلیمی اداروں میں 'مکمل' کے نام سے  
(11) مشہور کتب 'الانوار

۱۰۔ سوسائٹی ۲ میں قاعدے نے انہماک ممد کی  
 فیس صرف ایک روپیہ ددی گئی ہے ”بھاہند“ نے  
 جو گھٹک ممد ملتا چاہوں اُن کو صرف چھ روپیہ چندہ  
 دیئے ہیں ممد ملتا تھا حائیکا الگ سے ممدی کی  
 فیس دیئے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی نکاب دو  
 ایک روپیہ نام ہی ہوئی ممد لے سکتوں تے یا زیادہ نام  
 کی کیاہوں لہئے ہر ایک ہر ایک روپیہ کم کرا سکتیہ



# हमारे यहाँ मिलने वाली कुछ और किताबें

# हमारे यहाँ मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नोट—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नाम किताब	लेखक	राम	लक्ष्मी	नाम किताब	लेखक
1. शेर की बाबरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयली	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयली	1. शेर की बाबरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयली
2. शेर की सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर की सुखन	"
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ	"
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी
5. चंद्रमण्डल	"	3 0 0	"	5. चंद्रमण्डल	"
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियाँ	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियाँ	श्री जगदीशचन्द्र जैन
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण प्रसाद जैन	6 0 0	श्री नारायण प्रसाद जैन	7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण प्रसाद जैन
8. कब बिन्दू	श्री शान्ति मित्र द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति मित्र द्विवेदी	8. कब बिन्दू	श्री शान्ति मित्र द्विवेदी
9. पंच प्रदीप	शान्ति एस. ए.	2 0 0	शान्ति एस. ए.	9. पंच प्रदीप	शान्ति एस. ए.
10. आकाश के तारे बरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे बरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर
11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एस. ए.	5 0 0	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एस. ए.	11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एस. ए.
12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन	4 0 0	श्री बच्चन	12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा
14. मेरे बापू	श्री तन्मय मुखारिया	2 8 0	श्री तन्मय मुखारिया	14. मेरे बापू	श्री तन्मय मुखारिया
15. विरव संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विरव संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	5 0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन	"
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र	"
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन	"
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"
21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था	"
22. हमारी आदिम जातियाँ	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल बिनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल बिनय	22. हमारी आदिम जातियाँ	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल बिनय
23. अर्थशास्त्र सञ्ज्ञावली	श्री दया शंकर दुबे, एस. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, जम्बिकट, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एस. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, जम्बिकट, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र सञ्ज्ञावली	श्री दया शंकर दुबे, एस. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, जम्बिकट, भगवानदास केला
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला और दयाशंकर दुबे	1 8 0	भगवानदास केला और दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला और दयाशंकर दुबे
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे
26. जवानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानो	महात्मा भगवानदीन
27. मरने की दिव्यता !	"	1 0 0	"	27. मरने की दिव्यता !	"
28. सर्वोच्च अर्थ	"	0 8 0	"	28. सर्वोच्च अर्थ	"
29. मेरे बापू	"	1 0 0	"	29. मेरे बापू	"

मिलने का पता—

सिन्धु नदी किनारे

सिन्धु नदी किनारे

145, सिन्धु नदी किनारे

145, सिन्धु नदी किनारे



## پیرکانہندی پر باپ

سہماک—آئی جی کھنن داس

اسم پستک میں 1921 سے سن 1948 تک گاندھی جی نے سامپراپیتا کے سبال پر جو کھ کھا یا لیتھا کھ سب آپکو ایک جگھ ملیتگا۔

بھارت کے آفاق ہونے پر یھ آئیر جی کھری ہو گیا ہے کھ ہر بھارتواسی سامپراپیتا کے نیکسانوں کو سمکے آئیر اس بھار کو اپنے اندر سے ساک کرے۔

سندر جلد. آچھا کھڈ. دو سو صفحے. لکھنؤ

## بھاشا

لکھنؤ—لالہ مدن کوپال

ہندیہ وڈ اور ہندیستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ رپ اس کیتا ب میں آپکو ملیتگی۔ راسٹر بھاشا کے سبال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھارتواسی کو اس کیتا ب کے پڑنے سے کرایا ہوگا—سوکھنے کی راہیں سیکھیں گی، جانکاری بڑھیں گی اور ترہ ترہ کی تگ ناکریاں سیکھیں گی۔

کریب سب سائے کی سندر کیتا ب، دام ڈے دپیا

## نور ہندی پر باپ

سہماک—آئی جی کھنن داس

اس پستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک ہندیہ جی نے سامپراپیتا کے سوال پر جو کھ کھا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگھ ملیتگا۔

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارت واسی سامپراپیتا کے نقصان کو سمکے اور اس بھار کو اپنے اندر سے ساک کرے۔

سندر جلد. آچھا کھڈ. دو سو صفحے. لکھنؤ

## بھاشا

لکھنؤ—لالہ مدن کوپال

ہندیہ اردو اور ہندیستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ رپ اس کیتا ب میں آپ کو ملے گی۔ راسٹر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھارتواسی کو اس کیتا ب کے پڑنے سے فائدہ ہوگا—سوکھنے کی راہیں سیکھیں گی، جانکاری بڑھیں گی اور طرح طرح کی تگ ناکریاں سیکھیں گی۔

کریب سب سائے کی سندر کیتا ب، دام ڈے دپیا

700 PAGES.

32 ILLUSTRATION

2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDRL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China. A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic.. characterized by acute observation of detail as well as by...instructive grasp of the fundamental perspective.. To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.



## ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

کتابوں کو خریدنے والوں کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔  
پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

بکسٹروں سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔  
پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔  
ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

## بھارت کا قانون

### پورا ہندی انووڈ

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاکھ ہوا۔  
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھنے والے پروفیسر سوندرلال  
راہو مولا انگریزی سے انووڈ۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس قانون کے تحت  
بھارت کا شاسن اس وقت چل رہا ہے اسے  
بھاری سہ سے سمجھے۔ بھارت کے ہر شہر میں اس  
کتاب کی کاپی ہے۔

بھارتی قانون کا نام۔ راجا سوندرل  
راہو نے اسے لکھا۔ اس کی کاپی ہر  
شہر میں ہے۔

### ہندو کا سوندر

لکھنے والے—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا۔

انووڈ—سورج رامپال۔

اس کتاب میں بھارت ہندو کا سوندر کی وضاحت سے  
کلیں گے کہ اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

## بھارت کا قانون

### پورا ہندی انووڈ

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاکھ ہوا۔  
'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھنے والے پروفیسر سوندرلال  
راہو مولا انگریزی سے انووڈ۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس قانون کے تحت  
بھارت کا شاسن اس وقت چل رہا ہے اسے  
بھاری سہ سے سمجھے۔ بھارت کے ہر شہر میں اس  
کتاب کی کاپی ہے۔

بھارتی قانون کا نام۔ راجا سوندرل  
راہو نے اسے لکھا۔ اس کی کاپی ہر  
شہر میں ہے۔

### ہندو کا سوندر

لکھنے والے—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا۔

انووڈ—سورج رامپال۔

اس کتاب میں بھارت ہندو کا سوندر کی وضاحت سے  
کلیں گے کہ اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔  
بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔

بھارت میں اس کی کاپی ہر شہر میں ہے۔



امریکیوں کی طرف سے چین پر دھمکا کرنے سے روکنا  
کے لئے کام کر سکیں۔

ملائیا، سریلانکا، بنگلہ دیش، ہندو چین کے संबंध میں  
کچھ لکھا گیا ہے۔ کچھ کوریانہ کی لکھائی بند  
کر کے امریکا کے سارا جنگی سامان ملائے، ہندو چین  
اور بھارت میں لاکھ لکھائی جاری رہے گی۔ امریکی  
خلاف کے خلاف ان دیہوں کی  
جنگی آلہ کاروں کو اور اسے انگریزوں اور فرانسیسیوں  
کو باہر نکال دیا جائے گا۔ ان کی لڑائی جاری رہے  
گی۔ کسی قیمت پر وہ صلح نہیں کر سکتے۔ ایسی  
صورت میں کیا امریکا اپنے دوستوں کے ساتھ چھوڑ دے گا۔ یہ  
کبھی نہیں ہو سکتا۔ امریکا والے بار بار کہہ چکے ہیں  
کہ اس کی اس ادارہ کوئی سے ان کے ملک میں ہونے والے  
کاروں اور انہوں نے اس نکتہ کا اعلان کیا ہے کہ وہ ایسا  
کاروں نہ ہونے دیں کہ امریکا یہ بات زبردستی خطرہ پیدا  
کر دے گی۔ کوریانہ میں چین کو اس لئے جانا ہوا کہ امریکی  
لوگوں اس کی سرحد تک پہنچ گئی تھیں۔ ان دیہوں  
کی بھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کیا چین اپنی  
سمجھوتہ کی دہائی نہیں کرے گا؟ ظاہر بات ہے امریکا پر  
اعتماد کرنے کے لئے وہ اسے سر تک نہیں پہنچائے دے سکتا۔

جو ایسی لڑائی نے کہا ہے کہ ہمارے اور روسی سامانوں  
کو لے کر وہ میں پہنچ دیتے بعد جو کسی بھی  
انہوں ایک نکتہ رائے کے سہرہ کر دیا جائے اور یہ  
ان کی مرضی معلوم کر کے تبادلہ کر لیا جائے۔ سوال یہ  
ہے کہ کوسا نکتہ رائے جس نے سہرہ یہ نکتہ کام  
کر لیا جائے۔ ہونو لڑائی میں خود ایک فریق ہے۔ اسے نکتہ  
مابا نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی یہ کام اس کے سہرہ کرنے  
کا مطلب ہے کہ امریکا کو چھ سہرہ کر دیا جائے۔ چین  
والے بھارت کے سہرہ یہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن  
کیا امریکا نے ملک کے دیہی اس بات کو سہرہ کر دیں گے؟

سارے ہاتھوں کو صاف صاف سمجھ لیتے کے بعد ہم اس  
نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کوریانہ کی لڑائی میں کسی بھی  
اے جائے شاید یہ لڑائی بند ہو کر جائے لیکن دور دور  
میں شانتی قائم ہونا اس سے تک اسٹیم ہو کہ جب تک  
یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر  
دیہی نہ سہراچ دیتے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں  
اور یہ روس کا شانتی چکر الٹا ہوتا ہو جائے کہ وہ لڑائی  
کے دہرنا کو جو سے ہی ختم کر دے یہ بھی شانتی کی  
ہاتھوں سے ہی دھارس بدلتی ہے اور جلتا میں وہ اس  
ہوئے کہ یہاں جول سے اس میں بات چیت کرنے  
ہوئے ہونے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ یہوشہ کے لئے یہ  
لیکھ سہاں سہانت ہے !

سارے ہاتھوں کو صاف صاف سمجھ لیتے کے بعد ہم اس  
نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کوریانہ کی لڑائی میں کسی بھی  
اے جائے شاید یہ لڑائی بند ہو کر جائے لیکن دور دور  
میں شانتی قائم ہونا اس سے تک اسٹیم ہو کہ جب تک  
یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر  
دیہی نہ سہراچ دیتے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں  
اور یہ روس کا شانتی چکر الٹا ہوتا ہو جائے کہ وہ لڑائی  
کے دہرنا کو جو سے ہی ختم کر دے یہ بھی شانتی کی  
ہاتھوں سے ہی دھارس بدلتی ہے اور جلتا میں وہ اس  
ہوئے کہ یہاں جول سے اس میں بات چیت کرنے  
ہوئے ہونے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ یہوشہ کے لئے یہ  
لیکھ سہاں سہانت ہے !

سارے ہاتھوں کو صاف صاف سمجھ لیتے کے بعد ہم اس  
نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کوریانہ کی لڑائی میں کسی بھی  
اے جائے شاید یہ لڑائی بند ہو کر جائے لیکن دور دور  
میں شانتی قائم ہونا اس سے تک اسٹیم ہو کہ جب تک  
یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر  
دیہی نہ سہراچ دیتے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں  
اور یہ روس کا شانتی چکر الٹا ہوتا ہو جائے کہ وہ لڑائی  
کے دہرنا کو جو سے ہی ختم کر دے یہ بھی شانتی کی  
ہاتھوں سے ہی دھارس بدلتی ہے اور جلتا میں وہ اس  
ہوئے کہ یہاں جول سے اس میں بات چیت کرنے  
ہوئے ہونے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ یہوشہ کے لئے یہ  
لیکھ سہاں سہانت ہے !

سارے ہاتھوں کو صاف صاف سمجھ لیتے کے بعد ہم اس  
نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ کوریانہ کی لڑائی میں کسی بھی  
اے جائے شاید یہ لڑائی بند ہو کر جائے لیکن دور دور  
میں شانتی قائم ہونا اس سے تک اسٹیم ہو کہ جب تک  
یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر  
دیہی نہ سہراچ دیتے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں  
اور یہ روس کا شانتی چکر الٹا ہوتا ہو جائے کہ وہ لڑائی  
کے دہرنا کو جو سے ہی ختم کر دے یہ بھی شانتی کی  
ہاتھوں سے ہی دھارس بدلتی ہے اور جلتا میں وہ اس  
ہوئے کہ یہاں جول سے اس میں بات چیت کرنے  
ہوئے ہونے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ یہوشہ کے لئے یہ  
لیکھ سہاں سہانت ہے !

ساری باتوں کا ساک ساک سمجھ لینے کے بعد ہم اس  
نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوریانہ کی لکھائی میں کمی ملے  
آجائے، لکھائی لکھائی بند بھی ہو جائے لیکن دور دور  
میں شانتی قائم ہونا اس سے تک اسٹیم ہو کہ جب تک  
یا تو امریکی ملک والے اپنی پوری فوجی نہ بدلتے اور ہر  
دیہی نہ سہراچ دیتے کے سدھانت کو عمل میں نہ لائیں  
اور یہ روس کا شانتی چکر الٹا ہوتا ہو جائے کہ وہ لڑائی  
کے دہرنا کو جو سے ہی ختم کر دے یہ بھی شانتی کی  
ہاتھوں سے ہی دھارس بدلتی ہے اور جلتا میں وہ اس  
ہوئے کہ یہاں جول سے اس میں بات چیت کرنے  
ہوئے ہونے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ یہوشہ کے لئے یہ  
لیکھ سہاں سہانت ہے !

—موسیوی ریکارڈ

—موسیوی ریکارڈ

7-4-53



आमरण पैदा कर दिया है कि कोई ताकत भी कड़ाई करने की विनम्र नहीं करेगी। दुनिया के किसी किसी कोने में कड़ाई होगी जरूर पर दुनिया की कड़ाई की शक्त उसे इस न लेने दोगे, वह विश्वास कोरी बातें नहीं है बल्कि इसके पीछे गहराई तक है। रूस वालों का कहना है कि हमें इन से लड़ने की जरूरत नहीं है, इनका भाली बांधा खुद इतना फुल फुला है कि वह इन्हें ले डूबेगा, इथियार बन्दी का सामना बाना जो यह बुन रहे हैं वह खुद इनकी ही जान लेकर छोड़ेगा, पंजीवादी व्यवस्था आखोरी सांसे ले रही है, इन देशों की जनता खुद इस व्यवस्था की भजियाँ उड़ा देगी, उनका यह भी कहना है कि अब दुनिया के सामने कम्युनिज्म के सिवाय कोई दूसरा रास्ता नहीं है, आज की परिस्थिति में यह नहीं कहा सकता कि वह विश्वास कड़ाई रोकने में कहां तक कामयाब होगा क्योंकि ताली बानों हबोलियाँ से बजती है, बड़ा मुश्किल हाता है कि कोई कड़ाई छोड़ने पर उतारू हो और दूसरा उसे ऐसा न करने दे, इस सम्बन्ध में रूस की कामयाबी दुनिया की जनता को उसकी कड़ाई के सामने झुका देगी !

## एन लार्ड का सुभाष

पूरे पैन लार्ड के सुझाव का धिक्कर हम ऊपर कर आए हैं। सवाल उठता है कि किस आधार पर कोरिया की लड़ाई बन्द हो सकती है। समस्या यह नहीं है कि कोरिया की लड़ाई बन्द हो जाय। इस में शक नहीं कि ऐसा होता जरूरी है। लेकिन समस्या यह है कि बरतानिया, फ्रांस और अमरीका दूर पूरब में कैसी नीति अपनाने जा रहे हैं। कोरिया में सुलह का मतलब है कि हर मगड़े पर समझौता किया जाय। सबसे पहले अमरीका को यह करना पड़ेगा कि वह बचत कोरिया और चीन की मूलों में जाइए स्थान हासिल करने दे। अमरीका वाले इससे बहुत बचराते हैं। बरतानिया के एक संवाददाता ने लिखा है कि अमरीका के लोग सोचते हैं कि—“अगर बियांग कई शोक को हमने भाज छोड़ दिया तो ऐसा मालूम होगा कि हम सदा राखती पर रहे हैं। लोग हमारे बारे में क्या सोचेंगे” अमरीका को इस बहस को छोड़ना होगा।

बियांग काई रोक और सिंगसनरी क्या शान्ति होने  
होगे ? अगर यूनी में नया चीन जाता है तो बियांग काई  
रोक की सरकार खतम हो जाती है क्योंकि चीन की एक  
ही सरकार हो सकती है. कारमोसा की सरकार को मान्य  
मिलना साम्राज्य के खिलाफ है क्योंकि सब लोग मानते  
हैं कि कारमोसा चीन का है और चीन को मिथाना चाहिये.  
सुन्द के लिये यह जरूरी भी है. क्या बांग काई रोक अपनी  
कामना तथा को स्वीकार करेंगे ? अगर यह स्वीकार नहीं  
करते तो क्या कमरेज उनका साथ छोड़ देगा और उन्हें  
कोई सहायता नहीं देगा. और अगर साथ देगा और यह

جانی بھلا کر دیا کہ اپنی طاقت میں کوئی چھوڑے گی۔  
 نہیں کہے گی۔ کیا کے کسی کسی غریب میں کوئی نہیں  
 ہو۔ یہ دنیا کی کوئی غی منزل ہے ہم نہ بھولے ہیں کہ ۔  
 یہ بھلائی نہیں ہاتھ میں بلکہ اس کے ہاتھ  
 پر دستہ رکھ ہے ۔ ہوس والوں کا کہنا ہے کہ ہمیں ان سے  
 لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا مالی ذمہ دار خود لقا  
 ہو رہا ہے کہ وہ انہیں لے کرے گا ۔ ہتھیار باندی کا لانا  
 ہانا جو یہ ہی رہے ہوں وہ ان کی ہی جان لے کر چھوڑے  
 گا۔ پولیسی والی دوستہا آخری سانسوں لے رہی ہے ۔ ان  
 دیکھوں کی جھٹکا خود اس ویسٹا کی دھجھکی آوا دے  
 گی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اب دنیا کے سامنے کھونڈ  
 کے سوائے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے ۔ آج کی ہرستہ  
 میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وشواس کوئی روکنے  
 میں یہاں تک کامیاب ہوگا کہ وہ نالی دوپوں ہتھیاروں  
 سے بچتی ہے ۔ ہوا سیکل ہونا ہے کہ کوئی کوئی چھوڑے  
 ہو آواز ہو اور دوسرا اے ایسا نہ کرے دے ۔ اس سمجھدہ  
 میں روس کی کامیابی دنیا کی جھٹکا کو اس کی ہوائی  
 کے سامنے چھکا دے گی !

چو این لاش کا سجدہ ہو

چو این لائی کے ساتھ ساتھ ہم اوپر کر آئے ہیں ۔  
سوالی تھا کہ وہ کس اہواز پر کوریا کی لڑائی بند ہو سکتی  
ہے ۔ سمجھا یہ نہیں ہے کہ لڑائی کی لڑائی بند ہو جائے ۔  
اس میں شک نہیں کہ ایسا ہونا ضروری ہے ۔ لیکن  
سمجھا یہ ہے کہ بوطانہ ، فوانس اور امریکہ دور دور  
میں کبھی بستی اٹھائے جا رہے ہیں ۔ کوریا میں صلح  
کا مطلب ہے کہ ہر جنگوں پر سمجھوتہ کیا جائے ۔ سب  
ہے پہلے امریکہ کو یہ کرنا پڑے گا وہ اترو کوریا اور چین  
کو دونوں میں جائز امتحان حاصل کرنے دے ۔ امریکہ والے  
اس سے بہت ڈرتے ہیں ۔ بوطانہ نے ایک سماد دنا  
نے لکھا ہے کہ امریکہ نے لوگ سوچتے ہیں کہ — ” اگر  
چھانگ لائی شیک دو ہم نے آج چھوڑ دیا تو ایسا معلوم  
ہوگا کہ ہم سدا غلطی پر رہے ہیں ۔ لوگ ہمارے بارے  
میں کیا سوچیں گے ؟ ” امریکہ کو اس وہم کو چھوڑنا ہوگا ۔  
چھانگ لائی شیک اور سلیمین دی کیا شاعری ہونے  
میں ہے ؟ اگر دونوں میں کیا چین آتا ہے تو چھانگ لائی  
شیک کی سرکار ختم ہو جاتی ہے تو لڑنے چھوڑ کر ایک  
کی سرکار ہو سکتی ہے ۔ فلپینس کی سرکار کو ماننا  
سبنا لڑنے کے خلاف ہے تو لڑنے سب لوگ ماننے ہیں کہ  
خارجہ سے چھوڑنا ہے اور چین کو سبنا چھوڑنا ۔ صلح نے لڑ  
پہلے چھوڑ دیا ہے ۔ کیا چھانگ لائی شیک اپنی آتم  
کھتا کو سرکار میں لے آئے اور وہ سرکار میں  
کریں گے تو کیا امریکہ اور اسان چھوڑ دے گا اور چین  
کے ساتھ ساتھ ہم ؟ اور اگر حالہ ہے گا اور یہ



की बात ही नहीं सोच सकती. यह योथी बातें नहीं हैं बल्कि यह कुछ इस दोश उठा देने वाले कारणों को देख चुके हैं. उनको पूरा विश्वास है कि रूस हर तरह से शांति चाहता है. यही बात रूस के नेताओं के बयान से भी जाहिर होती है. फिर यह सोचना कि मालनकोफ ने अपनी कमजोरी उठाने के लिये यह क्रदम उठाया है बिल्कुल गलत है. लेकिन इस तरह सोचने वाले सवाल पूछते हैं कि यह क्रदम स्तालिन के मरने के बाद ही क्यों उठाए गए ? जिन लोगों ने स्तालिन के लेख और बयान पढ़े हैं उन्हें मालूम है कि मालनकोफ ने इस सम्बन्ध में कोई नई नीति नहीं अपनाई. भिन्न स्तालिन की नीति को अमली जामा पहना दिया है. इस सम्बन्ध में हमें कुछ बातों की खबरें भी अधूरी मिली हैं: स्तालिन की जिन्दगी में ही चरचितल ने मालादोफ को लिखा था कि वह अपना असर डाल कर बरतानिया के सिविलियन क्रैदियां को कोरिया में राहई दिलावें.

मालोटोफ ने हमी भर ली थी और कांशिग शुरू कर दी थी. संजोग है कि उस कांशिग का नतीजा स्तालिन के मौत के बाद निकल सका. यह ख़बर 'न्यूयार्क टाइम्स' ने दी है. स्तालिन का बार बार दुहराया मक़ूल सच को याद है-- दोनों माली व्यवस्थाएं एक साथ रह सकती हैं. इस तरह साफ़ पता चलता है कि रूस की नीति में कोई फ़र्क़ नहीं आया बल्कि सिर्फ़ अमल में तेज़ी आ गई है और इसका स्तालिन की मौत से कोई सम्बन्ध नहीं है. यह सोचना कि रूस कमज़ोर है यह भी ग़लत है. जितना रूसियों का अपने ऊपर विश्वास है उतना अमरीकियों को होता तो वह डर की बातें न करते. लेबर पार्टी के नेता मिस्टर बेवन ने ठीक कहा है कि रूस के यह उदार भाव कमज़ोरी के प्रतीक नहीं हैं बल्कि उसकी ताक़त का पता देते हैं.

## क्या शान्ति कायम होगी ?

इस बात पर सोचते समय हमें इन बातों का ध्यान रखना चाहिये : ( 1 ) कोरिया की लड़ाई से अमरीका की कम्पनियों को बेहद मुनाफा हो रहा है ( 2 ) लड़ाई बन्द होते ही ब्योपार में भी आना जरूरी है और इस बात को महसूस करके अमरीका वाले कांप उठते हैं. ( 3 ) सरकार ने नोट छाप छाप कर बाजार भर दिया है. इसलिये फ़ीममें आसमान पर चढ़ गई हैं, इस हाज़त का मुकाबला करना आसान नहीं है. ( 4 ) अमरीका में बे रोज़गारों की तादाद रोज़ बढ़ रही है ज़ियादा दिनों लोग भूके नहीं रहें जा सकते. अमरीकी अख़बारों से यह भी पता चलता है कि उनके लिये लड़ाई से ज़ियादा ख़तरनाक इथियार शान्ति है. ऐसी सूरत में शान्ति कायम होने की सम्भावना नहीं है. लेकिन रूसी दल का कहना है कि हम इतने मजबूत हैं और हमने दुनिया की जनता में लड़ाई के खिलाफ़ इतना

کی بات ہی انہیں سوجھ سکتی ہے۔ گھوڑوں ہاتھیں  
انہوں میں بلکہ وہ خود ان ہوش آرا دیہے والے کارناموں  
کو دیکھ چکے ہیں۔ اُن کو پورا وشواس ہے کہ روس ہر  
طرح سے شانتی چاہتا ہے۔ یہی بات روس کے ہتھیاروں کے  
بھان سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر یہ اسوجھا کہ مالکوف  
نے اپنی کمزوری قہقہے کے لئے یہ قدم اُٹھایا ہے بالکل  
غلط ہے۔ لیکن اس طرح سوجھنے والے سوال پوچھتے ہیں  
کہ یہ قدم استالین کے مرنے کے بعد ہی کیوں اُٹھائے گئے؟  
جی لوگوں نے استالین کے لیکھ اور بھان پڑھے ہیں انہوں  
معلوم ہے کہ مالکوف نے اِس سہمدہ میں کوئی نئی ہتھی  
انہوں اپنائی۔ صرف استالین کی ہتھی کو علی جامہ  
پہنا دیا ہے۔ اِس سہمدہ میں مہموں کچھ ہاتھوں کی  
خبریں ہی ادھوری ملی ہیں: استالین کی زندگی میں  
ہی چرچل نے مالٹوف کو لکھا تھا کہ وہ ایسا اثر قال کر  
برطانیہ کے سولہوں قہدیوں کو کوریا میں دعائی دلوا دیں۔

سائوٹوف نے حامی بھری لی تھی اور کوشش شروع کر دی تھی۔ - منجھوگ ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ استغاثہ کے موت کے بعد نکل سکا۔ یہ خبر نہویارک ٹائمز نے دی ہے۔ استغاثہ کا ہار ہار دھرایا۔ منجھوگ سب کو یاد ہے۔ - دوہوں مائی دوسرے ماٹھوں ایک ساتھ رہ سکتی ہیں۔ اس طرح صاف پتہ چلتا ہے کہ روس کی نیچری میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ صرف عمل میں تھوڑی آگئی ہے اور اس کا استغاثہ کی موت سے کوئی سمجھتا نہیں ہے۔ یہ سوچنا کہ روس کمزور ہے یہ بھی غلط ہے۔ جتنا روسوں کو اٹھ اوپر دھکواس ہے اتنا امریکیوں کو ہوتا تو وہ تو کی باتوں نہ کرتے۔ لیہر پارٹی کے مہتما مسٹر بیون نے تھوک کہا ہے کہ روس کے یہ ادارہ ہار کمزوری کے پریکٹک نہیں ہیں بلکہ اس کی طاقت کا پتہ دیتے ہیں۔

کیا ہائیتی قائم ہوگئی؟

اس بات پر سوچتے سے ہمیں ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے : ( 1 ) کوویڈ کی لوائی سے امریکہ کی کمپنیوں کو بے حد منافع ہو رہا ہے۔ ( 2 ) لوائی بدن ہوتے ہی بیوپار میں کمی آنا ضروری ہے اور اس بات کو محسوس کر کے امریکہ والے کامپ آہتے ہیں۔ ( 3 ) سڑکوں پر ٹوٹ چھاپ چھاپ کر بازار بھرا دیا۔ اس لئے قیمتیں آسمان پر چڑھ گئی ہیں، اس حالت کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ ( 4 ) امریکہ میں بے روزگاری کی تعداد روز بروز رہی ہے۔ زیادہ تر لوگ بھوکے نہیں رہ سکتے۔ امریکی اخباروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُن کے لئے لوائی سے زیادہ بے خطرناک، ہتھیار تھانتی ہے۔ ایسی صورت میں ہانتی قائم ہونے کی سببوںات نہیں ہے۔ لیکن روسی دل کا کہتا ہے کہ ہم اُنکے مضبوط ہیں اور ہم نے دنیا کی چلتا میں لوائی کے خلاف ادا



تاریخ ۵۲: ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء  
 ۵۱: ۱۳ جولائی ۱۹۱۵ء

تھو پانک وانعمورس ناسی کھلی کو "سوت کا سوداگر" کہا جاتا ہے۔ یہ ہر سال اپنا مذاق بڑھا دہی ہے۔ اس کھلی نے سن '52 میں 23 کروڑ 41 لاکھ ڈالر مذاق کھایا۔ یہ مذاق سن '51 سے 34 لاکھ ڈالر زیادہ ہے۔

موتور اور ہوائی جہاز بنانے والی کمپنیوں کو بھی  
کافی نفع ہو رہا ہے۔ کرسٹر آئو موہائل کارپوریشن نے سن  
'52 میں 7 کروڑ 86 لاکھ ڈالر منافع کا اعلان کیا ہے۔ سن  
'51 میں اُس کمپنی کا منافع 7 کروڑ 19 لاکھ ڈالر تھا۔

51' کے مقابلہ سن '52 میں 50 فی صدی بڑھ گیا۔ یہ کمپنی فوجی گریپز تیار کرتی ہے ۔

قونسل ایڈوائز کا پرویشن نے سن 51ء میں 1 کروڑ 8 لاکھ ڈالر متافع کیا۔ سن 50ء میں اس کمپنی نے 69 لاکھ ڈالر متافع کا اعلان کیا تھا۔ سن 52ء میں اس کمپنی نے 87 فی صدی جنگی سامان تیار کیا ہے۔

امریکن ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کمپنی میں موزنگن اور راک فیلڈ دونوں کی پوزنجی لگی ہے۔ سن 1952 میں اس کمپنی نے 35 کروڑ 85 لاکھ ڈالر منافع کا اعلان کیا ہے۔ جب کہ سن 1951 میں اس کا منافع 32 کروڑ ڈالر تھا اور سن 1950 میں 28 کروڑ 66 لاکھ ڈالر کا نفع ہوا تھا۔

## रूस की उदार नीति क्यों ?

دوس کی ادا نہتی کیوں؟

دوس اس تہذیب سے صلح کے لئے آئے ہوئے تھے کہ صبح کے ملے پر یہ سوال چڑھ گیا ہے۔ آخر یہ کہیں؟ کچھ راج کاجہوں کا کہنا ہے کہ دوس نے اپنی نہتی بدلی نہیں ہے بلکہ تہذیب عرصے کے لئے راستہ بدل دیا ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مائیکروف کی سرکار اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی فکر میں ہے اس لئے ریاستی اور اندرونی معاملات میں معاملوں میں آدرا نا دینا رہی ہے۔ دوسری بات وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امریکی سرکھا دیوستھا سے دوسری سہم گئے ہیں اور وہ کسی طرح اسے تھکا کرنا چاہتے ہیں۔ امریکی والوں کا کہنا یہ ہے کہ ہماری مضبوطی نے دوس کو مضبوط کر دیا ہے کہ وہ اسی نہتی لپٹائے۔ امریکی انیسویں کو یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ کوریا اور چین والوں کے ہار کے خطرے کو لگنے کے لئے روس نے یہ صبح کیا ہے۔ اس طرح کمونسٹ لوجوں اپنی طاقت پر سمجھ سکیں گی اور اچھی طرح لو سکیں گی۔

جو چاہتی روس ملکہ میں انہوں نے صاف صاف کہا کہ  
 روس میں وہاں تک تاسوں میں اٹلیے مگر میں کہ وہ لڑائی



کامیاب ہو جائے۔ اس سے ہمیں اب تک جو حاصل کیا ہے وہ سب چین جائے گا۔ ہمیں 'نہنگو' کا نام ہر میدان میں جاری رکھنا چاہئے۔ اسی پر ہماری سرکھا اور دنیا کی شانتی نریہر ہے۔" اس طرح صاف دکھائی ہو جاتا ہے کہ روس کے ادارہ ہاؤس کے جواب میں امریکہ والوں کی طرف سے کوئی احواس نہیں دیا گیا۔

روس کی یہ بات کہ امریکہ کوئی اس لئے چھوڑنا چاہتا ہے کہونکہ اسی طریقہ سے وہ اپنی مالی دوسگھا مچی کرنی دیوار کو تمام سکتا ہے۔ آج ہمیں صاف دنیا کے سامنے چھٹکے لگی ہے۔ امریکہ میں صلح کی بات چھٹکے چلتے ہی دل چل مچ لگی ہے۔ ہر طالبہ کے ایک چورنگھٹ لے لیا ہے کہ امریکہ کے اخباروں میں شانتی کے سمبندھ میں دو تہلماں ہوئی ہوں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کے نقطہ ہوتے ہوئے ہر مچی ہتی کوریا کی کوئی کامیابی نہیں کہونکہ اس کوئی نے مٹی کے بہت سے چھٹکارا دلایا ہے اور ہودیار کو اونچا اٹھایا دکھا ہے۔ جولائی 1949 میں اس نے ہوز ایڈ ورائٹ رپورٹ ( یہ اخبار امریکہ کے شامکوں سے کافی ( ہڈیک ہے ) لے لیا ہے۔ " فکلی ہڈیک اور ہودیار کو دیکھ والی چوٹ ہوئی اگر کریملن یکہادی تھلکی کوئی بلند کر دے۔ کانگریس کو اس بات پر راضی کرنے میں کافی دقت ہوئی کہ وہ لگانا ہلدی ہزار ملین ڈالر ہتھیار ہلدی پر خرچ کرنے کی اجازت دے دے۔" اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کو اس بات سے کافی قدر ہے کہ کہیں روس یکہادی شانتی کی طرف نہ جھک جائے۔ ایک سال پہلے آرنہ شاشتر سمبندھی امریکی صدر کی کونسل کے چھرموں نے کہا تھا۔ " کہونڈم کے ہڈوکروں نے اگر ہمیں کوئی کے خطرے میں نہ چھونگ دیا ہوتا تو ہمیں جلد ہی شانتی سے ہوتا ہونے والی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔" کوریا کی کوئی میں امریکہ کی نیکی کہلہوں نے زبردست فائدہ اٹھایا ہے اس کا ثبوت ان کے سالانہ حساب سے ملتا ہے۔ ان میں کہلہوں کو جنگی سامان ہڈانے کا سرکاری ٹھیکہ ملا تھا :

روس کی یہ بات کہ امریکہ کوئی اس لئے چھوڑنا چاہتا ہے کہونکہ اسی طریقہ سے وہ اپنی مالی دوسگھا مچی کرنی دیوار کو تمام سکتا ہے۔ آج ہمیں صاف دنیا کے سامنے چھٹکے لگی ہے۔ امریکہ میں صلح کی بات چھٹکے چلتے ہی دل چل مچ لگی ہے۔ ہر طالبہ کے ایک چورنگھٹ لے لیا ہے کہ امریکہ کے اخباروں میں شانتی کے سمبندھ میں دو تہلماں ہوئی ہوں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کے نقطہ ہوتے ہوئے ہر مچی ہتی کوریا کی کوئی کامیابی نہیں کہونکہ اس کوئی نے مٹی کے بہت سے چھٹکارا دلایا ہے اور ہودیار کو اونچا اٹھایا دکھا ہے۔ جولائی 1949 میں اس نے ہوز ایڈ ورائٹ رپورٹ ( یہ اخبار امریکہ کے شامکوں سے کافی ( ہڈیک ہے ) لے لیا ہے۔ " فکلی ہڈیک اور ہودیار کو دیکھ والی چوٹ ہوئی اگر کریملن یکہادی تھلکی کوئی بلند کر دے۔ کانگریس کو اس بات پر راضی کرنے میں کافی دقت ہوئی کہ وہ لگانا ہلدی ہزار ملین ڈالر ہتھیار ہلدی پر خرچ کرنے کی اجازت دے دے۔" اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کو اس بات سے کافی قدر ہے کہ کہیں روس یکہادی شانتی کی طرف نہ جھک جائے۔ ایک سال پہلے آرنہ شاشتر سمبندھی امریکی صدر کی کونسل کے چھرموں نے کہا تھا۔ " کہونڈم کے ہڈوکروں نے اگر ہمیں کوئی کے خطرے میں نہ چھونگ دیا ہوتا تو ہمیں جلد ہی شانتی سے ہوتا ہونے والی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔" کوریا کی کوئی میں امریکہ کی نیکی کہلہوں نے زبردست فائدہ اٹھایا ہے اس کا ثبوت ان کے سالانہ حساب سے ملتا ہے۔ ان میں کہلہوں کو جنگی سامان ہڈانے کا سرکاری ٹھیکہ ملا تھا :

جنگری جنگ

جنگری جنگ

موزکن جنرل الیکٹرک کمپنی کا ایسی ہتھیاروں کے ہڈانے میں زبردست ہاتھ ہے۔ اس کمپنی نے ہڈایا ہے

جنگری جنگ

جنگری جنگ



हैं, कममुनिबम एक ज्ञानत है। लखी उस ज्ञानत की अमरीका और दूसरे आशय देशों के सर भी मंडन चाहते हैं। इस कारण हम को रोकना हमारा कर्त्तव्य है और उसके लिये जाहरी हैं कि आशय मुक्त एक साथ हो जायें। इयिअर बड़ा अर्थ लौजें बड़ा जायें और लस की ऐसी जंगी जाकाबन्दी की जाय कि वह पर पुरखे न निकाल सके— इसी आचार पर अमरीका के मुत के देशों में इयिअर बड़ने की दौड़ हो रही है। जगह जगह इवाई अड़ बनाव जा रहे हैं। लस को चारों तरफ से घेरने के लिये फौजी इयिअर बनावे हो रहे हैं।

रुस का पक्ष है कि—अमरीका और उसके गुट वाले देश हमें चैन से बैठने नहीं देते, बल्कि हम उनके साम्राज्यी जनसूत्रों के रास्ते में रोड़ा के रूप में हैं इसलिये वह हमें मिटा देना चाहते हैं, इसके लिये वह हमारे चारों तरफ कौजों का जाल बिछा रहे हैं, कम्युनिस्ट देशों में विद्रोह फैलाते हैं और जासूसों का जाल बिछाते हैं, अमरीका का समझी हाँका इतना कुसकुसा हो गया है कि उसको क्रायम रक्षक के लिये लड़ाई का आतावरण होना जरूरी है, इसी कारण वह सोंग जगह जगह लड़ाई की तैयारियाँ करवा रहे हैं और अपने सामान की स्वतः सहायता के नाम पर खरचे हैं,

अहाँ तक अमरीका को यह शक है कि रूस वाले अमरीकी तहसीब और उसकी माली व्यवस्था को मिटा कर अपनी तरह की सरकार अमरीकी जनता पर लादना चाहते हैं उसकी सफाई एक बार नहीं हजारों बार रूस ने की है. बार बार रूस की तरफसे कहा गया है कि अमरीका और रूस दोनों के लिये इस दुनिया में काफी जगह है. माली व्यवस्था के दोनों ढंग बिना एक दूसरे से टक्कर लिये अपने अपने हलकों में फूल फल सकते हैं. मालिनकोफ ने भी इस बात की सफाई देने में कोई कसर बाकी नहीं रखी लेकिन अमरीका वालों की तरफ से यह बात नहीं कही गई कि वह रूस को मिटाना नहीं चाहते. इसी पक्षान से वह यह कहकर कहते हैं कि हम जो फौजी बीमारें खड़ी कर रहे हैं उससे रूस को कोई कतरा नहीं है. आज जब रूस शान्ति के लिये बेहब आगे बढ़ रहा है तब भी अमरीका वाले यह अरबाखन नहीं दिखाते कि रूस के चारों तरफ जो फौजी जास कसा गया है वह खतम कर दिया जायगा. इसके खिलाफ डलेस साहब का कहना है कि इस जास को और मजबूत किया जायगा. आइसन हावर का कहना है कि "नेटो" शान्ति का इम्बार है. पच्छिम को शान्ति प्राप्त करने के लिये अपना एका और बढ़ाना चाहिये क्योंकि कमजोर राज शान्ति की रक्षा नहीं कर सकते. लिखर हेल ने भी अपने बयान में कहा है—“हमें ऐसा नीति न बनाने देना चाहिये जिससे हम अपने साथियों से

ہیں۔ کمپنیاں ایک ایک ملک سے روسی میں غنیمت کو  
اس کے اور دوسرے آزاد دیہوں کے سے بھی سلطنت  
چاہتے ہیں۔ اس کارن روس کو دینا ہوتا تو  
ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ آزاد ملک ایک ساتھ ہو  
جائیں۔ مٹھار بھارتیہ جاتیں، فوجیں بھارتیہ جاتیں اور  
روس فی ایسی جنگی ناکہ بغیر کی جائے کہ وہ ہر ہزارہ نہ  
نکل سکے۔ ایسی اتحاد پر امریکہ کے گفت کے دیہوں میں  
مٹھار بھارتیہ کی دور ہو رہی ہے۔ جبکہ جبکہ ہوائی اڈے  
پائے جا رہے ہیں۔ روس کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لئے  
فوجی منصوبہ ہو رہے ہیں۔ روس کا پکھی ہے کہ—  
امریکہ اور اس کے گفت والے دیہوں میں جہتی سے ہمت  
نہیں دیتے۔ چونکہ ہم اُن کے سامراجی منصوبوں کے راستے  
میں دورو کے رہتے ہیں اس لئے وہ ہمیں مٹا دینا  
چاہتے ہیں۔ اس کے لئے وہ ہمارے چاروں طرف فوجیں  
کا جال بچھا رہے ہیں۔ کمپنیاں دیہوں میں ودرو  
بھارتیہ میں اور جاسوسوں کا جال بچھاتے ہیں۔ امریکہ  
کا مالی تعاونہ الٹا پھسپھسا ہو گیا ہے کہ اسکو قائم  
رہنے کے لئے لوائی کا اتار دینا ضروری ہے۔ ایسی کارن  
یہ لوگ جبکہ جبکہ لوائی کی تھاریاں کروا رہے ہیں اور اب  
سامان کو کھپت سہالکا کے نام پر لوتے ہیں۔

جہاں تک امریکہ کو یہ شک ہے کہ روس والے امریکی  
تہذیب اور اُسکی مالی و دیہی حالت کو سنا کر اپنی طرح کی  
سرکار امریکی جملہ پر قدنا چاہتے ہیں اُسکی صدائی ایک  
بار نہیں ہزاروں بار روس نے کی ہے ۔ بار بار روس کی  
طرف سے کہا گیا ہے کہ امریکہ آؤ روس دونوں کے لئے اِس  
دنیا میں کافی جنگ ہے ۔ مالی و دیہی حالت کے دونوں تھلک  
ہم ایک دوسرے سے تکر لئے اپنے اپنے علاقوں میں پھول  
پھل سکتے ہیں ۔ مالکوں نے بھی اِس بات کی صدائی  
دیکھ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔ لیکن امریکہ  
والوں کی طرف سے یہ بات نہیں کہی گئی کہ وہ روس کو  
مٹانا نہیں چاہتے ۔ دبی زبان سے وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ  
ہم جو فوجی دھواڑیں کھڑی کر رہے ہیں اُس سے روس کو کوئی  
خطرہ نہیں ہے ۔ آج جب روس شانتی کے لئے یہ حد آگے  
بڑھ رہا ہے تب بھی امریکہ والے یہ افواہیں نہیں دلاتے کہ  
روس کے چاروں طرف جو فوجی جال کسا گیا ہے وہ ختم  
کر دیا جائے گا ۔ اِس کے خلاف قس قس صاحب کا کہنا ہے کہ  
اِس جال کو اور مضبوط کیا جائے گا ۔ آئرن ہاور کا کہنا ہے کہ  
لنڈن شانتی کا ہتھیار ہے ۔ پیچم کو شانتی قائم رکھنے کے لئے  
ایسا کیا اور بھانا چاہتے کیونکہ کمزور راج شانتی کی رکھا  
نہیں کر سکتے ۔ مگر اُنکی نے یہی اپنے دماغ میں کیا ہے —  
”ہمیں پس منظر کے لئے یہ چاہئے جس سے ہم اپنے ساتھیوں پر



فصلوں کے پہلے اس پرکے سے یہ اسبند کرتے تھے کہ وہ بھی کوئی  
نہ کوئی قسم لگائے گا اور چھٹی اور گیارہ کو روزوں میں آنے کی  
مخصوص دے گا۔ سالوں نے اس بات کو شرط کر روپ میں بھی  
نہیں لگنا لیکن دہی زبانی اشارہ ضرور کیا ہے۔ ہر قسم کے  
ہفتہ اسبند اور اُس کے ٹکٹ والوں کی طرف سے ابھی تک  
کوئی ایسی آواز نہ تھی دیکھائی گئی جس سے پتہ چل سکے  
کہ ان کی نہ صرف بھی صلح کرنے کی اور شاعری کو استعہالی  
بھاننے کی ہے۔

روشن کے اس رخ کے سمجھنے میں امریکہ کے سرکاری  
حکاموں کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس بات سے اعجاب نہیں  
ہے کہ روس اداوارکا دیکھا رہا ہے بلکہ اچانک اس بات کا  
ہے کہ اس مہدان میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا ہے۔ امریکہ کے  
راہنماؤں نے انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا—  
”کنوینشنس دنیا کی طرف سے شانتی کے لئے جو سمجھاؤ  
ائے ہیں انہیں ہم سمجھاؤں کر چلوں گے اور اس سے  
تک سمجھاؤں گے جب تک کوئی کورا تجربہ ہو۔“  
لیکن امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے سرکاریوں  
مستتر قس نے ۱۷ اپریل کو واشنگٹن میں کہا ہے کہ  
”کنوینشنس کی طرف سے جو یہ سدھانا  
دیکھائی جا رہی ہے اس سے کوئی بدنامی فرقی پڑا نہیں  
ہوتا کیونکہ پچھلی دیکھوں کو روس کی طرف سے جو  
خطرہ ہے وہ بڑا ہے گا۔ پھر وہی جھگڑا ختم کرنے کے لئے  
کنوینشنس سے مہل کی کچھ ٹلجائیں پڑاؤ کی جاسکتی  
ہے۔“ انہوں نے یہ بھی کہا کہ—”ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے پروگرام  
کو جاری رکھیں اور یورپ میں ’ہنگو‘ کو مضبوط بنائیں۔“  
انہوں نے اور قس کے بیانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے  
لیکن نہ جانے کہوں مستتر قس کا کہنا کہ ان کا بیان  
انہوں نے اور کے بیان سے الگ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نہت  
مونیوں کی ایک ہو لیکن انہوں نے زیادہ متعلقی کی  
ہو اور یہ رخ لیا ہو اور مستتر قس نے طاقت کے نہت  
میں دل کی بات اگل دی ہو۔ لندن میں۔ مستر ایڈن  
نے کہا ہے کہ—”برطانیہ آدھ راستے چل کر شانتی کے  
رخ کا سواکت کرے گا۔ آج ہم شانتی قائم ہونے کی  
دھانیاں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی  
کوششوں میں قہرل نہ ڈالنی چاہئے اور اپنی سر دھاک کے  
لئے مضبوط ہونا چاہئے۔“ فرانس کی طرف سے ابھی کچھ  
نہیں کہا گیا۔

دنیا نے روس اور امریکہ کے دغ میں جو فرق ہے اسے  
 ضرور دیکھ لیا ہوگا۔ اس بات پر روشنی ڈالتے سے پہلے  
 ہم روس اور امریکہ کے جو کچھ کو سمجھ لیں : امریکہ  
 کا پچھلے یہ ہے کہ روسی سامراجی ہوں اور یہ دنیا  
 کو قائم بنانے کے لئے لقمہ لقمہ کھاتے ہوئے ہیں۔ سمجھو  
 یہ دنیا کے ایک تہائی حصے کو آل کو چکے



ہونے کی ضمانت دینا پھر پورا ہو گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو انہیں اپنی مرضی سے اپنی وطن چلنا چاہتے ہیں انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ اسی اصرار پر بیمار بعض صحافیوں کے نمائندے کی تماریاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے ہمارے میں جو اپنی لٹی لے کر وہ ایک تسمیہ دیہی کے سپرد کر دیئے جانے والے ان کی مرضی معلوم کر کے انہیں ان کے دیہی بھیج دیا جائے۔ اس سببوں کی دوست دشمنی سب نے سراہا کی ہے۔ کمونسٹ دنیا نے یہ سببوں کو جو ادارا دکھائی ہے اس کا دنیا کی چلتا پر بہت ہی اچھا اثر پڑا ہے۔

(2) برلین میں ٹریفک کو لے کر آگے بڑھ رہا کرتے ہیں۔ روس نے ٹریفک کے संबंध میں پانچویں برلین والوں کو کافی سوجناؤں دی ہیں۔

(3) روس نے اتر کوریا والوں سے سیکرٹری کی کہ وہ امریکا، برطانیہ اور فرانس کے سیکرٹریوں کو چھوڑ دے۔ ایسے لہجے چھوڑ دی گئے ہیں۔

(4) روسی کمانڈ نے برطانیہ کے ایک جہاز کو جرمنی میں گرا دیا تھا کیونکہ وہ روسی جہازوں میں چلا گیا تھا۔ روس نے اس واقعہ پر دیکھ کر کہ اور برطانیہ کو لکھا کہ فرانس، برطانیہ، امریکا اور روس بات چیت کر کے جہازوں کی اڑان کے سمندر میں کچھ ادارا نہ بنالیں۔ برطانیہ نے یہ سببوں مان لیا ہے۔

(5) روس نے امریکا کے دس جرنلسٹوں کو پکارتا دیا تاکہ وہ روس میں آئیں اور انہیں خود اپنی باتوں سے دیکھ سکیں۔

(6) سوویتن کے ملحقہ کو روس نے یونو کے جنرل سکرپٹری کے روپ میں سوویت کر لیا۔

دنیا کی چلتا اور خاص کر ہمارے کی چلتا ہے اس بات کو نہتہ کہا ہے کہ روس اور روسی ٹی کے دوسرے دیہی تو کوہستانی لوائی بلند کرنے اور تھلکی لوائی کو ختم کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے جاتے ہیں لیکن امریکا اور اس کے ٹی کے دیہی خاموش ہیں، سکوچ کرتے ہیں۔ روس نے سد بھاؤنا دینا کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی۔ اس سببوں اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ امریکا والے قتل ہاتھ ملان لیں تو صلح ہو سکتی ہے۔ ان کی فہمی یہ نہیں ہے کہ وہ سببوں رکھیں اور ان سببوں کو دوسرے جانیں بلکہ وہ ایک راستہ نکال لیتے ہیں اور اس پر چل پڑتے ہیں۔ راستہ اتنا سیدھا اور چارو ہوتا ہے کہ دوسروں کو سمجھ کر اس طرف قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ عالمی مسئلہ لوگ روس کے ان ادار

ہونے کی ضمانت دینا پھر پورا ہو گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو انہیں اپنی مرضی سے اپنی وطن چلنا چاہتے ہیں انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ اسی اصرار پر بیمار بعض صحافیوں کے نمائندے کی تماریاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے ہمارے میں جو اپنی لٹی لے کر وہ ایک تسمیہ دیہی کے سپرد کر دیئے جانے والے ان کی مرضی معلوم کر کے انہیں ان کے دیہی بھیج دیا جائے۔ اس سببوں کی دوست دشمنی سب نے سراہا کی ہے۔ کمونسٹ دنیا نے یہ سببوں کو جو ادارا دکھائی ہے اس کا دنیا کی چلتا پر بہت ہی اچھا اثر پڑا ہے۔

(2) برلین میں ٹریفک کو لے کر آگے بڑھ رہا کرتے ہیں۔ روس نے ٹریفک کے संबंध میں پانچویں برلین والوں کو کافی سوجناؤں دی ہیں۔

(3) روس نے اتر کوریا والوں سے سیکرٹری کی کہ وہ امریکا، برطانیہ اور فرانس کے سیکرٹریوں کو چھوڑ دے۔ ایسے لہجے چھوڑ دی گئے ہیں۔

(4) روسی کمانڈ نے برطانیہ کے ایک جہاز کو جرمنی میں گرا دیا تھا کیونکہ وہ روسی جہازوں میں چلا گیا تھا۔ روس نے اس واقعہ پر دیکھ کر کہ اور برطانیہ کو لکھا کہ فرانس، برطانیہ، امریکا اور روس بات چیت کر کے جہازوں کی اڑان کے سمندر میں کچھ ادارا نہ بنالیں۔ برطانیہ نے یہ سببوں مان لیا ہے۔

(5) روس نے امریکا کے دس جرنلسٹوں کو پکارتا دیا تاکہ وہ روس میں آئیں اور انہیں خود اپنی باتوں سے دیکھ سکیں۔

(6) سوویتن کے ملحقہ کو روس نے یونو کے جنرل سکرپٹری کے روپ میں سوویت کر لیا۔

دنیا کی چلتا اور خاص کر ہمارے کی چلتا ہے اس بات کو نہتہ کہا ہے کہ روس اور روسی ٹی کے دوسرے دیہی تو کوہستانی لوائی بلند کرنے اور تھلکی لوائی کو ختم کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے جاتے ہیں لیکن امریکا اور اس کے ٹی کے دیہی خاموش ہیں، سکوچ کرتے ہیں۔ روس نے سد بھاؤنا دینا کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی۔ اس سببوں اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ امریکا والے قتل ہاتھ ملان لیں تو صلح ہو سکتی ہے۔ ان کی فہمی یہ نہیں ہے کہ وہ سببوں رکھیں اور ان سببوں کو دوسرے جانیں بلکہ وہ ایک راستہ نکال لیتے ہیں اور اس پر چل پڑتے ہیں۔ راستہ اتنا سیدھا اور چارو ہوتا ہے کہ دوسروں کو سمجھ کر اس طرف قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ عالمی مسئلہ لوگ روس کے ان ادار



—मुजीब रिषावी



اس طرح سے لایا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے سمجھیں کہ یہوم پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ہرمانی سرکار نے جو اپنی حکمت میں ان سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ ماؤنٹیننگ کے سہائی نہیں ہیں بلکہ چانگ کائی شوک کے ہی آدمی ہیں۔ ہرمانی فوج نے کومینتاگ والوں کی ایک ٹکڑی کو مارا تھا۔ اس لڑائی میں تین امریکی بھی مرے ہیں جو ان فوجوں کو ٹریننگ دیتے تھے۔ امریکی سرکار شاید یہ کہہ دیتی کہ ہر یورپی گورا ہوتا ہے، اس لئے ان کوہوں کو امریکی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کی جہموں سے جو قاتریاں ملی ہیں ان سے اس بات کا پکا ثبوت ملتا ہے کہ وہ امریکی تھے۔ قاتریوں میں ان کا پتہ، ان کے رشتہ داروں کا پتہ اور ان کے خاندان والوں کی تصویروں بھی ملی ہیں۔ دوسرے کھنڈوں سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ ان فوجوں کا فارموسا سے پکا تعلق ہے اور انہیں تھائی لینڈ کی طرف سے ہتھیار وغیرہ کی سہائی ہوتی ہے۔ اب حال کے دورے کا ذکر کرتے ہوئے پانچت بہرو نے ایک بات یہ بتائی ہے کہ—”دون“ (یہ تھائی لوگ ہیں اور ہرمانی سرکار سے ہتھیار لے کر لڑ رہے ہیں) وندوہ میں بہت سے مشدیں بھی تھیں۔ مل میں کھوکھ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ”اھاروں میں خبر آچکی ہے کہ دون اور کومینتاگ کے سہائی مل جل کر ہرمانی سرکار کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اگر اس سبب تو بھی امریکہ اور مشدیں سے جوڑ دیا جائے تو دینی غلطی نہ ہوگی اور یہ بات صاف ہو جائے گی کہ کومینتاگ والے ’دون‘ والوں سے کہوں مل سکے۔

اس طرح سے لایا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے سمجھیں کہ یہوم پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ہرمانی سرکار نے جو اپنی حکمت میں ان سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ ماؤنٹیننگ کے سہائی نہیں ہیں بلکہ چانگ کائی شوک کے ہی آدمی ہیں۔ ہرمانی فوج نے کومینتاگ والوں کی ایک ٹکڑی کو مارا تھا۔ اس لڑائی میں تین امریکی بھی مرے ہیں جو ان فوجوں کو ٹریننگ دیتے تھے۔ امریکی سرکار شاید یہ کہہ دیتی کہ ہر یورپی گورا ہوتا ہے، اس لئے ان کوہوں کو امریکی نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کی جہموں سے جو قاتریاں ملی ہیں ان سے اس بات کا پکا ثبوت ملتا ہے کہ وہ امریکی تھے۔ قاتریوں میں ان کا پتہ، ان کے رشتہ داروں کا پتہ اور ان کے خاندان والوں کی تصویروں بھی ملی ہیں۔ دوسرے کھنڈوں سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ ان فوجوں کا فارموسا سے پکا تعلق ہے اور انہیں تھائی لینڈ کی طرف سے ہتھیار وغیرہ کی سہائی ہوتی ہے۔ اب حال کے دورے کا ذکر کرتے ہوئے پانچت بہرو نے ایک بات یہ بتائی ہے کہ—”دون“ (یہ تھائی لوگ ہیں اور ہرمانی سرکار سے ہتھیار لے کر لڑ رہے ہیں) وندوہ میں بہت سے مشدیں بھی تھیں۔ مل میں کھوکھ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ”اھاروں میں خبر آچکی ہے کہ دون اور کومینتاگ کے سہائی مل جل کر ہرمانی سرکار کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اگر اس سبب تو بھی امریکہ اور مشدیں سے جوڑ دیا جائے تو دینی غلطی نہ ہوگی اور یہ بات صاف ہو جائے گی کہ کومینتاگ والے ’دون‘ والوں سے کہوں مل سکے۔

ہرمانی یونو کے جنرل سکریٹری کو کہیں بھیج دیا ہے کہ وہ اس مسئلے کو جنرل اسمبلی کے سامنے رکھیں۔ کہلم کھلا بات کرنے کے لئے ہرمانی سرکار نے اپنا دامن بھی چھوڑ لیا ہے۔ پانچت فور ایڈ کی مدد ہرمانی کو بھی امریکہ سے ملتی ہے۔ یہ فور ’ایڈ‘ ایسی سرکھا قانون کے آدمیوں ملتی ہے۔ امریکہ کا بولڈا پھوڑ نے یہ یہ ضروری تھا کہ ہرمانی قانون سے چھٹکارا پالے۔ ہرمانی خفیہ کی بات ہے کہ اس نے امریکہ کو تکنیکی سہموگ سمجھوتہ کو رد کرنے کی پوسٹ دے دی ہے اور امریکی دشمنی دھلی سے اپنا ہرمانی دستور باندھ رہے ہیں۔ دوسرے ایشیائی ملکوں کو اس سے سبق لیتا چاہئے کیونکہ جس خطرے کا آہاس ہرمانی آج کر لیا ہے اسے انہیں کل کرنا ہی پڑے گا۔ قبل ملک وہ ہے جو زہر کھا کر زہر کے اثر کا پتہ نہیں لگاتا بلکہ دوسرے کی حالت دیکھ کر چوکتا ہو جاتا ہے۔

یونو کے سامنے یہ مسئلہ بھی دقتوں کا ہی ہے۔ کیا کیا ہوگا جس سے یہ سمجھ جائے کہ ان کھنڈوں کے اھاروں جو ہرمانی سرکار بھیج رہے ہیں وہ امریکہ کو

ہرمانی نے یونو کے جنرل سکریٹری کو کہیں بھیج دیا ہے کہ وہ اس مسئلے کو جنرل اسمبلی کے سامنے رکھیں۔ کہلم کھلا بات کرنے کے لئے ہرمانی سرکار نے اپنا دامن بھی چھوڑ لیا ہے۔ پانچت فور ایڈ کی مدد ہرمانی کو بھی امریکہ سے ملتی ہے۔ یہ فور ’ایڈ‘ ایسی سرکھا قانون کے آدمیوں ملتی ہے۔ امریکہ کا بولڈا پھوڑ نے یہ یہ ضروری تھا کہ ہرمانی قانون سے چھٹکارا پالے۔ ہرمانی خفیہ کی بات ہے کہ اس نے امریکہ کو تکنیکی سہموگ سمجھوتہ کو رد کرنے کی پوسٹ دے دی ہے اور امریکی دشمنی دھلی سے اپنا ہرمانی دستور باندھ رہے ہیں۔ دوسرے ایشیائی ملکوں کو اس سے سبق لیتا چاہئے کیونکہ جس خطرے کا آہاس ہرمانی آج کر لیا ہے اسے انہیں کل کرنا ہی پڑے گا۔ قبل ملک وہ ہے جو زہر کھا کر زہر کے اثر کا پتہ نہیں لگاتا بلکہ دوسرے کی حالت دیکھ کر چوکتا ہو جاتا ہے۔

یونو کے سامنے یہ مسئلہ بھی دقتوں کا ہی ہے۔ کیا کیا ہوگا جس سے یہ سمجھ جائے کہ ان کھنڈوں کے اھاروں جو ہرمانی سرکار بھیج رہے ہیں وہ امریکہ کو



कोमिनतान्ग को कौनों दुम्हारी कुम्हक के काम आर्यगी और बरमा सरकार ने उन कौनों को पूरी छूट दे दी हो कि वह अपने को कम्युनिस्टों के खिलाफ लड़ने के लिये अच्छी तरह तैयार कर लें, लेकिन सवाल यह उठता है कि कौन सी परिस्थिति आज बदल गई है जिससे बरमा ने कोमिनतान्ग के कौनों के सवाल को इतना भयानक बना दिया है और दुनिया के राजनीत में एक नई गोः फंसा दी है, इन्हीं जानकारों का कहना है कि यह सब बरतानिया और अमरीका की आपसी होड़ का नतीजा है एशिया में हर हर जगह बाजारों पर कब्जा करने की बरतानिया और अमरीका दौड़ लगा रहे हैं, बरतानिया इन बाजारों का पुराना सौदागर है और अमरीका जब आगे बढ़ता है तब उसे बरतानिया से टक्कर लेनी पड़ती है, दोनों देश कम्युनिस्टों के विरोध में तो एक हैं लेकिन एक दूसरे का भी विरोध वह हर सतह पर करते हैं, बरमा को बरतानिया ने हिम्मत दिलाई है और उसे अमरीका के खिलाफ एक पबरवस्त मोहरा बना दिया है, क्योंकि अगर बरमा ने सुल्लम खुशहा अमरीकी करतूतों का भंडा फोड़ किया तो अमरीका का असर एशियाई मुल्कों पर खतम सा हो जायगा और हर जगह अमरीकियों पर अविश्वास फैल जायगा.

बरमा ने सिक्थोरिटी कौन्सिल के सामने अपना मुकदमा पेश करने के बजाय जनरल असेम्बली के सामने यह मुकदमा रखा है. यह बात बड़ी महत्व की है. कुछ लोगों का कहना है कि सिक्थोरिटी कौन्सिल के सामने बरमा ने इस लिये मुकदमा नहीं रखा क्योंकि उसे कश्मीर का हाल मालूम था और उसे जानकारी थी कि सिक्थोरिटी कौन्सिल में कैसेला कुछ नहीं हो पाएगा लेकिन देर बहुत लग जायगी. दूसरी वजह यह भी है कि बरमा के हमदर्द मुल्कों की सिक्थोरिटी कौन्सिल में कमी है. कुछ जानकारों का कहना है कि चूंकि अमरीका और चांग काई शेक दोनों के खिलाफ बरमा की शिकायत है इस कारन यह दोनों देश पूरी कोशिश करेंगे कि यह मामला एजन्डा पर न आए. बीहो का इस्तेमाल भी होगा. ऐसी हालत में बरतानिया और फ्रांस की पोलीशन नाफुक हो जायगी. बरतानिया वहां अमरीका के खिलाफ कुछ कह नहीं सकता है और अमरीका की करतूतों को काहिर कराए बिना उसे बैन भी नहीं है. ऐसी हालत में यह ठीक है कि जनरल असेम्बली में यह सवाल पेश किया जाए.

अमरीका वाले भी मामूली खिलाड़ी नहीं हैं उन्होंने हर तरह से प्रचार किया है कि चीन के यह सिपाही चांग काई शेक के आदमी नहीं हैं बल्कि चीनी रेड आरमी के खिलाड़ी हैं जो मेस जल कर आए हैं और बरमा के जंगलवासी भी मजबूत करते हैं। अखबारों में इस खबर को

مستعفی کی وجہوں میں اس کی شک کے کام آئیں  
 اور ہرما سرکار نے ان فوجوں کو واپس چھوڑ  
 دیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان فوجوں کے خلاف لڑنے  
 کے لئے اچھی طرح تیار کر لیں۔ لیکن سوال یہ اٹھتا  
 ہے کہ کونسی پرستعفی آج بدل گئی ہے جس سے ہرما نے  
 کمپننگ کے فوجوں کے سوال کو اتنا بے ہنگام بنا دیا  
 ہے اور دنیا کے راج نہت میں ایک نئی گوت پہنسا دی  
 ہے۔ انہوں جانکاروں کا کہنا ہے کہ یہ سب برطانیہ اور  
 امریکہ کی آپسی ہرز کا نتیجہ ہے۔ ایسا نہیں ہو رہا جگہ  
 بازاروں پر لکھنے والے ای برطانیہ اور امریکہ دوڑ لگا رہے  
 ہیں۔ برطانیہ ان بازاروں کا پرانا سوداگر ہے اور امریکہ  
 جب آکر بڑھتا ہے تب اسے برطانیہ سے ٹکر لہنی پڑتی ہے۔  
 دونوں دیکھ کر کمپننگ کے وروندہ میں تو ایک مہلک  
 ایک دوسرے کا بھی وروندہ وہ ہو سطح پر جاتے ہیں۔ ہرما  
 کو برطانیہ نے ہمت دلائی ہے اور اسے امریکہ کے خلاف  
 ایک زبردست مہمہ بنا دیا ہے، یہیں کہ اگر ہرما نے کھلم  
 کھلا امریکی کڑتوتوں کا بھڑکا ہوا ہوا تھا تو امریکہ کا اثر  
 ایشیائی ملکوں پر ختم سا ہو جائے گا اور ہر جگہ امریکوں  
 پر اوہ اس پہل جائے گا۔

ہرما نے سیکورٹی کونسل کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر کے بجائے جنرل اسمبلی کے سامنے یہ مقدمہ رکھا ہے۔ یہ بات بڑی مہتموی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سیکورٹی کونسل کے سامنے ہرما نے اس لئے مقدمہ نہیں رکھا کیونکہ اسے کشمیر کا حال معلوم تھا اور اسے جانکاری تھی کہ سیکورٹی کونسل میں فوجیہ ممبروں نے کچھ نہیں ہو پائے گا لیکن دیر بہت لگ جائے گی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہرما نے ہندوستان کی سیکورٹی کونسل میں کسی سے کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ چونکہ امریکہ اور چانگ کانٹی شک دونوں کے خلاف ہرما کی شکایت ہے اس کا وہ یہ دونوں ممبروں کو ہی کوشش کریں گے کہ یہ معاملہ ایجنڈا پر نہ آئے۔ 'ویٹو' کا استعمال بھی ہو گا۔ ایسی حالت میں برطانیہ اور فرانس کی پوزیشن نازک ہو جائے گی۔ برطانیہ وہاں امریکہ کے خلاف کچھ کہ نہیں سکتا ہے اور امریکہ کی کڑیوں کو ظاہر کرانے پر اسے چھوٹی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں یہ ٹھیک ہے کہ جنرل اسمبلی میں یہ سوال پیش کیا جائے۔

امریکہ والے بھی معمولی کھڑی نہیں ہیں۔ انہوں نے ہر طرح سے پرچار کیا ہے کہ چین کے یہ سہاوی چانگ کالی شہک کے آدمی نہیں ہیں بلکہ چینی ریت آدمی کے سہاوی ہیں جو ہمیں بدل کر آئے ہیں اور ہرما کے کمونسٹوں کی مدد کرتے ہیں۔ اخباروں میں اس خور کو



جھمکے یہ بھی اُنکی فوج کی ایک لکڑی ہو۔ اس سہولت  
میں ہر جس سڑکار کا کہنا ہے کہ وہ اپنی اندرونی جھگڑوں میں  
پہنچ گئی اور اندر سے اسے دھماکا ملتا ہوا۔ یہ بات بھی  
دھماکا میں دکھائی جائے کہ لکڑی جھگڑ کی سڑکار نے ہر سڑکار  
سے پرارتہ کیا کی کہ وہ جھگڑ کے ساتھ سہولت کرے اور دونوں  
مل کر کوسلٹانگ کی فوجوں سے چھٹکارا پالیں۔ لیکن  
ہرما کی سڑکار نے یہ پرارتہ کیا سڑکار نہیں کی اور یہ کہہ کر  
ٹا دیا کہ وہ اندر دھمکی جھمکے میں پوتا نہیں  
چاہتی۔

ہرمی سرکار کی یہ دلیل نہیں چھوٹی کہ وہ اندرونی گوبو کی وجہ سے کوملنگ کی فوجوں پر دھیان نہیں دے سکی اور گھوڑائی میں جاتے سے شک ہونے لگتا ہے کہ اندرونی گوبو کے علاوہ کوئی دوسری چیز تھی جس نے سرکار کو کاسہاب قدم اٹھانے سے روکا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اندرونی خطرے کا پہلے مقابلہ کیا جانا ہے کہ باہری خطرے کا، وہ بھی باہری خطرے معمولی نہیں۔ کچھ ہتھیار بلند سپاہی اندر اندر منہ مارتے، لوٹ کھسوٹ کرتے نہیں پھرتے بلکہ باقاعدہ چھارنی ملتے ہیں، ہوائی اڈا تیار ہوتا ہے، باہری ملکوں سے ان فوجوں کا سمبندہ بڑھتا ہے، نئے نئے ہتھیار ملک کے اندر آتے ہیں، فوج کی پریکٹ ہوتی ہے، نئے نئے رنگروٹ بھرتی کرنے لگتے جاتے ہیں اور فوج کی تعداد روز بڑھتی جاتی ہے۔ ہرمی کی سرکار باہری حملہ آور اور بھڑکے کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے گھر کی باتوں کو مارنے کے لئے ساری طاقت لگا دیتی ہے۔ مان لیا گھر کا دشمن بہت خطرناک ہے، وہ راج آیت دے گا اور موجودہ سرکار کو ختم کر دے گا۔ لیکن باہری دشمن تو وہ خطرے ہے جو سرکار کو ہی ختم نہیں کرے گا بلکہ سارے دیہوں کو ہی ختم کر دے گا۔ سرکار نے جو رخ اس سمبندہ میں اٹھایا تھا اس سے دو باتیں صاف ہوتی ہیں: (1) موجودہ سرکار کو دیہی کے مقابلہ میں اپنا زیادہ خیال ہے، اپنی اہمیت نہ کرنے دیہے کی اسے زیادہ چلتا ہے۔ (2) باہر کا چاہے جتنا ہوا ہی خطرے کہوں نہ ہو وہ اپنے دیہے کے کمونسٹوں کے مقابلے میں اسے کم خطرے سمجھتی ہے۔ اس کا ایک مائر لکھی کمونسٹ وردہ ہے۔

یہ بات صاف ہے کہ ہرما پر برطانیہ کا کافی اثر رہا ہے اور انگلو امریکی ہٹلر جنگ لائی شیک کی پیمو پر ہاتھ رکھ رہا ہے۔ کچھ جاذبوں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ واپس نے ہر کسی سرکار کو دائر دی کہ وہ کمیونسٹوں کو مٹا دے۔ میں ساری طاقت لگائے کیونکہ انہیں تو ہے کہیں ہرما ہی۔ کمیونسٹوں کو ہٹلر، جو سیکڑے کہ انہوں نے یہ ہی کہا ہے کہ



کمر کے ساتھ ساتھ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ برصغیر میں برصغیر نہیں ہے بلکہ مسیحوت کو تھکرائے کی ساری لمحہ  
ہوئی برصغیر پر ہے اور وہ ہر مہمکنہ سے ایشیائی دہشوں  
کو لہجہ چمائی رکھتا چاہتا ہے۔

5.4. '53

—موسیٰ ریحانی

یونو اور برما  
کوئی بھی ملک بدھسی فوجوں کو اپنی زمین پر  
ہونا آہستہ نہیں کر سکتا۔ برما نے دیر ضرور کر دی ہے اس  
دھیمہ میں جو قدم اُس نے اٹھایا ہے وہ سراسر اسی ہے جب ہم  
اس مسئلہ پر پہنچتے ہیں تو وہ کہہ کہ سوال اٹھتا ہے  
کہ سن '49 سے لے کر اب تک برما اس وقت سے مومن خاموش  
کہوں رہا؟ چانگ کائی شہک سن '49 میں چھن چھن  
کر بہا رہا اور چھن کے پلان نامی صوبے میں اُس سے  
لڑنے والی اُن کی فوج کی ایک تھری ہار کر برما میں  
گھس آئی تھی۔ اسکی کلکتہ دو ایک ہزار تھی۔ اس تھری  
نے برما کی فوج کو اپنا ہتھیار سونپ دیئے اور اُن سہاویوں  
کو ایک خاص علاقے میں محصور سا کر دیا تھا۔ برما کے  
وہیں ملٹری کے کھیل سے پتہ چلتا ہے کہ سن '50 نے  
شروع میں 1700 سہاوی اور برما میں گھس آئے۔ اُن سے  
بھی برسی فوج نے مانگ کی کہ وہ ہتھیار رکھ دیں یا  
مانگ چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس تھری نے برسی فوج کی  
مانگ کی پروا نہیں کی اور اپنا ہتھیار وارنر مضبوط کرنے  
میں لگی رہی۔ برسی فوج کو اپنی مانگ منوانے کے لئے  
ہتھیار اٹھانا پڑا۔ سن '50 کے ہجے میں کوملنگ کی  
فوجوں برسی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پچھم کی  
طرف ہٹ گئیں اور انہوں نے برما اور تھائی لینڈ کی سرحد  
پر مانگ زٹ میں اپنا ہتھیار وارنر ہٹا لیا۔ تب سے ان  
فوجوں میں دن پر دن بڑھتی ہوئی گئی۔ پلان اور چھن  
کے دوسرے سرحد۔ عربوں میں کوملنگ کی ایجنٹ گئے  
اور لگے لگے سہاوی ہو کر کے لائے۔ مانگ زٹ میں انہوں نے  
ہوائی جہاز آقا ہو ہٹا لیا جہاں برابر جہاز اترتے تھے  
اور لگے لگے ہتھیار اور دوسرے ضروری سامان ان فوجوں کو  
مہیا کرتے تھے۔ وہیں ملٹری کے بیان سے اور جہاں تک  
ہماری جانکاری ہے برما سرکار کے دوسرے بیانوں سے یہ پتہ  
نہیں چلتا کہ مانگ زٹ میں پہنچ جانے پر برسی فوج  
نے کیا رخ کیا؟ کیا لڑائی ہوئی تھی اور برسی فوج انہیں  
باہر نکالنے میں ناکام تھی؟ کیا ان فوجوں کو سہولت  
ہوئے دیا گیا اور سرکار میں دھمی؟ زیادہ جہان میں کرنے  
سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار نے کوملنگ کی فوجوں کو  
میں مانی کرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایسا رخ اختیار کیا

محبوب دھوی

5-4-'53

## یونو اور برما

کوئی بھی ملک بدھسی فوجوں کو اپنی زمین پر  
برصغیر نہیں کر سکتا۔ برما نے دیر ضرور کر دی ہے  
اس بدھسی میں جو قدم اُس نے اٹھایا ہے وہ سراسر اسی ہے  
جب ہم اس مسئلہ پر پہنچتے ہیں تو وہ کہہ کہ سوال اٹھتا ہے  
کہ سن '49 سے لے کر اب تک برما اس وقت سے مومن خاموش  
کہوں رہا؟ چانگ کائی شہک سن '49 میں چھن چھن  
کر بہا رہا اور چھن کے پلان نامی صوبے میں اُس سے  
لڑنے والی اُن کی فوج کی ایک تھری ہار کر برما میں  
گھس آئی تھی۔ اسکی کلکتہ دو ایک ہزار تھی۔ اس تھری  
نے برما کی فوج کو اپنا ہتھیار سونپ دیئے اور اُن سہاویوں  
کو ایک خاص علاقے میں محصور سا کر دیا تھا۔ برما کے  
وہیں ملٹری کے کھیل سے پتہ چلتا ہے کہ سن '50 نے  
شروع میں 1700 سہاوی اور برما میں گھس آئے۔ اُن سے  
بھی برسی فوج نے مانگ کی کہ وہ ہتھیار رکھ دیں یا  
مانگ چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس تھری نے برسی فوج کی  
مانگ کی پروا نہیں کی اور اپنا ہتھیار وارنر مضبوط کرنے  
میں لگی رہی۔ برسی فوج کو اپنی مانگ منوانے کے لئے  
ہتھیار اٹھانا پڑا۔ سن '50 کے ہجے میں کوملنگ کی  
فوجوں برسی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پچھم کی  
طرف ہٹ گئیں اور انہوں نے برما اور تھائی لینڈ کی سرحد  
پر مانگ زٹ میں اپنا ہتھیار وارنر ہٹا لیا۔ تب سے ان  
فوجوں میں دن پر دن بڑھتی ہوئی گئی۔ پلان اور چھن  
کے دوسرے سرحد۔ عربوں میں کوملنگ کی ایجنٹ گئے  
اور لگے لگے سہاوی ہو کر کے لائے۔ مانگ زٹ میں انہوں نے  
ہوائی جہاز آقا ہو ہٹا لیا جہاں برابر جہاز اترتے تھے  
اور لگے لگے ہتھیار اور دوسرے ضروری سامان ان فوجوں کو  
مہیا کرتے تھے۔ وہیں ملٹری کے بیان سے اور جہاں تک  
ہماری جانکاری ہے برما سرکار کے دوسرے بیانوں سے یہ پتہ  
نہیں چلتا کہ مانگ زٹ میں پہنچ جانے پر برسی فوج  
نے کیا رخ کیا؟ کیا لڑائی ہوئی تھی اور برسی فوج انہیں  
باہر نکالنے میں ناکام تھی؟ کیا ان فوجوں کو سہولت  
ہوئے دیا گیا اور سرکار میں دھمی؟ زیادہ جہان میں کرنے  
سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار نے کوملنگ کی فوجوں کو  
میں مانی کرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایسا رخ اختیار کیا



یہ کھلم کی صورت میں اس کے عہدائے سلیم جانے پہچانے  
انگریزی کی خدمت میں۔ جس نے بعد انگریزوں نے جس  
سے اس جنگ حمله کو دیا اور اعلان کیا کہ انہوں نے عہدائے  
کو دیا تھا ہے اور واقعی کور پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ بعد  
میں یہ بھی اعلان ہوا کہ عہدائے سلیم نے سلطان مسقط  
کی بہت سی قسم لیا لی ہے۔

اس طرح برطانوی شہر کے شہرے سمجھوتے کو توڑ کر آگے بڑھتا رہا۔

اسی سمجھوتے کی دھار 2 A میں لکھا ہے کہ انگریزوں نے جو دلاویز لکے رکھے ہیں کہ ہوائی جہاز ہوریسی پر نہ تھی اُزان نہ پھریں یا مال اُدھر سے اُدھر نہ جائے وہ سب زد کر دی جائے گی اور عوام نے آتے جانے پر کوئی روک تھام نہیں ہوگی۔ سعودی عرب والے بھی کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے اشتعال پیدا ہو۔ دھار 3 D میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہوریسی میں شہنشاہ اور اس کے سب سامان آ سکتا ہے جس کا سمبندھ لوائی سے نہیں ہے۔ لیکن اس سمجھوتے کی سیاہی بھی نہیں سوئگی اور نہچھ لکھی ٹھکانوں ہوتی رہوں :

(1) 20 مارچ یا اُس کے لگ بھگ برطانیہ نے  
ہوریسی کے باہر ایک چوکی بیتھادی قائم کی اور اسی میں  
سیٹائی نہ آ سکے۔

(2) سعودی عرب کی طرف سے یورپی نے اس پر 22 مارچ کو قبضہ کر لیا۔

(3) 24 مارچ کو 150 روپے کی بجائے 10 روپے کی رقم دی گئی تھی۔

(4) نہیں ہے پوریسی کے جیج کے لئے فرنیچر، آ رہا تھا  
اے ہی ضبط کر لیا گیا۔

(5) 19 مارچ سے برطانیہ نے دہلی اور بورمی کے  
 بیچ ٹرلک پر روک لگا دی۔ اس علاقے میں ہتھیار بند  
 موٹر سے چلارول کیا جانے لگا تاکہ بورمی کے اسیر تک کوئی  
 سامان نہ پہنچ سکے۔ ایک خرچ سے چوری تاکہ بلندی کر  
 دی گئی، اس ناکہ بندی سے جلتا میں تڑا تڑا مچھ گیا۔

انگریز اپنی پرائی چالوں کو وہاں پھر آزمایا وہیں ۔  
 یہاں بھی کو حکام کو اور پھر اسے مار دو ۔ 26 مارچ کو  
 انگریزوں نے یورپیوں کے بازاروں میں جا کر اگدرو جوت سی  
 لوگوں کو قتل کیا ۔ شکایت اسکیا اور یہ سب اس لئے کیا  
 تاکہ وہاں ہندو ہو جائے ۔ ہندو نہایت کا بہانہ کر کے انگریز  
 فوج وہاں پہنچ کر حکومت سے پہنچ جائے گی اور پھر شانتی  
 قائم کر کے یہاں سکونت کے لئے ہندو قاتل رہے گی۔



ہوئی کہ اس وقت تک کہ کسی کی سرحد کہاں ختم ہوئی ہے اس تک یہ جگہ چھوڑنے کی چیز بن گئی ہے۔ برطانیہ کے لیے ملکیوں کا صلہ نامہ ہے لیکن اس کے مطابق سرحد کا یہ پتہ نہیں چلتا، سلطان مسقط اور حکیم انگریزوں کی فوجیں ہیں۔ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ہمارے راجاؤں کی تھی۔ سعودی عرب والوں کا کہنا ہے کہ یورپیوں ان کا ہے اور انہوں نے قبضہ میں ہے اور سن 51 میں سلطان مسقط کے ادھیڑوں نے دھکا دیا تو انگریزوں نے فارس کی تھاری کی طرف سے ہمارے علاقہ پر قبضہ کر دیا اور ہماری زمین پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کا کہنا ہے کہ سعودی عرب والوں نے سلطان مسقط کے علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ان دنوں دنوں میں سے کونسا سچ ہے ہم صاف طور پر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ یورپیوں کے علاقہ کو لے کر چھوڑا شروع ہوا اور 26 اکتوبر سن 52 کو برطانیہ اور سعودی عرب میں سمجھوتہ ہوا۔ اس سمجھوتہ کی دھارا کے تحت اس بات کا بندھان ہے کہ دونوں پارٹیاں اپنی اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں اور کسی طرح بھی اپنی فوجی طاقت نہ بڑھائیں۔ پہلی دفعہ کے سالہ کچھ سہائی آسکتے ہیں اور تھک سہائیوں کو قبولی پر سے ہٹانے کے لئے نئے سہائی ان کے بدلے میں آسکتے ہیں اس بات کی بھی اس سمجھوتہ میں چھوٹ دی گئی تھی۔ لیکن جس دن سے یہ سمجھوتہ ہوا انگریزوں نے اسے توڑا شروع کیا اور سعودی عرب نے ہر دفعہ اراکھا دیا لیکن اس کا جواب یہ ملا کہ اور دوسری دفعہ سمجھوتہ توڑ دیا گیا۔ اصلیت پر روشنی ڈالنے کے لئے سچے لکھی گئی ہیں

برطانیہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ کسی کی سرحد کہاں ختم ہوئی ہے اس تک یہ جگہ چھوڑنے کی چیز بن گئی ہے۔ برطانیہ کے لیے ملکیوں کا صلہ نامہ ہے لیکن اس کے مطابق سرحد کا یہ پتہ نہیں چلتا، سلطان مسقط اور حکیم انگریزوں کی فوجیں ہیں۔ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ہمارے راجاؤں کی تھی۔ سعودی عرب والوں کا کہنا ہے کہ یورپیوں ان کا ہے اور انہوں نے قبضہ میں ہے اور سن 51 میں سلطان مسقط کے ادھیڑوں نے دھکا دیا تو انگریزوں نے فارس کی تھاری کی طرف سے ہمارے علاقہ پر قبضہ کر دیا اور ہماری زمین پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کا کہنا ہے کہ سعودی عرب والوں نے سلطان مسقط کے علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ان دنوں دنوں میں سے کونسا سچ ہے ہم صاف طور پر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ یورپیوں کے علاقہ کو لے کر چھوڑا شروع ہوا اور 26 اکتوبر سن 52 کو برطانیہ اور سعودی عرب میں سمجھوتہ ہوا۔ اس سمجھوتہ کی دھارا کے تحت اس بات کا بندھان ہے کہ دونوں پارٹیاں اپنی اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں اور کسی طرح بھی اپنی فوجی طاقت نہ بڑھائیں۔ پہلی دفعہ کے سالہ کچھ سہائی آسکتے ہیں اور تھک سہائیوں کو قبولی پر سے ہٹانے کے لئے نئے سہائی ان کے بدلے میں آسکتے ہیں اس بات کی بھی اس سمجھوتہ میں چھوٹ دی گئی تھی۔ لیکن جس دن سے یہ سمجھوتہ ہوا انگریزوں نے اسے توڑا شروع کیا اور سعودی عرب نے ہر دفعہ اراکھا دیا لیکن اس کا جواب یہ ملا کہ اور دوسری دفعہ سمجھوتہ توڑ دیا گیا۔ اصلیت پر روشنی ڈالنے کے لئے سچے لکھی گئی ہیں

(1) 11 نومبر کو یورپیوں میں برطانیہ کے پولیٹیکل ایسیر دو کاروں اور دس سہائیوں کے ساتھ آئے۔

(2) مسقط سے 40 ہتھیار بھری گاڑیوں کے ساتھ یورپی آئے۔

(3) 19 نومبر کو برٹش پولیٹیکل ایسیر 30 سہائیوں کے ساتھ یورپی آئے۔

(4) 25 فروری سن 53 کو پولیٹیکل ایسیر چار گاڑیوں میں 26 سہائی بھر کر آئے۔ دوسری گاڑیوں میں بہت سے صندوق آئے جن میں گولیاں بھی تھیں۔

(5) 9 مارچ کو تین ہتھیار لادنے والی گاڑیاں آئیں۔ ان میں 20 سے زیادہ ہتھیار بلند سہائی ساتھ آئے۔

(6) 19 مارچ کو مسقط قراقرم لکھا گیا۔ والی گورنر نے انگریزوں کے عبداللہ حکیم سے حملہ کرا دیا۔

(1) 11 نومبر کو یورپیوں میں برطانیہ کے پولیٹیکل ایسیر دو کاروں اور دس سہائیوں کے ساتھ آئے۔

(2) مسقط سے 40 ہتھیار بھری گاڑیوں کے ساتھ یورپی آئے۔

(3) 19 نومبر کو برٹش پولیٹیکل ایسیر 30 سہائیوں کے ساتھ یورپی آئے۔

(4) 25 فروری سن 53 کو پولیٹیکل ایسیر چار گاڑیوں میں 26 سہائی بھر کر آئے۔ دوسری گاڑیوں میں بہت سے صندوق آئے جن میں گولیاں بھی تھیں۔

(5) 9 مارچ کو تین ہتھیار لادنے والی گاڑیاں آئیں۔ ان میں 20 سے زیادہ ہتھیار بلند سہائی ساتھ آئے۔

(6) 19 مارچ کو مسقط قراقرم لکھا گیا۔ والی گورنر نے انگریزوں کے عبداللہ حکیم سے حملہ کرا دیا۔



### —मुजीब रिफ़दी

आर्य की जाड़ी, असाहस, शोकात्म और सज्जदी अरुण  
की लीलावती का कुरोमी नाम का एक असाहसिकता है और

—محبوب و دوستدار

81-8-153

فاروق کی کتابی "سقطہ" عظیم اور سبھی عرب کی سوجھ بوجھ نام : ایک نظامیاتی اور



بظاہر ہستی اور خلیفہ کا راہ کاظم کر رہا ہے۔ اس کیروں ہی انہی دعوں کے پرچار کے ساتھ ساتھ دنیا نے سٹالین کی موت پر یہ بھی سنا کہ اپنے وقت کے آخری درجن کرنے کے لئے سٹالین کی چوڑی لائن لگی ہوئی ہے اور اس چوڑی سے یہ لائن دس میل تک چلی گئی ہے۔ آج کا ایسی خوف اور شرمناک منظر رونق کر سکتا ہے۔ سٹالین کی بل بوتے پر اس جوش سے انسانی بھو ارتقا نہیں کی جا سکتی، دنیا اتنا سمجھ سکتی ہے !

(3) سٹالین کو ہمیشہ لکڑی کا پوجاری ٹھہرایا جاتا تھا۔ پچھلی پرچارک یہ کہتے تھے کہ سٹالین اور روس لکڑی کا پوجاری ہیں اور ہم شانتی پریمی ہیں۔ سٹالین کی موت پر دنیا نے یہ جانتا کہ سٹالین لکڑی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ شانتی کے کہنے تھے۔ انکلیف کی چلتا ان کی موت پر ہمیشہ دیکھی ہوئی۔ اخباروں کا کہنا ہے کہ عام چلتا اس بات سے چلتا میں ہو گئی تھی کہ اب شانتی قائم رہ سکے گی یا نہیں کہونکہ وہ مخصوص کرنی تھی کہ "جب تک سٹالین زندہ ہیں شانتی زندہ ہے۔"

سٹالین کا ہر دہے میں شوق مینا یا گیا۔ اسلحہ میں جو خبر آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر لکڑی کے سٹالین کے بارے میں دو ہی باتیں کہی ہیں: (1) وہ شانتی پریمی تھے۔ ان کے رہتے لکڑی کی سمنانہ نہیں تھی اور (2) وہ روس کی رचना میں لگے تھے اور انہوں نے روس کو اپنی رचना شکتی کی بدولت ایک مہمان دہش بنا دیا ہے۔ ایسی سمنانہ میں روس کی اسلحہ والی اور اس کے کارناموں پر بھی کافی روشنی پڑی ہے۔

دنیا کو پہلی بار یہ پتا چلا کہ سٹالین اور پچھلی سرکاروں کے سوچنے میں کیا فرق تھا۔ ڈاکٹر راہا کورنن نے دنیا کو بتایا کہ جب جب وہ سٹالین سے ملے ہیں انہوں نے یہ بھی کہا—آپ ہمارے گٹ میں ہوں۔ ہمیشہ وہ رचना کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ہر دہے میں لکڑی کی سمنانہ نہیں تھی۔ ڈاکٹر راہا کورنن نے یہ بھی بتایا کہ سٹالین نے ایک ملاقات میں ان سے کہا تھا—میں ہوتا ہوا ہوں کسی دن میں مر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اپنے اپنے دہے کو شانتی سے چلتا چھوڑ کر جاؤں !

پچھلی نے کہا کہ سٹالین ہمیشہ شانتی کی طرف ہی چھوڑتے تھے۔ انہوں نے روس میں ہمارے راجدوت اور

(8) سٹالین کو ہمیشہ لکڑی کا پوجاری ٹھہرایا جاتا تھا۔ پچھلی پرچارک یہ کہتے تھے کہ سٹالین اور روس لکڑی کا پوجاری ہیں اور ہم شانتی پریمی ہیں۔ سٹالین کی موت پر دنیا نے یہ جانتا کہ سٹالین لکڑی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ شانتی کے کہنے تھے۔ انکلیف کی چلتا ان کی موت پر ہمیشہ دیکھی ہوئی۔ اخباروں کا کہنا ہے کہ عام چلتا اس بات سے چلتا میں ہو گئی تھی کہ اب شانتی قائم رہ سکے گی یا نہیں کہونکہ وہ مخصوص کرنی تھی کہ "جب تک سٹالین زندہ ہیں شانتی زندہ ہے۔"

سٹالین کا ہر دہے میں شوق مینا یا گیا۔ اسلحہ میں جو خبر آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر لکڑی کے سٹالین کے بارے میں دو ہی باتیں کہی ہیں: (1) وہ شانتی پریمی تھے۔ ان کے رہتے لکڑی کی سمنانہ نہیں تھی اور (2) وہ روس کی رचना میں لگے تھے اور انہوں نے روس کو اپنی رचना شکتی کی بدولت ایک مہمان دہش بنا دیا ہے۔ ایسی سمنانہ میں روس کی اسلحہ والی اور اس کے کارناموں پر بھی کافی روشنی پڑی ہے۔

دنیا کو پہلی بار یہ پتہ چلا کہ سٹالین اور پچھلی سرکاروں کے سوچنے میں کیا فرق تھا۔ ڈاکٹر راہا کورنن نے دنیا کو بتایا کہ جب جب وہ سٹالین سے ملے ہیں انہوں نے یہ بھی کہا—آپ ہمارے گٹ میں ہوں۔ ہمیشہ وہ رचना کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ہر دہے میں لکڑی کی سمنانہ نہیں تھی۔ ڈاکٹر راہا کورنن نے یہ بھی بتایا کہ سٹالین نے ایک ملاقات میں ان سے کہا تھا—میں ہوتا ہوا ہوں کسی دن میں مر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اپنے اپنے دہے کو شانتی سے چلتا چھوڑ کر جاؤں !

پچھلی نے کہا کہ سٹالین ہمیشہ شانتی کی طرف ہی چھوڑتے تھے۔ انہوں نے روس میں ہمارے راجدوت اور

پچھلی نے کہا کہ سٹالین ہمیشہ شانتی کی طرف ہی چھوڑتے تھے۔ انہوں نے روس میں ہمارے راجدوت اور



کی انجمن وافتخاری کلبہا میں سب انسان شامل تھے۔ سب نسلوں کے آدمی روسی لپک شاہی میں برابر کے حقدار تھے اور آج وہ سب اپنے اس نوعاً کو جو چارچہا میں پیدا ہوا تھا، پریم اور ہمتی سے یاد کرتے ہیں اور اس کے اٹھ جانے پر شوک منا رہے ہیں۔

استغاثوں جیسا ہوا اسی کہی کہی ہی پیدا ہوا ہے۔ ہم آٹھا کرتے ہیں کہ استغاثوں کے بیوک اثر ادا ہاویں گو آٹھے نہتیا کی پالہسوں اور پروگرام کو جاری رکھتے ہوں جس سہووک کی ضرورت ہے وہ دنیا سے انہوں ملے گا۔ ہمارے بھگوان سے پڑا رہتا ہے کہ دکھت مانو سماج کے لئے استغاثوں کے دل میں جو پیڑم تھا وہ ہمارے دلوں میں بھی ہو، آٹھے مقصد تک پہونچنے کے لئے اس میں جو ایکٹو تھا وہ ہم میں بھی ہو، اسکی نساوتہ لگن اور ہمارے مانو سماج کے لئے اسکی سی انلٹ ادارتا ہم سب میں پیدا ہو۔ انسانی قوم کا وہ آٹھا ہوا سہووک تھا کہ بھگوان کرے اسکی مثال کو سامنے رکھکر ہم سب آٹھے جہون کو ادھک سہول بنا سکوں۔

20-3-'53

—سندھ لال

## استالین کی موت کے بعد

کہتے ہیں کہ مرلے والا حقیقتہً سچ بولتا ہے۔ لیکن استغراق کی موت پر جو باتیں ظاہر ہوئی ہیں انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ کچھ مرلے والے ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ استغراق کی موت پر نکتہ لکھی باتوں پر روشنی پڑی !

(1) دیکھ دیکھ میں پرچار کیا گیا تھا کہ روس میں کسی دھرم کا آثار نہیں ہوتا۔ مسیحیوں میں تالہ لٹا دیتے گئے ہیں، گرجہ بلند پڑے ہیں۔ مذہب کا نام لہلہ والے کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اسی انداز پر پر روس میں جگہ جگہ بغاوت کی خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ سلاو تھے لیکن جیسے ہی استغاثہ ہمارا پڑے روس کے کوئلے کوئلے سے خبر آئی کہ مسیحیوں میں دعائوں مانگی گئیں، گرجوں میں سروں ہولیں، پہنچیں گے عبادت کی۔ لیکن دھیان رہ کہ روس کا یہ پرچار نہیں تھا کیونکہ پہنچنے والوں کے ہاتھوں ہاں ہاں ایسی اچھڑ ہوئی ہاتھ کا اٹھائی خود کرتے رہتے تھے۔ پہلے پہلے سلاو وائوں کو کافی آنکھیں سی ہوئی تھی۔ ان کی مسجد میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہاں پہلے جو ہاتھ لگتے تھے وہ سچ ہے یا یہ ہاتھ سچ ہے جو وہ اب تو دیکھ رہے ہیں۔ شاید وہ سچ پہلے پر مسجد ہو گئے تھے !

(2) پچیس پر چنگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم چنگا  
سے تاج چنگا بھی پر استغاثی ہے اس میں



وہ جنگل کے قانون ہیں، سوچنا دوس کی آہنگ  
پڑھنا صاف دوسری طرح کی ہی چمک رہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ یہ سب فلسفہ سے کہا گیا۔ یہ فلسفہ نہ  
 کرلے کی قسم کس نے کہا رکھی ہے؟ ابھی تک گندھی جی  
 کی آواز بھول نکارخانے میں طوطی کی آواز ہے۔ ہم لوگوں  
 نے جن کے ہاتھ ابھی تک اپنے بھائیوں کے خون سے لال  
 ہیں فلسفہ! فلسفہ کی بات کرتے شرمانا چاہئے۔ جب  
 تک ہماری اپنی آنکھیں نہیں لگتا ہے تب تک ہم اپنے بھائی  
 کی آنکھ کا تل پکڑ بھی کوسے سے دیکھ سکتے ہیں!

استغاثوں ایک زبردست اور بہادر آدمی تھے۔ اچھے دیہے  
 واسطوں کے دلوں سے انہوں نے قدر نکال کر باہر کر دیا۔ اچھے  
 دشمنوں کے دلوں میں انہوں نے اُن کی ہڈیاؤں کے بدلے خدا  
 کا قدر بھر دیا۔ دنیا بھر کی فوجی طاقت کو انہوں نے اُنکے  
 ہونے پر روک دیا۔ جنگ کے خلاف وہ ایک مضبوط دیوار  
 تھے۔ اُن کا نام اس کی ضمانت تھا۔ جو لوگ بھی اُن  
 کے اثر میں آئے اُن سب کو انہوں نے سلطنت کر کے چھلانگ  
 لوسی کاموں میں لگا دیا۔ یہ سب چھلانگ لوسی کام  
 کرنے والے اچھے نیک کام کو جاری رکھنے کے لئے اس کی قائم  
 رکھنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے۔ باہر سے حملوں کا  
 مقابلہ کرنے کے لئے سرکارِ تیزی سے اچھے ہتھیار کی تھاریاں  
 ضرور کرتی رہی، پر روسی چلتا کے دلوں میں کسی دشمن  
 کا قدر نہیں تھا۔ استغاثوں دوسروں کو تلوار کھما کر نہیں  
 قتل کرتے تھے۔ وہ طاہریت سے شانت اور گنہگار تھے، اُن کی  
 دروہتا نے کئی بار آئے ہوئے جنگ اور جھگڑوں کو روک  
 دیا۔ یہ ٹھہک ہے کہ جس طرح کا اسن وہ چاہتے تھے  
 اسکی بلیا ہادی اہلی آتما کو چھلنے اور آتم سلیم پر نہیں  
 تھی، بھر بھی اُن کے چاہے ہوئے اسن نے اپنے دنوں تک  
 سلسار کا بہت ہوا اُنکا رکھا۔ بہرکتے ہوئے شعلوں کو بجھا  
 کر انہوں کچھ کچھ سلگتی ہوئی بھول بٹا دینا بہت  
 بڑی بات ہے۔

دیکھ کر رچنا نے مہن وا چستکاری سوچا ہوجا نے  
 آدمی تھے ، جن سادھلوں سے پہلے تھوڑے سے آدمی ہمیشہ  
 مشورت میں قریب رہتے تھے انہوں سادھلوں کو بدل کر  
 انہوں نے ان کے ذریعے ساری جلتا تک تعلیم اور کلچر  
 پہنچا دی . گنا بچانا ، کلا ، ڈرامہ ، ناچ ، کھیل آج دوس  
 سہ ہر آدمی کے سکہ کے سادھن ہیں . اچھا کھانا ملنا  
 اور نڈر دست دھنا ! سنا لوں نے ہر آدمی کا جلم سدھ ادھار  
 بھا دیا ہے .

سارا مانو سماج کس طرح ایک ہے اسے دیکھ کر اچرچ  
ہوتا ہے۔ 'کالے' دوسرے' امیر غریب اور الگ الگ فہم  
مذہبوں سے دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے دشمن نہیں  
ہو جاتے، بلکہ انہاں میں ہند جاتے ہیں۔ اِسْتِغْنٰی



# ہماری آواز

## ستالین

جب کسی کسی قوم پر بہت اندھک ظلم ہوتا ہے تو ایک لمحہ آتا ہے جب اس قوم کو ان ظلموں سے چھٹکارا دلانے، لوگوں کو اوپر اٹھانے اور دیہوں کی پھر سے رچھا کرنے کے لئے ان میں کوئی آدمی پیدا ہوتا ہے۔ فرعون کے ظلم کے نتیجے میں اسرائیل قوم جس میں جس رہی تھی اس سے حضرت موسیٰ ان میں پیدا ہوئے جنہوں نے فرعون سے کہا کہ 'میری قوم کے لوگوں کو چھوڑ دو'۔ فرعون نے جب نہیں مانا تو مصر میں وہ سہارا بن گئے۔ اُنٹ میں مقیم ہو کر وہاں کے حاکموں نے کچلے لٹک دیئے۔ روم میں جب انہماچار حد کو پہنچ گیا تو حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ انہوں نے اعدائے اور سداچار کے وہ اصول دنیا کے سامنے رکھے جن سے رومی سامراج کی لوکھوانی ہوئی عمارت آخر ختم ہو گئی۔ انگریزی سامراج شاہی نے مقدسین کو بھول کر اس کا بھونچا نکال دیا تھا۔ اس سے گندھی جی نے آکر کچلے ہوئے لوگوں میں پھر سے آگیا اور جان پیدا کی۔ لوگ پھر سے اپنا سر اٹھاتا کرتے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اہلی قربانوں سے انہوں نے دیکھوں کو الگ کر دیا۔ استالین نے زار کے سے کسی سامنت شاہی کو ختم کر کے دیے ہوئے اور نادار لوگوں کے لئے ایک نئی سہولت کو جنم دیا۔

استالین کا خاص کام یہ تھا کہ اس نے اس دنیا کو جو رکھیں اور بڑے لوگوں کے بہروں کے لئے اس بڑی ہوئی تھی 'سامراجیوں' کے جس کا خون چوس کر پھول عاز جام کا ایک قہقہہ بنا دیا تھا اور بڑی بڑی فوجوں نے مالکوں کے جس کے لئے آمیزہ کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی اس ناامیدی میں قوی ہوئی دنیا کو اس نے جنوں کی ایک نئی راہ دکھا دی۔ اس نے سب کے سامنے بوملے کے نئے نئے اسر پھول دیئے۔ جہاں اندھرا لوہاں اس نے روشنی پیدا کر دی۔ یہ لوگوں کو اس نے کھانا دیا۔ ننگوں کو اس نے عورت دی۔ سوویت روس جسے سماجی قہقہہ سے بھر کر اس کے قاتلوں پر چاہا جا رہا

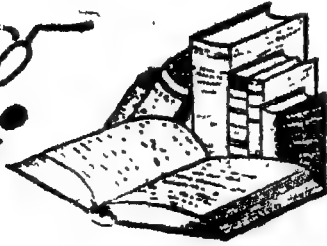
ستالین کا خاص کام یہ تھا کہ اس نے اس دنیا کو جو رکھیں اور بڑے لوگوں کے بہروں کے لئے اس بڑی ہوئی تھی 'سامراجیوں' کے جس کا خون چوس کر پھول عاز جام کا ایک قہقہہ بنا دیا تھا اور بڑی بڑی فوجوں نے مالکوں کے جس کے لئے آمیزہ کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی اس ناامیدی میں قوی ہوئی دنیا کو اس نے جنوں کی ایک نئی راہ دکھا دی۔ اس نے سب کے سامنے بوملے کے نئے نئے اسر پھول دیئے۔ جہاں اندھرا لوہاں اس نے روشنی پیدا کر دی۔ یہ لوگوں کو اس نے کھانا دیا۔ ننگوں کو اس نے عورت دی۔ سوویت روس جسے سماجی قہقہہ سے بھر کر اس کے قاتلوں پر چاہا جا رہا







# कविताएँ



# कविताएँ

## उदय पथ

लिखने वाले—'शील', निकालने वाले—पीपुल्स प्रब्लेमिंग हाउस, बम्बई 4; लिखावट हिन्दी, सफा 64, राम एक रुपया.

'शील' का नाम हिन्दी प्रेमी जनता के लिये नया नहीं है. 'उदय पथ' से पहले वह 'बंगदार्ड' और 'एक पग' में छप चुके हैं. शील की कविता में रस है, गंभीरता है और साथ ही साथ एक पैराम है. वह कविता करने की नियत से नहीं लिखते बल्कि क्रम इसलिये उठाते हैं कि बिछुड़ी जनता की चेतना को ऊपर उठा सकें. "नया आदमी मांग रहा है जीने का अधिकार" उस कविता की पहली लाइन है जिसे जब भी जनता में पढ़ा गया है लोग भ्रूम उठते हैं. सिनेमा के गानों की तरह हर लाइन खबान पर चढ़ गई है और लोग सबको पर गुनगुनाते रहे हैं इसका रहस्य यह है कि वह कविता आम भाषा में लिखी गई है और आम जनता के भावों की इसमें चरचा है.

इस संग्रह की कुछ कविताएँ इलाहाबाद में लिखी गई हैं, कुछ कानपुर में और कुछ बम्बई में. कहते हैं बम्बई जा कर कलाकार मर जाता है और कला का व्योपार करने वाली संस्थाओं का मजदूर बन जाता है. लेकिन शील के बारे में यह सच नहीं है. बम्बई में लिखी कविताएँ बाकी कविताओं से पिछावा अच्छी हैं—भाषा का निखार है, चित्राओं की सफाई है और उनमें दिल मोह लेने वाला असर पैदा हो गया है. शील से हम आशा करते हैं कि 'नया आदमी' 'आदमी का गीत', 'वस्तु की आवाज' जैसी कविताएँ और भी जनता को मंत्र करेंगे.

—मुजीब रिजवी

## नौजवान

प्रहीटर—हरन चन्द्र चौधरी, रामावतार शास्त्री तेज कालियन झा, कपिलमुनी तिवारी, पता—सज्जानची रोड, पटना 4; लिखावट हिन्दी, सफा 32, राम चार आना की कापी.

"नौजवान" वस्तु की एक बड़ी मांग को पूरा करता है. बिहार राज के बरसादी नौजवान अपनी कोशिश के लिये

## अन्य पंथ

लेखने वाले—'शील', निकालने वाले—पीपुल्स प्रब्लेमिंग हाउस, बम्बई 4; लिखावट हिन्दी, सफा 64, राम एक रुपया.

'शील' का नाम हिन्दी प्रेमी जनता के लिये नया नहीं है. 'अन्य पंथ' से पहले वह 'अन्काली' और 'एक पग' में छप चुके हैं. शील की कविता में रस है, गंभीरता है और साथ ही साथ एक पैराम है. वह कविता करने की नियत से नहीं लिखते बल्कि क्रम इसलिये उठाते हैं कि बिछुड़ी जनता की चेतना को ऊपर उठा सकें. "नया आदमी मांग रहा है जीने का अधिकार" उस कविता की पहली लाइन है जिसे जब भी जनता में पढ़ा गया है लोग भ्रूम उठते हैं. सिनेमा के गानों की तरह हर लाइन खबान पर चढ़ गई है और लोग सबको पर गुनगुनाते रहे हैं इसका रहस्य यह है कि वह कविता आम भाषा में लिखी गई है और आम जनता के भावों की इसमें चरचा है.

इस संग्रह की कुछ कविताएँ इलाहाबाद में लिखी गई हैं, कुछ कानपुर में और कुछ बम्बई में. कहते हैं बम्बई जा कर कलाकार मर जाता है और कला का व्योपार करने वाली संस्थाओं का मजदूर बन जाता है. लेकिन शील के बारे में यह सच नहीं है. बम्बई में लिखी कविताएँ बाकी कविताओं से पिछावा अच्छी हैं—भाषा का निखार है, चित्राओं की सफाई है और उनमें दिल मोह लेने वाला असर पैदा हो गया है. शील से हम आशा करते हैं कि 'नया आदमी' 'आदमी का गीत', 'वस्तु की आवाज' जैसी कविताएँ और भी जनता को मंत्र करेंगे.

—मुजीब रिजवी

## नौजवान

लेखने वाले—हरन चन्द्र चौधरी, रामावतार शास्त्री तेज कालियन झा, कपिलमुनी तिवारी, पता—सज्जानची रोड, पटना 4; लिखावट हिन्दी, सफा 32, राम चार आना की कापी.

"नौजवान" वस्तु की एक बड़ी मांग को पूरा करता है. बिहार राज के बरसादी नौजवान अपनी कोशिश के लिये



سب بڑھ جاتی ہیں۔ اس واسطے کہ ایک دفعہ وہ  
دورگت کی جوں سے نکل کر جانور کی جوں میں آ جاتا  
ہے۔ اور اگر اس جوں میں اپنی مرضی سے اچھے اچھے کام  
کرتا جائے تو پھر دو چار جملوں کے بعد آدمی کی جوں  
میں آ جاتا ہے۔ اور اس جوں میں بھی اچھے ہی اچھے  
کام کرے تو دفعہ دفعہ آدمیوں سے بھی اچھے اور اون کی  
جوں میں چلا جاتا ہے۔ یہاں اس دنیا میں تو آدمیوں  
سے اور والی جوں سے نہیں مگر اور جو دنیاؤں اور چاند  
ہمارے سورج کے یا اور سورجوں کے ہم سے موجود ہیں ان  
میں آدمی ہے کہ آدمیوں سے بھی اور والی نئی اچھی  
چیزیں ہوتی ہیں۔ اس واسطے آدمی کے بدن کو چھوڑ کر ان  
دوسری دنیاؤں میں سے کسی میں چاکر کسی نہ کسی نئے پیدا  
ہونے والے بدن میں آنا چلی جاتی ہے۔ اور جب اسی  
طرح روز بروز زیادہ اچھے ہی اچھے کام کرتے کرتے آتا ہے  
بدن میں اور دل سے جا کر ملتی ہے کہ اس میں بالکل  
کوئی پتہ نہیں ہو تو پھر سب دنہ دور ہو جاتے ہیں۔  
اپنے پچھلے سب جملوں کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ پچھلے  
جملوں میں جس جس سے پلا ہوا تھا، کوئی کسی جملہ  
میں ملے گا، کوئی کسی جملہ میں ہوگا، کوئی ہماری  
سب معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور اسی وقت مکتبی ہو  
جاتی ہے۔ یعنی بہت بار کا پیدا ہونا اور مرنے اور آنا کا  
آنا جانا بلند ہو جاتا ہے۔ ہنگام کو اچھی طرح پہچان  
لیجئے ہیں اور ہمیشہ اسی کے ساتھ رہ کر اس کی مہم  
کا حال معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت ہنگام کی مرضی  
کے مطابق سب جملے ہیں اور دنہ، درد، تکلیف، رنج، فکر  
بالکل کچھ کسی قسم کا نہیں ہوتا۔ نہ آپس میں کسی  
طرح کی لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے۔ پس اس سے تمہیں  
معلوم ہوا ہوگا کہ اچھے ہی اچھے کام کرتا اور بڑے بڑے کاموں  
کو چھوڑنا کیسا ضروری ہے۔ جو آدمی بڑے کام کرتے ہیں  
اپنی کے رنج اور تکلیفیں روز بڑھتے جاتے ہیں اور جو اچھے  
کام کرتے ہیں اور اپنی ہی کو عقل کے پس میں رکھتے ہیں  
اپنی کا رنج، فکر روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اصل میں رنج،  
فکر اور آداس دماغ سے بالکل کچھ ہی فائدہ نہیں ہے۔  
اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ ہمیشہ مجلس سکھ رہے  
کسی بات پر بھی ملے نہ ملائے نہ ناک بھون چومائے۔  
جو آدمی اپنے چہرے کو ہمیشہ خوں اور ہلستا ہوا رکھتے  
کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے دل کو بھی خواستہ خراب  
نہیں ہونے دیتے ان کا من کہیں آداس یا رنجہ نہیں  
ہونے پاتا۔ جب کسی کو قصہ، رنج یا آداس ہوتی ہے تو  
پہلے چہرہ بگڑتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اپنے چہرے کو نہ  
بگڑنے دے تو دل بھی خراب نہ ہوگا۔



بھائیوں کی دنیا

بھائیوں کی دنیا

## سچو سچو

## سچو سچو

سچ سوچنا، سچ بولنا، سچ کرم ہے अपना  
सच राम है, रहमान है, सच धर्म है अपना.

सुखती न हो, सुखती न हो, फूलों की कसी हो  
जो बात कही जाय वह मिस्री की डली हो.

काँटे न मढ़ें, फूल मढ़ें बात जो बोली  
कोली नही, कोली तो इसाने की मुँह कोली.

लगती न कहो अरु कभी दब कर न कहो तुम  
सच साक कहो आप मुसीबत तो सहो तुम.

सच बात कहो खुल के कहो जी की लगी हो  
कदवी न हो कदवी न हो वह रस की पगी हो.

—भगवानदीन

سچ سوچنا، سچ بولنا، سچ کرم ہے اپنا  
سچ رام ہے، رہمان ہے، سچ دھرم ہے اپنا.

چھبھتی نہ ہو، چھبھتی نہ ہو، پھولوں کی کٹی ہو  
جو بات کہی جائے وہ مصری کی ڈلی ہو.

کانٹے نہ مڑھیں، فھول مڑھیں بات جو بولی  
کھولی نہہیں، کھولی تو ہسانے کی مھنہ کھولی.

لگتی نہ کہو اور کبھی دھب کر نہ کہو تم  
سچ صاف کہو آپ مصیبت تو سھو تم.

سچ بات کہو کھل کے کہو جی کی لگی ہو  
کدوی نہ ہو کدوی نہ ہو وہ رس کی پگی ہو.

—بھگوان دیان

मुस्ताफ

13. 7. 06

ملتان

13-7-06

بھائی،

कल की बिट्टी में लिखा था कि जब कोई बदन मरता है तो आत्मा उस बदन को छोड़ कर किसी ऐसे नए पैदा होने वाले बदन में आ जाती है कि जिस का मन और दिल भी तक्ररीबन उसी तरह का हो जिस तरह का पीछे छोड़ा. इस तरह आत्मा के पैदा होने के वक़्त आ जाने और मरने के वक़्त निकल जाने को संस्कृत में 'आवागमन' कहते हैं क्योंकि आवागमन के माने भी आना जाना है. अब सुनो जब कोई आदमी कई जन्मों में बराबर बुरे हो बुरे काम करता चला जाए वहां तक कि मरने के वक़्त बिल्कुल जानवरों की सी डमकी आवर्त हों, तो फिर अगले जन्म में वह जानवर की जून में चला जाता है. और अगर जानवर की जून में आ कर भी बुरे ही बुरे काम करता रहे तो फिर आखिर को वरकत की जून में चला जाता है. मगर वहां आ कर उसमें कोई काम करने की ताक़त और अक़ल नहीं रहती. बिल्कुल कैदी की तरह हो जाता है. इस बास्ते जब बहुत दिन इस तरह कैद में पड़े पड़े हो जाते हैं तो फिर उसकी ख़राब आवर्त

کل کی چھٹی میں لکھا تھا کہ جب کوئی بدن مرنے سے تو آتما اُس بدن کو چھوڑ کر کسی ایسے نئے پیدا ہونے والے بدن میں آ جاتی ہے کہ جس کا من اور دل بھی تقریباً اُسی طرح کا ہو جس طرح کا پہلے چھوڑا. اس طرح آتما نے پیدا ہونے کے وقت آجانے کے اور مرنے کے وقت نکل جانے کو۔ مسکرت میں 'آواگمن' کہتے ہیں۔ نہونکہ آواگمن کے معنی بھی آنا جانا ہے۔ اب سچو' جب کوئی آدمی کئی چھوٹوں میں برابر برے ہی برے کام کرتا چلا جائے یہاں تک کہ مرنے کے وقت بالکل جانوروں کی سی اُس کی حالتیں ہوں، تو پھر اگلے جلم میں وہ جانور کی جوں میں چلا جاتا ہے۔ اور اگر جانور کی جوں میں جا کر بھی برے ہی برے کام کرتا رہے تو پھر آخر کو درخت کی جوں میں چلا جاتا ہے۔ مگر یہاں آ کر اُس میں کوئی کام کرنے کی طاقت اور عقل نہیں رہی۔ بالکل بھٹی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس واسطے جب بہت دن اُس طرح قید میں پڑے ہو جاتے ہیں تو پھر اُس کی خراب حالتیں



شکار باکلی نہ رہ جائیگا تو وہ ہمارا خون چوسے گا۔  
اس سے پہلے کہ وہ ہمارے دانت نیکالے۔ ہم اسے روک  
دینا چاہیے، اس کو ختم کر دینا چاہیے۔

ملاہا کے شہیدوں کی پکار یہی ہے، آجادی کی  
لنکار یہی ہے، سارے ایشیا کی فریاد یہی ہے—ہندوستان  
نیمو! ایک آواز ہو کر آنگریزوں کی روک روک سے کہیں ہمارے  
خون کے شہیدوں کے گھر آئے!!

### روشنی

سامپریایک باتاवरن ہمیں نیراش کر دیتا ہے۔ ہم  
اُن کی باتیں سننے لگتے ہیں۔ ہمیں یقین نہیں ہوتا کہ  
ہندوستان میں کبھی سامپریایک میل ملاپ کا آدرش بن  
سکے گا۔ ہمارے برصغیر میں 'میل کی طاقتوں  
میں وہاں سے آتا ہے۔ ترجیلاً پلیٹ ایک ملندہ میں  
روشنی دیتا ہے۔ ہمیں یہ یقین دیتا ہے۔ آج نہیں، کل  
نہیں، انگریزوں کے راج سے بہت پہلے—سات سو سال  
پہلے حضرت قلمہ عالم بادشاہ مظہر ولی رحمۃ اللہ علیہ  
اُنچلا پلیٹ آئے تھے۔ وہ ظہر تھے، مادی پرستی تھی، انسان  
تھے—انہیں ہر دم ہر شخص میں، ہر دھرتی میں خدا  
دہائی ہوتا تھا، وہ ہر دھرم کے پیچھے تھے ہر کسی  
دھرم کا اُن سے میل نہ تھا۔ ترجیلاً پلیٹ کے ملندہ راجہ  
راجہ کو اُن کی ہائی ہائی، وہ اُن کا بھکت ہو گیا، لہذا  
کے آگے جو سر نہیں جھکتے تھے انہیں پریم نے رام کر لیا تھا۔  
شاہ صاحب کے سونے پر راجہ نے اپنے خاندانی ملندہ میں  
اُن کی درگاہ بنا دی۔ وہ درگاہ آج بھی ہائی ہے۔ آج بھی  
اُن کی پوجا ہوتی ہے۔ ملندہ مسلمان لوتے رہتے ہیں۔  
پر اُن کی بھکتی دونوں کرتے ہیں، دونوں اس ملندہ میں  
میں جاتے ہیں۔ ملندہ درگاہ پر پھول چھاتے ہیں،  
مسلمان "شہر اللہ" پر چراغ جلاتے ہیں، کسی میں  
ساکس نہیں ہے کہ وہ گھر آئے، اور کسی میں صمت  
نہیں ہے کہ وہ ملک و ماں سے ہٹا دے!

آج بھی ہم ہٹا دے، آج بھی ہم اُن کی  
ہیں، آج بھی ہم انہیں انہیں انسان بن جاتے ہیں۔  
سب بھول کر سارے فرقوں پر پردہ ڈال کر ہم ایک ساتھ  
تھوڑے ہو جاتے ہیں۔ مدراس کے ایک ہزارے ملندہ میں۔  
شہر کے دو سب سے بڑے ملندہوں میں سے ایک ملندہ میں  
ایک سما ہو رہی تھی۔ کسی ملندہ دیوتا کا جلم دن  
نہیں تھا، کوئی ملندہ لہو ہمارے نہیں تھا۔ ملندہ ملندہ میں  
حضرت مسند کا جلم دن ملایا جا رہا تھا، اُن کے چہرے  
پر بھائی ہو رہے تھے۔ ملندہ کے نہایت میں ہی مسلمان  
موصالی، برہمن، مرہٹوں، کانگریسی اور کمیونسٹ جمع  
نہیں تھے۔ سب سورتی نے پاس بٹھے تھے۔ سب سورتی  
کو چہو رہے تھے۔ شہطان بھاگ رہا تھا، آدمی دھرم ختم  
ہو رہا تھا۔ اُمی دھرم، پریم دھرم جلم لے رہا تھا۔ انہوں  
میں تلپوں کی کینچ چھائی تھی! —



SECRET

چہن ہر حملہ کرنے کی ہوری تھادی ہو گئی تھی ۔  
چہتگ لگی شہک کا پتہ قہقہہ کر دیا گیا تھا ۔ آئزن ہاور  
اس تنغا میں تھہ ایشیا والوں کو ایشیا والوں سے لوانے  
کا اُن کا خواب سچا ہو ۔ اندر اخواڑوں میں آئزن ہاور کے  
منصوبے کے جملہ مندہ میں خبریں چھوڑیں اور اندر ایک  
قصے کی لہر دوڑ گئی۔ جگہ جگہ لوگوں نے سہاڑیں کیں۔  
سب ایک جگہ آئے، سب کی ایک آواز تھی—ایشیا والے  
ایشیا والوں سے نہیں لوگوں کے، وہ اپنے بھائیوں کا خون بہتا  
ہوا نہیں دیکھوں گے۔ وہ یہ برداشت نہیں کریں گے کہ  
اسود کا مارا ہو، قرب جائے چہن پر ہور کھن لگ جائے ۔  
ہر وچار، ہر پارٹی کے لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں  
نے بلند آواز سے آئزن ہاور کو چہتاوی دی—تم اپنے قدم  
روک دو، اپنی چالوں بند کرو۔ ہندستان اب جاگ رہا  
ہے، ہندستانی جلتا کی آنکھوں میں اب دھول نہیں  
چھوڑکا جاسکتا۔ وہ جانتی ہے کون اس کا دوست ہے اور  
کون اس کا دشمن !

### ملایا کی دکان

ملایا میں ہندوستانہوں کو گولہاں مار دی جانہیں  
 انہیں پھانسی دے دی جائے... اور ہم چپ رہیں...  
 یہ شرم کی بات ہے... ملایا نے چمکوں کو تباہ پرہاد  
 کر دیا جائے... اور ہم خاصویں رہیں... قلوب مرنے  
 کی جگہ ہے... ملائی جنتا کو پھسا جائے... اور ہم سنے  
 نالکے رہیں... لپٹا کی بات ہے۔ اب جلتا زیادہ دسں خاصویں  
 نہیں رہ سکتی، اب زیادہ دسں میں تماشائی نہیں ہلدا  
 ہے۔ ملایا جل رہا ہے... وہ میں پکار رہا ہے، اے ساری  
 سہانتا کی ضرورت ہے...

ہندوستانوں آئو، ایک آواز بن جاؤ، ایک طاقت  
 بن جاؤ۔ انگریزوں کو سمجھو کہ تو۔ بھارت سرکار کو سمجھو  
 کہ تو! صاف یہ ہے۔ ہندوستان کی زمین پر گورنر بھرتی  
 نہیں ہوئے، ہندوستان سلیا واپس کے خون کے چھیلنے  
 اور داسن پر نہیں دیکھ سکتا... ہندوستان یہ بڑا اہم  
 سہوں کر سکتا ہے انگریزوں کی فوجیں ہماری زمین پر  
 کھسپ ڈالے ہوئے ہیں۔ انگریز انگریز ہے... جب وہ آیا  
 تھا تب بھی وہ انگریز تھا اور آج بھی وہ انگریز ہے۔  
 آڑھنے ہوئے تو آڑھنا بھول ہے، جھانسی ہے، بامسجھوں ہے،  
 اس وقت، ابھی، اس سے، انگریزی سولر کر رہے ہیں  
 سے ہندوستان کی زمین صاف ہوئی چاہئے، اس طرح کے  
 حارے سمجھو، ان کے چاہئے، جگہ دیکھ جائے چاہئے  
 سید، یہاں، انگریز کو دیکھنا ہے، اسے اپنے سر پر سدا  
 بدنامی رکھنا ہے، یہ انگریزوں کا خون چوسنا ہے، اور جب کوئی



لوگ ہمارا کرتے ہیں..... امریکی پرانی دنیا کی  
راہوں کی طرف دے رہے ہیں اور گولیاں چلتی رہی، ٹنک  
بے پناہ انسانی شہر کو کھاتے رہے:

لوگ ہمارے کرتے ہیں... امریکی پرانی دنیا کی  
راہوں کی طرف دے رہے ہیں اور گولیاں چلتی رہی، ٹنک  
بے پناہ انسانی شہر کو کھاتے رہے:

نمبر	مقام	تاریخ
13	کوئیہ ڈیپ میں	11
14	کوئیہ ڈیپ میں	15
23	پوسان میں	9
26	کوئیہ ڈیپ میں	76
27	یاں گھوان میں	5
28, 29, 30	کوئیہ ڈیپ اور میچو میں	180

نمبر	مقام	تاریخ
13	کوئیہ ڈیپ میں	11
14	کوئیہ ڈیپ میں	15
23	پوسان میں	9
26	کوئیہ ڈیپ میں	76
27	یاں گھوان میں	5
28, 29, 30	کوئیہ ڈیپ اور میچو میں	180

نمبر	مقام	تاریخ
6	پوگام میں	21
11	میچو میں	1
16	کوئیہ ڈیپ میں	1
25	کوئیہ ڈیپ میں	32

نمبر	مقام	تاریخ
6	پوگام میں	21
11	میچو میں	1
16	کوئیہ ڈیپ میں	1
25	کوئیہ ڈیپ میں	32

نمبر	مقام	تاریخ
6	کوئیہ ڈیپ میں	11
7	کوئیہ ڈیپ میں	1
7	کوئیہ ڈیپ میں	1
10	کوئیہ ڈیپ میں	1
10	کوئیہ ڈیپ میں	10
13	پوگام میں	87
13	پوگام میں	120

نمبر	مقام	تاریخ
6	کوئیہ ڈیپ میں	11
7	کوئیہ ڈیپ میں	1
7	کوئیہ ڈیپ میں	1
10	کوئیہ ڈیپ میں	1
10	کوئیہ ڈیپ میں	10
13	پوگام میں	87
13	پوگام میں	120

شاید بندوقوں اور ٹینکوں سے امریکا والوں نے ان  
ٹینکوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اب وہ اپنے دیہوں  
کو واپس نہیں جائیں گے اور ان ٹینکوں کو—خوشی سے  
موت آگئی ہے !!

شاید بندوقوں اور ٹینکوں سے امریکا والوں نے ان  
ٹینکوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اب وہ اپنے دیہوں  
کو واپس نہیں جائیں گے اور ان ٹینکوں کو—خوشی سے  
موت آگئی ہے !!

### جگ شانتی کمیٹی کی बैठک

### جگ شانتی کمیٹی کی बैठک

دنیا چکرا سی گئی ہے۔ ایک طرف آہا بلند ہوتی  
ہے کہ لوائی ہلد ہو جائے گی، سارے مسئلے حل ہو جائیں  
گے، دنیا سے لوائی کا اتار دینا ختم ہو جائے گا—دوسری طرف  
آہا وھواس نہیں ہوتا... آہا یقین نہیں آتا... لوائی  
کوسہ ہلد ہوگی، کھونکر ہلد ہوگی... سامراج جب تک  
قائم رہے، امریکا اور جب تک موجود رہے، ایک ملک  
اور دوسرا ملک جب تک قبضہ کرتے رہے، تب تک شانتی  
نہیں ہو سکتی ہے؟ دل کوسہ صاف ہو سکتے ہیں، پھر  
کوسہ ہو سکتا ہے۔ محبوب انجیہن ہے، محبوب سمسہا  
ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہے، کیا کیا جائے۔  
عام آدمی آہا اور براہا میں لٹکا ہوا ہے۔

دنیا چکرا سی گئی ہے۔ ایک طرف آہا بلند ہوتی  
ہے کہ لوائی ہلد ہو جائے گی، سارے مسئلے حل ہو جائیں  
گے، دنیا سے لوائی کا اتار دینا ختم ہو جائے گا—دوسری طرف  
آہا وھواس نہیں ہوتا... آہا یقین نہیں آتا... لوائی  
کوسہ ہلد ہوگی، کھونکر ہلد ہوگی... سامراج جب تک  
قائم رہے، امریکا اور جب تک موجود رہے، ایک ملک  
اور دوسرا ملک جب تک قبضہ کرتے رہے، تب تک شانتی  
نہیں ہو سکتی ہے؟ دل کوسہ صاف ہو سکتے ہیں، پھر  
کوسہ ہو سکتا ہے۔ محبوب انجیہن ہے، محبوب سمسہا  
ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہے، کیا کیا جائے۔  
عام آدمی آہا اور براہا میں لٹکا ہوا ہے۔

اسے سمجھنا پڑا ہے کہ جگ شانتی کمیٹی کی  
بیتھک ہو رہی ہے۔ چلتا کی آنکھوں میں اپریل سے  
پکڑا ہوا ہے آہا والی خبروں کے لئے 4 چھن دھن کی !

اسے سمجھنا پڑا ہے کہ جگ شانتی کمیٹی کی  
بیتھک ہو رہی ہے۔ چلتا کی آنکھوں میں اپریل سے  
پکڑا ہوا ہے آہا والی خبروں کے لئے 4 چھن دھن کی !



دیکھو، پرم کے آدھار پر جو کام ہوتا ہے اس میں نہیں ہوتا، پرم نہیں ہوتا، چاہتی تھیں کہ وہاں کر دے کرتے ہوئے چھٹی نمائندہ شہر لیاؤ چھٹک چھٹی لے کہا۔ ”جاپانی بھائی یہاں قانون کے بارے میں طرح پر بلند رہے ہوں اور لوگ سرکار کی دیکھ دیکھ میں شامتی سے جہوں بتا رہے تھے، میں اٹھا کرنا ہوں کہ جاپان میں بھی یہ شامتی اور سکھ کا جہوں بتا سکوں کہ اس بلدا پر کہ یہ چھٹی میں رہتے تھے اور کام کرتے تھے، جاپانی سرکار ان کے ساتھ نہ تو کسی طرح کا ہمد ہماؤ ہوتے کی اور نہ انہوں کوئی تکلیف پہنچانے کی۔“

انہوں نے یہ بھی کہا۔ ”آج جاپان میں ہوسہوں ہزار چھٹی رہ رہے ہیں، ان میں بہت سے اپنے وطن واپس آنا چاہتے ہیں، میری آپ لوگوں سے پراپنا ہے کہ آپ ان کی سہانچا کیجئے تاکہ وہ آسانی سے اپنے دیہی آسکیں، ان کے واپس لوٹنے میں جو بھی خرچ ہوگا چھٹی کی طرف سے پائی پائی چکا دیا جائے گا۔“

کتنی اپنا ہیں کہ اس بھاشن میں، کتنا مابو پرم ہے! جاپانیوں کی آنکھوں میں اسی گرن احسان ملدی ہے اُنسو بہاؤ، اُنہیں لڑائی کے بھانک سوں اوشہ یاد آئے ہونگے، شاید تبھی ہمارے ہو کر ایک جاپانی نے وہیں ملنے سے اعلان کیا۔ ”پدم کے دنوں میں جن چھٹی تھیں کی جاپان میں موت ہوئی ہے ان کے ہول چھٹی واپس آئیں، اس کی ہم بھرسک کوشش کریں گے۔“

جہاں انصاف ہوتا ہے وہاں پارٹیاں کسی کو دہانے کے بجائے ایک دوسرے کو کونگ کرنے میں ہور لگاتی ہوں، چھٹی اور جاپانی چلتا کی ہی یہ جوت نہیں ہے، اس کا شریہ انہیں دیکھوں کو نہیں ہے، اس بات سے سہرا جگ شامتی آندولن کو یہ جس نے یہ وائورن پھدا کر دیا ہے، جس میں یہ چھٹکرو رہے ہوں، آج چھٹا تو وشواس ہو چلا ہے کہ ہر بات، ہر سمسہا شامتی سے طریقہ سے مل جل کر حل ہو سکتی ہے اور اچھی طرح حل ہو سکتی ہے!

### کہا لہوتا

یونو کی جنرل اسمبلی میں امریکہ کے پرنسپل نے کہا کہ ”کوریا اور چھٹی کے قیدی کمونسٹوں کے قلم بلدا نہیں چاہتے، وہ ”آزاد“ رہنا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر انہیں بلدا ان کی مرضی کے واپس بھیجا گیا تو وہ آئے ہتھا دلہوں گے ہم ان قیدیوں کے ساتھ بہادری نہیں کر سکتے.....“

اور دوسری طرف چھٹکی قیدیوں کے کہہوں میں امریکی کوئی چلا رہے تھے، ٹھیک سے انہیں کچل رہے تھے، کہیں یہ شکستہ تھی کہ یہ قیدی کمونسٹ گانے گاتے ہیں تو کہیں اس بلدا کا بھانہ تھا کہ ہمارے انیسویں پر یہ



نہیں۔ سیمینٹری انگریزوں کی ہے اور سیمینٹری کے سارے نوکر انگریزوں کے ہیں، لندن کے سبکدہ، رانی ایلزبتھ کے تابعدار ہیں۔ دشمنوں کے یہ کھلے فیکٹری کالمیسٹ کب تک ہمارے سینوں پر مگ دلتے رہیں گے! یہ کھتر کب تک ہمارے سر پر سوار رہے گا۔ آخر یہ کب تک!

کاش آج کے ہندوستان میں وہ شاعر زندہ ہوتا، اپنی آواز سے وہ دیکھ لیتا کہ اس کا شعر غلط ہے، اس کے بہاؤ غلط ہے۔ یہاں شہیدوں کی چٹاؤں پر مہلے نہیں ہوتے، شہید کرلے والوں کو سناں ملتا ہے، ان کی سادھی پٹائی جالی ہے..... وہ قصہ میں پروا نہیں ہے، اپنی ان لائیں کی ہر پرتی کو آگ میں جلا دیتا۔

”شہیدوں کی مزاروں پر جوتے ہر برس مہلے بٹن پہ مرنے والوں کا یہی باکلی نیشا ہوگا۔“

### شانیتی آندولن کا چمٹکار

15 فروری کو پیکینگ کے ایک سندر ہال میں دو प्रतिनिधि مंडل مل رہے تھے۔ شاید اس دن دنیا کے دوسرے ہاٹوں میں بھی प्रतिनिधि ملے ہوں! پر ان प्रतिनिधیوں کی روپ ریکھا نیرالی تھی، دوسرے प्रतिनिधि مंडلوں سے بیکھل جلا، یہ سرکار کے لوماندے نہیں تھے، یہ جنیتا کی آواز تھی۔ انہیں کوئی نہتی نہیں آتی تھی، یہ تو کھول پریم بہاؤ کے آہستہ تھے۔ چورچل آؤن ہاؤز میں ملے تھے، لیکن اور ٹائیس بھی ملے تھے، یونو میں روز ہو، پرتھمدھی سڈل ملے تھے، دھم تھے۔ دوسرے پرتھمدھی سڈل شاید سسپائیں ہوتا کہا کرتے تھے، چھوڑوں کو ہوا دیا کرتے تھے..... پر یہ پرتھمدھی شانیتی سے بھٹے چھوڑے کا قصہ کر رہے تھے۔ یہاں بات اس بات سے شروع نہیں ہوئی کہ کون کس کا دشمن ہے، کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی۔ یہ گڑی ہوئی بات تھی اور گڑی ہوئی باتوں پر خراب کرنے کے لئے ان کے پاس سے نہیں تھا۔ ان کے پاس سسپا تھی، صلح کی اچھا تھی، پریم کا ادھار تھا، وشواس تھا اور سامنے خوبصورت ہوشیہ ناچ رہا تھا۔

بہت سے جاہلی چھن میں دھتے تھے۔ ان لوگوں کو واپس جانے کی समस्या پر غور کرنے کے لیے جاپان ریکراس سوسائٹی، جاپان شانیتی کمیٹی اور چین جاپان مائری سب کے لوماندے چین آئے تھے۔ چین ریکراس سوسائٹی، چین شانیتی کمیٹی اور چین جاپان مائری سب کے प्रतिनिधیوں نے انکا स्वागत کیا۔ جاپان ریکراس سوسائٹی کے آئی شیمائو نے کہا—”ہماری باتچیت کی سفلتات یہ بات ساہت کرتی ہے کہ شانیتی، دوستی اور سچے مانعہ پریم کے आधार پر ہر ترہ کی کٹینا ہے پر کاکو پایا جا سکتا ہے“

باتچیت سفلت ہو गई، मामले तय हो गए. 5 मार्च को एक सम्मेलन पर दोनों प्रतिनिधियों ने दखलत کر

تھیں۔ سیمینٹری انگریزوں کی ہے اور سیمینٹری کے سارے نوکر انگریزوں کے ہیں، لندن کے سبکدہ، رانی ایلزبتھ کے تابعدار ہیں۔ دشمنوں کے یہ کھلے فیکٹری کالمیسٹ کب تک ہمارے سینوں پر مگ دلتے رہیں گے! یہ خطرہ کب تک ہمارے سر پر سوار رہے گا۔ آخر یہ کب تک!

کاش آج کے ہندوستان میں وہ شاعر زندہ ہوتا، اپنی آواز سے وہ دیکھ لیتا کہ اس کا شعر غلط ہے، اس کے بہاؤ غلط ہے۔ یہاں شہیدوں کی چٹاؤں پر مہلے نہیں ہوتے، شہید کرلے والوں کو سناں ملتا ہے، ان کی سادھی پٹائی جالی ہے..... وہ قصہ میں پروا نہیں ہے، اپنی ان لائیں کی ہر پرتی کو آگ میں جلا دیتا۔

”شہیدوں کی مزاروں پر جوتے ہر برس مہلے بٹن پہ مرنے والوں کا یہی باکلی نیشا ہوگا۔“

### شانیتی آندولن کا چمٹکار

15 فروری کو پیکینگ کے ایک سندر ہال میں دو प्रतिनिधि مंडل مل رہے تھے۔ شاید اس دن دنیا کے دوسرے ہاٹوں میں بھی प्रतिनिधि ملے ہوں! پر ان प्रतिनिधیوں کی روپ ریکھا نیرالی تھی، دوسرے प्रतिनिधि مंडلوں سے بیکھل جلا، یہ سرکار کے لوماندے نہیں تھے، یہ جنیتا کی آواز تھی۔ انہیں کوئی نہتی نہیں آتی تھی، یہ تو کھول پریم بہاؤ کے آہستہ تھے۔ چورچل آؤن ہاؤز میں ملے تھے، لیکن اور ٹائیس بھی ملے تھے، یونو میں روز ہو، پرتھمدھی سڈل ملے تھے، دھم تھے۔ دوسرے پرتھمدھی سڈل شاید سسپائیں ہوتا کہا کرتے تھے، چھوڑوں کو ہوا دیا کرتے تھے..... پر یہ پرتھمدھی شانیتی سے بھٹے چھوڑے کا قصہ کر رہے تھے۔ یہاں بات اس بات سے شروع نہیں ہوئی کہ کون کس کا دشمن ہے، کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی۔ یہ گڑی ہوئی بات تھی اور گڑی ہوئی باتوں پر خراب کرنے کے لئے ان کے پاس سے نہیں تھا۔ ان کے پاس سسپا تھی، صلح کی اچھا تھی، پریم کا ادھار تھا، وشواس تھا اور سامنے خوبصورت ہوشیہ ناچ رہا تھا۔

بہت سے جاہلی چھن میں دھتے تھے۔ ان لوگوں کو واپس جانے کی समस्या پر غور کرنے کے لیے جاپان ریکراس سوسائٹی، جاپان شانیتی کمیٹی اور چین جاپان مائری سب کے لوماندے چین آئے تھے۔ چین ریکراس سوسائٹی، چین شانیتی کمیٹی اور چین جاپان مائری سب کے प्रतिनिधیوں نے انکا स्वागत کیا۔ جاپان ریکراس سوسائٹی کے آئی شیمائو نے کہا—”ہماری باتچیت کی سفلتات یہ بات ساہت کرتی ہے کہ شانیتی، دوستی اور سچے مانو پریم کے आधार پر ہر ترہ کی کٹینا ہے پر کاکو پایا جا سکتا ہے“

باتچیت سفلت ہو गई، मामले तय हो गए. 5 मार्च को एक सम्मेलन पर दोनों प्रतिनिधियों ने दखलत کر



## प्रवासी की रायरी

इसफाल की खमीन पर क्रयम रखते ही बीती बावें ताबा हो जाती हैं। संघर्ष की, धाम्नीवन की, त्याग की तस्वीरों का एक अटूट ताता बंध जाता है। कमी मनुष्य सिद्धर उठता है, जिसमें कंफन पैदा होता है और कमी वतसाह जपन होता है, डारस बंधती है, कानों में "करो या मरो" का नारा गूँज उठता है। और इन्हीं चित्रों के बीच घूमते घूमते एक जगह विचार आकर रुक जाते हैं। बाँलें ईदती हैं—वन्हें जिन्होंने देश से बहुत दूर आषादी का मंडा लहराया था, जिन्होंने गुलामी की मक्खन रोटी से आषादी की घास को बेहतर समझा था। जिन्होंने दिल्ली पहुँचने की राय ली थी, जिन्होंने मात्र भूमि पर अपना अधिकार जमाने के लिये तन मन धन की काफ़ी लगा दी थी। वह बीर दिल्ली नहीं पहुँचे पर इसफाल जरूर आए थे। देश को वह आषाद नहीं देस सके पर आषादी के पौधे को वह अपने खून से जरूर सींच गए। इसफाल में उस समय दिल्ली खुशियाँ मनाई गई होंगी, कैसा खुशाना समां बंधा होगा जब आषाद हिन्द फौज के सिपाहियों ने "आषाद हिन्द" का मंडा फहली बार लहराया होगा—पर वह सब बावें हैं, मुलाई हुई बाँलें !

इसफाल में उनकी यादगार होनी चाहिये थी, हमारे देश भक्तों की समाधि होनी चाहिये थी। ...पर यहां मामला उलटा है, यहां उलटी गंगा बहती है, जो अंगरेजों के साथी थे, जिन्होंने देश भक्तों पर गोली चलाई थी उनका आदर है, मान है, उनकी समाधि है। और देश भक्तों को ! याद के किसी कोने में मरोड़ कर डाल दिया गया।

इसफाल की सिमेटरी को देख कर एक बारगी मन कोमिल हो जाता है, विमारा चकराने लगता है, वफायक खवाल उठता है—यहां राज किसका है—भारत वालों का या अंगरेजों का। अंगरेज के नमकखारों की समाधि पर हफ्तों खप खरब होते हैं, भारत सरकार कुल खरब का इस की सदी खुद खवा करती है.....पर आषाद हिन्द के सिपाहियों ने कौन सी खता की है कि उनकी समाधि वहीं है, उनके कारनामों की याद को खरब नहीं है। शायद वह अंगरेज के बारी थे और बसियों को सम्मान देना साम्राज्यवादी की रानी को नाखुश करना होगा !!

देश हमारा, धन हमारा, आषादी हमारे पर सिमेटरी के प्रश्न पर हमारा कोई अधिकार नहीं, कोई ज़ुबान

## پرواسی کی رائی

اسفہال کی زمین پر قدم رکھتے ہی بیتی باولیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ سنگھری کی، آنکھوں کی، تھاک کی تصویریں کا ایک اثوت لٹکا بلندہ جاتا ہے۔ کہیں ملکہ سپر اٹھتا ہے، جسم میں کہیں پیدا ہوتا ہے اور کہیں آنسا اٹھتا ہوتا ہے، دھارس بلندہتی ہے، کاس میں "کرو یا مرو" کا نعرہ گونج اٹھتا ہے۔ اور انہیں چتروں کے بیچ گھومتے گھومتے ایک جگہ وچار آکر رک جاتے ہیں۔ انکھوں دھونڈھتی ہیں—انہیں جلیوں نے دیش سے بہت دور آزادی کا چھلکا لہرایا تھا، جلیوں نے فلاحی کی مکھن روٹی سے آزادی کی کھاس کو بہتر سمجھا تھا۔ جلیوں نے دلی پہونچنے کی شدت لی تھی، جلیوں نے مارو بہومی پر لہلا ادھکار جمائے کے لئے تن من دھن کی ہازی لٹا دی تھی۔ وہ وہر دلی نہیں پہونچے پر اسفہال ضرور آئے تھے۔ دیش کو وہ آزاد نہیں دیکھ سکے پر آزادی کے پودے کو وہ اپے خون سے ضرور سلج گئے۔ اسفہال میں اس سے قلعی خوشیاں ملانی گئی ہونگی، لٹسا سہانا سماں بلندہا ہوگا جب آزاد ہند لوچ کے سپاہیوں نے "آزاد ہند" کا چھلکا پہلی بار لہرایا ہوگا—پر یہ سب باولیں ہیں، بھلائی ہوئی باولیں !

اسفہال میں ان کی یادگار ہونی چاہئے تھی، ہمارے دیش بہکتوں کی سادھی ہونی چاہئے تھی.....پر یہاں معاملہ اُلٹا ہے، یہاں اُلٹی ٹٹکا بہتی ہے۔ جو انگریزوں کے ساتھ تھے، جلیوں نے دیش بہکتوں پر گولی چلائی تھی ان کا آدر ہے، مان ہے، ان کی سادھی ہے۔ اور دیش بہکتوں کو ! یاد کے کسی کونے میں مروز کر ڈال دیا گیا۔

اسفہال کی سیمٹری کو دیکھ کر ایک بارگی من بوجھل م جاتا ہے، دماغ چکرانے لگتا ہے۔ یکٹیک سوال اٹھتا ہے—یہاں راج کس کا ہے—بھارت والوں کا یا انگریزوں کا۔ انگریز کے نکٹھراؤں کی سادھی پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں، بھارت سرکار کل خرچ کا دس فی صدی خود ادا کرتی ہے.... پر آزاد ہند کے سپاہیوں نے کونسی خطا کی ہے کہ ان کی سادھی نہیں ہے، ان کے کارناموں کی یاد کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید وہ انگریز کے ہائی تھے اور بلخوں کو سماں دینا کس وقت کی دانی کو ناخوشی کرنا ہوتا !!

دیش ہمارا، دھن ہمارا، آڈی ہمارے پرسنٹری کے پر بلندہ پر ہمارا کوئی اندھکار نہیں، کوئی لٹھی



بغیر کسی شک و شبہ کے کہ اس میں سب سے پہلے اس لیے جگہ نہیں ہے تو کیا پورا ملک کے لیے جگہ ہے۔ ان کو تو جلتا کا حوصلہ بڑھانا چاہیے کہ وہ 'سٹاکس' سے 'سٹاکس' کے لگے ہوئے دل جان سے تیار رہے۔

آج کے دور کے سب سے پہلے میں ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے یہ قدم مضبوط ہو کر لاچار کی حالت میں اٹھایا۔ ان کا یہ قدم سرکار کی اپرواہی کا نتیجہ ہے نہ کہ ان کی اپنی بے چینی کا۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان کے آگے دوسرا راستہ کیا ہے؟ کیا 'پوئی' چلتی ہوئی ہو؟ وہ کافی تر چکر اور کوئی راستہ نہ دیکھ کر انہوں نے ان میں شروع کیا یا یہ اٹل قدم اٹھایا۔ انہوں نے یہ ہوا اچھا کیا کہ پنجاب کے اندھائیوں کی طرح اب پورے والوں نے مکمل ہرنال نہیں کی اور اب کام پر آئے۔ اس سے ان نے نیک اداؤں کا پتہ چلتا ہے۔

### سرکار کا فرض

اوپر کی تفصیل سے ہر کوئی متحسب کوہکا کہ اندھائیوں نے جو مانگیں دی ہیں وہ 'انسانیت' ایمان اور انصاف کی مانگیں ہیں اور ان کے ملوانے کے لئے جو قدم اٹھایا گیا وہ سرکار کو خوددار کر دینے کے لئے۔ سرکار کا فرض ہے کہ انصاف کی ان مانگوں پر انصاف سے سوجھ 'انصاف' سے فیصلہ دے اور ان پر انصاف سے چلے اور دوسروں کو چلوائے۔ ہم یہ مانگتے ہیں کہ سرکار کے پاس ہوسے نہیں ہے۔ دام پور، بنارس یا پھلی نال میں سرکار کا لالچ چکر ہزاروں روپے سواہا کر سکتی ہے جب وہ زرعی پرمیٹنگ یا فالتو کے کارخانے کھول کر لائیں روپے برباد کر سکتی ہے اور جب پلڈت پلڈت کے شہدوں میں "بڑے بڑے ہر اندر سے کھولتے" وہاں جیسے پلڈنگ، پلڈنگ اور سہرگ وغیرہ کی من چلی ہو جلاؤں میں کھڑوں روپے ہونک سکتی ہے۔ تو دیہات کے اسکولوں میں پڑھانے والے اندھائیوں کے لئے تعلیمات دیہات کا انتظام نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے۔ دل کی ضرورت ہے، دل چاہئے۔

آخر میں ہماری عرض ہے کہ سرکار کو چاہئے کہ تعلیم یا شکر کو سولہویں بلانے اور دیہاتی دستکاری کے طریقہ تعلیم دی جائے۔ اس کے لئے سرکار کو اپنی ادھوک بھٹی لوٹ نہتی کھریلو نہتی وغیرہ کو بدل کر سولہویں اور وفیلڈری کرن کے راستے پر لانا ہوگا۔ اور ایسا کرنے میں اسے نام کے لوگ لکھان کاری یا دیل لکھو راج کی جگہ سچے مانو ہتکاری یا سرووے آدرھی کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ہاں۔ ہمیں یہ بھی ہے کہ اگر اس طرف سرکار چلتی کی سمت دیکھتے تو کیا اندھائیوں کو کیا چلتا ہے؟ اس کا ساتھ دیں گے۔

—سرمہی رام بھٹی

—سرمہی رام بھٹی



کے پاس کتنا تو میری جگہ تھی۔ انہیں کیا خبر کہ کل ہفتہ بھر کے پاس کتنا ہے کتنا نہیں اور پورے کے مفتی جی مسجد میں چلاؤ میں کانگریس کو جگانے پر!

اس طرح چلاؤ کال کا شمار آج کل ہمارے ادھیپوں کو بہت زیادہ ہو رہا ہے۔

### قدم مصحح یا فط

### قدم سہی یا رات

اب سوال یہ ہے کہ ادھیپوں نے جو یہ ان میں کیا یا ادھیپک سیکل کے فاصلے کے انصار اب جو سہاگہ چل رہا ہے وہ مصحح ہے یا فط۔ پردیہ کے مکہ مفتی نے اسے بھجوا دیا تھا اور نئے شکھا مفتی نے واشتر پتا کی دھائی دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ تو ایسا کام نہیں نہیں کرتے اور ضرور فط تہواتے۔ شکھا مفتی نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر ادھیپک کام ہو نہیں آئے تو اسے تلفیہ پر نئے آدمی ہوتی کو لگے جائیں گے۔ ادھر میں یہ بھی پتہ چلا ہے۔ یہاں تک مصحح ہے ہم نہیں ہو سکتے۔ کہ سرکار نے ضلع مسٹریتوں کو لکھا ہے کہ جو پتواری استعفیوں دیتے ہیں ان کی جگہ ادھیپوں کو پتواری ہونا دو!!

اگر پردیہ کے شکھا مفتی نے جس فہم دہراری کا اظہار ادھیپوں کے معاملے میں کیا ہے اس سے بہتوں کو شبہ ہے کہ مکہ مفتی کی یہ پسند کہاں تک تھیک یا کارگر تھی۔ ہر ہمارا تو صرف یہ کہنا ہے کہ شکھا مفتی کو واشتر پتا کی دھائی دینا اچھا نہیں لگتا۔ واشتر پتا کے نام لینے کے پہلے ہمارے مسٹروں کو ہلدیریا باغ کی کوٹھیں، فورق یا اسٹوڈیو پیکر کی ولیمی موٹروں اور کانپور کے رئیسوں کے آرام گاہوں میں بہت کم دینا چھوڑنا عوا۔ شکھا مفتی کو لکھا مفتی کے مکہ مفتی کی کسی پر ہوتھانہ جانے سے باہر کے نام پر کسی کو پھانسی کے ادھیپوں نہیں بن جاتے۔ ہم اس سبب سے زیادہ نہ کہہ کر شکھا مفتی سے ہزاروں کر لیتے کہ وہ واشتر پتا راجندر باہو کا 17 جنوری 1953 کو گاندھین سمنار میں نئی دلی میں دیا ہوا بھائی دھان سے پوچھیں اور ملن کریں۔ اس میں واشتر پتی نے کہا ہے کہ بھارت سرکار نے گاندھی جی کے 'کھا آرٹھک' کیا راج گاجی' کسی کاویہ کرم کو نہیں اٹھایا اور اس لئے وہ (راجندر باہو) باہو کا نام لینے لگی ہے تو نہیں سمجھتے۔ یہاں واشتر پتی کی یہ نمر اور سچی باسی اور کہاں اگر پردیہ کے شکھا مفتی کی یہ اگر اور دھمکی!

اگر پردیہ کے مکہ مفتی اکثر کہا کرتے ہیں کہ ہرجا لکتر میں سہاگہ کے لکے جگہ نہیں ہے۔ معصوب ہے کہ پلنگھ پلنگھ جسے انہوں نے اور بزرگ لکھا ایسی بات نہیں ہیں۔ کیونکہ سہاگہ ہمارا کہا ہے کہ اگر سہاگہ ادھیپوں کے لیے ہو کر ہے تو سہاگہ ہر نہیں اس کی جگہ ہے وہ انہیں چھوڑ دینا نہیں چاہتے

اتر پردیش کے شیشا منتری نے جس رور-پیسو داری کا ہجڑا ادھیپوں کے معاملے میں کیا ہے اس سے بہتوں کو شبہ ہے کہ مکہ مفتی کی یہ پسند کہاں تک تھیک یا کارگر تھی۔ ہر ہمارا تو صرف یہ کہنا ہے کہ شکھا مفتی کو واشتر پتا کی دھائی دینا اچھا نہیں لگتا۔ واشتر پتا کے نام لینے کے پہلے ہمارے مسٹروں کو ہلدیریا باغ کی کوٹھیں، فورق یا اسٹوڈیو پیکر کی ولیمی موٹروں اور کانپور کے رئیسوں کے آرام گاہوں میں بہت کم دینا چھوڑنا عوا۔ شکھا مفتی کو لکھا مفتی کے مکہ مفتی کی کسی پر ہوتھانہ جانے سے باہر کے نام پر کسی کو پھانسی کے ادھیپوں نہیں بن جاتے۔ ہم اس سبب سے زیادہ نہ کہہ کر شکھا مفتی سے ہزاروں کر لیتے کہ وہ واشتر پتا راجندر باہو کا 17 جنوری 1953 کو گاندھین سمنار میں نئی دلی میں دیا ہوا بھائی دھان سے پوچھیں اور ملن کریں۔ اس میں واشتر پتی نے کہا ہے کہ بھارت سرکار نے گاندھی جی کے 'کھا آرٹھک' کیا راج گاجی' کسی کاویہ کرم کو نہیں اٹھایا اور اس لئے وہ (راجندر باہو) باہو کا نام لینے لگی ہے تو نہیں سمجھتے۔ یہاں واشتر پتی کی یہ نمر اور سچی باسی اور کہاں اگر پردیہ کے شکھا مفتی کی یہ اگر اور دھمکی!

اگر پردیہ کے مکہ مفتی اکثر کہا کرتے ہیں کہ ہرجا لکتر میں سہاگہ کے لکے جگہ نہیں ہے۔ معصوب ہے کہ پلنگھ پلنگھ جسے انہوں نے اور بزرگ لکھا ایسی بات نہیں ہیں۔ کیونکہ سہاگہ ہمارا کہا ہے کہ اگر سہاگہ ادھیپوں کے لیے ہو کر ہے تو سہاگہ ہر نہیں اس کی جگہ ہے وہ انہیں چھوڑ دینا نہیں چاہتے



نے گاؤں کا مہسوس ایک رپٹا مانگا۔ بےچارے अध्यापक کے پاس رپٹا کھانا یا، گاؤں روک لے گیا۔ پھر کبھی سے ہاتھ پیر جوڑ کر ایک رپٹا اٹھا کر لے کر آیا، تب گاؤں میلی اور اس کے باپ وہ شہر کی ہڈی ڈھونڈ کر نچوڑ کے گاؤں میں جا کر رہنے لگا !

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ अध्यापकों کی تمام مانگیں ٹھیک ہیں۔ یہ مانگیں کھولے انصاف چاہتی ہیں اور کسی بھی انصاف پسند حکومت یا سرکار کو ان پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہئے کہ अध्यापक ورگ جتنا ہوا ہے اور اپنی ذمہ داری سمجھ سکتا ہے۔

یہ مصیبت کبوں؟

ہر ایک کو خیال پھلا ہوا ہے کہ جب قیلا-بورڈ अध्यापकों کو تنخواہ نہیں دے سکتے تو انہیں अध्यापक رکھے گا، انہیں اسکول بڑھائے گا۔ کیا قیلا-بورڈ کے سہایتی یا معذرتی کو آپ بھت و فہرہ کا کوئی انداز نہیں تھا؟ اس مسئلہ میں ہمیں جو جادواری اودہ کے ایک ضلع سے ملی ہے وہ یہ ہے: نومبر دسمبر 1951 میں چٹاؤ کا بول بالا تھا اور کانگریس انہیں جیتنے کے لئے پوری طاقت جتا رہی تھی۔ یہاں تو ضلع بورڈوں نے سہایتی کانگریسی تھے، سرکار کے ناسود تھے۔ یہی نہیں، ان میں سے کچھ، تو خود بھی اسمبلی کونسل یا پارلیامنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار تھے۔ اس لئے ضرورت پڑی گاؤں گاؤں گھر گھر اسے بچھ دے کر روک پکڑنے والوں کی۔ لہذا یہ ہوا کہ جو کوئی بھی اچھا بولنے والا ملے—اور اگر وہ مقال پاس ہوا—تو اس سے کہہ دیا کہ 'چٹاؤ میں کام کرو' अध्यापक بڈاؤنگ۔ اس طرح انٹر ضلع بورڈوں کی ساری مشورہ کانگریس کی طرف سے چٹاؤ میں پھرتی رہی کئی نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر دسمبر جنوری فروری (1951-52) انٹر اسکولوں میں کئی دن دن تھا مکتوں تک پڑھانے والے 'مستروں' کا پتہ ہی نہ ہوتا۔ چٹاؤ کی گرمی میں نہ حکم مکتوں، نہ کانگریس نو، نہ ضلع بورڈ کے افسروں کو کچھ دھیان ہی رہا کہ اسکولوں کی کیا حالت ہو رہی ہے۔

یہ جو نئے نئے چٹاؤ ایجنٹ رکھے گئے ان کی منظوری چٹاؤ کے دوران کی، یعنی نومبر، دسمبر، جنوری کی تو دے دی گئی۔ پھر ایک بعد—جب کانگریس اکثریت سے اسمبلی پارلیامنٹ میں آگئی—جو سستی آئی اس میں کہاں ضلع بورڈ اور کہاں بھجوا अध्यापक! ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بورڈ کا پورا پورا پدمت خرچ بورڈ کا ملگری کرنا ہے، لیکن ماستروں کی منظوری کے بل ذمہ انصاف مکتوں آف اسکول نام کے پدامتگری کو کرتے ہیں۔ ان کے پاس جب نومبر دسمبر 1951 یا جنوری 1952 میں अध्यापकों

نے گاؤں کا محسوس ایک روپٹہ مانگا۔ بےچارے अध्यापक کے پاس رپٹا کھانا تھا، گاؤں روک لے گیا۔ پھر کبھی سے ہاتھ پیر جوڑ کر ایک رپٹا اٹھا کر لے کر آیا، تب گاؤں میلی اور اس کے بعد وہ شہر کی حد چھوڑ کر نزدیک کے گاؤں میں جا کر رہنے لگا !

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ अध्यापकों کی تمام مانگیں ٹھیک ہیں۔ یہ مانگیں کھولے انصاف چاہتی ہیں اور کسی بھی انصاف پسند حکومت یا سرکار کو ان پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ انہیں خوشی ہونی چاہئے کہ अध्यापक ورگ جتنا ہوا ہے اور اپنی ذمہ داری سمجھ سکتا ہے۔

یہ مصیبت کبوں؟

ہر ایک کو خیال پھلا ہوا ہے کہ جب قیلا-بورڈ अध्यापकों کو تنخواہ نہیں دے سکتے تو انہیں अध्यापक رکھے گا، انہیں اسکول بڑھائے گا۔ کیا قیلا-بورڈ کے سہایتی یا معذرتی کو آپ بھت و فہرہ کا کوئی انداز نہیں تھا؟ اس مسئلہ میں ہمیں جو جادواری اودہ کے ایک ضلع سے ملی ہے وہ یہ ہے: نومبر دسمبر 1951 میں چٹاؤ کا بول بالا تھا اور کانگریس انہیں جیتنے کے لئے پوری طاقت جتا رہی تھی۔ یہاں تو ضلع بورڈوں نے سہایتی کانگریسی تھے، سرکار کے ناسود تھے۔ یہی نہیں، ان میں سے کچھ، تو خود بھی اسمبلی کونسل یا پارلیامنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار تھے۔ اس لئے ضرورت پڑی گاؤں گاؤں گھر گھر اسے بچھ دے کر روک پکڑنے والوں کی۔ لہذا یہ ہوا کہ جو کوئی بھی اچھا بولنے والا ملے—اور اگر وہ مقال پاس ہوا—تو اس سے کہہ دیا کہ 'چٹاؤ میں کام کرو' अध्यापक بڈاؤنگ۔ اس طرح انٹر ضلع بورڈوں کی ساری مشورہ کانگریس کی طرف سے چٹاؤ میں پھرتی رہی کئی نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر دسمبر جنوری فروری (1951-52) انٹر اسکولوں میں کئی دن دن تھا مکتوں تک پڑھانے والے 'مستروں' کا پتہ ہی نہ ہوتا۔ چٹاؤ کی گرمی میں نہ حکم مکتوں، نہ کانگریس نو، نہ ضلع بورڈ کے افسروں کو کچھ دھیان ہی رہا کہ اسکولوں کی کیا حالت ہو رہی ہے۔

یہ جو نئے نئے چٹاؤ ایجنٹ رکھے گئے ان کی منظوری چٹاؤ کے دوران کی، یعنی نومبر، دسمبر، جنوری کی تو دے دی گئی۔ پھر ایک بعد—جب کانگریس اکثریت سے اسمبلی پارلیامنٹ میں آگئی—جو سستی آئی اس میں کہاں ضلع بورڈ اور کہاں بھجوا अध्यापक! ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بورڈ کا پورا پورا پدمت خرچ بورڈ کا ملگری کرنا ہے، لیکن ماستروں کی منظوری کے بل ذمہ انصاف مکتوں آف اسکول نام کے پدامتگری کو کرتے ہیں۔ ان کے پاس جب نومبر دسمبر 1951 یا جنوری 1952 میں अध्यापकों



خانی کو تلامذہ کے مستشرق نے جو روح اختیار کیا (جس کی چرچہ ہم آگے کر رہے گئے) اُس سے بڑھ چل گیا۔ کتب سرکار کو ادھیانیکوں کے ہفت کا دینی ہجر بھی خیال نہیں ہے۔ مسطور ہو کر ادھیانیکوں نے بڑے پیمانے پر ستمگاہ شریع کیا۔ وہ 12-15-20 کے جتنے بلانکر آئے۔ میں اور گرفتار کر لکے جاتے ہیں۔ یہی آج چل رہا ہے۔

## ادھاپیکوں کی مثالیں

اوپر دئے ہوئے انتہاس سے صاف ہو جاتا ہے کہ ہمارے  
ادھیانکوں کی مانگوں کو حل تین ہوں :

(1) 1949 کی سوچی کے انوسار اُن کی تعداد و  
مہنگائی بہتے دئے جاہیں .

(2) جو اُن کی پچھلی نسلوں باقی ہے وہ سب چکائی جائے۔

(3) آٹھ ہر مہینے کی تہذیبی مہولہ ختم ہونے پر  
اعتبار ملتی رہا کرے ۔

ان میں سے پہلی مانگ وہی ہے جو چار برس پہلے خود پردیش سرکار نے طے کی تھی۔ لوکل بائیز پر کمیٹی کے انوسار ضلع بورڈ کے ہر کرسچاری کو تفسواہ مل رہی ہے سوائے ادھاپاک کے! اس لئے ادھاپاکوں کا یہ کہنا کہ میںوں بھی اسی کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق تفسواہ ملے کسی طرح غلط نہیں کہا جاسکتا۔ اگر اس سبببندہ میں سرکار یہ کہہ کہ ضلع بورڈوں کا یہ ”نہجی“ معاملہ ہے اور ہم دخل نہیں دینگے تو یہ ویسا ہی ہوا جیسے کوئی پتا کہ دے کہ بچے کے پالنے خرچ کی پوری ذمہ داری ماں کی ہے کھولتے وہ اُسی کے ہمت سے جلتا ہے!

دوسری تیسری ماٹنگوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ضلع پورتنوں کی حالت ”تہولتا چلتا ہمارے کہنا“ جیسی ہو رہی ہے۔ پورتنوں سرکار نے لوڈل سٹوف ڈورنٹس دیہاک کی 1951-52 کی جو رپورٹ نکلی ہے اس میں ضلع پورتنوں کے کام کی تعریف کی گئی ہے اور خاصی تر اس بات پر کہ اسکولوں کی تعداد 26, 671, 951، 2، ہو گئی اور ضلع پورتنوں نے 2, 286 نجی یا پرائیویٹ اسکولوں کو بھی مدد دی! کہاں یہ تعریف اور کہاں ادھیانکوں کے بال بچوں کا ادھا پھت بھونے دھنا! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پرائیویٹ ضلع میں حال ہی میں مارچ 1952 سے اکتوبر 1952 تک کی تفتواہ دی گئی پر غرووی کی نہیں۔ وہاں کرم انہاء ہے کہ غرووی کی تفتواہ ڈول کوسی چالوکی! والہ پھلی ضلع میں بھی مارچ سے اکتوبر کا ایک ہفتہ نہیں دیا گیا۔ وہاں نے ایک ادھیانک کا قصہ ہمیں معلوم ہے۔ اس نے پاس کھانڈ پھونک کر دیا تو اس نے اپنی مسرال سے ایک تقریر نکالی۔ ضلع کی حد پر چلکی دگنوں



انچھ سو برس پرانے عہد میں لکھا ہوگا ہے ' ہم نے پتھر لکھے ہیں۔

35-4-2-75-5-280	پنجاب
30-1-40-2-60	سرحد
40-5-70	پنجاب
65-3-95-4-115	پنجاب
50-3-80-4-100	پنجاب
55-3-85-4-125-5-130	پنجاب

کہیں کہیں جوسہ دلی اور مذہب پرورش میں  
اصحاب میں کو پانچ اور ہندو کے ہونے کے ہر مہا مکان  
بہت ہی دیا جاتا ہے ۔

جب گھوس جس صدر کا تھا اور کئی سوا سیر کا تب  
آکر پردیس کے ادھیانک کے لگے 25 روپے بھی کم نہیں  
تھے۔ پھر ادھیانک کا گاؤں و سماج میں آکر تھا۔ اس لگے  
خاص مہلتوں پر دکھانے کے طور پر بھی ویدیاتنی گھر سے  
مجھ سے آتا تھا۔ لیکن جب اناج گھٹ کر حالت پاؤ کا وہ  
گیا اور کھی یا تو غالب یا قہرئی تھیں چھٹانک پر آ گیا  
وہ دکھانے ملتا اُدھر سے بلند ہوئی اور گھر کا خرچ پورا  
پونا اُدھر سے بلند ہوا۔ اس نئی پریشان ہو کر ہمارے  
ادھیانکوں نے 1949 میں ہرنال کی۔

یہ ہڑتال جس میں پردیس کے سبھی چالیس ہزار کے لگ بھگ ادھاپاک شریک تھے بہت سہل ہوئی اور سرکار نے یہ طے کیا کہ لوکل باڈیز پر کمیٹی (Local Bodies' Pay Committee) کے سچھاؤ کے انوسار ادھاپاکوں کو دین و بھین و مہنگائی وغیرہ دی جائے۔ پر یہ فیصلہ کالٹ پر ہی رہ گیا اور جب ضلع بورڈوں کے چارج میں اسکول آئے تو ان میں سے زیادہ تر اسے ماننے سے انکوائے۔ جنہوں نے مانا بھی ان میں سے کچھ کبھی دین و بھین دیتے تھے اور کبھی نہیں۔ مطلب یہ کہ خوب سے مانی چلتی تھی اور ادھاپاکوں کے دیکھ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس لئے انہوں نے اپنی مصیبتیں سرکار کے آگے پیش کیں لیکن کوئی سہولتی نہیں ہوئی۔ بار بار مانگ بھی کی گئی پر سرکار کی طرف سے ہاں میں ہو کر رہ جاتی اور بات ٹل جاتی۔ اس لئے اس بار ادھاپاکوں نے زیادہ سمجھ بوجھ کو اور تھوس قدم اٹھایا۔

وہ اپنے آپ اسکولوں میں برابر پڑھاتے ہیں لیکن گاہ چاند  
ہوتی نہ تو میں نے سارے اندھا پن کیوں کی طرف سے قربانی کے  
لئے وہاں ملنے کا امر کی اور آئیں ان میں تو تو تو تو  
گولوں میں شروع کیا۔ ان میں کرنے والے دو تو تو بعد  
اسمعیل پہنچے جانے لگے، ان کے اندر زبردستی غوراک  
پہنچائی جانے لگی اور پھر سرکار نے ایجاد کیا کہ جس  
جگہ یہ ان میں کر دے تھے وہاں ملنا ہی ہے۔  
اس لئے گرفتار رہاں شروع ہو گئیں۔ ساتھ ہی  
ساتھ اسمعیلی و کونسل میں سرکاری حاکمیت



## ہمارے شیشا बोर्डों के अध्यापकों

### کا سوال

شمالی प्रदेश کی राजधानی لکھنؤ کی کونسل ہاؤس کے سامنے आज کل رोज गिरफ्तारियाں हुआ करती हैं क्योंकि कुछ लोग वहाँ के पास एक ऐसी जगह घुस आते हैं जहाँ मनाही है. यह घुसने वाले लोग हमारे सूबे के 52 शिला बोर्डों के मातहत चलने वाले स्कूलों में पढ़ने वाले अध्यापक हैं और वह जगह महकने तामीरात की बताई जाती है. सभी यह है कि यह अध्यापक भाई उस जगह पर जब शुरू शुरू में, फरवरी के आखरी हफ्ते में आए तब तो कोई एतदाय नहीं किया. लेकिन दस बारह रोज बाद लखनऊ के हाकिमों को पता चला कि यह जगह हर खास-बाम के लिये खुली नहीं है. अध्यापकों के इस आन्दोलन को आज एक महीने से ऊपर हो गया और लखनऊ की ताजी खबर है कि कल 24 मार्च को 13 अध्यापक गिरफ्तार किये गए, जिसके बाद कुल गिरफ्तारियों की तादाद 8 मार्च से ले कर—उत्तर प्रदेश अध्यापक मंडल ने सत्याग्रह करने का तय किया—जब तक 867 हो जाती है. इन में से 104 अध्यापकों के खिलाफ चार्ज शीट अदालत में फाइल कर दिया गया है और 89 के ऊपर मुकदमा चलने वाला है.

अध्यापकों के इस आन्दोलन की शुरुआत 23 फरवरी को तीन मास्टर्स के अनशन से शुरू हुई और 8 मार्च को बाळापदा सत्याग्रह शुरू हुआ, जब अध्यापकों के जत्थे के लिये कौन्सिल हाउस के सामने आ कर जमा होने लगे. यह देखने के पहले कि अध्यापकों की मांगें क्या हैं और वह कहाँ तक ठीक हैं. हम पहले अध्यापकों के سوال के इतिहास पर सरसरी निगाह डालेंगे.

### पिछला इतिहास

हमारे देश के प्रदेशों में उत्तर प्रदेश की सब से बड़ी आबादी है जो साडे छै करोड के लगभग है. इसलिये लड़के लड़कियों और उनके स्कूलों की तादाद भी हमारे इस प्रदेश में सब से शिवादा है और उनको पढ़ाने वाले अध्यापकों की भी. इन स्कूलों का प्रबन्ध और शिक्षा का पूरा जिम्मा सूबे की सरकार का था. मगर पहली नवम्बर 1950 को देशता के स्कूलों का इन्तजाम शिला बोर्डों के सुपुर्द कर दिया गया, हालाँकि उनके ऊपर निगाह, शुभाचना, पढ़ाई जोया बौरा का जिम्मा सरकार का ही रहा.

अबसे से हमारे अध्यापकों को जो तनखा दी जाती है वह 26 रुपये के शुरू हो कर 45 तक चलती है. इसके खिलाफ

## हमारे ضلع بورڈوں کے ادھیاپکوں

### کا سوال

اگر پردیسی کی راجدھانی لکھنؤ کی کونسل ہاؤس کے سامنے آج کل روز گرفتاریاں ہوا کرتی ہیں کیونکہ کچھ لوگ وہاں کے پاس ایک ایسی جگہ گھس آتے ہیں جہاں ممانی ہے. یہ گھسنے والے لوگ ہمارے صوبے کے 52 ضلع بورڈوں کے ماتحت چلنے والے اسکولوں میں پڑھانے والے ادھیاپک ہیں اور وہ جگہ محکمہ تعمیرات کی بتائی جاتی ہے. خوبی یہ ہے کہ یہ ادھیاپک بھائی اس جگہ پر جب شروع شروع میں 'گوری کے آخری ہفتے میں آئے تب تو کوئی اعتراض نہیں کیا. لیکن جس بارہ روز بعد لکھنؤ کے حاکم کو پتہ چلا کہ یہ جگہ ہر خاص عام کے لئے کھلی نہیں ہے. ادھیاپکوں کے اس آندولن کو آج ایک مہینے سے اوپر ہو گیا اور لکھنؤ کی تازی خبر ہے کہ کل 24 مارچ کو 13 ادھیاپک گرفتار کئے گئے جس کے بعد کل گرفتاریوں کی تعداد 8 مارچ سے لیکر—اگر پردیسی ادھیاپک ملقل نے ستمائے کرنے کا طے کیا—اب تک 367 ہو جاتی ہے. ان میں سے 104 ادھیاپکوں کے خلاف چارج شیت عدالت میں فائل کر دیا گیا ہے اور 89 کے اوپر مقدمہ چلنے والا ہے.

ادھیاپکوں کے اس آندولن کی شروعات 23 فروری کو تین ماسٹروں کے ان شین سے شروع ہوئی اور 8 مارچ کو بالادہ ستمائے شروع ہوا جب ادھیاپکوں نے جگہ کے جگہ کونسل ہاؤس کے سامنے آکر جمع ہونے لگے. یہ دیکھنے کے پہلے کہ ادھیاپکوں کی مانگیں کیا ہیں اور وہ کہاں تک ٹھیک ہیں. ہم پہلے ادھیاپکوں کے انہاس پر سرسری لکھا ڈالینگے.

### پچھلے انہاس

ہمارے دیسی کے پردیسیوں میں اگر پردیسی کی سب سے بڑی آنداسی ہے جو ساڑھے چھ کروڑ کے لگ بھگ ہے. اس لئے لوگ لوگوں اور ان کے اسکولوں کی تعداد بھی ہمارے اس پردیسی میں سب سے زیادہ ہے اور ان کو پڑھانے والے ادھیاپکوں کی بھی. ان اسکولوں کا پرلندہ اور شکفا کا پورا حصہ صوبے کی سرکار کا تھا. مگر پہلی نومبر 1950 کو دیسیوں کے اسکولوں کا انتظام ضلع بورڈوں کے سپرد کر دیا گیا. حالانکہ ان کے لئے 'لکھنؤ'، 'ممانی'، 'پڑھانی' اور 'شکفا' کا حصہ سرکار کا ہی رہا.

مرتب سے دیسی ادھیاپکوں کو جو تظنرات دی جاتی ہے وہ 25 روپے کے شروع ہوتے ہیں اور اب تک چلتی ہے. اس کے خلاف



دیا۔ لیکن اب سب لوگوں میں دیش بکیت کی भावना इतनी भर गई है कि अब अधिक कंट्रोल की जरूरत नहीं रह गई.

(8) सरकार बजार पर हर बात ध्यान रखती है. जहाँ भी किसी चीज की कमी हुई सरकार खुद माल खरीद कर उस जगह पहुंचा देती है. इससे भाव एक सा बना रहता है.

(9) चीन के वलालों, सद्ग बापों का सरकार ने बिल्कुल खातमा कर दिया है. चीन में यह व्योपार नहीं हो सकता.

(10) सरकार ने जनता की माली हालत दुखस्त कर दी है. किसानों को अपनी अपनी जमीन मिल गई है. वह जियादा पैदा करते हैं. उनके माल की बिकरी का भी अच्छा प्रबंध है. चूंकि उनकी जेब में पैसा होता है इसलिये वह जियादा से जियादा सामान खरीदते हैं. चूंकि जियादा बिकरी होती है इसलिये कारखाने जियादा पैदा करते हैं. अब चीनी दुकानदारों के पास हर समय और हर मौसम में गाहकों की भीड़ लगी रहती है.

(11) देश भक्ति की भावना ने पूंजीपति और मजदूर दोनों को एक राय बना दिया है. हर मजदूर समझता है कि वह देश के लिये काम करता है और बिना किसी हिचक के उसको उसका जायज हिस्सा मिल जाता है. हर काम मालिक और मजदूर के सहयोग से होता है. कारखाने की पैदावार की पिलानिंग करने और उसके हित की देख रेख करने के लिये एक कमेटी होती है. इस कमेटी में पांच मजदूर यूनियन के नुमाइन्दे होते हैं और पांच कारखाने दार के इस कमेटी की दो हफ्ते के बाद मीटिंग होती है. एक वफा सदावत मजदूर करता है तो दूसरी वफा कारखाने दार. कमेटी के सारे फ़ैसले सब के हित की ध्यान में रखकर किये जाते हैं और हमेशा एक राय से होते हैं. अगर कभी यह कमेटी फ़ैसला न कर सके तो मजदूर अबाधतों को वह मामला सुपुर्व कर दिया जाता है.

मुनाफे की गारन्टी और सरकारी सहयोग के कारन पूंजी पतिथों में ईमानदारी और देश भक्ति की भावना पैदा हो गई है. मजदूर और मालिक दोनों को अपना अपना जायज हक मिल जाता है. बैंक का सूख कम हो गया है. इस कारन लोग उद्योगों में अपनी पूंजी लगाते हैं. स्वदेशी की भावना इतनी तेज हो गई है कि चीनी विदेशी माल के इस्तेमाल को नीची नज़र से देखते हैं. यही कारन है कि वह स्वावलम्बी हो गये हैं और दिन दूनी रात चौगुनी तरक्की कर रहे हैं.

—मुजीब रिषवी

جیسا کہ اب سب لوگوں میں دیش بکیت کی भावना इतनी भर गई है कि अब अधिक कंट्रोल की जरूरत नहीं रह गई.

(8) सरकार بازار پر ہر بات دھیان رکھتی ہے۔ جہاں بھی کسی چیز کی کمی ہوئی سرکار خود مال خرید کر اُس جگہ پہنچا دیتی ہے۔ اس سے ہوا ایک سا بنا رہتا ہے۔

(9) بچے کے دلالوں، ستہ بازوں کا سرکار نے بالکل خاتمہ کر دیا ہے۔ چین میں یہ بیوپار نہیں ہو سکتا۔

(10) سرکار نے چلتا کی مالی حالت درست کر دی ہے۔ کسانوں کو اپنی اپنی زمینوں مل گئی ہے۔ وہ زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اُن کے مال کی بکری کا بھی اچھا بندھ ہے۔ چونکہ اُن کے چھب میں پیسہ ہوتا ہے اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سامان خریدتے ہیں۔ چونکہ زیادہ بکری ہوئی ہے اس لئے کارخانے زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اب چھلی دکانداروں کے پاس ہر سہ اور ہر موسم میں گاہکوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔

(11) دیہ بکیتی کی بھاؤنا نے پونجی پتی اور مزدور دونوں کو ایک رائے بنا دیا ہے۔ ہر مزدور سمجھتا ہے کہ وہ دیہ کے لئے کام کرتا ہے اور ہر کسی چھک کے اسکو اسکا جائز حصہ مل جاتا ہے۔ ہر کام مالک اور مزدور کے سہوک سے ہوتا ہے۔ کارخانے کی پیداوار کی پلاننگ کرنے اور اُس کے ہت کی دیکھ دیکھ کرنے کے لئے ایک کمیٹی ہوتی ہے۔ اس کمیٹی میں پانچ مزدور یونین کے نمائندے ہوتے ہیں اور پانچ کارخانے دار کے۔ اس کمیٹی کی دو ہفتے کے بعد مہنگہ ہوتی ہے۔ ایک دفعہ صدارت مزدور کرتا ہے تو دوسری دفعہ کارخانے دار۔ کمیٹی نے سارے فیصلے سب کے ہت کو دھیان میں رکھ کر کئے جاتے ہیں اور ہر ایک رائے سے ہوتے ہیں۔ اگر کبھی یہ کمیٹی فیصلہ نہ کر سکے تو مزدور عدالتوں کو وہ معاملہ سپرد کر دیا جاتا ہے۔

ملاح کی گارنٹی اور سرکاری سہوک کے کارن پونجی پتیوں میں ایمانداری اور دیہ بکیتی کی بھاؤنا پیدا ہو گئی ہے۔ مزدور اور مالک دونوں کو اپنا اپنا حق مل جاتا ہے۔ ہر ملک کا سود کم ہو گیا ہے۔ اس کارن لوگ ادھوں میں اپنی پونجی لگاتے ہیں۔ سودبھی کی بھاؤنا ایللی لڑو ہو گئی ہے کہ چھلی دیہی مال کے استعمال کو نہجی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ وہ سواولمبی ہو گئے ہیں اور دن دنی رات چوٹلی ترکی کر رہے ہیں۔

—محمود دھوی



इस प्रकार में सरकार ने एक बड़ी रकम सरकारी कारखानों में खर्च कर दी थी, जहाँ किसी कारखाने के माल की निचोरी में कोई बचपन हुई सरकार ने बाजार भाव वस माल को खरीद लिया। कभी कभी तो बाजार भाव से भी अधिक काम सरकार देती थी।

(ii) सरकार ने पीपुल्स बैंक से बड़े बड़े ऋण लेकर भी कारखानों की बड़ी मदद की। कोमिन तांग के आगने में रोखाना शुरू कई कई फीसदी होता था और दर दर बढ़े बढ़ता जाता था। नई सरकार के आने पर सन '49 में शुरू का दर 66.5 फी सदी महीना था, सन् 1950 के शुरू में यह दर घट कर 23.5 की सदी हो गया, जून सन 1950 में कुल 3 फीसदी महीना ही शुरू रह गया, अब उद्योग धर्मों संबंधी ऋणों का दर 1.05 और 1.65 फी सदी के बीच में रह गया है।

(iii) सरकार ने एक अच्छी टैक्स पालिसी अपनाई और कमल-बसोट तरीके को छोड़ दिया। इस पालिसी में सबका खयाल रखा गया। टैक्स के दर आम तरीके से पंजी बति देशों के मुकाबले में कम हैं। ब्योपार के मुकाबले उद्योगों पर कम टैक्स है। जहरी सामानों पर तौर जहरी सामान के मुकाबले में कम टैक्स है, 5 फी सदी से लेकर 30 फी सदी तक टैक्स लगाया जाता है, खास खास चीजों और उद्योगों पर टैक्स में छूट भी दी जाती है।

मशीन बनाने वाले कारखानों और कोयला लोहा पैदा करने वाले कारखानों को 10 से 40 फी सदी तक छूट मिलती है, वह सामान जिनसे जतना का मनोरंजन होता है उसनी ही छूट पाते हैं, बरेल धर्मों के साथ टैक्स बरौरा में खास रिबायत की जाती है।

(6) चीन के ब्योपारी रिश्तत देने और बेईमानी करने में मशहूर थे, सरकार ने "सान फ्रान" आन्दोलन चलाया। बेईमानी के सारे इश्कन्धों की तसवीरें बनाई और उनकी जगह जगह प्रदर्शनी की, इस तरह जनता यह समझ गई कि किस किस तरह बेईमानी से उसको लूटा जाता है और वह होशियार हो गई, इस संबंध में बहुत से ब्योपारी पकड़े गये, लेकिन कुल एक फी सदी पर मुकदमा चलाया गया, सरकार का मकसद उनको सजा देना नहीं था बल्कि उन्हें सुधारना था।

(7) चीन के सारे उद्योगों का बाजार मुनाफा न होकर आदमी है, आदमी को मुनाफे का खयाल नहीं बनाया गया बल्कि हर काम आदमी की बेहतरी के लिये किया जाता है, देश बाजार के सामानों को कोई महत्व नहीं दिया जाता, बाजार की चीजें पैदा करने का हर एक को ध्यान रहता है, सरकार ने पहले इस संबंध में पूरी देश देश की और पैदावार के निर्यात में कारखाने दारों को सजाह मदद

होने शुरू में सरकार ने एक बड़ी रकम सरकारी कारखानों में खर्च कर दी थी, जहाँ किसी कारखाने के माल की निचोरी में कोई बचपन हुई सरकार ने बाजार भाव वस माल को खरीद लिया। कभी कभी तो बाजार भाव से भी अधिक काम सरकार देती थी।

(ii) सरकार ने पीपुल्स बैंक से बड़े बड़े ऋण लेकर भी कारखानों की बड़ी मदद की। कोमिन तांग के आगने में रोखाना शुरू कई कई फीसदी होता था और दर दर बढ़े बढ़ता जाता था। नई सरकार के आने पर सन '49 में शुरू का दर 66.5 फी सदी महीना था, सन् 1950 के शुरू में यह दर घट कर 23.5 की सदी हो गया, जून सन 1950 में कुल 3 फीसदी महीना ही शुरू रह गया, अब उद्योग धर्मों संबंधी ऋणों का दर 1.05 और 1.65 फी सदी के बीच में रह गया है।

(iii) सरकार ने एक अच्छी टैक्स पालिसी अपनाई और कमल-बसोट तरीके को छोड़ दिया। इस पालिसी में सबका खयाल रखा गया। टैक्स के दर आम तरीके से पंजी बति देशों के मुकाबले में कम हैं। ब्योपार के मुकाबले उद्योगों पर कम टैक्स है। जहरी सामानों पर तौर जहरी सामान के मुकाबले में कम टैक्स है, 5 फी सदी से लेकर 30 फी सदी तक टैक्स लगाया जाता है, खास खास चीजों और उद्योगों पर टैक्स में छूट भी दी जाती है।

मशीन बनाने वाले कारखानों और कोयला लोहा पैदा करने वाले कारखानों को 10 से 40 फी सदी तक छूट मिलती है, वह सामान जिनसे जतना का मनोरंजन होता है उसनी ही छूट पाते हैं, बरेल धर्मों के साथ टैक्स बरौरा में खास रिबायत की जाती है।

(6) चीन के ब्योपारी रिश्तत देने और बेईमानी करने में मशहूर थे, सरकार ने "सान फ्रान" आन्दोलन चलाया। बेईमानी के सारे इश्कन्धों की तसवीरें बनाई और उनकी जगह जगह प्रदर्शनी की, इस तरह जनता यह समझ गई कि किस किस तरह बेईमानी से उसको लूटा जाता है और वह होशियार हो गई, इस संबंध में बहुत से ब्योपारी पकड़े गये, लेकिन कुल एक फी सदी पर मुकदमा चलाया गया, सरकार का मकसद उनको सजा देना नहीं था बल्कि उन्हें सुधारना था।

(7) चीन के सारे उद्योगों का बाजार मुनाफा न होकर आदमी है, आदमी को मुनाफे का खयाल नहीं बनाया गया बल्कि हर काम आदमी की बेहतरी के लिये किया जाता है, देश बाजार के सामानों को कोई महत्व नहीं दिया जाता, बाजार की चीजें पैदा करने का हर एक को ध्यान रहता है, सरकार ने पहले इस संबंध में पूरी देश देश की और पैदावार के निर्यात में कारखाने दारों को सजाह मदद



سوپرینٹنڈنٹس کے بوائز اور ڈائریکٹرز کے بوائز پر 60 فی صدی خرچ ہو۔ 15 فی صدی سے کم کسی سورت میں ڈائریکٹرز اور سکاڈ پر نہ خرچ کیا جاسکے۔ 15 فی صدی اور اس سے زیادہ سورتوں کی بہتری اور ان کو انعام دینا کی مد میں دیا جائے۔

مزدوروں کو کسی ریت کے مضافی بوائز ملتا ہے جو سرکار نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی سورت گنبد نہیں ہو سکتی۔

چین کے ایک مزدور کی تنخواہ کم سے کم سبب سے ہے۔ یہ تنخواہ اس کے ماہ کے پانچویں پر تھوڑی جاتی ہے۔ جتنی تنخواہ ملتی ہے اتنی ہی تنخواہ ہو رہی جاتی ہے۔ اس طرح مزدور کو کبھی دولت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مزدوروں کو تین بوائز ملتا ہے۔ سنانے کی لاگت کا پانچواں حصہ کارخانے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

کارخانے کی طرف سے مزدوروں کو رہنے کے لیے مفت مکان ملتا ہے۔ مزدوروں اور ان کے خاندانوں کو علاج مفت ہوتا ہے۔ اس علاج میں ٹاسٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انجکشن بھی مفت لگائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کی سفارش پر ضروری مزدور کو شکی پہنچانے والا لہا بھی ملتا ہے۔

آرام کرنے کے لئے کمپ ہوتے ہیں۔ ان میں مزدوروں کو ہر طرح کی سہولتوں دی جاتی ہیں۔ ہر حال میں مزدور کو ایک سہولت کی چھٹی ملتی ہے جس میں وہ ان سہولتوں میں جانے آرام کر سکتے ہیں۔

مزدوروں کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے کچھ نہیں دینا پڑتا۔ ان کو بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ کارخانے میں ان کی کھانا پکانا پڑتا ہے۔

سارے کارخانوں میں دل بہانے کا پر بندہ ہوتا ہے۔ مزدور کو ہلکے ہلکے ناچنے گانے اور دوسرے موزونچوں کا آواز ملتا ہے۔

ہر کارخانے کے سب سے اچھے مزدور کو "لیڈر ہیرو" کی پاداش دی جاتی ہے اور اس کا رٹائرمنٹ میں وہ ادب کیا جاتا ہے جو کسی زمانے میں رائے بہادروں اور بھائیوں کا ہمارے دیہ میں ہوا کرتا تھا۔

(5) چھٹی سرکار اسی کے مطابق دیتا ہے جو سرکار نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی سورت گنبد نہیں ہو سکتی۔ یہ تنخواہ ملتی ہے اتنی ہی تنخواہ ہو رہی جاتی ہے۔ اس طرح مزدور کو کبھی دولت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مزدوروں کو تین بوائز ملتا ہے۔ سنانے کی لاگت کا پانچواں حصہ کارخانے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

سوپرینٹنڈنٹس کے بوائز اور ڈائریکٹرز کے بوائز پر 60 فی صدی خرچ ہو۔ 15 فی صدی سے کم کسی سورت میں ڈائریکٹرز اور سکاڈ پر نہ خرچ کیا جائے۔ 15 فی صدی اور اس سے زیادہ سورتوں کی بہتری اور ان کو انعام دینا کی مد میں دیا جائے۔

مزدوروں کو کسی ریت کے مضافی بوائز ملتا ہے جو سرکار نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی سورت گنبد نہیں ہو سکتی۔ چھٹی کے ایک مزدور کی تنخواہ کم سے کم 100 روپے ہے۔ یہ تنخواہ اس کے ماہ کے پانچویں پر تھوڑی جاتی ہے۔ جتنی تنخواہ ملتی ہے اتنی ہی تنخواہ ہو رہی جاتی ہے۔ اس طرح مزدور کو کبھی دولت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مزدوروں کو تین بوائز ملتا ہے۔ سنانے کی لاگت کا پانچواں حصہ کارخانے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

کارخانے کی طرف سے مزدوروں کو رہنے کے لیے مفت مکان ملتا ہے۔ مزدوروں اور ان کے خاندانوں کو علاج مفت ہوتا ہے۔ اس علاج میں ٹاسٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انجکشن بھی مفت لگائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کی سفارش پر ضروری مزدور کو شکی پہنچانے والا لہا بھی ملتا ہے۔

آرام کرنے کے لئے کمپ ہوتے ہیں۔ ان میں مزدوروں کو ہر طرح کی سہولتوں دی جاتی ہیں۔ ہر حال میں مزدور کو ایک سہولت کی چھٹی ملتی ہے جس میں وہ ان سہولتوں میں جانے آرام کر سکتے ہیں۔

مزدوروں کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے کچھ نہیں دینا پڑتا۔ ان کو بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ کارخانے میں ان کی کھانا پکانا پڑتا ہے۔

سارے کارخانوں میں دل بہانے کا پر بندہ ہوتا ہے۔ مزدور کو ہلکے ہلکے ناچنے گانے اور دوسرے موزونچوں کا آواز ملتا ہے۔

ہر کارخانے کے سب سے اچھے مزدور کو "لیڈر ہیرو" کی پاداش دی جاتی ہے اور اس کا رٹائرمنٹ میں وہ ادب کیا جاتا ہے جو کسی زمانے میں رائے بہادروں اور بھائیوں کا ہمارے دیہ میں ہوا کرتا تھا۔

(5) چھٹی سرکار اسی کے مطابق دیتا ہے جو سرکار نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی سورت گنبد نہیں ہو سکتی۔ یہ تنخواہ ملتی ہے اتنی ہی تنخواہ ہو رہی جاتی ہے۔ اس طرح مزدور کو کبھی دولت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مزدوروں کو تین بوائز ملتا ہے۔ سنانے کی لاگت کا پانچواں حصہ کارخانے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔



(2) چٹائی میں ”پورنگا“ اور خوبصورتی کو بھرت  
کا شوق دنیا گیا اور ضرورت کا احساس ہمارے دل میں گیا ؛  
خوبصورتی کا احساس اس کو ایک انجیل اور اپنی بھائی چوہا  
دیکھا رہا تھا۔ اس نے کہا چھپ تو بن گئی پر بھونکتی سی ہے ۔  
خواجه احمد عباس نے اور دیکھا نہیں تھیک ہے ۔ اس  
چھٹی نے جلس کر کہا ہم جانتے ہوں کہ یہ خوبصورت  
نہیں ہے ۔ پر یہ چلتی ہے ، کام نکال دیتی ہے اور ہمیں  
فخر ہے کہ اسے چھپ نے خود بلایا ہے ۔ دو چار سال میں  
ہم اسے خوبصورت بھی بنا لیں گے ۔ یہ سونپھی بھاؤنا ان  
کو آئے بھاتی ہے ۔

(3) چھٹی سرکار کو اپنے اوپر اور جلتا پر وشواس ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ سب کچھ بنا امریکہ کی مدد کے بنا سکتے ہیں۔ جہاں چاہے ہوتی ہے وہاں راکٹ نکل آتی ہے۔ اُن کے پاس ”ہاتم“ ہیں اور وہ ہاتم کا پورا استعمال کر کے جادو جگاتے چلے جا رہے ہیں۔

(4) چین میں اجارہ داری نہیں چل سکتی۔ یہاں پونجی اور مزدوری دونوں کے تحت ہی دکھائی جاتی ہے :

اگر آدمی کو پتی مزدوری کی ذرا 'صلائی' دکھا اور مزدور سمجھ لے تو قانون کی پابندی کرتے ہیں تو انہیں بہاری سے بہاری فائدہ اٹھانے کا چھین میں حق حاصل ہے۔ ہر طرح کی سودھا دی جاتی ہے کہ کارخانے فائدہ نہالیں 'اُنہادیں بڑھائیں اور دیہی کو مالا مال دیں۔ جب تک پونجی پتی بڑھتا رہے ایمانی نہیں کرتے اور سرکار کی پالیسی اور قانون کا انکھن نہیں کرتے تب تک انکا مصالح سرکشت ہے' ایسے کوئی اسچ نہیں آسکتی۔ چھین میں دس سے لے کر تیس فی صدی تک مصالح نمایا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی پونجی پتی ایماندار قلمک سے لکت کم کر لے اور سارے قانون کی پابندی کرتے ہوئے اور گاہکوں کے صحت کا دھیان رکھتے ہوئے اُس سے بھی زیادہ فائدہ نہالے تو بھی اُس مصالح پر کوئی روک نہیں ہے۔ مصالح کی یہ ذرا پونجی پتی دیکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ هندوستان کا پونجی پتی بھی فائرس سرکار کے مقابلے میں چھین کی کمپوسٹ سرکار کا سوائف نہالے گا۔ سرکار نے قبول کیا تھا سال سہائی کرتی ہے' پونجی اندھا دیتی ہے اور غوسری سہائی کرتی ہے بلکہ مصالح کی گائی بھی کرتی ہے۔ سرکار کی ایک غی شرط ہے کہ چھوڑا چھوڑی ہوئی چھلے۔

مذایع کے بتوارفہ پر روک ضرور ہے : (۱) پہچانی  
گھنٹی ہووے گوئے اور ٹوکس وغیرہ ادا کرے ے بعد جو  
مذایع پہچے اس کا 10 فی صدی روزہ نقد میں قار دیا جائے۔  
(2) مذایع کا 8 فی صدی سے زیادہ ہوگ حصہ داروں  
کو نہ دیا جائے۔ (3) اس ادائیگی کے بعد جو رقم پہچے  
اکٹا بتوارفہ اس طرح ہووے : حصہ داروں ' مشغولوں '

मुनाफे के बंटवारे पर रोक जरूर है: (1) पिछली बटौती पूरा करने और टैक्स बढ़ा करने के बाद जो मुनाफा बचे उसका 10 की सदी रिजर्व फ्रण्ड में डाल दिया जाय. (2) मुनाफे का 8 की सदी से ज्यादा भाग हिस्सेदारों को न दिया जाय. (3) इस अवकाशता के बाद जो रकम बचे उसका बंटवारा इस तरह हो: हिस्सेदारों, मनीजर्स,



وہ پھدوانوں کی لگت میں جوڑ دیا جائے گا اور چھوڑیں مہنگی ہو جائیں گی۔ جو رقم مزدور کو ملی رہی وہ اس طرح ہمارے پاس پڑے آجائے گی۔ مزدور کو تو بہت نقصان نہیں ہوگا لیکن کسانوں کا تو چھپ ہی گت جائے گا۔

اِس سے پہلے کہ ہم چھوٹی کیمپ بھٹی پر روشنی ڈالیں یہ ضروری ہے کہ سن 49ء سے پہلے کی پرستہتی کو سمجھ لیں۔ کوسٹوائٹک کے راج میں چھوٹی انگریز فہلڈے چھوٹی بھٹی پڑے تھے۔ گورنمنٹ کوآئی اور بڑی جنگ نے اُن کی کمز اور بھی توڑ دی تھی۔ 1947 میں ملنگھائی کے 6418 کارخانوں میں سے کل 582 کسی صورت کام کر رہے تھے۔ جس وقت موجودہ سرکار نے حکومت کی باگ قبو سلیمائی کو تین سہن کے 70 فی صدی 'زنگتاؤ' نے 50 فیصدی صدی، 'ہیلنگ' نے 30 فیصدی کارخانے بلند پڑے تھے۔ دیہی میں ہر چھوٹی کسی تھی اور بلڈاؤں نوٹ سے دیا سلائی کا ایک دانہ ملنے میں بھی وقت ہوتی تھی۔

سرکار نے ہاک تھور سلیمپالٹے ہی یہ پالیسی طے کی :  
 ” اُن سارے کارخانوں کو جو کہ دیہی کے مالی نقصان  
 کو مشروط دیتے ہوں اور جنگل کے زمین سہن کے استع کو  
 گینچا اٹھائے میں مددگار ہوں سرکار پوروساھن کے کی کہ  
 وہ پوری طالب کے بعد اور ہونے میں لگ جائیں اور اُن  
 ہو طرح سے مدد کرے گی۔“ اِس نے بعد سرکار نے نجی  
 کارخانوں پر انکھ دیکھنے کے لئے ایک ریگولیشن پاس کیا۔  
 اِس ریگولیشن میں پوروساھن دیا گیا تھا کہ لوگ نجی  
 کارخانوں میں پونجی لگانوں اُن کو جائز منافع کی  
 گونگی کی گئی تھی اور منافع کے بتوارے کا در طے کیا  
 گیا تھا۔

پہلی میں آج دو طرح کا بیویار ہے : ایک سرکار کے قلم سے لکھی ہوئی اور دوسرا پرائیویٹ ہاتھوں میں ۔ پر ان دونوں میں لکھ نہیں ہوئی بلکہ دونوں سپروڈ کرتے ہیں۔ کونسل پہلی اور اسمبلی نے کارخانے سرکار کے ہاتھوں میں؟ ہیں ۔ ان میں کوئی نجی پونجی نہیں لگی ۔ دوسرے کمپنیوں میں نجی پونجی لگی ہے اور سرکار اس کی سہائتا کرتی ہے۔ آج نجی کارخانے دار خوش ہیں اور ہمیشہ سے زیادہ اور ایمانداری سے فائدہ کھا رہے ہیں ۔

اس پرورتنی کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم چھٹی سرکار کی لہتی کو سمجھ لیں :

(1) ننگی چھلی سڑک نے سامراجیوں کی لوث سے  
 اچھ کو بچا لیا اور ان کی مالی فحاشی کے جوئے کو آثار  
 پھینکا۔ سامراجیوں نے اُس کو قربانیا دھمکیا اور تاکہ پھنسی  
 بھی کی۔ پر ان سب تارائوں سے چین کو اور حوصلہ ہوا  
 کہ وہ اچھ بدوں کو کھوا دو جائے۔ امریکہ نے جغلیہ حال ہلے  
 چھٹوں نے اُنکا ہی اُتھلائی اور بڑھایا۔



نہیں دیتی، کچھ کارخانے عماروں نے سوکڑی مٹھوں پر تھپتھپاتا ہے اور سوکڑی سپاٹا آگ کی اجارہ داری ہوگئی ہے۔ اس اجارے دار کت سے جو آگ ہوگئی تھی آگ ہیں وہ بے سہارا ہیں اور موت اور زندگی کے بیچ سانس لے رہے ہیں۔

(5) سوکڑا کھول اجارہ دار پونجی مٹھوں کے ہفت کا خیال رکھتی ہے اور مزدوروں اور چھوٹے چھوٹے کارخانہ داروں کے ہفت کو ٹھکرا دیتی ہے۔

(6) ٹیکس کی پالیسی ہمیشہ تاجرانہ ہے۔ سرکار من مانے قہنگ سے اڈیوں پر ٹیکس لگاتی ہے۔ اجارے دار پونجی بٹی ٹیکس میں ٹھگلا کر جاتے ہیں اور تکار تک نہیں لہتے۔ دوسرے اڈیوں بٹی چورے جاتے ہیں۔ اُن کا دل رکھنے کے لئے سرکار انہیں چھوٹ دے دیتی ہے کہ وہ من مانے قہنگ سے مزدور کا شوشن کریں اور عام چلتا کر لہیں۔

(7) آج کی پرستش میں بھاریا میں ”ایمانداری“ کا مطلب ہے زبردست گناہ، بڑا رشوت کے ایک تکتا بھی نہیں ٹالیا جاسکتا۔

(8) ہمارے اڈیڈوں کا اُدھار ہے ”مفافع“۔ اُدسی کھول ”مفافع“ کا سادھن ہے۔ اُس کارن روزمرہ کی ضرورتوں کا خیال نگہ بھاؤ چھوڑیں ہمارے دیہی مہوں ہلتی مہوں جن پر زیادہ مفافع ہوتا ہے۔ اُس طرح عام جلتا نے کام آئے والے سامان پر آرام طلبی کے سامان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اکثر کھڑے سے زیادہ مفافع لپ اٹنگ مہوں ہوتا ہے تو ہمارے اڈیڈوں پتی لپ اٹنگ بھانے لکھیں کہ ۔

(9) سگہ بازی دام چوہائی دھتی ہے ۔ سرکار اُس پر کوئی روک نہیں لگا پاتی ۔

(10) بیچ کے دلال کا مذاق ہو رہا جا رہا ہے اور اس بھڑکی کا بہار چلتا کے گلدستوں پر ہوتا ہے ۔

( 11 ) جنگی مالی حالت خراب ہے ۔ اس کے پاس مال خریدنے کے لئے پیسہ ہی نہیں ہے تو سال بکے کہاں ۔ ہماری سرکار نہ تو اپنے اندرونی سامانوں کے لئے بھی مارکیٹ میں خریدتائی پیدا کر سکی اور نہ باہری ملکوں میں آگن کے لئے کوئی بازار دھونڈ پائی ۔

( 12 ) مزدوروں کے ساتھ کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ سرکار نے لیبر انڈسٹریس قانون بنائے ہیں۔ پر اس سے مزدوروں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کٹھپور کے ایک انگریز ادھوک پتی نے اپنے ایک ایکہ میں لکھا تھا : سرکار ہم سے چاہتی ہے کہ ہم مزدوروں کو زیادہ مزدوری دیں، انہیں آسائیاں دیں، انہیں لیبر انڈسٹریس کی سہولتیں دیں۔ اس میں حیران ہوئی نفسانی نہیں ہے۔ ہم اپنے فائدے میں سے تو کچھ بھی نہیں کریں گے۔ رعایا بے خبر ہو

( 12 ) मजदूरों के हित का विचार नहीं रखा जाता. सरकार ने लेकर इन्वोयेन्स कानून बनाए हैं. परन्तु इससे मजदूरों को कोई लाभ नहीं हुआ. कानपुर के एक कॉन्ग्रेस अधीनशील ने अपने एक लेख में लिखा था कि सरकार हम से चाहती है कि हम मजदूरों को पिछाई मजदूरी दें, उन्हें आवासियाँ दें, उन्हें लेकर इन्वोयेन्स की सुविधाएँ दें. इसमें हमारा कोई मुकद्दाम नहीं है. हम अपने कानून में से तो कौड़ी कम नहीं करेंगे. रहा यह कर्म जो



(1) سامراجی دہشوں کی باہرک غلامی سے بچاوا ہونے کا मतलब ہے کہ ان سے غلامی سول لی جائے۔ اس غلامی کا بچاوا کر کے یہ سرکار کالمپ آتی ہے۔ بڑے بڑے فسادات، سرکاری لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت اس پرستی میں نہیں ہیں کہ سامراجی لوگ سے چھٹکارا پاسکوں۔ وہ فوراً ایران کی مثال سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم پر اس کا چھتہ نہیں چھوونا چاہئے۔ دھمکے دھمکے ہم چھٹکارا پالیں گے۔ لیکن چھٹکارا حاصل کرنے کے بھانے وہ اور زیادہ سے زیادہ دھمکیاں دیتی ہیں۔ اس لئے کہ اس سے اور ایسی شرمناک شرطوں پر قرض لیتے جاتے ہیں جو کسی دہش کو بھی شرمناک نہیں دیتے۔ یہ ہی وہ وجہ ہے جس کے ادھار پر ہماری سرکار دہشی بھاری کرتی ہے۔

(2) "ضرورت" کا لٹاوا باد میں رہتا جاتا ہے اور "خوبصورتی" کا پہلے، جو چین بھی ہم بناؤں وہ خوبصورت ہو، "پرفیکٹ" ہو اور امریکہ سے نکل لیتی ہو۔ پر اس ستر کو پھا کرنے کے لیے مہینوں کی ضرورت ہے۔ یہ مہینوں امریکہ ہی دے سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کے بھڑکے ٹھوس دھتے ہیں اور اسے خوش کرنے کی کوشش کرتے دھتے ہیں۔ پر امریکہ والے یہ کہہ نہیں دیتے۔ ایسے وہ ہوتے ہی نہیں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ چین کے بعد هندستان ہی ان کی سب سے بڑی ملتی ہے۔ اگر هندستان میں سامان پیدا ہونے لگا تو امریکی مال سو جائے گا۔

(3) ہماری سرکار کو اپنی جنمات اور اسکی بوجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ یہ گمان ہی نہیں کر سکتی کہ "ہندوستانی" ہی اس یوگ ہیں کہ اگر انہیں سامان ملے جائیں تو ضرورت کو پوری کرنے کے لئے ایک بھگ وہ ہر سامان بنا سکتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہمتوں کی سچ سے بڑے ہے کہ مشین کو ٹھونک بہت کے کسی آدمی نے ہی بنایا تھا اور پھر اس ہاتھ کی مشین سے آج کی ساری مشینوں جملی ہیں۔ جو آدمی صدیوں پہلے مشین بنا سکتا تھا آج وہی آدمی پھر مشین بنا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی چوڑیں "پرفیکٹ" نہیں ہیں گی، خوبصورت نہیں ہوں گی لیکن ہماری ضرورت کو پورا کریں گی۔ کوشش کرتے ہم انہیں خوبصورت بھی بنائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں ہم ان سے آگے نکل جائیں۔ پر ہماری سرکار کے لئے امریکہ کی مشینیں آخری ہیں اور ان سے آگے ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔

(4) ہماری سرکار اسی وقت بھرتی ضرور ہے پر ان میں خیر فانی کی کوشش نہیں کرتی۔ کچھ مال وہ کہہ کر خیر فانی کو ملے، سرکار اس بات کو مہتو

(1) سامراجی دہشوں کی آہنگ غلامی سے آزاد ہونے کا مطلب ہے کہ ان سے غلامی سول لی جائے۔ اس غلامی کا بچاوا کر کے یہ سرکار کالمپ آتی ہے۔ بڑے بڑے فسادات، سرکاری لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت اس پرستی میں نہیں ہیں کہ سامراجی لوگ سے چھٹکارا پاسکوں۔ وہ فوراً ایران کی مثال سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم پر اس کا چھتہ نہیں چھوونا چاہئے۔ دھمکے دھمکے ہم چھٹکارا پالیں گے۔ لیکن چھٹکارا حاصل کرنے کے بھانے وہ اور زیادہ سے زیادہ دھمکیاں دیتی ہیں۔ اس لئے کہ اس سے اور ایسی شرمناک شرطوں پر قرض لیتے جاتے ہیں جو کسی دہش کو بھی شرمناک نہیں دیتے۔ یہ ہی وہ وجہ ہے جس کے ادھار پر ہماری سرکار دہشی بھاری کرتی ہے۔

(2) "ضرورت" کا لٹاوا بعد میں رہتا جاتا ہے اور "خوبصورتی" کا پہلے۔ جو چوڑیں ہوں ہم بنائیں وہ خوبصورت ہوں، "پرفیکٹ" ہوں اور امریکہ سے نکل لیتی ہوں۔ پر اس ستر کو پھدا کرنے کے لئے مہینوں کی ضرورت ہے۔ یہ مہینوں امریکہ ہی دے سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کے بھڑکے ٹھوس دھتے ہیں اور اسے خوش کرنے کی کوشش کرتے دھتے ہیں۔ پر امریکہ والے یہ کہہ نہیں دیتے۔ ایسے وہ ہوتے ہی نہیں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ چین کے بعد هندستان ہی ان کی سب سے بڑی ملتی ہے۔ اگر هندستان میں سامان پیدا ہونے لگا تو امریکی مال سو جائے گا۔

(3) ہماری سرکار کو اپنی جلتا اور اس کی بدھی پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ یہ گمان ہی نہیں کر سکتی کہ "ہندوستانی" ہی اس یوگ ہیں کہ اگر انہیں سامان ملے جائیں تو ضرورت کو پوری کرنے کے لئے ایک بھگ وہ ہر سامان بنا سکتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہمتوں کی سچ سے بڑے ہے کہ مشین کو ٹھونک بہت کے کسی آدمی نے ہی بنایا تھا اور پھر اس ہاتھ کی مشین سے آج کی ساری مشینوں جملی ہیں۔ جو آدمی صدیوں پہلے مشین بنا سکتا تھا آج وہی آدمی پھر مشین بنا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی چوڑیں "پرفیکٹ" نہیں ہیں گی، خوبصورت نہیں ہوں گی لیکن ہماری ضرورت کو پورا کریں گی۔ کوشش کرتے ہم انہیں خوبصورت بھی بنائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں ہم ان سے آگے نکل جائیں۔ پر ہماری سرکار کے لئے امریکہ کی مشینیں آخری ہیں اور ان سے آگے ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔

(4) ہماری سرکار اسی وقت بھرتی ضرور ہے پر ان میں خیر فانی کی کوشش نہیں کرتی۔ کچھ مال وہ کہہ کر خیر فانی کو ملے، سرکار اس بات کو مہتو



## نئے چین میں کارخانے

امریکا کے ایک لکھک نے چین پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس کا نام رکھا تھا "چالوہیں گورو گنگ"۔ اس نے لکھا "چین ایک ملک نہیں تھا بلکہ ایک ملحقہ تھی۔ چینی آدمی نہیں تھے بلکہ "گنگ" تھے۔ چین سہیلہ کی کتاب کا اس سے اچھا نام وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس میں کئی اچھے بھی نہیں تھے۔ چین سچ سچ ہی سن 49 تک امریکہ، برطانیہ اور جاپان کی ملحقہ تھی۔ چین کی کسی دکان پر چلے جائے، آپ کو دکان بھر میں شاید ہی کئی چین کی بنی چیز مل سکے۔ یہ سامان قہرٹی سے چھوٹے پائے ہندوؤں سے اندر لائے جاتے تھے۔ آخر کہ دنوں میں تو ایک امریکی کو ہی کسٹم انسپکٹر جملوں مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن سن 49 کے بعد یہ ملحقہ ختم ہو گئی۔ اس کی زبردست کھوج ہے اور امریکہ کے دل میں وہ دہ کر تھیں آتھیں تھیں۔ یہی نہیں کہ چین نے امریکہ اور دوسرے سامراجی دیکھوں کی لہج سے اچے کو بچا لیا بلکہ اس نے خود سب سامان بدانا شروع کر دیا۔ دوکانوں سامانوں سے لکھی تھیں، دن بھر گھنوں کی بھڑ لگی رہتی تھیں۔ لیکن ایک زبردست فرق ہے۔ اب ان دوکانوں میں ساری چیزیں چین کی بنی ہوئی ہیں۔

چین اور ہندوستان کی بااوازی میں یہی امتزاج ہے۔ ہندوستان کے پاس چین سے پڑیاوا کلا کارخانے تھے پھر بھی آج ہندوستان کے بازار امریکی سامانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف چین خود ہر چیز بدانا لگا ہے اور جو چیز وہ نہیں بدانا پاتا اس کا یا ہستہ مال ہی نہیں کرنا اور اثر ضرورت کے مطابق کرنا بھی ہے تو اسے اپنی آزادی بچے کر نہیں حاصل کرنا۔ چین میں باہری مال کی کھوت نہیں ہے اور ہندوستان میں امریکی مال کو الٹا پروتساہن مل رہا ہے کہ وہ ہمارے آئیٹموں کو بھی حکم لگے جا رہا ہے۔ آج ان باتوں کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہے یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ چین والے کہیں سوالیہ کی طرف تھوڑے اور سہولت قسم آتھانے میں کامیاب ہیں اور ہم کہیں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے جا رہے ہیں!

ہندوستان اور چین کے اس فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دونوں ملکوں کی معی کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ سواری لکھی ہے ہی انہوں نے ہندوستان اور ہندوستان پر حکم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سواری کی معی یہ ہے:

## نئے چین میں کارخانے

امریکا کے ایک لکھک نے چین پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس کا نام رکھا تھا "چالوہیں گورو گنگ"۔ اس نے لکھا "چین ایک ملک نہیں تھا بلکہ ایک ملحقہ تھی۔ چینی آدمی نہیں تھے بلکہ "گنگ" تھے۔ چین سہیلہ کی کتاب کا اس سے اچھا نام وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس میں کئی اچھے بھی نہیں تھے۔ چین سچ سچ ہی سن 49 تک امریکہ، برطانیہ اور جاپان کی ملحقہ تھی۔ چین کی کسی دکان پر چلے جائے، آپ کو دکان بھر میں شاید ہی کئی چین کی بنی چیز مل سکے۔ یہ سامان قہرٹی سے چھوٹے پائے ہندوؤں سے اندر لائے جاتے تھے۔ آخر کہ دنوں میں تو ایک امریکی کو ہی کسٹم انسپکٹر جملوں مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن سن 49 کے بعد یہ ملحقہ ختم ہو گئی۔ اس کی زبردست کھوج ہے اور امریکہ کے دل میں وہ دہ کر تھیں آتھیں تھیں۔ یہی نہیں کہ چین نے امریکہ اور دوسرے سامراجی دیکھوں کی لہج سے اچے کو بچا لیا بلکہ اس نے خود سب سامان بدانا شروع کر دیا۔ دوکانوں سامانوں سے لکھی تھیں، دن بھر گھنوں کی بھڑ لگی رہتی تھیں۔ لیکن ایک زبردست فرق ہے۔ اب ان دوکانوں میں ساری چیزیں چین کی بنی ہوئی ہیں۔

چین اور ہندوستان کی آزادی میں یہی امتزاج ہے۔ ہندوستان کے پاس چین سے زیادہ کل کارخانے تھے پھر بھی آج ہندوستان کے بازار امریکی سامانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف چین خود ہر چیز بدانا لگا ہے اور جو چیز وہ نہیں بدانا پاتا اس کا یا ہستہ مال ہی نہیں کرنا اور اثر ضرورت کے مطابق کرنا بھی ہے تو اسے اپنی آزادی بچے کر نہیں حاصل کرنا۔ چین میں باہری مال کی کھوت نہیں ہے اور ہندوستان میں امریکی مال کو الٹا پروتساہن مل رہا ہے کہ وہ ہمارے آئیٹموں کو بھی حکم لگے جا رہا ہے۔ آج ان باتوں کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہے یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ چین والے کہیں سوالیہ کی طرف تھوڑے اور سہولت قسم آتھانے میں کامیاب ہیں اور ہم کہیں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے جا رہے ہیں!

ہندوستان اور چین کے اس فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دونوں ملکوں کی معی کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ سواری لکھی ہے ہی انہوں نے ہندوستان اور ہندوستان پر حکم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سواری کی معی یہ ہے:



پھر اسے اپنا کام کر دیا گیا۔ اس طرح معمولی طرح کے کسانوں کو اور زیادہ سہارا ملا۔ معمولی اور غریب کسانوں کے اناج کی قیمت زیادہ رکھی گئی۔ اس کے مقابلے میں بڑے کاشتکاروں اور ریاستی فارموں کے اناج کی قیمت کم رکھی گئی۔ اس طرح معمولی اور غریب کسانوں کو ان کی کم پیداوار کا زیادہ ہمسہ ملنے لگا اور ان کی حالت اور اچھی ہو گئی۔ دوسری طرف بڑے کسانوں کی دولت میں کمی آئی گئی۔ اس طرح روپے کھینچ کر ان کے معمولی کسانوں میں پہنچانے لگا۔ ان کو کھیتی باڑی کا سامان بھی دیا گیا۔

ایک قانون کے ذریعہ مالکداری کم کر دی گئی۔ مزدوروں نے بھی کسانوں کی بھی سہائتا کی۔ انہوں نے فصل کاٹنے سے ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے والٹھر پھیل چو ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کی سوچہ بوجھ بھی بڑھ گئی۔

ایک قانون کے ذریعہ مالکداری کم کر دی گئی۔ مزدوروں نے بھی کسانوں کی بھی سہائتا کی۔ انہوں نے فصل کاٹنے سے ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے والٹھر پھیل چو ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کی سوچہ بوجھ بھی بڑھ گئی۔

ایک قانون کے ذریعہ مالکداری کم کر دی گئی۔ مزدوروں نے بھی کسانوں کی بھی سہائتا کی۔ انہوں نے فصل کاٹنے سے ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے والٹھر پھیل چو ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کی سوچہ بوجھ بھی بڑھ گئی۔

پھر دو سالہ योजना کے پورے ہو جانے کے کارن کسانوں کے جیون پر بھی بڑا اچھا افسر پڑا۔ ملک کی سنبھلتی پیدوار بہت بڑھ گئی۔ اب سے سامان ہلنے لگے جو کھیتی باڑی کے لئے طریقوں میں سہائتا دے سکتے تھے۔ کسانوں نے مل جل کر بھی کھیتی باڑی کے اوزار خریدنے شروع کر دیئے۔ سرکار نے بھی کسانوں کی بڑی مدد کی اور سہکاری کھیتی باڑی کے کھادوں کو خوب بھارا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں چھوٹے چھوٹے فارم بڑے بڑے فارموں میں بدل گئے

پھر دو سالہ योजना کے پورے ہو جانے کے کارن کسانوں کے جیون پر بھی بڑا اچھا افسر پڑا۔ ملک کی سنبھلتی پیدوار بہت بڑھ گئی۔ اب سے سامان ہلنے لگے جو کھیتی باڑی کے لئے طریقوں میں سہائتا دے سکتے تھے۔ کسانوں نے مل جل کر بھی کھیتی باڑی کے اوزار خریدنے شروع کر دیئے۔ سرکار نے بھی کسانوں کی بڑی مدد کی اور سہکاری کھیتی باڑی کے کھادوں کو خوب بھارا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں چھوٹے چھوٹے فارم بڑے بڑے فارموں میں بدل گئے

پار یہ پھارا دیس ہمارا، لٹ شوشن کا مارا،  
خون چوسنے والی جوںکھن، ابھی یہاں کرتیں پو ہارا  
شاسن ان کا، راشن ان کا، قانون پر آسن ان کا  
گولی، گولوں، بندوٹیوں پر رکھا ہے سیدھا سن ان کا  
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں، کو جکڑے ہیں بٹمار  
نوا آبادی مانگ رہا ہے جینے کا अधिकار  
—'شیل'

پار یہ پھارا دیس ہمارا، لٹ شوشن کا مارا،  
خون چوسنے والی جوںکھن، ابھی یہاں کرتیں پو ہارا  
شاسن ان کا، راشن ان کا، قانون پر آسن ان کا  
گولی، گولوں، بندوٹیوں پر رکھا ہے سیدھا سن ان کا  
گاؤں، گلی، شہروں، نگرؤں کو جکڑتے ہوں بٹ مار  
نہا اسی مانگ رہا ہے جیلے کا ادھکار  
—'شیل'



یا مامولی درجے کے کسانوں اور مچھڑوں کا۔ چھکوسلوواکیا کے ہسٹری کے اس حصے کو دیکھ کر ہر ایک کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کا کیا نتیجہ ہے؟ پہلے 1945 سے 1947 تک کا زمانہ، جب بدھسٹو چاکرنداروں کی زمین ضبط کر لی گئی اور چھکوسلوواکیا کے کھیت مزدوروں اور غریب کسانوں میں بانٹ دی گئی۔ دوسرا زمانہ فروری 1948 کے بعد سے شروع ہوتا ہے جس کے انوسار سامانت کال کی بھی کھیتی چاکرنداروں پر مہرہ کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ انقلاب کے پہلے زمانے میں سب سے پہلے سوال تو یہ آتا کہ کھیت مزدوروں یا ایسے کاشتکاروں کو بہر زمین دو جائے جن کے پاس اپنی زمین نہیں تھی اور دوسروں کے یہاں مزدوری کرتے رہ سکتے تھے۔ اس کے انوسار چھکوسلوواکیا کی زمینیں بھی ضبط کی گئیں یہ جرمن جو غلبہ کے زمانے میں چھکوسلوواکیا آ کر زمین کے مالک بن چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے لوگوں کی زمینیں بھی چھپائی گئیں جنہوں نے دیس کے ساتھ فداوی کی تھی۔ یہ کام بھی تیزی سے عمل میں لیا گیا۔ پھر بعد میں بھی زمین معمولی کسانوں اور کھیت مزدوروں میں بانٹ دی گئی۔ اس طرح بدھسٹو چھاپ ختم کر دی گئی۔

اس طرح چھکوسلوواکیا کی کراچی کا پہلا دور ختم ہوا اور کھیتی سدھار کا دور شروع ہوا۔

فروری 1948 میں سرکار نے اپنے کھیتی سدھار پر ایک نظر اور ڈالی۔ اس کے انوسار بڑے بڑے چاکرنداروں اور گرجا گھروں کی بھی زمینیں دیاستوں کا امت کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی زمینوں کو ہڈائی پر دیہے کا طریقہ بھی ختم ہو گیا۔ اور اب معلوم ہوا کہ جو تجربہ روس میں کیا گیا تھا وہ چھکوسلوواکیا کی حالت کے انوسار ہی تھا۔ اس نئی پوجنا کے انوسار کسانوں کو زمین تو مل گئی تھیں، لیکن وہ پیداوار کو نہ بڑھا سکتے تھے۔ اس کا کارن یہ تھا کہ کھیتی سدھار کے انوسار زمین بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ گئی تھی اور ان کھیتوں میں مشینوں کا استعمال نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میں زمین چھوٹے پیمانے پر کھیتی باڑی سے کسانوں کی حالت نہ سدھر سکتی تھی۔ یہی کارن تو تھا جو نئی سرکار نے سیکاری کھیتی کو بڑھاوا دیا تاہم ہر علاقہ میں مل جل کر کام ہو سکے۔ ہر گون میں سیکاری کھیتی کے انوسار کام چلتا ہو گیا۔ اس پروگرام میں کسان اپنی مرضی سے شامل ہو سکتے تھے۔

بڑے کسانوں کے ادھونکر ضرور کم کر دیئے گئے۔ اس کا نتیجہ ہوا اچھا ہوا۔ کھیتی باڑی میں خوب آگہی ہوئی اور دیس آگہی کی طرف بڑھنے لگا۔

سیکاری کھیتی کے علاوہ دیس میں بڑے بڑے دیاستی غلام میں جو بڑے چاکرنداروں سے لگی سرکار نے چھپائے تھے۔

سیکاری کھیتی کے علاوہ دیس میں بڑے بڑے دیاستی غلام میں جو بڑے چاکرنداروں سے لگی سرکار نے چھپائے تھے۔

اس طرح چھکوسلوواکیا کی کراچی کا پہلا دور ختم ہوا اور کھیتی سدھار کا دور شروع ہوا۔

فروری 1948 میں سرکار نے اپنے کھیتی سدھار پر ایک نظر اور ڈالی۔ اس کے انوسار بڑے بڑے چاکرنداروں اور گرجا گھروں کی بھی زمینیں دیاستوں کا امت کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی زمینوں کو ہڈائی پر دیہے کا طریقہ بھی ختم ہو گیا۔ اور اب معلوم ہوا کہ جو تجربہ روس میں کیا گیا تھا وہ چھکوسلوواکیا کی حالت کے انوسار ہی تھا۔ اس نئی پوجنا کے انوسار کسانوں کو زمین تو مل گئی تھیں، لیکن وہ پیداوار کو نہ بڑھا سکتے تھے۔ اس کا کارن یہ تھا کہ کھیتی سدھار کے انوسار زمین بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ گئی تھی اور ان کھیتوں میں مشینوں کا استعمال نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میں زمین چھوٹے پیمانے پر کھیتی باڑی سے کسانوں کی حالت نہ سدھر سکتی تھی۔ یہی کارن تو تھا جو نئی سرکار نے سیکاری کھیتی کو بڑھاوا دیا تاہم ہر علاقہ میں مل جل کر کام ہو سکے۔ ہر گاؤں میں سیکاری کھیتی کے انوسار کام چلتا ہو گیا۔ اس پروگرام میں کسان اپنی مرضی سے شامل ہو سکتے تھے۔

بڑے کسانوں کے ادھونکر ضرور کم کر دیئے گئے۔ اس کا نتیجہ ہوا اچھا ہوا۔ کھیتی باڑی میں خوب آگہی ہوئی اور دیس آگہی کی طرف بڑھنے لگا۔

سیکاری کھیتی کے علاوہ دیس میں بڑے بڑے دیاستی غلام میں جو بڑے چاکرنداروں سے لگی سرکار نے چھپائے تھے۔



جو یہ ادھک زمین ضبط کر لی جائیگی۔ اس زمین کے انصار  
 ایک ہزار زمین ضبط کر لی گئی جو 200 زمینداروں کے  
 قبضہ میں تھی۔ مگر اس کا بہت تھوڑا حصہ کسانوں  
 کو ملا۔ اس کو اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ایک ایک  
 تہائی زمین پرانے مالکوں سے کم درجہ کے زمینداروں میں  
 بانٹی گئی، جو سب کے سب چرواہے یا ہنگریوں تھے۔  
 پکڑیہ فی صدی زمین جو بڑے بڑے جائیدادوں سے چھوٹی  
 گئی تھی وہ بچائے اس کے کہ سب کی سب کھیت  
 موٹی ہوئی اور قریب کسانوں میں بانٹ دی جاتی اس  
 کو **Residuary Estates** میں بانٹ دیا  
 گیا۔ ہر گھوڑا 250 ایکڑ کا تھا۔ اس طرح جب یہ زمین  
 لکڑیوں میں بانٹ گئی تو اس میں سے چھ فی صدی اچھی  
 زمین سگہ بازوں نے ہاتھوں بچھ دی گئی۔ جس کے پاس  
 زمین تھا وہ ہی زمین خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد جو زمین  
 بچی وہ بہت خراب تھی۔ اس کو چھ لاکھ تیس ہزار  
 قریب کھیت موٹیوں میں بانٹ دیا گیا۔ اس طرح ہر  
 گھوڑے کے حصہ میں مشکل سے ڈھائی ایکڑ زمین آئی۔  
 یہی حال جنگلیوں کا بھی ہوا۔ ہمارے قریب کسان اس  
 سے بھی کوئی لہو نہ اٹھا سکے۔ سرکار نے چوتھائی جنگل  
 کو اچے ادھکاروں میں لے لیا اور باقی تین چوتھائی دو ہزار  
 بڑے بڑے زمینداروں میں بانٹ دیئے۔

ایسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شروع شروع کے سدھار بالکل آسہل ہوئے۔ کسانوں کی حالت اچھی نہ ہو سکی۔ لگ بھگ پانچ لاکھ کسان ایسے تھے جو اپنے گھر بار کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔

مگر جرمین فاسسٹ اڈھیکار کے ختم ہونے پر 1945  
میں جو نئی سرکار بنی اس نے کھیتی باڑی کے بارے  
میں یہ سبھاوت بنایا کہ جو خود ہوئے جوتے اس کو ہی  
ملنی چاہئے۔ اس اصول کے ابرسار زمین پر سے بانٹنی  
گئیں اور یہ طے کیا گیا کہ ہر گھرانے کی ضرورت کو سامنے  
رکھ کر 25 اور 33 ایکڑ کے اندر زمین ملنی چاہئے۔  
اس کے طرح دو لاکھ کسانوں کو زمین ملی اور وہ  
سنگوہ سے رہنے لگے۔ جن لوگوں کی زمین ضبط کی گئی  
ان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ اس نے ساتھ ہی  
کسانوں کو ہوی مدد والے قرضے دئے گئے۔ کاشتکاروں کی  
سہکاری سلسلہ انہیں بنائی گئیں جو ان قرضوں کو ادا  
قریب کے وقت میں شرطوں بنائیں گی۔ اس طرح  
چھوٹے سارو انہا نے جن آندلوں نے ایک نئی منزل کی طرف  
قدم بڑھایا۔ دیسی پولیٹی پتھوں اور بدھسی سامراجیوں  
کی سازش کے خلاف ایک نیا سورجا بننے لگا۔ اور یہ سورجہ



## نئے چیکوسلوواکیا میں خیتی باری کی ترک

( جتھر پرور )

چیکوسلوواکیا کے ہتھاس کے پہلے حصے میں کھیتی باری کی پرنتا کچھ اس طرح تھی کہ زمین سارے کھیتی کی ملی جلی ملکیت تھی۔ سب کسان مل جل کر کھیتی باری کرتے تھے۔ اسی طرح کھیتی باری کے اوزار بھی کھیتی ( کھیتی ) کی ملکیت ہوا کرتے تھے۔ لیکن نہیں اور دسویں صدی میں جب ریاستی پرنتا قائم ہوئی تو زمین اور مویشی کھیتی کی جگہ دیکھتی کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ اس یک میں خاص بات یہ تھی کہ بڑے بڑے فارمن پر دہلی زمینداروں کے غلام کام کرتے تھے۔ لیکن یہ حالت بھی زیادہ دن تک قائم نہ رہی۔ غلامی کا حصے ہی انت ہوا کھیتی باری کا روپ کا بھی بدل گیا۔ اب زمینداروں پرنتا آ گئی۔ بڑے بڑے فارمن کا انتظام بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں جن کا توں رہا مگر اب غلام ختم ہو گئے اور ان کی جگہ کسانوں نے لے لی۔ یہ کسان چھوٹے موٹے کھیتوں پر کھیتی باری کرتے تھے۔ 1848 میں ہنگار کا انت ہو گیا۔ مگر کسانوں کے ہاتھ سے جو زمین نکل گئی تھی وہ ان کو واپس نہ ملی۔

یورپ میں ہونجی واد نے جسے ہی زور پکونا شروع کیا تو اس کے اثر سے چیکوسلوواکیا بھی نہ بچ سکا اور کھیتی کی پرنتا میں ہونجی وادی طریقہ بھی شامل ہو گیا۔ پہلے سو قیرہ سو سال میں جب کہ ہونجی واد اپنی جڑوں میں مضبوط کر رہا تھا، غریب کسان زمین کی کسی کے کارن پریشان تھے۔ پر اس ہوج میں زمینداروں بہتک کے مالک اور ستم بازوں وغیرہ کا زور بڑھنے لگا۔ انہوں نے اپنی زمینوں کی بدولت خوب دولت سمیٹی اور زمین کا مول اور اس کا لگان بھی بڑھا دیا۔ ہنگارے کسان، جن کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا، مجبور ہو کر ان ہونجی وادیوں کی شرط کے انوسار کام کرتے تھے۔ مگر ایسا نہ کرتے تو پھر کیا کرتے۔ شہر میں ان کے لئے کوئی کام بھی تو نہ تھا۔ یہ حالت چیکو سلوواکیا میں سن 1918 تک رہی۔ اس سال وہاں پہلی لوک شامی قائم ہوئی۔ اس سے ملک کی ایک تہائی دھرتی پر کھیتی ہونجی وادیوں اور بدھیتی ہونجی وادیوں کا ادھتار تھا۔

سن 1918 میں جب چیکو سلوواکیا میں پہلی لوک شامی قائم ہوئی تو زمین کو ضبط کرنے کا بھی قانون بنایا گیا۔ جس کے انوسار یہ طے ہوا کہ اگر کسی دیکھتی کے پاس پورے چار ہو ایکو سے لےک زمین ہوگی

## نئے چیکوسلوواکیا میں کھیتی باری کی ترقی

( اظہر پرور )

چیکوسلوواکیا کے ہتھاس کے پہلے حصے میں کھیتی باری کی پرنتا کچھ اس طرح تھی کہ زمین سارے کھیتی کی ملی جلی ملکیت تھی۔ سب کسان مل جل کر کھیتی باری کرتے تھے۔ اسی طرح کھیتی باری کے اوزار بھی کھیتی ( کھیتی ) کی ملکیت ہوا کرتے تھے۔ لیکن نہیں اور دسویں صدی میں جب ریاستی پرنتا قائم ہوئی تو زمین اور مویشی کھیتی کی جگہ دیکھتی کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ اس یک میں خاص بات یہ تھی کہ بڑے بڑے فارمن پر دہلی زمینداروں کے غلام کام کرتے تھے۔ لیکن یہ حالت بھی زیادہ دن تک قائم نہ رہی۔ غلامی کا حصے ہی انت ہوا کھیتی باری کا روپ کا بھی بدل گیا۔ اب زمینداروں پرنتا آ گئی۔ بڑے بڑے فارمن کا انتظام بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں جن کا توں رہا مگر اب غلام ختم ہو گئے اور ان کی جگہ کسانوں نے لے لی۔ یہ کسان چھوٹے موٹے کھیتوں پر کھیتی باری کرتے تھے۔ 1848 میں ہنگار کا انت ہو گیا۔ مگر کسانوں کے ہاتھ سے جو زمین نکل گئی تھی وہ ان کو واپس نہ ملی۔

یورپ میں ہونجی واد نے جسے ہی زور پکونا شروع کیا تو اس کے اثر سے چیکوسلوواکیا بھی نہ بچ سکا اور کھیتی کی پرنتا میں ہونجی وادی طریقہ بھی شامل ہو گیا۔ پہلے سو قیرہ سو سال میں جب کہ ہونجی واد اپنی جڑوں میں مضبوط کر رہا تھا، غریب کسان زمین کی کسی کے کارن پریشان تھے۔ پر اس ہوج میں زمینداروں بہتک کے مالک اور ستم بازوں وغیرہ کا زور بڑھنے لگا۔ انہوں نے اپنی زمینوں کی بدولت خوب دولت سمیٹی اور زمین کا مول اور اس کا لگان بھی بڑھا دیا۔ ہنگارے کسان، جن کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا، مجبور ہو کر ان ہونجی وادیوں کی شرط کے انوسار کام کرتے تھے۔ مگر ایسا نہ کرتے تو پھر کیا کرتے۔ شہر میں ان کے لئے کوئی کام بھی تو نہ تھا۔ یہ حالت چیکو سلوواکیا میں سن 1918 تک رہی۔ اس سال وہاں پہلی لوک شامی قائم ہوئی۔ اس سے ملک کی ایک تہائی دھرتی پر کھیتی ہونجی وادیوں اور بدھیتی ہونجی وادیوں کا ادھتار تھا۔



پر کبھی کبھی ہوا کرتی تھی۔ دوسرا ناکا چمکتا ہوا تھا۔  
 پر پتلا بھی لگا تھا۔ ہم نے جب اُن کے بارے میں پوچھا  
 تو پتہ لگا کہ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اُن کے خاندان  
 میں سے کوئی ناکا دشمن کے دروازے پر گرتا ہے۔  
 ناکا دروازے پر ہرچہ لگا کر نہیں دے سکتا جس کے  
 خاندان کا کوئی آدمی دشمن کے دروازے پر نہ لگا ہو۔  
 سر کاٹ کر لائے گئے ہیں اُن پرچہ نشان کے طور پر دروازے  
 پر لگے رہ سکتے ہیں۔

عورت کا سر کاٹ کر لانا مرد کے سر سے زیادہ شان کی  
 بات سمجھا جاتا ہے۔ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اس  
 نامردی کے کام کو بے مطلب ہی شان دی گئی ہے۔ کوئی  
 ناکا کوئی اہلی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا اور نہ خالص  
 عورتوں کے جھلکے پر حملہ کر سکتا۔ عام طور سے ناکا عورتوں  
 پر ہلچلی عورتوں کی طرح مضبوط تو بہت ہوتی ہیں۔  
 لڑائی میں شامل نہیں ہوتیں۔ لڑائی کے موقع پر وہ  
 سب ایک جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور مرد جان پر  
 کھیل کر اُن کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی ناکا  
 اُن آدمیوں کے جھلکے کو چہرہ کر دھم کی کسی عورت کا  
 سر کاٹ لائے تو عورت کا وہ سر مرد کے سر سے زیادہ شاندار  
 سمجھا جاتا ہے۔

دھیرے دھیرے ایسی باتیں عمل میں بہت کم رہ  
 چکی ہیں۔ اُن کی شان قائم ہے۔

—بھگواندین

—بھگواندین

بہترین جھوٹ وہ نہیں جیسے بولا جاتا ہے بلکہ وہ  
 جس پر چہا جاتا ہے۔

—کلاک

—کلاک

کسی نے اوسط سے پوچھا، ”آدمی جھوٹ بول کر کہا  
 پاتا ہے؟“ یہ کہ جب وہ سچ بولتا ہے اُس کا کہی و شواہد  
 نہیں کہا جاتا۔ اس نے جواب دیا۔

—الہات

—الہات

بزرگوں کے سوائے اور کوئی جھوٹ نہیں بولتے۔

—مرکزی

—مرکزی

جھوٹ سے دیر اور مشہور دونوں کہتا کرتے ہیں۔  
 جھوٹا اکثر بولتا ہوتا ہے، کیونکہ وہ سچائی کو تسلیم  
 کرنے کی صفت نہیں کر پاتا۔

—سر والٹر رے

—سر والٹر رے



ناگہا کھیلوں کا سارا سہرا دہلی سرکار کے ماتحت ہے۔ یوں اسکا سیدھا संबंध آسام کے گورنر سے ہے۔ پار آسام کے منتری منڈل سے نہیں۔ یہ سرکار کی خواہا کھیسمتری ہی سممیتیه کی آجکل جو ڈی. سی. پی. ڈی. سی. اور ہائی اسکول کے ہڈ ماسٹر کوہیما میں ہیں وہ اتنے یومیہ اور بولیسی ہیں جتنے اور جگہ بہت کم دیکھنے کو میلے۔ جو ڈی. سی. آج کل کوہیما میں ہیں، ہتھ لگا، وہ لوٹائی پہاڑیوں میں بھی رہ چکے ہیں اور انہوں نے صلح سے تحصیل تک میں میں ایک سوک وہوں کے لوٹوں کی مدد سے بلوائی تھی، جسے گاؤں والوں نے خود بدایا تھا، جس میں سرکار کا ایک پوسٹ بھی خرچ نہیں ہوا تھا۔ جو ڈی. سی. سرکار کو کوہیما میں ملے ہوئے ہیں ویسا ایک بھی چیف ماسٹر اور کسی ریاست کو مل جائے تو کیا چھین جو کسی لہرے پوسٹ ہمارے دیوں میں پیدا نہیں ہو سکتی؟

پہلیت سندرلال جی میشن کے پادری سے میلے۔ وہ ایک امریکی سجن ہیں۔ وہ دل کھول کر ملے۔ ہوتے صاف صاف بولنے والے تھے۔ بولے:

”دیکھیے، جب یہاں انگریزوں کا راج نہ تھا تب سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور جو کام ہم نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ انگریزی راج میں بھی کام کرتے رہے۔ سن 47 سے ہندوستان آجادی ہوا، اور جب سے ہم آزاد ہندستان میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا راج کاجی معاملوں سے کوئی سمجھ نہیں۔ ہم اپنے دھرم کا پرچار کرتے ہیں۔ ناگا لوگ انہوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ تھیک ہے نہ ناگا چرچ کا سمجھ امریکہ چرچ سے ہے، پر امریکہ چرچ ناگا چرچ پر شاسن نہیں کرتا۔ اس کو صلح دیتا ہے۔ ناگا چرچ بالکل خود مختار ہے کہ وہ امریکہ چرچ کی صلح مانے یا نہ مانے۔ ناگا چرچ کا اپنا سنگتین ہے۔ اس میں ناگا موسائیں کے سوا اور کوئی شامل نہیں۔“

کوہیما میں ایک وار سمیٹری یعنی پچھلے جنگ میں مرے والوں کا قبرستان بھی ہے۔ ویسا ہی ایک قبرستان اہمال میں بھی ہے۔ یہ سب قبرستان ہوتی کاسیویلتھ کے ماتحت ہیں۔ اس کا ہوا دفتر انگلینڈ میں ہے۔ ان قبرستانوں پر جو خرچ ہوتا ہے اس کا دس فی صدی یا کچھ کم زیادہ ہندستانی سرکار دیتی ہے پر ہند سرکار کا خرچ میں کوئی دخل نہیں۔ اس میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ سب انگلینڈ دفتر کے ماتحت ہیں۔

کوہیما کے انگریزی ناگا اپنا سرکاری نہیں رہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے سرواڑے کے خانوں طرف دو پرچے لگے ہوئے تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس

کوہیما کے انگریزی ناگا اپنا سرکاری نہیں رہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے سرواڑے کے خانوں طرف دو پرچے لگے ہوئے تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس

پہلیت سندرلال جی میشن کے پادری سے میلے۔ وہ ایک امریکی سجن ہیں۔ وہ دل کھول کر ملے۔ ہوتے صاف صاف بولنے والے تھے۔ بولے:

”دیکھیے، جب یہاں انگریزوں کا راج نہ تھا تب سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور جو کام ہم نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ انگریزی راج میں بھی کام کرتے رہے۔ سن 47 سے ہندوستان آزاد ہوا، اور جب سے ہم آزاد ہندستان میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارا راج کاجی معاملوں سے کوئی سمجھ نہیں۔ ہم اپنے دھرم کا پرچار کرتے ہیں۔ ناگا لوگ انہوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ تھیک ہے نہ ناگا چرچ کا سمجھ امریکہ چرچ سے ہے، پر امریکہ چرچ ناگا چرچ پر شاسن نہیں کرتا۔ اس کو صلح دیتا ہے۔ ناگا چرچ بالکل خود مختار ہے کہ وہ امریکہ چرچ کی صلح مانے یا نہ مانے۔ ناگا چرچ کا اپنا سنگتین ہے۔ اس میں ناگا موسائیں کے سوا اور کوئی شامل نہیں۔“

کوہیما میں ایک وار سمیٹری یعنی پچھلے جنگ میں مرے والوں کا قبرستان بھی ہے۔ ویسا ہی ایک قبرستان اہمال میں بھی ہے۔ یہ سب قبرستان ہوتی کاسیویلتھ کے ماتحت ہیں۔ اس کا ہوا دفتر انگلینڈ میں ہے۔ ان قبرستانوں پر جو خرچ ہوتا ہے اس کا دس فی صدی یا کچھ کم زیادہ ہندستانی سرکار دیتی ہے پر ہند سرکار کا خرچ میں کوئی دخل نہیں۔ اس میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ سب انگلینڈ دفتر کے ماتحت ہیں۔

کوہیما کے انگریزی ناگا اپنا سرکاری نہیں رہ لگے۔ یہ بھی اس کا اپنی مانی ضرور مانتے ہیں۔ کوہیما گاؤں کے مکھیا کے یہاں جب ہم گئے تو اس کے سرواڑے کے خانوں طرف دو پرچے لگے ہوئے تھے۔ ایک کافی پرانا تھا جس



رہا تھا۔ اس میں میں کسی نے پ. ڈی. سی. پرنسپل سےن کو خبر دی کہ ناگہا کے ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں پر چڑھائی کر دی۔ وہ فوراً اٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔ دوسرے دن جو حال انہوں نے سنا، وہ یہ تھا :

ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں پر چڑھائی تو نہیں کی تھی، چڑھائی کی تہاڑی کر رہا تھا۔ پولیس کی مدد سے اس کو روک دیا گیا۔ چڑھائی کی وجہ یہ تھی کہ گاؤں کے ایک آدمی کو دوسرے گاؤں والوں نے مار ڈالا تھا۔ خون کا بدلہ لہنا ضروری تھا۔ پولیس نے مارنے والے کو پکڑ لیا۔ پکڑنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ نہ مارنے والے کا پتہ لگانے میں دیر لگی۔ اس سبب میں پولیس کی مستعدی بھر تو اپنی تھی باقی سب کام تو گاؤں والوں کا تھا اور خود مارنے والے کا۔ نہ گاؤں والوں نے قاتل کو بتائے میں آنا کافی کی اور نہ قاتل نے اپنے کو پکڑنے میں کچھ اڑچن ڈالی۔ اس نے سچ سچ بات ایسے بے ادبی مانتے ہوئے کہ وہ سچ بات نہ ہو۔

وہ بولا، مارنے والے نے مجھ کو کچھ مزدوری تہہہ کر سامان لانے کے لئے راضی کیا۔ میں راضی ہو گیا۔ کچھ دور چل کر میں نے اپنی مزدوری مانگی۔ وہ بولا، کدور چل کر دوں گا۔ میں نے کہا، میں یہیں لوں گا۔ میں نے یہ بھی کہا، میں ہمارے گھر پر اگر تم مجھے مہری مزدوری نہیں دو گے تو میں تمہارا سر کاٹ لوں گا۔ میں نے توں ہار مہروڑی مانگی۔ اس نے نہیں دی۔ میں نے داؤ سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور دیکھتے صاحب، میں اپنی بات کا پورا پکا دیا۔ میں نے صرف اس کا سر کاٹا ہے اور کہیں داؤ نہیں سارا۔

اب کہئے، ایسے سچ بولنے والوں کے لئے کھل ہوسکتی کی کیا ضرورت۔ میں پرنسپل سےن صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ سرکار کی طرف سے کوہما گاؤں کی ایک پمچائیت بنی ہوئی ہے، ایک پمچائیت کدور بھی بنا ہوا ہے۔ پمچائیت کدور دیکھنے کی بات ہم پہلے کہ چکے۔ کوہما گاؤں کی پمچائیت کو بہت اختیار حاصل ہے۔ وہ فوجداری دیوانی سبھی طرح کے مقدمے سکتی ہے۔ کہیں کہیں پمچائیت قاتل تک کے مقدموں کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ وہی جو گاؤں والے مدد میں اس پمچائیت تک لے جاتے ہیں۔ پمچائیت جو سرا دیتی ہے اس میں سرکاری عدالت کوئی دخل نہیں دیتی۔ گاؤں والے ہی اسے خوشی سے مان لیتے ہیں۔ پمچائیت کی سرا کو برداشت کرنے میں وہ سبک مانتے ہیں، دیکھ نہیں۔ وہ یہ مرکز نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانتے ہیں۔ ایسے ہی چوہاتے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔

ایک گاؤں نے دوسرے گاؤں پر چڑھائی تو نہیں کی تھی، چڑھائی کی تہاڑی کر رہا تھا۔ پولیس کی مدد سے اس کو روک دیا گیا۔ چڑھائی کی وجہ یہ تھی کہ گاؤں کے ایک آدمی کو دوسرے گاؤں والوں نے مار ڈالا تھا۔ خون کا بدلہ لہنا ضروری تھا۔ پولیس نے مارنے والے کو پکڑ لیا۔ پکڑنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ نہ مارنے والے کا پتہ لگانے میں دیر لگی۔ اس سبب میں پولیس کی مستعدی بھر تو اپنی تھی باقی سب کام تو گاؤں والوں کا تھا اور خود مارنے والے کا۔ نہ گاؤں والوں نے قاتل کو بتائے میں آنا کافی کی اور نہ قاتل نے اپنے کو پکڑنے میں کچھ اڑچن ڈالی۔ اس نے سچ سچ بات ایسے بے ادبی مانتے ہوئے کہ وہ سچ بات نہ ہو۔

وہ بولا، مارنے والے نے مجھ کو کچھ مزدوری تہہہ کر سامان لانے کے لئے راضی کیا۔ میں راضی ہو گیا۔ کچھ دور چل کر میں نے اپنی مزدوری مانگی۔ وہ بولا، کدور چل کر دوں گا۔ میں نے کہا، میں یہیں لوں گا۔ میں نے یہ بھی کہا، میں ہمارے گھر پر اگر تم مجھے مہری مزدوری نہیں دو گے تو میں تمہارا سر کاٹ لوں گا۔ میں نے توں ہار مہروڑی مانگی۔ اس نے نہیں دی۔ میں نے داؤ سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور دیکھتے صاحب، میں اپنی بات کا پورا پکا دیا۔ میں نے صرف اس کا سر کاٹا ہے اور کہیں داؤ نہیں سارا۔

اب کہئے، ایسے سچ بولنے والوں کے لئے کھل ہوسکتی کی کیا ضرورت۔ میں پرنسپل سےن صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ سرکار کی طرف سے کوہما گاؤں کی ایک پمچائیت بنی ہوئی ہے، ایک پمچائیت کدور بھی بنا ہوا ہے۔ پمچائیت کدور دیکھنے کی بات ہم پہلے کہ چکے۔ کوہما گاؤں کی پمچائیت کو بہت اختیار حاصل ہے۔ وہ فوجداری دیوانی سبھی طرح کے مقدمے سکتی ہے۔ کہیں کہیں پمچائیت قاتل تک کے مقدموں کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ وہی جو گاؤں والے مدد میں اس پمچائیت تک لے جاتے ہیں۔ پمچائیت جو سرا دیتی ہے اس میں سرکاری عدالت کوئی دخل نہیں دیتی۔ گاؤں والے ہی اسے خوشی سے مان لیتے ہیں۔ پمچائیت کی سرا کو برداشت کرنے میں وہ سبک مانتے ہیں، دیکھ نہیں۔ وہ یہ مرکز نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانتے ہیں۔ ایسے ہی چوہاتے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔

حال، کچھ معاملے سرکاری کچھری میں ہی آتے ہیں۔ پر ناگہا وہاں بھی سچ ہی بولتے ہیں۔ اور کچھری کے انصاف کو بھی سر مانتے ہیں۔ ایسے ہی چوہاتے ہیں جو پمچائیت کے انصاف کو۔



چاندی ہے نہیں تو ناگ لوگ ہوا کرتے ہیں۔ ہم کو یہ بات پ. ڈی. سی. ساہو پرنسپل سے سن کر سمجھ گچھی ہوئی۔ چاندی کی اس شراپ کو تیار کرنے کے لیے کچھری جیتنی بڑی سکوڑ سکوڑ روٹیاں بازار میں بیکتی ہیں۔ یہ روٹیاں دھونے میں کالے کے بنے ہوئے گیلوں جیسی ہوتی ہیں۔ ہاں، کبھی کبھی اس میں کالے نشان ہوتے ہیں۔ یہ کالے نشان اس میں ہوتے ہیں جو اس کی مدد سے وہ روٹی تیار کی جاتی ہے۔ اس بول کا نام ناگ بولی میں 'ہوم' ہے۔ یاد رہے 'س' اور 'ا' اس میں بدل جاتے ہیں۔ اسام والے اسام کو اسم لکھتے ہیں یہ بولتے ہیں 'اھم'۔ اس لکھتے ہیں 'ہوم'۔ اس بول میں سوم بول ہے جس کو دیکھ سے آہے لوگ استعمال کرتے تھے۔ ہم دو چار دن اتر اور تھہرتے تو اس ہوم یا سوم بول کا نمونہ ضرور سامنے لائے۔ یہ دوسرا نہ ہو سکتا۔ اب بھی کوئی چاہے تو وہاں سے وہ بول مل سکتا ہے اور اس کا ملان اس سوم بول کے بیان سے کر سکتا ہے جو وہیں کی دھاریوں میں موجود ہے۔

ہماری اپنی یہ رائے ہے کہ ناگوں کا جھون بہت کچھ وہاں کے سے آہیں سے ملتا ہے۔ ہاں ناگوں کی شکل صورت آہیں سے نہیں۔ ملگروں سے زیادہ ملتی ہے۔ شکھا سوٹر میں سے شکھا ان کے پاس ہے سوٹر یعنی جھون نہیں۔ یہ شکھا سوٹر دونوں کا وہاں میں کہیں فکر نہیں ملتا۔ سوٹر یعنی جھون تو آج بھی نہ سہاسی پہلے ہیں اور نہ ہوئے ہیں۔

ہمارے پتا جی سن 87 میں انجیلوں کی حیثیت سے ناگ پہاڑوں میں کام کر چکے تھے۔ وہ ہمیں بتاتے کرتے تھے کہ ناگ لوگ نہ جھون بولتے ہیں نہ چوری کرتے ہیں نہ ادھار لیتے دیتے ہیں۔ اگر کسی کی چھڑ کر جائے تو ساتھ روز تک وہیں پڑی رہے گی۔ سات روز کے بعد گاؤں کے مکھیا کے پاس جائے گی۔ اس کے بارے میں قوتی بولی جائے گی۔ جس کی ہو اس کو مل جائے گی۔ 50-60 برس پہلے کی انڈی ارنجی سچائی تو سب ناگ لوگوں میں اب نہیں رہ گئی یہ آج بھی قسم دلاتے ہیں کہ ناگ جھون نہیں بول سکتا۔ اس بارے میں سرکار افسروں کو کوئی شکایت نہیں۔ اگر چھٹی سرکار نے انہیں یہاں سے وکھلوں کو ختم کر دیا ہے تو سندھستان کے ناگوں نے جھون بولنے کی قسم کر وکھلوں کو بھڑکا دیا ہے۔ اے۔ ٹی۔ سی۔ پرنسپل دھون تو اس معاملے میں ناگوں کی ترمیم کرتے کہیں اٹھاتے ہی نہ تھے۔ کہیں کہیں تو وہ اٹھ کر نہ ہو جاتے تھے کہ ان کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔

2 مارچ 1953 کا ذکر ہے: پرنسپل سندھ لال جی کا نام ہے۔ وہ پرنسپل کی پرنسپل میں رہتے ہوئے

ہماری اپنی یہ رائے ہے کہ ناگوں کا جھون بہت کچھ وہاں کے سے آہیں سے ملتا ہے۔ ہاں ناگوں کی شکل صورت آہیں سے نہیں۔ ملگروں سے زیادہ ملتی ہے۔ شکھا سوٹر میں سے شکھا ان کے پاس ہے سوٹر یعنی جھون نہیں۔ یہ شکھا سوٹر دونوں کا وہاں میں کہیں فکر نہیں ملتا۔ سوٹر یعنی جھون تو آج بھی نہ سہاسی پہلے ہیں اور نہ ہوئے ہیں۔

ہمارے پتا جی سن 87 میں انجیلوں کی حیثیت سے ناگ پہاڑوں میں کام کر چکے تھے۔ وہ ہمیں بتاتے کرتے تھے کہ ناگ لوگ نہ جھون بولتے ہیں نہ چوری کرتے ہیں نہ ادھار لیتے دیتے ہیں۔ اگر کسی کی چھڑ کر جائے تو ساتھ روز تک وہیں پڑی رہے گی۔ سات روز کے بعد گاؤں کے مکھیا کے پاس جائے گی۔ اس کے بارے میں قوتی بولی جائے گی۔ جس کی ہو اس کو مل جائے گی۔ 50-60 برس پہلے کی انڈی ارنجی سچائی تو سب ناگ لوگوں میں اب نہیں رہ گئی یہ آج بھی قسم دلاتے ہیں کہ ناگ جھون نہیں بول سکتا۔ اس بارے میں سرکار افسروں کو کوئی شکایت نہیں۔ اگر چھٹی سرکار نے انہیں یہاں سے وکھلوں کو ختم کر دیا ہے تو سندھستان کے ناگوں نے جھون بولنے کی قسم کر وکھلوں کو بھڑکا دیا ہے۔ اے۔ ٹی۔ سی۔ پرنسپل دھون تو اس معاملے میں ناگوں کی ترمیم کرتے کہیں اٹھاتے ہی نہ تھے۔ کہیں کہیں تو وہ اٹھ کر نہ ہو جاتے تھے کہ ان کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔

ہمارے پتا جی سن 87 میں انجیلوں کی حیثیت سے ناگ پہاڑوں میں کام کر چکے تھے۔ وہ ہمیں بتاتے کرتے تھے کہ ناگ لوگ نہ جھون بولتے ہیں نہ چوری کرتے ہیں نہ ادھار لیتے دیتے ہیں۔ اگر کسی کی چھڑ کر جائے تو ساتھ روز تک وہیں پڑی رہے گی۔ سات روز کے بعد گاؤں کے مکھیا کے پاس جائے گی۔ اس کے بارے میں قوتی بولی جائے گی۔ جس کی ہو اس کو مل جائے گی۔ 50-60 برس پہلے کی انڈی ارنجی سچائی تو سب ناگ لوگوں میں اب نہیں رہ گئی یہ آج بھی قسم دلاتے ہیں کہ ناگ جھون نہیں بول سکتا۔ اس بارے میں سرکار افسروں کو کوئی شکایت نہیں۔ اگر چھٹی سرکار نے انہیں یہاں سے وکھلوں کو ختم کر دیا ہے تو سندھستان کے ناگوں نے جھون بولنے کی قسم کر وکھلوں کو بھڑکا دیا ہے۔ اے۔ ٹی۔ سی۔ پرنسپل دھون تو اس معاملے میں ناگوں کی ترمیم کرتے کہیں اٹھاتے ہی نہ تھے۔ کہیں کہیں تو وہ اٹھ کر نہ ہو جاتے تھے کہ ان کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔

2 مارچ 1953 کا ذکر ہے: پرنسپل سندھ لال جی کا نام ہے۔ وہ پرنسپل کی پرنسپل میں رہتے ہوئے



ناگہا کی دو جات آپس میں شادی نہیں کرتی۔ عام طور سے ایک جات دوسری جات کو نہالے کی کہتی ہے۔ ہوں جات جات میں شملی ہلی دیتی ہے۔ بچوں کا بدلہ کہیں چک ہی نہیں پاتا۔ آگے دن بات باند پر لڑائی چھڑ جاتی ہے اور دسوں کو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوتا ہے۔

اب تک ناگہا کے پاس آج کے ہتھیار نہ تھے۔ داؤ، بوجھ، ہاتھ ہی تھے۔ اب سرکار کی طرف سے معمولی ہتھیاروں کا لائسنس بھی مل گیا ہے۔

ناگہا کی سب لڑکیاں بوننا جانتی ہیں اور بہت بڑا کپڑا بونتی ہیں۔ کاتنے کا رواج بیلکول نہیں سوت سب میل کا ہستہ مال ہوتا ہے۔ کوہیما ہے تو ڈنڈا—4900 فٹ ڈنڈا—پر ہم نے کسی اور ت مرق کے پاس انکی کپڑے نہیں دیکھے۔ ہاں، جو سرکاری نوکر ہیں ان سب کو دھاری والے آؤں لال کمال ملے ہوئے ہیں جس کو وہ اس طرح پہنتے دھتے ہیں جس طرح ہودہ سادھو اپنی چادر اڑھتے ہیں۔ ناگہا مرد عام طور سے ایک کپڑا کمر سے اس طرح لپھتے دھتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی لپھتے دھتے تھے۔ وہ کپڑا لٹ فیرہ لٹ سے زیادہ چوڑا نہیں ہوتا۔ اس کپڑے پر کچھ دھاریاں ہلی دیتی ہیں جو اس بات کا نشان ہیں کہ پہلے والے کو ناگہا سماج سے کتنا آدر پراپت ہے۔ ایک دوسرا کپڑا وہ اڑھتے دھتے ہیں۔ اس کی چوڑائی بھی کڑ سوا کڑ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہم نے جونا پہلے کسی ناگہا کو نہ دیکھا۔ ہاں، جو ناگہا میسائی ہوئے ہیں ان میں اور ہم سب میں اڑھتے دھتے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ ناگہا میسائی لوگ اس سے ہی کپڑے پہنتے ہیں جو سے ہندوستان کے اور میسائی۔ عام طور سے ناگہا رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ میسائی ناگہا لوگ یا تو چمکی لوگ یا معلوم ہوئے ہیں یا ہورہی ہیں۔

ناگہا کی دو جات آپس میں شادی نہیں کرتی۔ عام طور سے ایک جات دوسری جات کو نہالے کی کہتی ہے۔ ہوں جات جات میں شملی ہلی دیتی ہے۔ بچوں کا بدلہ کہیں چک ہی نہیں پاتا۔ آگے دن بات باند پر لڑائی چھڑ جاتی ہے اور دسوں کو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوتا ہے۔

اب تک ناگہا کے پاس آج کے ہتھیار نہ تھے۔ داؤ، بوجھ، ہاتھ ہی تھے۔ اب سرکار کی طرف سے معمولی ہتھیاروں کا لائسنس بھی مل گیا ہے۔

ناگہا کی سب لڑکیاں بوننا جانتی ہیں اور بہت بڑا کپڑا بونتی ہیں۔ کاتنے کا رواج بیلکول نہیں سوت سب میل کا ہستہ مال ہوتا ہے۔ کوہیما ہے تو ڈنڈا—4900 فٹ ڈنڈا—پر ہم نے کسی اور ت مرق کے پاس انکی کپڑے نہیں دیکھے۔ ہاں، جو سرکاری نوکر ہیں ان سب کو دھاری والے آؤں لال کمال ملے ہوئے ہیں جس کو وہ اس طرح پہنتے دھتے ہیں جس طرح مہاتما گاندھی لپھتے دھتے تھے۔ وہ کپڑا لٹ فیرہ لٹ سے زیادہ چوڑا نہیں ہوتا۔ اس کپڑے پر کچھ دھاریاں ہلی دیتی ہیں جو اس بات کا نشان ہیں کہ پہلے والے کو ناگہا سماج سے کتنا آدر پراپت ہے۔ ایک دوسرا کپڑا وہ اڑھتے دھتے ہیں۔ اس کی چوڑائی بھی کڑ سوا کڑ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہم نے جونا پہلے کسی ناگہا کو نہ دیکھا۔ ہاں، جو ناگہا میسائی ہوئے ہیں ان میں اور ہم سب میں اڑھتے دھتے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ ناگہا میسائی لوگ اس سے ہی کپڑے پہنتے ہیں جو سے ہندوستان کے اور میسائی۔ عام طور سے ناگہا رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ میسائی ناگہا لوگ یا تو چمکی لوگ یا معلوم ہوئے ہیں یا ہورہی ہیں۔

ناگہا کی دو جات آپس میں شادی نہیں کرتی۔ عام طور سے ایک جات دوسری جات کو نہالے کی کہتی ہے۔ ہوں جات جات میں شملی ہلی دیتی ہے۔ بچوں کا بدلہ کہیں چک ہی نہیں پاتا۔ آگے دن بات باند پر لڑائی چھڑ جاتی ہے اور دسوں کو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوتا ہے۔

ناگہا مرد ہینڈوئوں کی طرح منڈی چوٹی رکھتے ہیں۔

ناگہا پان کے معاملے میں وہ چھلہوں سے بالکل ملتے ہیں۔ لگ بھگ سب طرح کے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ گائے پالتے ہیں پر گائے کا دودھ نہیں پیتے۔ اور نہ اس کو دودھ کے لئے پالتے ہیں۔ وہ تو ان کی بکری ہے۔ جن ناکوں نے میسائی دھرم سونکر کر لیا ہے وہ کتے ہلی کا ماس چھوڑ دیتے ہیں۔ ناگہا کپڑوں میں ملوں سوکھا مائیں لٹکا دھتا ہے پر اس میں ہو نہیں آتی۔

چاول سے ناگہا لوگ ایک پہلے کی چھوٹا تیار کرتے ہیں جس کو وہ 'اجی' کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ ایک طرح کی شراب ہے۔ اسے پوجا کے وقت خوب پیتے پلاتے ہیں۔ مہمانوں کو پھس کرتے ہیں۔ میں بھی ایک ایک گلاس پھس کھا کھا تھا۔ ہم نے پتا تو نہیں پر ہونٹوں کے پاس بچک ضرور لے جانا ہوا۔ دھوکہ اٹھا کرنا مہمان کے لئے



اسکول پہلے امریکی مشاہیروں کے ہاتھ میں تھا۔ اب نہیں ہے۔ اب ہولڈ کے ہاتھ میں ہے۔ اب اس میں کبھی خاص دھرم کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ ہر سدا یہ تھا کہ ہائی اسکول سے نکلے ہوئے ناک و پیارہوی گریجویٹس ہو جانے پر عام طور پر عیسائی دھرم سونپنا کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات اب کم ہوگئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تعلیم پانے پر دھرم کی بھوک جاگتی ہے۔ ناگوں کا اپنا پرانا دھرم الگ ہے۔ جو کھول کچھ سوچے سادے رواجوں اور انہیں کا سمو ہے۔ آئے کی تعلیم کا کرہوسا میں کوئی انتظام نہیں۔ آگے کی تعلیم پانے کے لئے ناک و پیارہوی نکلکتہ چلے آئے ہیں۔ نکلکتہ کا مشن کالج اُن کا ہر طرح کا سہوتا کر دیتا ہے اور اُن کے دھرم کی بھوک بھی مٹا دیتا ہے۔ ہائی اسکول میں لوگ لڑکی ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں۔

یہ بھی پتہ چلے کہ ناکا لوگ ان آدمیوں کو جو عسائی  
دھرم سونہکار کو لکھتے ہیں اُس نظر سے نہیں دیکھتے جس  
نظر سے ان کو جو عسائی دھرم سونہکار نہیں کرتے ، پھر بھی  
وہ طرز پر عسائی ناکا اور غیر عسائی دونوں خاصہ مل چل  
کر رہتے ہیں۔ غیر عسائی ناکا لوگوں کی لوہاں عسائی ناکوں  
سے شادی کر لیتی ہیں اور شادی ہونے پر انٹر عسائی  
دھرم بھی سونہکار کر لیتی ہیں ، عسائی لوگوں نے غیر  
عسائی ناکوں سے شادی کی ہو ایسی کوئی مثال نہیں  
ملی ، اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غیر عسائی ناکا  
پورے لکھ نہیں ہیں ۔

انگاسی ایک بولی بھی ہے۔ انگاسی جانت کے ناگا اسی بولی کو بولتے ہیں۔ اُس بولی میں تھورا بہت سادہ ہے۔ پورا سب کا سب درمیان لہی میں ہے۔ اُس بولی کی کوئی چھوڑ ناگری لہی میں لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ بلکالی لہی میں ادھر ادھر سے انگاسی بولی کے دو چار شہد ہوتے ہی مل جاتوں۔ انگاسی جانت کے قریب قریب سب ناگا اُسامی بولی سمجھ لیتے ہیں۔ اُسامی بادشا تھوری بہت بول بھی لیتے ہیں۔ ہائی اسکول کے سب ناگا دھیادنی چٹلی اچھی انگریزی سمجھتے ہیں اور چٹلی انگریزی بول سکتے ہیں انہی نے اُسامی سمجھتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں۔ کوہما کے اُس پاس کے رہائے والے ناگا بھی بھوس ہلنی کے شہد سمجھ لیتے ہیں اور بول لیتے ہیں۔

کچھ عیسائیوں نے اس کے پاس کچھ دیہات لے رکھے تھے۔  
 انہوں نے اس کے پاس کچھ دیہات لے رکھے تھے۔  
 انہوں نے اس کے پاس کچھ دیہات لے رکھے تھے۔  
 انہوں نے اس کے پاس کچھ دیہات لے رکھے تھے۔  
 انہوں نے اس کے پاس کچھ دیہات لے رکھے تھے۔

پہلے والے ایذا اور یاد رکھیں کہ ناکیں کی ہو جانت  
کی ہواں الگ الگ ہے ۔







پھر وہ ایک ایسا اور جان لیوا کہ کچھ جالے  
نے لکھا کہ وہ جس نے اس کو دیکھا ہے اس کو  
ہوئے لگی ہے اس کو دیکھا ہے اس کو دیکھا ہے  
دلت میں مل گیا ہے اس کو دیکھا ہے اس کو دیکھا ہے



## नागा जीवन की एक झलक

असम राष्ट्रभाषा प्रचार समिति के समावर्तन (कनवोकेशन) के सिलसिले में पंडित सुन्दरलाल जी के साथ साथ मुझे भी गोहाटी जाने का बुलावा मिला था, सामावर्तन खतम होते ही राष्ट्र भाषा प्रचार समिति के संचालक, श्री रजनी कान्त चक्रवर्ती ने हम म शिलांग, को हिमा और इमफाल देखने की इच्छा जगादी, और वह वह ही हमको उन जगहों को देखने के लिये ले गए, इससे बढ़कर उन्होंने एक बात और की, वह यह कि उन्होंने हमारे साथ जाने के लिये श्री कामाख्या राम जी को तैयार कर दिया गोहाटी में हम कामाख्या राम जी के यहां हो ठहरे हुए थे, कामाख्या राम जी इमफाल में मनीपुर रियासतके चीफ जज रह चुके थे, उनके साथ होने से हमने एक हफ्ते के दौरे में इतनी जानकारी हासिल कर ली जो अकेले घूमकर महीनों में हासिल नहीं कर सकते थे, मनीपुर, नागा कबीले और आसाम की जानकारी के लिहाज से कामाख्या राम जी को अगर इनसाइक्लोपीडिया यानी विश्व कोष कहा जाय तो बेजा न होगा, अगर वह सज्जन हमारे साथ न होते तो हम नीचे जो कुछ लिख रहे हैं वह इतने विस्तार के साथ न लिख सकते.

### रेल का सफ़र

गोहाटी का असली नाम है, गोहा हाटी, जिसका हिन्दी तरजुमा होगा—सुपारी मंडी, आज तो नहीं, हां कभी आसाम सुपारियों के लिये बेहद मशहूर था, कवियों ने आसाम की तारीफ करते हुए बड़ी शान के साथ लिखा है, जब पान की बेलें सुपारी के पेड़ पर चढ़ी हुई दिखाई देती हैं तब आदमी में शृंगार जाग उठता है और आसाम छोड़ने को जी नहीं चाहता, गोहाटी का दूसरा नाम 'कामरूप' है और 'कामरूप' का जादू देश के कोने कोने में मशहूर है, आज कामरूप अलग जिला भी है, कामरूप का एक नाम प्राग ज्योतिष पुर भी है.

हां, तो जब हम दीमापुर होते हुए कोहिमा जाने के लिये तैयार हुए तब यह जानकर कि हमें रात की आठ बजे की गाड़ी से गोहाटी छोड़ना होगा, हमारे दिल में एक हलका सा दुख महसूस हुआ, और वह इसलिये कि हम रातको सबक के बाएं बाएं के दृश्य न देख सकेंगे और न जंगली जानवरों की आवाज सुन सकेंगे, होनहार की बात, रास्ते में किसी वजह से गाड़ी लेट हो गई, और सुबह के दो दाईं घंटे उन बने जंगलों में बीते जिनको देखने की हमारी बड़ी इच्छा थी.

यों तो हमारे गोहाटी पहुँचने के एक दिन पहले ही एक बड़े दाँतों वाला हमरी गोहाटी में शिकार किया जा चुका

## नागा जीवों की एक झलक

लस राक्षस बहाल प्रचार समिति के सदस्य (कनवोकेशन) के सिलसले में पंडित सुन्दर लाल जी के साथ साथ मुझे भी गोहाटी जाने का बुलावा मिला था, सामावर्तन खतम होते ही राष्ट्र भाषा प्रचार समिति के संचालक, श्री रजनी कान्त चक्रवर्ती ने हम म शिलांग, को हिमा और इमफाल देखने की इच्छा जगादी, और वह वह ही हमको उन जगहों को देखने के लिये ले गए, इससे बढ़कर उन्होंने एक बात और की, वह यह कि उन्होंने हमारे साथ जाने के लिये श्री कामाख्या राम जी को तैयार कर दिया गोहाटी में हम कामाख्या राम जी के यहां हो ठहरे हुए थे, कामाख्या राम जी इमफाल में मनीपुर रियासतके चीफ जज रह चुके थे, उनके साथ होने से हमने एक हफ्ते के दौरे में इतनी जानकारी हासिल कर ली जो अकेले घूमकर महीनों में हासिल नहीं कर सकते थे, मनीपुर, नागा कबीले और आसाम की जानकारी के लिहाज से कामाख्या राम जी को अगर इनसाइक्लोपीडिया यानी विश्व कोष कहा जाय तो बेजा न होगा, अगर वह सज्जन हमारे साथ न होते तो हम नीचे जो कुछ लिख रहे हैं वह इतने विस्तार के साथ न लिख सकते.

### रेल का सफ़र

गोहाटी का असली नाम है, गोहा हाटी, जिसका हिन्दी तरजुमा होगा—सुपारी मंडी, आज तो नहीं, हां कभी आसाम सुपारियों के लिये बेहद मशहूर था, कवियों ने आसाम की तारीफ करते हुए बड़ी शान के साथ लिखा है, जब पान की बेलें सुपारी के पेड़ पर चढ़ी हुई दिखाई देती हैं तब आदमी में शृंगार जाग उठता है और आसाम छोड़ने को जी नहीं चाहता, गोहाटी का दूसरा नाम 'कामरूप' है और 'कामरूप' का जादू देश के कोने कोने में मशहूर है, आज कामरूप अलग जिला भी है, कामरूप का एक नाम प्राग ज्योतिष पुर भी है.

हां, तो जब हम दीमापुर होते हुए कोहिमा जाने के लिये तैयार हुए तब यह जानकर कि हमें रात की आठ बजे की गाड़ी से गोहाटी छोड़ना होगा, हमारे दिल में एक हलका सा दुख महसूस हुआ, और वह इसलिये कि हम रातको सबक के बाएं बाएं के दृश्य न देख सकेंगे और न जंगली जानवरों की आवाज सुन सकेंगे, होनहार की बात, रास्ते में किसी वजह से गाड़ी लेट हो गई, और सुबह के दो दाईं घंटे उन बने जंगलों में बीते जिनको देखने की हमारी बड़ी इच्छा थी.

यों तो हमारे गोहाटी पहुँचने के एक दिन पहले ही एक बड़े दाँतों वाला हमरी गोहाटी में शिकार किया जा चुका



دین میں بچوں کے لیے دھوپ ٹھہر گئی ہے۔ ان کے لیے دن میں ناشتہ وغیرہ کا بھی پرو بندھ ہے۔ مائیں صبح کے سب سے کام پر جاتے وقت ان کو لا کر دے جاتی ہیں۔ دن میں ضرورت پڑنے پر جیسے دودھ پلانے کے لیے ماں کو بلا دیا جاتا ہے۔ شام کو مائیں بچوں کو کھانے لے جاتی ہیں۔ ذرا بڑی عمر کے بچے کھانے گارٹی اسکول میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو کھانا پلایا اور اس طرح سے سکھایا جاتا ہے کہ جس سے وہ آگے کی تعلیم کے قابل بن سکیں۔ اسکول جانے والے لڑکوں کے لیے 'پائلہ ندر' مصل 'ہوئے ہیں۔ یہ عمارتیں پہلے دار کے کچھ دولت مند ساتھیں اور انیسویں کے قبضے میں تھیں۔ اب ان شاندار عمارتوں کو بچوں کے لئے نرسری اسکولوں میں بدل دیا گیا ہے۔ یہ نرسری اسکول بہت ہی سوچ سمجھ کے ساتھ قائم کئے گئے ہیں۔ بچوں کے لئے لائبریری، ریڈنگ روم، مٹی کی ٹریلنگ وغیرہ کا خاص پرو بندھ ہے۔ یہ دھیان اس لئے رکھا جاتا ہے کہ آگے جا کر بچے ہی دیہی کے بہانے دھانا بھٹکے، وہی دیہی کی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔ بچوں کی دیکھ دیکھ خاص جان کاروں کی مانتی میں کی جاتی ہے۔ اس دیکھ دیکھ کا سب خرچہ سرکار دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بڑے سے بڑے جان کاروں سے سہولتیں بچوں کے لئے لی جاتی ہیں۔

### صحت اور بھلائی

ان تمام کوششوں کے علاوہ تمام چلنے کے ہت کے لئے سوائے سدھار کا پرو بندھ ہے۔ ڈاکٹروں میں 80 فیصدی عورتیں ہیں۔ جو مرد یا عورتیں ڈاکٹری کا پیشہ کرتے ہیں وہ بھی پریکٹس نہیں کرتے۔ چلنے کی سہولتیں ان کا مقصد ہے۔ وہ کوئی تجارت یا پیشہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ محض ہوا اچھڑا ایک ہات پر ہوا وہ یہ کہ اسپتالوں میں اسپیشل مورتی وارڈ نہیں تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلے کہ وہ زچاؤ کو بڑے اسپتالوں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ سب ماؤں کے لئے ٹھوس فاصلوں پر کچھ خانہ کی تمام سہولتیں ہیں۔ یہ سہولتیں کام کرنے والوں کے گھروں سے بہت قریب ہیں۔ اگر کوئی چھوٹا گھر کا کھس ہو جاتا ہے تو اس کو بڑے اسپتالوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ سروریت سرکار کتنا ادھک چلنے کے ہت کا دھیان رکھتی ہے اور ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ وہاں کی چلنے کا نیم اور شصت کے انیسواں دھتی ہے۔ ہر اسے کوئی "ہلسا" نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے دیہی میں لکھا بھی محض وہی لے لیتی ہے۔ ہم انیسویں سے جہاں چاہے ٹھوک دیتے ہوں، جو جہاں ملے میں آگے کھینچی کر دیتے ہوں۔ یہ بات ہم دیکھ سکتے ہیں کہ چاروں طرف سب جگہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات دوسری میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ہماری سہولت میں نہیں آتا کہ کوئی کسی کوسوے ملک کے اچھے شہری چھوٹی کی ضرورت پڑنے پر نہیں لڑائی ہو۔

اسکول جانے والے لڑکوں کے لیے 'پایونیر مہل' بنے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے پہلے چار کے کچھ دلت مہل ساہیلیوں اور افسروں کے کنبہ میں تھی۔ اب ان شاندار عمارتوں کو بچوں کے لیے نرسری اسکولوں میں بدل دیا گیا ہے۔ یہ نرسری اسکول بہت ہی سوچ سمجھ کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں۔ بچوں کے لیے لائبریری، ریڈنگ روم، امیلی ٹریننگ کورس کا خاص پرو بندھ ہے۔ یہ دھیان اس لئے رکھا جاتا ہے کہ آگے جا کر بچے ہی دیہی کے بہانے دھانا بھٹکے، وہی دیہی کی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔ بچوں کی دیکھ دیکھ خاص جان کاروں کی مانتی میں کی جاتی ہے۔ اس دیکھ دیکھ کا سب خرچہ سرکار دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بڑے سے بڑے جان کاروں سے سہولتیں بچوں کے لئے لی جاتی ہیں۔

### سہت اور بھلائی

ان تمام کوششوں کے علاوہ تمام چلنے کے ہت کے لئے سوائے سدھار کا پرو بندھ ہے۔ ڈاکٹروں میں 80 فیصدی عورتیں ہیں۔ جو مرد یا عورتیں ڈاکٹری کا پیشہ کرتے ہیں وہ بھی پریکٹس نہیں کرتے۔ چلنے کی سہولتیں ان کا مقصد ہے۔ وہ کوئی تجارت یا پیشہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ محض ہوا اچھڑا ایک ہات پر ہوا وہ یہ کہ اسپتالوں میں اسپیشل مورتی وارڈ نہیں تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلے کہ وہ زچاؤ کو بڑے اسپتالوں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ سب ماؤں کے لئے ٹھوس فاصلوں پر کچھ خانہ کی تمام سہولتیں ہیں۔ یہ سہولتیں کام کرنے والوں کے گھروں سے بہت قریب ہیں۔ اگر کوئی چھوٹا گھر کا کھس ہو جاتا ہے تو اس کو بڑے اسپتالوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ سروریت سرکار کتنا ادھک چلنے کے ہت کا دھیان رکھتی ہے اور ان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ وہاں کی چلنے کا نیم اور شصت کے انیسواں دھتی ہے۔ ہر اسے کوئی "ہلسا" نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے دیہی میں لکھا بھی محض وہی لے لیتی ہے۔ ہم انیسویں سے جہاں چاہے ٹھوک دیتے ہوں، جو جہاں ملے میں آگے کھینچی کر دیتے ہوں۔ یہ بات ہم دیکھ سکتے ہیں کہ چاروں طرف سب جگہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات دوسری میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ہماری سہولت میں نہیں آتا کہ کوئی کسی کوسوے ملک کے اچھے شہری چھوٹی کی ضرورت پڑنے پر نہیں لڑائی ہو۔



اس کی جگہ ختم ہوئی اور ایک ہندو نے؟ ہمیں سچ  
 سمجھ کر افسوس کرنا چاہئے۔ ہمیں یہ نہ چاہئے کہ ادھر  
 ادھر کے چھوٹے پردار کو سچ مان لیں اور کسی میں اہم  
 آدمی کو چھینک دیں۔

گمانا میں

آج کے دوسرے دن میں کھانے پھلے کی چھڑیوں کی ذرا بھی کمی نہیں ہے۔ ہر آدمی کو نہ صرف کھانے کی چھڑیوں ہی بلکہ پوٹھا سے پوٹھا چھڑیوں کھانے کو ملتی ہیں۔ موسم کے انوسار صاب کو کھڑے لٹے بھی مل جاتے ہیں۔ جہاں تک گھریوں کا سوال ہے اُس کا حل بھی تیزی سے کیا جا رہا ہے۔

المعلم

تعلیم میں بڑی تیزی سے پروگتی ہو رہی ہے ۔ رات دن اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سب کام کرنے والوں کی قابلیت بڑھے ۔ شام کو کلچری جگہوں اور دوسری جگہوں پر ان لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو تعلیم حاصل کر کے اُنہی کرنا چاہتے ہیں ۔ مرد اور عورت سب اپنی اپنی پسند کا کام چن لیتے ہیں ۔ یہ اس کام میں اُن کو تربیت دی جاتی ہے ۔ کلچری مقاموں پر اچھے اچھے ماسٹر پڑھاتے کر لکھے رکھ جاتے ہیں ۔ بڑے بڑے محصلین اور حویلوں کو آپ - میوزیوں کے کلچری محفل ملنا دیا گیا ہے ۔ ماسکو اور لینن گراہ جیسے بڑے بڑے شہروں میں ہزاروں آدمی شام کے سبے تعلیم اور تربیت ملنا پاتے ہیں ۔

اس عملی تربیتنگ کے علاوہ لوگوں کو کلا سہل دہی  
باتوں کی بھی جان کاری کرائی جاتی ہے۔ گانا، بھجانا،  
چتر کاری، قرائے اور اس طرح کی دوسری کلاؤں کی تعلیم  
دی جاتی ہے۔ سکھانے والے خود بہت اچھی جان کاری  
رکھتے ہیں۔ ایسے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا کام  
بہت اونچے پیمانے کا ہوتا ہے۔ انسان تو انسان، سوویت  
میں جانوروں تک کی پہلائی کا ہر طرح کا خیال رکھا  
جاتا ہے۔



بہت چھوٹے ہیں سے ہی بچوں کی کافی دیکھ دیکھ کر  
چائی ہے۔ جب ماں کام میں لگی رہتی ہے اس سے  
بچوں کا ہر طرح دھیان رکھا جاتا ہے۔ اس بات پر کوئی  
سوال کر سکتا ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ ماں ایک چھوٹے  
بچے کو چھوڑ کر کام پر چلی جائے؟ لیکن جس طریقہ سے  
وہ اس بات کو کرتے اور نبھاتے ہیں اُس میں کوئی حرج نہیں  
نکلا جاسکتا۔ صفائی کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے۔ بچوں  
کو صاف سے صاف کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ بچوں کو  
سکھائی ہوئی نرمی احتیاط سے رکھتی ہیں۔ باہر کے لوگ  
جب اُن جگہوں پر جاتے ہیں تو انہیں اُس سب کچھوں  
کے اوپر سے نیکہ دلی سے دیکھتی ہیں۔



## ہیسا

جس ملک میں بھی انقلاب ہوتا ہے اور جہاں مالی بحالی کے لیے کسی نئی پوجا کے اڈھار پر کھڑا کیا جاتا ہے وہاں ہلسا کا ہونا قدرتی ہے۔ روس کا انقلاب اسی طرح کی ایک مثال ہے۔ اس انقلاب نے روس کے سارے سماجی ڈھانچے کو سرے سے بدل ڈالا۔ اس لیے وہاں مارکس کا ہونا قدرتی تھا۔ انہوں نے ہلسا کا کوئی تصور ہی نہیں کیا۔ ان کے سامنے کوئی اور دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ ان کے پاس مہاتما گاندھی جیسا راہ دکھانے والا نہ تھا۔ ان کو جو روشنی دکھائی دی تھی اس میں انہوں نے جو قدم بڑھایا وہ اچست ہی آتھیا۔

روس میں ہلسا ہوئی ہے یہ بات ادھکتر امریکی حلقوں سے ہی سنیے میں آئی ہے۔ امریکی اس معاملے میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر ہم اس سے ہلسا کے سوال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے امریکہ نے علم والے سفار میں ہلسا میں سب سے آگے بڑھ کر ہوں ہیں۔ توہا کی لڑائی ایک جمعی جتنی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک ہمارے آپ دیکھیں سوال ہے ہوں اس مہدائی میں ایک بہت اچھا نمونہ مل گیا۔ ہوں خود تو آپ ہمارے نیچا گاندھی جی نے اصولوں کی روشنی میں ہی چلنا چاہئے۔ ان کے اصولوں میں وشواس رکھنا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

میں اپنے نیچے انہوں کے بل پر کہہ سکتا ہوں کہ آج سوویت میں ہلسا نہیں کے برابر ہے۔ اس معاملے میں آج سے 30 سال پہلے روس میں کیا ہوا اس پر غور کرنا ہے۔ آج کا روس 30 سال پہلے کا روس نہیں ہے۔ نئی بدھوی کے لوگوں نے اس میں بڑی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ سمجھ کی گتی کے انوسار روس نے آپ کو بدلا ہے، آپ حاکموں اور طریقوں میں بدل گئی ہے۔ 30 برس پہلے کے روس کی آپ آج کا روس نے ساتھ زیادتی کرنا ہوگا۔ آج کے روس کی آج کا روس نے روس کے اڈھار پر کرنا ایسا ہی ہے جیسا آج کے ہیسائی دھرم کی آج کا ہزار برس پہلے نے ہیسائی دھرم کے اڈھار پر کرنا۔

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہلسا پر دانتوں تلے اٹھتی ہے لیکن میں اور دوسری طرف ہمارے رجمنٹس کارکنا ایک دوسرے سے ہڈ لے رہے ہیں اور امریکا کی چلتی ہوئی کمونٹی ہوجاؤں میں سمجھ رہے ہیں۔ امریکا کی ہلسا کے ذریعے چلتی ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینوں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکا نے ہمارے لیے اور تندرست مریضوں کو ہوں کو ہوں کی تندرست فیکٹ ہیں۔ انسانوں پر ہوں کے لیے ہوں جاتے ہیں۔ کیا یہ

روس میں ہلسا ہوئی ہے یہ بات ادھکتر امریکی حلقوں سے ہی سنیے میں آئی ہے۔ امریکی اس معاملے میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر ہم اس سے ہلسا کے سوال پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے امریکہ نے علم والے سفار میں ہلسا میں سب سے آگے بڑھ کر ہوں ہیں۔ توہا کی لڑائی ایک جمعی جتنی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک ہمارے آپ دیکھیں سوال ہے ہوں اس مہدائی میں ایک بہت اچھا نمونہ مل گیا۔ ہوں خود تو آپ ہمارے نیچا گاندھی جی نے اصولوں کی روشنی میں ہی چلنا چاہئے۔ ان کے اصولوں میں وشواس رکھنا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

میں اپنے نیچے انہوں کے بل پر کہہ سکتا ہوں کہ آج سوویت میں ہلسا نہیں کے برابر ہے۔ اس معاملے میں آج سے 30 سال پہلے روس میں کیا ہوا اس پر غور کرنا ہے۔ آج کا روس 30 سال پہلے کا روس نہیں ہے۔ نئی بدھوی کے لوگوں نے اس میں بڑی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ سمجھ کی گتی کے انوسار روس نے آپ کو بدلا ہے، آپ حاکموں اور طریقوں میں بدل گئی ہے۔ 30 برس پہلے کے روس کی آپ آج کا روس نے ساتھ زیادتی کرنا ہوگا۔ آج کے روس کی آج کا روس نے روس کے اڈھار پر کرنا ایسا ہی ہے جیسا آج کے ہیسائی دھرم کی آج کا ہزار برس پہلے نے ہیسائی دھرم کے اڈھار پر کرنا۔

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہلسا پر دانتوں تلے اٹھتی ہے لیکن میں اور دوسری طرف ہمارے رجمنٹس کارکنا ایک دوسرے سے ہڈ لے رہے ہیں اور امریکا کی چلتی ہوئی کمونٹی ہوجاؤں میں سمجھ رہے ہیں۔ امریکا کی ہلسا کے ذریعے چلتی ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینوں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکا نے ہمارے لیے اور تندرست مریضوں کو ہوں کو ہوں کی تندرست فیکٹ ہیں۔ انسانوں پر ہوں کے لیے ہوں جاتے ہیں۔ کیا یہ

آج کل میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک طرف روس کی فوجی ہلسا پر دانتوں تلے اٹھتی ہے لیکن میں اور دوسری طرف ہمارے رجمنٹس کارکنا ایک دوسرے سے ہڈ لے رہے ہیں اور امریکا کی چلتی ہوئی کمونٹی ہوجاؤں میں سمجھ رہے ہیں۔ امریکا کی ہلسا کے ذریعے چلتی ہوئے انسان زندگی چلتی ہوئی مشینوں بنا دیئے جاتے ہیں۔ امریکا نے ہمارے لیے اور تندرست مریضوں کو ہوں کو ہوں کی تندرست فیکٹ ہیں۔ انسانوں پر ہوں کے لیے ہوں جاتے ہیں۔ کیا یہ



## روس کا राज जनता کے ہمنام کا राज ہے

( ڈاکٹر جے. سی. कुमारپا )

گاندھی آج، مہرٹ کے لوگوں نے ڈاکٹر جے. سی. کمارپا سے کچھ سوال کیے تھے۔ نیچے ہم ان کے سوال اور ڈاکٹر جے. سی. کمارپا کے جواب کا خلاصہ دے رہے ہیں۔

**سوال**

”آپ ہمیشہ اس چیز کی بڑائی دیکھتے رہتے ہیں جو گاندھی جی کے خیالات سے نہیں ملتی۔ پر روس میں ہینا سے اور بڑی بڑی کل مشینوں سے کام لیا جاتا ہے اور ہینا سے کام لیا جاتا ہے؟“ یہ کیا بات ہے۔

**جواب**

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس چیز میں گاندھی جی کی نگاہ نہیں اٹھاتی جاتی اس کی میں نندا کرتا ہوں۔ پھر بھی اگر روس کی کسی بات میں میں سراہنا کرتا ہوں تو اس کے کئی صاف کاون ہیں۔

**مکمل**

میں دو باتوں سے ہر سرکار کی جانچ کرتا ہوں : ایک یہ کہ اس سرکار سے جملہ کے کشتوں کا حل ہوتا ہے یا نہیں اور دوسرے یہ کہ اس سے جملہ کھسے ترقی کرتی ہے۔

روس کی سوویت سرکار نے اپنا پورا دھیان مزدوروں کی بھلائی کی طرف لگا دیا ہے۔ روس میں ہر طرف لوگ کم میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال سرکار کرتی ہے۔ سب کے کھانے پینے کا خیال، کپڑے لٹے اور مکان وغیرہ کا دھیان سرکار کو رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ضرورت کی معمولی چیزیں بھی سرکار مہیا کرتی ہے۔ سب کام کرنے والوں کے ہولے پر سرکار جو اچوک دھیان رکھتی ہے وہ سراہنا کے قابل ہے یہ بات سرمایہ دار ملکوں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ جہاں تک ہمارے دیہات کا سہولت ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں جملہ کے دکھوں پر بالکل دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان ہی تمام باتوں کو دیکھ کر میں سوویت روس کی سراہنا کرتا ہوں۔ سہولت کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ہم روس کے آپاہوں یا سادھوں میں جو چاہے دوں نکالیں پر جس منزل یا مقصد کی طرف وہ بڑے رہے ہیں وہ تعریف کے قابل ہے۔ شہطان کے اندر بھی اگر کوئی بھلائی ہو تو اس بھلائی کو ہمیں سراہنا کرنا چاہئے۔ سہولت کے مطلب یہ ہوگا نہیں ہے کہ میں روس کی ہر چیز پسند کرتا ہوں یا ان کے سب اصولوں کو ماننا ہوں۔

## روس کا راج جتنا کے بھلے کا راج ہے

( ڈاکٹر جے. سی. کمارپا )

گاندھی آج، مہرٹ کے لوگوں نے ڈاکٹر جے. سی. کمارپا سے کچھ سوال کیے تھے۔ نیچے ہم ان کے سوال اور ڈاکٹر جے. سی. کمارپا کے جواب کا خلاصہ دے رہے ہیں۔

**سوال**

”آپ ہمیشہ اس چیز کی بڑائی دیکھتے رہتے ہیں جو گاندھی جی کے خیالات سے نہیں ملتی۔ پر روس میں ہینا سے اور بڑی بڑی کل مشینوں سے کام لیا جاتا ہے اور ہینا سے کام لیا جاتا ہے؟“ یہ کیا بات ہے۔

**جواب**

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس چیز میں گاندھی جی کی نگاہ نہیں اٹھاتی جاتی اس کی میں نندا کرتا ہوں۔ پھر بھی اگر روس کی کسی بات میں میں سراہنا کرتا ہوں تو اس کے کئی صاف کاون ہیں۔

**مکمل**

میں دو باتوں سے ہر سرکار کی جانچ کرتا ہوں : ایک یہ کہ اس سرکار سے جملہ کے کشتوں کا حل ہوتا ہے یا نہیں اور دوسرے یہ کہ اس سے جملہ کھسے ترقی کرتی ہے۔

روس کی سوویت سرکار نے اپنا پورا دھیان مزدوروں کی بھلائی کی طرف لگا دیا ہے۔ روس میں ہر طرف لوگ کم میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال سرکار کرتی ہے۔ سب کے کھانے پینے کا خیال، کپڑے لٹے اور مکان وغیرہ کا دھیان سرکار کو رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ضرورت کی معمولی چیزیں بھی سرکار مہیا کرتی ہے۔ سب کام کرنے والوں کے ہولے پر سرکار جو اچوک دھیان رکھتی ہے وہ سراہنا کے قابل ہے یہ بات سرمایہ دار ملکوں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ جہاں تک ہمارے دیہات کا سہولت ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں جملہ کے دکھوں پر بالکل دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان ہی تمام باتوں کو دیکھ کر میں سوویت روس کی سراہنا کرتا ہوں۔ سہولت کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ہم روس کے آپاہوں یا سادھوں میں جو چاہے دوں نکالیں پر جس منزل یا مقصد کی طرف وہ بڑے رہے ہیں وہ تعریف کے قابل ہے۔ شہطان کے اندر بھی اگر کوئی بھلائی ہو تو اس بھلائی کو ہمیں سراہنا کرنا چاہئے۔ سہولت کے مطلب یہ ہوگا نہیں ہے کہ میں روس کی ہر چیز پسند کرتا ہوں یا ان کے سب اصولوں کو ماننا ہوں۔







Neutralization	بے جان بنانا
New Rich	نئی بامیاد-نئی بامیاد
Oasis	درختستان
Obstructionist	دعا دہ
Ocean	مہا سمندر
Oceanica	سمندرستان
Octagon	آٹھ کونیا
Octagonal	آٹھ کونی
Optimism	خوش پسندی
Oscillating Fan	پورباہ پنکھا
Panmovements	کھانا بھر کر
Parricide	باپ ہتھ
Pathology	رোগ بیا
Peace-feelers	شانتی خواہی
Peninsula	ٹاپو
Physiology	تن بیا
Prism	پوشا، پوشا،
Psychology	من بیا
Quadrangle	چار کونیا
Quadrangular	چار کونی
Quadruplicate	چوگانا
Quadruplication	چوگانا
Radiate	کرنانا
Radiation	کرناء
Ranarium	معدک بھر
Reflect	عکسنا
Reversal	پیشا
Reverse	پیشا
Script	لکھا
Semicircle	اڈھ کھڑا
Semicircular	اڈھ کھڑ، اڈھ کھڑی
Soluble	خوش سکئی
Insoluble	بمخوش سکئی
Stratification	پرکھا
Stratify	پرکھانا
Treacherous	داسوئی-داسوئی
Triangle	تیکونیا
Triplicate	تینا
Triplication	تینا
Unapproachable	بمخوش
Unbearable	بمخوش، بھاری
Unbelievable	بمخوش
Undeniable	بمخوش
Unwatered	بمخوش

Neutralisation	بے جان بنانا
New Rich	نئی بامیاد - نئی بامیاد
Oasis	درختستان
Obstructionist	دعا دہ
Ocean	مہا سمندر
Oceanica	سمندرستان
Octagon	آٹھ کونیا
Octagonal	آٹھ کونی
Optimism	خوش پسندی
Oscillating Fan	پورباہ پنکھا
Panmovements	کل چھار کھڑ
Parricide	باپ ہتھ
Pathology	رگ بیا
Peace-feelers	شانتی خواہی
Peninsula	ٹاپو
Physiology	تن بیا
Prism	پوشا، پوشا،
Psychology	من بیا
Quadrangle	چار کونیا
Quadrangular	چار کونی
Quadruplicate	چوگانا
Quadruplication	چوگانا
Radiate	کرنانا
Radiation	کرناء
Ranarium	معدک بھر
Reflect	عکسنا
Reversal	پیشا
Reverse	پیشا
Script	لکھا
Semicircle	اڈھ کھڑا
Semicircular	اڈھ کھڑ، اڈھ کھڑی
Soluble	خوش سکئی
Insoluble	ان خوش سکئی
Stratification	پرکھا
Stratify	پرکھانا
Treacherous	کھانوسی-کھانوسا
Triangle	تکونیا
Triplicate	تکونیا
Triplication	تکونیا
Unapproachable	ان خوش سکئی
Unbearable	ان خوش سکئی
Unbelievable	ان خوش سکئی
Undeniable	ان خوش سکئی
Unwatered	ان خوش سکئی

Neutralisation	بے جان بنانا
New Rich	نئی بامیاد - نئی بامیاد
Oasis	درختستان
Obstructionist	دعا دہ
Ocean	مہا سمندر
Oceanica	سمندرستان
Octagon	آٹھ کونیا
Octagonal	آٹھ کونی
Optimism	خوش پسندی
Oscillating Fan	پورباہ پنکھا
Panmovements	کل چھار کھڑ
Parricide	باپ ہتھ
Pathology	رگ بیا
Peace-feelers	شانتی خواہی
Peninsula	ٹاپو
Physiology	تن بیا
Prism	پوشا، پوشا،
Psychology	من بیا
Quadrangle	چار کونیا
Quadrangular	چار کونی
Quadruplicate	چوگانا
Quadruplication	چوگانا
Radiate	کرنانا
Radiation	کرناء
Ranarium	معدک بھر
Reflect	عکسنا
Reversal	پیشا
Reverse	پیشا
Script	لکھا
Semicircle	اڈھ کھڑا
Semicircular	اڈھ کھڑ، اڈھ کھڑی
Soluble	خوش سکئی
Insoluble	ان خوش سکئی
Stratification	پرکھا
Stratify	پرکھانا
Treacherous	کھانوسی-کھانوسا
Triangle	تکونیا
Triplicate	تکونیا
Triplication	تکونیا
Unapproachable	ان خوش سکئی
Unbearable	ان خوش سکئی
Unbelievable	ان خوش سکئی
Undeniable	ان خوش سکئی
Unwatered	ان خوش سکئی



Compressible	दोहरा	घन्य	Compressible
Continent	महादेश, महाद्वीप	महादेश, महाद्वीप	Continent
Cosmopolitanism	परदेशियता	परदेशियता	Cosmopolitanism
Cremation	अग्निश्राद्ध	अग्निश्राद्ध	Cremation
Current Account	चालू खाता	चालू खाता	Current Account
Deprivable	महसूस सकनी	महसूस सकनी	Deprivable
Diarchy (du'raj दुर राज)	दुराज	दुराज (du' raj)	Diarchy
Dipsomaniac	शराब जन्मिवा, शराब जन्मी	शराब जन्मिवा, शराब जन्मी	Dipsomaniac
Discriminate	फिरकाना	फिरकाना	Discriminate
Discrimination	फिरकाब	फिरकाब	Discrimination
Elastic	लचकदार	लचकदार	Elastic
Electrification	विजलियावा	विजलियावा	Electrification
Electrify	विजलियाना	विजलियाना	Electrify
Eugenics	नसल सुधारयात	नसल सुधारयात	Eugenics
Export and Import	आयात और आयात	आयात और आयात	Export and Import
Fishery	मछियारी, मछलीकारी	मछियारी, मछलीकारी	Fishery
Flirt	ठठोसनी	ठठोसनी	Flirt
Floral tribute	फूल चढ़ावा	फूल चढ़ावा	Floral tribute
Forge	शुफ्ताना	शुफ्ताना	Forge
Fossil	पथराब	पथराब	Fossil
Fossilate	पथराना	पथराना	Fossilate
Fossilization	पथरयाबा	पथरयाबा	Fossilization
Fossilized	पथराबा हुआ	पथराबा हुआ	Fossilized
Gastrology	पकवान विद्या	पकवान विद्या	Gastrology
Gastronomy	पकवान	पकवान	Gastronomy
Half hearted	अधविही-अधविला	अधविही-अधविला	Half hearted
Half heartedness	अधविलापन	अधविलापन	Half heartedness
Hemisphere	अध गोला	अध गोला	Hemisphere
Hexagon	छेकोनिया	छेकोनिया	Hexagon
Hexagonal	छेकोनी	छेकोनी	Hexagonal
Informant	समाचारवा	समाचारवा	Informant
Invertebrate	बेरीढ़वा	बेरीढ़वा	Invertebrate
Irredeemable debt	अन्व पुकाब कर्ज (वह कर्ज जो पुकाया न जा सके)	अन्व पुकाब कर्ज (वह कर्ज जो पुकाया न जा सके)	Irredeemable debt
Isthmus	कमीन जोड़	कमीन जोड़	Isthmus
Kakistocracy	कुम्हेराज	कुम्हेराज	Kakistocracy
Labor force	मजदूर दल	मजदूर दल	Labor force
Misrepresentation	बदल बयानी	बदल बयानी	Misrepresentation
Multiplication	करब	करब	Multiplication
Multiply	करवाना	करवाना	Multiply
Mutual	आपसी	आपसी	Mutual
Negligence	अपरवानी	अपरवानी	Negligence
Neolithic Age	नया पत्थर युग	नया पत्थर युग	Neolithic Age



نے مجھے بتایا تھا کہ آج کل ڈاکو خالی لفافہ بھیج کر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

لیلا : کلم بتایا تھا۔ (خوب زور سے ہنستی ہے)

پورن : ہاں! ہنستی کیوں ہے۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔

لیلا : (وہی طرح ہنستے ہنستے) پیتا جی، کلم پہلی بار ہی۔ (ہنسی.....)

سہی : دھت تیرے کی۔ یں ہی سارے گھر کو دھتسا دیا۔

—بھگواندین

لیلا : کلم بتایا تھا کہ آج کل ڈاکو خالی لفافہ بھیج کر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پورن : ہاں! ہنستی کیوں ہے۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔

لیلا : (وہی طرح ہنستے ہنستے) پیتا جی، کلم پہلی بار ہی۔ (ہنسی.....)

سہی : دھت تیرے کی۔ یں ہی سارے گھر کو دھتسا دیا۔

—بھگواندین

## ہندوستانی شہدیاں کا پانچواں اصول: آسان لفظوں سے نئے شہد

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لیے نئے نئے شہد بنانے کا یہ اصول بھی ہونا چاہیے کہ جہاں تک بن سکے والے لفظوں سے نئے لفظ بنائے جائیں، مصلحتاً :

Agnostic	انجانانیا
Agnosticism	انجانانپن
Alternative	بدلتا
Amphibian, Amphibians	جلی پھلنے، جلی پھلنے
Anesthesiology	بے ہوشیا
Appeasement	فکسلا
Aquarium	سمندر
Arctic Region	شمالی علاقہ، شمالی علاقہ
Assets & Liabilities	لے داریاں اور دے داریاں، ہاسٹل داریاں اور بار داریاں
Bimetalism	دو دھات
Biology	حیاتیات
Black marketeer	کالا بازاریا
Black out	اندھارنا، اندھار
Burial	دفن
Cardiology	دل کا
Cognizability	پہچان
Colorblind	رنگ بین
Color blindness	رنگ بینگی
Comet	جوتارا، دھتارا
Compressibility	دھتاری

## ہندوستانی شہدیاں کا پانچواں اصول: آسان لفظوں سے نئے شہد

(ڈاکٹر جعفر حسن)

ہندوستانی کے لیے نئے نئے شہد بنانے کا یہ اصول بھی ہونا چاہیے کہ جہاں تک بن سکے والے لفظوں سے نئے لفظ بنائے جائیں، مصلحتاً :

Agnostic	انجانانیا
Agnosticism	انجانانپن
Alternative	بدلتا
Amphibian, Amphibians	جلی پھلنے، جلی پھلنے
Anesthesiology	بے ہوشیا
Appeasement	فکسلا
Aquarium	سمندر
Arctic Region	شمالی علاقہ، شمالی علاقہ
Assets & Liabilities	لے داریاں اور دے داریاں، ہاسٹل داریاں اور بار داریاں
Bimetalism	دو دھات
Biology	حیاتیات
Black marketeer	کالا بازاریا
Black out	اندھارنا، اندھار
Burial	دفن
Cardiology	دل کا
Cognizability	پہچان
Color blind	رنگ بین
Color blindness	رنگ بینگی
Comet	جوتارا، دھتارا
Compressibility	دھتاری



پुरुشا : بھڑکا ! ( کڑھ رک کر ) بے ڈا، آج ہمارے  
 پر مے ڈاکا پڑنے والا ہے۔

لیلا : ڈاکا ! کسے ڈاکا !

سہی : یہو کی ڈاکہ آہنے اور ڈاکا ڈالنے ہمارے  
 پر مے۔

لیلا : ڈاکہ آہنے ! ڈاکا ڈالنے ! ہمارے پر مے ! ڈاکہ  
 کھا پاگل ہو گئے ہیں !

پुरुشا : نہیں بے ڈا، یہ مچا کر نہیں ہے۔ بھلکول سبھی  
 بات ہے۔ انہوں نے ہمیں پہلے سے خبر دی ہے کہ وہ  
 آج رات کو ہمارے ہاں ڈاکا ڈالنے۔

لیلا : خبر دے دی ہے کسے۔ کون خبر لایا تھا۔

پुरुشا : یہ خالی لکافا۔

لیلا : خالی لکافا ! کسے خالی لکافا !

سہی : بھلکول خالی۔

پुरुشا : دیکھو بے ڈا ! یہ ہے وہ لکافا۔ کیشور نے مجھے  
 دیکھا ہے۔

لیلا : دیکھو پورا یہ لکافا۔ یہ تو کل آپ کی سوز پر  
 مچا پر رکھا تھا۔

پुरुشا : میری سوز پر !

لیلا : ہاں، ہاں۔

پुरुشا : آری یہ تو آج کی ڈاک سے آیا ہے۔

لیلا : آج کی ڈاک سے آیا ہے ! تو کیشور پورے  
 میرے لکافے کی جگہ اسی کو کل ڈال آیا ہوگا۔ میں بڑی  
 ہیرانی تھی۔ کیشور کہتا تھا میں لکافا ڈال آیا  
 اور میرا لکافا وہی مچ پر ہی پڑا تھا۔

پुरुشا : ( ہیرانی میں ) یہ تم کھا کر رکھی ہو۔

لیلا : یہ دیکھتے نہ اس پر ہمیں کی سوز ہی ہے۔

پुरुشا : تو یہ خالی کھوں ہے۔

لیلا : یہ میں کھا جانوں۔

[ یوگا بیرام (بھڑکا) ]

پुरुشا : آہو، اب یاد آیا۔ ( زور سے ہلستا ہے اور  
 ہلستا رہتا ہے )

لیلا : آہے، آپ ہلستے کیوں رہے ہیں ! اور اس خالی  
 لکافے سے ڈاکہ پڑنے کی بات آپ کسے سوچ رہے ہیں۔

پुरुشا : بے ڈا، ہنسا تو یوں تھا کہ وہ لکافا واقعی  
 میرا ہی تھا۔ کوئی دو برس پہلے کا ہے، تب سے میں نے  
 اسے اپنی ایک کتاب میں رکھ رکھا ہوا تھا۔  
 کل میں وہ کتاب پڑھ رہا تھا اور وہ اس میں سے نکل کر  
 سوز پر گر گیا ہوگا۔ اتنے دنوں میں وہ چھپ کر  
 پورے لکافے میں ہو گیا ہوگا اور کیشور نے غلطی سے  
 لکافے میں سے اسے نکال دیا۔ ڈاکہ کی بات یہ ہے کہ کل میرے دوست

پرش : اچھا ! ( کچھ رک کر ) آج ہمارے کھر  
 میں ڈاکہ پڑنے والا ہے۔

لیلا : ڈاکہ ! کسے ڈاکہ !

استوری : یہی کہ ڈاکہ آہوں کہ اور ڈاکہ ڈالوں کہ ہمارے

کھر میں۔

لیلا : ڈاکہ آہوں کہ ! ڈاکہ ڈالوں کہ ! ہمارے کھر میں !

ڈاکہ کھا پائل ہو گئے ہیں !

پرش : نہیں بھٹا، یہ مذاق نہیں ہے۔ بالکل سچی  
 بات ہے۔ انہوں نے ہمیں پہلے سے خبر دی ہے کہ وہ  
 آج رات کو ہمارے ہاں ڈاکہ ڈالیں گے۔

لیلا : خبر دے دی ہے کسے۔ کون خبر لایا تھا۔

پرش : یہ خالی لکافہ۔

لیلا : خالی لکافہ ! کسے خالی لکافہ !

استوری : بالکل خالی۔

پرش : دیکھو بھٹا، یہ ہے وہ لکافہ۔ کیشور نے مجھے  
 دیکھا ہے۔

لیلا : دیکھو ذرا یہ لکافہ۔ یہ تو کل آپ کی سوز پر  
 رکھا تھا۔

پرش : میری سوز پر !

لیلا : ہاں، ہاں۔

پرش : آری، یہ تو آج کی ڈاک سے آیا ہے۔

لیلا : آج کی ڈاک سے آیا ہے ! تو کیشور پورے  
 لکافے کی جگہ اسی کو کل ڈال آیا ہوگا۔ میں بڑی  
 ہیرانی تھی۔ کیشور کہتا تھا میں لکافہ ڈال آیا  
 اور میرا لکافہ وہی پورا تھا۔

پرش : ( ہیرانی میں ) یہ تم کھا کر رکھی ہو۔

لیلا : یہ دیکھتے نہ اس پر ہمیں کی سوز ہی ہے۔

پرش : تو یہ خالی کھوں ہے۔

لیلا : یہ میں کھا جانوں۔

[ تھوڑا دیر (وقفہ) ]

پرش : اوہو، اب یاد آیا۔ ( زور سے ہلستا ہے اور  
 ہلستا رہتا ہے )

لیلا : آہے، آپ ہلستے کیوں رہے ہیں ! اور اس خالی  
 لکافے سے ڈاکہ پڑنے کی بات آپ کسے سوچ رہے ہیں۔

پرش : بھٹا، ہلستا تو یوں تھا کہ لکافہ واقعی  
 میرا ہی تھا۔ کوئی دو برس پہلے کا ہے، تب سے میں نے  
 اسے اپنی ایک کتاب میں رکھ رکھا ہوا تھا۔  
 کل میں وہ کتاب پڑھ رہا تھا اور وہ اس میں سے نکل کر  
 سوز پر گر گیا ہوگا۔ اتنے دنوں میں وہ چھپ کر  
 پورے لکافے میں ہو گیا ہوگا اور کیشور نے غلطی سے  
 لکافے میں سے اسے نکال دیا۔ ڈاکہ کی بات یہ ہے کہ کل میرے دوست



سہی : ہاں ہم ہی کبھی یہاں رہے۔ کتوں پر مے تالا لگا کر اور سب رہے دھڑلے کے ساتھ۔

پوچھ : بات تو کچھ جھجکتی ہے۔ اور پھر جو کچھ مال متعلق ہو وہ بھی لے چلو۔ (کچھ سوچ کر) مگر سنا ہے یہ ڈاکو بڑے دوسرے ہوتے ہیں۔ اس دفعہ کچھ نہ لے تو وہ پھر آئیں گے۔ اور اگر ہم کہیں چلے بھی جائیں تو ان کی نظروں میں یہ اور بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمارے پاس مال ہے، اور پھر تو وہ جہاں بھی ہم ہوں گے وہیں ہم پر دھاوا بولیں گے۔

سہی : تو پھر ہم یہیں ٹھہر جائیں۔

پوچھ : کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ یہ لیلیا کو بھی آج ہی کالیج میں جانا تھا۔ نہ جانے کس وقت کبھی ہو جائے۔ اگر اس کے آتے سے پہلے ہی ڈاکوؤں نے.....

( دروازے پر دستک )

پوچھ : (بھراہٹ سے اچھل کر) ارے، کون آیا۔ لیلیا کی ماں کبھی دھپ جا کر جا کر جلدی کرو۔ ہاں بھگوان !

سہی : ارے اتنا ڈرنے سے کیا ہوگا۔ ٹھہرو کرا دیکھنے تو دو کون آیا ہے۔

( دروازے پر پھر دستک۔ دُور سے لڑکی کی آواز )

لیلیا : اُمّی ! اُمّی ! دروازہ کھولو۔

سہی : سہی، یہ تو لیلیا ہے۔ آپ ویسے ہی ڈر رہے تھے۔ اچھا میں دروازہ کھولتی۔

پوچھ : تو مجھے کیا پتا تھا، ڈاکو کوئی وقت بتا کر آتے ہیں۔

( پوچھ کر کے )

لیلیا : پیتا جی، پیتا جی، اُمّی کھ رہی ہیں آپ کی تابعدار ٹیک نہیں ہے۔ کیا دُعا آپ کو۔

پوچھ : کچھ نہیں بچتا، یوں ہی کرا بکنا ہو رہی ہے۔

لیلیا : بکنا بکنا کچھ نہیں پیتا جی۔ آپ نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔ اُمّی کی کمزوری ہوئی۔ آئیے چلتے کھانا کھاؤں۔ اُمّی، مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ اچھا ہے جلدی ہی ختم ہوگیا۔ مجھے تو کوئی خاص اچھا بھی نہیں لگا اور آنکھیں دوسری ہی سوکھنے لگیں۔ آئیے نہ پیتا جی، آئیے چلتے۔

پوچھ : اچھا بچتا چلتا ہوں۔ مگر آج بھوک بالکل نہیں لگی۔

لیلیا : واہ، روز تو آپ کو اتنی بھوک لگتی ہے کہ آتے ہی فوراً کھا دیتے ہیں۔ آج کھا ہوگیا۔

سہی : مہرا خیال ہے لیلیا کو ساری بات پتا دینی چاہئے۔ بڑی ہونگی، کالج میں پڑھتی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اچھی بات سمجھا دے۔

سہی : تو ہم ہی کہیں یہاں رہیں۔ چلو پھر میں لگاؤ اور سب رہو دھڑلے کے ساتھ۔

پوچھ : ہاں تو کچھ چلتی ہے۔ اور پھر جو کچھ مال متعلق ہو وہ بھی لے چلو۔ (کچھ سوچ کر) مگر سنا ہے یہ ڈاکو بڑے دوسرے ہوتے ہیں۔ اس دفعہ کچھ نہ لے تو وہ پھر آئیں گے۔ اور اگر ہم کہیں چلے بھی جائیں تو ان کی نظروں میں یہ اور بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمارے پاس مال ہے، اور پھر تو وہ جہاں بھی ہم ہوں گے وہیں ہم پر دھاوا بولیں گے۔

سہی : تو پھر ہم یہیں ٹھہر جائیں۔

پوچھ : کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ یہ لیلیا کو بھی آج ہی کالیج میں جانا تھا۔ نہ جانے کس وقت کبھی ہو جائے۔ اگر اس کے آتے سے پہلے ہی ڈاکوؤں نے.....

( دروازے پر دستک )

پوچھ : (بھراہٹ سے اچھل کر) ارے، کون آیا۔ لیلیا کی ماں کبھی دھپ جا کر جا کر جلدی کرو۔ ہاں بھگوان !

سہی : ارے اتنا ڈرنے سے کیا ہوگا۔ ٹھہرو کرا دیکھنے تو دو کون آیا ہے۔

( دروازے پر پھر دستک۔ دُور سے لڑکی کی آواز )

لیلیا : اُمّی ! اُمّی ! دروازہ کھولو۔

سہی : سہی، یہ تو لیلیا ہے۔ آپ ویسے ہی ڈر رہے تھے۔ اچھا میں دروازہ کھولتی۔

پوچھ : تو مجھے کیا پتا تھا، ڈاکو کوئی وقت بتا کر آتے ہیں۔

( پوچھ کر کے )

لیلیا : پیتا جی، پیتا جی، اُمّی کھ رہی ہیں آپ کی تابعدار ٹیک نہیں ہے۔ کیا دُعا آپ کو۔

پوچھ : کچھ نہیں بچتا، یوں ہی کرا بکنا ہو رہی ہے۔

لیلیا : بکنا بکنا کچھ نہیں پیتا جی۔ آپ نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔ اُمّی کی کمزوری ہوئی۔ آئیے چلتے کھانا کھاؤں۔ اُمّی، مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ اچھا ہے جلدی ہی ختم ہوگیا۔ مجھے تو کوئی خاص اچھا بھی نہیں لگا اور آنکھیں دوسری ہی سوکھنے لگیں۔ آئیے نہ پیتا جی، آئیے چلتے۔

پوچھ : اچھا بچتا چلتا ہوں۔ مگر آج بھوک بالکل نہیں لگی۔

لیلیا : واہ، روز تو آپ کو اتنی بھوک لگتی ہے کہ آتے ہی فوراً کھا دیتے ہیں۔ آج کھا ہوگیا۔

سہی : مہرا خیال ہے لیلیا کو ساری بات پتا دینی چاہئے۔ بڑی ہونگی، کالج میں پڑھتی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اچھی بات سمجھا دے۔



پुरुہ : بھئی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ بھیتنا سوچتا ہوں پھر اٹھ بڑھتی جاتی ہے کیونکہ بیشمار بھیتنا یا کہ یہ ماملا بھیتنا سچ ہے۔ وہ بھیتنا ایسی طرح سے قائم قائم ہیں۔ مجھے تو پتا نہیں ہے کہ آج ہمارے ہاں قائم ہوگا۔

بھئی : مگر کیوں پوچھا۔ یہاں سے ڈاکوؤں کو کیا کیونگا۔

پुरुہ : میں تو یہ نہیں جانتا۔ مگر آج کی لپٹا کے کی بات بڑی نہیں ہو سکتی۔ (بھیتنا بھیتنا کر) لپٹا کی ماں، پورا میری نگاہ تو دیکھنا۔ میرا تو جی بہت بھیتنا رہا ہے۔

بھئی : بھئی تو آپ بھیتنا کیوں ہیں۔ بھیتنا سے کام چلے گا۔ لپٹا کی یہاں پلنگ پر لٹ جائیے۔ ہاں بس۔ پورا بھیتنا کو شانت کیجیے۔ میں ٹنڈا پانی لاتی ہوں۔

(دروازہ کھولنے کا شور)

پुरुہ : ہے بھیتنا۔ اب کیا ہوگا۔

(دروازہ بند ہونے کا شور)

بھئی : لپٹا کی، پانی پی لپٹا کی۔ تھکات سمجھنا جاوے گی۔

(پانی پی کر کھڑے ہونے سے)

پوروہ : لپٹا کی ماں، اب دیکھو جی میں کھڑے رہی کرنا ہوگا۔

بھئی : کیا کرنا ہوگا۔

پوروہ : پہلے تو کھیت اور بھیتنا کو یہاں سے کھیت کر دو، ان دونوں کو آج یہاں نہیں سونا چاہئے۔ آج یہ اچھا چاہا کے کھیت سو رہیں گے۔

بھئی : بھیتنا کی بات ہے۔ ابھی کھیت کر اور کھیت بدلتا کر بھیتنا دیتی ہیں۔

پوروہ : اور ہاں لپٹا سے یہ بات بالکل نہیں کہتی ہے۔ بھیتنا تو خیال ہے کہ اسے ہی کھیت اور بھیتنا کے ساتھ ہی بھیتنا چاہئے۔

بھئی : مگر وہ تو بڑی ہو گئی ہے۔ پوروہ کی کہ لپٹا بات ہے اسے تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔

پوروہ : اسے کچھ نہ کچھ بات سوچ لپٹا اس سے کہئے کے لئے۔ مگر اسے یہاں ایک پل بھی نہیں دیکھا ہے۔ اور ہاں جو کچھ کھیت کہتا ہے اسے کھیت ہی کہیں چھپا دینا چاہئے۔ بھیتنا خیال میں تو ہم کھیت کے کھیت کا بھیتنا کھیت کو اسے وہاں کھیت دیں۔ شاید ڈاکوؤں کی نظر چوک جائے۔

بھئی : اسے کھیت اور کھیت چوکی تو۔ ڈاکو کھیت بھیتنا ہی چوکی کھیت ہیں۔

پوروہ : اسے کھیت کھیت چوکی تو لپٹا چاہئے۔ ہاں کھیت ملنا کھیت نہیں کھیت چوکی چاہئے۔

پوروہ : بھئی تو میں سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ بھیتنا سوچتا ہوں کھیت بھیتنا جاتی ہے کھیت بھیتنا کھیتا تھا کہ یہ ماملا بالکل سچ ہے۔ وہ لوگ اس طرح سے قائم قائم ہیں۔ مجھے تو پتا نہیں ہے کہ آج ہمارے ہاں قائم ہوگا۔

بھئی : مگر کیوں پوچھا۔ یہاں سے ڈاکوؤں کو کیا کیونگا۔

پوروہ : میں تو یہ نہیں جانتا۔ مگر آج کی لپٹا کے کی بات بڑی نہیں ہو سکتی۔ (اور کھیت کر) لپٹا کی ماں، پورا میری نگاہ تو دیکھنا۔ میرا تو جی بہت کھیت رہا ہے۔

بھئی : بھئی تو آپ کھیت کیوں ہیں۔ کھیت سے کام چلے گا۔ لپٹا کی یہاں پلنگ پر لٹ جائیے۔ ہاں بس۔ پورا کھیت کو شانت کیجیے۔ میں کھیتا پانی لاتی ہوں۔

(دروازہ کھولنے کا شور)

پوروہ : ہے بھیتنا۔ اب کیا ہوگا۔

(دروازہ بند ہونے کا شور)

بھئی : لپٹا کی، پانی پی لپٹا کی۔ تھکات سمجھنا جاوے گی۔

(پانی پی کر کھڑے ہونے سے)

پوروہ : لپٹا کی ماں، اب دیکھو جو میں کھیت کرنا ہوگا۔

بھئی : کیا کرنا ہوگا۔

پوروہ : پہلے تو کھیت اور بھیتنا کو یہاں سے کھیت کر دو۔ ان دونوں کو آج یہاں نہیں سونا چاہئے۔ آج یہ اچھا چاہا کے کھیت سو رہیں گے۔

بھئی : بھیتنا کی بات ہے۔ ابھی کھیت کر اور کھیت بدلتا کر بھیتنا دیتی ہیں۔

پوروہ : اور ہاں لپٹا سے یہ بات بالکل نہیں کہتی ہے۔ بھیتنا تو خیال ہے کہ اسے ہی کھیت اور بھیتنا کے ساتھ ہی بھیتنا چاہئے۔

بھئی : مگر وہ تو بڑی ہو گئی ہے۔ پوروہ کی کہ لپٹا بات ہے اسے تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔

پوروہ : اسے کچھ نہ کچھ بات سوچ لپٹا اس سے کہئے کے لئے۔ مگر اسے یہاں ایک پل بھی نہیں دیکھا ہے۔ اور ہاں جو کچھ کھیت کہتا ہے اسے کھیت ہی کہیں چھپا دینا چاہئے۔ بھیتنا خیال میں تو ہم کھیت کے کھیت کا بھیتنا کھیت کو اسے وہاں کھیت دیں۔ شاید ڈاکوؤں کی نظر چوک جائے۔

بھئی : اسے کھیت اور کھیت چوکی تو۔ ڈاکو کھیت بھیتنا ہی چوکی کھیت ہیں۔

پوروہ : اسے کھیت کھیت چوکی تو لپٹا چاہئے۔ ہاں کھیت ملنا کھیت نہیں کھیت چوکی چاہئے۔



کیشور : ( کچھ اچھے سے ) پیتا جی، اس میں تو  
بڑی ماحول نہیں ہوتی۔

پुरु : ( بھرا کر ) کیا کھا، کیا کھاتے ہو کیشور۔  
بڑی ماحول نہیں ہوتی۔ لیکا کا خالی ہے۔

کیشور : ہاں پیتا جی، بالکل خالی۔

پुरु : ( بھرا ہٹ بٹ گئی ) لاؤ مجھے دیکھاؤ۔

( کارا کا فکڑ فکڑانے کا شब्द )

لیکا کا باکڑی خالی ہے۔ راجب ہو گیا۔

کشی : ( کچھ اچھے سے ) کیوں کیا ہو گیا ؟

پुरु : کچھ نہیں یوں ہی۔ تم بچوں کو کھانا کھاؤ  
کھانا، پھر میرے پاس آنا۔

کشی : کیا بات ہے۔ آپ ایک دم بھرا کیوں آئے۔

پुरु : ( بہت خوشی اور انصاف ) کچھ نہیں لہا کی  
ماں، یوں ہی کچھ طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اس  
وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

کشی : یہ ایک دم آپ کو کھا ہو گیا۔ ابھی تو آپ کھا لے  
تھا۔ آخر میں بھی تو جانوں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔  
ہو گیا کھور تم ابھی جاؤ۔ ابھی تو دیر میں کھانا لگ  
جائے گا تو یہ لونگی۔

( کوا کا بوند کرنا )

ہاں، تو بتاؤ کیا بات ہے۔

پुरु : ( بالکل ہٹا کر ) کیا بتاؤں، لیلیا کی ماں۔  
تو نے بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لیکا خالی تھا۔  
اس میں کچھ نہیں تھا۔

کشی : تو کیا دیکھا۔ بھجنے والا اس میں کچھ  
کھا ہوا تھا۔ اور میں ہی لیکا بوند کر کے ڈاک  
میں ڈال دیا ہوا۔ ایسی غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔

پुरु : نہیں لیلیا کی ماں، یہ بات نہیں ہے۔ یہ  
خالی لیکا بوند کرنے میں ملوث ہے۔ ہمدردی کل ہی بتا رہا  
تھا کہ کچھ دن ہوئے، اس نے اخبار میں پڑھا تھا کہ  
ڈاکوں نے ڈاک ڈالنے کا ایک عجیب طریقہ نکالا ہے۔ وہ  
کسی ہمسے والے کے پاس خالی چٹھی بھیج دیتے ہیں  
اور اسی دن اس کے پاس ڈاک پڑ جاتا ہے۔ اب تک ایسی  
کئی وارداتیں ہو چکی ہیں۔

کشی : مگر ہمارے گھر میں کوئی کبھی ڈاک ڈالے گا۔  
ہم کبھی ہمسے والوں میں شمار ہونے لگے۔ اے یہاں تو  
یہ حال ہے کہ پہلے کے دو دن ہمتے ہوں اور تلفواہ  
ختم۔ پھر بھی ہونگے تو سو دو سو سے زیادہ کے نہ نکلیں گے۔  
ہمارے گھر میں ڈاک ڈالنے کی کسی کو کبھی سوجھ  
سکتی ہے۔

کشی : ( کچھ اچھے سے ) پیتا جی، اس میں تو  
کچھ معلوم نہیں ہوتی۔

پرش : ( کھرا کر ) کیا کھا، کیا کھاتے ہو کیشور۔  
معلوم نہیں ہوتی۔ لیکا خالی ہے۔

کشی : ہاں، پیتا جی، بالکل خالی۔

پرش : ( کھراحت ہو کر گئی ) لاؤ مجھے دیکھاؤ۔

( کھڑ پھوٹنے کا شब्द )

لیکا واقعی خالی ہے۔ غصہ ہو گیا۔

استری : ( کچھ اچھے سے ) کہیں کیا ہو گیا ؟

پرش : کچھ نہیں یوں ہی۔ تم بچوں کو کھانا کھاؤ  
پھر میرے پاس آنا۔

استری : کیا بات ہے۔ آپ ایک دم کھرا کیوں آئے۔

پرش : ( بہت خوشی اور انصاف ) کچھ نہیں لہا کی  
ماں، یوں ہی کچھ طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اس  
وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

استری : یہ ایک دم آپ کو کھا ہو گیا۔ ابھی تو آپ کھا لے  
تھا۔ آخر میں بھی تو جانوں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔  
ہو گیا کھور تم ابھی جاؤ۔ ابھی تو دیر میں کھانا لگ  
جائے گا تو یہ لونگی۔

( کوا کا بوند کرنا )

ہاں، تو بتاؤ کیا بات ہے۔

پرش : ( بالکل ہٹا کر ) کیا بتاؤں، لیلیا کی ماں۔  
تو نے بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لیکا خالی تھا۔  
اس میں کچھ نہیں تھا۔

استری : تو کیا دیکھا۔ بھجنے والا اس میں کچھ  
کھا ہوا تھا۔ اور میں ہی لیکا بوند کر کے ڈاک  
میں ڈال دیا ہوا۔ ایسی غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔

پرش : نہیں لیلیا کی ماں، یہ بات نہیں ہے۔ یہ  
خالی لیکا بوند کرنے میں ملوث ہے۔ ہمدردی کل ہی بتا رہا  
تھا کہ کچھ دن ہوئے، اس نے اخبار میں پڑھا تھا کہ  
ڈاکوں نے ڈاک ڈالنے کا ایک عجیب طریقہ نکالا ہے۔ وہ  
کسی ہمسے والے کے پاس خالی چٹھی بھیج دیتے ہیں  
اور اسی دن اس کے پاس ڈاک پڑ جاتا ہے۔ اب تک ایسی  
کئی وارداتیں ہو چکی ہیں۔

استری : مگر ہمارے گھر میں کوئی کبھی ڈاک ڈالے گا۔  
ہم کبھی ہمسے والوں میں شمار ہونے لگے۔ اے یہاں تو  
یہ حال ہے کہ پہلے کے دو دن ہمتے ہوں اور تلفواہ  
ختم۔ پھر بھی ہونگے تو سو دو سو سے زیادہ کے نہ نکلیں گے۔  
ہمارے گھر میں ڈاک ڈالنے کی کسی کو کبھی سوجھ  
سکتی ہے۔



## خالی لفظ

( یہ ریڈیائی قراءت 31 جولائی 1952 کو الہ آباد ریڈیو اسٹیشن سے پوسات مچکا ہے )

پاک

پوش	40 برس
سُتری	35 "
لیلا	16 "
کشور	10 "

( دروازے پر دستک دو بار )

پوش : ارے بھئی دروازہ کھلو ۔

سُتری : ( دُور سے ) ابھی आई ( دروازہ کھلنے کا شब्द ) آج ابھی دُور ہو गई ?

پوش : हां जरा, काम हो गया था. क्यों लीला कहाँ है ?

सुत्री : वह तो कालिज गई है.

पुश्च : कालिज ? रात में कालिज कैसा ?

सुत्री : कहती थी अमरीका का कोई जादूगर आया है, तमसो विभाषगा.

पुश्च : कब तक लौटने को कह गई है ?

सुत्री : यही ग्यारह बारह तक आने को कह गई है.

पुश्च : ( कुछ रुक कर ) अच्छा ! तब खाने के लिये उस का इन्तजार करना तो किष्कल है. किशोर और बिमल कहाँ हैं.

सुत्री : वह तो यहीं हैं. तो खाना लगाऊँ.

पुश्च : हाँ हाँ लगाओ, मैं जरा कपड़े उतार लूँ.

( पिता को आया सुन भाग कर आन कर )

किशोर : पिता जी, पिता जी.

पुश्च : क्यों ! क्या है किशोर !

किशोर : पिता जी, आपकी एक बिट्टी आई है !

पुश्च : ( अच्छे से ) मेरी बिट्टी.

किशोर : हाँ पिता जी, आपकी.

पुश्च : भई मेरी बिट्टी कहाँ से आ सकती है. मैंने किसी को कोई खत नहीं लिखा. मेरे दोस्त भी कोई ऐसे नहीं हैं जो मुझे बिट्टियाँ लिखते हों. फिर यह बिट्टी कैसी !

सुत्री : अरे, तो आप खोज कर देख क्यों नहीं लेते कि किस की बिट्टी है.

पुश्च : हाँ, खाना तो बिट्टी किशोर.

किशोर : लीजिये पिता जी, यह है बिट्टी. लाइप में लिख है.

( लिफाफे काटने का शब्द फिर कुछ देर खोलने का शब्द जैसे लिफाफे में बिट्टी खोज

यह हो और वह मिल न रही हो )

पुश्च : किशोरी जी, बिट्टी अच्छी लिखाई.

## खالی لفظ

( یہ ریڈیائی قراءت 31 جولائی 1952 کو الہ آباد ریڈیو اسٹیشن سے پوسات مچکا ہے )

پاک

پوش	40 برس
سُتری	35 "
لیلا	16 "
کشور	10 "

( دروازے پر دستک دو بار )

پوش : ارے بھئی دروازہ کھلو ۔

سُتری : ( دُور سے ) ابھی आई ( دروازہ کھلنے کا شब्द ) آج ابھی دُور ہو گئی ?

پوش : हां जरा काम हो गया था. क्यों लीला कहाँ है ?

सुत्री : वह तो कालिज गई है.

पुश्च : कालिज ? रात में कालिज कैसा ?

सुत्री : कहती थी अमरीका का कोई जादूगर आया है, तमसो विभाषगा.

पुश्च : कब तक लौटने को कह गई है ?

सुत्री : यही ग्यारह बारह तक आने को कह गई है.

पुश्च : ( कुछ रुक कर ) अच्छा ! तब खाने के लिये उस का इन्तजार करना तो किष्कल है. किशोर और बिमल कहाँ हैं.

सुत्री : वह तो यहीं हैं. तो खाना लगाऊँ.

पुश्च : हाँ हाँ लगाओ, मैं जरा कपड़े उतार लूँ.

( पिता को आया सुन भाग कर आन कर )

किशोर : पिता जी, पिता जी.

पुश्च : क्यों ! क्या है किशोर !

किशोर : पिता जी, आपकी एक बिट्टी आई है !

पुश्च : ( अच्छे से ) मेरी बिट्टी.

किशोर : हाँ पिता जी, आपकी.

पुश्च : भई मेरी बिट्टी कहाँ से आ सकती है. मैंने किसी को कोई खत नहीं लिखा. मेरे दोस्त भी कोई ऐसे नहीं हैं जो मुझे बिट्टियाँ लिखते हों. फिर यह बिट्टी कैसी !

सुत्री : अरे, तो आप खोज कर देख क्यों नहीं लेते कि किस की बिट्टी है.

पुश्च : हाँ, खाना तो बिट्टी किशोर.

किशोर : लीजिये पिता जी, यह है बिट्टी. लाइप में लिख है.

( लिफाफे काटने का शब्द फिर कुछ देर खोलने का शब्द

जैसे लिफाफे में बिट्टी खोज रहा हो और

यह हो और वह मिल न रही हो )

पुश्च : किशोरी जी, बिट्टी अच्छी लिखाई.



اندر کہنے کے لیے کہتی ہیں، وہ عقیقہ یعنی پیرم میں لپکتی ہیں اور پیرم ہی جلتا ہے۔

ہندو دھرم میں جن تین گلیں کو سب سے آند اور جنت نام دیا گیا ہے انہیں تو اسلام میں وجود، شہد اور علم کہا گیا ہے۔ سب سے آند اور جنت تینوں جنتوں میں جا ملتی ہیں۔ اسلام میں جنتوں کو نور کہا گیا ہے۔ وہی 'پیرم جنتی' یا 'نور قہر' ہی ہے۔ اسی نور سے سارا جہاں روشن ہے۔ جنتی نور دھرم میں ان تینوں کا نام شلک، چھ اور جی ہے۔ یہی برہما، شہو اور وشو ہیں۔ یہی لٹالک، الرزاق اور العلم ہیں۔ اسی طرح یہودی، عیسائی، بودھ اور پارسی دھرموں میں بھی ان کے الگ الگ نام ہیں۔ ان کے علاوہ ہندو دھرم میں وشو کے ہزار نام ہیں۔ قرآن میں اللہ کے سو بڑے نام گنائے گئے ہیں۔ اسی طرح اور دھرموں میں۔

ناموں سے بڑھ کر جن رُپوں میں وہ بے نام اور بے رُپ اپنے کو ظاہر کرتا ہے وہ بھی अनन्त और बेशुमार हैं۔ ऊपर कहा जा चुका है कि पञ्चवी हुई रूहें भी अवतारों, मसीहों और रसूलों के रूप में सब प्राणियों के भले के लिये जन्म लेती रहती हैं۔

महाभारत में कृष्ण ने कहा है :-

दास्यम् पेश्वर्यं वादेन ज्ञातीनाम् तु करोमि-अहम् यानी-सब का ईश्वर होते हुए भी मैं सब प्राणियों के लिये दास यानी गुलाम का काम करता हूँ।

वही बात सूफी ने इन शब्दों में कही है :-

“कसे मर्वे तमाम अस्त अज्र तमामी  
कुन्द، वा स्वा जगी कारे गुलामी”

यानी-जो सर्वे कामिल है वह अपने कामिल होने ही की वजह से सब का मालिक होते हुए सब की गुलामी यानी खिदमत करता है।

मोहम्मद साहब की एक हदीस है :-

“سچھو لکرم کلامی خادیم کرم”

यानी - जो क़ौम का लीडर है वही क़ौम का सब से बड़ा ख़ादیم है। सूफी ने कहा है :-

“आं कि खिदमत कर्दक मखदूम शुद  
आं कि खुदरा दीवऊ महकूम शुद”

यानी-जिस किसी ने खिदमत यानी सेवा की वह मखदूम यानी मालिक बन गया। और जिसने केवल अपनी तरफ देखा वह अलग उठा कर फेंक दिया गया।

इंजील में लिखा है :-

“तुम में जो सब से बड़ा है वही तुम्हारा सेवक होगा。”

सोच समझ कर सब से अच्छा सेवक वही बन सकता है जो सब से थोड़ा आजाद हो, और यह वही हो सकता है जिसने पूरी तरह इस बात को देख लिया, जान लिया और समझ लिया हो कि एक ही आत्मा हम सब के अन्दर काम कर रही है। वही सब मजहबों के अन्दर खिदगी का वास्तविक कारण है। वही ईश्वर अल्लाह को माना है।

اندر آں رُپ کو لپکتی ہیں، وہ عقیقہ یعنی پیرم میں لپکتی ہیں اور پیرم ہی جلتا ہے۔

ہندو دھرم میں جن تین گلیں کو سب سے آند اور جنت نام دیا گیا ہے انہیں تو اسلام میں وجود، شہد اور علم کہا گیا ہے۔ سب سے آند اور جنت تینوں جنتوں میں جا ملتی ہیں۔ اسلام میں جنتوں کو نور کہا گیا ہے۔ وہی 'پیرم جنتی' یا 'نور قہر' ہی ہے۔ اسی نور سے سارا جہاں روشن ہے۔ جنتی نور دھرم میں ان تینوں کا نام شلک، چھ اور جی ہے۔ یہی برہما، شہو اور وشو ہیں۔ یہی لٹالک، الرزاق اور العلم ہیں۔ اسی طرح یہودی، عیسائی، بودھ اور پارسی دھرموں میں بھی ان کے الگ الگ نام ہیں۔ ان کے علاوہ ہندو دھرم میں وشو کے ہزار نام ہیں۔ قرآن میں اللہ کے سو بڑے نام گنائے گئے ہیں۔ اسی طرح اور دھرموں میں۔

مہا بھارت میں روشن لے لیا ہے :-  
داسم ایشوریہ، واندین گھائی نام تو گرو مہم  
یعنی-سب کا ایشور ہوتے ہوئے وہی میں سب  
پرالوں کے لئے داس یعنی غلام کا کام کرتا ہوں۔

یہی بات صوفی نے ان شہدوں میں کہی ہے :-

“کسے مرد تمام است از نامی  
کند با خواجگی کار غلامی”

یعنی-جو مرد کامل ہے وہ اپنے کامل ہونے ہی کی وجہ سے سب کا مالک ہوتے ہوئے سب کی غلامی یعنی خدمت کرتا ہے۔

مصدق صاحب کی ایک حدیث ہے :-  
“سجد النعم خادیم ہم”

یعنی-جو قوم کا لیڈر ہے وہی ہے قوم کا سب سے بڑا خادیم ہے۔

صوفی نے کہا ہے :-  
“آں کہ خدمت کرد او مستدوم شد  
آں کہ خدا را دید او مستدوم شد”

یعنی-جس کسی نے خدمت یعنی سہوا کی وہ مستدوم یعنی مانگ بن گیا۔ اور جس نے ٹھول اپنی طرف دیکھا وہ ایک آٹھا کر پھٹک دیا گیا۔

انجیل میں لکھا ہے :-  
“تم میں جو سب سے بڑا ہے وہی تمہارا سہوک ہوگا۔”

سچ سمجھ کر سب سے اچھا سہوک وہی بن سکتا ہے جو سب سے زیادہ آزاد ہو، اور یہ وہی ہو سکتا ہے جس نے پوری طرح اس بات کو دیکھ لیا، جان لیا اور سمجھ لیا ہو کہ ایک ہی آتما ہم سب کے اندر ہم کو رہی ہے۔ یہی سب مستدوموں کے اندر زندگی کا آئینہ مقصد ہے۔ یہی ایشور اللہ کو مانا ہے۔



سُچی کہتا ہے :-

"جو دنیا سے بدویش نہیں ہے وہ اس جہی کے راز کو نہیں جان سکتا۔ سوئے بے زبان کان کے اور کوئی زبان کی بات نہیں سن سکتا۔ جو جاگ رہا ہے وہ اصلیت میں خواب کی حالت میں ہے، اُس کا چالدا اُس کے سولے سے بدتر ہے، اور جو اس دنیا کی طرف سے سوچا ہوا ہے وہی اصل میں جالغا ہے۔ اُس کی عقلیت ہی میں ہوشیاری ہے۔"

ایک اور سُچی نے کہا ہے :-

"ابیاں دیتا کہ ہر شے میں نیہا ہے۔"

نیہا دیتا کہ ہر شے میں ابیاں ہیں۔"

یابی—وہ اصل حقیقت اس قدر کہلی ہے کہ ہر چیز کے اندر چھپی ہوئی ہے، اور اُنکی چھپی ہوئی ہے کہ ہر چیز کے اندر سے چمک رہی ہے۔

ہر جوجی کے دل میں بار بار سوالوں اور شکوں کا پودا ہونا قدرتی اور لازمی ہے، چاہے وہ کسی بھی دھرم کا ماننے والا کہوں نہ ہو۔ یہ سوال اور شک اُسے فکر، دھیان اور معنی سے ہی حل ہوسکتے ہیں۔

ایک پرانی چھلی کہاوت ہے :-

"دل میں اُمید لگے سفر کرنا منزل پر پہنچ جانے سے کہیں اچھا ہے۔"

شعاع سعدی نے 'ماستھان' میں کہا ہے :-

"جو جہان میں ہمیشہ ہو جگہ ظاہر ہو رہا ہے، وہ مہربی آنکھوں میں نہیں سماتا! جس کی کہیں کوئی جگہ نہیں ہے، وہ ہر وقت ہر جگہ مہجور ہے! جگہ موجود ہے! اندر اور باہر! آگے اور پیچھے! دائیں اور بائیں! نیچے اور اوپر! وہ دونوں کے لباس میں نہیں سماتا، چونکہ وہ اپنی یکسانی کے لئے مشہور ہے۔ رات کو ایک کپڑے والے نے دونوں پہنے، دل سے اور ہم میں ہو کر مجھ سے کہا—اے آدمی! دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوال نہ کرنا، اور کچھ نہ دیکھ، یہ جان لے کہ جو کچھ تو دیکھتا ہے سب اُس پریم کا ظہور ہے!"

اس سوال کا جواب بھی کہ جو ہی ہوتا ہے اُس میں اچھا کہیں اور کچھ پودا ہوئی اور 'احد' 'برہم' سے 'خالق' 'برہما' کہہ بن گیا، اچھے اندر میں سوچنے سے ہی مل سکتا ہے۔ اُنہندوں میں ایسے اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف صاحب کی ایک حدیث ہے :-

"اے نفس مطمئن! یعنی اے وہ روح جسے اللہ میں اطمینان حاصل ہوچکا ہے! اچھے رب کی طرف مولا، وہ تجھ سے خفیہ اور تم اُس سے خفیہ۔ ہر اللہ کے اُن بندوں میں چاہے کچھ نہ ہو، چاہے کچھ نہ ہو! جو وہیں سب کے اندر موجود اُس اللہ کو نہیں دیکھتے، وہ ایک نور سے بے روشی ہوگئی ہیں، اور جو وہیں ایک نور سے

سُچی کہتا ہے :-

"جو دنیا سے بدویش نہیں ہے وہ اس جہی کے راز کو نہیں جان سکتا۔ سوئے بے زبان کان کے اور کوئی زبان کی بات نہیں سن سکتا۔ جو جاگ رہا ہے وہ اصلیت میں خواب کی حالت میں ہے، اُس کا چالدا اُس کے سولے سے بدتر ہے، اور جو اس دنیا کی طرف سے سوچا ہوا ہے وہی اصل میں جالغا ہے۔ اُس کی عقلیت ہی میں ہوشیاری ہے۔"

ایک اور سُچی نے کہا ہے :-

"ابیاں دیتا کہ ہر شے میں نیہا ہے۔"

نیہا دیتا کہ ہر شے میں ابیاں ہیں۔"

یابی—وہ اصل حقیقت اس قدر کہلی ہے کہ ہر چیز کے اندر چھپی ہوئی ہے، اور اُنکی چھپی ہوئی ہے کہ ہر چیز کے اندر سے چمک رہی ہے۔

ہر جوجی کے دل میں بار بار سوالوں اور شکوں کا پودا ہونا قدرتی اور لازمی ہے، چاہے وہ کسی بھی دھرم کا ماننے والا کہوں نہ ہو۔ یہ سوال اور شک اُسے فکر، دھیان اور معنی سے ہی حل ہوسکتے ہیں۔

ایک پرانی چھلی کہاوت ہے :-

"دل میں اُمید لگے سفر کرنا منزل پر پہنچ جانے سے کہیں اچھا ہے۔"

شعاع سعدی نے 'ماستھان' میں کہا ہے :-

"جو جہان میں ہمیشہ ہو جگہ ظاہر ہو رہا ہے، وہ مہربی آنکھوں میں نہیں سماتا! جس کی کہیں کوئی جگہ نہیں ہے، وہ ہر وقت ہر جگہ مہجور ہے! جگہ موجود ہے! اندر اور باہر! آگے اور پیچھے! دائیں اور بائیں! نیچے اور اوپر! وہ دونوں کے لباس میں نہیں سماتا، چونکہ وہ اپنی یکسانی کے لئے مشہور ہے۔ رات کو ایک کپڑے والے نے دونوں پہنے، دل سے اور ہم میں ہو کر مجھ سے کہا—اے آدمی! دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوال نہ کرنا، اور کچھ نہ دیکھ، یہ جان لے کہ جو کچھ تو دیکھتا ہے سب اُس پریم کا ظہور ہے!"

اس سوال کا جواب بھی کہ جو ہی ہوتا ہے اُس میں اچھا کہیں اور کچھ پودا ہوئی اور 'احد' 'برہم' سے 'خالق' 'برہما' کہہ بن گیا، اچھے اندر میں سوچنے سے ہی مل سکتا ہے۔ اُنہندوں میں ایسے اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف صاحب کی ایک حدیث ہے :-

"اے نفس مطمئن! یعنی اے وہ روح جسے اللہ میں اطمینان حاصل ہوچکا ہے! اچھے رب کی طرف مولا، وہ تجھ سے خفیہ اور تم اُس سے خفیہ۔ ہر اللہ کے اُن بندوں میں چاہے کچھ نہ ہو، چاہے کچھ نہ ہو! جو وہیں سب کے اندر موجود اُس اللہ کو نہیں دیکھتے، وہ ایک نور سے بے روشی ہوگئی ہیں، اور جو وہیں ایک نور سے







وہر میں لکھا ہے :-

”اللہ! اے سونہ! یعنی انسانیت ہے۔ وہ سب پرانوں اور سب کتبوں سے آلود ہے۔ جب یہ چھوڑیں ہفت جاتی ہوں تو نہ کوئی گن رہ جاتا ہے نہ کوئی روپ: اُسے کھول ”یہ بھی نہیں“ ”یہ بھی نہیں“ کہ کر ہی بیان کیا جا سکتا ہے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اللہ کیا ہے۔ ہم کھول یہ بتا سکتے ہوں کہ وہ کیا نہیں ہے۔ دنیا اسی سے نکلی ہے۔ اس نے لئے اس انسان میں کچھ گن یا صفات بھی آ گئیں۔ گن یا صفات کوئی انسان نہیں ہوسکتوں۔ اُن کا اصل وجود کچھ نہیں۔ اُسی سے دنیا میں اندھیرا آرد برائی پیدا ہوئے۔ یہ وہ پردے ہوں جو سچائی کو ڈھکے رکھتے ہوں۔ دنیا میں جو کچھ برائی ہے وہ دھوکہ یعنی مایا ہے، فریب ہے، پر کچھ نہیں۔ آدمی کا فرض ہے کہ اُس انسان نے ساتھ پورے ملبے کی کوشش کرے۔ انسان کو چھوڑ کر آدمی کا سجدوں یعنی استغاثہ چھڑوں کی طرف جانا ہی برائی ہے۔ اسلمت کی کھوج میں چل کر ہی آدمی اسلمت تک پہنچ سکتا ہے۔ وہی اُس کا گھر ہے، وہی اُس کی اصل ہے۔“

اوپر جو ایرانی بھاشا کا شہد "ان سوف" آیا ہے وہ  
 شاید عربی "ہین سوف" یا "ہین صاف" ہوگا جائے تو  
 اُس کے معنی وہی ہوں گے جو فلسکرت میں "ہدہ  
 چہنلہ" کے ہیں۔

مصر میں ایک ٹھکانہ مشہور ہے جس کا مطلب ہے:—  
 ”میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں جو  
 کچھ بھی خفاہل آ سکتا ہے اللہ وہ نہیں ہے۔“

دنیا کے پریمی راہ دکھائے والے ہمیں یہی بتاتے ہیں کہ ہرائی کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ دنیا کے دنہ درد سب پہلے کی طرح اُٹے جاتے ہیں۔ دھوڑے دھوڑے کھوجی اُنسا کو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ہرائی اور دنہ کوئی چوڑ نہیں اُسی طرح دنسا کی پہلائی اور سکھ بھی کوئی چوڑ نہیں۔ یہاں کی پہلائی کبول یہاں کی ہرائی کے مقابلے میں وجود دھکتی ہے۔ ایسے ہی یہاں کے سکھ کبول یہاں کے دنکوں کے مقابلے میں اپنا وجود دھکتے ہیں۔ سلسلہ کی اس لپٹ میں کھوجی کا فرض پہلائی کی طرف دھکا ہے۔ پر اُنٹ میں اُس اُنٹ سے ملنے کا سکھ کچھ اور ہی ہے۔ وہ اُن سب سکھ دنکوں سے اوپر ہے۔ وہاں نہ ہرالی دھکتی ہے اور نہ پہلائی۔ جلدی پا دیر میں سب کو اُس واسطے پر چلنا ہے۔ وہی پرماتند ہے۔

انصہول میں لکھا ہے :-

”وہ اٹھ اٹھا۔ اُس کا کوئی دوسرا نہیں۔ اُس کے نہ  
 دیر پہلے نہ نہ بھائی۔“

بہائی بھائی ہے۔ بھائی بھائی ہے۔ سمجھو سمجھو ہے۔  
 نا سمجھوں نا سمجھوں ہے۔ تو یہ سب ایک ہی بات  
 ہے۔ دیکھو۔ میں تو اپنا یہ جو ہے۔ خدا کا بھائی۔ بھائی لکھو



जो सब के अन्दर एक ही आत्मा को  
देखे वही दुनिया का सच्चा खादिम हो  
सकता है

( डाक्टर भगवानदास )

ईश्वर अस्ताह के नपदीक पडुचने के भी बहुत से बरजे हैं. योग और वेदान्त में इन बरजों को सालोक्य, सामीप्य, सारूप्य, सायुज्य, आवेश, कलावतार, बंधावतार और पूर्णावतार, कहा गया है. तसबुक्त में इन्हें ब्रह्म, जगन्नाथ, वस्तु, कुरवे, कुरावण, कुरवे, नवाफिल, बुरुष, हुल्ल और मजहरे अतम्म नामों से पुकारा गया है. यही कमात यानी पूर्णता की सीढ़ियां हैं. यह की इस चढ़ाई को संस्कृत में 'आरोह' और अरबी में 'उरुज' कहते हैं. इसके तीन खास बरजे हैं. पहला बरजा 'बैत' यानी 'ईजादिया' है. दूसरा 'बिशिष्टा बैत' यानी 'शुद्ध दिया' है. तीसरा 'अबैत' यानी 'बजूदिया' है. पहला सबसे कम समय वाले लोगों के लिये है. दूसरा विद्वानों और साहसवानों के लिये. तीसरा आरिफों यानी ज्ञानियों के लिये. हिन्दू किलासफ़ी में इन्हें आरम्भवाद, परिणामवाद और विवर्तवाद भी कहा गया है. सूफी इन तीनों हालतों को 'हमा अज ऊस्त', 'हमा-बाऊस्त' और 'हमाऊस्त' कह कर भी बाहिर करते हैं.

यही बात इंगीज़ में दूसरी तरह लिखी है :—

"सब चीज़ें उसी से निकली हैं, उसी से हैं, उसी में हैं."

यह तीनों बातें एक दूसरे के खिलाफ नहीं हैं. बल्कि एक दूसरे को काटने को यह एक दूसरे को पूरा करती हैं. कामिल होकर ही इनसान महसूस करता है कि सच्ची सिद्धमते खलक यानी दुनिया की सेवा, सच्चा इरक यानी प्रेम, और सच्ची मारफ़न यानी ज्ञान तीनों एक हैं.

तब समझ में आता है कि वह जाते लासिफ़ात, वह निर्जननिरविरोध, वह रायबउल रायूब यानी परम अव्यक्त केवल 'नेति नेति' (यह भी नहीं, यह भी नहीं) कह कर यानी केवल 'तनवीह' से ही बयान किया जा सकता है. उसकी कोई तनवीह नहीं, उसकी कोई मिसाल नहीं. नाम रूप का यहाँ कोई काम नहीं.

कौह और जैन धर्म दोनों इस बात पर जोर देते हैं कि उस अस्तम हकीकत की कोई शब्द बयान नहीं कर सकते. उसे 'यह भी नहीं' 'यह भी नहीं' कह कर ही बताया जा सकता है. सच्ची ज्ञानियों ने भी यही कहा है. बहुतों किलास

جو سب کے اندر ایک ہی آتما کو  
دیکھے وہی دنیا کا سچا خادم  
ہو سکتا ہے

( ڈاکٹر بھگوان दास )

ایشور اللہ کے نزدیک پہونچنے کے بھی بہت سے درجہ ہیں. ہوگ اور وحدانیت میں ان درجوں کو سالوکہ، ساموہہ، ساروہہ، سایوہہ، آروہی، کلانار، انھاوتار اور ہوناوتار کہا گیا ہے. تصوف میں انہوں کو 'جدہ' و 'صل'، 'قرب لرائس'، 'قرب لرائل'، 'بروز'، 'حلول' اور 'مظہار' ناموں سے پکارا گیا ہے. یہی کمال یعنی پہونچنے کی سہولتیں ہیں. روح کی اس چوہائی کو سادسکوت میں 'روح' اور عربی میں 'مروج' کہتے ہیں. اس کے تین خاص درجہ ہیں. پہا درجہ 'دوبیت' یعنی 'ایحادی' ہے. دوسرا 'وہشتا دولت' یعنی 'شہودی' ہے. تیسرا 'الدوبیت' یعنی 'وجودی' ہے. پہا سب سے کم سمجھ والے لوگوں کے لئے ہے. دوسرا دشوائیں اور سائنسدانوں کے لئے. تیسرا عارفوں یعنی گھانہوں کے لئے. ہندو فلسفی میں انہیں 'آرمہ وار'، 'پرو نام واد' اور 'دورت واد' بھی کہا گیا ہے. صوفی ان گھانہوں حالتوں کو 'ہمہ از اوست'، 'ہمہ بالوست' اور 'ہمہ اوست' کہہ بھی ظاہر کرتے ہیں.

یہی بات انجیل میں دوسری طرح لکھی ہے :—  
"سب چھوٹے اسی سے نکلی ہیں، اسی سے ہیں، اسی میں ہیں."

یہ تینوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں. بچائے ایک دوسرے کو کائل کو یہ ایک دوسرے کو پورا کرتی ہیں. کائل ہو کر ہی انسان مستحسن کرتا ہے کہ سچی خدمت خلق یعنی دنیا کی سہوا، سچا عشق یعنی پریم اور سچی معرفت یعنی گھان تینوں ایک ہیں.

تب سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ذات 'اصدات' وہ نولچیں نوروحیں وہ قالب القلوب یعنی پریم اوریکت کہول 'نہتی نہتی' (یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں) کہہ کر یعنی کہول 'للفصح' سے ہی بیان کیا جا سکتا ہے. اس کی کوئی شہید نہیں. اس کی کوئی مثال نہیں. نام ورنہ وہاں کوئی کام نہیں.

بودھ اور جین دھرم دونوں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس اصل حقیقت کو کوئی شہید بیان نہیں کر سکتا. اُسے 'یہ بھی نہیں' 'یہ بھی نہیں' کہہ کر ہی بتایا جا سکتا ہے. یہی گھانہوں نے بھی بھی کہا ہے. یہی کتب



پروٹھاں ہاتھ نگو پاؤں گونجناک بال بھی سر کے  
کھا اُس نے نہایت عجز سے لکھوں کو تم کو

کی بگاڑتو تو ہو پیرتیا کے اس مہمان خانے میں  
توہنے کھا، بیکتی کھا ہے راریوں پر کمانے میں

توہنے تو بھوگ دینوں بکلت مل جاتا ہے بے کھنگے  
توہنے کھا، بھوک کے مارے کھاں کس کس طرح بھگے

یہاں تو کو تو دیکھت گود میں چھوڑا جھلانی ہے  
پتہ آئی کا بھی ہے کچھ جس سے لکھد آنکھوں چراتی ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

سنا ہے آج ہندستان کا ہے جشن آزادی  
دچی ہے ملد کے عہد کدے میں ہر طرف شادی

یہ آزادی مگر دکھوں کی آزادی نہیں مرکز  
امہروں کی ہے 'مؤدروں کی یہ شادی نہیں مرکز

یقیناً ہم اسی دن جشن آزادی ملا لکھیں  
کہ جس دن لکھد 'برو' ہے لکھوں بھگون چھوڑا لکھ

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

یہاں تو کو تو سچ ہے مضمحل کا بستر ہے  
کچھ اُن کی بھی ہے سند گودز بھی جن کو نا مہسر ہے

لکھل = ہارمینوا، پھولترب = رنارلیاں، پرستار  
= پوجاری، ہمارت = اجمیری، پھارر = دھارن، گونجناک =  
کھلنے لپ، ہکھ = نکتا، نامیہسسر = م مکتنا،  
ہمارت کھا = سون کا پتہ،

خجل = گزملدہ، مہس و طرب = رنگولہاں، پرستار  
= پوجاری، ہمارت = اجمیری، زیارت = دھارن، لکھلک =  
لکھلک، ہمارت = گزملدہ، نامیہسسر = نہ مکتنا، ہمارت کھا =  
سون کا پتہ



# نیا ہند

جلد 14

اپریل، سن '53

نمبر 4

نمبر 4

اپریل، سن '53

جلد 14

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھیلے گا گھر گھر لیتے پریم کی مہولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پھیلے گا گھر گھر لیتے پریم کی مہولی۔

## بیرلا مندر

'ناچوک' ہلاہلاواہی

نہ دھلی میں بیرلا کا جو آلیشان مندر ہے  
وہ جنت ہی نہیں ہے بلکہ جنت سے بھی بڑھ کر ہے  
خجمل ہے آسمان پر اندر کی امراوتی اس سے  
اگر چاہیں تو شہنشاہ مانگ لیں کلمہ پتی اس سے  
یہاں مہوش و طرب کا شور ہے دولت کی مستی ہے  
چندر دیکھو ادھر آکھیں سے مستی پرستی ہے  
یہاں بس لکشمی ہی کے پرستاروں کا دنگل ہے  
یہاں کلہاں ہے نروان ہے مکتی ہے ملکل ہے  
اگرچہ یہ جھٹکا جائگا چاندو امارت کا  
مگر آخر تو مندر ہے ذریعہ ہے عبادت کا  
یہاں ہر دیوتا کا ایک تھا مہمان خانہ ہے  
یہاں کے تھاک سب شاہی مہوں شاہی کارخانہ ہے  
پجاری تک یہاں کا چہن کی ہنسی بجاتا ہے  
کہ جو بہکوان سے پہلے ہی مہوں بہوک پاتا ہے  
یہاں بہکتوں کو درشن پریم سے بہکوان دیتے مہوں  
آپاسک کو اچل بہکتی وہ اپنی دان دیتے مہوں  
زہارت کو ہزاروں آدمی مندر مہوں آتے مہوں  
یہاں آتے ہی سب دنیا کے دکھ سکھ بھول جاتے مہوں  
اچانک ایک دن رنج و مشقت کا تھکا ہارا  
کہیں سے آٹھا مندر مہوں اک موزور بہکا ہارا

## بیرلا مندر

('ناچوک' الہ آبادی)

نئی دلی میں ہیرا کا جو عالی شان مندر ہے  
وہ جنت ہی نہیں ہے بلکہ جنت سے بھی بڑھ کر ہے  
خجمل ہے آسمان پر اندر کی امراوتی اس سے  
اگر چاہیں تو شہنشاہ مانگ لیں کلمہ پتی اس سے  
یہاں مہوش و طرب کا شور ہے دولت کی مستی ہے  
چندر دیکھو ادھر آکھیں سے مستی پرستی ہے  
یہاں بس لکشمی ہی کے پرستاروں کا دنگل ہے  
یہاں کلہاں ہے نروان ہے مکتی ہے ملکل ہے  
اگرچہ یہ جھٹکا جائگا چاندو امارت کا  
مگر آخر تو مندر ہے ذریعہ ہے عبادت کا  
یہاں ہر دیوتا کا ایک تھا مہمان خانہ ہے  
یہاں کے تھاک سب شاہی مہوں شاہی کارخانہ ہے  
پجاری تک یہاں کا چہن کی ہنسی بجاتا ہے  
کہ جو بہکوان سے پہلے ہی مہوں بہوک پاتا ہے  
یہاں بہکتوں کو درشن پریم سے بہکوان دیتے مہوں  
آپاسک کو اچل بہکتی وہ اپنی دان دیتے مہوں  
زہارت کو ہزاروں آدمی مندر مہوں آتے مہوں  
یہاں آتے ہی سب دنیا کے دکھ سکھ بھول جاتے مہوں  
اچانک ایک دن رنج و مشقت کا تھکا ہارا  
کہیں سے آٹھا مندر مہوں اک موزور بہکا ہارا



”نیا ہند“

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

اپریل 1953

”نیا ہند“

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

کتاب سے

صفحہ نمبر

کتاب سے

1. بیرلا مندر (کلیتا) — ’ناجک‘ ایلانادی 149
2. جو سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھ رہی دنیا کا سچا خادم ہو سکتا ہے — ڈاکٹر بھگوان داس 151
3. خالی ’لکاکا‘ (ریڈیائی ڈراما) — بھگوان دین 156
4. ہندوستانی شریا کا پانچواں آسان : آسان لکاکا سے نپے شبد — ڈاکٹر جعفر حسن 161
5. روم کا راج جنات کے ہلے کا راج ہے — ڈاکٹر جے. سی. کمارپا 165
6. ناگا جیون کی ایک کلک — بھگوان دین 169
7. نپے شبد کو سٹوواکیا میں لیتی باری کی ترکزی — اترہر پرکاش 178
8. نپے چین میں کارخانے — مونیب ریجیوی 182
9. ہمارے جیلا بورڈ کے اڈیاپکوں کا سوال — سوریش رامپائی 190
10. پرکاش کی ڈاڑھی 196
11. بچوں کی دنیا 203
12. کچھ کتابیں 204
13. ہماری راج 206

1. بیرلا مندر (کلیتا) — ’ناجک‘ ایلانادی ...
2. جو سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھ رہی دنیا کا سچا خادم ہو سکتا ہے — ڈاکٹر بھگوان داس ...
3. خالی لکاکا (ریڈیائی ڈراما) — بھگوان دین ...
4. ہندوستانی شریا کا پانچواں آسان : آسان لکاکا سے نپے شبد — ڈاکٹر جعفر حسن ...
5. روم کا راج جنات کے ہلے کا راج ہے — ڈاکٹر جے. سی. کمارپا ...
6. ناگا جیون کی ایک کلک — بھگوان دین ...
7. نپے شبد کو سٹوواکیا میں لیتی باری کی ترکزی — اترہر پرکاش ...
8. نپے چین میں کارخانے — مونیب ریجیوی ...
9. ہمارے جیلا بورڈ کے اڈیاپکوں کا سوال — سوریش رامپائی ...
10. پرکاش کی ڈاڑھی — ...
11. بچوں کی دنیا — ...
12. کچھ کتابیں — ...
13. ہماری راج — ...

ستالین — جے. سی. کمارپا، سندر لال؛  
ستالین کی موت کے بعد — مونیب ریجیوی،  
بریتانیا کا سڈی ارب پر ہمنہ — مونیب ریجیوی،  
برما اور یونہی — مونیب ریجیوی؛  
جگ شانت کی سمسیا — مونیب ریجیوی؛

استالین — جے. سی. کمارپا؛ ملدر لال؛ استالین  
کے موت کے بعد — مونیب ریجیوی؛ برطانیہ کا  
مونیب ریجیوی پر حملہ — مونیب ریجیوی؛ برما  
اور یونہی — مونیب ریجیوی؛ جگ شانت کی  
سمسیہ — مونیب ریجیوی۔

قیمت — ہندوستان میں چھ روپے سال، باہر دس روپے  
سال، ایک پرچہ دس آنے۔

مینیجر

’نیا ہند‘

145، سڈی گٹ، ایلانادی.

’نیا ہند‘ سال، ایک پرچہ دس آنے۔

مینیجر

’نیا ہند‘

145، سڈی گٹ، ایلانادی.



# نیا ہند

پڈیٹر—تارا چند، بھگوان دین، مہر علی حسن، بھیم رام، سندر لال

ایڈیٹر—نارا چند، بھگوان دین، مہر علی حسن، بھیم رام، سندر لال

ناایب ایڈیٹر—سوریش رام بھائی، مہر علی حسن، بھیم رام، سندر لال

\*\*\*\*\*

- ★ روس کا راج جنات کے بلے کا راج ہے۔ ڈاکٹر جے سی. سندر لال
- ★ ناگا جیون کی ایک مملکت—بھگوان دین
- ★ نئے چین میں کارخانے—مہر علی حسن
- ★ ہمارے جیلا بورڈ کے اڈیٹروں کا سوال—سوریش رام بھائی

ہماری گای—

- ★ سٹالین—جے. سی. کمار پپا، سندر لال
- ★ برتانییا کا سڈی ارب پر ہملا—مہر علی حسن
- ★ برما اور یونو—مہر علی حسن
- ★ جگ شانتی کی سمسیا—مہر علی حسن

اپریل 1953





श्री रघुपति महाय 'फिराकू'

कविताओं के प्रसार से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह स्त्रियों की दुनिया को छोड़ कर जिन्दगी की सच्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और बस्तन व फिराक तक ही सीमित नहीं है। अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कने सुनाई देंगी। गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ऐसी आवाज सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छूएगी।

‘इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों भावों मिलता है..... सजोय तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दू संसार में यह प्रयास अनोखा है और उरदू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय है...’

—गो जाना 'लोकवाणी' जगपुर

“जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चरतर की हैं”

—‘विशाल भारत’ कलकत्ता।

‘भंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज की युग की समस्याओं से आंत प्रोत हैं’

— नव भारत टाइम्स, दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है।”

—‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

‘हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताजगी और सूत्र के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर भरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठंड हिन्द है”

—‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“भकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बाल बाल के निकट है” --नया समाज कलकत्ता नागरी लिम्बावट में ऐसा भरपूर उगदू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द बड़िया कागज, उम्दा छपाई, दाम सिर्फ तीन रुपया. दस किताबों का एस साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता -

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्रीगज, इलाहाबाद.

سہادک—شہری دکنویتی سہائے 'فراق'

پچھلے پلکڑے برس سے آج تک کی اردو کی چلی ہوئی کہوتاؤں کا یہ سلسلہ بڑھکر آپکو معلوم ہوگا کہ اردو کو پتہ لے کس طرح خدائی دنیا کو چھوڑ کر زندگی کی صحرائوں سے اپنا سانا جوڑ لیا ہے آج ہی اردو شاعری نئی و بلبل اور وصل و فراق تک ہی سمیت نہیں ہے۔ اب آپ کو اردو کو پتہ لے سکیں اور سردوروں کے دلوں کی دھڑکنوں سنائی دینے لگی۔ فلاسی انہماک اور لہجہ و سہجہ کے خلاف آپ ایک ایسی آواز سنیں گے جو آپ کے دل و کھانہوں کو چھوئے گی

”ان اویسوں میں اندر اشتہی تھا، اشتہی  
دوروں جہانکوں ملتی تھیں... صدمہ تھا ساکار ہیں...  
’اے ہم میں ہمدی صلہ‘ میں یہ پیاس اُسوں کا ہے اور  
دو ساعت کے اندرک دور۔ ہی اُنہی ہے...“

23-2-52 — دروازہ ’نوبی‘ دانی‘ ہے پور  
”چار نک ہواؤ کا۔ جلد سے کویتاؤں اچھ اچھ  
کی مہی“

6-3-52

”جھنگڑ مہن پرکاشت لا 7 اُردو کی دہائیوں آج  
ہی کے رنگ ی مسہاروں سے اُرت پورت مہن۔“

17-2-'54

”ہمدی کے پتہ تک امداد اور چار سے اس مسئلہ کا  
آباد لکھم اور ان سے جو بیٹا گھر میں گئے یہ مشیت ہے“  
۱۳-۱ سے ”مرث بقولہ“ الہ آباد

5. 19

کے قاتل ہوں۔ وہ ایک بڑے بگ کا سدھیں دیتی ہوں...

بھاشا ایک تیز سہل اور ہنس مٹا رہی تھی۔

بھیتہ ہل رہی تھی۔

8-5 - '52

” (جھلمکار کی) رچھاؤں میں ایک ہی بکڑ ہے اور  
بھاشا بالکل بھول چال کے نکتہ ہے۔ “ — بھاشا صاحب نے لکھتے  
ناگروں لکھاوت میں ایسا بھرپور اردو کہتا ہے کہ آج  
نک نہیں نکلا ۔ سندر جلد ۔ پڑھو کہ عہدہ چھوٹی  
دام صرف تین روپے ۔ دس کتابوں کی ایک ساری  
حریدائی پر پچاس فیصدی کمیشن ۔

ملفہ کا نمبر

المصدر 'نما ہند' 145۔ منتهی کلمج الہ آباد۔



## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

### مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) एकता फैلانی کے لیے، کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا جھانڈنا۔

(3) پھاڑے گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا میل بڑھانا۔

—: 0 :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—می॰ آصف علی خان صاحب;  
وائس پریسیڈنٹ—ڈا॰ بھگوانداس اور ڈا॰ آصف علی خان صاحب;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈا॰ بھگوانداس,  
سکرٹری—پن॰ سندرلال۔

### گورننگ باڈی کے اراکین

ڈا॰ سید محمد، ڈا॰ ناز احمد، مولوی سید  
محمود، می॰ منظر علی، شری بی۔ جی۔  
نور، پن॰ بشمبھار ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سید  
چند رائے، کاجی محمد، آصف علی خان اور شری  
پاکش پالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھتے—

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، مڈل گنج، دہلی

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے مطابق ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کرنی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔

### مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا  
اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایکتا پھیلانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں  
وغیرہ کا جھانڈنا۔

(3) پڑھائی گھروں، کتاب گھروں، سبھاؤں، کانفرنسوں،  
لکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں  
آپس کا میل بڑھانا۔

—: 0 :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—مسٹر عبدالجہد خواجہ;  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق;  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس;  
سکرٹری—پنڈت سندرلال۔

### گورننگ باڈی کے اراکین

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر ناز احمد، مولوی سید  
سلیمان ندوی، مسٹر منظر علی، سوختہ شری بی۔ جی۔  
نور، پنڈت بشمبھار ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سید  
چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
پالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھتے—

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، مڈل گنج، دہلی

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدوں کے مطابق ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کرنی چاہیے۔ ”نیا ہند“ کے  
جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوگی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لے کر ایک بار ایک روپیہ کم کر سکیں گے۔



## हमारे पढ़ाई मिशन वाली कुछ और किताबें

ہمارے یہاں ملفوظ الی کچھ اور کتابیں

**नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं**

نوٹ: — یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	نام کتاب	لکھنؤ	رقم	قیمت	نام کتاب
1. شمع و شامری	شمع و شامری	8 0 0	8 0 0	شمع و شامری	1
2. شمع و شامری	شمع و شامری	8 0 0	8 0 0	شمع و شامری	2
3. شمع و شامری	شمع و شامری	2 8 0	2 8 0	شمع و شامری	3
4. شمع و شامری	شمع و شامری	8 0 0	8 0 0	شمع و شامری	4
5. شمع و شامری	شمع و شامری	3 0 0	3 0 0	شمع و شامری	5
6. شمع و شامری	شمع و شامری	3 0 0	3 0 0	شمع و شامری	6
7. شمع و شامری	شمع و شامری	6 0 0	6 0 0	شمع و شامری	7
8. شمع و شامری	شمع و شامری	2 0 0	2 0 0	شمع و شامری	8
9. شمع و شامری	شمع و شامری	2 0 0	2 0 0	شمع و شامری	9
10. شمع و شامری	شمع و شامری	2 0 0	2 0 0	شمع و شامری	10
11. شمع و شامری	شمع و شامری	5 0 0	5 0 0	شمع و شامری	11
12. شمع و شامری	شمع و شامری	4 0 0	4 0 0	شمع و شامری	12
13. شمع و شامری	شمع و شامری	2 8 0	2 8 0	شمع و شامری	13
14. شمع و شامری	شمع و شامری	2 8 0	2 8 0	شمع و شامری	14
15. شمع و شامری	شمع و شامری	3 0 0	3 0 0	شمع و شامری	15
16. شمع و شامری	شمع و شامری	5 0 0	5 0 0	شمع و شامری	16
17. شمع و شامری	شمع و شامری	3 0 0	3 0 0	شمع و شامری	17
18. شمع و شامری	شمع و شامری	2 4 0	2 4 0	شمع و شامری	18
19. شمع و شامری	شمع و شامری	2 8 0	2 8 0	شمع و شامری	19
20. شمع و شامری	شمع و شامری	1 4 0	1 4 0	شمع و شامری	20
21. شمع و شامری	شمع و شامری	1 8 0	1 8 0	شمع و شامری	21
22. شمع و شامری	شمع و شامری	3 8 0	3 8 0	شمع و شامری	22
23. شمع و شامری	شمع و شامری	2 0 0	2 0 0	شمع و شامری	23
24. شمع و شامری	شمع و شامری	1 8 0	1 8 0	شمع و شامری	24
25. شمع و شامری	شمع و شامری	1 8 0	1 8 0	شمع و شامری	25
26. شمع و شامری	شمع و شامری	3 0 0	3 0 0	شمع و شامری	26
27. شمع و شامری	شمع و شامری	1 0 0	1 0 0	شمع و شامری	27
28. شمع و شامری	شمع و شامری	0 8 0	0 8 0	شمع و شامری	28
29. شمع و شامری	شمع و شامری	1 0 0	1 0 0	شمع و شامری	29

मिलने को पता—

## मैनेजर 'नया हिन्द'

148, बुद्धीगंज, इलाहाबाद-3.

مجلسه

145 'مجلس' 3-4



## फिरकावन्दी पर बाण

सम्पादक—श्री श्रीहरन दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सबाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुक़्तानों को समझे और इस जाहद को अपने अन्दर से साफ़ करे.

सुन्दर जिल्द, अच्छा काराप. दो सौ सफ़े. क़ीमत दो रुपया.

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तफ़रार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सबाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फ़ायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी.

क़रीब सबा सौ सफ़े की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

## ग़रब बल्की پر باور

سہاگ—شری شریکرشن داس

اِس ہستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک گندھی جی نے سامہودایکتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا .

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارت و اسی سامہودایکتا کے نقصان کو سمجھ اور اِس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے .

سندر جلد . اچھا کاغذ . دو سو صفحے . قیمت دو روپیہ .

## بہاشا

لکھک—لانه مدن گوپال

ہندی اُردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ رائے اِس کتاب میں آپ کو ملے گی . راشٹر بہاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اِس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوجھیں گی، جانکاری بڑھ گی اور طرح طرح کی تگ نظریاں مٹوں گی .

قریب سوا سو صفحے کی سندر کتاب، دلم تیرہ روپیہ .

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATION  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDRI

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.



## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ کہتے پہلے مہاتما گاندھی نے لاکھپس کو لوگ سہواً سلکھ میں بدل دیئے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سہی دیاٹھیا گاندھی جی کے پرم بہکت شری منظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھلے اور اپیلے والے دیہس کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہوں۔

گاندھی واد کو سمجھلے کے لئے اسکا پوچھنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحہ کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑ کر آپکو پتا چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اہلساتمک ونگ سے دیش میں ہنگلاہ لایا جا سکتا ہے۔

دہتیس پنے کی کتاب، دام سیک بار آنے۔

## آج کے شہید

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

ان بہادروں کی کہانیاں جنہوں نے ویشی حاکموں کی پھلائی فوٹ کی آغا میں ہنسائییت کو بسم ہوتے دیکھ ایک چہن کی بھی دیر نہ کی اور اسے بھانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی۔ دام صرف ڈاڑھ روپے۔

## مسلم دیش بھکت

سندھک—شرعی منظر علی سوختہ

ان مسلمان دیہس بھکتوں کے چہن کا حال جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر ہندوستان اور دیہس میں دیتے ہوئے ہمارے مائا کو قاضی کی رنجیروں سے آزاد کرلے کی کوشش کی کتاب ہونے دیہس بھکت سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آئے۔

ملنے کا پتہ—

سندھک—شرعی منظر علی سوختہ

## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ کہتے پہلے مہاتما گاندھی نے لاکھپس کو لوگ سہواً سلکھ میں بدل دیئے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیہس کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سہی دیاٹھیا گاندھی جی کے پرم بہکت شری منظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھلے اور اپیلے والے دیہس کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہوں۔

گاندھی واد کو سمجھلے کے لئے اسکا پوچھنا بہت ضروری ہے۔ 225 صفحہ کی سندر جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## آج کے شہید

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اہلساتمک ونگ سے دیش میں ہنگلاہ لایا جا سکتا ہے۔

دہتیس پنے کی کتاب، دام صرف چار آئے۔

## آج کے شہید

لکھنک—شرعی منظر علی سوختہ

ان بہادروں کی کہانیاں جنہوں نے ویشی حاکموں کی پھلائی پوٹ کی آگ میں ہنسائییت کو بسم ہوتے دیکھ ایک چہن کی بھی دیر نہ کی اور اسے بھانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی۔ دام صرف ڈاڑھ روپے۔

## مسلم دیش بھکت

سندھک—شرعی منظر علی سوختہ

ان مسلمان دیہس بھکتوں کے چہن کا حال جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر ہندوستان اور دیہس میں دیتے ہوئے ہمارے مائا کو قاضی کی رنجیروں سے آزاد کرلے کی کوشش کی کتاب ہونے دیہس بھکت سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپے بارہ آئے۔

ملنے کا پتہ—

سندھک—شرعی منظر علی سوختہ



## गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिवान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी. हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं. इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं. बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है. हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है. इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी. पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने ( कुदसिया जैदी ने ) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है. वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती. उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है.”

मोटे काराण पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—वाम केवल दो रुपए.

## विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदास

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाकिक है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका महत्त्व क्या है. पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, वाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 बुर्जान, इलाहाबाद

## गान्धी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

ये अनमोल किताब जन्म से बलिवान तक की गान्धी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी. हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं. इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं. बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है. हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है. इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी. पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने ( कुदसिया जैदी ने ) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है. वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती. उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है.”

## विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदास

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाकिक है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका महत्त्व क्या है. पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, वाम केवल दो आने.

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 बुर्जान, इलाहाबाद



## লেখক—পন্ডিত সুন্দরলাল গীতা और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बरि, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निबोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 आस आस मजसूमों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ्ज़ी तर्जुमा बरीय दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में बड़ बार लेक्चर जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब, क़ीमत सिर्फ़ बारह आने।

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी किरकापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजदूरी और इतिहासी पहलू से विचार और हलका इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया।

क़ीमत बारह आने।

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद बहां की भयंकर क़त्ली और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक वर्नन। इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं। क़ीमत बार आने।

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरक़ेबाराना भयनों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे फ़ायदों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुझाई गई है। क़ीमत सिर्फ़ दो आने।

लिखने का पता—

लेखक, 'सत्य दिवस' 145, उड़ीसा, बलाबाजार।

## لیکھک—پنڈت سندھ لال گیتا اور قرآن

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتیں، گیتا کا بڑپن، گیتا کے ایک ایک ادماء کا نچوڑ، قرآن کا بڑپن، لگ بھگ 15 خاص خاص مضمونوں پر قرآن کی قریب 500 آیتوں کا لفظی ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بڑھائی لکھنا کو چاہتا اور سمجھنا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب اصول ہے۔

پولہ تین سو صفحے کی سندھ لال جلد ہندی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

### ہندو مسلم ایکتا

اس کتاب میں وہ چار لوکچر جمع کئے گئے ہیں جو پنڈت جی نے کنسلہٹری بورڈ کوالیار کی دعوت پر کوالیار میں دیئے تھے۔

سو صفحے کی کتاب، قیمت صرف بارہ آئے۔

### مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامہدایکتا یعنی فرقہ پرستی کی بیماری پر راج کا جی، مامی اور انہاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج جس نے آخر میں دیئے پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے ہوج میں نہ رہنے دیا۔

قیمت بارہ آئے۔

### پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

مہاتما گاندھی کی صلاح سے اکتوبر سن 1947 میں پنجابی اور پوری پنجاب کے دورے کے بعد وہاں کی بھونکر برہائی اور آپسی مار کاٹ کے کارن لوگوں پر جو مصیبتیں آئیں ان کا دردناک ورنن۔ اس چھوٹی سی کتاب میں آجکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سچائی بھی دی گئی ہے۔ قیمت چار آئے۔

### بنگل اور اُس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوری اور پوری بنگال کے فرقہوارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو سمجھنے کے لئے ختم کرنے کی ترغیب بھی سجھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آئے۔

لیکھ کا پتہ—

سندھ لال، 'سत्य दिवस' 145، उड़ीसा, बलाबाजार।



## हिन्दुस्तानी कलबुर सोसाइटी की किताबें

पचास रुपये से ज़ियादा दाम की किताबें खरीदने वालों को और बुकसेलरों को खास रिश्तायत दी जायेगी। पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

डाक या रेल सर्व्व हर हालत में ग्राहक के जिम्मे होगा.

# भारत का विधान

पूरा हिन्दी अनुवाद

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ.  
‘भारत में अंगरेजी राज’ के लेखक पंडित मुन्दरलाल  
द्वारा मूल अंगरेजी से अनुबाधित.

हर भारतवासी का कर्ष है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे, भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आस्तान नामहावरा भाशा. रायल मठपेजी बडा साहज.  
लगभग चार सौ पन्ने. रुपये की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल  
साढे सात रुपय.

## ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किलाब में हज़रत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे लाजवाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायेगा कि ईसाई धर्म की खास तालीम क्या है और हज़रत ईसा ने इन्सान-इन्सान की बराबरी, भाई भाते, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है.

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि—

“हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और धर्म का मानने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़े...”

सुन्दर जिल्ल, बढिया कामज, करीब सवा सौ सफे की  
क्रियाय का नाम सिर्फ एक बन्या.

## عیسیٰ کا سندیش

لوہک سناٹا ہے . سی . کما دیا .

ابروادیک—سیریش دام بهائی۔

اِس کتاب میں حضرت مہسوی کے سندیوں کی دیکھیں  
 اِسے لاجواب قلعہ سے کی گئی ہے کہ پوچھنے والا ہو  
 اُسانی سے یہ سمجھ جائے کہ مہسائی دھرم کی خاص  
 تعظیم کیا ہے اور حضرت مہسوی نے انسان انسان کی برابری  
 بھائی چارے، پریم اور اہلسا پر کتنا زور دیا ہے ۔  
 مہاتما گاندھی نے اِس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ—  
 ”ہر آدمی سے‘ چاہے وہ مہسائی ہو یا کسی اور دھرم  
 کا ماننے والا ہو‘ مہری سفارش ہے کہ اِسے پڑھے...“  
 سندھ جلد‘ پوہیا گاندھ‘ فریپ سوا سو صفحے کی  
 کتاب کا دام صرف ایک روپہ ۔

ملی کا ہفتہ

سجله في "الكتاب" 145 من قبل الشيخ الفقيه

मिलने का पता

15 सुदीर्घ, इलाहाबाद.



## چیراغا बुझ گیا !

سٹالین چیراغا سے پر ریشمی نہیں ہے۔ وہ ایک یوگ سے پر سمجھ نہیں ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر سے پر اکتفا نہیں ہے۔ وہ ایک پہرے دار سے پر نہیں ہے۔ وہ ایک مہمان انسان سے پر اسٹالین نہیں ہے۔ موت نے دنیا سے اسٹالین چھین لیا ہے۔ اس نے چیراغا بجھا دیا ہے، اس نے ایک کا است کر دیا ہے، اس نے ڈاکٹر کو دیا ہے، اس نے ایک کا دیا ہے، اس نے انسان کو مودہ کر دیا ہے۔ یہ روشنی قائم ہے، سمجھ کا بہار جاری ہے، اکتفا نہیں ہے، انسانیت کو اپنی طرف ہٹا رہی ہے، سایہ اب بھی باقی ہے۔ انسانیت اس سے آگے نہیں جاتی۔ چیراغا بجھا جانے پر اس سے لگ چکا جو دھ ہوتا ہے جب تک دوسرا چیراغا روشن نہیں ہو جاتا۔ ایک کی لگتی ہے دوسرا اٹک جاتا ہے جب تک کوئی دوسرا ایک نورمانا پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر جانے پر اس وقت تک اکتفا نہیں ہے کہ اندازہ لگائے میں دقت ہوتی ہے جب تک کوئی دوسرا ڈاکٹر نہ کھڑا ہو جائے۔ پہرے دار کے جانے سے اس سے لگ چکا سونا سونا لگتا ہے جب تک وہاں کسی اور چھوڑ کا نورمان نہ ہو جائے۔ انسانیت کی پرکھی رک جاتی ہے جب تک کوئی دوسرا انسان اس پرکھی کا علمبردار بن کر سامنے نہ آ جائے۔ اسی کارن دنیا کو دھندا تھا، وہ اسٹالین کی موت کو سوچ کر ایک کسی سے محسوس کرنے لگتی تھی۔ انسان اس سے لگ چکا ہے، اس کا سوچنا بھی پاپ سمجھتا ہے، جب تک وہ لگتا نہ ہو جائے۔ آج جب وہ لگتا ہو چکا ہے تو سب اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں، تو کی جگہ ہمت نے لے لی ہے۔ ایسے ڈر کو بھکا کر ہمت پیدا کر دینا مرے والے کی آتما کا کرشمہ ہے۔ آج ہم سوویت روس کی حالت پر جب غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روس کی آنکھوں میں آنسو چھلکتا ہے، وہیں لکھی ان کے دل میں ایکٹائی 'کام کر لے کی' شاعری قائم کرنے کی بہارنا لہز ہو رہی ہے۔ یہ اسٹالین کی آتما کا کرشمہ ہے۔ اسٹالین کی زندگی جتنی شاندار تھی ان کی موت کے بعد کی لگتاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی موت بھی اتنی ہی شاندار ہے !

اسٹالین کی ایک اچھا ہی کہ دنیا میں شاعری قائم ہو جائے، تو ان کی نام لگان تک مت جائے۔ جب بھی وہ اسی وقتیں آج تک سے ملتے تھے تو یہ نہیں ہوتے تھے کہ جنارے ساتھ ہو جائے۔ ان کی بھی اچھا ہوتی تھی۔ اوہم ہم میں کوئی شاعری قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اسٹالین کی کوئی یادگار لگائی جاسکتی ہے تو وہ 'جنگ شاعری' ہے۔ روس کی جنگ اور ان سب لوگوں کا جو اسٹالین کو بہار کرتے ہیں یہ کرشمہ ہے کہ وہ شاعری قائم کرنے کے لئے اپنے سارا زور لگا دیں۔ اسٹالین کا جو خواب زندگی میں پورا نہ ہو سکا، اسے موت کے بعد پورا ہی رہنا چاہئے !!

—موسیٰ ریخٹی

## چیراغا بجھ گیا !

اسٹالین چیراغا سے پر روشنی نہیں ہے۔ وہ ایک ایک سے پر سمجھ نہیں ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر سے پر اکتفا نہیں ہے۔ وہ ایک پہرے دار سے پر نہیں ہے۔ وہ ایک مہمان انسان سے پر اسٹالین نہیں ہے۔ موت نے دنیا سے اسٹالین چھین لیا ہے۔ اس نے چیراغا بجھا دیا ہے، اس نے ایک کا است کر دیا ہے، اس نے ڈاکٹر کو دیا ہے، اس نے ایک کا دیا ہے، اس نے انسان کو مودہ کر دیا ہے۔ یہ روشنی قائم ہے، سمجھ کا بہار جاری ہے، اکتفا نہیں ہے، انسانیت کو اپنی طرف ہٹا رہی ہے، سایہ اب بھی باقی ہے۔ انسانیت اس سے آگے نہیں جاتی۔ چیراغا بجھا جانے پر اس سے لگ چکا جو دھ ہوتا ہے جب تک دوسرا چیراغا روشن نہیں ہو جاتا۔ ایک کی لگتی ہے دوسرا اٹک جاتا ہے جب تک کوئی دوسرا ایک نورمانا پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر جانے پر اس وقت تک اکتفا نہیں ہے کہ اندازہ لگائے میں دقت ہوتی ہے جب تک کوئی دوسرا ڈاکٹر نہ کھڑا ہو جائے۔ پہرے دار کے جانے سے اس سے لگ چکا سونا سونا لگتا ہے جب تک وہاں کسی اور چھوڑ کا نورمان نہ ہو جائے۔ انسانیت کی پرکھی رک جاتی ہے جب تک کوئی دوسرا انسان اس پرکھی کا علمبردار بن کر سامنے نہ آ جائے۔ اسی کارن دنیا کو دھندا تھا، وہ اسٹالین کی موت کو سوچ کر ایک کسی سے محسوس کرنے لگتی تھی۔ انسان اس سے لگ چکا ہے، اس کا سوچنا بھی پاپ سمجھتا ہے، جب تک وہ لگتا نہ ہو جائے۔ آج جب وہ لگتا ہو چکا ہے تو سب اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں، تو کی جگہ ہمت نے لے لی ہے۔ ایسے ڈر کو بھکا کر ہمت پیدا کر دینا مرے والے کی آتما کا کرشمہ ہے۔ آج ہم سوویت روس کی حالت پر جب غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روس کی آنکھوں میں آنسو چھلکتا ہے، وہیں لکھی ان کے دل میں ایکٹائی 'کام کر لے کی' شاعری قائم کرنے کی بہارنا لہز ہو رہی ہے۔ یہ اسٹالین کی آتما کا کرشمہ ہے۔ اسٹالین کی زندگی جتنی شاندار تھی ان کی موت کے بعد کی لگتاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی موت بھی اتنی ہی شاندار ہے !

اسٹالین کی ایک اچھا ہی کہ دنیا میں شاعری قائم ہو جائے، تو ان کی نام لگان تک مت جائے۔ جب بھی وہ اسی وقتیں آج تک سے ملتے تھے تو یہ نہیں ہوتے تھے کہ جنارے ساتھ ہو جائے۔ ان کی بھی اچھا ہوتی تھی۔ اوہم ہم میں کوئی شاعری قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اسٹالین کی کوئی یادگار لگائی جاسکتی ہے تو وہ 'جنگ شاعری' ہے۔ روس کی جنگ اور ان سب لوگوں کا جو اسٹالین کو بہار کرتے ہیں یہ کرشمہ ہے کہ وہ شاعری قائم کرنے کے لئے اپنے سارا زور لگا دیں۔ اسٹالین کا جو خواب زندگی میں پورا نہ ہو سکا، اسے موت کے بعد پورا ہی رہنا چاہئے !!

—موسیٰ ریخٹی



ہو۔ نو۔ اُس وقت تک ساری دنیا ہی ہے جس  
 اور ہے ایک پتہ چاہئے جس میں چاہئے کہ  
 وہ لقمہ ہم اور ہاتھوں میں ہمیں کو لڑیں کہ  
 نہیں دے سکتی۔

یہ خبر ہو آدمی کے منہ پر ہے کہ ایتھم ہم دیکھتے ہیں  
 زبردستی بلوائے جا رہے ہیں ، دیکھتے ہیں کے ساتھ زبردستی  
 کرنا ایک ملک پر چوہائی کرنے سے زیادہ گروشن ہے ۔  
 ایتھم سے بلنا جھوٹا گروشن کا ہی نام کر سکتا ہے ۔  
 دیکھائی لوگ دھرماتماؤں کی طرح جان پر کوئل جانے والے  
 جوتے ہیں ۔ سوکریاں اُن پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتیں  
 وہ ایسا ظلم سے بھرا کم کرنے کے لئے کھسے تیار ہو گئے  
 اسی ہاتھ میں ایک خبر ہو ایک کی زبان پر ہے ۔ وہ یہ  
 کہ ایتھم نے ایتھم ہم بلانے والی سرکاروں سے یہ قسم لے لی  
 ہے کہ وہ ایتھم میں کو نہ سوچ کے کسی ملک پر کرائے لے  
 نہ امریکہ کے کسی ملک پر اور نہ آسٹریلیا کے ۔ بس اب  
 ہم وہ ایتھم ، افریقہ ، اب تک دو ہم جاپان پر کر چکے جو  
 ایتھم کا ملک ہے ۔ کوہا پر ہم کرائے جانے کی دھمکی دی  
 جا رہی ہے ، کوہا ہی ایتھم کا ملک ہے ۔ چھٹی پر ایتھم ہم  
 کمالے کی تجویزیں سوچی جا رہی ہیں وہ ہی ایتھم کا  
 ملک ہے ۔

ایہہا اور افریقہ ہی اس کے نہالے کہوں ہمالیہ کہے۔ اس  
کی وجہ یہ ہے کہ جو دیکھائی اس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ  
یا تو یورپی ہیں یا امریکی ۔

لیکن ہم گریہیں کا ہتھیار تو ہے ہی ہر یہ اکریشن سے  
بھی سوا یا ہوا جلتا ہے جب اس کے زعم میں آ کر کوئی  
ملک چکرورنی ہوئے کی سوچ بھٹکتا ہے۔ یعنی سب  
ملکیوں کے مالک ہیں بھٹکتے کی بات سوچتا ہے اور اس  
نائے اہم مددہ یکوہ کی طرح ڈالز مددہ یکوہ کر کے کی  
تماریں کر کے لگتا ہے۔

[illegible]



پھر میں شانتی پکائی رکھنے کے لئے گھنٹوں سے غائب ہی  
 کبھی کام لیتا ہوں، اس دوسرے ملکوں پر چڑھائی کرنے  
 میں یہ سب سے آگے ہوتی ہوں۔

पंडुजिबियां बानी सबमैरीन भी पचीस की सदी अगर हिंसोपकरन हैं तो पचास की सदी रक्षोपकरन भी हैं। क्योंकि बढाई के बलत यह समुन्दर में पहरा देने के काम आती हैं, पर उबन किले बहुत कम रक्षोपकरन और बहुत जियादा हिंसोपकरन हैं। टैंकों की तरह से यह उबन किले भी पेसे हो सकते हैं जिन पर यूनो कुछ पाबन्दी लगाए।

پنڈیہاں یعنی سب مہربان بھی پچاس فی صدی  
اگر ہمسواپکرن ہیں تو پچاس فی صدی دکھو اپکرن  
بھی ہوں۔ کیونکہ چوہائی کے وقت یہ سمندر میں بہہ  
دیئے کے کام آتی ہیں، پر اُن کلمے بہت کم دکھو اپکرن  
اور بہت زیادہ ہمسواپکرن ہیں۔ ٹھیکوں کی طرح یہ اُن  
کلمے بھی ایسے ہو سکتے ہیں جن پر یو۔ نو۔ کچھ پابندی  
لگائے۔

जमीन और समुन्दरी सुरंगों भी बराबर की हिंसोपकरण और रक्षोपकरण हैं, दूसरे और हथियार भी इस कसौटी पर कस कर देखे जा सकते हैं.

زمین کی آواز سمجھ رہی ہو انکس بھی ہوا کی ہنسواہن کر  
 اور دیکھو انکس ہیں ۔ دوسرے اور چھہار بھی اس کسوٹی  
 پر کس کر دیکھے جا سکتے ہیں ۔

रहे सब से भयानक हथियार एटम बम और इसी का दावा गुरु हाइड्रोजन बम जिसके बारे में कुछ का कहना है: बन गया कुछ का कहना है बना नहीं है, बनने की तैयारी में है और कुछ का कहना है कि अभी यह कोरी कल्पना है. यह दोनों हथियार सोलहवें आना दिसोपकरण हैं. यह बचाव के काम में आ ही नहीं सकते. इन से तो हमला ही किया जा सकता है. यह हर तरह हर मानों में एमेशन के हथियार हैं.

وہ سب سے بھانگ ہتھیار ایتھم ہم اور اسی کا دادا  
گرو ہائیکروجن ہم جس کے بارے میں کچھ کا کہنا ہے: ہم  
کہا کچھ کا کہنا ہے بلکہ نہیں ہے، بلکہ کی تیاری میں  
ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ ابھی یہ کوری کلہا ہے۔ یہ  
دونوں ہتھیار سولہوں آٹھ ہمسواپکرن ہیں۔ یہ ہتھا  
کے کام میں آ ہی نہیں سکتے۔ ان سے تو حملہ بھی کیا  
جا سکتا ہے۔ یہ ہر طرح ہر معلوں میں اگریہن کے  
ہتھیار ہیں۔

अमरीका के पास एटम बम है, अगर कोई मुल्क पंडुछियों में बैठ कर या छतारियों से उड़ कर चोरी चोरी न्यूयार्क या वाशिंगटन पर हमला बोल दे तब अमरीका कभी भी अपने बचाव में न्यूयार्क या वाशिंगटन पर एटम बम या हाइड्रोजन बम गिराने की बेवकूफी नहीं करेगा. इन दोनों भयानक हथियारों में यह बहुत बड़ी कमी है, जिस तरह शेर की छाती बेहद कमजोर होती है वैसे ही इन दोनों भयानक बमों का दिल बेहद कमजोर है. यह दोनों बम अपने देश को लूट लूट करबाद होते देखते रहेंगे और सपने लूटें रहेंगे.

امریکہ کے پاس ایٹم بم ہے، اگر کوئی ملک ہتھیاروں میں  
بہتہنگر یا چھتریوں سے آ کر چڑی چڑی توہمارک یا  
واشنگٹن پر حملہ بول دے تب امریکہ کدھی ہی بچاؤ  
میں توہمارک یا واشنگٹن پر ایٹم بم یا ہائڈروجن بم  
ڈالنے کی ہتھوڑی نہیں کرے گا۔ ان دنوں بہانک  
ہتھیاروں میں یہ بہت بڑی کسی ہے۔ جس طرح شور کی  
چھاتی بے حد کمزور ہوتی ہے ویسے ان دنوں بہانک ہمیں  
کا دل بے حد کمزور ہے۔ یہ دنوں ہم اپنے دیہی کو کھڑے  
کھڑے ہرباد ہوتے دیکھتے دھلکے اور سہے کھڑے دھلکے۔  
لندن، پیرس، لوڈاؤ، ماسکو اپنے پاس ایٹم بم رکھتے  
ہوئے اپنی دیہانسی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں ان کی ہربانسی  
سے بچانے کی سب سے زیادہ ان کی تلواریں، ان سے کم ان  
کی توپیں اور ہتھوڑیں اور ہتھار دھیں گے، تملک ان  
کے اور سب سے زیادہ ہتھار وہ گا ایٹم بم۔

लन्दन, पेरिस, ओटावा, मास्को अपने पास पटम बस रखते हुए अपनी बरबादी से नहीं बच सकते. इन्हें इनकी बरबादी से बचायगी सब से प्रियादा इनकी तलवारें, उनसे कम इनकी तोपें और बन्दूकें और बेकार रहेंगे टैंक, सब्रिप्ले और सब से प्रियादा बेकार रहेगा पटम बस.

لیٹم ہم ہر طرح ہر معلولوں میں انگریزوں کا ہتھیار ہے۔ جو ملک اس کے نام پر دوسرے ملک کو دھمکی دے وہ انگریز۔ وہ ملک کم انگریز نہیں جو کسی ملک کی دوسرے ملک پر لیٹم ہم کی دھمکی سن کر چپ رہ جائے اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھائے ! ہو۔ نو۔ سلسلہ یہی انگریز ہونے کے الزام سے نہیں بچ سکتی اگر یہ اس ملک کو نہ دھمکائے جس نے کسی دوسرے ملک پر لیٹم ہم گرائے کی دھمکی دی ہو۔

एटम बम हर तरह हर मानों में एग्जेशन का हथियार है जो मुल्क इसके नाम पर दूसरे मुल्क की धमकी दे वह एग्जेंसर, वह मुल्क कम एग्जेंस नहीं जो किसी मुल्क की दूसरे मुल्क पर एटम बम की धमकी सुन कर चुप रह जाय और ब्रह्मके सिक्काप आवाक न उठाए ! यूने संस्था भी एग्जेंसर होने के इलाजाम से नहीं बच सकती अगर यह उस मुल्क को न धमकाए जिसने किसी दूसरे मुल्क पर एटम बम गिराने की धमकी दी हो.



کسی کو بھی نہیں ملے گا۔ ایک طرف تو آج تک شامل نہیں ہوئے۔ ایک طرف تو آج تک شامل نہیں ہوئے۔ ایک طرف تو آج تک شامل نہیں ہوئے۔

یہ نام دھاری پنچایت لکھ کی طرح ایک دن لکھا تم تو پورے کی کہا می اچھی ہو اگر دم پڑے سے پھلے یہ ایک آواز زور کی اتھا دے کہ جو ہتھیار کسی طرح رکھوایکون نہیں میں یعنی رکھا کے کام نہیں آتے وہ گورے ہتھیار ایکون میں یعنی دوسرے ملکوں پر ہتھیار کے کام آسکتے ہیں۔ وہ سب ہتھیار لکھیں کرنے والے مانے جائیں اور جن جن نے پاس ہتھیار ہے وہ سب لکھیں قرار دے دئے جائیں۔

رکھوایکون اور ہتھیار ایکون سے ہمارا کیا مطلب ہے اس کو ہم صاف کر دینا چاہتے ہیں۔

آدمی نے جن ہتھیاروں کو اپنی جان بچانے کے لیے تیار کیا وہ سب ہتھیار رکھوایکون ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ رکھوایکون سے ہی ہتھیار ایکون کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ بات سب کی سمجھ میں آجائے اس لئے ہم اس کو ہوں صاف کر دیتے ہیں کہ چالو ایکون ہے چالو سے جب قلم بنایا جائے تب وہ کھان ایکون کہلاتے گا۔ کھان ایکون معلم کھان کا اوزار۔ اسی چالو سے پورے چھوڑنے کے لیے شہر کا کام لیا جائے تب وہ رکھوایکون کہلاتے گا یعنی بچاؤ کا اوزار۔ اسی چالو سے جب کسی کی گردن ماری جائے تب وہ ہتھیار ایکون کہلاتے گا یعنی جان لٹنے والا اوزار۔

ہماری اوپر کی کسوٹی پر جب ہم نے سارے ہتھیاروں کو کسا تب اٹھ ایٹم ہم ہی ایسا ہتھیار بنا جو ہر طرح ایک معلوم ہوں ہتھیار ایکون ہے۔

لہذا چھوٹی بہت جملہ کرنے میں کام آسکتے ہیں اور اس نئے ہتھیار ایکون کہہ جاسکتے ہیں پر ان سے ایسا بچاؤ ہی کیا جاتا ہے اس نئے رکھوایکون میں۔ اصل میں یہ ہتھیار جب بلے تھے تب جان بچانے کی نوبت نہ تھی۔

آگ کے ہتھیار چھوٹے بلندق اور توپ یہ حملہ کے کام میں آسکتے ہیں اور آتے ہیں پر ان سے زیادہ کام بچاؤ کا ہی لیا جاتا ہے۔ ایک ملک اپنے اوپر دوسرے ملک کی چوڑائی کے لیے اپنے قلموں پر جو توپیں چڑھاتا ہے وہ بچاؤ کے لئے ہوتی ہیں حملہ کے لئے نہیں۔ اس لئے توپ بلندق بھی نہیں کہی رکھوایکون ہوتے ہیں۔ سچے سچ ان کی ایجاد بھی آدمی نے جنگلی جانوروں سے بچنے کے لئے کی۔

توہلک ہوشک بہت کم رکھوایکون اور بہت زیادہ ہتھیار ایکون ہے۔ لہذا بلندق کی طرح کوئی ملک اپنے

یہ نام دھاری پنچایت لکھ کی طرح ایک دن لکھا تم تو پورے کی کہا می اچھی ہو اگر دم پڑے سے پھلے یہ ایک آواز زور کی اتھا دے کہ جو ہتھیار کسی طرح رکھوایکون نہیں میں یعنی رکھا کے کام نہیں آتے وہ گورے ہتھیار ایکون میں یعنی دوسرے ملکوں پر ہتھیار کے کام آسکتے ہیں۔ وہ سب ہتھیار لکھیں کرنے والے مانے جائیں اور جن جن نے پاس ہتھیار ہے وہ سب لکھیں قرار دے دئے جائیں۔

رکھوایکون اور ہتھیار ایکون سے ہمارا کیا مطلب ہے اس کو ہم صاف کر دینا چاہتے ہیں۔ آدمی نے جن ہتھیاروں کو اپنی جان بچانے کے لیے تیار کیا وہ سب ہتھیار رکھوایکون ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ رکھوایکون سے ہی ہتھیار ایکون کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ بات سب کی سمجھ میں آجائے اس لئے ہم اس کو ہوں صاف کر دیتے ہیں کہ چالو ایکون ہے چالو سے جب قلم بنایا جائے تب وہ کھان ایکون کہلاتے گا۔ کھان ایکون معلم کھان کا اوزار۔ اسی چالو سے پورے چھوڑنے کے لیے شہر کا کام لیا جائے تب وہ رکھوایکون کہلاتے گا یعنی بچاؤ کا اوزار۔ اسی چالو سے جب کسی کی گردن ماری جائے تب وہ ہتھیار ایکون کہلاتے گا یعنی جان لٹنے والا اوزار۔

ہماری اوپر کی کسوٹی پر جب ہم نے سارے ہتھیاروں کو کسا تب اٹھ ایٹم ہم ہی ایسا ہتھیار بنا جو ہر طرح ایک معلوم ہوں ہتھیار ایکون ہے۔ لہذا چھوٹی بہت جملہ کرنے میں کام آسکتے ہیں اور اس نئے ہتھیار ایکون کہہ جاسکتے ہیں پر ان سے ایسا بچاؤ ہی کیا جاتا ہے اس نئے رکھوایکون میں۔ اصل میں یہ ہتھیار جب بلے تھے تب جان بچانے کی نوبت نہ تھی۔

آگ کے ہتھیار چھوٹے بلندق اور توپ یہ حملہ کے کام میں آسکتے ہیں اور آتے ہیں پر ان سے زیادہ کام بچاؤ کا ہی لیا جاتا ہے۔ ایک ملک اپنے اوپر دوسرے ملک کی چوڑائی کے لیے اپنے قلموں پر جو توپیں چڑھاتا ہے وہ بچاؤ کے لئے ہوتی ہیں حملہ کے لئے نہیں۔ اس لئے توپ بلندق بھی نہیں کہی رکھوایکون ہوتے ہیں۔ سچے سچ ان کی ایجاد بھی آدمی نے جنگلی جانوروں سے بچنے کے لئے کی۔

توہلک ہوشک بہت کم رکھوایکون اور بہت زیادہ ہتھیار ایکون ہے۔ لہذا بلندق کی طرح کوئی ملک اپنے

توہلک ہوشک بہت کم رکھوایکون اور بہت زیادہ ہتھیار ایکون ہے۔ لہذا بلندق کی طرح کوئی ملک اپنے



یہ کامیاب ہوتے رہیں گے، کچھ کارنامے ہوتے رہیں گے، کچھ بدکاریاں مچتی رہیں گی جب تک سامراجی طاقتیں اپنا جہاد نہیں کرتیں۔ ایرانی जनता کو چاہیے کہ شاہ اور مسیحی کے مابین کو جھوک کر وہ ان साम्राजियों کو پکڑے اور انہیں وہاں نکالا دینے میں پوری طاقت لگا دے۔ इसी में उसका भला है और इसी तरह ईران में शांति कायम हो सकती है !

—मुजीब रिफवी

## पटम बम और यूनो

लीग की तरह यूनो भी सिसक सिसक कर अपना जीवन बिता रही है। लीग अंगरेजों के हाथ की कठपुतली बन कर दूसरी लड़ाई का कारन हुई, यूनो अमरीकियों के हाथ का खिलौना बन कर दुनिया की तीसरी लड़ाई बुलाकर रहेगी।

तीसरी लड़ाई के बीज उस वक़्त बो दिए गए थे, जब जर्मनी कई ताकतों में बांटा गया, कोरिया के दो टुकड़े किये गए, जापान में अमरीकी हवाई अड्डे बनाए गए और फारमोसा को चीन से अलग कर के उसके चारों तरफ अमरीका ने जहाजी बेरा डाला।

यूनो के देखते देखते यह बीज चीन की परेल लड़ाई के रूप में किले फोड़ने को तैयार है और जल्दी ही ऐसे ही किले जर्मनी में फूट निकलने वाले हैं।

यूनो होनी तो इसलिये चाहिये कि वह दुनिया की कौड़ी ताकतों का संतोल बनाए रखे पर जाने अनजाने वह इस संतोल को जल्दी ही बिगाड़ देती है और शांति की संस्था होने की जगह लड़ाई की संस्था बन बैठती है। ऐसा क्यों हो जाता है ? इसकी वजह इसके सिवाय क्या हो सकती है कि लीग और यूनो जैसी कुल दुनिया पंचायत जन्म लेती हैं उन ताकतों के हाथ से जो लड़ाई प्रिय होते हैं और जिनका पलका दुनिया की लड़ाई में भारी होता रहा है। कुल दुनिया की पंचायत शांति रखने में उस वक़्त तक कामवाब नहीं हो सकती जब तक वह या तो लोकशाही ढंग से न बनाई गई हो या उन हथियारों को दुनिया से बिल्कुल नेस्त नाबूद न कर दें, जो किसी भी तरह रखोपकड़न यानी रक्षा के हथियार नहीं हैं।

यूनो लोक शाही ढंग की बनाई हुई पंचायत नहीं है। क्योंकि उसको दुनिया के सब मुल्कों के नुमाइन्दों ने इकट्ठे होकर कभी उसकी कोई दस्तूर बना कर नहीं दिया। चीन जैसा बड़ा मुल्क उसमें शामिल नहीं बनने वक़्त जर्मनी, जापान, कोरिया जैसे नामवर छोटे मुल्क भी शामिल नहीं थे।

یہ جہاد ہوتا رہے گا، کچھ کارنامے ہوتے رہیں گے، کچھ بدکاریاں مچتی رہیں گی جب تک سامراجی طاقتیں اپنا جہاد نہیں کرتیں۔ ایرانی जनता کو چاہیے کہ شاہ اور مسیحی کے مابین کو جھوک کر وہ ان साम्राजियों کو पकڑے اور انہیں وہاں निकالا देने में पूरी طاقت लगा दे۔ इसी में उसका भला है और इसी तरह ईران में शांति कायम हो सकती है !

—محبوب رحوی

## ایتمیم اور یونو

لیگ کی طرح یونو بھی سسک سسک کر اپنا جہاد بٹا رہی ہے۔ لیگ انگریزوں کے ہاتھ کی کٹھپتلی بن کر دوسری لڑائی کا کارن ہوئی، یونو امریکیوں کے ہاتھ کا کھلونا بن کر دنیا کی تیسری لڑائی بلا کر رہ گئی۔

تیسری لڑائی کے بھج اُس وقت ہو چکے تھے جب جرمنی کئی طاقتوں میں بانٹا گیا، کوریا کے دو ٹکڑے کئے گئے، جاپان میں امریکی ہوائی اڈے بنائے گئے اور فارموسا کو چین سے الگ کر کے اُس کے چاروں طرف امریکہ نے جہازی گھبرا ڈالا۔

یونو کے دیکھتے دیکھتے یہ بھج چین کے گھریلو لڑائی کے روپ میں لگے پھڑ لے کر تیار ہے اور جلد ہی ایسے ہی کلمہ جرمنی میں بھوت نکلمے والے ہوں گے۔

یونو ہوئی تو اُس لئے چاہئے کہ وہ دنیا کی کچھ طاقتوں کا مستقل بھانگہ رکھ کر چلے جائے وہ اُس معمول کو چلانی ہی بگاڑ دیتی ہے اور شانتی کی سلسلہ ہونے کی جگہ لڑائی کی سلسلہ بن اٹھتی ہے۔ ایسا کیوں ہو جاتا ہے ؟ اُس کی وجہ اُس کے سوالیہ تھا ہو سکتی ہے کہ لیگ اور یونو جیسی کل دنیا پانچابیت چلم لھتی ہیں اُن طاقتوں کے ہاتھ سے جو لڑائی پرہہ ہوتے ہیں اور جن کا پلوا دنیا کی لڑائی میں بھاری ہوتا رہا ہے۔ کل دنیا کی پانچابیت شانتی رکھنے میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ یا تو لوک شاہی قہنگ سے نہ بدلتی گئی ہو یا اُن مہتمداروں کو دنیا سے بالکل نیست و نابود نہ کر دیں، جو کسی بھی طرح رکھو لکھیں پھلتی رکھا کے مہتمدار نہیں ہوں گے۔

یونو لوک شاہی قہنگ کی بدلتی ہوئی پانچابیت نہیں ہے کیونکہ اُس کو دنیا کے سب ملکوں نے نمائندوں کے اگتھے ہو کر کبھی اُس کو کوئی دستور بنا کر نہیں دیا۔ چین جیسا بڑا ملک اُس میں شامل نہیں، بلکہ وہی جرمنی، جاپان، کوریا جیسے نامور چھوٹے ملک بھی شامل نہیں



کو پھ باغ پوری لگی اور، انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ ایران سے واپس آئے۔

اس اعلان کے بعد تہران میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ڈاکٹر مصدق کا घर घेर लिया गया, हर सबक पर प्रदर्शन होने लगे. एक तरफ शाह के हमदर्द होते थे और दूसरी तरफ डाक्टर मुसद्दिक ने फौरन ही हालत पर काबू पा लिया और चीफ आफ स्टाफ को और 17 कौजी अफसरों को गिरफ्तार कर लिया. इन लोगों पर चार्ज यह है कि उन्होंने भीड़ को बचाने के बजाय उसे और शह दी. शाह से हमदर्द रखने वाले पुलिस के अफसरों को भी अलग कर दिया है. तेहरान की हालत अब भी नाबुक है और जगह जगह शाह के हमदर्दों और मुसद्दिक के हमदर्दों में टकराव हो रहा है.

शाह ने देश छोड़ने का फैसला अब वापस ले लिया है. शाह ने यह क़दम इसलिये उठाया था कि उन्हें अपने असर का अन्दाज़ा हो जाय. इन क़गड़ों से पता चल गया कि मौक़ा पड़ने पर कुछ लोग शाह का साथ दे सकते हैं और उनकी हालत शाह फ़ारुक की सी न होगी डाक्टर मुसद्दिक ने भी इस बात को शायद समझ लिया है और वह शाह को जनता के हाथों ही शिकस्त देना चाहते हैं. इस समय सरकार उनके हाथ में है, और इन कुछ दिनों में उन्होंने फ़ौज और पुलिस पर भी क़बज़ा जमा लिया है, जनता उनके साथ है ही. वह चाहें तो जनरल नजीब की तरह शाह के महल को घेर सकते हैं. इस समय डाक्टर मुसद्दिक का विरोध ज़रूर होगा लेकिन रिपोर्टों से पता चलता है कि अगर वह ऐसा करें तो जीत उनकी ही होगी. लेकिन उन्होंने जनरल नजीब का रास्ता नहीं अपनाया. उन्होंने मजलिस से कहा है कि वह उन्हें पूरे पूरे अधिकार दे नहीं तो वह जनता की राय इस सवाल पर माँगेंगे. अगर जनता ने डाक्टर मुसद्दिक का साथ दिया तो इसका मतलब यह होगा कि शाह के सहयोगी ढीले पड़ जायेंगे और उनके मनसूबों को धक्का लगेगा और फिर शाह को सचमुच ही देश छोड़ना पड़ेगा. ऐसी कामयाबी डाक्टर मुसद्दिक के लिये एशियाई देशों की जनता में सद्भावना पैदा करेगी और अगर उनको नाकामयाबी भी हुई तो भी उनकी इफ़्फ़त लोगों की नज़रों में बढ़ेगी.

सामराजवाद अब इस नतीजे पर पहुँचा है कि शाह और डाक्टर मुसद्दिक दोनों का असर ईरान पर है और दोनों की लड़ाई में सामराज का फायदा नहीं है. इन्होंने साफ़ देख लिया है कि इस समय शाह और डाक्टर मुसद्दिक का मेल उनके हित में है. अमरीका के राजदूत मिस्टर हेन्डरसन ने डाक्टर मुसद्दिक से घंटों बातें की हैं और कोशिश जारी है कि शाह और डाक्टर मुसद्दिक मिल जायें.

तो ये भी लगी और उन्होंने अعلان کر دیا کہ وہ ایران سے واپس آئے.

اس اعلان کے بعد تہران میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ڈاکٹر مصدق کا گھر گھیر لیا گیا، ہر سوک پر پریکھن ہونے لگی۔ ایک طرف شاہ کے ہمدرد ہونے لگے اور دوسری طرف ڈاکٹر مصدق نے فوراً ہی حالت پر قابو پالیا اور چیف آف اسٹاف کو اور 17 فوجی افسروں کو گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں پر چارج یہ ہے کہ انہوں نے بھڑک کر دیالے کے بجائے اُسے اور شہ دی۔ شاہ سے ہمدردی رکھنے والے پولیس کے افسروں کو بھی الگ کر دیا ہے۔ تہران کی حالت اب بھی نازک ہے اور جگہ جگہ شاہ کے ہمدردوں اور مصدق کے ہمدردوں میں ٹکراؤ ہو رہا ہے۔

شاہ نے دیس چھوڑنے کا فیصلہ اب واپس لے لیا ہے۔ شاہ نے یہ قدم اس لئے اُٹھایا تھا کہ انہوں نے اُن کا اندازہ ہو جائے۔ ان جھگڑوں سے بچے چل گیا کہ موقع پونے پر کچھ لوگ شاہ کا ساتھ دے سکتے ہوں اور اُن کی حالت شاہ فاروق کی سی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر مصدق نے بھی اس بات کو شاید سمجھ لیا ہے اور وہ شاہ کو چلتا کے ہاتھوں ہی شکست دینا چاہتے ہوں اس سے سرکار اُن کے ہاتھ میں ہے، اور ان کچھ دنوں میں انہوں نے فوج اور پولیس پر بھی قبضہ جما لیا ہے، چلتا اُن کے ساتھ ہے۔ وہ چاہیں تو جنرل نجیب کی طرح شاہ کے محل کو گھر سکتے ہوں۔ اس سے ڈاکٹر مصدق کا وردہ ضرور ہوتا لیکن دہورتوں سے بچے چلتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو جیت اُن کی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے جنرل نجیب کا واسطہ نہیں اُٹھایا۔ انہوں نے مجلس سے کہا ہے کہ وہ انہیں پورے پورے اُدھکار دے نہیں تو وہ چلتا کی رائے اس سوال پر مانگیں گے۔ اگر چلتا نے ڈاکٹر مصدق کا ساتھ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شاہ کے سپہنوی قہقہے پڑ جائیں گے اور اُن کے منصوبوں کو دھکا دے گا اور پھر شاہ کو سچے سچے دیس چھوڑنا پڑے گا۔ ایسی کامیابی ڈاکٹر مصدق کے لئے ایشیائی دیسوں کی چلتا میں سدبھاؤنا پیدا کرے گی اور اگر ان کو ناامیابی بھی ہوگی تو بھی ان کی عزت لوگوں کی نظروں میں بڑھے گی۔

سامراجی واد اب اس نتیجے پر پہونچا ہے کہ شاہ اور ڈاکٹر مصدق دونوں کا اثر ایران پر ہے اور دونوں کی لڑائی میں سامراج کا فائدہ نہیں ہے۔ انہوں نے صاف دیکھ لیا ہے کہ اس سے شاہ اور ڈاکٹر مصدق کا مہل اُن کے ہمت میں ہے۔ امریکہ کے راج دولت مستر ہلڈرسن نے ڈاکٹر مصدق سے کھلتوں ہاتھوں کی میں اور کوشش جاری رہی ہے کہ شاہ اور ڈاکٹر مصدق مل جائیں۔



باہر سے بھی انہوں کو روک نہ کرے کچھ ایسا بھیجے گا، آئندہ ناکامی میں کوئی خرچ نہیں ہے کہ برطانیہ اور ایرانی تیل کے کارخانے چالنے لگے اور ایران کی مالی حالت درست ہو۔ امریکہ سے فوجی سمجھوتہ کرنے میں اور ڈالر کی مدد لینے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

ڈاکٹر موسدیک کا کہنا ہے: اب سب کچھ سامنے آ رہا ہے۔ بلیک سمر کا ہے۔ ابھی تو یہ تو دور ہے۔ اس سے پہلے ہی خود فیصلہ کر دے گا۔ جو دیکھ سبر سے کم لے گا وہ جیتے گا۔ اس بڑے فائدے کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اس انتظار میں قربانی بھی دینی پڑے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خرچ کم کریں، زیادہ سے زیادہ سروس کو دیں تاکہ کام چلتا رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا اور تیل کا سارا فائدہ ہم کو ملے گا۔

شاہ نے کویش کی کہ ان کی جگہ اور مصدق راستے سے ہٹ جائیں۔ انہوں نے مجلس کو آدھیں دیا کہ وہ تمام السلطنت کو ہوا وزیر چلے۔ قوام السلطنت دو روز بھی راج نہ کر پائے، چلتا آ رہی اور اس نے مجلس کو اپنا فیصلہ واپس لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ قوام السلطنت کہیں نظر بند کر دیئے گئے اور ڈاکٹر مصدق نے مانگ کی کہ انہیں فوراً معمولی طاقتوں میں دے دے۔ مجلس کو دینا پڑا۔ شاہ کی ہار ہوئی سو ہوئی۔ ان کے اندھکاروں پر بھی اثر ہوا۔ فوج تک ڈاکٹر مصدق نے اپنے ہاتھ میں کر لی اور بہت سے افسروں کو رہنما کر دیا۔

اس کہنا سے امریکی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ امریکہ کا کہنا تھا: شاہ کی مصدق کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شاہ اور مصدق کے تکرار میں شاہ کے ساتھ دینے کے کمپوزن مضبوط ہوا اور مصدق کا ساتھ دیں۔ میں اتر دار کمپوزن رو دہی ہتھیار ہاتھ لگے گا۔ برطانیہ والوں کی رائے دوسری تھی۔ مصدق خود میں ایران کی مالی حالت بتاتے چاہتے تھے اور آخر میں کمپوزن آ جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی ڈاکٹر مصدق پر زیادہ قورے ڈالنے لگے اور برطانیہ والوں نے شاہ پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

دیکھیں کہ مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹھیک رکھنے کے لئے ڈاکٹر مصدق نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تلخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جائداد پر بھی اٹم ٹیکس لگوا دیا اور جو رقم شاہ دان کے ساتھ ہو رہی تھی ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصروف میں تھا اور شاہ کا کرتب تھا کہ وہیں قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک نام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

شاہ نے کویش کی کہ ان کی جگہ اور مصدق راستے سے ہٹ جائیں۔ انہوں نے مجلس کو آدھیں دیا کہ وہ تمام السلطنت کو ہوا وزیر چلے۔ قوام السلطنت دو روز بھی راج نہ کر پائے، چلتا آ رہی اور اس نے مجلس کو اپنا فیصلہ واپس لینے کے لئے مجبور کر دیا۔ قوام السلطنت کہیں نظر بند کر دیئے گئے اور ڈاکٹر مصدق نے مانگ کی کہ انہیں فوراً معمولی طاقتوں میں دے دے۔ مجلس کو دینا پڑا۔ شاہ کی ہار ہوئی سو ہوئی۔ ان کے اندھکاروں پر بھی اثر ہوا۔ فوج تک ڈاکٹر مصدق نے اپنے ہاتھ میں کر لی اور بہت سے افسروں کو رہنما کر دیا۔

اس کہنا سے امریکی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ امریکہ کا کہنا تھا: شاہ کی مصدق کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شاہ اور مصدق کے تکرار میں شاہ کے ساتھ دینے کے کمپوزن مضبوط ہوا اور مصدق کا ساتھ دیں۔ میں اتر دار کمپوزن رو دہی ہتھیار ہاتھ لگے گا۔ برطانیہ والوں کی رائے دوسری تھی۔ مصدق خود میں ایران کی مالی حالت بتاتے چاہتے تھے اور آخر میں کمپوزن آ جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی ڈاکٹر مصدق پر زیادہ قورے ڈالنے لگے اور برطانیہ والوں نے شاہ پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

دیکھیں کہ مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹھیک رکھنے کے لئے ڈاکٹر مصدق نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تلخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جائداد پر بھی اٹم ٹیکس لگوا دیا اور جو رقم شاہ دان کے ساتھ ہو رہی تھی ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصروف میں تھا اور شاہ کا کرتب تھا کہ وہیں قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک نام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

دیکھیں کہ مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹھیک رکھنے کے لئے ڈاکٹر مصدق نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تلخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جائداد پر بھی اٹم ٹیکس لگوا دیا اور جو رقم شاہ دان کے ساتھ ہو رہی تھی ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصروف میں تھا اور شاہ کا کرتب تھا کہ وہیں قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک نام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ

دیکھیں کہ مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ اسے ٹھیک رکھنے کے لئے ڈاکٹر مصدق نے ایک بڑی حد تک خرچ لگایا۔ بڑے افسروں کی تلخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ ڈاکٹر مصدق نے شاہ کی جائداد پر بھی اٹم ٹیکس لگوا دیا اور جو رقم شاہ دان کے ساتھ ہو رہی تھی ملتی تھی اسے بند کر دیا۔ ایران مصروف میں تھا اور شاہ کا کرتب تھا کہ وہیں قربانی کو کے وہ ڈاکٹر مصدق کے اس ٹھیک نام میں اس کا ساتھ دیتے۔ لیکن شاہ



کیسے نہیں سمجھتا ہے اور دیکھ کر وہیں رہیں تو وہیں رہیں سکتا ہے ؟  
 یہاں تک کہ ایسی سلسلے آ رہی ہیں کہ جسے ہم برطانوی سامراج  
 کا دشمن سمجھتے ہیں وہ امریکی سامراج کا متر بن جاتا  
 ہے اور جو امریکی سامراج کے خلاف زہر اگلتا ہے وہ برطانیہ  
 کا ساتھ دیتا ہے۔ ایک کے چمکے سے دوسرے کے لگے یہ ملک  
 دوسرے سامراج کا سپہاڑا لڑتے ہیں لیکن نکمے ہیں اور  
 ہر طرح سے چمکے میں پھنس جاتے ہیں ۔

شاہ اور ڈاکٹر موسدیک کا मतभेद بڑے مہینے پہلے  
 شروع ہوا تھا۔ اس کے کارن دو ہی ہو سکتے ہیں: ایک،  
 موسدیکوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے کی موسدیک شاہی  
 خاندان کو متعلق کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کی سازش  
 ختم کرنے کے لئے انہیں بڑے زور کے ہتھ دیا جائے ۔  
 اس بات کا گہرا اثر بھی شاہی خاندان کے لوگوں پر دکھائی  
 دیتا ہے ۔ اس عرصہ میں شاہ کے کئی دشمن اور دشمنوں  
 میں ملک چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور دشمنوں  
 میں رہنے لگی ہیں ۔ لیکن ڈاکٹر مصدق کی کسی بات  
 سے یہ یقین نہیں چلتا کہ وہ شاہ کو ختم کر کے ایران کو  
 دہانک بنانا چاہتے ہیں ۔ کئی اخباروں اور اثر دار لوگوں  
 کا خیال ہے کہ وہ شاہ کے ہمکرت ہیں ۔ یہ بات بھی  
 دھماں میں رکھنی چاہئے کہ موجودہ شاہ کے پتے ڈاکٹر  
 مصدق کو نظر بند کیا تھا اور ڈاکٹر مصدق آخر سر  
 تک ان کا وردہ کرتے رہے تھے ۔ بہر حال ایران کے اندر کیا  
 صورت ہو لیکن باہر کی دنیا کو مصدق کی طرف سے  
 شاہ کے لئے کسی خطرے کا ابھاس نہیں ہوتا ۔

شاہ اور ڈاکٹر مصدق کا मतभेद چھ مہینے پہلے  
 شروع ہوا تھا ۔ اس کے کارن دو ہی ہو سکتے ہیں: ایک،  
 مصدقوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے کہ مصدق شاہی  
 خاندان کو متعلق کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کی سازش  
 ختم کرنے کے لئے انہیں بڑے زور کے ہتھ دیا جائے ۔  
 اس بات کا گہرا اثر بھی شاہی خاندان کے لوگوں پر دکھائی  
 دیتا ہے ۔ اس عرصہ میں شاہ کے کئی دشمن اور دشمنوں  
 میں ملک چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور دشمنوں  
 میں رہنے لگی ہیں ۔ لیکن ڈاکٹر مصدق کی کسی بات  
 سے یہ یقین نہیں چلتا کہ وہ شاہ کو ختم کر کے ایران کو  
 دہانک بنانا چاہتے ہیں ۔ کئی اخباروں اور اثر دار لوگوں  
 کا خیال ہے کہ وہ شاہ کے ہمکرت ہیں ۔ یہ بات بھی  
 دھماں میں رکھنی چاہئے کہ موجودہ شاہ کے پتے ڈاکٹر  
 مصدق کو نظر بند کیا تھا اور ڈاکٹر مصدق آخر سر  
 تک ان کا وردہ کرتے رہے تھے ۔ بہر حال ایران کے اندر کیا  
 صورت ہو لیکن باہر کی دنیا کو مصدق کی طرف سے  
 شاہ کے لئے کسی خطرے کا ابھاس نہیں ہوتا ۔

دوسرے، واپسی ایجنٹوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے  
 — دیکھ کر مالی حالت بگڑ رہی ہے، سارا دیش غریبی  
 کا شکار ہے، مالی دہستہ چھن رہی ہے ۔ ایسی حالت  
 میں کمونزم طاعت پکوتا ہے ۔ کمونزم کو روکنا ہے تو  
 فوراً ایران کی مالی حالت درست ہو جانی چاہئے ۔  
 اس مالی حالت کو سدھارنے کے دو آہٹے ہیں: برطانیہ کا  
 کہنا ہے کہ فد اور ہٹ کو چھوڑ کر سمجھوتہ کر لیا جائے اور  
 آج بہر ایران میں نول کے گڑھے چلانے کی اجازت مل  
 جائے ۔ اس بار وہ نفع کا ایک ہوا حصہ تک ایران کو دے  
 کو تیار ہے ۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ ڈالر سے ایران کی مدد  
 کرنے کو تیار ہے، دسویں ملک سے بھی قرض ملوا سکتا ہے ۔  
 اس طرح ایران اپنی مالی حالت درست کر کے کمونزم  
 کو دبا سکے گا ۔ ڈاکٹر مصدق کو کہہ رہا ہے کہ واشنگٹن نے  
 بھی جاپا کیا ہے اور بات بھی چلائی گئی ہے لیکن ابھی  
 تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہو پایا ہے ۔

دوسرے، واپسی ایجنٹوں نے شاہ کے کان भरے ہونگے—دش  
 کی مالی حالت بگڑ رہی ہے، سارا دیش غریبی کا شکار  
 ہے، مالی دہستہ چھن رہی ہے۔ ایسی حالت میں  
 کمونیزم طاقت پکڑتا ہے۔ کمونیزم کو روکنا ہے تو  
 فوراً ایران کی مالی حالت درست ہو جانی چاہیے۔  
 اس مالی حالت کو سدھارنے کے دو آہٹے ہیں: برطانیہ  
 کا کہنا ہے کہ فد اور ہٹ کو چھوڑ کر سمجھوتہ کر  
 لیا جائے اور آج بہر ایران میں تیل کے کارخانے  
 چلانے کی اجازت مل جائے۔ اس بار وہ حصہ تک ایران  
 کو دے گا۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ ڈالر سے ایران کی  
 مدد کرنے کو تیار ہے، دسویں ملک سے بھی قرض ملوا  
 سکتا ہے۔ اس طرح ایران اپنی مالی حالت درست کر  
 کے کمونیزم کو دبا سکے گا۔ ڈاکٹر مصدق کو کہہ  
 رہا ہے کہ واشنگٹن نے بھی جاپا کیا ہے اور بات  
 بھی چلائی گئی ہے لیکن ابھی تک کوئی سمجھوتہ  
 نہیں ہو پایا ہے۔

شاہ کو صاف دکھائی ہو رہا ہے: برطانیہ اور  
 امریکہ کی دوستی میں ہی رہا ہے اور کمونزم کی

شاہ کو صاف دکھائی ہو رہا ہے: برطانیہ اور  
 امریکہ کی دوستی میں ہی رہا ہے اور کمونزم کی



# ہمارا معدی

## ڈاکٹر موسدیک اور شاہ

## ڈاکٹر مصدق اور شاہ

جہاں تیل کے قحط ہوتے ہیں، جہاں سامراجवाद کے پیر جمنے لگتے ہیں، جہاں شاہ اور ان کے موسادھیں ہوتے ہیں وہاں ساکھیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ایران کی بدقسمتی یہ کہ یہ تیلوں کی تیلوں وہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حسین فاطمی نے کہا ہے کہ ان درگاہوں کے ہمچوہ ویشوں کا حالہ ہے۔ ڈاکٹر مصدق نے بھی شاہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ بنا ان کی - انکاری کے ویشی پرتیلوں میں سے ساز گارہ کیا کرتے ہیں؛ ان کا یہ بھی کہتا ہے کہ شاہ کے مصاحب لکھنار سازشیں کر رہے ہیں۔ جہاں تک مصاحبوں کی سازش کا سوال ہے وہ وراثتاً چلی آئی ہے اور اس کے طریقہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسی پرتیلا کو ہی ختم کر دیا جائے۔ شاہ کے مصاحبوں کی ایک پالیسی ہوتی ہے کہ اپنا اثر قائم کی پوری کوشش کرتے ہیں اور شاہ جو ودامانی اندھن کر چلتا ہے سونہتے ہیں اور اس ودامان کے اندھار پر جو سرکار بستی ہے اس کی دوسری پالیسی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں لکھنار تکر ہوتی رہتی ہے مصاحب چلتا ہے پرتیلوں میں کے خلاف شاہ کے کان بھرتے رہتے ہیں۔

دوسری جگہ کے بعد سے کچھ دور میں سے سیاسی کتلہ ہو چکے ہیں اور ہر کتلہ یا گڈبڈی کے پیچھے بیرونی ہاتھ دکھائی پوتا ہے۔ ان علاقوں کو امریکی سامراجवाद برطانیہ کی جائداد سمجھتا تھا لیکن حال کی صورت نے اس کی فطرت سے کچھ دور دورہ کر دیا ہے۔ ایک کے بجائے دو سامراجی طاقتیں سازشیں کرتے ہیں اب آئی ہیں۔ یہ طاقتیں آپ آپ کے ہمدرد پیدا کرتی ہیں دیکھ دیکھوں کو جلم دیتی ہیں اور آپ راستے کے لکھڑوں کو جانتے کرتے ہیں کوشش کرتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی برطانیہ کے راستے میں دوڑا ہی جاتا ہے اور کوئی امریکہ کے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے آپ کو طاقت کی کوشش کرتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جو برطانیہ کا دشمن ہے کیا وہ سچ سے سچ امریکی ہے۔

جہاں تیل کے قحط ہوتے ہیں، جہاں سامراجवाद کے پیر جمنے لگتے ہیں، جہاں شاہ اور ان کے مصاحب ہوتے ہیں وہاں سازشیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ایران کی بدقسمتی یہ کہ یہ تیلوں کی تیلوں وہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حسین فاطمی نے کہا ہے کہ ان درگاہوں کے ہمچوہ ویشوں کا حالہ ہے۔ ڈاکٹر مصدق نے بھی شاہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ بنا ان کی - انکاری کے ویشی پرتیلوں میں سے ساز گارہ کیا کرتے ہیں؛ ان کا یہ بھی کہتا ہے کہ شاہ کے مصاحب لکھنار سازشیں کر رہے ہیں۔ جہاں تک مصاحبوں کی سازش کا سوال ہے وہ وراثتاً چلی آئی ہے اور اس کے طریقہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسی پرتیلا کو ہی ختم کر دیا جائے۔ شاہ کے مصاحبوں کی ایک پالیسی ہوتی ہے کہ اپنا اثر قائم کی پوری کوشش کرتے ہیں اور شاہ جو ودامانی اندھن کر چلتا ہے سونہتے ہیں اور اس ودامان کے اندھار پر جو سرکار بستی ہے اس کی دوسری پالیسی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں لکھنار تکر ہوتی رہتی ہے مصاحب چلتا ہے پرتیلوں میں کے خلاف شاہ کے کان بھرتے رہتے ہیں۔

دوسری جگہ کے بعد سے کچھ دور میں سے سیاسی کتلہ ہو چکے ہیں اور ہر کتلہ یا گڈبڈی کے پیچھے بیرونی ہاتھ دکھائی پوتا ہے۔ ان علاقوں کو امریکی سامراجवाद برطانیہ کی جائداد سمجھتا تھا لیکن حال کی صورت نے اس کی فطرت سے کچھ دور دورہ کر دیا ہے۔ ایک کے بجائے دو سامراجی طاقتیں سازشیں کرتے ہیں اب آئی ہیں۔ یہ طاقتیں آپ آپ کے ہمدرد پیدا کرتی ہیں دیکھ دیکھوں کو جلم دیتی ہیں اور آپ راستے کے لکھڑوں کو جانتے کرتے ہیں کوشش کرتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی برطانیہ کے راستے میں دوڑا ہی جاتا ہے اور کوئی امریکہ کے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے آپ کو طاقت کی کوشش کرتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جو برطانیہ کا دشمن ہے کیا وہ سچ سے سچ امریکی ہے۔







यही भावना थी जिसने 85 देशों के 1686 प्रतिनिधियों को एक जगह जमा कर दिया था। वह एक दूसरे का विरोध करते थे, अलग अलग व्यवस्थाओं को मानने वाले थे, पर लड़ाई का विरोध करने के लिये सब एक राय थे: सब की एक भावना थी।

यूनो और वियाना शान्ति कांग्रेस में काफी फरक था। यूनो में सरकार के नुमाइन्दे बैठते हैं और वियाना में जनता के आदमी शान्ति कायम करने के रास्ते की खोज कर रहे थे। यूनो में फौसले लादे जाते हैं लेकिन शान्ति कांग्रेस का जो फौसला था वह सब को मान्य था। यूनो में सुलह के बजाय झगड़ा और बढ़ा दिया जाता है। यहाँ झगड़े का हर पहलू सुलह का रुख इस्तिस्नान कर लेता था। पुरानी दुश्मनियाँ लोग भूल जाने थे, मस्त हो उठते थे। शान्ति और सुलह के गीतों से हाल गुंज उठता था :

फ्रांस और जर्मनी की इतिहासी दुश्मनी चली आ रही है। घरा से इस्तेमाल पर भी दोनों तरफ की जनता आपस में लड़ सकती है, क्योंकि नफरत ने घर कर लिया है और वह एक दूसरे को मिटाने के लिये तैयार रहते हैं। फ्रांस के एक बड़े विद्वान शान्ति प्रेमी ने अपने भाषन में जर्मन और फ्रांस के नवयुवकों से अपील की कि वह आपसी नफरत को भूल जायँ, एक हो जायँ, मानव हित के लिये छोटे मोटे फरकों को खतम कर दें। बोलने वाला अभी बैठ भी न पाया था कि तालियाँ बजने लगीं। लोग खड़े हो गए, तालियाँ बजती रहीं। इन्हीं तालियों की गुंज में गानों की आवाज सुनाई दी। एक तरफ फ्रांसीसी लड़कें लड़कियाँ थे और दूसरी तरफ जर्मन नौजवान। दोनों गा रहे थे, एक दूसरे से अपील कर रहे थे, प्रन कर रहे थे—वह नहीं लड़ेंगे, वह एक दूसरे का खून नहीं बहाएँगे, वह मिल कर, एक हो कर विश्व शान्ति की रक्षा करेंगे, अपनी रक्षा करेंगे, अपने देशों की रक्षा करेंगे, अपने साहित्य और कला की रक्षा करेंगे, उन सब की रक्षा करेंगे जो उनके पास जो उनके पास धरोहर है !

मलाया की एक लड़की बोलने के लिये खड़ी हुई। उसने किसी को गाली नहीं दी, किसी को बुरा मला नहीं कहा। केवल घटनाएँ दुहराती रही। ब्रिटिश और मलाया के नुमाइन्दे दूर दूर बैठे हुए थे। लेकिन मलाया की लड़की ने जैसे ही तक्रार खतम की लोगों ने देखा कि इंग्लैंड के एक पाद्री ने उस लड़की को गोद में उठा लिया है। वह नाच रहा है। सारा हाल खड़ा हो गया। एक गंभीर बातावरण छा गया। पाद्री ने जब उस लड़की को गोद से अलग किया तो ऐसा सीन था जैसे बाप बेटी को बिदा दे रहा हो—दोनों की आँखें झलझला उठी थीं। दोनों की आँखें एक-दूसरे की भूल कर प्रेम का अमृत बरसा रही थीं।

यही भावना थी जिसने 85 देशों के 1686 प्रतिनिधियों को एक जगह जमा कर दिया था। वह एक दूसरे का विरोध करते थे, अलग अलग व्यवस्थाओं को मानने वाले थे, पर लड़ाई का विरोध करने के लिये सब एक राय थे: सब की एक भावना थी।

यूनो और वियाना शान्ति कांग्रेस में काफी फरक था। यूनो में सरकार के नुमाइन्दे बैठते हैं और वियाना में जनता के आदमी शान्ति कायम करने के रास्ते की खोज कर रहे थे। यूनो में फौसले लादे जाते हैं लेकिन शान्ति कांग्रेस का जो फौसला था वह सब को मान्य था। यूनो में सुलह के बजाय झगड़ा और बढ़ा दिया जाता है। यहाँ झगड़े का हर पहलू सुलह का रुख इस्तिस्नान कर लेता था। पुरानी दुश्मनियाँ लोग भूल जाने थे, मस्त हो उठते थे। शान्ति और सुलह के गीतों से हाल गुंज उठता था :

फ्रांस और जर्मनी की इतिहासी दुश्मनी चली आ रही है। घरा से इस्तेमाल पर भी दोनों तरफ की जनता आपस में लड़ सकती है, क्योंकि नफरत ने घर कर लिया है और वह एक दूसरे को मिटाने के लिये तैयार रहते हैं। फ्रांस के एक बड़े विद्वान शान्ति प्रेमी ने अपने भाषन में जर्मन और फ्रांस के नवयुवकों से अपील की कि वह आपसी नफरत को भूल जायँ, एक हो जायँ, मानव हित के लिये छोटे मोटे फरकों को खतम कर दें। बोलने वाला अभी बैठ भी न पाया था कि तालियाँ बजने लगीं। लोग खड़े हो गए, तालियाँ बजती रहीं। इन्हीं तालियों की गुंज में गानों की आवाज सुनाई दी। एक तरफ फ्रांसीसी लड़कें लड़कियाँ थे और दूसरी तरफ जर्मन नौजवान। दोनों गा रहे थे, एक दूसरे से अपील कर रहे थे, प्रन कर रहे थे—वह नहीं लड़ेंगे, वह एक दूसरे का खून नहीं बहाएँगे, वह मिल कर, एक हो कर विश्व शान्ति की रक्षा करेंगे, अपनी रक्षा करेंगे, अपने देशों की रक्षा करेंगे, अपने साहित्य और कला की रक्षा करेंगे, उन सब की रक्षा करेंगे जो उनके पास जो उनके पास धरोहर है !

मलाया की एक लड़की बोलने के लिये खड़ी हुई। उसने किसी को गाली नहीं दी, किसी को बुरा मला नहीं कहा। केवल घटनाएँ दुहराती रही। ब्रिटिश और मलाया के नुमाइन्दे दूर दूर बैठे हुए थे। लेकिन मलाया की लड़की ने जैसे ही तक्रार खतम की लोगों ने देखा कि इंग्लैंड के एक पाद्री ने उस लड़की को गोद में उठा लिया है। वह नाच रहा है। सारा हाल खड़ा हो गया। एक गंभीर बातावरण छा गया। पाद्री ने जब उस लड़की को गोद से अलग किया तो ऐसा सीन था जैसे बाप बेटी को बिदा दे रहा हो—दोनों की आँखें झलझला उठी थीं। दोनों की आँखें एक-दूसरे की भूल कर प्रेम का अमृत बरसा रही थीं।



کرتا تھا اس پر پوشش میں کئی روز گزر گئے۔ یہاں  
 ہی سرسری نگاہوں سے دیکھا گیا کہ وہاں سب سے پہلے ہی  
 حالت بہتر نہ ہو سکی۔ لگ بھگ ایک مہینہ تک یہ  
 اور اسی کے دوست ابوبی چونکی کا زور لٹاتے رہے مگر نا کام رہے  
 اور 600 ڈالر بھی خرچ ہو گئے۔ آخر ایک دن جب  
 سریشہ آدھی پہچوٹی تھی اُس نے اپنے صبح ہی صبح  
 امریکہ کے صدر کی رہنے کی جگہ وائٹ ہاؤس کے سامنے  
 لے جا کر سوک پر ڈال دیا اور خود بھاگ آیا۔ سریشہ کو  
 سمجھا دیا تھا کہ نام ظاہر نہ کرے۔ یہی ایک ترکش  
 تھی اسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ ترکش کاٹر ہوئی۔  
 پولیس کو سریشہ کا چارج لینا پڑا۔ اسپتال میں داخلہ  
 تو مل گیا مگر ہسپتال پانچ دن بعد مر گئی۔

یہ امریکہ ہے۔ دنیا بھر کا سب سے اچھا سب سے طاقتور  
 سب سے بڑا ملک! اُسے روزِ ولادت قہمو قبرہی کا آرٹسٹ کہا کرتے  
 تھے!! امریکہ جو مالی ”مدد“ دوسرے ملکوں کی کر رہا  
 ہے اُس کا اندازہ بھی کرنا مشکل ہے۔ ہر روز اربوں ڈالر  
 کی مالیت کے ہتھیار اور دوسرے قسم کے جنگی سامان  
 باہر جاتے ہیں اور ہر اُس ملک کو جاتے ہیں جو  
 کمونسٹ نہیں ہے۔ اُس بات کو چھوڑ کر اُس پر فور  
 کھینچے دے ہتھیار نے بے گناہ اور دوسرے کرنے پر یہاں تکلی  
 وقم خرچ ہو رہی ہے۔ ایک سال جو ہتھیار ہلتے ہیں وہ  
 دوسرے سال پرانے ہو جاتے ہیں..... (رسالہ ”ادب“  
 کراچی کے سالانہ نمبر سے)

فلم کا ٹیڈی بٹر کم دھا تھا : امریکہ میں کوئی فریب نہیں ہے، کوئی دنگی نہیں ہے، سب کے پاس گارے، سب کے پاس آرنجے آرنجے مکان ہیں۔ کوئی ہمارا وہاں نہیں پوتا۔ وہاں گھر بہتے واچ ہو جاتا ہے۔

میں اس سوچ میں پڑ کہ کیا اس فلم کی بات مایوں  
یا اچھے اُس ہانگ کان فوسٹی کی جو امریکہ کا ہرشٹسک  
بھی ہے اور سپاہیک بھی !!

**وہابیہ کانگریس**

آسٹریا کے خوبصورت شہر وینا میں شانتی کانگریس ہوئی تھی۔ یہ کانگریس دنیا کے اتھاس میں ایک نیا پگ شروع کرتی ہے۔ آج تک اٹلے الگ الگ وچاروں کے لوگ ایک ساتھ کبھی ایک نقطہ پر ایک رائے نہیں ہوئے تھے۔ سالرے نے تھوک ہی کہا تھا۔ ”میں کمونسٹوں کا ورودھ کرتا ہوں“ اب بھی کرونا“ زندگی بھر کرتا رہونگا۔ سہرا ورودھ اپنی جگہ پر ہے۔ پر میں شانتی کا ورودھ نہیں کر سکتا۔ تیسری لوائی میں کمونسٹ بھی ختم ہو جائیں گے اور میں بھی آذر مہری وچار دھارا کے دوسرے لوگ بھی۔ میں کمونسٹوں کا ورودھ کرتا ہوں۔ تیسری لوائی کا بھی ورودھ کرونا۔“



کھات لیتا تھا۔ وہ کمیونسٹ نہیں ہے، کیونکہ وہ قسم کھا کر کمیونسٹوں کو گالی دینے کے لیے مہم چلا رہے ہیں۔ مہمیں نیشنل ایک پریسنگ ہاؤس پر آ کر رک گئیں :

”پچھلے مہینے میں ایک ہفتے کے لیے نیویارک گیا تھا۔ وہاں کی کچی کچی عمارتوں میں میرے لیے کوئی سہولت نہ تھی۔ پر میرا دھیان بروکلین (Brooklyn) کی سڑکیں پر پڑ گیا۔ اس علاقے میں حبشی نہیں بلکہ سفید امریکیوں کا غریب طبقہ رہتا ہے۔ کراچی میں رہتے ہوئے مجھے یہ گمان تھا کہ گورے امریکن تو سب دولت مند ہوں گے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ غریب ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن بروکلین کے واسطوں کی غریبی تو سخت بھانک قسم کی ہے۔ اگر خدا بخواتم بھاری آ جائے تو گھر کے برتن تک ہٹ جاتے ہیں۔ اسپتال میں پہلے تو داخلہ ہوں مشکل سے ملتا ہے اور اگر مل بھی جائے تو مریض کو کوئی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جسمانی مرض سے تو ممکن ہے تندرست ہو جائے مگر اسپتال سے نکلنے وقت ہلن کے بوجھ تلے دب کر مر جانا یقینی ہے۔ یہ لداغی نہیں بلکہ اصلیت ہے۔ کچھ ہفتے گزرے کہ ایک گورے امریکن کا بچہ بیمار ہوا۔ ڈاکٹر گھر پر نہ ملا۔ باپ اسپتال لے گیا۔ وہاں کسی نے دھیان نہ دیا۔ کم دیا گیا کہ امیرین کھلاؤ۔ بچہ بیمار نہ ہو کر گھر آیا۔ بچہ کھلا سا گیا تھا۔ ماں نے کھانا کو کھپ کر ایک کوس کو بلایا۔ کوس نے دیکھ کر کہا کہ بچے کو آکسیجن نہیں مل رہا ہے۔ فوراً اسپتال لے جاؤ۔ ماں باپ پھر اسپتال پہنچے۔ وہاں پہلے سا سلوک ہوئے لگا۔ جب یہ دونوں آ گئے تو ایک نرس نے بچے کی ماں کا ہاتھ پکڑا اور ایک دھیاندار کو بلا کر دونوں کو باہر نکالوا دیا۔ بچے کی ماں نے آپ سے باہر ہو کر چلنا شروع کر دیا جسے سن کر کئی لوگ اٹھا ہوئے۔ دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ جب لوگوں نے بات سنی تو سب نے نکتہ ملامت اور پتہ کار کی۔ اب اسپتال والوں نے مجبور ہو کر بچے کو آکسیجن دینا شروع کیا۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بچے کا رنگ نیلا پڑ چکا تھا۔ آکسیجن آئے نہ بچا سکا۔ وہ وہیں مر گیا۔ اس بچے کے ماں باپ کہتے ہیں کہ اگر ہم اور ہمارے جیسے دوسرے امریکن کمیونسٹ ہو جائیں تو ہمیں کون الزام دے سکتا ہے۔

”پچھلے مہینے میں ایک ہفتے کے لیے نیویارک گیا تھا۔ وہاں کی کچی کچی عمارتوں میں میرے لیے کوئی سہولت نہ تھی۔ پر میرا دھیان بروکلین (Brooklyn) کی سڑکیں پر پڑ گیا۔ اس علاقے میں حبشی نہیں بلکہ سفید امریکیوں کا غریب طبقہ رہتا ہے۔ کراچی میں رہتے ہوئے مجھے یہ گمان تھا کہ گورے امریکن تو سب دولت مند ہوں گے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ غریب ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن بروکلین کے واسطوں کی غریبی تو سخت بھانک قسم کی ہے۔ اگر خدا بخواتم بھاری آ جائے تو گھر کے برتن تک ہٹ جاتے ہیں۔ اسپتال میں پہلے تو داخلہ ہوں مشکل سے ملتا ہے اور اگر مل بھی جائے تو مریض کو کوئی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جسمانی مرض سے تو ممکن ہے تندرست ہو جائے مگر اسپتال سے نکلنے وقت ہلن کے بوجھ تلے دب کر مر جانا یقینی ہے۔ یہ لداغی نہیں بلکہ اصلیت ہے۔ کچھ ہفتے گزرے کہ ایک گورے امریکن کا بچہ بیمار ہوا۔ ڈاکٹر گھر پر نہ ملا۔ باپ اسپتال لے گیا۔ وہاں کسی نے دھیان نہ دیا۔ کم دیا گیا کہ امیرین کھلاؤ۔ بچہ بیمار نہ ہو کر گھر آیا۔ بچہ کھلا سا گیا تھا۔ ماں نے کھانا کو کھپ کر ایک کوس کو بلایا۔ کوس نے دیکھ کر کہا کہ بچے کو آکسیجن نہیں مل رہا ہے۔ فوراً اسپتال لے جاؤ۔ ماں باپ پھر اسپتال پہنچے۔ وہاں پہلے سا سلوک ہوئے لگا۔ جب یہ دونوں آ گئے تو ایک نرس نے بچے کی ماں کا ہاتھ پکڑا اور ایک دھیاندار کو بلا کر دونوں کو باہر نکالوا دیا۔ بچے کی ماں نے آپ سے باہر ہو کر چلنا شروع کر دیا جسے سن کر کئی لوگ اٹھا ہوئے۔ دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ جب لوگوں نے بات سنی تو سب نے نکتہ ملامت اور پتہ کار کی۔ اب اسپتال والوں نے مجبور ہو کر بچے کو آکسیجن دینا شروع کیا۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ بچے کا رنگ نیلا پڑ چکا تھا۔ آکسیجن آئے نہ بچا سکا۔ وہ وہیں مر گیا۔ اس بچے کے ماں باپ کہتے ہیں کہ اگر ہم اور ہمارے جیسے دوسرے امریکن کمیونسٹ ہو جائیں تو ہمیں کون الزام دے سکتا ہے۔

ایک اور اس قسم کا پریمی کا واقعہ خود میرے امریکن دوستوں میں سے ایک کو پیش آیا۔ یورپ سے آن کی دور کی ایک دھندلے دار عورت آئی ہوئی تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ گھر پر علاج کرنا بے حد مشکل تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسپتال میں داخل کواہیں کہیں جگہ نہ ملی۔ ایک اسپتال سے دوسرے میں جاتے تھے اور کوئی داخل نہ

ایک اور اس قسم کا پریمی کا واقعہ خود میرے امریکن دوستوں میں سے ایک کو پیش آیا۔ یورپ سے آن کی دور کی ایک دھندلے دار عورت آئی ہوئی تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ گھر پر علاج کرنا بے حد مشکل تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسپتال میں داخل کواہیں کہیں جگہ نہ ملی۔ ایک اسپتال سے دوسرے میں جاتے تھے اور کوئی داخل نہ

ایک اور اس قسم کا پریمی کا واقعہ خود میرے امریکن دوستوں میں سے ایک کو پیش آیا۔ یورپ سے آن کی دور کی ایک دھندلے دار عورت آئی ہوئی تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ گھر پر علاج کرنا بے حد مشکل تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسپتال میں داخل کواہیں کہیں جگہ نہ ملی۔ ایک اسپتال سے دوسرے میں جاتے تھے اور کوئی داخل نہ







## پر و اسی کی ڈاٹری

## پر و اسی کی ڈاٹری

و سکا نام پتا میں نہیں جانتا، جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اتنا پڑھنے کافی ہے کہ وہ ایک امریکن تھی، ایک مورت تھی اور کہنے کو ایک مشہوری تھی۔ میں رائے بریلی کی ایک سبک پر چلتے چلتے ایک بھڑکی طرف نہ جانے کہیں مڑ گیا۔ شامیانہ لگا ہوا تھا اور ایک امریکی مہلے 'ہڈے ہڈی' میں کچھ کم رہی تھیں۔ مہرے پہنچنے پر انہوں نے بات ختم کر کے دھم کی لچھڑیاں اور مٹھائیاں پالتے کا کام شروع کر دیا۔ بچے مٹھائی پر ٹوٹ پڑے اور مورتوں نے دھم کی لچھڑیوں کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ ہر ایک کو کچھ دے کر وہ مہلے مسکرا دیتی تھیں۔ اُس مسکراہٹ کو بہت سے معلیٰ پہنائے جا سکتے تھے۔ ہر مہرے لئے تو وہ مسکراہٹ ترسکا ہوئی تھی، اُس سے ہر وہم ٹھیکتا تھا، کھلتا ظاہر ہوتا تھا۔ یہ کام ختم کر کے انہوں نے اعلان کیا کہ ایک فلم کا پروڈرشن کیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں فلم پروڈرے پر آ گئی۔ لیکن مہرا اچرچ سہما کو لایا گیا۔ فلم کا حضرت مہرے کے چہرے سے سبب نہ تھا، اُن کی سبک سے اُس کا تعلق نہیں تھا۔ مہسائی دھرم کے کسی پہلو سے اُس کا ناتا نہیں تھا۔ اُس میں امریکہ کے اسکاٹی کرپور دکھائی پڑ رہے تھے، امریکی مالی ویسٹہائی کی گن گن کی گئی تھی، دکھائی پڑ رہا تھا کہ امریکہ میں سب اسہر ہیں، سب خرہ ہیں، سب سوچ کر رہے ہیں۔

"امریکا میں سب سخی ہیں" ایک نوجوان نے مہرے بگل سے کہا۔

"یہ سب پرچار ہے" دوسرے نے جواب دیا۔

ایک نوجوان فلم کے نظاروں کو سچ مان رہا تھا اور دوسرا اُسے دھوکا۔ اُن کی بحث گرم ہو چلی تھی اور مہرے اُس میں مڑا آنے لگا تھا۔ ہر اندھرا ختم ہو گیا، فلم ٹائپ ہو گئی، سب ختم ہو گیا۔ مہرا دھیان اُن مہلے کی طرف پڑ گیا۔ وہ کم رہی تھیں:

"آپ نے دیکھا امریکہ کتنا دولت مند دیہ ہے۔ امریکہ آپ کی سہائتا کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ ہندستان کو امریکہ بنانا چاہتا ہے..... ہم اپنا دیہ، اپنا سخی چن کر آپ کی سہا کرنے آئے ہیں..... آپ پڑھیں گے کہ ہم نے امریکا کا سخی چن کر کیا دیا اور ہمارے میں کیوں آ گئے۔ میں اپنا پورا قصہ آپ کو سنا دیتا چاہتی ہوں۔ ایک دن میں ایک ہوٹل میں سو رہی تھی۔ رات کو میں دیکھا کہ

اُس کا نام پتہ میں نہیں جانتا، جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اتنا پڑھنے کافی ہے کہ وہ ایک امریکن تھی، ایک مورت تھی اور کہنے کو ایک مشہوری تھی۔ میں رائے بریلی کی ایک سبک پر چلتے چلتے ایک بھڑکی طرف نہ جانے کہیں مڑ گیا۔ شامیانہ لگا ہوا تھا اور ایک امریکی مہلے 'ہڈے ہڈی' میں کچھ کم رہی تھیں۔ مہرے پہنچنے پر انہوں نے بات ختم کر کے دھم کی لچھڑیاں اور مٹھائیاں پالتے کا کام شروع کر دیا۔ بچے مٹھائی پر ٹوٹ پڑے اور مورتوں نے دھم کی لچھڑیوں کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ ہر ایک کو کچھ دے کر وہ مہلے مسکرا دیتی تھیں۔ اُس مسکراہٹ کو بہت سے معلیٰ پہنائے جا سکتے تھے۔ ہر مہرے لئے تو وہ مسکراہٹ ترسکا ہوئی تھی، اُس سے ہر وہم ٹھیکتا تھا، کھلتا ظاہر ہوتا تھا۔ یہ کام ختم کر کے انہوں نے اعلان کیا کہ ایک فلم کا پروڈرشن کیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں فلم پروڈرے پر آ گئی۔ لیکن مہرا اچرچ سہما کو لایا گیا۔ فلم کا حضرت مہرے کے چہرے سے سبب نہ تھا، اُن کی سبک سے اُس کا تعلق نہیں تھا۔ مہسائی دھرم کے کسی پہلو سے اُس کا ناتا نہیں تھا۔ اُس میں امریکہ کے اسکاٹی کرپور دکھائی پڑ رہے تھے، امریکی مالی ویسٹہائی کی گن گن کی گئی تھی، دکھائی پڑ رہا تھا کہ امریکہ میں سب اسہر ہیں، سب خرہ ہیں، سب سوچ کر رہے ہیں۔

"امریکا میں سب سخی ہیں" ایک نوجوان نے مہرے بگل سے کہا۔

"یہ سب پرچار ہے" دوسرے نے جواب دیا۔

ایک نوجوان فلم کے نظاروں کو سچ مان رہا تھا اور دوسرا اُسے دھوکا۔ اُن کی بحث گرم ہو چلی تھی اور مہرے اُس میں مڑا آنے لگا تھا۔ ہر اندھرا ختم ہو گیا، فلم ٹائپ ہو گئی، سب ختم ہو گیا۔ مہرا دھیان اُن مہلے کی طرف پڑ گیا۔ وہ کم رہی تھیں:

"آپ نے دیکھا امریکہ کتنا دولت مند دیہ ہے۔ امریکہ آپ کی سہائتا کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ ہندستان کو امریکہ بنانا چاہتا ہے..... ہم اپنا دیہ، اپنا سخی چن کر آپ کی سہا کرنے آئے ہیں..... آپ پڑھیں گے کہ ہم نے امریکا کا سخی چن کر کیا دیا اور ہمارے میں کیوں آ گئے۔ میں اپنا پورا قصہ آپ کو سنا دیتا چاہتی ہوں۔ ایک دن میں ایک ہوٹل میں سو رہی تھی۔ رات کو میں دیکھا کہ



لڑائی کے میدان میں لانا چاہتے تھے اور انہیں اچھے سत्या-  
گری بنانا چاہتے تھے۔ جینےند جی نے بھی اس ضرورت کو محسوس  
کیا اور اپنے ساتھ کے مادہم سے اس وجہ کا پرچار کیا۔  
اسی بات کو ٹھیک بتایا اور دھمک سمجھا۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

## وورت

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

## ویرت

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔

’سکھدا‘ کے پاتر پاٹھ کو اپنی طرف آکھشیت نہیں  
کرتے بلکہ جینےند جی کی شہلی پاٹھ کو باندھے رکھتی  
ہے اور اُنکے پوٹھے کے لئے چھوڑ کرتی ہے۔



# کتابیں



# کتابیں

## سکھدا

لیکھنے والے—جئےنڈر کمار؛ نیکالنے والے—پرووڈے، راکش  
پرکاشن، دہلی؛ لکھارت ہندی؛ منصفہ 210؛ دام چار روپے۔

ہندی ساہتیہ کو جئےنڈر نے جو دین دی ہے وہ بے مثال ہے۔ آلوچکوں کا کہنا ہے کہ جئےنڈر کے روپ میں ہندی ساہتیہ کو ایک 'شرت چنڈر' مل گئے ہیں۔

جئےنڈر کا ساہتیہ پڑھنے کی جتنی پیاس بڑی اتنا ہی ان کا قلم اپنے کورب سے بہاگئے لگا۔ دس سال تک تو وہ چپ سے ہی رہے۔ اس خاموشی کے بعد جب 'سکھدا' کا ایک भाग 'धर्मयुग' ने पाठकों को दिया तो साहित्यक क्षेत्र में एक हल चल मच गई. 'धर्म युग' अभी पूरा नाबिल छाप भी न पाया था कि चार चार भाषाओं में इसके अनुवाद की मांग आने लगी.

जो लोग जैनेन्द्र जी को करीब से जानते हैं उनका कहना है कि उनकी कहानियों और नाबिलों का आधार कोई न कोई सच्ची घटना होती है 'सुखदा' का भी आधार सच्चा है और जैनेन्द्र जी की रोचक, गम्भीर दिल को छूने वाली शैली और उनके अपने दर्शन ने इस घटना में जान डाल दी है. 'सुखदा' की नायिका एक "टाइप" है और यह टाइप भाग्य से ही देखने को मिलता है!

'सुखदा' में उस समय का वर्नन है जब गांधी जी राज-काजी मैदान में नहीं आये थे और देश भक्त छोटी छोटी टुकड़ियां बनाते थे, कुछ तोड़ फोड़ करते थे. भागे भागे फिरते थे. इन टुकड़ियों का जनता से सम्पर्क नहीं होता था और लुके छिपे ही सारा काम होता था. इन टुकड़ियों के मेम्बर भी एक 'टाइप' होते थे—शक्ती, कट्टर, बेलाग यह सब मिल कर किसी एक की पूजा करने लगते थे और जब पूजा से ऊब जाते थे तो आपस में लड़ पड़ते थे, दल भंग हो जाता था. कुछ इन्हीं में से सी. आई. डी. बन जाते थे और कुछ रालत शक पर एक दूसरे की जान तक ले लेते थे. इस युग का और ऐसे आदमियों की एक फलक इस नाबिल में मिलती है.

किसी जमाने में इस बात की जरूरत गांधी जी ने महसूस की थी कि पुराने "इन्कलाबी दल" के लोगों के बिल को मोहा जाये और उन्होंने ऐसे लोगों से अपील की थी कि वह अपने को खुद पुलिस के हवाले कर दें. इस तरह गांधी जी ऐसे बेलाग लोगों को खुलस लुला

## सकھدا

لکھنے والے—جئےنڈر کمار؛ نیکالنے والے—پرووڈے، راکش  
دہلی؛ لکھارت ہندی؛ منصفہ 210؛ دام چار روپے۔

ہندی ساہتیہ کو جئےنڈر نے جو دین دی ہے وہ بے مثال ہے۔ آلوچکوں کا کہنا ہے کہ جئےنڈر کے روپ میں ہندی ساہتیہ کو ایک 'شرت چنڈر' مل گئے ہیں۔

جئےنڈر کا ساہتیہ پڑھنے کی جتنی پیاس بڑی اتنا ہی ان کا قلم اپنے کورب سے بہاگئے لگا۔ دس سال تک تو وہ چپ سے ہی رہے۔ اس خاموشی کے بعد جب 'سکھدا' کا ایک भाग 'धर्मयुग' ने पाठकों को दिया तो साहित्यक क्षेत्र में एक हल चल मच गई. 'धर्म युग' अभी पूरा नाबिल छाप भी न पाया था कि चार चार भाषाओं में इसके अनुवाद की मांग आने लगी.

जो लोग जैनेन्द्र जी को करीब से जानते हैं उनका कहना है कि उनकी कहानियों और नाबिलों का आधार कोई न कोई सच्ची घटना होती है 'सुखदा' का भी आधार सच्चा है और जैनेन्द्र जी की रोचक, गम्भीर दिल को छूने वाली शैली और उनके अपने दर्शन ने इस घटना में जान डाल दी है. 'सुखदा' की नायिका एक "टाइप" है और यह टाइप भाग्य से ही देखने को मिलता है!

'सुखदा' में उस समय का वर्नन है जब गांधी जी राज-काजी मैदान में नहीं आये थे और देश भक्त छोटी छोटी टुकड़ियां बनाते थे, कुछ तोड़ फोड़ करते थे. भागे भागे फिरते थे. इन टुकड़ियों का जनता से सम्पर्क नहीं होता था और लुके छिपे ही सारा काम होता था. इन टुकड़ियों के मेम्बर भी एक 'टाइप' होते थे—शक्ती, कट्टर, बेलाग यह सब मिल कर किसी एक की पूजा करने लगते थे और जब पूजा से ऊब जाते थे तो आपस में लड़ पड़ते थे, दल भंग हो जाता था. कुछ इन्हीं में से सी. आई. डी. बन जाते थे और कुछ रालत शक पर एक दूसरे की जान तक ले लेते थे. इस युग का और ऐसे आदमियों की एक फलक इस नाबिल में मिलती है.

किसी जमाने में इस बात की जरूरत गांधी जी ने महसूस की थी कि पुराने "इन्कलाबी दल" के लोगों के बिल को मोहा जाये और उन्होंने ऐसे लोगों से अपील की थी कि वह अपने को खुद पुलिस के हवाले कर दें. इस तरह गांधी जी ऐसे बेलाग लोगों को खुलस लुला



رہتا رہتا کوئی جنموں کے باوجود کبھی بندھتا ہی اچھا ہو جاتا ہے۔ مگر جو آدھی بڑے کام کرتے ہیں، اچھے کاموں کو چھوڑتے ہیں اور بھگوان کے حکموں کے برخلاف کام کرتے ہیں ان کا من، دل اور بدن خراب ہوتے جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت بھی خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو دوسرے جنم میں خراب من، خراب دل اور خراب بدن ملتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی ایسے کام کرتا ہے کہ ان سے من اور دل اچھا ہوتا جائے مگر ایسے کوئی کام نہیں کرتا کہ جس سے بدن بھی اچھا ہوتا جائے تو اس کو الگے جنم میں من اور دل تو اچھا ملتا ہے مگر بدن خراب ملتا ہے۔ اور جو آدمی اس جنم میں ایسے کام کرتا ہے کہ جن سے بدن تو اچھا ہوتا جائے اور من اور دل خراب ہوتا جائے تو پھر الگے جنم میں اس کو بدن تو اچھا ملتا ہے مگر من اور دل خراب ملتا ہے۔ فرض یہ کہ جیسے جیسے کام کوئی آدمی ایک جنم میں کرتا ہے انہوں نے مطابق بدن، من اور دل سے اس کی آتما دوسرے جنم میں مل جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک دفعہ برا بدن یا من یا دل مل جائے تو ہمیشہ برا ہی چلا جائے۔ نہیں بلکہ آتما میں بھگوان نے بڑی طاقت رکھی ہے۔ آتما کی کوشش سے ہم برے سے برے بدن کو بھی اچھا کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا ضرور کرنا چاہئے کہ ہر ایک کام اور بات میں تھپک بھگوان کی مرضی اور بھگوان کے ہمارے ہونے قاعدے قانون کے مطابق چلیں۔

نہایت کئی جانوں نے بعد سب کچھ بہت ہی اچھا ہو جاتا ہے۔ مگر جو آدمی بڑے کام کرتے ہیں، اچھے کاموں کو چھوڑتے ہیں اور بھگوان کے حکموں کے برخلاف کام کرتے ہیں ان کا من، دل اور بدن خراب ہوتے جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت بھی خراب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو دوسرے جنم میں خراب من، خراب دل اور خراب بدن ملتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی ایسے کام کرتا ہے کہ ان سے من اور دل اچھا ہوتا جائے مگر ایسے کوئی کام نہیں کرتا کہ جس سے بدن بھی اچھا ہوتا جائے تو اس کو الگے جنم میں من اور دل تو اچھا ملتا ہے مگر بدن خراب ملتا ہے۔ اور جو آدمی اس جنم میں ایسے کام کرتا ہے کہ جن سے بدن تو اچھا ہوتا جائے اور من اور دل خراب ہوتا جائے تو پھر الگے جنم میں اس کو بدن تو اچھا ملتا ہے مگر من اور دل خراب ملتا ہے۔ فرض یہ کہ جیسے جیسے کام کوئی آدمی ایک جنم میں کرتا ہے انہوں نے مطابق بدن، من اور دل سے اس کی آتما دوسرے جنم میں مل جاتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک دفعہ برا بدن یا من یا دل مل جائے تو ہمیشہ برا ہی چلا جائے۔ نہیں بلکہ آتما میں بھگوان نے بڑی طاقت رکھی ہے۔ آتما کی کوشش سے ہم برے سے برے بدن کو بھی اچھا کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا ضرور کرنا چاہئے کہ ہر ایک کام اور بات میں تھپک بھگوان کی مرضی اور بھگوان کے ہمارے ہونے قاعدے قانون کے مطابق چلیں۔

## نہی کا سفر

(ہامید ulla اکسر)

نہی ! دیر دیر چلنا  
نہی ! میری دھبہ نہ جا  
جنگل میں سے ہو کے نکلنا  
آج کل کا جھپٹ سا آج  
آج کل کے مچلنا  
ہر کے مارے جی بھرا  
اتنی دیر ابھی ہے چلنا  
کوئی دھبہ بھی تو نہ پا  
( 'آج کل' سے )

## نہی کا سفر

(حامد اللہ افسر)

نہی ! دھبے دھبے چلنا  
نہی ! میری قرب نہ جائے  
جنگل میں سے ہو کے نکلنا  
آج کل کا جھپٹ سا آج  
آج کل کے مچلنا  
ہر کے مارے جی بھرا  
اتنی دیر ابھی ہے چلنا  
کوئی دھبہ بھی تو نہ پا  
( 'آج کل' سے )







नागरिकों के हाथ में रहने चाहिये. मुनाकों पर टैक्स लगे हुए हैं. मुनाको और पूंजी की रकम देश के बाहर नहीं जा पाती. विदेशी कम्पनी अपनी मर्ची के माफ़िक मजदूरों और कर्मचारियों को बरखास्त नहीं कर सकती बौरा.

अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं कि यह तमाम बन्धन ख़तम हो जायें, तमाम इस तरह के क़ायदे क़ानून रह हो जायें, ताकि फिर वह बड़े पैमाने पर अपनी पूंजी वहां लगा सकें और अपनी पैलियां भर सकें.

विदेशी विभाग की उसी किताब में लिखा है:

“तकनीकी सहयोग का कार्य क्रम खुद इस सवाल पर मुक़ामी सरकारों का रुख बदलवाने में सहायक सिद्ध हो सकता है.”

यह झूठी उम्मीद नहीं है, इसका सबूत यह है कि भारत के साथ तकनीकी समझौता होने के लगभग साथ साथ भारत सरकार स्टैण्डर्ड आयल और कैलटैक्स कम्पनियों को वह तमाम सुविधाएं देना क़बूल कर लिया जो अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं. मिसाल के लिये ये कम्पनियां तेल साफ़ करने के जो कारख़ाने यहां खोलेंगी, उनके सिर्फ़ 25 फ़ीसदी हिस्से हिन्दुस्तानियों के हाथ में रहेंगे 30 साल तक राश्ट्रीकरण नहीं होगा, उसके बाद भी होगा तो पूरा मुआवाज़ा दिया जायगा; मुनाके और पूंजी की रकम बिना रांक टोक के अमरीका भेजी जा सकेंगी, सरकार का उद्योग नियंत्रण क़ानून नये का ख़ानों पर लागू नहीं होगा, बौरा.

संक्षेप में अमरीकी मदद के तीन साफ़ आर्थिक मक़सद हैं:

- (1) भारत के कच्चे माल और खनिज पदार्थों के साधनों की इधियाना;
- (2) भारत में अपनी पूंजी लगा कर मोटे मुनाके कमाना;
- (3) पूंजी लगाने के रास्ते में जितनी आर्थिक या राजकाजी कठिनाइयां हैं, उन्हें इस मदद के जरिये दूर करना.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को क़बूल करना भारत को ख़ुदने में अमरीकी घन्ना सेठों की मदद करना है.

सवाल है कि हमारी सरकार क्यों यह ना समझी का क़दम उठा रही है? और कौन लोग हैं जो हमारे देश को अमरीकियों के हाथ बेच देने पर तुले हुए हैं? इस सवाल पर हम अगले खंड में राखनी डालेंगे.

नज़रों के ख़ाले में रहने चाहते. मुनाकों पर टैक्स लगे हुए हैं. मुनाको और पूंजी की रकम देश के बाहर नहीं जा पाती. विदेशी कम्पनी अपनी मर्ची के माफ़िक मजदूरों और कर्मचारियों को बरखास्त नहीं कर सकती बौरा.

अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं कि यह तमाम बन्धन ख़तम हो जायें, तमाम इस तरह के क़ायदे क़ानून रह हो जायें, ताकि फिर वह बड़े पैमाने पर अपनी पूंजी वहां लगा सकें और अपनी पैलियां भर सकें.

विदेशी विभाग की उसी किताब में लिखा है: “तकनीकी सहयोग का कार्य क्रम खुद इस सवाल पर मुक़ामी सरकारों का रुख बदलवाने में सहायक सिद्ध हो सकता है.”

यह झूठी उम्मीद नहीं है, इसका सबूत यह है कि भारत के साथ तकनीकी समझौता होने के लगभग साथ साथ भारत सरकार स्टैण्डर्ड आयल और कैलटैक्स कम्पनियों को वह तमाम सुविधाएं देना क़बूल कर लिया जो अमरीकी पूंजीपति चाहते हैं. मिसाल के लिये ये कम्पनियां तेल साफ़ करने के जो कारख़ाने यहां खोलेंगी, उनके सिर्फ़ 25 फ़ीसदी हिस्से हिन्दुस्तानियों के हाथ में रहेंगे 30 साल तक राश्ट्रीकरण नहीं होगा, उसके बाद भी होगा तो पूरा मुआवाज़ा दिया जायगा; मुनाके और पूंजी की रकम बिना रांक टोक के अमरीका भेजी जा सकेंगी, सरकार का उद्योग नियंत्रण क़ानून नये का ख़ानों पर लागू नहीं होगा, बौरा.

- (1) भारत के कच्चे माल और खनिज पदार्थों के साधनों की इधियाना;
- (2) भारत में अपनी पूंजी लगा कर मोटे मुनाके कमाना;
- (3) पूंजी लगाने के रास्ते में जितनी आर्थिक या राजकाजी कठिनाइयां हैं, उन्हें इस मदद के जरिये दूर करना.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को क़बूल करना भारत को ख़ुदने में अमरीकी घन्ना सेठों की मदद करना है.

सवाल है कि हमारी सरकार क्यों यह ना समझी का क़दम उठा रही है? और कौन लोग हैं जो हमारे देश को अमरीकियों के हाथ बेच देने पर तुले हुए हैं? इस सवाल पर हम अगले खंड में राखनी डालेंगे.

इस मदद को लेना भारत की आर्थिक व्यवस्था को अमरीकी सरमाया दारों को सौंप देना है. इस मदद को क़बूल करना भारत को ख़ुदने में अमरीकी घन्ना सेठों की मदद करना है.







موجودہ وقت میں امریکی پرائیویٹ یونٹیں  
ہندوستان پر ایٹم اور ہلکا وچہ نہیں ہے۔ پچھلے وقت  
میں ہندوستان میں کچھ مال سستا ملتا ہے، مزدوروں کو نقد  
کم دیتی ہوئی ہے اور اس لئے منافع ہوتے ہیں۔  
مقالے کے لئے 'امریکہ کی چاندی کی کھدائی کو  
اور دیکھئے کہ انہیں امریکہ کے اندر لگی ہوئی ہے  
کچھ منافع ہوتا ہے اور دیکھیں میں لگی ہوئی ہے

## 1948 مہینے ملازم کی قدر

دیہیں مہن لگی	دیہیں مہن لگی	کیمپلی کا نام
ہونچتی ہر مدافع	ہونچتی ہر مدافع	
کی در	کی در (فیصدی)	
33	11	اسٹیمپڈ آئل
80	25	چلرل موٹرس
13	5	اناکونڈا کوپر
26	7	فالز اسٹیرن (پر)

سوئٹ پیارٹ میں لکھی ہوئی امریکی پرنسپی پر 1948  
میں لگ بھگ 40 لاکھ روپے کا نقصان ہوا تھا۔ یعنی  
پچھلے دو دہائیوں میں پرنسپی لکنا امریکہ یا یورپ  
میں پرنسپی لکائے سے کہیں اندھک منافع دیتا ہے۔ پر  
ایسا کرنے میں امریکی پرنسپی کو دینی بڑی مشکلات کا  
سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پر مشکل یہ ہے کہ پچھلے دہائیوں میں بھلی  
کا 'دعائیں سونوں' کا ہندو گھوس اور ہوائی انڈوں کا 'بھروسہ'  
سہلچائی اور صفائی کا پرہیزہ انڈا خراب ہے کہ وہاں  
ہوے پھالے پر امریکی پوسٹی لگا کر مبالغہ نما ناسکین

ہوائیہٹ ہونے کی لئے زمین تیار کی جا رہی ہے

امریکی دیہی وبہگ نے پر دشمن ”چونہی ہات :  
آرنہک نظر سے پہچانے ہوئے دیہوں کے وکس کا سہوگی  
کارہ کریم“ میں لہا لہا ہے :

”پانہاں تے ئی خرابیوں ہے..... آرتھک تھہراؤ پھدا  
 ہونا ہے اور استغراشتی ہووہار ئی چال دم ہو جانی ہے  
 ..... اُن کی وجہ ہے کھلج پدارتھوں اور لکڑی کو دیہی  
 خریداروں تک اور دیہیوں نو لے جانے مہن نامکین ہو  
 جانا ہے..... ان کی وجہ ہے دل کارخانوں کے بلے مال کا  
 بازار سمٹت ہو جاتا ہے اور دل کارخانوں کے لئے ضروری  
 کچے مال کو پانا مہلکا ہو جاتا ہے۔“ (صفحہ 28)

”سہیل چائی کی ویو سٹما..... بازو دو کٹر کا پر پندہ“  
 ناؤں اور جہازوں کے آئے جانے کی سرور دیا میں وغیرہ  
 آدھک واکس کے لٹر بہت ضروری ہوں۔“ (صفحہ 77)

”پتلی نی دیس، ریلوں اور سڑکیں، ڈاکنار، بلند گھوں  
وگاس اور سہلہائی صفا نی دھرتی نی ویستھاؤں میں



अस्तरों को पूरा करने के लिये जरूरी है कि "पिछड़े हुए देशों को ऐसी तकनीकी और आर्थिक मदद दी जाय जिससे वह कृषि, शिक्षा, तन्तुबस्ती और आवागमन के बुनियादी क्षेत्रों में जरूरी तरक्की कर सकें।" (संका 8)

आपसी सुरक्षा कानून की रका 514 में साफ-साफ लिखा है कि

"इस कानून के दायरे में आने वाले इलाकों में, ऐसे कच्चे मालों की पैदावार बढ़ाने के लिये, जिनकी अमरीका में कमी है, 550 लाख डॉलर खर्च करने का अधिकार सरकार को दिया जाता है।"

भारत को इसी मद में वह मद मिली है जिससे नेहरू सरकार ग्राम-सुधार का काम चला रही है।

**भारत से अमरीका को क्या चाहिये**

अमरीका की प्रतिनिधि सभा के विदेशी नीति सम्बन्धी उप समिति ने अपनी एक रिपोर्ट में बताया है :

"भारत में ऐसे कितने ही कच्चे माल पाये जाते हैं जिन्हें अमरीका में कौड़ी नजर से महत्वपूर्ण समझा जाता है। ऐसी जिन चीजों के अमरीका में अंदर इकट्ठा किये जा रहे हैं, उन में से नीचे लिखी चीजें हिन्दुस्तान में काफी मात्रा में पाई जाती हैं : बेरिल, रेंडी के बाज, क्रोमाइट, गोले का तेल, कायनाइट, मैंगनीज, अबरक, मोनेफाइट, 'अफीम' काली मिर्च, रबड़, रूटाइल, लाख, खड़िया, और सिर-कौन, जूट, चमड़ा ( बकरों और बछड़ों की खालें ) और सीसम का तेल भी, जो अमरीका में इकट्ठा तो नहीं किये जाते पर जिनकी यहां काफी कमी है, हिन्दुस्तान में पाए जाते हैं.....इन सभी चीजों की अमरीका को आज सख्त जरूरत है।"

इस तरह साफ हो जाता है कि भारत में अमरीका की विलक्षणी का पहला आर्थिक कारन हमारे कच्चे माल और कौड़ी महत्व के खनिज पदार्थों के उत्पादन पर कब्जा करना है।

**ग्राहवेट पूंजी लगा कर मुनाफ़ा कमाने का मक़सद**

दूसरा कारन हमारे देश में पूंजी लगा कर चियावा से चियावा मुनाफ़ा कमाना है। इस मक़सद का उनके पहले मक़सद से बानी हमारे कच्चे माल को हथियाने के मक़सद से गहरा सम्बन्ध है।

अमरीकी शासकों की पक्की राय है कि सिर्फ़ सरकारी तौर पर मेजी गई आर्थिक या तकनीकी मदद से काम नहीं चलेगा। फाली कमीशन ने कहा है कि "इतिहास में वह काम (कच्चे मालों का उत्पादन बढ़ाना और उस पर कब्जा करना) सदा ग्राहवेट पूंजी ने किया है और अब भी पिछड़े हुए देशों में कच्चे माल का उत्पादन बढ़ाने की खास जिम्मेदारी ग्राहवेट अमरीकी पूंजी को संभालनी चाहिये।"

शुद्धतों को पूरा करने के लिए जरूरी है कि "पिछड़े हुए देशों को ऐसी तकनीकी और आर्थिक मदद दी जाय जिससे वह कृषि, शिक्षा, तन्तुबस्ती और आवागमन के बुनियादी क्षेत्रों में जरूरी तरक्की कर सकें।" (संका 8)

ऐसी सुरक्षा कानून की रका 514 में साफ-साफ लिखा है कि "इस कानून के दायरे में आने वाले इलाकों में, ऐसे कच्चे मालों की पैदावार बढ़ाने के लिये, जिनकी अमरीका में कमी है, 550 लाख डॉलर खर्च करने का अधिकार सरकार को दिया जाता है।"

भारत को इसी मद में वह मद मिली है जिससे नेहरू सरकार ग्राम-सुधार का काम चला रही है।

अमरीका की प्रतिनिधि सभा की विदेशी नीति सम्बन्धी उप समिति ने अपनी एक रिपोर्ट में बताया है :

"भारत में ऐसे कितने ही कच्चे माल पाये जाते हैं जिन्हें अमरीका में कौड़ी नजर से महत्वपूर्ण समझा जाता है। ऐसी जिन चीजों के अमरीका में अंदर इकट्ठा किये जा रहे हैं, उन में से नीचे लिखी चीजें हिन्दुस्तान में काफी मात्रा में पाई जाती हैं : बेरिल, रेंडी के बाज, क्रोमाइट, गोले का तेल, कायनाइट, मैंगनीज, अबरक, मोनेफाइट, 'अफीम' काली मिर्च, रबड़, रूटाइल, लाख, खड़िया, और सिर-कौन, जूट, चमड़ा ( बकरों और बछड़ों की खालें ) और सीसम का तेल भी, जो अमरीका में इकट्ठा तो नहीं किये जाते पर जिनकी यहां काफी कमी है, हिन्दुस्तान में पाए जाते हैं.....इन सभी चीजों की अमरीका को आज सख्त जरूरत है।"

इस तरह साफ हो जाता है कि भारत में अमरीका की विलक्षणी का पहला आर्थिक कारन हमारे कच्चे माल और कौड़ी महत्व के खनिज पदार्थों के उत्पादन पर कब्जा करना है।

**प्राथमिक पूंजी लगा कर मुनाफ़ा कमाने का मक़सद**

दूसरा कारन हमारे देश में पूंजी लगा कर चियावा से चियावा मुनाफ़ा कमाना है। इस मक़सद का उनके पहले मक़सद से बानी हमारे कच्चे माल को हथियाने के मक़सद से गहरा सम्बन्ध है।

अमरीकी शासकों की पक्की राय है कि सिर्फ़ सरकारी तौर पर मेजी गई आर्थिक या तकनीकी मदद से काम नहीं चलेगा। फाली कमीशन ने कहा है कि "इतिहास में वह काम (कच्चे मालों का उत्पादन बढ़ाना और उस पर कब्जा करना) सदा ग्राहवेट पूंजी ने किया है और अब भी पिछड़े हुए देशों में कच्चे माल का उत्पादन बढ़ाने की खास जिम्मेदारी ग्राहवेट अमरीकी पूंजी को संभालनी चाहिये।"



पाली कमीशन ने पहले जांच की कि अमरीकी कच्चे कारखानों की आजकल कितने और कौन से कच्चे माल की जरूरत है, उसमें से कौन सा और कितना माल खुद अमरीका में पैदा हो जाता है और कितना बाहर से मंगाना पड़ता है। इसके बाद पाली कमीशन ने हिसाब लगाया कि अगले पचास साल में अमरीका को कितने कच्चे माल की जरूरत होगी और वह कहाँ से आयेगा।

### कच्चे माल की समस्या

पाली कमीशन जिस नतीजे पर पहुंचा वह थोड़े में यह है:

अमरीका के लिये कच्चे माल की समस्या बहुत गम्भीर शकल धारण करती जा रही है। 1900 में अमरीका जितना कच्चा माल खर्च करता था, उससे 15 फी सदी से ज्यादा वह खुद पैदा कर लेता था। 1950 तक वह अपनी पैदावार से मात्र 10 फी सदी खर्च करने लगा और 1975 तक वह पैदावार से 20 फी सदी खर्च करने लगेगा।

इसक अलावा, कमीशन ने कहा, अगले पचास साल में किसी भी वस्तु बड़ी लड़ाई छिड़ सकती है। उसके लिये अमरीका को कच्चे मालों का बहुत बड़ा भंडार जमा करके रखना पड़ेगा। वह भंडार इतना बड़ा होना चाहिये कि दुश्मन के हवाई जहाज बम फेंक कर उसके एक भाग को नष्ट कर दें तो भी वह कम न पड़े।

इस तरह कच्चे माल की समस्या ने खतरनाक रूप पा लिया है और कमीशन की राय में अगर उसे हल न किया गया तो अमरीका की डिफाइट खतरे में पड़ जायेगी।

कमीशन लिखता है : "असली सवाल यह है कि क्या उन पिछड़े हुए देशों में जहां जरूरी कच्चे माल सबसे सस्ते मिलते हैं, हम जरूरी पूंजी, मशीनें, और तकनीकी और व्यवस्था से सम्बन्ध रखने वाले एक्सपर्ट भेज सकेंगे ताकि वहां हमारी जरूरत के मुताबिक कच्चा माल तैयार हो सके।"

### पिछड़े हुए देशों का महत्व

साहिर है, यह पिछड़े हुए देश, एशिया, अफ्रीका और दक्खिनी अमरीका के गुलाम या अधगुलाम देश हैं। जब आपसी सुरक्षा कानून ( जिसके मातहत भारत को तकनीकी मदद मिली है ) अमरीकी पार्लिमेंट के सामने पेश था, तब पार्लिमेंट के मेम्बरों को दूसरे देशों की मदद करने की जरूरत समझाने के लिये अमरीकी सरकार ने एक किताब निकाली थी। उसमें इन पिछड़े हुए देशों के बारे में लिखा था :

"संसार के ज्यादातर कुदरती साधन इन्हीं देशों में पाये जाते हैं। दुनिया का सारा रबर, सारा जूट, दो तिहाई तेल, और ज्यादातर टिन, मैंगनीज, कुनैन और दूसरे फौजी महत्व के कच्चे माल इन्हीं देशों में मिलते हैं" (सफा 7-8)

आगे चलकर इसी किताब में साफ साफ लिखा है कि ऊपर लिखी बातों का ध्यान में रखते हुए अमरीका की फौजी

पाली कमीशन ने पहले जांच की कि अमरीकी कच्चे कारखानों को आजकल कितने और कौन से कच्चे माल की जरूरत है, उसमें से कौन सा और कितना माल खुद अमरीका में पैदा हो जाता है, उसके बाद पाली कमीशन ने हिसाब लगाया कि अगले पचास साल में अमरीका को कितने कच्चे माल की जरूरत होगी और वह कहाँ से आयेगा।

### कच्चे माल की समस्या

पाली कमीशन जिस नतीजे पर पहुंचा वह थोड़े में यह है:

अमरीका के लिये कच्चे माल की समस्या बहुत गम्भीर शकल धारण करती जा रही है। 1900 में अमरीका जितना कच्चा माल खर्च करता था, उससे 15 फी सदी से ज्यादा वह खुद पैदा कर लेता था। 1950 तक वह अपनी पैदावार से मात्र 10 फी सदी खर्च करने लगा और 1975 तक वह पैदावार से 20 फी सदी खर्च करने लगेगा।

इसक अलावा, कमीशन ने कहा, अगले पचास साल में किसी भी वस्तु बड़ी लड़ाई छिड़ सकती है। उसके लिये अमरीका को कच्चे मालों का बहुत बड़ा भंडार जमा करके रखना पड़ेगा। वह भंडार इतना बड़ा होना चाहिये कि दुश्मन के हवाई जहाज बम फेंक कर उसके एक भाग को नष्ट कर दें तो भी वह कम न पड़े।

इस तरह कच्चे माल की समस्या ने खतरनाक रूप पा लिया है और कमीशन की राय में अगर उसे हल न किया गया तो अमरीका की डिफाइट खतरे में पड़ जायेगी।

### पिछड़े हुए देशों का महत्व

साहिर है, यह पिछड़े हुए देश, एशिया, अफ्रीका और दक्खिनी अमरीका के गुलाम या अधगुलाम देश हैं। जब आपसी सुरक्षा कानून ( जिसके मातहत भारत को तकनीकी मदद मिली है ) अमरीकी पार्लिमेंट के सामने पेश था, तब पार्लिमेंट के मेम्बरों को दूसरे देशों की मदद करने की जरूरत समझाने के लिये अमरीकी सरकार ने एक किताब निकाली थी। उसमें इन पिछड़े हुए देशों के बारे में लिखा था :

"संसार के ज्यादातर कुदरती साधन इन्हीं देशों में पाये जाते हैं। दुनिया का सारा रबर, सारा जूट, दो तिहाई तेल, और ज्यादातर टिन, मैंगनीज, कुनैन और दूसरे फौजी महत्व के कच्चे माल इन्हीं देशों में मिलते हैं" (सफा 7-8)



रही है, "अगर यह प्रवृत्ति जारी रही तो भारत में कम्युनिस्टों की ताकत बढ़ जायगी और एशिया में एक बहुत खतरनाक हालात पैदा हो जायगी," (20 मार्च 1952)

इसके लिये मिस्टर एचेसन ने अमरीकी कांग्रेस पर जोर दिया कि वह फौरन भारत की मदद भेजना संजूर करे, उनके शब्द यह थे :

"हिन्दुस्तान में मौजूद हमारे सभी सलाहकारों की राय है कि अगर बड़े बचीर नेहरू के नेतृत्व में स्थापित नई सरकार अगले पांच साल में काफ़ी आर्थिक विकास करके नहीं दिखाती तो अगले चुनाव में जनवादी ताकतें सत्तार में बढ़ जायेंगी और या तो अति उपवादी या कम्युनिस्ट ऊपर आ जायेंगे."

नतीजा यह हुआ कि चुनाव पूरी तरह खतम भी नहीं हुए थे कि 5 जनवरी 1952 को भारत और अमरीका के बीच तकनीकी सहयोग समझौता हो गया और अमरीकी मदद और कर्जों की मढ़ी भारत में लग गई. "अमृत बाजार पत्रिका" के नई दिल्ली में संवाददाता डाक्टर कृष्णलाल श्रीधरानी के शब्दों में :

"चुनाव की पटलनियों से खुद हारे हुए उम्मीदवारों को इतनी बोलबाला नहीं हुई जितनी अमरीकी दर्शकों को हुई. सभी से नित नये अमरीकी मिशन यहां आने लगे और रोज नई मदद के वादे होने लगे....." ("पत्रिका" 20 अप्रैल 1952)

#### अमरीकी मदद का राजकाजी रहस्य

थोड़े में, जहां तक अमरीका के राजकाजी मकसदों का सवाल है, चन्द बातें बिल्कुल साफ हो जाती हैं :

(1) जब से अमरीका ने दुनिया पर अपना क़बजा जमाने और समाजवादी रुस से लड़ने की ठानी, तब से उसकी नज़रों में भारत महत्वपूर्ण बन गया.

(2) चीन के आज़ाद हो जाने पर भारत का महत्त्व और भी बढ़ गया, एशिया में अब अमरीका को अपना सहारा यही एक देश दिखाई देता है.

(3) पिछले आम चुनाव ने अमरीकियों को बहद्वास कर दिया. उन्होंने समझ लिया कि अगर उन्होंने फौरन हिन्दुस्तान को अपनी मुट्ठी में नहीं किया तो चीन की तरह वह भी उनके हाथ से निकल जायगा.

अमरीकी मदद का राजकाजी रहस्य, थोड़े में, यही है.

(2)

अब आर्थिक कारनों पर भी विचार कर लिया जाय.

जून 1951 में ट्रूमन ने कठबे माल सम्बन्धी नीति के बारे में जांच करने के लिये विलियम पाली नामक एक बड़े पूंजीपति की सहायता में एक कमीशन कायम किया या. पाली कमीशन की चार भित्तियों की भारी-भरकम रिपोर्ट अभी हाल में छपी है. उससे भारत के आर्थिक साधनों में अमरीका की विलासपी का कारण बिलकुल साफ हो जाता है.

रही है. "अगर यह प्रवृत्ति जारी रही तो भारत में कम्युनिस्टों की ताकत बढ़ जायगी और एशिया में एक बहुत खतरनाक हालात पैदा हो जायगी." (20 मार्च 1952)

अस के लिये मिस्टर एचेसन ने अमरीकी कांग्रेस पर जोर दिया कि वह फौरन भारत की मदद भेजना संजूर करे. उन के शब्द ये थे :

"हिन्दुस्तान में मौजूद हमारे सभी सलाहकारों की राय है कि अगर बड़े बचीर नेहरू के नेतृत्व में स्थापित नई सरकार अगले पांच साल में काफ़ी आर्थिक विकास करके नहीं दिखाती तो अगले चुनाव में जनवादी ताकतें सत्तार में बढ़ जायेंगी और या तो अति उपवादी या कम्युनिस्ट ऊपर आ जायेंगे."

नतीजा यह हुआ कि चुनाव पूरी तरह खतम भी नहीं हुए थे कि 5 जनवरी 1952 को भारत और अमरीका के बीच तकनीकी सहयोग समझौता हो गया और अमरीकी मदद और कर्जों की मढ़ी भारत में लग गई. "अमृत बाजार पत्रिका" के नई दिल्ली में संवाददाता डाक्टर कृष्णलाल श्रीधरानी के शब्दों में :

"चुनाव की पटलनियों से खुद हारे हुए उम्मीदवारों को इतनी बोलबाला नहीं हुई जितनी अमरीकी दर्शकों को हुई. सभी से नित नये अमरीकी मिशन यहां आने लगे और रोज नई मदद के वादे होने लगे....." ("पत्रिका" 20 अप्रैल 1952)

#### अमरीकी मदद का राज काजी रहस्य

थोड़े में, जहां तक अमरीका के राजकाजी मकसदों का सवाल है, चन्द बातें बिल्कुल साफ हो जाती हैं :

(1) जब से अमरीका ने दुनिया पर अपना क़बजा जमाने और समाजवादी रुस से लड़ने की ठानी, तब से उसकी नज़रों में भारत महत्वपूर्ण बन गया.

(2) चीन के आज़ाद हो जाने पर भारत का महत्त्व और भी बढ़ गया, एशिया में अब अमरीका को अपना सहारा यही एक देश दिखाई देता है.

(3) पिछले आम चुनाव ने अमरीकियों को बहद्वास कर दिया. उन्होंने समझ लिया कि अगर उन्होंने फौरन हिन्दुस्तान को अपनी मुट्ठी में नहीं किया तो चीन की तरह वह भी उनके हाथ से निकल जायगा.

(2)

अमरीकी मदद का राज काजी रहस्य, थोड़े में, यही है.

अब आर्थिक कारनों पर भी विचार कर लिया जाय.

जून 1951 में ट्रूमन ने कठबे माल सम्बन्धी नीति के बारे में जांच करने के लिये विलियम पाली नामक एक बड़े पूंजीपति की सहायता में एक कमीशन कायम किया या. पाली कमीशन की चार भित्तियों की भारी-भरकम रिपोर्ट अभी हाल में छपी है. उससे भारत के आर्थिक साधनों में अमरीका की विलासपी का कारण बिलकुल साफ हो जाता है.



\_\_\_\_\_

دسمبر 1949 میں لگی ملی میں ایک ہزار امریکہ  
شہریوں کو جس میں گھنچھام داس بڑا اور لگی بڑے  
بھارتی پونجی پتھوں نے بھی بھاگ لیا۔ اس شہری  
میں امریکہ کے ویدھی نہتی سنگھ ( فارن پالیسی ایسوسی  
ایٹھن) کی ممبر ویرا سنگھاس دین نے امریکہ کے نئے درستی  
کو کو ان شہریوں کو سمجھایا :

”ایک بار چمن نے ٹراہی ہو جانے کے بعد امریکہ بھارت  
کی اور بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ دیکھنے لگا ہے۔۔۔۔۔  
بھارت امریکہ کے لئے آرتھک نظر سے بھی مہتو ہوتا ہے  
کھنکھ وہ لکھ، چوٹ، ابرک، موکلہز اور اور ایسی بہت  
سی چیزیں پیدا کرتا ہے جو فوجی نظر سے بہت ضروری  
ہوں۔ اُدھر، بھارت بھلی پیدا کرنے اور نئے کل کارخانے  
کھولنے کی ایک بڑی بہاری ہو چکا تھا کہ رہا ہے جس کے  
لئے آئے امریکہ سے تکنیکی اور آرتھک مدد لینی پڑے گی۔  
بچہ امریکہ واسطوں کو پہلے قر تھا کہ بھارت امریکہ اور  
سوویت سنگھ کے بیچ تکتھکا کا رخ ایلانے کا ہر جب  
1949 میں بھارت نے برٹش کامن ویلتھ میں رھنے کا طے کیا  
جس کے ساتھ امریکہ کا 1945 سے ہی پورا راج کچی  
آرتھک اور فوجی سپہوگ چل رہا ہے، تو یہ قیو کسی قدر  
دور ہوگیا“ ( ”لوائی کے پہلے امریکی دفیشی تھتی کی  
مکتوبہ پرورتھیاں“ نامک سائیکلو اسٹائل لکھ جو نئی  
دلم کے سولہن میں پوھا گیا )

جب نہرو سرکار نے کوویا مہن شانتی قائم کرنے کی کوشش کی اور ہندوت نہرو نے استعفیٰ اور ایچ پی سن کو خط لکھے اور جب بھارت سرکار نے چابیائی سندھی کے امریکی مصلحت پر دستخط کر کے انکار کر دیا تو امریکی افسر اور امریکی ہتھیار بھرت بکڑے اور انہوں نے بھارت سرکار اور نہرو کو خوب برا بھلا کہا شروع کر دیا ۔

### جنازہ کے بعد کی ہونہارمت

پہر پچھلے عام چٹاؤ میں بھارت کے کچھ علاقوں میں کہ ہونستیوں کی جھڑپوں نے امریکہ والوں کو پھر سے بھارت کا شہر چلےک بنا دیا ۔

دسمبر 1951 میں کھول ٹرانسپور کو چننے کے چناؤ کے نتیجے ہی پرکاشمت ہوئے تھے کہ راجدھرت چھوڑ کر ہارلس ڈورے ڈورے امریکہ پہنچے اور وہاں فوراً بھارت کی مدد بڑھانے کے لئے امریکی ادمیٹریٹوں سے سفارشی کی ۔

16 فروری 1952 کو امریکہ کے سہائک ویدس ملقبی  
مستتر تھارپ نے کہا :

”بھارتی چٹاؤ“ جن میں کمونسٹوں نے طاقت  
 پکڑی ہے۔ ہمارے ہمارے کہ بھارت سرکار کو جلد ہی اڑھک  
 وکس کے کام میں لگا جاتا چاہئے..... امریکی سرکار  
 اس پروگرام میں مدد کرے گی۔“

وہیں ملے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہاں تو چلو  
 آج کل کے اس دور میں ایک ایک روزی دو روزی







जयपुरीकी रक्षा विभाग ने अपने चौजियों को भारत के बारे में जानकारी कराने के लिये एक किताब छापी है जिसका नाम है : 'भारत—पूर्व की सीसरी शक्ति ?' इस किताब में भारत का महत्व इन शब्दों में समझाया गया है :

“हिन्दुस्तान का महत्व केवल इसी बात में नहीं है कि पाकिस्तान को मिला कर उसका रकबा योरप के बराबर हो जाता है और उसकी आबादी बहुत बड़ी है. उसका महत्व इस बात में भी है कि अन्तरराष्ट्रीय मामलों में भारत जो बल अपनाता है, उसका दूसरे एशियाई राष्ट्रों के बल पर बड़ा अंश असर पड़ता है”

1945 में जब अमरीकी पार्लिमेन्ट में अमरीका आने वाले हिन्दुस्तानियों के बारे में एक बिल पर बहस हो रही थी, तब उसके एक मेम्बर नोआ मैसन ने कहा था :

“अपनी क़ौम के हितों की ध्यान में रखते हुए और यह समझते हुए कि अमरीका और रूस के बीच रस्सा-क़शी अब शुरू होने वाली है, मैं कहता हूँ, कि हम लोगों को इस बिल का समर्थन करना चाहिये।”

मनसजब यह है कि लड़ाई खतम होने के बाद से ही कमरीकी शासक सांख्यिक रुत से लड़ने के लिये भारत की मदद लेने की कोशिश कर रहे हैं.

چھٹی دن فرانسی کے بعد مہنگو اور ہوش گھا

پہلے 'ایشیا میں انہیں دو دیکھوں کی سرکاروں پر  
بھروسہ تھا : چینی اور جاپان۔ چوں کہ چوانگ کانگ شینگ  
کی سرکار ان کی مدد کے سہارے نہیں تھی۔ جاپان ان  
کی تعلیمی میں تھا۔ پر 1949 کے آٹھ آٹھ چوانگ کانگ  
شینگ کا پوریا ہستہ بدلہ گیا اور اُس کے ساتھ ساتھ ایشیا  
میں امریکی نہتی ایک کنبھور سلطنت میں پھنس گئی۔  
چوانگ کانگ شینگ کے فارموسا ہائیڈے کے پہلے جنروری  
1949 میں مشہور امریکی پتھر کار والٹر لپ میں نے لکھا  
تھا :

”اپ‘ ظاہر ہے،‘ واشتروادی‘ چھوٹے‘ حالہتے اور قرآنس  
 مہن میں طالبت نہیں رہے گئی ہے نہ وہ ایشیا میں وہ  
 پھوسکا پھوسی کرسکھیں جس کی ہم اُن سے اُشا کرتے تھے۔  
 تو اپ‘ ہمارے مددگار کہاں سے آئیں گے؟ ایشیا میں امریکی  
 نیکی عام کرنے کے لیے مہوں پہلے اُس پلہانی مہمیا  
 کو حل کرنے ہوا.....“

”شہری رائے میں“ بہت اچھا ہوا اگر چہ اس نے  
انڈونیشیا میں اپنی دوسری موتی طے کرنے کے لئے ہم  
شہر سے بہت چھٹے شہر میں گئے۔“ (”نچواریک ہیرالڈ  
شہر“ 31 جنوری 1949)

اسی کے لیے وہ ہمت کے بعد ہی وقت نہرو کو اس وقت  
صرف ان کی ہمت ہی تھی، انہوں نے جانا ہی  
قبول کر لیا۔

30 آگست 1949 کو ہوائی اڈے پر اس آف امریکہ نے

चीन की क्रान्ति के बाद महत्त्व और बढ़ गया। पहले एशिया में उन्हें दो देशों की सरकारों पर भरोसा था: चीन और जापान। चीन की बियांग काई शोक की सरकार उनकी मदद के सहारे खड़ी थी। जापान उनकी मुद्दी में था, पर 1949 के आते आते बियांग काई शोक का बोरेया विस्तर बंध गया और उसके साथ साथ एशिया में अमरीकी नीति एक गम्भीर संकट में पँस गई।

विभाग काई शेफ के कारमांसा भागने के पहले  
जनवरी 1949 में मशहूर जमरीकी पत्रकार बालदर  
लिपमैन ने लिखा था:

“अब, आखिर है, राष्ट्रवादी चीन, हालैन्ड और फ्रांस में यह ताक़त नहीं रह गई है कि वह एशिया में वह भूमिका पूरी कर सकें। जिसकी हम उनसे आशा करते थे. तो अब हमारे महाद्वारकहाँ से आर्यण ? एशिया में अमरीकी नीति तय करने के लिये हमें पहले इस बुनियादी समस्या को हल करना होगा.....”

“मेरी राय में, बहुत उचित होगा अगर चीन और इन्डोनेशिया में अपनी पूरी नीति तब करने के लिये हम” नेहरू से बात नीत शुरू करें.” (”न्यूयॉर्क टाइम्स”, 10 जनवरी 1949)

इसके कुछ हस्तों का ही पंडित नेहरू को समझीका तारीफ़ करने की काबिल दी गई. उन्होंने जाना भा प्रवृत्त कर दिया।

30 मार्च 1949 को हुआ स्टैंड प्रेस काफ़े अमेरिका



## भारत में अमरीकी कदम

( अन्तर्गत )

जिससे अंक में हमने देखा था कि भारत में आये वाली हर एक अमरीकी मध्य और हर एक अमरीकी ऊर्षों के साथ तरह तरह की राजकाजी और आर्थिक घर्षें लगी हुई हैं जिनसे न केवल हमारे देश का उद्योगीकरण रुकता है और उसकी आर्थिक व्यवस्था पर बोट पहुँचती है, बल्कि उसकी राजकाजी आबादी भी खतरे में पड़ जाती है.

इस बार हम देखेंगे कि अमरीका असल में किन किन सत्तारों को सामने रख कर हमारे देश पर बढ़ता जा रहा है और वह क्यों भारत की 'सहायता' करने को अकार्यक इतना उत्सुक हो उठा है.

( 1 )

### जादूगरी का देश

यह बात सब जानते हैं कि चन्द बरस पहले अमरीका को भारत के मामलों में कोई खास दिलचस्पी नहीं थी. डाक्टर भारत्तन कुमारप्पा ने लिखा है :

"हिन्दुओं (अमरीका वाले सभी हिन्दुस्तानियों को आस तौर से हिन्दू कहते हैं) के वास्ते अमरीका ने तटस्थता का सा रुख अपना रखा था. उसका विचार था कि हिन्दुस्तान ब्रिटेन की सम्पत्ति है जिसमें किसी दूसरे को झोझने का अधिकार नहीं है और इसलिये उसके मामलों के विषे केलाग वर्षाक का रुख अपनाना ही ठीक है. अमरीका को भारत में कुछ दिलचस्पी थी तो केवल जादूगरी और योगियों के देश के रूप में, जहाँ साधू कवराधों में रहते हैं, नखन बढ़ाते हैं, कीलों के बिछौने पर सोते हैं और लोगों के हाथ देखते हैं." ( "अमरीका में मेरा विचारपी जीवन", सफा 6 )

दूसरे महायुद्ध के खमाने में जब अमरीका की लाखों की फौज हिन्दुस्तान में उतरी और हमारा देश चीन, बर्मा, बंगाल में लड़ने वालो अमरीकी फौज की सप्लाई का केन्द्र बन गया, तब अमरीका वालों का भारत की तरफ विचार ध्यान लिखा मगर हमारी आका ब्रिटिश सरकार ने अमरीका वालों को भारत की आर्थिक व्यवस्था में अधिक घुसने की इजाजत नहीं दी. हाँ, भारत अमरीका कोषावर में खासी बढ़ती हो गई.

### दूसरे महायुद्ध के बाद

लड़ाई खतम होने के बाद भी यह बढ़ती जारी रही. और जैसे जैसे सारी दुनिया पर प्रमुख खमाने की अमरीकी योजनाएँ पक्की होती गयीं, वैसे वैसे अमरीका की नजरों में भारत का महत्व बढ़ता गया.

7 दिसम्बर 1947 को भारत में अमरीकी राजदूत हेनरी मोन्टी ने कहा : "भारत को दुनिया की लड़ाई में अपने योगदान के बदले हमारे विषे भारी महत्व रखता है."

## भारत में अमरीकी कदम

( अन्तर्गत )

जिससे अंक में हमने देखा था कि भारत में आये वाली हर एक अमरीकी मध्य और हर एक अमरीकी ऊर्षों के साथ तरह तरह की राजकाजी और आर्थिक घर्षें लगी हुई हैं जिनसे न केवल हमारे देश का उद्योगीकरण रुकता है और उसकी आर्थिक व्यवस्था पर बोट पहुँचती है, बल्कि उसकी राजकाजी आबादी भी खतरे में पड़ जाती है.

( 1 )

### जादूगरी का देश

यह बात सब जानते हैं कि चन्द बरस पहले अमरीका को भारत के मामलों में कोई खास दिलचस्पी नहीं थी. डाक्टर भारत्तन कुमारप्पा ने लिखा है :

"हिन्दुओं (अमरीका वाले सभी हिन्दुस्तानियों को आस तौर से हिन्दू कहते हैं) के वास्ते अमरीका ने तटस्थता का सा रुख अपना रखा था. उसका विचार था कि हिन्दुस्तान ब्रिटेन की सम्पत्ति है जिसमें किसी दूसरे को झोझने का अधिकार नहीं है और इसलिये उसके मामलों के विषे केलाग वर्षाक का रुख अपनाना ही ठीक है. अमरीका को भारत में कुछ दिलचस्पी थी तो केवल जादूगरी और योगियों के देश के रूप में, जहाँ साधू कवराधों में रहते हैं, नखन बढ़ाते हैं, कीलों के बिछौने पर सोते हैं और लोगों के हाथ देखते हैं." ( "अमरीका में मेरा विचारपी जीवन", सफा 6 )

### दूसरे महायुद्ध के बाद

लड़ाई खतम होने के बाद भी यह बढ़ती जारी रही. और जैसे जैसे सारी दुनिया पर प्रमुख खमाने की अमरीकी योजनाएँ पक्की होती गयीं, वैसे वैसे अमरीका की नजरों में भारत का महत्व बढ़ता गया.

7 दिसम्बर 1947 को भारत में अमरीकी राजदूत हेनरी मोन्टी ने कहा : "भारत को दुनिया की लड़ाई में अपने योगदान के बदले हमारे विषे भारी महत्व रखता है."



ہم کیمبرج میں آئے۔ پورٹن یونیورسٹی میں آج کل کا حال یہ ہے۔

ہم لوگ یہاں Lecturer in Hindi नियुक्त ہوئے ہیں۔ چکریش جی Assistant Lecturer ہیں۔ بین کا ماسٹر بھی Assistant Lecturer ہے۔ ہندی विभाग میں कुल बाठ टीचर ہیں۔

یہاں کے چینی विचारियों نے میرے بار سے आप हुए पत्र पढ़ لیے۔ میرے بار کے पत्रों में मुझे 'आई जी' लिखा था. तब से सब लोग यहाँ मुझे आई जी कहने लगे हैं. एक दिन मैंने वहाँ में कहा कि मैं विदेशी हूँ तो सब लश्कों ने फिल्ला कर कहा कि आप विदेशी नहीं हैं हमारे आई जी हैं. मुझे बहुत अच्छा लगा. यहाँ हर विचारियों को दो घंटे समाज सेवा करनी पड़ती है.

यहाँ University में सामूहिक जीवन पर जोर दिया जाता है. Individualism (व्यक्तिवाद) को यहाँ कोई स्थान नहीं है. भोजन घर में तीन हप्ता लड़के एक साथ खाते हैं, एक साथ रहते हैं, एक साथ कसरत करते हैं, एक समय सो कर उठते हैं और एक ही समय सोने जाते हैं. China Reconstructs के एडिटर और चीन के मशहूर अर्थशास्त्री Dr. Chen Hen Seng अभी मिले. वह कहते थे कि उन्हें 'China To Day' रिव्यू करने के लिये दी गई है और उनका लिखा रिव्यू 'People's China' में छपेगा. पंडित जी के बारे में पूछते थे. मुझसे कहा कि एक कारागार पर पंडित जी के Achievements लिख दो जिससे कि Review में उसे इस्तेमाल कर सकें. मैंने मंजूर कर लिया. लिख रहा हूँ वह पंडित जी के प्रशंसक हैं.

हम लोग यहाँ बहुत अच्छी तरह हैं अपना काम खूब मन लगा कर करते हैं. हम और कितने कितने बातों का ज्ञान रखने लगे हैं. पंडित जी को मेरा प्रत्यक्ष कहें.

आपका आभारी  
पुस्तकालय.

हम लोग यहाँ Lecturer in Hindi नियुक्त ہوئے ہیں۔ چکریش جی Assistant Lecturer ہیں۔ بین کا ماسٹر بھی Assistant Lecturer ہے۔ ہندی विभाग میں कुल बाठ टीचर ہیں۔

یہاں کے چینی विचारियों نے میرے بار سے आप हुए पत्र पढ़ لیے۔ میرے بار کے पत्रों में मुझे 'आई जी' लिखा था. तब से सब लोग यहाँ मुझे आई जी कहने लगे हैं. एक दिन मैंने वहाँ में कहा कि मैं विदेशी हूँ तो सब लश्कों ने फिल्ला कर कहा कि आप विदेशी नहीं हैं हमारे आई जी हैं. मुझे बहुत अच्छा लगा. यहाँ हर विचारियों को दो घंटे समाज सेवा करनी पड़ती है.

यहाँ University में सामूहिक जीवन पर जोर दिया जाता है. Individualism (व्यक्तिवाद) को यहाँ कोई स्थान नहीं है. भोजन घर में तीन हप्ता लड़के एक साथ खाते हैं, एक साथ रहते हैं, एक साथ कसरत करते हैं, एक समय सो कर उठते हैं और एक ही समय सोने जाते हैं. China Reconstructs के एडिटर और चीन के मशहूर अर्थशास्त्री Dr. Chen Hen Seng अभी मिले. वह कहते थे कि उन्हें 'China To Day' रिव्यू करने के लिये दी गई है और उनका लिखा रिव्यू 'People's China' में छपेगा. पंडित जी के बारे में पूछते थे. मुझसे कहा कि एक कारागार पर पंडित जी के Achievements लिख दो जिससे कि Review में उसे इस्तेमाल कर सकें. मैंने मंजूर कर लिया. लिख रहा हूँ वह पंडित जी के प्रशंसक हैं.

हम लोग यहाँ बहुत अच्छी तरह हैं अपना काम खूब मन लगा कर करते हैं. हम और कितने कितने बातों का ज्ञान रखने लगे हैं. पंडित जी को मेरा प्रत्यक्ष कहें.

आपका आभारी  
पुस्तकालय.

آپ کا آگاہی  
پیشکش







کرریب 210 کپڑے کے برابر ہوگی۔ ہمیں دسویں یا دسواں پکا ہے اور ہم صرف سرکاری باریاں کرتے ہیں اسلیئے اور 'کمیٹی پروکسرس' کے مضامین سے بڑی پیارا ہے۔ یہاں کے ٹیچروں کو پورا সময় 'پیشانیوں' کے لیے دینا پڑتا ہے اور تمام کامیابیوں کو بنانے اور کامیابیوں میں حصہ کرنا پڑتا ہے۔ سب لوگ اس کام کو آسانی سے نہیں کر سکتے۔

ہمارے یہاں سے 'سمر پلےس' اتنی ہی دور ہے جتنی دور 'کامپکس' یہاں سے رام بابا سٹیشن۔ آبی سڑک بہت ہے۔ کام ہوگا تب وہاں چلنے والے ہوں گے۔ یہاں پر سڑکوں کے لڑکیوں کو لڑکیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ نیا سال بڑی خوشی سے منایا گیا۔ سب لڑکے لڑکیاں ہم لوگوں کو پکڑ لے گئے اور ناشتا کرایا، گا گا، ناچا ہوا۔ عورت کی بے تکلفی ہمیشہ یاد رہے گی۔ پلٹتے ہوئے ہمیں نہیں تھا۔ سارا سامان بلا تھیل کلاتے ہی سڑک کے اوپر سب کے سامنے لٹا دیا گیا تھا۔ اور جب ہم چلتے تھے تو ہماری جیبوں میں زبردستی بھر دیا گیا تھا۔ ہولی کا ماواؤں تھا۔ دیکھتے ہوئے ہمیں مان پتر بھی دیا۔ ایک دن ہمارے کپڑے کا پتھر ٹوٹ گیا تو ساری لڑکیاں سوئی ہوئی لٹے ہوئے ہمارے کمرے میں ٹھس پڑیں اور ہمارا ساوا سامان ٹھک کر ڈھل گیا اور پتھر ٹانگ دیئے۔ ہندی کے دیہاتوں کو 50 کے قریب ہوں خوب ہندی بولتے ہیں اور اچھلنے کودنے بالکل بچوں کی طرح ہوں۔ ہم جب پورے پر لکھتے ہیں تو دستہ سے صاف نہیں کر لے دیتے۔ خود بار بار صاف کرتے ہیں 'کہتے ہیں آپ کو کام ہو جائے گا۔' لوگوں کی Hindi Writing اتنی اچھی ہے کہ شاید آپ کو وضو اس نہیں ہوگا۔ دیہاتوں کو گرامر پوچھنے کی بڑی عادت ہے۔

یہاں کی گالیاں ہمارے گالوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا تھا کہ یہاں گالی میں ہمارے یہاں کی طرح 'ساوا' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بھڑکی کا بھائی۔ پوچھتے ہیں معلوم ہوا کہ 'ماں' بہن وغیرہ کی بھی ویسی ہی گالیاں ہیں۔ چھٹی عام طور سے بڑے شائستگی پر ہیں۔ کبھی ایک دوسرے سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ماؤں سے لڑنے کی اتنی زیادہ عادت ہے کہ انہیں خدا سمجھتے ہیں کہونکہ انہوں نے 'فریڈوں' کا راجہ قائم کیا۔ 'روٹی' کو 'نوکری' کے بارے میں کسی کو چلتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ چاروں طرف جوش ہی جوش اُٹا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کے اندر کام کرنے کا انداز جوش کھسے آیا؟ اتنی سادگی کھسے؟ ایمانداری کی بات تو کیا تھا! میں نے ایک پروفیسر سے چاکر پوچھا کہ وہ پتھر کے ٹیٹوں کا بلڈل کہاں حفاظت سے رکھیں تو مجھے بے حد اچھل ہوا کہ اس نے اپنی پوچھنے کی سڑک کی قرار میں سارے کے سارے نوٹ دیکھ دیئے تھے اور ہمیشہ وہیں رکھتا تھا۔ میں نے چاہی صاحب سے

قریب 210 روپے کے برابر ہوگی۔ ہمیں دسویں یا دسواں پکا ہے اور ہم صرف سرکاری باریاں کرتے ہیں اسلیئے اور 'کمیٹی پروکسرس' کے مضامین سے بڑی پیارا ہے۔ یہاں کے ٹیچروں کو پورا সময় 'پیشانیوں' کے لیے دینا پڑتا ہے اور تمام کامیابیوں کو بنانے اور کامیابیوں میں حصہ کرنا پڑتا ہے۔ سب لوگ اس کام کو آسانی سے نہیں کر سکتے۔

ہمارے یہاں سے 'سمر پلےس' اتنی ہی دور ہے جتنی دور 'کامپکس' یہاں سے رام بابا سٹیشن۔ آبی سڑک بہت ہے۔ کام ہوگا تب وہاں چلنے والے ہوں گے۔ یہاں پر سڑکوں کے لڑکیوں کو لڑکیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ نیا سال بڑی خوشی سے منایا گیا۔ سب لڑکے لڑکیاں ہم لوگوں کو پکڑ لے گئے اور ناشتا کرایا، گا گا، ناچا ہوا۔ عورت کی بے تکلفی ہمیشہ یاد رہے گی۔ پلٹتے ہوئے ہمیں نہیں تھا۔ سارا سامان بلا تھیل کلاتے ہی سڑک کے اوپر سب کے سامنے لٹا دیا گیا تھا۔ اور جب ہم چلتے تھے تو ہماری جیبوں میں زبردستی بھر دیا گیا تھا۔ ہولی کا ماواؤں تھا۔ دیکھتے ہوئے ہمیں مان پتر بھی دیا۔ ایک دن ہمارے کپڑے کا پتھر ٹوٹ گیا تو ساری لڑکیاں سوئی ہوئی لٹے ہوئے ہمارے کمرے میں ٹھس پڑیں اور ہمارا ساوا سامان ٹھک کر ڈھل گیا اور پتھر ٹانگ دیئے۔ ہندی کے دیہاتوں کو 50 کے قریب ہوں خوب ہندی بولتے ہیں اور اچھلنے کودنے بالکل بچوں کی طرح ہوں۔ ہم جب پورے پر لکھتے ہیں تو دستہ سے صاف نہیں کر لے دیتے۔ خود بار بار صاف کرتے ہیں 'کہتے ہیں آپ کو کام ہو جائے گا۔' لوگوں کی Hindi Writing اتنی اچھی ہے کہ شاید آپ کو وضو اس نہیں ہوگا۔ دیہاتوں کو گرامر پوچھنے کی بڑی عادت ہے۔

یہاں کی گالیاں ہمارے گالوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا تھا کہ یہاں گالی میں ہمارے یہاں کی طرح 'ساوا' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں بھڑکی کا بھائی۔ پوچھتے ہیں معلوم ہوا کہ 'ماں' بہن وغیرہ کی بھی ویسی ہی گالیاں ہیں۔ چھٹی عام طور سے بڑے شائستگی پر ہیں۔ کبھی ایک دوسرے سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ماؤں سے لڑنے کی اتنی زیادہ عادت ہے کہ انہیں خدا سمجھتے ہیں کہونکہ انہوں نے 'فریڈوں' کا راجہ قائم کیا۔ 'روٹی' کو 'نوکری' کے بارے میں کسی کو چلتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ چاروں طرف جوش ہی جوش اُٹا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کے اندر کام کرنے کا انداز جوش کھسے آیا؟ اتنی سادگی کھسے؟ ایمانداری کی بات تو کیا تھا! میں نے ایک پروفیسر سے چاکر پوچھا کہ وہ پتھر کے ٹیٹوں کا بلڈل کہاں حفاظت سے رکھیں تو مجھے بے حد اچھل ہوا کہ اس نے اپنی پوچھنے کی سڑک کی قرار میں سارے کے سارے نوٹ دیکھ دیئے تھے اور ہمیشہ وہیں رکھتا تھا۔ میں نے چاہی صاحب سے



है क्योंकि सवालों का जवाब देते देते हम बक गये कि यहाँ इस University में शाब्द दुनिया के हर मुल्क के लोग हैं। कोरियाई विभाग के North Korea के कोरियन प्रोफेसर जब मिलते हैं तो इतनी खोर से हाथ मिलाते हैं कि हाथ में दर्द होने लगता है। इन्होंनेशिया, बरमा, बियतनाम, मलाया, मंगोलिया, जापान, जैकीस्ताबिया, रूमानिया वगैरा कहां तक गिनाएं। सब से हमेशा पाला पड़ा करता है। एक मास्को का नौजवान बड़ा दिलचस्प है। उसे अंगरेजी नहीं आती। फिर भी वह हम से आकर अंगरेजी में बोलता है, कहता है, रुस बलो, भारत, चीन और रुस एक हैं—भारत, चीन और रुस को कोई नहीं हरा सकता वगैरा वगैरा। हमें दूर से देखते ही लोग पहचान लेते हैं और 'इन्कू रेन, इन्कू रेन' कह कर चिल्लाने लगते हैं। छोटे छोटे बच्चे हमारे कमरे में घुस आते हैं और न मालूम क्या क्या चीनी में पूछते रहते हैं। इसकाफ़ से एक दिन बिन को भी साहब बैठे थे। उनसे मालूम हुआ कि लड़के पूछ रहे हैं कि 'तुम्हारा नेता कौन है ? तुम्हारा बिल्ला कहां है ? तुम्हारा गाना क्या है ? तुम्हारा नारा क्या है ? इतने छोटे छोटे बच्चों के यह सवाल सुन कर मैं बककर में आ गया छोटे बच्चे बड़े अच्छे लगते हैं और जिस किसी को पुष्कारो वह आपके साथ चल देता है। इससे हमें पढ़ने में बड़ा Disturbance हुआ। अब हमने बच्चों को पुष्कारना छोड़ दिया है।

यहां 'China-India Friendship Association' ने एक दिन हम लोगों को खास तौर से दावत दी। रात में हम और बर्मा और डाक्टर जैन और प्रवेश बस। उस दिन पीकिंग के बड़े बड़े दिग्गजों के दर्शन हुए। सब लोग हम से तीन चार घंटे बात करते रहे। दावत भी खैर की हुई। 'China Reconstructs' के एडिटर Chen Han-Seng तो 'China To-day' की इतनी तारीफ कर रहे थे कि पूछो मत। ऊपर के कवर का सारा मकसूर खजानी याद किये हुए थे। Dr. Ting Ling और Hung Hsen वगैर पंडित सुन्दर लाल जी के बारे में पूछ रहे थे।

डायरेक्टर जैन वहां से इसी मार्ग में भारत के लिये वापस रवाना हो रहे हैं। बम्बई में उनका बड़ा भारी परिवार है। उनके जाने के बाद हम और बर्मा पीकिंग में झकेले रह जायेंगे, यहां और कोई भारतीय नहीं। Embassy के लोग सरकारी आवसी हैं, गैर सरकारी और कोई नहीं। बीरुमल ( सिन्धी मरचेन्ट ) भी है।

हम लोगों को इस तरह बहुतसी इज्जत भीनी बाहर लाना पड़ेगी। हम से तनखाद कौरा के बारे में पूछा गया। हमने कहा कि जो यहाँ भीनी मोफ़ेसरों को मिलती है उसने से हम भी दुबारा चलायेंगे। भारतीय समय में यह

یہ رہنمائی کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ہر ملک کے لوگ ہیں۔  
 کوریائی و ہانگ کے North Korea کے کوریائی پروفیسر جنہ  
 ملتے ہیں تو انہی زور سے ہاتھ ملاتے ہیں کہ ہاتھ میں  
 درد ہونے لگتا ہے۔ انڈونیشیا، برما، ویتنام، ملائیا  
 سنگاپور، جاپان، چین، کولمبیا، روسانہا وغیرہ کہاں تک  
 لگائیں۔ سب سے ہمیشہ پالا پڑا کرتا ہے۔ ایک ماسکو کا  
 نوجوان ہوا دلچسپ ہے۔ اُسے انگریزی نہیں آتی۔ پھر بھی  
 وہ ہم سے آکر انگریزی میں بولتا ہے۔ کہتا ہے، 'روس چلو'،  
 'بھارت' چلی اور روس ایک ہیں۔ 'بھارت' چلی اور روس  
 کو کوئی نہیں درا سکتا وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں دور سے دیکھتے  
 ہی لوگ پہچان لیتے ہیں اور 'انڈو'، 'انڈو'، 'انڈو' کہہ  
 کر چلے لگتے ہیں۔ چہوتے چہوتے بچے ہمارے کمرے میں  
 نہیں آتے ہیں اور نہ معلوم کہا کہا چھٹی میں پوچھتے  
 رہتے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن چو کو سو صاحب ہاتھ  
 نہ۔ اُن سے معلوم ہوا کہ لوگ پرچہ دے رہے ہیں کہ تمہارا  
 بھتا کون ہے؟ تمہارا بھ کہاں ہے؟ تمہارا گانا کیا ہے؟ تمہارا  
 نعرہ کیا ہے؟ انہ چہوتے چہوتے بچوں کے یہ سوال سن کر  
 میں چکر میں آ گیا۔ چہوتے بچے بڑے اچھے لگتے ہیں  
 اور جس کسی کو پچکارو وہ آپ کے ساتھ چل دیتا ہے۔  
 اس سے ہمیں بوجھ میں ہوا Disturbance ہوا۔ اب  
 ہم نے بچوں کو پچکارا چھوڑ دیا ہے۔

**China-India Friendship Association** یہاں  
نے ایک دن ہم لوگوں کو خاص طور سے دعوت دی . دعوت  
میں ہم اور ورسا اور ڈاکٹر چدن اور چکرپن میں . اس  
دن پمپنگ کے ہرے ہرے دیکھوں کے درشن ہوئے . سب  
لوگ ہم سے تین چار کلمے بات کرتے رہے . دعوت میں  
زور دی ہوئی . 'China Reconstructs' کے ایڈیٹر  
Chen-Han Seng کو 'China Today' کی لٹنی  
تاریف کر رہے تھے کہ پوجو ست . اور کے کو را سارا  
مضمون زبانی یاد کلمے ہوئے تھے . Dr. Ting Ling اور  
Hung Hsen ، روبرو پمپنگ سندر لال جی کے بارے میں  
پوچھ رہے تھے .

ڈانٹر چھٹی یہاں سے اسی مارچ میں بھارت کے لئے  
واپس روانہ ہو رہے ہیں۔ بھارتیوں میں ان کا ہوا بھاری  
پرہیز ہے۔ ان کے جانے کے بعد ہم اور ومانیک سنگھ میں  
انڈیا رہ جائیں گے۔ یہاں اور کوئی وزارت نہیں، Embassy  
آ کے لوگ سرکاری آدمی ہیں۔ غیر سرکاری اور کوئی نہیں۔  
وہرومل (سابقہ سرپرست) بھی ہیں۔

میں نے ان کو جس طرح انجانی ہزار چوبیس ڈالر نقد ہوا  
ملوکی، ہم نے ان کو نقد ہوا ڈالر کے ہزار میں ڈروہا  
تھا، ہم نے کہا کہ جو یہاں چوبیس ہزار پوروسوں کو ملے  
آئے۔ ہم نے ان کو نقد ہوا ڈالر کے ہزار میں ڈروہا



جس کا نام پکنگ یونیورسٹی ہے۔ کوئی انسانی نہیں سمجھتا۔ یہاں  
کوئی کرنا نہیں ہوگا کہ یہاں آج کل لوگ چاہتے ہیں  
بہتر۔ صرف گرم ہاتھ دیتے ہیں۔ کوئی نہ چاہے دوسرے  
میں Export کی جائیگی جس سے دیہی کو ہوسہ  
میں Peking University کے پاس ہی  
HSIN HUA University ہے جہاں 5,800 لوگ  
Engineering پڑھ رہے ہیں۔ سامنے چلتا  
ہے جہاں کسان مزدوروں کے دواڑوں کو دیتے  
ہیں۔ ایک Minorities (کم گنت لوگ) کا کالج  
ہی ایک ہے۔ یہ پورا علاقہ ہی دیہاتی ہے۔ قریب  
دس ہزار دیہاتی اس پاس کے علاقوں میں ضرور ہونگے۔  
سب کے کوٹ پر ایلی ایلی University کا ہلکا ہے۔  
ہلکا ہے کہیں آ جا رہے ہیں۔ پکنگ ہی  
University کا چوٹی میں لکھا ہوا ہے۔ ایک  
خانہ فطرت سے بنا لکھا ہوا ہے تو بڑی امداد دیتی۔  
شہر دار کی شام کو ہوشیارہوں کے لئے یہاں ہی  
شکشا پرن سکھاتا ہوتا ہے۔ شہر سے University کو  
آخری بس سارے ساتھ ساتھ کو چھوڑتی ہے۔ اس کے  
بعد شہر سے کوئی بس نہیں آتی۔ اس لئے جو بھی اکثر  
شہر چاہتے تو شام تک لوٹ آئے۔ شہر کی ٹوک بھوک سے  
دور گاؤں کے بچے میں ایلے دیہاتی ٹریڈنگ پانچ رہے ہیں  
یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جب میں کہی کسی  
لوگ یا ٹھکانے سے اس کے ہتھ کی بات چھوڑتا ہوں تو  
ہوشیارہوں کی جواب ملتا ہے۔ 'ہمیں اپنے ہتھ کی  
بات نہیں سوچنا چاہئے' دیہی کے ہتھ میں جی جان  
سے لکھا چاہئے 'ہم اکہلے اسویکھوں کو کر دیا سے ہوتا دیکھ'  
وہوہ۔ لوگوں کے منہ سے سن کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ہر  
دیہاتی کو معلوم ہے کہ اے کہا ہلکا ہے۔ یہاں پریکشا  
میں نکل پاس نہیں ہوتا۔ پریکشا ہوتی ہے اور لوگ  
خوب محنت کرتے ہیں۔ جب ہم یہاں آئے تو کئی دن  
تک چن کو سو صاحب یہاں کی پرانی ہمیں سمجھاتے  
رہے۔ دیہاتی ایک سوچے پر اور ٹھکانے دوسرے سوچے پر  
ایسا نہیں ہونا چاہئے، ادھیانک سہانک کے روپ میں  
ہونا چاہئے، پوجنا کے حساب سے پوہانا چاہئے، پوجنا  
بڑا دیہاتیوں سے دن رواہ کرنا چاہئے، دیہاتی ہم سے  
سیکھیں اور ہم دیہاتیوں سے سیکھیں، ہر شہر  
دیہاتی ہمارے آکر چلا کریں گے۔ اس سے ہم اپنے میں  
سہارا کریں وہوہ باتیں ہمیں سمجھاتی تھیں۔ اور اب  
ہم ان پر عمل ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں، بہارت نے ادھیانک  
جو نظریہ دیا ہے اور ٹھکانے کر چکے ہیں ان کا یہاں کام  
کرنا ناممکن ہے۔ دیہاتی کہی کہی بڑی تعداد میں  
گھس آتے ہیں اور بہارت کے بارے میں دن بھر پوچھتے  
رہتے ہیں، شانتی (Peace) کے گاؤں تک میں تم سے  
بہارت کے لوگ 'شانتی' کے لئے کہا کر رہے ہیں،  
لوٹیں کہا کر رہے ہیں، دیہاتی کہا کر رہے ہیں،  
کر دیا کے بارے میں بہارتی چلتا تھا۔



ਸ੍ਰੀ ਮਾਤਾ ਜੀਵਨੀ ਸ਼੍ਰੀ ਮਾਤਾ ਜੀਵਨੀ ਸ਼੍ਰੀ ਮਾਤਾ ਜੀਵਨੀ

لکھتی تھیں۔ لیکن ان کی بہت سی باتیں تھیں۔ ایک ہی سی پریشان  
سب سمجھ کر لے کر دے دے اور ان کی طرح سول سولہ  
میں۔ بڑے مضامین اور پھر سولہ میں۔ ان کی سولہ  
دیہاتوں کی بات کی گئی تھی۔ پھر وہ تو سولہ  
سولہ سولہ میں۔ میں ایک صاحب کو بہت دنوں سے  
پڑھ کر سولہ میں تھا۔ پھر وہ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
پڑھنے والا چھوڑا ہے۔ یہاں یہ بڑی بات ہے کہ کسی  
کی سولہ میں تھا۔ پھر وہ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
ہو چکا ہے اور سولہ میں تھا۔ ہمارا لکھنے کا ہوا کسی  
جب بات ہے یہاں۔ پھر وہ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
Oriental Languages Department کے ورگ  
ڈاکٹر جی۔ جو میں سال چھری میں سولہ میں  
میں اور لکھنے کی بات میں تھا۔ میں لکھ  
ایک چھری کی بات ہے خود لکھنے کے آ رہے تھے۔  
ڈاکٹر جی۔ ہمارے بغل کے کمرے میں رہتے تھے اور بالکل  
گھر میں۔ روز سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
میں۔ اپنا سارا کام خود کرتے تھے لکھ یہاں سولہ  
کا رواج نہیں ہے۔ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
کروڑ کے کمرے میں رہتے تھے۔ یہ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
رگ وید وغیرہ پڑھتے تھے۔ یہ انہی سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
نہیں پڑھتے۔ ان کے کمرے میں تھا کہ وہ لکھ  
کہ ان سے بات کرنا نہیں ہے۔ بہت سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
'نہا ہند' سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
لوگوں کو پڑھتے تھے۔ میں یہاں یہ لکھ کر لکھ  
ہوا کہ 4th Year کے لوگ پڑھتے تھے آپ کا لکھ  
'ہماری ہم' والا لکھ سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
لکھ ان کے پڑھ (Text) میں تھا کہ وہ لکھ  
سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
2nd Year اور 1st میں تھا کہ وہ لکھ  
دیں گے۔ پڑھ میں تھا کہ وہ لکھ  
طاہران رہ جاتی تھیں اس سے انہیں بڑی چھری میں تھا کہ وہ لکھ  
طاہر چھری میں تھا کہ وہ لکھ  
جب نہیں ملتا تو ہمارے آگے سے پڑھ میں تھا کہ وہ لکھ  
یہاں پڑھتے تھے۔ یہاں لکھنے کو لکھ  
اساتھان پڑھ لکھ میں تھا کہ وہ لکھ  
تو سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
شہلی کی بڑی سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
سے پڑھتے تھے۔ میں نہیں آتا۔ جب انہیں لکھ  
'نہا ہند' لکھ میں تھا کہ وہ لکھ  
صاحب کا پڑھ لکھ۔ بہت سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
میں جو میں سے سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
یہاں بہت سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
سولہ میں تھا کہ وہ لکھ  
لوگوں کو پڑھتے تھے۔ میں لکھ  
لوگوں کو پڑھتے تھے۔ میں لکھ  
لوگوں کو پڑھتے تھے۔ میں لکھ



और इलाखों की मंझरी नहीं पाये वहाँ नहीं होता चीनी देसी कच्चाई की विशाल दुकानें बड़ी दिलचस्प हैं, हमें उम्मीद है कि हमें और चीजें भी वहाँ मिल जायंगी, वहाँ चीनी देसी हलाज ही बहुत चलता है, शकरकन्द, मूंगफली और सिंग का बना सामान वहाँ हर वस क्रयम पर मिन्ता है, जिसे देखो उबली हुई शकरकन्द खाता चला जा रहा है, चार आने में इतनी खियादा मिल जाती है कि घर लाना मुश्किल हो जाता है, हम लोग दुकान पर खाते हैं और फिर जेब में भर कर घर ले आते हैं, फलों में सेब बहुत लोक प्रिय है, इसके अलावा अंगूर, नाशपाती, संतरा, अखरोट और कुछ नये चीनी फलों के ढेर जगह जगह लगे मिलते हैं, जो चीजें चीनी लोग अपने खाने में इस्तेमाल करते हैं वह बेहद सस्ती हैं, वहाँ चीनियों के कामन ग्रेज में खाने का 20 रुपये महीना पड़ता है जिसमें सुबह का नाश्ता भी शामिल है और हर वक्त खाने के साथ गोश्त मिलता है, गोश्त वहाँ बहुत खियादा सस्ता है, सिर्फ तरकारी बरौदा खाना रईसों समझा जाता है, क़रीब क़रीब सभी लोग गोश्त खाते हैं, सर्दी बहुत खियादा है बिना गोश्त खाये चीनी रह नहीं सकते, तरकारी भी गोश्त में मिला कर खाते हैं.

अभी यहां टेम्परेचर 10° के आस पास है। बिकट सर्दी है। जब हवा जोरों से चलती है तो खूदा याद आ जाता है। हमारा कमरा भाप से गरम रहता है इसलिये कमरे के अन्दर बड़ा आराम रहता है, पर बाहर निकलते ही आक्रांति आती है। फरवरी के अन्त तक सर्दी रहेगी। फिर बसन्त आयेगा। यहां के रूई के कपड़े पहन कर हम भागू लगते हैं। आंड़ने के लिये दां मांटे लिहाक, बिछाने के लिये दो मांटे गद्दे और पहनने के लिये सब रूई के मांटे मोटे कपड़े। जूते से लेकर टांपा तक रूई ही रूई। पीने के लिये हमेशा गरम पानी घरमस में रक्खा रहता है। यहां गरम पानी बराबर पीते रहना बहुत जरूरी है। नहाने का आम तौर से दिवाज नहीं है। पाखानों में पाना ही इस्तेमाल किया जाता। आम तौर से पाखानों में बरबादे भी नहीं होते। हमारे यहां तो लगे हैं फिर भी चीना लोग दरवाजा बन्द नहीं करते।

विरवविद्यालय शहर से करीब 10 मील दूर है। पास पास गांव हैं। विरवविद्यालय के अन्दर के प्राकृतिक दृश्य कमाऊ के हैं। बड़े भारी इलाक़े में बसा हुआ है। छः हजार विद्यार्थी यहां रहते और पढ़ते हैं। रहने, खाने, पीने, लड़ने का खर्च सरकार देती है। कपड़ा भी सरकार से मिलता है। यहां की सादगी के बारे में अगर लिखू तो आपकी पंक्ति नहीं जायगा। ऐसा मालूम होता है कि यात्रा में हैं। बैकस का आम निशान नहीं। ढाले ढाले रुंद के कपड़े पहने विद्यार्थी और सबकियां अजीब सी

اور آٹھویں بھی مہلکی رہیں۔ یہاں یہاں نہیں ہوتا۔ چھٹی  
 چھٹی دروازوں کی وہاں دروازوں پر ہی ڈھچک ہوتی  
 ہوتی آہستہ کہ کہ ہوتی اور چھڑیں ہیں یہاں مل جاتیں  
 گی۔ یہاں چھٹی دیسی علاج ہی بہت چلتا ہے۔  
 شکر قند، شونک پھلی اور تل کا ہلکا سامان یہاں ہر دس  
 قدم پر ملتا ہے۔ جسے دیکھو 'پلی ہوتی شکر قند  
 کھانا چٹا چا رہا ہے۔ چار آئے میں انکی زیادہ مل جاتی  
 ہے کہ کھر لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ دوکان پر  
 کھاتے ہیں اور پھر چھپ میں ہر کر کھر لے آتے ہیں۔  
 پہلیوں میں سب بہت لوگ پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ  
 انکو 'ناشہانی' سنگرا' انوروت اور کچھ نئے چھٹی پہلیوں  
 نے کھو چکے جگہ جگہ ملے جاتے ہیں۔ جو چھڑیں چھٹی  
 لوگ اچے کھاتے ہیں استعمال کرتے ہیں وہ بے حد سستی  
 ہیں۔ یہاں چھڑیوں کے کاسن سسر میں کھاتے کا 20  
 روپے مہلتہ ہوتا ہے جس میں صبح کا ناشتہ بھی شامل ہے  
 اور ہر وقت کھانے کے ساتھ گوشت ملتا ہے۔ گوشت یہاں بہت  
 زیادہ سستا ہے۔ صرف ترکاری وغیرہ کھانا کھوسی سمجھا  
 جاتا ہے۔ قریب قریب وہی لوگ گوشت کھاتے ہیں۔  
 سردی بہت زیادہ ہے۔ بلکہ گوشت کھانے چھٹی وہ نہیں  
 سکتے۔ ترکاری بھی گوشت میں مل کر کھاتے ہیں۔

ابھی یہاں ٹھہر رہے تھے 10° کے آس پاس ہے۔  
بگس سردی ہے۔ جب ہوا ڈوروں سے چلتی ہے تو خدا  
پاد آ جاتا ہے۔ ہمارا قصہ یہاں سے گرم رہتا ہے اس لئے  
کمرے کے اندر ہوا آرام رہتا ہے۔ پر باہر نکلتے ہی آفت  
آتی ہے۔ فروزی کے است تک سردی دھ گئی۔ پھر بگس  
آئے گا۔ یہاں کے روٹی کے پتے بہن گرم بہان لگتے ہیں۔  
اڑھنے کے لئے دو سوٹے لکھاں پتے کے لئے دو سوٹے لکھے  
اور پھل کے لئے سب روٹی کے سوٹے سوٹے لکھے۔ جوتے سے  
لیکر کڑی تک روٹی ہی روٹی۔ پھل کے لئے ہمیشہ گرم  
پانی تھرس میں دیکھا رہتا ہے۔ یہاں گرم پانی  
برائے پتے دیکھا بہت ضروری ہے۔ نہانے کا عام طور سے راج  
نہیں ہے۔ پاحالے میں پانی نہیں استعمال کیا جاتا۔  
عام طور سے پانیاں میں دروازے بھی نہیں ہوتے۔ ہمارے  
یہاں تو لکے میں پھر بھی چھلی لوگ دروازہ بند  
نہیں کرتے۔

وہ دھڑکتا ہوا شہر سے قریب 10 میل دور ہے۔ اس  
پکٹن گلوں میں۔ وہم و خیال کے اندر کے پرواز تک شہر  
کمال ہے۔ بڑے بہاری علاقے میں بسا ہوا ہے۔ چہ  
ہزار و بہارتی یہاں رہتے اور پڑھتے ہیں۔ رات کو  
پہلے پڑھنے کا خرچ سرکار دیتی ہے۔ کھڑا بھی سرکار سے ملتا  
ہے۔ یہاں ٹی سائنٹی کے ہمارے میں اگر لکھیں تو آپ کو  
یقین نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشرف میں  
کھلی۔ دھن کا نام بھان نہیں۔ قہقہے قہقہے دہنی  
کے کھڑے پہلے۔ کھڑے اور۔ کھڑے۔ کھڑے۔







## चीन سے एक खत

[ श्री पुरुषोत्तम प्रसाद और श्री भान चन्द्र वर्मा 'नया हिन्द' परिवार के ही हैं। पुरुषोत्तम जी सितम्बर-अक्टूबर 1951 में पंडित सुन्दरलाल जी के साथ डेलीगेशन के सेक्रेटरी हो कर चीन गए थे- उन्हें चीन भा गया। वह 9 दिसम्बर 1952 को हवाई जहाज से उड़कर फिर पीकिंग पहुंच गए। श्री भानचन्द्र वर्मा और पुरुषोत्तम जी पीकिंग विश्व विद्यालय में हिन्दी के लेक-चरार नियुक्त हुए हैं। उनका खत हम खुशी से पाठकों के सामने पेश करते हैं। इस खत में चीनी जीवन की काफ़ी जानकारी मिलती है। हमें आशा है कि समय समय पर हम पाठकों को चीनी जीवन की ऐसा काफ़ी बराबर भेंट करते रहेंगे—पंडीटर ]

पूज्य महात्मा जी,

एक पत्र मैंने आपको जल्दी में लिखा था। आशा है मिल गया होगा। आपका कृपा पत्र भी मिल गया बड़ी तसल्ली हुई। पर मैं जल्दी जवाब नहीं दे सका आशा है माफ़ करेगा। पहला पत्र जब मैंने आपको लिखा था तब पढ़ाना शुरू नहीं किया था। 29 दिसम्बर से पढ़ाना शुरू किया। क़रीब एक महीना होने आया। शुरू शुरू में 3rd Year और 4th Year के विद्यार्थी मेरे पास आते थे और तरह तरह के ग्रामर के सबाल पूछते थे। मैंने कभी भी हिन्दी ग्रामर की कोई किताब नहीं पढ़ी थी, इसलिये पढ़ाई शुरू करने के पहले मैं नरवस हा गया। 3rd Year और 4th Year के विद्यार्थी का कैसे पढ़ाऊंगा। हमें 3rd Year और 4th Year की ही जिम्मेदारी दी गई है। इसी नरवस होने की हालत में आपको पहला खत लिखा था। साथ ही साथ खानें का भी प्रबन्ध नहीं हुआ था इसलिये भी कुछ चिन्ता थी। लेकिन 29 दिसम्बर को क्लास में जाते ही सारी चबराहट खतम हो गई, मैं खूब मेहनत से पढ़ाने लगा। विद्यार्थी बहुत खुश हो गए। मुझे भी तैयारी में काफ़ी समय लगाना पड़ा। इस तरह 10 या 15 दिन बाद मैं ठीक हो गया। वी जी भी खूब मेहनत करते हैं और विद्यार्थी उनसे भी बहुत खुश हैं। लेकिन हम लोगों को और किसी काम के लिये ज़रा भी समय नहीं मिलता है। पहली फ़रवरी से परीक्षा है। अगला हफ़्ता परीक्षा का तैयारी के लिये रक्खा गया है। इसालिये काई नया पाठ तैयार नहीं करना है। अब समय मिला तो सबसे पहले

## चीन से ایک خط

[ شری پرشوتم پرساد اور شری بہان چندر ورما 'نیا ہند' پروردار نے ہی ہوں۔ پرشوتم جی ستمبر-اکتوبر 1951 میں پنڈت سندرلال جی کے ساتھ ڈیلیگیشن کے سیکریٹری ہو کر چین گئے تھے۔ انہیں چین بھا گیا۔ وہ 9 دسمبر 1952 نو ہوائی جہاز سے اُڑ کر پور پیکنگ پہنچ گئے۔ شری بہان چندر ورما اور پرشوتم جی پیکنگ ویشو ویدیا لاء سون ہندی کے لکچرار نہایت ہوئے ہوں۔ ان کا خط ہم خوشی سے پاتھوں کے سامنے پہنچا کرتے ہوں۔ اس خط میں چھٹی جموں کی کافی جانکاری ملتی ہے۔ ہمیں آشا ہے کہ سب سے پہلے ہر ہم پاتھوں کو چھٹی جموں کی ایسی جھانکماں براد بہت ملتی رہیں گے۔ ]

پوجہ مہاتما جی

ایک پتر میں نے آپ کو جلدی میں لکھا تھا۔ آشا ہے مل گیا ہوگا۔ آپ کا کڑیا پتر بھی مل گیا۔ ہوسلی ہوئی۔ پر میں جلدی جواب نہ دے سکا آشا ہے معاف فرمائے۔ پہلا پتر جب میں نے آپ کو لکھا تھا تب پڑھانا شروع نہیں کیا تھا۔ 29 دسمبر سے پڑھانا شروع کیا۔ کڑیاب ایک مہینہ ہوا آہا۔ شروع شروع میں 3rd Year اور 4th Year کے ویدارتھی سوارے پاس آتے تھے اور طرح طرح کے کوارس کے سوال پوچھتے تھے۔ میں نے کبھی بھی ہندی کوارس کی کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اس لئے پڑھانی شروع کرنے کے پہلے میں روس ہو گیا کہ 3rd Year اور 4th Year کے ویدارتھیوں کو کسے پڑھاؤں گا۔ میں 3rd Year اور 4th year کی ہی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اس دوس ہوئے کی حالت میں آپ کو پہلا خط لکھا تھا۔ سبھی سالہ کھانے کا بھی پر بندہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بھی کچھ چھٹا تھی۔ لیکن 29 دسمبر کو کلاس میں جاتے ہی ساری گھبراہٹ ختم ہو گئی۔ میں خوب مسکلت سے پڑھانے لگا۔ ویدارتھی بہت خوش ہو گئے۔ سبھی بھی تھاری میں کافی سے لگا پڑا۔ اس طرح 10 یا 15 دن بعد میں تھوٹ ہو گیا۔ ورما جی بھی خوب مسکلت کرتے ہیں دو ویدارتھی ان سے بھی بہت خوش ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کو اور کسی کام کے لئے کڑا بھی سے نہیں ملتا ہے۔ پہلی فروری سے پریکشا ہے۔ اگلا ہفتہ پریکشا کی تیاری کے لئے رہنا تھا ہے۔ اس لئے کوئی نیا پاتھ لکھا نہیں رہا ہے۔ اب سے ملے تو سب سے پہلے



محبوبہ فلاسفر کہہ کر چاروایا کرتے تھے... ٹھیکری وہ سب سہل  
تھا، کلمہ... سب - ہوتا تھا.. میں فلاسفر بلکہ چاہتا تھا  
اور میری محبوبہ یہاں گوسہت لائی...“

”سوت کھوں ہاتھ کھٹ... تم خود یہاں آگے“ کوریا  
 فتح کرے“ امریکہ، فی ایشیا میں۔ گھس کر دکھا کرے...”

”بہیں گھر“ میں مجبور تھا... مہری طرح سارے امریکی نوجوان مجبور ہیں... میں فلاسفر بلڈا چاہتا تھا... مجھے کوئی سے تھا مطلب! لیکن سہ کار کے حکم کے ابصار مجھ پہاں آنا پوا... مرنا پوا... جب میں نے گھر چھوڑا تھا... مہری بہن دو رہی تھی... مہری ماں دو رہی تھی... دوڑ اُن آہوں میں! اُن آنسوؤں میں وہ طالت نہیں تھی جو مجھے موت کے منہ میں جانے سے روک سکتی...“

”لہکن طاقت پیدا ہو رہی ہے، دوست... آپ کوئی  
ماں اُسامی سے اپنی کُود اجڑے بہن دیگی... آپ کوئی  
بہن اپنے بھائی کو سرتے بہن دیکھ گئی... طاقت پیدا ہو  
رہی، بڑھ رہی ہے، مضبوط ہو رہی ہے...”

”کس کی طاقت‘ فلور... ٹونسی طاقت...“

”میں انہی ہی طاقت ہاتھ ڈھک‘ شاعری کی طاقت۔۔“

”کمونسٹ! شوٹ!“ ایک چوہ زچے سے آکر  
سامنے دیکھ اور اس سے آواز آئی۔

• • •

اور حضور ص 54 !

پوشانی زندگی — امر !!

—محبوب داری

ہم اور آزاد میں یہی فرق ہے کہ ہم مرنے کے لئے جیتتا ہے مگر آزاد جیتنے کے لئے مرنے کا نام کی زندگی موت کے برابر ہے مگر آزاد کی موت یہی زندگی ہے۔

— اگہات

**X**

+                      ×                      ×                      ×  
 قانون آدمیوں کو کہی۔ آزاد نہیں بنائے گا! آدمیوں  
 ہی قانون کو آزاد بنانا ہوگا۔

2292



”انسان انسان ایک ہے، تو ہے کلمے ترقی حماراج کا  
ایک چال ہے“

”ہر گز سامراجی نہ“

”نہیں“ ہم گورا انسان ہے، جلد سبکوں کے لئے ہے  
اپنی انسانیت بھجادی پڑی ہے، اے وہ کرنا پوتا ہے جو  
مالک اُس سے کرنا چاہتے ہیں۔“

کدور دھورے دھورے اُس آدمی کے پاس پہنچ گیا ۔  
 منہ ایک کتاب سے قہقہا ہوا تھا ۔ خون کی پہریاں جم  
 گئی تھیں ۔ معلوم ہوتا تھا بہت دیر سے زخمی ہوا ہے ۔

کلور نے کتاب منہ سے نکالیا۔ اُس کے ہلے خون میں  
 لعل پھلتا تھا۔ کتاب کا نام وہ پتہ  
 ایک صلیب پر خون کے چھلکتے اُس کو اپنا

نام لکھا معلوم ہوا۔ تعجب سے اُس نے لاش کو چھلکھڑا۔  
 ”لڈھو“ ابھی مت کہا کرو مجھے... ابھی میں زندہ  
 ہوں... ابھی میں بھٹی پادریں کا آئندہ لے رہا ہوں...

”کھالہقا... لیکن تہڑی دیر کی مہلت دے دو...“  
 ”گدھ نہیں ہیں بھائی‘ میں ہوں... ایک آدمی...“  
 ”آکھیں کھولو...“

ایک خاموش چھائی رہی .

کنور درو کر چھپ سے پانی لایا اور اُس آدمی کا منہ دھلایا۔

”میرے پاس یہ دو مہرے انتہائی دوست ہیں۔“

پانی پی کر زخمی نے آنکھ کھول دی۔ پھر اُس نے  
آنکھ بند کر لی۔  
”نم کون ہو؟“

”نہ کون ہو؟“

”میں ڈاکٹر نلور ہوں... بھارتی ایمبولنس کے ساتھ کوریا کے مورچے پر آیا ہوں...“

”نلور!“ زخمی نے تعجب سے کہا اور ایک خوشی

اُس کے منہ پر کول کئی ۔  
 ”میں ہاتھ کھٹ ہوں‘ کھڑ...“  
 ”ہاتھ کھٹ!“

”ہاں، کیسی؟“

اور کدور نے ہاتھ

اور کدور نے ہاتھ پیچھا کر ہاتھ گھمٹ کا سر جانکوں پر رکھ لیا۔  
 ”کدور“ میں تمہارا تصفف ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں۔

یاد ہے نہ... جب میں امریکہ واپس جا رہا تھا تو تم نے مجھے ایک تحفہ دیا تھا...”

جاننا کہ تم لڑائی کے میدان میں ملو گے تو میں تمہیں  
گھات بجائی بھولت نہ کوتاہی... میں نے تمہیں کچھ اور  
بھولت کہا ہوتا...”

”اب گزوی ہاتھیں یاد کرنے سے کہا لالہ... کہا کہا  
 پہلے تھے..... میں لالہ پر ہلکا چاہتا تھا..... میں  
 لہکھک ہلکا چاہتا تھا..... یاد ہے نہ..... تم لوگ



جسٹس رولز سے تعلق رکھتی اور عوامی کی فہم میں آوار  
م ہر گئی۔

فلور نے بھی راستہ بدل دیا۔ وہ جب سہول میں آیا تھا تو اندھوا چھایا تھا، سہول نے سفائی کے دو طرف تھرا ڈال رکھا تھا، لیکن..... اب..... بھگتڑ ہو رہی تھی۔ ہولی چل رہی تھی، گولیاں چل رہیں تھیں، گودام جلائے جا رہے تھے، سامان پھونکا جا رہا تھا، اسہکی مہاھی بھاگ رہے تھے، آگ لگا رہے تھے، لوٹ رہے تھے۔ لاشوں کا اسمار لگتا جا رہا تھا اور بدست دیو کی طرح ٹرک اُن کو روندتے آئے ہوئے رہے تھے۔

کودھیا کی سہانچا ہو رہی تھی! اُس کی آن بچائی  
جا رہی تھی!! اُس کو زندہ رکھا جا رہا تھا!!!

اُتری کر دیا کے جنگی قیدیوں کی ٹولی امریکی  
سہاہوں کے گھروے میں لے جانی جا رہی تھی۔  
انہوں نے سر نہ اٹھ کر رکھ رکھ کر پہلے ہر گھروے قاتل لئے تھے۔

نکھڑے نے تعجب سے اس سون کو دیکھا : ایک کوریائی  
استغریٰ رنگی بھڑی کردی گئی تھی اور جنگی قمیضیں  
کو حکم تھا کہ اس کو سلوٹ کریں۔ کوریائی سیاحوں  
نے انکھیں بند کر لیں تھیں۔

”میرے بہادر سپاہیو! موت سے نہ بھاگو۔ کوئی پروا نہیں ہے اگر آج تمہاری بہن تلکی لہوی ہے۔ قسم کھاؤ سہوے اس تلکی کا کہ تم ہمت نہیں ہارو گے، اٹھو اچار کے سامنے کھٹکتا نہیں سوزو گے.....“

تو تو گولیاں چلیں، اور اُس صورت کی آواز سدا کے لئے بلند کر دی گئی۔۔۔۔۔ پر انسانیت کی آواز بلند نہیں ہو سکتی!!

کلور ایسے ہڈا سے دیکھتا ہوا نہ جانے کہاں نکلا تھا—  
شہر سے دور، بہت دور—چھپ تھی، وہ تھا، چھپ میں  
ایک مہرہ لہن اور بس! راستہ ہی اس کا ساتھی تھا اور  
وہ ہی اس کا ہمدم۔

چھپ میں زور کی ہرک لگی اور گھر کے ایک کمرے  
شور کے ساتھ چھپ دک لگی۔ سامنے ایک لڑی پڑی ہوئی  
تھی، گھڑی اتر کر اس کے پاس جا لے گا :

”یہ کسی گیارہ کی لڑکی ہے، اچھا ہوا مر گیا ...  
گورا“ اور اس کے منہ پر نفرت کی ایک دیکھا جھلک  
ہی۔

”میں انسان ہوں“ کسی نے جھوٹے انداز میں جھگڑا۔  
 ”تو بھی یہ لوگ انسان نہیں ہیں... یہ صرف گورے  
 ہیں...“

”سپاہی کی کہا خطا ہو سکتی ہے... وہ تو مظلوم ہے  
... وہ تو سپاہی کی دھڑی کا شہرل ایکسا بلعدین ہے...“  
”ہر قوم کا ہے۔“

08 1

“ही ही यह गोदा.”



ڈاکٹر نے کونر کے منہ پر لہجہ نیگاہ ڈالی اور ایک جھریلی مسکراہٹ اس کے منہ پر لیل پڑی۔

دونوں چپکے رہے—کونر کے منہ پر تاجزب یا اور ڈاکٹر کے منہ پر کڑیلی مسکراہٹ۔

”ڈاکٹر جلدی کرو... اسے بچالو...“ کونر نے خاموشی توڑی۔

”مر بھی جانے دو، ایک ‘گٹ’ کے مر جانے سے کیا کیا جاتا ہے؟“ ڈاکٹر نے اس طرح جواب دیا جیسے کہ رہا ہو کہ کھڑے ہو کر رہے ہیں، اس پر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

”ڈاکٹر؟“

اور کونر کے دماغ میں امریکی سپاہی کے دائرہ ہر گونج اٹھے—”شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو... تم کالے ہو اور ہم گارے.. گورے اسلئے ہیں کہ کالوں پر راج کریں...“

”ڈاکٹر، تم ڈاکٹر ہو۔ تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے... تم ایسا ہی ہو ڈاکٹر... تم آدمی بھی ہو ڈاکٹر...“

”میں اسپتال کا نیکم نہیں ہو سکتا۔ یہاں گوتوں کا داخلا نہیں ہو سکتا۔ یہ پورے ملک کے علاج کے لئے ہے...“

”میں کھلمی ہو جاؤں تو میرا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”تمہارا بھی نہیں ہو سکتا“ ڈاکٹر نے اپنی ٹائی ٹیک کرتے ہوئے کہا۔

کونر کچھ بول نہ سکا، اس کا گلا بندھ گیا۔ اس نے ایک ڈاکٹر پر اپنی آکھیں گڑا دیں۔

کالوں کی مہارت کے دباو، آزادی، گولامی، گوت، نیک، بھ لاگ، امریکی سپاہی کی مار، کاریزائی بڑے کی کراہ اور کیر ڈاکٹر ڈاکٹر کی ہسی—سب نے اسے آدھار دیا—”ہاں جاؤ یہاں سے، نیکل جاؤ یہاں سے۔ یہاں انسان نہیں رہتے۔“

سامنے ڈاکٹر لڑا اسی طرح ہنس رہا تھا۔

کونر نے گیس سے پہلے فائر باندھ دیا اور اپنی جیپ اسٹارٹ کر کے ہینڈسٹین ایمریٹس کے ڈیٹارٹر کی طرف چل پڑا۔ آج اسے روشنی ملی تھی، سچی ملے تھا۔ وہ اس پیغام کو سب کو دینا چاہتا تھا۔

سامنے سے ایک جیپ زبانی آئی۔ اس میں سے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ نیکل چلو، سول گھر گیا ہے۔ چینی والوں نے چاروں طرف سے گھبرا ڈال دیا ہے۔ امریکی بھاگ چکے ہیں... ہر طرف آگ لگی ہے... ہرنو کے سپاہیوں نے ہر من آگ لگادی ہے... بھاگ چلو... خطرہ ہے... نیکل چلو... لوت آؤ...

ڈاکٹر نے گھر کے منہ پر توڑ ڈالا، اور ایک دھڑکی مسکراہٹ اس کے منہ پر کھل پڑی۔

دونوں چپکے رہے—کونر کے منہ پر تعجب تھا اور ڈاکٹر کے منہ پر کٹھالی مسکراہٹ۔

”ڈاکٹر جلدی کرو... اسے بچالو...“ کونر نے خاموشی توڑی۔

”مر بھی جانے دو، ایک ‘گٹ’ کے مر جانے سے کیا کیا جاتا ہے؟“ ڈاکٹر نے اس طرح جواب دیا جیسے کہ رہا ہو کہ کھڑے ہو کر رہے ہیں، اس پر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

”ڈاکٹر؟“

اور کونر کے دماغ میں امریکی سپاہی کے دائرہ ہر گونج اٹھے—”شاید تم یہ سوچتے ہو کہ تم بھی انسان ہو... تم کالے ہو اور ہم گارے.. گورے اسلئے ہیں کہ کالوں پر راج کریں...“

”ڈاکٹر، تم ڈاکٹر ہو۔ تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے... تم ایسا ہی ہو ڈاکٹر... تم آدمی بھی ہو ڈاکٹر...“

”میں اسپتال کا نیکم نہیں ہو سکتا۔ یہاں گوتوں کا داخلا نہیں ہو سکتا۔ یہ پورے ملک کے علاج کے لئے ہے...“

”میں کھلمی ہو جاؤں تو میرا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”تمہارا بھی نہیں ہو سکتا“ ڈاکٹر نے اپنی ٹائی ٹیک کرتے ہوئے کہا۔

کونر کچھ نہ بول سکا اس کا گلا بندھ گیا۔ اس نے صرف ڈاکٹر پر اپنی آکھیں گڑا دیں۔ کالوں کی مہارت کے دباو، آزادی، گولامی، گوت، نیک، بھ لاگ، امریکی سپاہی کی مار، کاریزائی بڑے کی کراہ اور کیر ڈاکٹر ڈاکٹر کی ہسی—سب نے اسے آدھار دیا—”ہاں جاؤ یہاں سے، نیکل جاؤ یہاں سے۔ یہاں انسان نہیں رہتے۔“







”یہ کونسی کوریو ہے یا دیکھنی کوریو؟“ کسی نے جیسے اس سے پوچھا۔

نہیں یہ کوریو ہے، نہ دیکھنی کوریو۔ یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ کوریو کی لاش کے دو ٹکڑے ہیں..... دو ٹکڑے!

اس لاش پر اس نے دو آنسو بہائے۔ ہماری من سے چھپ چھپ مٹی آ کر بہنے لگا۔ نقشہ اور کھاس نکال کر لگے ایک راستہ طے کیا اور ایک دھڑکے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

لال، خلدک، کھمب، میدان، سب کو پار کرتا وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اسے ایک ہی دھیان تھا کہ اسے سبھل جانا ہے۔

سبھل بھی آ گیا!

ابھی چاندنی نہیں نکلتی تھی۔ ابھی اُردھو نے اپنا منہ نہیں ڈھپایا تھا۔ سبھل اُردھو کے پاس تھا۔ کبھی روشنی نہیں آتی تھی۔ کبھی اُجالا نہیں تھا۔

کدور جیپ اُڑاتا جاتا تھا۔ یونو کے مےس میں امریکی سیپاہی اسے ٹوکے تھے اور وہ پاس دیتا تھوڑی سے آگے بڑھتا جاتا تھا۔ ایک چوراہ پر اس نے سنا:

”گک“

فیر مارنے کی آواز آئی—ساتھ میں ایک پالتا بھی

کدور رگ گیا—پھر چلنے لگا۔

پھر مار—پھر کی تھوکر—پھر وہی کراہ۔

وہ آگے کر اس درخت کے قریب چلا گیا۔

”گک، بدسماں“ امریکی سیپاہی نے کہا، اور ایک تھوکر چمائی۔

پھر کوریو نے خون اگل دیا۔

گورے نے تاپو توڑ سکے چمائی۔

پھر ہر بار صرف اتنا کہتا—”بابا، میں کہاں جاؤں، میرا گھر جل گیا، میرا کھانا تیتل بیتل ہو گیا۔ میری جائیداد لوٹ گئی۔ میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا۔ اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں..... میں اپنی سڑکوں پر گدس بھی نہیں رکھ سکتا...”

کدور کے ہونٹ ہلے اور اس نے درد سے دھرایا—”میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا، اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں..... میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا.....“

گورے نے پوچھا کہ پھر ایک مکہ مارا..... اس نے پھر خون اگل دیا۔

کدور میں جیسے پتھری کی کونک دور گئی۔ وہ پتا کسی چمڑ کا دھیان کتہ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے گورے کے آگے ہاتھ روک لیے۔

”یہ کونسی کوریو ہے یا دیکھنی کوریو؟“ کسی نے چھپ

اس سے پوچھا۔  
نہیں یہ کوریو ہے، نہ دیکھنی کوریو۔ یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ کوریو کی لاش کے دو ٹکڑے ہیں..... دو ٹکڑے!

اس لاش پر اس نے دو آنسو بہائے۔ ہماری من سے چھپ چھپ مٹی آ کر بہنے لگا۔ نقشہ اور کھاس نکال کر لگے ایک راستہ طے کیا اور ایک دھڑکے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

لال، خلدک، کھمب، میدان، سب کو پار کرتا وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اسے ایک ہی دھیان تھا کہ اسے سبھل جانا ہے۔

سبھل بھی آ گیا!

ابھی چاندنی نہیں نکلتی تھی، ابھی اُردھو نے اپنا منہ نہیں ڈھپایا تھا۔ سبھل اُردھو کے پاس تھا۔ کبھی روشنی نہیں آتی تھی۔ کبھی اُجالا نہیں تھا۔

کدور جیپ اُڑاتا جاتا تھا۔ یونو کے مےس میں امریکی سیپاہی اسے ٹوکے تھے اور وہ پاس دیتا تھوڑی سے آگے بڑھتا جاتا تھا۔ ایک چوراہ پر اس نے سنا:

”گک“

پھر مارنے کی آواز آئی—ساتھ میں ایک پالتا بھی

کدور رگ گیا۔

پھر چلنے لگا۔

پھر مار—پھر کی تھوکر—پھر وہی کراہ۔

وہ آگے کر اس درخت کے قریب چلا گیا۔

”گک، بدسماں“ امریکی سیپاہی نے کہا، اور ایک تھوکر چمائی۔

پھر کوریو نے خون اگل دیا۔

گورے نے تاپو توڑ سکے چمائی۔

پھر ہر بار صرف اتنا کہتا—”بابا، میں کہاں جاؤں، میرا گھر جل گیا، میرا کھانا تیتل بیتل ہو گیا۔ میری جائیداد لوٹ گئی۔ میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا۔ اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں..... میں اپنی سڑکوں پر گدس بھی نہیں رکھ سکتا...”

کدور کے ہونٹ ہلے اور اس نے درد سے دھرایا—”میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا، اپنے دیہے پر مجھے اتنا بھی ادھکار نہیں..... میں اپنی زمین پر چل بھی نہیں سکتا.....“

گورے نے پوچھا کہ پھر ایک مکہ مارا..... اس نے پھر خون اگل دیا۔

کدور میں جیسے پتھری کی کونک دور گئی۔ وہ پتا کسی چمڑ کا دھیان کتہ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے گورے کے آگے ہاتھ روک لیے۔



”کون، کون! کون سے تو ہیں.....“

ممن کی کوبلٹا منٹھارٹ کے समय भी उससे अलग न थी.

उसने जोर से सिगरेट के टुकड़े को जमीन पर फेंका और पैर पटक कर उस चीज की तरफ चला पड़ा—

तड़, तड़, तड़, तड़

गोलियां की बौछार होने लगी. कहां से और कितने से इसका पता नहीं लग सकता था. कुंवर का लक्ष्य रायब हो गया, वह खुद ही गुम सा हो गया. किस तरह वह जीप के नीचे लेटा था, इस विवरण को बताना उसके बस की बात नहीं थी. वह जीप के नाचे दम साधे पड़ा था.

कुछ देर के लिये सन्नाटा.

फिर गोलियों की बौछार.

जहाज की बरघराहट.

फिर सन्नाटा.

फिर बमों का धमाका

इस बार लम्बा सन्नाटा छाया रहा, कुंवर के दम में बम आया. मलेरिया का जाड़ा उतर गया था, पर डर अभी बाक़ी था. वह अपनी जगह से नहीं डिगा. पन्द्रह मिनट और बीत गए.

दिमारा ने कहा—”वह लौट जाय.”

मन ने कहा—”नहीं, जखमी को ले कर जायगा.”

इन्सान जीत गया.

कुंवर ने फिर लाइट जलाया और तेजी से उस तरफ बढ़ गया.

फिर गोली चली.

वह वहीं लेट गया. लाइट बुझ गया, रोशनी ख़तम हो गई, अन्धेरा छा गया.

फिर सन्नाटा छा गया, देर तक गोली नहीं चली.

वह घिसलने लगा, घिसलता गया, घिसलते घिसलते थक सा गया ..... फिर उसने लाइट जलाया. उसने देखा :

बिलकुल उसी के सामने एक गख के फासले पर एक औरत पड़ी है. एक बच्चा उसकी छाती से चिमटा हुआ है शायद मां ने मरते समय बच्चे को प्यार किया था, अपनी गांठ में भींच लिया था. वह उसके बिलकुल करीब चला गया. लाश दो जगह से पिघुलती हो गई थी. जीप के पहियों ने इन्सान पर चलने का सौभाग्य प्राप्त किया था !

वह मन ही मन गिड़गिड़ाते लगा, जमा चाहने लगा. उसने अपने को दोषी समझ लिया. उसका खयाल था कि कलकी जीप ने ही यह अत्याचार किया है.

जमा के वह और करीब हो गया, लाइट और करीब ले गया.

”فری! فری! فری! تو میں ٹنگ.....“

من کی کو ملتا جھٹھلاہٹ کے سم بھی اس سے انگ نہ تھی. اس نے زور سے سگریٹ کے ٹکڑے کو زمین پر پھینکا اور پھر پتک کر اس چہرے کی طرف چل پڑا—

تو، تو، تو

گولہوں کی بوجھار ہونے لگی، کہاں سے اور کدھ سے اسکا پتہ نہیں لگ سکتا تھا. کلور کا لکھ غائب ہو گیا، وہ خود ہی کم سا ہو گیا. کس طرح وہ جھپ کے نہچے لہتا تھا اس ورن کو بتانا اسکے بس کی بات نہیں تھی. وہ جھپ کے نہچے دم ساڈھ پڑا تھا.

کچھ دیر کے لئے سناٹا.

پھر گولہوں کی بوجھار.

جہاز کی گھر گھراہٹ.

پھر سناٹا.

پھر بمیں کا دھماکا.

اس بار لمبا سناٹا چھایا رہا، کلور کے دم میں دم آیا. مलेریا کا جاڑا اتر گیا تھا، پر ڈر ابھی باقی تھا. وہ اپنی جگہ سے نہیں ڈگا. پندرہ منٹ اور بہت گئے.

دماغ نے کہا—”وہ لوٹ جائے.”

من نے کہا—”بھوں، زخمی کو لے کر جائے گا.”

انسان جیت گیا.

کلور نے پھر لائٹر جلايا اور تیزی سے اس طرف ہڑ گیا.

پھر گولی چلی.

وہ وہیں لہٹ گیا. لائٹر بجھ گیا، روشنی ختم ہو گئی، اندھرا چھا گیا.

پھر سناٹا چھا گیا، دیر تک گولی نہیں چلی.

وہ گھسٹنے لگا، گھسٹتا گیا، گھسٹنے گھسٹنے تھک سا گیا..... پھر اس نے لائٹر جلايا.

اس نے دیکھا :

بالکل اسی کے سامنے ایک گڑ کے فاصلے پر ایک عورت پڑی تھی. ایک بچہ اسکی چھاتی سے چٹا ہوا تھی. شاید ماں نے مرنے سمے بچے کو پیار کیا تھا، اپنی گود میں بھونچ لیا تھا. وہ اس نے بالکل قریب چلا گیا. لاش دو جگہ سے پیدھلی ہو گئی تھی. جھپ کے پھوں نے انسان پر چلنے کا سوبھاگھ پراپت کیا تھا !

وہ من ہی من کو گواہ لگا، جھما چاھلے لگا. اس نے اپنے کو توھی سمجھ لیا. اسکا خیاں تھا نہ اسکی جھپ نے ہی یہ اچھاچار کیا تھی.

لہن کے وہ اور قریب ہو گیا، لائٹر اور قریب لے گیا.



اندھوڑا، اور آگ کچھ بھی نہیں۔ آج... جہاں تک  
آنے جاتے... نگے سوال، نگے سسٹائن، نگے چھتائوں  
— اندھوڑا جہاں پردہ قالے تھا، آجائے نے آئے نکلا کر  
—

کدو نے اپنے کو ایک جنگل میں پایا۔ یہاں اب جنگل نہیں تھا، کدو جنگل کی نشانیاں ہائی تھیں۔ پتھر نہیں تھے بلکہ کچھ لیسٹریو پتھر تھے، جن کا منہ جھلس دیا گیا ہو، جن کا شدید بھونچ دیا گیا ہو۔ یہ پتھر نہیں تھے، چٹائی کی لوہاٹھیاں تھیں! کدو کی لاش جل رہی تھی اور اچھے انسان ہاتھ تاپ رہے تھے۔ بدوں کو یہاں فرصت نہ تھی۔ پتھروں کی دھبائی سن سکھیں۔ جھاڑوں نے کہاں میں کان جو ان کا رولنا ان تک پہنچ سکے۔ ٹولہاں کھول مارا جانتی تھیں، مار کی پتڑا کھا ہوئی ہے، اس کا اٹھیں گہاں نہیں ہوتا۔ لعلی لاشیں چمپڑیں ہوں گی، کتلا چمکا کر اس جنگل میں ہوا ہوگا!

گدروں کے ہولناک کایے، آنکھوں میں آنسو آئے، یہاں  
میں جہر جہر کی آگنی، نراہی ہو اُس نے روشنی ختم  
کر دی، اندھیرا بن گیا۔

روحانی کا علاج اندھیرا نہیں ہو سکتا؟ اندھیرے کی طرف ہونا ہونہی ہے، کپرتا ہے۔ آجائے کوئی چمڑ اور مانتوں کے لئے وہ بہت ہی ضروری ہے۔ آجائے بے ڈر کر اندھیرے نے شہن میں جانا انسان ہی مار ہے۔ انسان کی جہمک آجائے کے راستے کو صاف کرنا ہے، اُسے سمجھ کرنا ہے۔

کلور نے جھپ استراوت کر دی۔ وہ سو ایک قدم آگے بڑھ  
 بھی گیا۔ پھر نہ جانے کھوں وہ رک گیا۔ اُس نے جھپ سے  
 باہر آ کر سر سہلایا۔ ٹھکان نے اُس پر ٹھہرا ڈالا۔ اُس نے  
 جمواہی لی۔ نہ جانے کھوں اُسکا سن سگریٹ پہلے کے لئے  
 مچھل ہوا۔ ملہ میں دہی سگریٹ تو اُس نے لائٹر کی لو پر  
 رکھ دیا۔ لائٹر کی لو نے بڑھکر سگریٹ کا ملہ چھلس دیا  
 یا سگریٹ نے خود لو پر اچھ کو نچھاور کر دیا؟ یہ ٹھکان ڈرا  
 مشکل سے۔

مکرمیت جل کئی، کلور لے لیا کس لیا۔

لائٹر بجھانے کی دھور کو سدھ آئی ۔

سر اٹھاتے ہی، بندر نے محکمہ روشنی میں تھوڑی دور  
پر کوئی چھڑ پڑی دیکھی وہ اسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔  
وہ پتھر لٹ آئی۔ چھڑ کسی نے روک دیا ہو۔

وہ رلا رہا، سگریٹ پیتا رہا، سوچتا رہا۔

”دوئی زخمی آدمی نہ ہوا ہو“ اس کے من لے کہا۔

”ہو، لوائی کا مہدان ہے۔ ہم ہوسا ہی کرتے ہیں،  
آدسی مرا ہی کرتے ہیں..... میں کیا کر سکتا ہوں“  
صافح لے جواب دیا۔

۵۶ "مرفوس"



فیر انکا پہچان سُرکھل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے !  
کےवल ہسی کا نام ہی سچ کی جیت ہے !

وہ ایک سہلا سا دیکھنے لگا :

”ہر طرف لڑائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ باواورن میں  
ہی لڑائی کی گونج ہے۔ پدم بوم کی دھمکی سنائی  
دیتی ہے۔... ہانڈروجن بم کی لڑائی کی خبر دنیا کو  
پہنچی جاتی ہے۔... جیسے ایک ہائل بین ساری دنیا  
پر چھایا ہوا ہے۔... ایک طرف لڑائی کی شکستیاں  
سنگتھت ہو رہی ہیں اور۔... دوسری طرف شانتی کی  
شکستیاں اپنی بکھری گزیاں اکٹھا کر رہی ہیں۔... لڑائی  
کے واقعات بیک وقت ہوتے ہیں۔... ایک کومل گات کو  
نوشہ ڈالتے ہیں، ماسل ڈالتے ہیں، آسمان سے رنگ  
جاتی ہے۔... لڑائی کے بہت آگے پہنچے ہیں۔... شانتی  
کی فوج لئے بھارت مانا آئے آتی ہے۔... اس کی لڑائی  
سنائی دیتی ہے۔ لڑائی بند کرو ! پر لڑائی بند نہیں  
ہوتی۔... اور تیز ہو جاتی ہے۔... کدور ایک اسپتال  
میں ڈانٹر ہے۔ یہاں زخمیوں کا علاج ہوتا ہے۔ کسی  
پارٹی، کسی دیہے یا کسی گروپ نے زخمیوں کا علاج نہیں۔  
یہاں دو ہی ہالوں ہوتی ہیں۔ زخم اور علاج۔... لیکن  
ہمیں نے اس اسپتال کو بھی نہ چھوڑا۔... وہ آپریشن  
کر رہا تھا اور ہم بہت کچھ ایک ساتھ آئے نہ جانے کتنی  
چھوٹیں سنائی پڑیں۔“

وہ سہم گیا رینگتے کھڑے ہو گئے اور جیپ رک  
گئی۔ باواورن میں ایک گڈگڈاٹ گونجی اور بوموں کی  
بارش ہونے لگی۔ کدور جیپ کے نیچے لےٹ گیا۔ کب تک  
بم برساتے رہے، کب تک وہ لےٹا رہا، اسکا انومان  
نہیں کیا جاسکتا۔ সময় کی گت رک سی گئی تھی۔ اسے  
کےवल اتنا یاد تھا—بم اور بم سے بچنے کی کوشش !  
کدور نے من ہی من میں کہا—”اب نکل چلنا  
چاہیے۔“

کسی نے جیسے راکا—”لڑائی کا میدان ہے، خالا جی  
کا ہر نہیں“

وہ فیر دھک کر لےٹ گیا۔

چاروں طرف اندھوا چھایا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سنبھائی  
نہ دیتا تھا۔ کدور چھپے سے باہر نکل آیا پر اسکی سنبھ  
میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے، کدھر جائے۔ راستے نے جیسے  
اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے چاہا کہ ہڈ لائٹ  
جلا دے۔ پر سوچے تک ہاتھ جاتے جاتے وہ سہم گیا، اسے  
رک جانا پڑا۔ پھر اس نے صفت کی۔... پھر وہ وہل رہا۔...  
اس نے پھر سانس کی بکھری سہلا کو اکٹھا کیا۔...  
لگت چل گئی، اندھوا ختم ہو گیا !

چاروں طرف اندھوا ختم ہو گیا !

جیون میں پہلی بار وہ مدھس کر رہا تھا کہ  
دجالا کتنا بھانک ہوتا ہے—اندھوا۔... کےवल

پھر ان کا دھانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے !  
اسی کا نام ہی سچ کی جیت ہے !  
وہ ایک سہلا سا دیکھنے لگا :

”ہر طرف لڑائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ باواورن  
میں بھی لڑائی کی گونج ہے۔ پدم بوم کی دھمکی سنائی  
دیتی ہے۔... ہانڈروجن بم کی لڑائی کی خبر دنیا کو  
پہنچی جاتی ہے۔... جیسے ایک ہائل بین ساری دنیا  
پر چھایا ہوا ہے۔... ایک طرف لڑائی کی شکستیاں  
سنگتھت ہو رہی ہیں اور۔... دوسری طرف شانتی کی  
شکستیاں اپنی بکھری گزیاں اکٹھا کر رہی ہیں۔... لڑائی  
کے واقعات بیک وقت ہوتے ہیں۔... ایک کومل گات کو  
نوشہ ڈالتے ہیں، ماسل ڈالتے ہیں، آسمان سے رنگ  
جاتی ہے۔... لڑائی کے بہت آگے پہنچے ہیں۔... شانتی  
کی فوج لئے بھارت مانا آئے آتی ہے۔... اس کی لڑائی  
سنائی دیتی ہے۔ لڑائی بند کرو ! پر لڑائی بند نہیں  
ہوتی۔... اور تیز ہو جاتی ہے۔... کدور ایک اسپتال  
میں ڈانٹر ہے۔ یہاں زخمیوں کا علاج ہوتا ہے۔ کسی  
پارٹی، کسی دیہے یا کسی گروپ نے زخمیوں کا علاج نہیں۔  
یہاں دو ہی ہالوں ہوتی ہیں۔ زخم اور علاج۔... لیکن  
ہمیں نے اس اسپتال کو بھی نہ چھوڑا۔... وہ آپریشن  
کر رہا تھا اور ہم بہت کچھ ایک ساتھ آئے نہ جانے کتنی  
چھوٹیں سنائی پڑیں۔“

وہ سہم گیا، رینگتے کھڑے ہو گئے اور چھپ رک گئی۔  
واواورن میں ایک کڑواہٹ گونجی اور بوموں کی  
بارش ہونے لگی۔ کدور چھپے سے نہچے لپٹ گیا۔ کب  
تک ہم ہرستے رہے، کب تک وہ لپٹا رہا، اس کا انومان  
نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے کی گت رک سی گئی تھی۔ اسے  
کھول اٹھا یاد تھا—ہم اور ہم سے بچنے کی کوشش !  
کدور نے من ہی من میں کہا—”اب نکل چلنا چاہیے۔“  
کسی نے جیسے روکا—”لڑائی کا میدان ہے، خالہ جی  
کا کھر نہیں۔“

وہ پھر دھک کر لپٹ گیا۔  
چاروں طرف اندھوا چھایا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سنبھائی  
نہ دیتا تھا۔ کدور چھپے سے باہر نکل آیا پر اسکی سنبھ  
میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے، کدھر جائے۔ راستے نے جیسے  
اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے چاہا کہ ہڈ لائٹ  
جلا دے۔ پر سوچے تک ہاتھ جاتے جاتے وہ سہم گیا، اسے  
رک جانا پڑا۔ پھر اس نے صفت کی۔... پھر وہ وہل رہا۔...  
اس نے پھر سانس کی بکھری سہلا کو اکٹھا کیا۔...  
لگت چل گئی، اندھوا ختم ہو گیا !  
چاروں طرف اندھوا ختم ہو گیا !  
جیون میں پہلی بار وہ مدھس کر رہا تھا کہ  
دجالا کتنا بھانک ہوتا ہے—اندھوا۔... کےवल



## اور وہ مر گیا.....؟

## اور وہ مر گیا.....؟

راस्ता उसکا نہیں تھا، اب وہ خود راستے کا ہو گیا تھا !

راستہ اسکا نہیں تھا، اب وہ خود راستے کا ہو گیا تھا !

سٹیڈیئرنگ پر ہاتھ ضرور تھے پر جیپ نہ جانے کس کے اشارے پر ایسا راستہ بنائی چلی جا رہی تھی۔ موت کے راستے پر وہ جا رہا ہے یا زندگی کی طرف قدم اٹھ رہا ہے، اسکا کہان اُسے نہیں تھا۔ اندھرا تھا، ڈر تھا، بھیاں تھا..... راستا کھترناک تھا..... اس کے دماغ میں لیکن ایک ہی خیال تھا—اُس کا فرض—زخمیوں کو اسپتال تک پہنچانا !

اسٹورنگ پر ہاتھ ضرور تھے پر جیپ نہ جانے کس کے اشارے پر ایسا راستہ بنائی چلی جا رہی تھی۔ موت کے راستے پر وہ جا رہا ہے یا زندگی کی طرف قدم اٹھ رہا ہے، اسکا کہان اُسے نہیں تھا۔ اندھرا تھا، ڈر تھا، بھیاں تھا..... راستہ کھترناک تھا..... اس کے دماغ میں لیکن ایک ہی خیال تھا—اُس کا فرض—زخمیوں کو اسپتال تک پہنچانا !

کونر اپنے خیالوں میں ڈوبا تھا اور جیپ آندھرے کے پردے کو پہارتی کسی انتجانے مقام کی طرف چلی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسپتال کم ہو جاتی تھی۔ اُسے اُٹے نالے یا کھالی کا آہاس ہوتا تھا۔ لیکن بہرہ کے سوائے اُن کا کوئی وجود نہ ہوتا وہ دھوکا تھے..... سارے قروں کی طرح وہ بھی بہرہ تھے، دھوکا تھے۔ کلور اسپتال پہر توڑ کر دیتا تھا۔

کلور اُسے خالیوں میں ڈوبا تھا اور جیپ آندھرے کے پردے کو پہارتی کسی انتجانے مقام کی طرف چلی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسپتال کم ہو جاتی تھی۔ اُسے اُٹے نالے یا کھالی کا آہاس ہوتا تھا۔ لیکن بہرہ کے سوائے اُن کا کوئی وجود نہ ہوتا وہ دھوکا تھے..... سارے قروں کی طرح وہ بھی بہرہ تھے، دھوکا تھے۔ کلور اسپتال پہر توڑ کر دیتا تھا۔

کب اور کس نغم کے اوسار چمپ کھیتوں پر چلے لگیں۔ انہوں نے کھیت کہا بھی جا سکتا ہے؟ یہاں ہریالی ہونی چاہئے تھی، یہی تو موسم ہے۔ پر یہاں ہریالی نہیں تھی، صرف فٹنگل کھڑے تھے اور کبھی یہاں ہریالی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ کھیتوں کی چھانہاں ٹھنکیں سے کھول دی گئی تھیں۔ دھرتی فٹلہ کھوں کر اُگتی، اس پر خوں کی پھڑپھڑاں چم کھوں تھیں—اُتری کوریا کا خوں، دکھلی کوریا کا خوں، امریکی خوں، انگریزی خوں، سفید خوں، کالا خوں، پتلا خوں سب ایک ساتھ مل کر دھرتی پر جم گئے تھے۔ جو خوں اہال پر نہ مل سکے تھے، وہ دھرتی پر گر کر ایسے۔۔۔ لگے کہ کوئی بھی انہوں اب الگ الگ نہیں کر سکتا !

کب اور کس نغم کے اوسار چمپ کھیتوں پر چلے لگیں۔ انہوں نے کھیت کہا بھی جا سکتا ہے؟ یہاں ہریالی ہونی چاہئے تھی، یہی تو موسم ہے۔ پر یہاں ہریالی نہیں تھی، صرف فٹنگل کھڑے تھے اور کبھی یہاں ہریالی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ کھیتوں کی چھانہاں ٹھنکیں سے کھول دی گئی تھیں۔ دھرتی فٹلہ کھوں کر اُگتی، اس پر خوں کی پھڑپھڑاں چم کھوں تھیں—اُتری کوریا کا خوں، دکھلی کوریا کا خوں، امریکی خوں، انگریزی خوں، سفید خوں، کالا خوں، پتلا خوں سب ایک ساتھ مل کر دھرتی پر جم گئے تھے۔ جو خوں اہال پر نہ مل سکے تھے، وہ دھرتی پر گر کر ایسے۔۔۔ لگے کہ کوئی بھی انہوں اب الگ الگ نہیں کر سکتا !

جیپ چلی جا رہی تھی اور کونر سوچ رہا تھا :  
”یہ لڑائی کبھی ہو رہی ہے، اسکا کیا आधार ہے؟..... آخر یہ کبھی ہو رہی ہے..... زخمیوں کی سہرا کرنے کے لیے ! لیکن ایک طرف یہ سہرا بھاؤ کھوں؟ اُتری کوریا والے کہا نہیں مرنے؟ یہ اُن کے زخمی اٹھانے کے لئے وہ کھوں نہیں بھجوا جاتا.....“

جیپ چلی جا رہی تھی اور کونر سوچ رہا تھا :  
”یہ لڑائی کبھی ہو رہی ہے، اسکا کیا आधार ہے؟..... آخر یہ کبھی ہو رہی ہے..... زخمیوں کی سہرا کرنے کے لیے ! لیکن ایک طرف یہ سہرا بھاؤ کھوں؟ اُتری کوریا والے کہا نہیں مرنے؟ یہ اُن کے زخمی اٹھانے کے لئے وہ کھوں نہیں بھجوا جاتا.....“

امریکن چمپ نے ایک زور کا ہچکا دیا اور کلور کے دماغ سے اُن سوالوں کا دھماکا نکل سا گیا ! سب تو مردے ہیں اُتھمے ہوئے یہ سوال دہائے جا سکتے ہیں، اُن کا سادھان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہمت کی گرمی یا کر چاکمے ہیں اور اُس لڑائی سے چاکمے ہیں کہ

امریکن چمپ نے ایک زور کا ہچکا دیا اور کلور کے دماغ سے اُن سوالوں کا دھماکا نکل سا گیا ! سب تو مردے ہیں اُتھمے ہوئے یہ سوال دہائے جا سکتے ہیں، اُن کا سادھان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہمت کی گرمی یا کر چاکمے ہیں اور اُس لڑائی سے چاکمے ہیں کہ



है, नजाना जा सकता है। हमारी बुद्धि प्रकृति की सीमा नहीं लांघ सकती। बुद्धि यानी ज्ञान हमारी आत्मा का स्वभाव है। ज्ञान बुद्धि के सिवा कुछ नहीं। ज्ञान बुद्धि ही हम को कर्तव्य सिखाती है। कर्तव्य पालन का सम्बन्ध परलोक से नहीं, इस लोक से है। हमें परलोकवासियों से न दोस्ती करने की जरूरत है और न उनके लिये मेहनत। गुरु नानक का यह खेल अच्छा पाठ देता है, वह गंगाजी नहाते वक़्त अपने गांव की तरफ मुंह करके पानी उलीचने लगे। जब यह करते देर हो गई तब लोग पूछ बैठे, गुरुजी, यह आप क्या कर रहे हैं? गुरुजी बोले, अपने गांव के खेतों को पानी दे रहा हूँ। लोग बोले, महाराज यह कैसे हो सकता है? गुरुजी बोले, क्यों नहीं हो सकता? जब तुम यहां से सूरज को पानी दे सकते हो और आदम के पारिये परलोकवासियों को खाना पहुंछा सकते हो तो मेरा पानी मेरे गांव के खेतों तक क्यों नहीं पहुंछेगा? यह कह कर गुरुजी ने साफ बता दिया कि परलोकवासियों के प्रति न हमारा कोई कर्तव्य है, न हम उनकी कोई सेवा कर सकते हैं। यह इसी लोक के लोगों से प्रेम करके, मोहव्यत करके, दोस्ती का बर्ताव करके, उनकी छातिर मेहनत करके हम अपने सारे कर्तव्य पालन कर सकते हैं। अगर हमें सचमुच ईश्वर या परलोक के लिये किसी कर्तव्य पालन की जरूरत है तो वह इस लोक के कर्तव्य पालने में समाया हुआ है। ईश्वर या परलोक के लिये अलग कोई कर्तव्य नहीं रह जाता। हमें संतोष के साथ काम में लगे रहने के सिवा कुछ नहीं सीखना।

चमत्कार हमारी कमर तोड़ देते हैं। हमें साहसी बनकर चमत्कारों की कमर तोड़नी होगी। चमत्कार हम से हमारी समझ और हमारी प्रसन्नता छीन लेते हैं। हम चमत्कारों का कार्यकारन भाव जानकर अपनी समझ और अपनी प्रसन्नता उन चमत्कारों से छीन लेंगे, और फिर अपने आप हमारे मन भलाई के लिये खुल जायेंगे और हमारा मस्तक सचाई को अपनाने लगेगा। और यही होगी पूरी आजादी और हमारी यह आजादी ही मनुष्य समाज को खुशी बनायेगी, आजाद करेगी और हम उसी आजाद समाज की मदद पाकर सत्य की असलियत को समझ लेंगे और सत्य जो ईश्वर के नाम से पुकारा जाता है, उसके दर्शन कर लेंगे और यही होगा सच्चा और महान चमत्कार।

हैं, न जाना जा सकता है। हमारी बुद्धि प्रकृति की सीमा नहीं लांघ सकती। बुद्धि यानी ज्ञान हमारी आत्मा का स्वभाव है। ज्ञान बुद्धि के सिवा कुछ नहीं। ज्ञान बुद्धि ही हम को कर्तव्य सिखाती है। कर्तव्य पालन का सम्बन्ध परलोक से नहीं, इस लोक से है। हमें परलोकवासियों से न दोस्ती करने की जरूरत है और न उनके लिये मेहनत। गुरु नानक का यह खेल अच्छा पाठ देता है, वह गंगाजी नहाते वक़्त अपने गांव की तरफ मुंह करके पानी उलीचने लगे। जब यह करते देर हो गई तब लोग पूछ बैठे, गुरुजी, यह आप क्या कर रहे हैं? गुरुजी बोले, अपने गांव के खेतों को पानी दे रहा हूँ। लोग बोले, महाराज यह कैसे हो सकता है? गुरुजी बोले, क्यों नहीं हो सकता? जब तुम यहां से सूरज को पानी दे सकते हो और आदम के पारिये परलोकवासियों को खाना पहुंछा सकते हो तो मेरा पानी मेरे गांव के खेतों तक क्यों नहीं पहुंछेगा? यह कह कर गुरुजी ने साफ बता दिया कि परलोकवासियों के प्रति न हमारा कोई कर्तव्य है, न हम उनकी कोई सेवा कर सकते हैं। यह इसी लोक के लोगों से प्रेम करके, मोहव्यत करके, दोस्ती का बर्ताव करके, उनकी छातिर मेहनत करके हम अपने सारे कर्तव्य पालन कर सकते हैं। अगर हमें सचमुच ईश्वर या परलोक के लिये किसी कर्तव्य पालन की जरूरत है तो वह इस लोक के कर्तव्य पालने में समाया हुआ है। ईश्वर या परलोक के लिये अलग कोई कर्तव्य नहीं रह जाता। हमें संतोष के साथ काम में लगे रहने के सिवा कुछ नहीं सीखना।

चमत्कार हमारी कमर तोड़ देते हैं। हमें साहसी बनकर चमत्कारों की कमर तोड़नी होगी। चमत्कार हम से हमारी समझ और हमारी प्रसन्नता छीन लेते हैं। हम चमत्कारों का कार्यकारन भाव जानकर अपनी समझ और अपनी प्रसन्नता उन चमत्कारों से छीन लेंगे, और फिर अपने आप हमारे मन भलाई के लिये खुल जायेंगे और हमारा मस्तक सचाई को अपनाने लगेगा। और यही होगी पूरी आजादी और हमारी यह आजादी ही मनुष्य समाज को खुशी बनायेगी, आजाद करेगी और हम उसी आजाद समाज की मदद पाकर सत्य की असलियत को समझ लेंगे और सत्य जो ईश्वर के नाम से पुकारा जाता है, उसके दर्शन कर लेंगे और यही होगा सच्चा और महान चमत्कार।



کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ کوئی چمٹکار کرنا چاہتے ہیں اور ان کے لئے ویسا کہنا واجب ہے، پر ہم معمولی اللہ کے بندے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھونچے ہوئے فقیر چمٹکاری نہیں کرتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تلج بلد بادشاہ لنگم، اگھارے فقہروں کے پاؤں چھوئے نہ چایا کرتے۔ حضور، کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی بولے، میں کرشمے یا چمٹکار میں وشواس نہیں کرتا اور نہ میں کوئی چمٹکار کرنا ہوں اور نہ میں جانتا ہوں۔ میں آپ کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ چمٹکاروں میں وشواس کرنا چھوڑ دیں۔

گرو جی کے اس اُپدیش سے وزیر صاحب کے اندر کرشمہ دیکھنے کی اچھا اور زیادہ بھڑکی۔ وہ ہٹ کر لگے۔ حضور، کوئی ایک تو دکھائیے! آخر گرو جی کو سوچہ گئی اور انہوں نے اپنی جیب سے ایک اشرفی نکال کر دکھائی۔ کہا، ایک کرشمہ یعنی چمٹکار یہ ہے، اس سے سہسروں کام ہو سکتے ہیں۔

وزیر صاحب بولے، حضور کا فرمانا بھلا ہے۔ ہوشک یہ کرشمہ ہے اور اس کرشمے سے بادشاہ لوگ بڑے بڑے کم نکالتے ہیں۔ پر فقہروں کے پاس تو یہ کرشمہ نہیں ہوتا۔ حضور، کوئی کرشمہ دکھائیے! اگر آپ کراماتی نہ ہوتے تو لاکھوں آدمی اس طرح آپ کے پیچھے نہ ہو جاتے۔ بڑی عظمت ہوگی، کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی نے تھوڑا بکڑ کر اپنے مہان سے تلوار کھینچی اور اسے نلکا کر کے دکھایا اور بولے، دوسرا کرشمہ یہ ہے۔

جواب میں وزیر صاحب بولے، ہوشک یہ بڑا کرشمہ ہے، پر حضور یہ چھوڑ بھی فقہروں کے پاس نہیں ہوئی۔ کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی نے انہیں لاکھ سمجھایا ہر کسی طرح ان کا وشواس کرشمے پر سے نہ ہٹ سکا۔ یہ ہے بڑے لکھوں کا حال۔ بچپن میں جو چیخ گھڑی کر جاتی ہے وہ اُسی سے نہیں نکل پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سدھارک، بڑے بڑے وگھانی بے حد زور لگا کر بھی دنیا کو یہ نہ سکھا پائے کہ جب بھی کوئی انوکھی چھوڑ دیکھو تب اس کے کارن پر سوچو۔ اگر ٹھہک ٹھہک نہ جان سکو تو اس کام کا غلط کارن تو نہ مان بھتھو۔ چلتا کے من کا یہ اگھان اور کاربہ کارن سوچئے بلکہ کسی ٹھٹھا کو اوت پٹلمک طریقے سے مان لہئے کی عادت اس وقت تک نہ چھوڑے گی جب تک بچپن کے فسکار نہ بدلے جائیں گے۔ اور اسکول اور کالج گن آدمیوں نے غائب سے نہ چھوئے لکے جائیں گے جو دیو وادی دھرم کے وشواس ہیں۔ دیو یا ایشور نہ جانا کیا، نہ جانا جاتا

کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ کوئی چمٹکار کرنا چاہتے ہیں اور ان کے لئے ویسا کہنا واجب ہے، پر ہم معمولی اللہ کے بندے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھونچے ہوئے فقیر چمٹکاری نہیں کرتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تلج بلد بادشاہ لنگم، اگھارے فقہروں کے پاؤں چھوئے نہ چایا کرتے۔ حضور، کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی بولے، میں کرشمے یا چمٹکار میں وشواس نہیں کرتا اور نہ میں کوئی چمٹکار کرنا ہوں اور نہ میں جانتا ہوں۔ میں آپ کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ چمٹکاروں میں وشواس کرنا چھوڑ دیں۔

گرو جی کے اس اُپدیش سے وزیر صاحب کے اندر کرشمہ دیکھنے کی اچھا اور زیادہ بھڑکی۔ وہ ہٹ کر لگے۔ حضور، کوئی ایک تو دکھائیے! آخر گرو جی کو سوچہ گئی اور انہوں نے اپنی جیب سے ایک اشرفی نکال کر دکھائی۔ کہا، ایک کرشمہ یعنی چمٹکار یہ ہے، اس سے سہسروں کام ہو سکتے ہیں۔

وزیر صاحب بولے، حضور کا فرمانا بھلا ہے۔ ہوشک یہ کرشمہ ہے اور اس کرشمے سے بادشاہ لوگ بڑے بڑے کم نکالتے ہیں۔ پر فقہروں کے پاس تو یہ کرشمہ نہیں ہوتا۔ حضور، کوئی کرشمہ دکھائیے! اگر آپ کراماتی نہ ہوتے تو لاکھوں آدمی اس طرح آپ کے پیچھے نہ ہو جاتے۔ بڑی عظمت ہوگی، کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی نے تھوڑا بکڑ کر اپنے مہان سے تلوار کھینچی اور اسے نلکا کر کے دکھایا اور بولے، دوسرا کرشمہ یہ ہے۔

جواب میں وزیر صاحب بولے، ہوشک یہ بڑا کرشمہ ہے، پر حضور یہ چھوڑ بھی فقہروں کے پاس نہیں ہوئی۔ کوئی کرشمہ دکھائیے!

گرو جی نے انہیں لاکھ سمجھایا ہر کسی طرح ان کا وشواس کرشمے پر سے نہ ہٹ سکا۔ یہ ہے بڑے لکھوں کا حال۔ بچپن میں جو چیخ گھڑی کر جاتی ہے وہ اُسی سے نہیں نکل پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سدھارک، بڑے بڑے وگھانی بے حد زور لگا کر بھی دنیا کو یہ نہ سکھا پائے کہ جب بھی کوئی انوکھی چھوڑ دیکھو تب اس کے کارن پر سوچو۔ اگر ٹھہک ٹھہک نہ جان سکو تو اس کام کا غلط کارن تو نہ مان بھتھو۔ چلتا کے من کا یہ اگھان اور کاربہ کارن سوچئے بلکہ کسی ٹھٹھا کو اوت پٹلمک طریقے سے مان لہئے کی عادت اس وقت تک نہ چھوڑے گی جب تک بچپن کے فسکار نہ بدلے جائیں گے۔ اور اسکول اور کالج گن آدمیوں نے غائب سے نہ چھوئے لکے جائیں گے جو دیو وادی دھرم کے وشواس ہیں۔ دیو یا ایشور نہ جانا کیا، نہ جانا جاتا



کی ریل کین کین کارنوں سے چلا کرتی ہے اور یہ کہ ریل کے چلنے کے کام میں اس کے بالک کا مرنے کا کسی طرح کا کارن نہیں ہو سکتا۔

ہمارے پڑنے والے अगर ہماری بات ٹیک ٹیک سمجھ گئے ہوں تو وہ آسانی سے خود اور ۲۰ لکھ سوچ کر نکال سکتے ہیں، ہم اتنی ہی ۲۰ لکھ پر سکتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے دماغ اس طرح مہلے نہ ہونے پائیں کہ وہ چمٹکاروں میں دھواں کر کے کام کا ٹھیک ٹھیک کارن کو چلا چھوڑ بیٹھیں۔

چمٹکار میں اور مامولی غटना میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ چمٹکاری کے لیے چمٹکار جیسے ہی مامولی غटना ہے، جیسے باجیگاری کے لیے باجیگاری کے لیے ریلوے کے یंत्र جو دن بھر چر چر میں گانے رہتے ہیں کسی ایسے گاؤں میں جہاں اب تک ریلوے نہ پہنچا ہو چمٹکار کی چوڑی سڑک چائیں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی ریلوے کے پلٹر کو اچانک دیکھ کر ڈر جائے اور یہ سمجھ لے کہ اس کے اندر بھوت پریت بیٹھے گا گا وہ ہیں۔ بھوت پریتوں کے بارے میں انہی جو کہانیاں کہی جاتی ہیں ان میں بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کے ٹھکانوں کی چوڑی آواز سنانی دیتی ہے اور گانا سنانی دیتا ہے، پر وہ دکھائی نہیں دیتے۔ دوسری بات ان کے بارے میں یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ چوڑی سے چوڑی جگہ میں آ سکتے ہیں۔ جنوں دو شہروں میں، تارے کی بات کس نے نہیں سنی؟ شہر میں اتارنا آپ عام مصداقہ بن گیا ہے۔ جو ریلوے والوں کے لئے معمولی چیز ہے وہی گاؤں والوں کے لئے چمٹکاری چوڑی ہو سکتا ہے۔

چمٹکار مامولی غटना میں ہیں، پھر بھی چمٹکار پڑے لکھوں میں الٹے گھر کر گئے ہیں کہ وہ اپنے دل سے نکال کر نہیں پھینک سکتے۔ جب کوئی ہندو اپنے دھرم کے چمٹکار پھینک کر مسلمان ہو جاتا ہے تب وہ مسلمان دھرم کے چمٹکار اٹھاتا ہے۔ یہی حال کسی مسلمان کا آریہ سماجی ہو کر ہو جاتا ہے۔ آدمی سرگرم نہیں ہے، بہت انہیں میں اچانک ہے اس لئے چمٹکاروں میں دھواں کر کے میں 'اسے اٹھاتا ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے' سکھوں کے دوسرے گرو گورو سنگھ جو ہندوؤں میں بڑے چمٹکاری مشہور ہو گئے تھے اور جن کو سکھوں مسلمان چمٹکاری مانتے تھے ایک بار دہلی کے وزیر کے سامان ہوئے۔ وزیر نے بڑی شرم کے ساتھ ان سے پوچھا، 'میں نے سنا ہے' آپ بڑے بڑے دھرم یعنی چمٹکار کر سکتے ہیں' کوئی کرشمہ دنیا میں۔ گرو جی بولے آپ بادشاہ کے وزیر ہو کر کرشموں میں دھواں کرتے ہیں' بہت کرشمے بھی کوئی چوڑی ہوتے ہیں؟ میں نے چمٹکار کرشمہ جانتا ہوں اور یہ کرشمہ میں وزیر صاحب بولے' سب پرہیزگاروں کا یہی حال ہوتا ہے۔



‘رےل کے ہٹنڈام میں کوئی ایسی گڈبڈی ہو گئی ہے کہ گاڑی ابھی جلدی نہ چلے گی’ آپ بولے بولے ‘چالو’۔ گاڑی جی سمجھتے سے بولتے رہے اور جب وہ بول کر گاڑی میں جا بیٹھے، ریل کا انتظام ٹھیک ہو گیا، اور گاڑی چل دی۔ گاڑی کے گونڈیا سے کھڑنے سے پہلے پہلے گونڈیا سے ناگپور تک اور پھر گونڈیا سے رائے پور تک یہ حیرت انگیز کہ گونڈی جی بڑے چمٹکاری ہیں، اور ان کے چمٹکار سے گاڑی رک گئی اور ان کے اس چمٹکار کو بات کا کہی کسی سمجھدار آدمی نے کہلندن نہیں کہا، ‘اٹھا ملکن اٹھا’، ‘ہوئے اس وقت ہلندسان کے سارے سمجھداروں کا سوار تہ اس بات میں تھا کہ گونڈی جی کو اورتاری’ چمٹکاری، اور مہاچمٹکاری ثابت کیا جائے۔ ہم گونڈیا اسٹیشن پر موجود تھے یہ سب کاروائی اسٹیشن کے آدمیوں نے مان ہوئے کر لی تھی، وہ سب گونڈی جی کا دیکھنا ہی دیکھ کر سہل چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ گاڑی روکنے کے الزام سے بچے رہیں۔ پہلے والوں کو یہ یاد رہے کہ اسٹیشن رپورٹ میں گاڑی رکنے کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ گونڈی جی کے چمٹکار سے گاڑی رک گئی۔ گونڈی جی کے افسر اٹلے پورٹف بٹھے نہ وہ اس طرح نے جھانسنے میں آجائے، ان کو تو بدھی میں چمٹکار والی ایسی ہی نیچہ وجہ بتائی گئی تھی جسے سیکل کا حباب ہو جانا، یا اسٹیشن کا فور بالک یعنی اٹلی بلی بگو جانا۔ یہ ہوتے ہیں چمٹکار اور یہ ہے چمٹکاروں کا پھوک۔

چمٹکاروں کی سچائی ہر بچے کو اس کی حلقہ گھٹی میں پائی جاتی ہے جب بونٹی تین چار سال کا بچہ اسٹیشن پر ریل گاڑی کے دیر تک کھڑے رہنے سے اوب اٹھ کر دیکھتا ہے اور اٹھ کر نہیں اس نے پہلے دوسرے دوسرے مکہ پر گاڑی چل بڑے تو چمٹ اس نے منہ سے نکل جائے گا، ‘دوسرے حکم سے گاڑی چل دی’، ‘ادھر اس دی ماں نے منہ سے نکل جائے گا’، ‘میرا دل بڑا چمٹکاری ہے’۔ بچے کو چمٹا اس بات میں وہ اس نے حکم سے گاڑی چلی، ‘الہا ہی اس دی ماں کو اس کے چمٹکاری ہونے میں وہ اس ہونا ہے۔ وہ اپنے بالک کو یوں ہی چمٹکاری نہیں کہ بھٹی، اس کو سچ سچ اس کا بالک چمٹکاری چمٹکاری لگتا ہے’ اس کے من میں ویسی گڈ گڈی پیدا ہونے لگتی ہے، وہ ویسا سوچنے کی ہر طرح ادھیکاری ہے۔ اگر کلس جسے پائی کی بہن دیوئی کرشن جسے چمٹکاری کو جلم دے سکتی ہے تو وہ یوں نہیں ویسے ہی چمٹکاری کو جلم دے سکتی، اور یوں گاڑی اس کے ہاتھ کے چمٹکار سے نہیں چل سکتی، اس ماں کی ہوشیوں کی دعاویک تعلیم اس کے سر پر آ سوار ہوئی ہے اور یہ وہ یہ سوچنے کا تھک ہوئی کھٹنہیں اٹھائی

چمٹکاروں کی سچائی ہر بچے کو اس کی حلقہ گھٹی میں پائی جاتی ہے۔ جب کوئی تین چار سال کا بچہ اسٹیشن پر ریلگاڑی کے دیر تک کھڑے رہنے سے اوب اٹھ کر دیکھتا ہے اور اٹھ کر نہیں اس نے پہلے دوسرے دوسرے مکہ پر گاڑی چل بڑے تو چمٹ اس کے منہ سے نکل جائے گا، ‘میرے حکم سے گاڑی چل دی’، ‘ادھر اس کی ماں کے منہ سے نکل جائے گا’، ‘میرا لال بڑا چمٹکاری ہے’۔ بچے کو جتنا اس بات میں विश्वास ہے کہ اس کے حکم سے گاڑی چلی، اتنا ہی اس کی ماں کا اس کے چمٹکاری ہونے میں विश्वास ہوتا ہے۔ وہ اپنے بालک کو یوں ہی چمٹکاری نہیں کہہ بیٹھتی، اس کو سچمچ اس کا بालک چمٹکاری جمنے لگتا ہے، اس کے من میں ویسی گڈگڈی پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ ویسا سوچنے کی ہر طرح ادھیکاری ہے۔ اگر کلس جیسے پائی کی بہن دیوئی کرشن جیسے چمٹکاری کو جلم دے سکتی ہے تو وہ ویسے ہی چمٹکاری کا جلم دے سکتی۔ اور کیوں گاڑی اس کے بालک کے چمٹکار سے نہیں چل سکتی، اس ماں کا پیڑیوں کی دھمیک تالیق اس کے سر پر آ سوار ہوتی ہے اور یہ وہ یہ سوچنے کا تھک ہوئی کھٹنہیں اٹھائی



## مूर्تی ج़मीن پکڑ गई

नगर का नाम तो याद नहीं रहा. उस नगर के मंदिर में एक मूर्ति ज़मीन पकड़ गई. किभी तरह उठाए न उठी. उस नगर के लिये यह बात चमत्कार बन गई. विज्ञान के लिए यह बात बिल्कुल मामूली है. दो चीज़ों के बीच में जब बिल्कुल हवा न रहे तब बहुत मजबूती से चिपक जाती है और आगने सामने से दो हाथी भी जोर लगाकर उन्हें अलग करना चाहें तो नहीं कर सकते. हां, पहलू की तरफ से दिया हुआ मामूली धक्का उन दो चीज़ों को अलग कर देगा. यही हाल उस अचल मूर्ति का हुआ. जैसे ही एक तरफ से धक्का दिया गया हवा अन्दर पहुँच गई और मूर्ति के अचलपन का चमत्कार ख़त्म हो गया. पर उस मूर्ति के मामले में एक और नया तमाशा हुआ. मूर्ति का चमत्कार हटा तो वह मूर्ति हटानेवाले से जा चिपका. यानी अब मूर्ति हटानेवाला चमत्कारी बन बैठा. यह है अन्ध विश्वास की तानीम का फल.

## मुर्गी का अन्डा

एक जगह और ऐसा ही चमत्कार देखने को मिला. वह चमत्कार यह था कि एक आदमी बड़े अहिंसक मशहूर थे. इसलिये उनको यह रिडि हासिल हो गई थी कि वह अगर मुर्गी के अन्डे को अपने हाथ से ऊँचा उछालकर मकान के पीछे के मैदान में फेंक दें तो न अन्डा फूटेगा और न उसके अन्दर रहने वाले प्राणी को कोई चोट लगेगी. वह इस करामात की वजह से पुजने लगे पर जब हमने इसकी अच्छी तरह जांच की तो पता चला कि मुर्गी के हर ताज़े अन्ड में यह ख़ासियत रहती है कि उसे कितना भी ऊँचा घास उगे मैदान पर फेंका जाय तो वह हमेशा अपनी नोक के बल ज़मीन पर गिरेगा, पर न कभी टूटेगा, न अन्दर कोई चोट खाएगा. यह विज्ञान की सीधी-सादी बात है. इसे मूर्ख फेंके तब भी वही नतीजा होगा, हिंसावादी फेंके तब भी वही नतीजा होगा. बस इसका सचाई जब तक अंधेरे में है तभी तक यह चमत्कार. नहीं तो मामूली घटना.

## गांधीजी और चमत्कार

सन् 1921 की बात है. असहयोग आन्दोलन जोरों पर था. अंगरेज़ी सरकार का आसन हिल गया था. गांधीजी सारे देश में चमत्कारी पुरुष के नाम से मशहूर हो चुके थे. वह ढाकगाड़ी से कलकत्ता जा रहे थे. मध्यप्रदेश के गोनदिया स्टेशन पर ढाकगाड़ी शायद आध घंटा ठहरती थी. इसलिए गोनदिया वालों ने स्टेशन के प्लेटफ़ार्म पर एक सभा का बन्दोबस्त कर लिया. गाड़ी पहुँचने पर सभा शुरू होगई. गांधीजी बोलने लगे. जब गाड़ी चलने में दो एक मिनट बाकी रह गए तब गांधी जी ने गाड़ी में जा बैठने की बात साँची. लोगों ने फ़ौरन अवाज़ ठहराई,

## मूर्ती ज़मीन पकड़ گئی

نگر کا نام تو یاد نہیں رہا . اُس نگر کے مندر میں ایک مورتی زمین پکڑ گئی . کسی طرح اُٹائی نہ آئی . اُس نگر نے لگے یہ بات چمکار بن گئی . وہاں کے لگے یہ بات بالکل معمولی ہے . در چہزوں کے ہجڑوں میں جب بالکل ہوا نہ رہے تب بہت مضبوطی سے چپک جاتی ہیں اور آگے سامنے سے دو ہاتھوں ہاتھوں بھی زور لگا کر انہیں الگ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے . ہاں پہلو کی طرف سے دیا ہوا معمولی دھکا اُن دو چہڑوں کو الگ کر دیتا . یہی حال اُس اچل مورتی کا ہوا . چہڑے ہی ایک طرف سے دھکا دیا گیا ہوا اندر پہنچ گئی اور مورتی کے اچل بن کا چمکار ختم ہو گیا . پر اُس مورتی کے معاملے میں ایک اور نیا تماشا ہوا . مورتی کا چمکار ہٹا تو وہ مورتی ہٹانے والے سے جا چپکا . یہی حال مورتی ہٹانے والا چمکاری بن بیٹھا . یہ ہے اندھو و سواس کی تعلیم کا پھل .

## مورگی کا انڈا

ایک جگہ اور ایسا ہی چمکار دیکھنے کو ملا . وہ چمکار یہ تھا کہ ایک آدمی بڑے اہلسک مشہور تھے . اس لئے اُن کو یہ دھن حاصل ہو گئی تھی کہ وہ اگر مرغی کے انڈے کو اپنے ہاتھ سے اُچھا اچھا کر مکان کے مہدان میں پھینک دیں تو نہ انڈا پھوٹے گا اور نہ اُس کے اندر رہنے والے پرانی کو کوئی چوت لگے گی . وہ اُس کرامات کی وجہ سے پچلے لگے پر جب ہم نے اِس کی اچھی طرح جانچ کی تو پتہ چلا کہ مرغی کے ہر تازے انڈے میں یہ خاصیت رہتی ہے کہ اسے نکلنا بھی اُرنچا گھاس آگے مہدان پر پھینکا جائے تو وہ ہمیشہ اپنی نوک کے بل زمین پر گرے گا . یہ وہاں کی سودھی ساسی بات ہے . اسے چونکہ پھینکے تب بھی وہی نتیجہ ہوگا . ملساوانی پھینکے تب بھی وہی نتیجہ ہوگا . بس اِس کی سچائی جب تک اندھو و سواس میں ہے تبھی تک یہ چمکار نہیں تو معمولی کہتا .

## گاندھی جی اور چمکار

سن 1921 کی بات ہے . اسہو و گ آندولن زوروں پر تھا . انگریزی سرکار کا آسن ہل گیا تھا . گاندھی جی سارے دیس میں چمکاری پرش نے نام سے مشہور ہو چکے تھے . وہ ڈاک گاڑی سے کلکتہ جا رہے تھے . مدھیہ پردیش کے گوندیا اسٹیشن پر ڈاک گاڑی شاید آدھ گھنٹہ ٹھہرتی تھی . اِس لئے گوندیا والوں نے اسٹیشن کے پلہت فارم پر ایک سبھا کا بندوبست کر لیا . گاڑی پہنچنے پر سبھا شروع ہو گئی . گاندھی جی بولنے لگے . جب گاڑی چلنے میں دو ایک منٹ باقی رہ گئے تب گاندھی جی نے گاڑی میں جا بیٹھنے کی بات سوچی . لوگوں نے فوراً آواز اُٹھائی



اصل میں تک پہنچنے کا سیدھا و مشہور سناج کا نقشہ  
 سا ہو گیا ہے اور عوامی کچی صبر کے بچہ بھائی  
 لکھائی سے بھاگ کر دیہی دیوڑوں کو ملانے میں لگ  
 گئے ہیں وہ سچے ہمتہ نہ ان کو سدھ کر لہلہ سے ڈرا  
 دیں میں بوسلا لکھنا آ جائے گا وہ اتلہ بڑے ودوان  
 ہیں چاہیں گے کہ نوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

مصدقہ ادھر کہیں

ایک بار ہم نے سنا کہ ایک ملحد میں ایسی صورتی  
 ہے جو اندھ ہے، اور وہ اس واسطے اندھ ہے کہ آئے دیونا  
 تھامے ہوئے ہوں۔ ہم چندوروں میں، شواس بہن کرتے،  
 ہم نے اس طرح دھول کرا کر دے دی :

1. جب اُس صورتی کو دیکھا تو تھامے میں تو اس میں جستگار دھا دھا ؟ اگر صورتی اچھے آپ اندر صورتی تب کوئی جستگار دوسکا تھا .

2. اگر مورثی اپنے آپ نرادھار ہے، تب بھی کوئی چمٹکاری بات نہیں۔ کیونکہ سارے گزرا نرادھار کووم رہے ہوں اور ہلدی سے یہ لنگی ہوئی کوئی اور ہاتھ سے پہنکا ہوا ٹھوکرا بہت دیر سے یہی تروزی دیر نرادھار دیتے ہی ہیں۔ یہ نرادھار دھلے مہن چمٹکاری بن گیا ہے ؟

3. وگاہیوں کا کہنا ہے کہ چمک ٹی مدد سے ایسا سمجھو ہے کہ کوئی چھڑ عوا میں اندر تھاسی جاسکے۔ یہ وگاہان ٹی ایک سچ ٹی ہے' اسے ڈو ٹی ہوی ڈوسکنا' ہے۔ 4. چمکار بہوں لہا جاسکنا۔

پر ہم یہ سانتے ہیں کہ وہ سورتی جس کی تم  
ہانت کر رہے ہو نہ دھڑکڑاؤں کے ہاتھ میں تھمتی ہے، نہ  
گرمیوں کی طرح برادھار ہے، اور نہ چمک پتھر سے برادھار  
پھلانی لٹتی ہے۔ ہم اگر اُنکے سے دیکھ پانیں تو ہم اس کے  
برادھار ہوئے کی ساری پول پھول دیں۔

ہونہار کی بات . ہم اچھی بڑی بہن سمیت بہت  
دنوں بعد اسی جگہ جا پہنچے جہاں ادھر مورتی والا  
مقدور تھا . ہم نے ایک روپہہ پتھاری ڈو دے کہ اُس مورتی  
کی خود جانچ کی . وہ ادھر نہ پائی گئی . اس میں  
چمک کی کوئی کاربگاری نہ تھی . وہ مورتی پتھر کے  
پہچھے دو ڈھائی انچ لمبہ اور اٹھ ہی چوڑے آسن پر  
تکڑی ہوئی تھی . اس لئے کھڑے کا تگوا بلونہی نے دائیں  
بائیں ہتھکوں کے نیچے ہو کر صاف نکل جانا تھا . اگر  
کوئی اُلمہ حاملہ تو وہ نکالنے کی دوشیں دیں تو ادھر  
وہلے کے سارے چمکلا لڑی پول پھل گئی ہوئی . چمککار  
میں دھواں کرنے والے اس طرح کی بات سوچتے بھی  
نہیں تھے ؟



'53 44



### چمٹکار اور دھرم

دھرم گرتے ہیں کہ چمٹکاروں سے بھرے پڑے ہیں اور دھرم کا اندھ شردھالو کتنا ہی ودوان کہوں نہ ہو سادھو سنگتوں اور مہاپرشوں کے چمٹکاروں پر وشواس کرتا ہے۔ اسے چمٹکاروں کے وشواس کرنے میں آند آتا ہے۔ وہاں گئی اس ہمسچیوں صدی میں ہندستان کی سرکار کے منسٹر جب ایک بچے سے علاج کرانے کے لئے آریسہ کے ایک چھوٹے گاؤں انگل دور سکتے ہیں تب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دھرم چمٹکاروں کی تعلیم دے کر آدمی کے وشواس کو کتنا نرہل بنا سکتا ہے اور کہا کر سکتا ہے۔

### چمٹکار کی تالییم

آج کل ہمارے بچوں کو چمٹکار کی تالییم اس دن سے ملنے لگتی ہے جس دن وہ پالنے میں لیتے ہیں۔ یہ اس واسطے ضروری ہے کہ کوئی آدمی دھرم کے پیغمبروں پر ایمان ہی نہیں لا سکتا، جب تک اسے یہ ثابت کر کے نہ دکھا دیا جائے کہ وہ آدمی نہیں ایشور کے بھوتے ہوئے دیوتا یا فرشتے تھے اور چمٹکاری تھی۔ چھوٹے ہیں سے کسی دماغ میں اس طرح کی باتوں بھر دی جائیں تب یہ بڑی بات نہیں کہ بڑے ہو کر وہ بالک چمٹکاروں میں آریسہ ہی وشواس کرنے لگیں، جیسے دنیا کی اور باتوں میں۔

آج کل ہمارے بچوں کو چمٹکار کی تالییم اس دن سے ملنے لگتی ہے جس دن وہ پالنے میں لیتے ہیں۔ یہ اس واسطے ضروری ہے کہ کوئی آدمی دھرم کے پیغمبروں پر ایمان ہی نہیں لا سکتا، جب تک اسے یہ ثابت کر کے نہ دکھا دیا جائے کہ وہ آدمی نہیں ایشور کے بھوتے ہوئے دیوتا یا فرشتے تھے اور چمٹکاری تھی۔ چھوٹے ہیں سے کسی دماغ میں اس طرح کی باتوں بھر دی جائیں تب یہ بڑی بات نہیں کہ بڑے ہو کر وہ بالک چمٹکاروں میں آریسہ ہی وشواس کرنے لگیں، جیسے دنیا کی اور باتوں میں۔

سادهو لوگ چمٹکاری ہوتے ہیں، یہ بات آج کل ہر ایک ایہو میں جگہ کئے ہوئے ہے اور عورتوں کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ وہ تو چمٹکاروں میں اتنا زیادہ وشواس رکھتی ہیں جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ان کے اس وشواس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہمارے بالک ہیکملگوں سے آریسہ کرتے لگے ہیں جیسے انگریزی راج میں پولیس کرتے سے تھے اور ایسا ہی حال ہماری ماں بہنوں کا ہے۔ کوئی سادھو یعنی ہیکملگا اگر ذرا چالاک ہے تو کسی آریسہ گھر سے جس گھر میں کوئی مرد نہ ہو، عورتوں سے چمٹکار کی بات لیکر دیور آروا کر لے جا سکتا ہے۔ ہم یہ بات اندازے سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ ہماری بہن سے ایک بھکاری خالی ہاتھوں سے باجرہ گرا لے گا چمٹکار دکھا کر کچھ پیسے، کھڑے، پوریاں یا کھا لیا۔ اس وقت ہماری بہن کا تھن برس کا بچہ ہمارا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے اپنی بہن کے چمٹکار سمجھدھی آندھ وشواس کو توڑ پالے تھے۔ چمٹکاروں کا جب سلسلہ چل پڑتا ہے تب وہ ختم نہیں ہوتا۔ کہیں چمٹکاروں کی بات 349 جائے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اپنا چمٹکار نہ سنائے۔ چمٹکار کے وابھولنگل میں ملے بالک مشکل سے ستھ کی کھوج میں لگ سکتے ہیں۔

آج کا کوئی دھرم چمٹکاروں سے خالی نہیں۔ اتنا ہی کہیں، کوئی دھرم چمٹکار بتائے بلکہ کسی دوسرے دھرم والے



## سत्य اور چمٹکار

### چمٹکار اور اچانکاری

چمٹکار اپنے کام میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمٹکار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمٹکار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمٹکار ایک سیمے کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمٹکار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوڑکا ہے اتنا ہی چمٹکار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پینا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سینکڑوں چمٹکاروں کا حال سنا نہ ہوتا کہ وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔

### چمٹکار اور اچرچ

چمٹکار اپنے کام میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمٹکار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمٹکار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمٹکار ایک سیمے کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمٹکار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوڑکا ہے اتنا ہی چمٹکار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پینا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سینکڑوں چمٹکاروں کا حال سنا نہ ہوتا کہ وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔

### چمٹکار اور اچرچ

چمٹکار اپنے کام میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمٹکار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمٹکار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمٹکار ایک سیمے کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمٹکار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوڑکا ہے اتنا ہی چمٹکار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پینا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سینکڑوں چمٹکاروں کا حال سنا نہ ہوتا کہ وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔

## سنتیہ اور چمٹکار

### چمٹکار اور اچانکاری

چمٹکار اپنے کام میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمٹکار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمٹکار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمٹکار ایک سیمے کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمٹکار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوڑکا ہے اتنا ہی چمٹکار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پینا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سینکڑوں چمٹکاروں کا حال سنا نہ ہوتا کہ وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔

### چمٹکار اور اچرچ

چمٹکار اپنے کام میں کچھ نہیں ہوتے، ان کا مول معمولی کھٹکا جتنا ہوتا ہے۔ ایک کا چمٹکار دوسرے کے لئے معمولی کھٹکا ہے نہچے درجے کی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے جو چمٹکار ہے وہ اتنا ہی اس کا اچانکار ہے۔ اچانکاری اور چمٹکار ایک سیمے کے دو پہلو ہیں۔ کسی چیز کو دیکھ جب ایک آدمی کو اچرچ ہوتا ہے تب وہ اسے چمٹکار نام دے دیتا ہے۔ جو جتنا اچانکار اور سوڑکا ہے اتنا ہی چمٹکار دنیا میں اس کے لئے ہے۔ دودھ پینا بالک اگر بول سکتا ہوتا تو اُن دن سینکڑوں چمٹکاروں کا حال سنا نہ ہوتا کہ وہ دنیا کی سبھی باتوں سے اچانکار ہوتا ہے۔



کی پھیلی ڈانگیں، بھگلی ڈانگیں سے لکھی ہوتی ہیں۔  
سمنے بڑھ!

ابھی ابھی لکڑیوں کا ترجمہ کرنا اس بڑھ کے  
میں نہیں کیونکہ ترجمہ میں اصل کی بات نہیں  
میں اس کے لئے ہر سبوتاغ کو لکھیجیے جسکو  
"تخلیہ خیالات" کہا گیا۔ کسی نے 'Coupe detat'  
کو سیاسی فطرت کہا۔ کسی نے ہرجومرج کا سراپا  
اشارہ کیا دیکھ نکالو۔

ہندوستان میں ہندو مسلم لکڑیوں کے بارے میں دو  
(ایک دوسرے کے خلاف) رجحان پائے جاتے ہیں۔ ایک  
انگریزی لکڑیوں کا اتنا خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی  
پوری پوری نقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لندن  
جوہر معبر نام یا ستمبر جوہر ام لکڑی کا ساتھ لکڑی  
گروہ کے لئے لندن اور ستمبر لکھا جاتا ہے۔ دوسری  
طرف ان لکڑیوں کا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے جو بہت ام ہو  
چکے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں راشن کو راتب رات  
ہیں۔ یہاں 1944 میں "دل ہند اردو کانگریس" ہوئی  
تھی۔ اس کے ایک اجلاس کے سہ ماہی ملک مذکور ہوئی  
کے پروفیسر رشید احمد صاحب نے۔ انہوں نے ہندوستان  
کی تاریخ کی۔ ساتھ ہی قدرے قدرے یہ بھی کہا کہ  
یہاں کے لوگوں کو ہندوستانی لکڑیوں نے ترجمہ کرنے کا بہت  
تجربہ ہے حالانکہ اردو میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ  
انگریزی لکڑیوں کے سہ ماہی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے  
راشیا کا ذکر کیا اور کہا راشن کا لکڑی سارے ہندوستان میں  
چلا پڑا ہے۔ چنانچہ لکڑیوں کو چھوڑنا زبان کی ترقی نہیں  
ہے۔ دوسرے روز اسی اردو کانگریس نے ہندوستان میں  
حسن نظامی دہلی کے راشن کا لکڑی استعمال کیا۔ کچھ  
دکے اور کہا "میں راتب رات نہیں کھاتا" راتب رات کے لئے  
ہوتا ہے۔ "مگر شاہاں ہے ہندوستان پر جو نہ دشمن سے  
کچھ سمجھتا ہے نہ دوست سے، جو نہ ہتھی سمجھتا ہے  
پروا کرتا ہے، نہ ہمدردی کا (پارکھی) کی۔

بہر حال اگر ہم اپنی زبان کو سمجھنا اور پروان چڑھانا  
چاہتے ہیں تو ہمارے لئے اٹل ہے کہ بہت سے ہندو  
دوستانوں، بھائیوں اور جانوروں کے نام یا تو جن کے  
اپنی زبان میں لکھی یا ضرورت ہو تو اس کو ہندیا لکھ  
یا ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر لکھ لیں۔ اسی طرح  
تمام نئی نئی چیزیں، تہذیبوں اور اداروں کے نام جو  
آسانی سے اپنائے جاسکتے ہیں اصل شکل میں یا ہندی  
بہت تبدیلی کے ساتھ لکھ لیں۔ گویا ہندیا لکھ جائیں۔  
اسی کو ہندیاوا کہتے اور یہی ہماری بھلائی اور ترقی  
کے لئے ہے۔

کی۔ پچھلی ٹانگوں کی ٹانگوں سے لکھی ہوئی ہیں۔  
سجھ رہا

اچھے اچھے لکڑیوں کا ترجمہ کرنا اس وجہ سے ہی  
تھوڑے تھوڑے کہیں کہ ترجمہ میں اصل کی بات نہیں  
آتی۔ مثال کے طور پر سبوتاغ کو لکھیجیے جس کو "تخلیہ  
خیالات" کہا گیا۔ کسی نے 'Coupe detat' کو سیاسی  
فطرت کہا۔ کسی نے ہرجومرج کا سراپا اشارہ کیا  
دیکھ نکالو۔

ہندوستان میں ہندو مسلم لکڑیوں کے بارے میں دو  
(ایک دوسرے کے خلاف) رجحان پائے جاتے ہیں۔ ایک  
انگریزی لکڑیوں کا اتنا خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی  
پوری پوری نقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لندن  
جوہر معبر نام یا ستمبر جوہر ام لکڑی کا ساتھ لکڑی  
گروہ کے لئے لندن اور ستمبر لکھا جاتا ہے۔ دوسری  
طرف ان لکڑیوں کا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے جو بہت ام ہو  
چکے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں راشن کو راتب رات  
ہیں۔ یہاں 1944 میں "دل ہند اردو کانگریس" ہوئی  
تھی۔ اس کے ایک اجلاس کے سہ ماہی ملک مذکور ہوئی  
کے پروفیسر رشید احمد صاحب نے۔ انہوں نے ہندوستان  
کی تاریخ کی۔ ساتھ ہی قدرے قدرے یہ بھی کہا کہ  
یہاں کے لوگوں کو ہندوستانی لکڑیوں نے ترجمہ کرنے کا بہت  
تجربہ ہے حالانکہ اردو میں اس کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ  
انگریزی لکڑیوں کے سہ ماہی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے  
راشیا کا ذکر کیا اور کہا راشن کا لکڑی سارے ہندوستان میں  
چلا پڑا ہے۔ چنانچہ لکڑیوں کو چھوڑنا زبان کی ترقی نہیں  
ہے۔ دوسرے روز اسی اردو کانگریس نے ہندوستان میں  
حسن نظامی دہلی کے راشن کا لکڑی استعمال کیا۔ کچھ  
دکے اور کہا "میں راتب رات نہیں کھاتا" راتب رات کے لئے  
ہوتا ہے۔ "مگر شاہاں ہے ہندوستان پر جو نہ دشمن سے  
کچھ سمجھتا ہے نہ دوست سے، جو نہ ہتھی سمجھتا ہے  
پروا کرتا ہے، نہ ہمدردی کا (پارکھی) کی۔

بہر حال اگر ہم اپنی زبان کو سمجھنا اور پروان چڑھانا  
چاہتے ہیں تو ہمارے لئے اٹل ہے کہ بہت سے ہندو  
دوستانوں، بھائیوں اور جانوروں کے نام یا تو جن کے  
اپنی زبان میں لکھی یا ضرورت ہو تو اس کو ہندیا لکھ  
یا ہندوستانی سانچے میں ڈھال کر لکھ لیں۔ اسی طرح  
تمام نئی نئی چیزیں، تہذیبوں اور اداروں کے نام جو  
آسانی سے اپنائے جاسکتے ہیں اصل شکل میں یا ہندی  
بہت تبدیلی کے ساتھ لکھ لیں۔ گویا ہندیا لکھ جائیں۔  
اسی کو ہندیاوا کہتے اور یہی ہماری بھلائی اور ترقی  
کے لئے ہے۔



ہے، میری एक ن باتیں، بोट میں سے یہ لفظ منظر پر لیا گیا۔ ڈیکشنری لپ گئی، مگر اس سے خیال اور ادب کو بے خبر کرنا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا۔ آپ خود ہی سمجھ لیں کہ لفظ کی بجائے معیار کا لفظ ہندی میں چل سکتا تو الگ رہا اردو میں بھی کبھی چل سکے گا؟

وہ کے پاکبازوں نے کلچر کے بجائے سیکورٹی کے استعمال کرنا شروع کر دیا مگر یہ لفظ اب تک عام نہیں ہوا۔ سیکورٹی (Security) کا ترجمہ ضمانت کہا گیا اور اس کو بھی چالو کرنے کی تہذیبی کوشش کی گئی۔ ہمدردانہ کا ایک افسانہ اب بھی سیکورٹی کونسل (Security Council) کو ضمانتی کونسل لکھا ہے۔ اسی ضمانت کی تہ کو کونسل کے لئے بھی کوئی نام سمجھ لیا تو ڈیونٹ لیا جائے تاکہ ہندوستان میں وہ بھی اردو اور بھی زیادہ تیزی سے پھیل سکے!

پیرا کا سب سے اچھے جانور کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہ کو کھنڈر یا لاما نامی جانوروں کے نام کا بدلتا پالپن ہوتا وہی اس کی طرح لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے تمام ہونے بھاہوں نے اس لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے معانی کے لئے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گرداف، مگر ہندی والوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہ تہ لکھا ہے:

زرافہ سب سے اونچے جانور کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہ کو کھنڈر یا لاما نامی جانوروں کے نام کا بدلتا پالپن ہوتا وہی اس کی طرح لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے معانی کے لئے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گرداف، مگر ہندی والوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہ تہ لکھا ہے:

زرافہ سب سے اونچے جانور کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہ کو کھنڈر یا لاما نامی جانوروں کے نام کا بدلتا پالپن ہوتا وہی اس کی طرح لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے معانی کے لئے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گرداف، مگر ہندی والوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہ تہ لکھا ہے:

زرافہ سب سے اونچے جانور کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہ کو کھنڈر یا لاما نامی جانوروں کے نام کا بدلتا پالپن ہوتا وہی اس کی طرح لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے معانی کے لئے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گرداف، مگر ہندی والوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہ تہ لکھا ہے:

- (1) افریقہ کا چوپایا جس کی اٹلی ٹانگوں پر چھلی ٹانگوں سے لپی ہوئی ہیں۔
- (2) ایک پرکار کا اونٹ۔
- (3) چتر و شکر۔

فرز ہندی لغت (ڈیکشنری) لکھنے والوں نے ناک رکھ لی مگر زرافہ کو Giraffe یا ہندی سائیکس میں ڈال کر چرافہ نہ لکھا، اگر ہندی کوئی بھانے والے کو زرافہ سے کہتے تھے تو ان کے لئے لہجہ کا شہد ہے تو دورا کرنا کی تہ چتر و شکر (چیترو) سے بھی آجہا لفظ بنا لیتا مگر یہ تو کوئی تک کی بات نہ ہوئی کہ ہم زرافہ کی بجائے ایک پرکار کا اونٹ کہیں۔ اس تہ تو ہم ہو چکا، ہو جانور، ہو بونٹ، "چرافہ" کوسکتے ہیں اور انکسٹان کے ایک مشہور پتھر کو جسے اوک (Oak) کہتے ہیں "ایک پرکار کا پتھر" کہیں اور لکھنے کے بارے میں کہیں "اسٹریٹ" کا چوپایا جس کی چھلی ٹانگوں کی ٹانگوں سے لپی ہوئی ہیں۔ اب ہم آسانی سے زرافہ اور کھنڈر میں فرق کوسکتے ہیں۔ ایک کی اٹلی ٹانگوں پر چھلی ٹانگوں سے لپی ہوئی ہیں۔

(1) افریقہ کا چوپایا جس کی اٹلی ٹانگوں پر چھلی ٹانگوں سے لپی ہوئی ہیں۔

(2) ایک پرکار کا اونٹ۔

(3) چیترو۔

پیرا کا سب سے اچھے جانور کا نام ہے جو صرف افریقہ کے مہادیہ میں پایا جاتا ہے۔ جس تہ کو کھنڈر یا لاما نامی جانوروں کے نام کا بدلتا پالپن ہوتا وہی اس کی طرح لفظ کو اپنا لیا اور اپنی اپنی بھاشوں نے اس کے معانی کے لئے کسی قدر بدل دیا۔ انگریزوں نے Giraffe کہا تو جرمنوں نے گرداف، مگر ہندی والوں نے ایک ڈیکشنری میں جو اردو آباد میں چھپی ہے اس کا ترجمہ تہ تہ لکھا ہے:



میں دنیا بھر کی استعماریوں نے ترقی سے ترقی  
 دی ہیں۔ اور غلامیوں کے الزام سب سے بڑی غلطی نہیں ہے  
 وہی کہ جو اب غلامی والوں کی آج غلطی ہو گئی  
 ہے بالکل غلط، مشکل، کم فہم اور بوجھل ترجمے۔ اس  
 دشمنی میں تعلیموں جیسے لغو کا ترجمہ دوواثر رک  
 (درا کھا) کیا گیا ہے۔ اسی لغو کا ایک اور ترجمہ  
 میں نے کہیں دھونی اٹھایا ہے پتھر پڑھا تھا۔ اسی تہ  
 پاؤ لوگوں نے استعماریوں کے لئے بھاپ و ہستان، رومال کے لئے  
 مکہ منجھل و ستر سالا بلایا ہے۔ شاہکار ترجمہ تو بس  
 یہ ہوا ہے اگلی رتہ گنڈا گنڈا پتھر نریشک سے سوچک  
 تاجر دھول لہو پتھر، اتنا بڑا لغو صرف سنگل کے لئے کڑھا گیا  
 ہے! لغو بلالے والوں سے کون کہہ اور کہہ تو کون سکتا ہے  
 کہ سنگل کا غلامی برابر یہ سنگل کی تہ چھوٹا نہیں  
 بلکہ خد ریل ہے، وہ بھی سال گاڑی!

بہاؤی ترقی کے لئے بہترین اصول مقرر کرنے والے  
بھارت کے ودھان میں ایک سے زیادہ بار "اچھوت" جیسے  
لفظ کو چھوڑ کر "اسوشیٹس" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔  
ودھائی اصولوں کا انفا عمل دیکھنا ہو تو ودھان کا ہندی  
ترجمہ پڑھئے جس میں توہک انہیں اصولوں کو ٹھکرایا  
گیا، جن پر ودھان نے سب سے زیادہ زور دیا ہے؟  
اس ودھان کے شروع کے لفظ سنئے اور فہم نہجئے کہ آپ  
کیا سمجھ سکتے ہیں اور تدبیر اور سہاست کے اس  
مخبرے سے کتنا آپ کے پلے ہوتا ہے :-

”ہم بھارت کے لوگ، بھارت کو ایک سمپورن پر بہتو  
سمپون لوک تشریف آئیں گے راجہ ہٹانے کے لئے تھا اُس کے  
سمسٹ ناکروں کو ساما جگ، آرٹیک اور راج نہتک نہائے  
وجار۔ ابھی ویکٹ؛ وشواس دھرم اور ایسا کی سوتلرتا؛  
پر تھا اور اوسر کی ستا پراوت کرانے کے لئے، تھا اُس کے  
سمسٹ ناکروں میں ویکٹی کی گرہما اور راشٹر کی لیکھا  
سونشچمت کرنے والی بلدھونا ہومانے کے لئے، دروز سنکلیپ  
هو کر اس سمودھان کو انگی کرتے اند نہمت اور آتم اریت  
گوئے ہیں۔“

تھرماسٹر کو کچھ اردو کے مہربان مٹھاس انصاف  
 کہتے ہیں۔ ناول کا ترجمہ انجمن ترکی اردو نے معیار  
 ہے۔ میں خدا اس کمیٹی میں موجود تھا جس نے  
 ناول چھپ کر روزوں کی زبان پر چڑھ دئے لغز کا ترجمہ  
 معیار کیا۔ میں نے بہت مخالفت کی تھی۔ ساف ساف  
 کہا تھا کہ اس قسم کے بے جان لغزوں کا بلانا ہماری بڑی  
 ہماری بدول ہے۔ ”جب تک سائنس تب تک اس“  
 تھی تو ہے مگر بالکل مردہ اور بے جان پیدا ہوئے  
 والے بچوں کے پلٹے اور پروان چڑھنے کی اس دکھ  
 حسرت ناک سکہ پرستی اور جامانے کھی امتقانی



Fetish	فیتیش	فیتیش	Fetish
Gang	گنگ	گنگ	Gang
Gesture	جسٹور	جسٹور	Gesture
Griaffe	جیراف - جیراف	جیراف - زرافہ	Griaffe
Hygiene	ہائیجین	ہائیجین	Hygiene
Kangaroo	کینگرو	کینگرو	Kangaroo
Kilogram	کیلوگرام	کیلو گرام	Kilogram
Kilometre	کیلو میٹر	کیلو میٹر	Kilometre
Kindergarten	کینڈر گارٹن	کینڈر گارٹن	Kindergarten
Lynching to Lynch	لینچنگ - لینچ	لینچنگ - لینچ	Lynching to Lynch
Mood	مُود	مُود	Mood
Orbit	آربٹ	آربٹ	Orbit
Oxide	اکسائیڈ	اکسائیڈ	Oxide
Oxidization	آکسائیڈیشن	آکسائیڈیشن	Oxidization
Oxidize	آکسائیڈینا	آکسائیڈینا	Oxidize
Party	پارٹی	پارٹی	Party
Pattern	پٹرن	پٹرن	Pattern
Pillary	پیلری	پیلری	Pillary
Program	پروگرام	پروگرام	Program
Polyanna	پولیآنا	پولی آنا	Polyanna
Proletarian	پرولیتیریئن	پرولیتیریئن	Proletarian
Proletariat	پرولیتاریا	پرولیتاریا	Proletariat
Sabotage	سبوتاژ	سبوتاژ	Sabotage
Sail Reptile	سلیپا سلیپا	سلیپا سلیپا	Sail Reptile
Stegosaurus	سٹیگوسار	سٹیگوسار	Stegosaurus
Surplus	سورپلس	سورپلس	Surplus
Taboo	ٹابو	ٹابو	Taboo
Tact	ٹیکٹ	ٹیکٹ	Tact
Technique	ٹیکنیک	ٹیکنیک	Technique
Tort	ٹارٹ	ٹارٹ	Tort
Tyranosaurus	ٹیرنوسار	ٹیرنوسار	Tyranosaurus
Zone	زون	زون	Zone

اس طریقے کے برخلاف جب اردو کے پانچواں اور ششمی ہر پر دینی شہد کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی چل پڑا اور مشہور ہو چکا ہو اور چاہے وہ شہد سلسار کی تمام ہوی ہوی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہو تو ایسے ہونگے، بھانک اور بوجھل لگو ہوتے ہیں، جن کا چلنا خدا اردو یا ہندی میں ناممکن یا انتہائی گتھن ہوتا ہے۔

انتہائی اور سلساری اہمیت رکھنے والے شہدوں کے چند نمونوں پر غور کیجئے جو اردو کے پانچواں اور ہندی کے شہدوں کے گتھن کے لئے ہیں۔

سب سے پہلے آئے ہندوؤں نے چار ہوی اور موتی جلدوں

اس طریقے کے برخلاف جب اردو کے پانچواں اور ششمی ہر پر دینی شہد کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی چل پڑا اور مشہور ہو چکا ہو اور چاہے وہ شہد سلسار کی تمام ہوی ہوی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہو تو ایسے ہونگے، بھانک اور بوجھل لگو ہوتے ہیں، جن کا چلنا خدا اردو یا ہندی میں ناممکن یا انتہائی گتھن ہوتا ہے۔

انتہائی اور سلساری اہمیت رکھنے والے شہدوں کے چند نمونوں پر غور کیجئے جو اردو کے پانچواں اور ہندی کے شہدوں کے گتھن کے لئے ہیں۔

سب سے پہلے آئے ہندوؤں نے چار ہوی اور موتی جلدوں



## ہندوستانی شبدیات کا चौथा

### असल: हिन्दयावा

( डाक्टर जाकर हमन )

राजकाजी, साइन्सी और अदबी बोलचाल में हमें जिन लफ्जों की जरूरत पड़ती है और जिनका तरजुमा सरल हिन्दी या आसान उर्दू में मुमकिन नहीं उनको हिन्दयावा और हिन्दयाकर हिन्दुस्तानी के शब्द सागर में दाखिल कर लेना चाहिये। नये खमाने की बहुत सी चीजों के नाम अन्तर क्रौमी हो गए हैं और जहां जहां पच्छिमी जवानों फैल चुकी हैं या फैलती जा रही हैं या उनका गहरा असर पड़ा है उन चीजों के नाम जू के तू दूसरी भाशाओं में ले लिये गए हैं।

जिस तरह देखियो, टेलीफोन, राशन, कलबर, वाइस-राय, बर्माईटर, पार्लिमेन्ट, पालिसी, अलकहल, अल्जैबरा, कैफे, चा, केमरा, गार्ड, सिनेमा, फिलम, थैटर, ड्रामा, प्लाट, बार, बेंच, बियर, व्हिस्की, कीमिया, चाकलेट, सिगार, सिगरेट, कलब, सरकस, काकटेल, काफी, चेक, कालर, कालाज, कम्पेटी, कम्पनी, यूनिवर्सिटी, वाइस चान्सलर, इन्स्पेक्टर, डाइरेक्टर, बम, अरारोट, पेंसिल, पासपोर्ट पम्प वगैरा हिन्दुस्तानी में दाखिल हो गए हैं और न सिर्फ हिन्दी या उर्दू में बल्कि हिन्दुस्तान की दूसरी भाशाओं में भी इस्तेमाल किये जाते हैं। इसी तरह हमें और भी बहुतरे लफ्ज हिन्दया कर ले लेना चाहिये।

“हिन्दयावा” से मुराद हिन्दी सांचे में ढालना है। जिन तरह हर जवान में रौर जवानों के लफ्ज अपनी शकल सूरत बदल कर अपनाए जाते हैं और चन्द ही लफ्ज अपनी असल शकल सूरत बाकी रख सकते हैं इसी तरह हिन्दुस्तानी में जितने लफ्ज दूसरी भाशाओं से लिये जा चुके हैं या लिये जायेंगे, उनमें से जियादातर लफ्ज हिन्दयाए जायेंगे। हर जवान की फितरत के मुताबिक दूसरी जवान से आप हुए अकसर लफ्जों की लिखावट और बोल चाल में तबदीली होती है। इस अमल को हिन्दुस्तानी की हद तक हिन्दयावा कहते हैं।

इस अमल के मुताबिक हम और भी लफ्ज दूसरी भाशाओं से ले सकते हैं जैसे:

Bank	बैंक
Bourgeois	बुरजुआ
Brotasaurus	बुरोतावर
Charter	चारटर
Dinosaur	डिनावर
Fashion	फैशन

## ہندستانی شبدیات کا چوتھا اسول :

### ہندیوا

( ڈاکٹر جاکر حسن )

راچہ کاجی، سائنسی اور ادبی بول چال میں ہمیں جن لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جن کا ترجمہ سول ہندی یا آسان اردو میں ممکن نہیں ان کو ہندیانا اور ہندیا کر ہندستانی کے شبدساز میں داخل کر لیتا چاہئے۔ نئے زمانے کی بہت سی چیزوں کے نام انگریزی ہوئے ہیں اور جہاں جہاں پچھلی زبانیں پھل چکی ہیں یا پھلتی جا رہی ہیں یا ان کا گہرا اثر ہوا ہے ان چیزوں کے نام جن کے تین دوسری بھاشاؤں میں لے لئے گئے ہیں۔

جس طرح دیکھو، ٹیلیفون، واٹن، کلچر، انسران، تھرا، مہتر، پارلیمنٹ، پالیسی، الکھل، الجھرا، کھے، چا، کھرا، گارڈ، سلما، فلم، ٹھٹر، ڈراما، پلاٹ، بار، بلچ، بھر، وھسکی، کھیا، چائلٹ، سٹار، سگریٹ، ٹلب، سرکس، کاک ٹیل، کافے، چک، کالر، کالج، کمپنی، کمپنی، یونیورسٹی، وائس چانسلر، انسپکٹر، ڈائریکٹر، ہم، ارادوت، پھسل، پاسپورٹ، پمپ وغیرہ ہندستانی میں داخل ہو گئے ہیں اور نہ صرف ہندی یا اردو میں بلکہ ہندستان کی دوسری بھاشاؤں میں بھی استعمال لگے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں اور بھی بہترے لفظ ہندیا کر لے لیتا چاہئے۔

”ہندیوا“ سے مراد ہندی سانچے میں ڈالنا ہے۔ جس طرح ہر زبان میں لفظ زبانوں کے لفظ اپنی شکل صورت بدل کر اپنائے جاتے ہیں اور جلد ہی لفظ اپنی اصل شکل باقی رکھ سکتے ہیں اسی طرح ہندستانی میں جتنے لفظ دوسری بھاشاؤں سے لےئے جا چکے ہیں یا لگے جا رہے ہیں ان میں سے زیادہ تر لفظ ہندیائے جائیں گے۔ ہر زبان کی لغت کے مطابق دوسری زبان سے آئے ہوئے انگریزی لفظوں کی لکھاوت اور بول چال میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس عمل کو ہندستانی کی حد تک ہندیوا کہتے ہیں۔ اس عمل کے مطابق ہم اور بھی لفظ دوسری بھاشاؤں سے لے سکتے ہیں جیسے:

Bank	بینک
Bourgeois	بورژوا
Brotosaurus	بروتاسور
Charter	چارٹر
Dinosaur	ڈائو
Fashion	فیشن



ہے۔ کسی بڑے کڑے، ناز اور بظاہری ہیشیت والے لہجے میں۔  
وہ کسی سے نہ کہتا ہے۔ وہ کتا کتا بھی نہیں کرتا۔  
وہ شانتی پسند ہے۔ شانتی کے لئے وہ کوئی دیکھا نہیں کرتا۔  
شانتی کو وہ دیکھنے کی جڑ سمجھتا ہے۔ یہی ان کا یہ  
اصل ہے۔

ہم اپنے ملک میں بھی شانتی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔  
لیکن یہ کام تمہی ہو سکتا ہے جب ہم اس بڑے کام  
میں جی جان سے جڑ جائیں۔ جہاں تک ضرورتی پریشانیوں،  
سماجی ریت رواج اور کلچر کی سہولتوں کا  
ہندوستان اور روس میں کافی فرق ہے۔ ہمارے کام کرنے  
کے لئے یہ بھی دوسرے ہیں۔ لیکن جہاں تک شانتی کا  
سوال ہے ہم سب کی مہم ایک ہی ہے۔

ہمارے ملک میں بیکار، بیماری اور بھوک کا  
ہم کو سامنا ہے۔ ضرورت ہم سے بڑا ناز  
سی ماحول ہے۔ سماج اور راجہ کا ہم کو تارک  
پہلے دیکھا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح ان سب کو  
دور کریں۔ اس کے لئے ہم کو قدرت پر قابو پانا ہوگا۔ ہم کو  
وہاں ہی کرنا ہوگا جہاں سوویت نے زمین کو ہرا ہرا  
بنایا۔ زمین میں سہولتیں کرے۔ کسانوں کو تعلیم دے  
دھیرے کے لئے کہا ہے۔ یہ سب کام ہمیں اپنے لئے  
فائدے کے لئے نہیں بلکہ سارے دھیرے کے لئے  
کرنے ہوتے۔ مثال کے لئے زمین کو ہرا کرے۔ کسانوں میں  
استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جوئلہ والے کے اندر انسداد  
پیدا کرنا ہوگا۔ ہم اس کے لئے ہماری جہتیں لے۔ جوئلے  
ہونے والا سماج کا ایک ضروری ایک ہے۔ وہ ہی سماج میں  
ایک آرڈر لگتا ہے۔ اس کے سہولت کے لئے ہمارے  
نہایت کے کام ہیں وہی دھیرے دے جائیں گے۔

مستقل شانتی قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم  
اپنا تین من دھن کو ہمتی پاری اور گاؤں کے جہوں اسٹر کو  
اڑھیا کرنے کے کام میں لگا دیں۔ ہمیں اس بات کی جی  
جان ہے کہ شانتی کرنا چاہئے کہ ہم سے کم سوویت کی  
طرح اناج اور زندگی کی ضروریات کی ضروری چیزیں اپنے  
ملک میں ہی پیدا کر لیں۔ دوسرے دھیرے سے ایسی  
چیزیں جو ہمارے ملک میں آتی ہیں ان پر روک لگائیں۔  
مہانتا گاندھی شانتی کے لئے اور ان کی ہی  
ہی رائے تھی۔ سوویت والے ایسی اصول کو اپنے طریقے سے  
اپنے دھیرے میں اپنا رہے ہیں۔ وہ بھی لوگ ہماری زیادہ  
مدد نہیں کر سکتے۔ اپنے ہت کو تھوک تھوک سمجھ کر  
اور اپنے میں دھیرے کو ہی ہم اپنی منزل پر پہنچیں  
گے۔ اگر ہر دھیرے نے لوگ اس پالیسی پر عمل کریں گے  
تو لڑائی کا نام بھان سب جائے گا اور ہمیں دھیرے  
شانتی کے ساتھ رہ سکیں گے۔ شانتی زندہ باد!



اور ان کی بیعت کے مطابق ملتی ہے۔ کہیں کہیں پر ایک اچھے مزدور کی مزدوری ایک پروفیسر سے بھی زیادہ ہے، ایسا ہمارے دیکھنے میں آیا۔

لوگوں میں اتنا بھدا کرنے کے لئے بہت سی تحریکوں چلائی جاتی ہیں۔ ایک مزدور جو اچھا کام کرتا ہے اس کو کھول زیادہ مزدوری ہی نہیں دی جاتی بلکہ اس کے کاموں کی سزاوارتہ اجرتوں میں بھاپ کر دی جاتی ہے، اس کو بڑے بڑے انعاموں سے سوشلزمیت کیا جاتا ہے۔ اس طرح دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ جب بھداوار میں ترقی ہوتی ہے، مزدور کی مالی اور سماجی حالت سدھرتی ہے تب اس کو اس بات کا دھیان کرنا پڑتا ہے کہ وہ مقامی سماج کا ہی نہیں بلکہ دیہی کا ایک انگ ہے۔

مزدوروں میں جاگرتی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ وہ صرف بھل گئے نہیں ہیں بلکہ اپنے دیہی کو سلوارے۔ اور بھلائے والوں میں سے ایک ہیں، وہ اپنے دیہی کا بھلا برا خوب چھتکتے ہیں۔

بھداوار بھاتے سے اس بات کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے کہ مزدور کے کام کے غنٹوں اور رہن سہن میں کوئی فرق نہ پڑے۔ ان کو اپنا وکس کرنے کے لئے تمام آسانیاں دی جاتی ہیں۔ تھٹر، جن کو پہلے 'آؤتھ' درجے کے لوگ' ہی دیکھ سکتے تھے اب سب قسم کے لوگوں کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔ وہ اس میں آرٹسٹ اور درشک دونوں حصہ لیتے ہیں۔ شامل ہوتے ہیں۔ ان کے جھون کو ناچ، گانوں اور کلا کے ذریعہ اچھا بھلا جاتا ہے۔ ان چھڑوں کو چلتا کا کلتوری استر آؤتھا کرنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

مزدوروں کے لئے سہلی توریم اور آرام گاہ جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

چلتا نہیں کو مانتی اور انوشاسن کا پالن کرتی ہے۔ اسے دھرمک آزادی ہے۔

سب لوگوں کے دھن سہن کا اچھا انتظام ہو اس کے لئے ایک خاص پروگرام بنایا گیا ہے۔ وہاں کی معمولی اہلیوں کی ہی بلی ہوئی نہیں ہیں بلکہ ان پر ملندہ سلندر کلا کے نمونے بھی بلمے ہوئے ہیں۔ چلتا کی بھلائی کے لئے جو کام بھی کئے گئے ہیں وہ صرف جسمانی طاقت کے دوارا ہی نہیں کئے گئے۔

ایک مہان ملک کے دوارا اس طرح اچھے ملک کے پور بھلاؤ میں لگے، انسانی سماج کو کلتوری دھن دے دھا ہے، اس کے لئے یہ کہنا غلط اور بے بھیاں ہوگا کہ وہ جنگ چاہتا ہے۔ جنگ اس کے تمام بڑے کاموں میں، جن کو وہ کرتا جا رہا ہے، ایک اچھا اور بھلا ہے۔ اس کو اپنی کامیابیوں پر بھلا نظر ہے اور ان کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے بھی تیار

اور ان کی بیعت کے مطابق ملتی ہے۔ کہیں کہیں پر ایک اچھے مزدور کی مزدوری ایک پروفیسر سے بھی زیادہ ہے، ایسا ہمارے دیکھنے میں آیا۔

لوگوں میں اتنا بھدا کرنے کے لئے بہت سی تحریکوں چلائی جاتی ہیں۔ ایک مزدور جو اچھا کام کرتا ہے اس کو کھول زیادہ مزدوری ہی نہیں دی جاتی بلکہ اس کے کاموں کی سزاوارتہ اجرتوں میں بھاپ کر دی جاتی ہے، اس کو بڑے بڑے انعاموں سے سوشلزمیت کیا جاتا ہے۔ اس طرح دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ جب بھداوار میں ترقی ہوتی ہے، مزدور کی مالی اور سماجی حالت سدھرتی ہے تب اس کو اس بات کا دھیان کرنا پڑتا ہے کہ وہ مقامی سماج کا ہی نہیں بلکہ دیہی کا ایک انگ ہے۔

مزدوروں میں جاگرتی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ وہ صرف بھل گئے نہیں ہیں بلکہ اپنے دیہی کو سلوارے۔ اور بھلائے والوں میں سے ایک ہیں، وہ اپنے دیہی کا بھلا برا خوب چھتکتے ہیں۔

بھداوار بھاتے سے اس بات کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے کہ مزدور کے کام کے غنٹوں اور رہن سہن میں کوئی فرق نہ پڑے۔ ان کو اپنا وکس کرنے کے لئے تمام آسانیاں دی جاتی ہیں۔ تھٹر، جن کو پہلے 'آؤتھ' درجے کے لوگ' ہی دیکھ سکتے تھے اب سب قسم کے لوگوں کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔ وہ اس میں آرٹسٹ اور درشک دونوں حصہ لیتے ہیں۔ شامل ہوتے ہیں۔ ان کے جھون کو ناچ، گانوں اور کلا کے ذریعہ اچھا بھلا جاتا ہے۔ ان چھڑوں کو چلتا کا کلتوری استر آؤتھا کرنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

مزدوروں کے لئے سہلی توریم اور آرام گاہ جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔ وہاں پر مزدور اپنی تندرستی بہتر بنا سکتے ہیں۔

چلتا نہیں کو مانتی اور انوشاسن کا پالن کرتی ہے۔ اسے دھرمک آزادی ہے۔

سب لوگوں کے دھن سہن کا اچھا انتظام ہو اس کے لئے ایک خاص پروگرام بنایا گیا ہے۔ وہاں کی معمولی اہلیوں کی ہی بلی ہوئی نہیں ہیں بلکہ ان پر ملندہ سلندر کلا کے نمونے بھی بلمے ہوئے ہیں۔ چلتا کی بھلائی کے لئے جو کام بھی کئے گئے ہیں وہ صرف جسمانی طاقت کے دوارا ہی نہیں کئے گئے۔

ایک مہان ملک کے دوارا اس طرح اچھے ملک کے پور بھلاؤ میں لگے، انسانی سماج کو کلتوری دھن دے دھا ہے، اس کے لئے یہ کہنا غلط اور بے بھیاں ہوگا کہ وہ جنگ چاہتا ہے۔ جنگ اس کے تمام بڑے کاموں میں، جن کو وہ کرتا جا رہا ہے، ایک اچھا اور بھلا ہے۔ اس کو اپنی کامیابیوں پر بھلا نظر ہے اور ان کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے بھی تیار



فکری چیخوں کے برباد ہونے کو بڑھانے میں لگے ہیں اور سوچنا شروع کرنے کا پورا یقین دیا گیا ہے۔ لوگوں کی فکری اور خیالی دنیا بنانے کی ضرورت کو وہاں سمجھا گیا ہے۔ پرکرتی کی بہت سی چیزوں پر بھی قابو پا لیا گیا ہے۔

دلدلی زمین کو خیتی باری کے قابل بنا لیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا، وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لحد لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہولتوں کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لحدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خبریں ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی مصیبت کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا قدر نہیں دیتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پورا کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کلبز کی سہولتوں کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'چلتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

آج کے دوس میں ایک بات اہم ہے وہ یہ کہ وہاں پر جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے وہ ایک ڈھنگ اور سوچ وچار کے بعد کیا جاتا ہے۔ لوگ کام سے پہلے اس پر بحث کرتے ہیں۔ جب سب پہلوؤں پر غور ہو چکا ہے تب اس پوجنا کو عمل میں لایا جاتا ہے۔

ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرنے والے کو اس بات کا پکا یقین دیتا ہے کہ اس کا بڑا ٹھیک ڈھنگ سے کیا جائے گا۔ یہ سب کام سرکار اپنی دیکھ دیکھ میں کرتی ہے۔ اس طرح کا ادل بدل ملک کی اندرونی کرنسی پر کافی اثر ڈالتا ہے۔ دوپل ایک طرح کا کریپٹو ہوتا ہے۔ اس کو سود پر دینے کا دواج نہیں ہے۔ نہ کوئی اسے جمع کر سکتا ہے اور نہ اس کو اپنی ضرورت میں رکھ سکتا ہے۔ اس طرح ایک بڑا فائدہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ ہمیشہ دوپل دے کر روزانہ کی چیزیں لینے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ دکانیں روز مرہ کے اشیاء کے چھڑوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کھانے والی چیزوں کی وہاں کافی فراہم ہے۔ اس کے علاوہ حق کی چیزیں بھی وہاں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

کام کو اچھے ڈنگ پر بنانے کے لئے وہاں کے مزدوروں کو اچھی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ مزدوری ان کی مصیبت

ضروری چیزوں کے انہائن کو بڑھانے میں لگے ہیں اور سوس دوس میں ہر شخص کو ایک معمولی آرام کی زندگی بسر کرنے کا پورا یقین دلا دیا گیا ہے۔ لوگوں کی ضرورتوں اور زیادہ اناج پیدا کرنے کی اہمیت کو وہاں خوب سمجھا لیا گیا ہے۔ پرکرتی کی بہت سی چیزوں پر بھی قابو پا لیا گیا ہے۔

دلدلی زمین کو خیتی باری کے قابل بنا لیا ہے۔ ہزاروں ایکڑ زمین جس کے اندر ایک دانہ ان کا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا، وہاں اب ہرے بھرے کھیت دانوں سے لحد لہلہا رہے ہیں کیونکہ وہاں سہولتوں کا اچھا پر بندہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں کے باغ پھولوں اور پھلوں سے لحدے ہوئے ہیں۔ جو زمین چوٹائی کے قابل ہے اس کو آپسی سہولت والی کھیتی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں کے کسان بہت خبریں ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی مصیبت کا پہل ان کو ملے گا۔ ان کو کسی قسم کا قدر نہیں دیتا۔ کسان زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کا پورا کرنے اور سائنس کی معلومات بڑھانے کے لئے وہاں ریڈیو اور کلبز کی سہولتوں کا بندوبست ہے۔ اس طرح لوگوں کو اپنے گھر بہتے بہتے تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ 'چلتا کی آواز' میں زور ہے۔ وہاں کے لوگ جی جان سے اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

آج کے دوس میں ایک بات اہم ہے وہ یہ کہ وہاں پر جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے وہ ایک ڈھنگ اور سوچ وچار کے بعد کیا جاتا ہے۔ لوگ کام سے پہلے اس پر بحث کرتے ہیں۔ جب سب پہلوؤں پر غور ہو چکا ہے تب اس پوجنا کو عمل میں لایا جاتا ہے۔

ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کرنے کے بعد پیدا کرنے والے کو اس بات کا پکا یقین دیتا ہے کہ اس کا بڑا ٹھیک ڈھنگ سے کیا جائے گا۔ یہ سب کام سرکار اپنی دیکھ دیکھ میں کرتی ہے۔ اس طرح کا ادل بدل ملک کی اندرونی کرنسی پر کافی اثر ڈالتا ہے۔ دوپل ایک طرح کا کریپٹو ہوتا ہے۔ اس کو سود پر دینے کا دواج نہیں ہے۔ نہ کوئی اسے جمع کر سکتا ہے اور نہ اس کو اپنی ضرورت میں رکھ سکتا ہے۔ اس طرح ایک بڑا فائدہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ ہمیشہ دوپل دے کر روزانہ کی چیزیں لینے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ دکانیں روز مرہ کے اشیاء کے چھڑوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کھانے والی چیزوں کی وہاں کافی فراہم ہے۔ اس کے علاوہ حق کی چیزیں بھی وہاں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

کام کو اچھے ڈنگ پر بنانے کے لئے وہاں کے مزدوروں کو اچھی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ مزدوری ان کی مصیبت



( डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा )

शान्ति की कई क्रिसमें होती हैं। उनके फरक को साफ साफ समझ लेना हम सब के लिये जरूरी है। सब से पहले 'क्रिस्तान की शान्ति' का नम्बर आता है। 'क्रिस्तान की शान्ति' उस शान्ति को कहते हैं जब एक मुल्क दूसरे मुल्क पर चढ़ाई कर देता है और उसको मुर्दा और बेजान बना कर छोड़ देता है इसके बाद अथालामुखी की शान्ति का नम्बर आता है। हम एक राश्ट्र को जीतने के बाद और फौजी ताकत से गुलाम बनाने के बाद वहां शान्ति फ़ायम कर देते हैं लेकिन शरे हुए राश्ट्र में नफ़रत की भावना पैदा होती है और वह हमेशा खुली बगावत की ताक में रहता है तीसरी तरह की वह शान्ति है जिसे हम आरज़ी मुलह का नाम देते हैं। इसमें शान्ति फ़ायम रहती है क्योंकि दोनों फ़रीकों को अपनी ताकत का पूरा अम्दाआ नहीं होता और वह अपने को मजबूत करने के लिये मोहलत चाहते हैं।

ऊपर लिखी हालतों को असली शान्ति के नाम से नहीं पुकारा जा सकता. असली शान्ति बाहरी और दिखावटी चीजों से हासिल नहीं की जा सकती. इसके लिये जरूरी है कि हम अपने अन्दर की आवाज को सुनें. उसको पहचानें और अमल में लाने की कोशिश करें. असली शान्ति के लिये यह भी जरूरी है कि जनता को इस बात का यकीन हो कि उसकी जिन्दगी की तमाम आवश्यकताओं को पूरा किया जायगा. यह काम तभी किया जा सकता है जब जनता भी इस काम में हाथ बटाए. इस तरह यह साफ हो जाता है कि दुनिया के हर देश को इस बात की कोशिश करनी चाहिये कि इन्सानी जरूरत की तमाम चीजें सहयोग से पैदा कर ली जायं.

इस तरह की शान्ति की राह पर ही सोवियत रूस अपना क्रम बढ़ा रहा है। सोवियत रूस में दूसरे मुलकों से तिज्जारत सरकार के माध्यम से की जाती है। इसके अलावा बहुत इस बात की कोशिश हो रही है कि हर स्त्री, पुरुष, बच्चे को जीवन की तमाम जरूरी सहुलियतें पहुंचाई जायें। साथ ही लोगों की कलचरी मांगों को भी पूरा किया जा रहा है। अगर दुनिया के तमाम देश इस तरह ईमानदारी, मेहनत और लगन से काम करें तो विश्व भर में सुस्थिर शान्ति स्थापन हो सकती है।

गांधी जी ने हम को बताया था कि एक भुके आदमी को भगवान रोटी की शकल में दर्शन देते हैं। इसी असूल को मान कर लोचिष्ठ बाबू अनाज और जिनगी की दूसरी

## جگہ شانتی اور روس

(ڈائجسٹ . سی . کارپوریشن)

شانتی کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ اُن کے فرق کو صاف صاف سمجھ لینا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ سب سے پہلے 'ہمسگان کی شانتی' کا نمبر آتا ہے۔ 'ہمسگان کی شانتی' اُس شانتی کو کہتے ہیں جب ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھائی کر دیتا ہے اور اُس کو سزا اور بے جاں ہلا کر چھوڑ دیتا ہے۔ اِس کے بعد جولا مکھی کی شانتی کا نمبر آتا ہے۔ ہم ایک راشٹر کو چھوٹے کے بعد اور فوجی طاقت سے غلام بنانے کے بعد وہاں شانتی قائم کر دیتے ہیں لیکن ہمارے ہوئے راشٹر میں نفرت کی پہاڑی پیدا ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ ٹھہری بغاوت کی ناک میں رہتا ہے۔ تیسری طرح کی وہ شانتی ہے جسے ہم عارضی صلح کا نام دیتے ہیں۔ اِس میں شانتی قائم رہتی ہے کہونکہ دونوں فریقوں کو اپنی طاقت کا پورا اندازہ نہیں ہوتا اور وہ آپ کو محدود کرنے کے لئے مہمیت چاہتے ہیں۔

اوپر لکھی حالتوں کو اصلی شانتی کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اصلی شانتی باہری اور دنیاوتی چھڑوں سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر کی آواز کو سنیں، اس کو پہچانیں اور عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ اصلی شانتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جلتا تو اس بات کا یقین ہو کہ اُس کی زندگی کی تمام آوشہکتاؤں کو پورا کیا جائے گا۔ یہ کام لہوی کیا جا سکتا ہے جب جلتا بھی اِس کام میں ہاتھ بٹائے۔ اِس طرح یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دنیا کے ہر دیہے کو اِس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ انسانی ضرورت کی تمام چھڑیں سبھوگ سے پیدا کر لی جائیں۔

اس طرح کی شانتی کی راہ ہر ہی صورت دوس اپنا قدم بوجھا رہا ہے۔ صورت دوس میں دوسرے ملکوں سے تجارت سرکار کے مادمم سے کی جاتی ہے، اس کے علاوہ وہاں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ہر اُستریٰ پرہی، بچہ کو جہن کی تمام ضروری سہولتیں پہنچائی جائیں۔ ساتھ ہی لوگوں کی کلتوری مانگوں کو بھی پورا کیا جا رہا ہے۔ اگر دنیا کے تمام دیہی اُس طرح اہماداری، صنعت اور لکن سے کام کریں تو وغیرہ میں مستقل شانتی قائم ہو سکتی ہے۔

ہندھی جی نے ہم کو بتایا تھا کہ ایک بھوکے آدمی کو  
بھگوان درگئی کی شکل میں درجن دیتے ہیں۔ اسی  
مہول کو مانی کہ مہولت والے اناج اور زندگی کی دوسری



اسی کو دوسرے سڑکی نے ان شہدوں میں کہا ہے :—

”دو دین کے واسطے پیدا کیا انسان کو  
برنا لاف کے لیے کھڑا کم نہ کرے بیانی“ ( فریستے )  
انجیل میں بھی یہ خیال بار بار طرح طرح سے آتا  
لکھا ہے :—

”ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر کہ اصل میں  
روح اور خدا ایک ہیں، خدا کے ساتھ مل سکتے ہیں اور  
ایک ہو سکتے ہیں، جن کے دل پاک ہیں وہی خدا کو  
دیکھ سکتے ہیں۔“

یہ بات بھی سب مذہبوں میں ملتی ہے کہ جب  
آدمی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے دھرم اور  
مذہبوں کے اس طرح کے حکموں کی ضرورت نہیں رہتی  
— یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ وہ ان نعمتوں سے اوپر اُٹھ جاتا ہے۔  
اسی کو دھرم، مائتا، یا ’سلم‘ کہتے ہیں۔

شکر اچاریہ نے لکھا ہے :—

”جو آدمی تینوں گناہوں سے اوپر اُٹھ جاتا ہے اس کے  
لیے پھر نہ کوئی دھرم رہتا ہے اور نہ کوئی نیپہد۔“

جو کبھی اس بات کو انہیں کو پہنچ جاتا ہے اور نہ کوئی نیپہد۔“  
جو روحیں اس بات کو انہیں کو پہنچ جاتا ہے اور نہ کوئی نیپہد۔“  
کے اندر ایک ہی آتما ہے، کوئی شہر نہیں، کوئی الگ  
نہیں، کوئی دوسرا نہیں، وہی یوں ہے، وہی پرہی، وہی پرہی،  
جہوں میں، اوتار، بدھ، بودھی ستو، اہرت، تہرت،  
مسلم، کرائست، انسان کامل، مظہر انم، وفورہ، وفورہ  
ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے :—

”جس طرح سورگ میں تمہارا پتا (یعنی پرستشور)  
کامل ہے اسی طرح تم بھی کامل ہو جاؤ اور تم سچائی  
کو جان لوگے اور سچائی میں آزاد کر دے گی، تم دیوتا  
ہو۔“

محمد صاحب کی ایک حدیث ہے :—

”اللہ کہتا ہے اے آدمی! تو میرے قانونوں پر چل  
بل شہد تو میری ہی طرح ہو جائے گا، پھر اگر تو کسی بات  
کے لیے بھی کہے گا یہ ہو جائے گا تو وہ بات فوراً ہو جائے گی!“

گویتا میں لکھا ہے :—

”وہ دھرم لوگ جن کے سب پاپ دھل گئے ہیں،  
جن کی دیوبندھا مت گئی ہے، جنہوں نے آتما کو چھٹ  
لہا ہے، جو سب پرانہوں کے بہانے میں لگے دھتے ہوں، جن  
کی اندریں یعنی نفس ان کے قابو میں ہیں، جو سب  
کو ایک نکتہ سے دیکھتے ہیں وہ ہی بہکوں کو پاتے ہیں۔“

صوفی کہتا ہے :—

”جو آدمی مرن کامل ہو جاتا ہے وہ سب کا مالک  
ہوتے ہوئے بھی سب کی غلامی یعنی خدمت میں لگا  
رہتا ہے۔“

اسی لئے ایشور الہ کے ناموں میں سے ایک نام  
داسداس یعنی داسوں کا داس بھی ہے۔



ہو آن علمیٰ ہر آن خوشی  
ہو وقتِ امیری ہ ہ ہ ہ ہ  
چہ عاشقِ مست لہر ہوئے  
پہر کہا دلگدہی ہ ہ ہ ہ ہ

اسلام کا مشہور مکتوبہ :-

”جس نے اپنے آپ کو جان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

دنیا کے سب سنت، مہانماں، اوتاروں، پرمشہدوں اور  
نیرتھمکروں نے سب بڑے بڑے دھرموں نے اور سب  
دھرم گرنتموں نے طرح طرح سے اسی ایک سچائی کو دنیا  
کے لوگوں کے دلوں پر چسپاں کی ہوئی ہے۔

پادری گنہا میں لکھا ہے :—

”مہری انتر آنا مہرے اندر جاگی۔ اُس نے ہلا کر  
 مستحکم ہو چھا، سوچ تو کون ہے؟ کس کا ہے؟ یہاں کون  
 ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اُس زندگی کا مقصد تو کب مستحکم  
 گا؟ اُس سے میں نے سمجھا کہ میں ہی سب کچھ ہوں،  
 میں ہی اہرمزد ہوں، میں ہی سب کی آتما ہوں،  
 سب میں میں ہی رہا ہوا ہوں۔“

آپادشہد میں لکھا ہے :-

”اہلی آسا کو چاہو۔ آسا ہی اہک چاہیے کی چہڑ  
ہے۔ آسا ہی کو قہر نہ ڈھو۔ اہلی آسا کو جان لیا تو ساری  
دنیا کو جان لیا۔ آسا ہی دیکھ لے گی‘ سب لے گی‘ سمجھ لے  
گی اور دھیان کرنے کی چہڑ ہے۔ اور کچھ ہے ہی نہیں۔“

”اے آپ کو چاہو۔“

قرآن میں لکھا ہے:—

”وہ اللہ کو بھول جاتا ہے وہ اپنے کو بھول جاتا ہے۔“

ایک ہندو سنت نے اسی بات کو درجی طرح لیا ہے:—

”جہاں گھر سکھ کا بہنکادرا

سو کہوں بہرے در در مارا۔“

صرفی کہتا ہے :-

”ہو کے سلطان حقیقت اسی آپ گل (ہانی اور  
مٹی) میں در بدر مثل گدا (بھاری) تھا“  
معلوم نہ تھا۔“

اہلحدوں میں یہ خیال جگہ جگہ بہت ہی گہرائی

اور تفصیل کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے ۔

اے مومن ہو گویا کہ دیکھنا آپ ہی ممکن ہے جب

آدم پر کچھ دوسروں میں اپنے کو دیکھ ، اسی لئے صرفی نے

— ۱۵۴ —

کند کار را و نمی دهد







ہندوئی میں لکھا ہے :-

”پرماٹما اس سٹیٹ کو رکھ کر اس میں اسی طرح دم جاتا ہے جس طرح جسم کے اندر روح . یہ وہی اُس کا جسم ہے جو اُس بات کو سمجھ لے اور اُس اہمیت کو دیکھ لے اُس کے لئے یہ نہ کوئی مروت ہے اور نہ کوئی شوک.“

مسلمان صوفی لکھتا ہے :-

”ہرک یا نی پرہشور سارے جہان کی جان ہے، اور یہ سارا جہان اس کا جسم ہے، یہی توحید ہے اور سب روزگار اور کھیل ہیں۔“

اسی حالت کو ’سورور جاودانی‘ ’آتم لایہ‘ ’وصال‘ یا ’لہولہ‘ ’ایکی بہاؤ‘ یا ’وحدت‘ کہتے ہیں۔

اپنے اپنے راستوں سے، الگ الگ اور ترہ ترہ کے راستوں سے، سب لوگ سب جاندار اسی طرف جا رہے ہیں۔ یہ منزل سب کے اندر ہے، اسی لئے سب اندر کی طرف مڑ رہے ہیں۔ دنیا کے سب دھرم، مذہب اور فلسفہ کھول اپنے گھر واپس جانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ اسی لئے کرشن نے کہا ہے :-

”اے ارچن لوگ سب طرف سے چل کر مجھ تک ہی پہنچتے ہیں، جو جس راستے سے آتا ہے اُسے اُسے راستے سے میں ملتا ہوں۔“

پارسی گانہ میں لکھا ہے :-

”کھان اور بڑھتے ہوئے وچاروں کے زور سے، اے اہرمزد ہم تجھ میں آملوں گے۔ وہی ہماری شروع کی زندگی تھی۔“

چون کرنتھ کھان آنو، میں لکھا ہے :-

”یہی سب سے بڑا ج्ञان ہے، یہی ویج্ঞان ہے، یہی دھیان ہے، یہی پرمتپ ہے کہ یہ آتما پھر سے اپنے کو پہچان لے اور پھر سے اپنے درپ میں لہن ہو جائے۔“

یہودی کتاب زہر میں لکھا ہے :-

”دنیا کی سب چیزیں، سب رُخیں اور ان کے سب جسم اپنے جس اصل سے نکلے تھے اُسی میں جا ملوں گے۔“

کھتا میں بھگوان نے کہا ہے :-

”بہت سے جملوں کے بعد کھانی مجھے آ ملتا ہے۔“

چوٹی ناؤ دھرم کی ’کتاب ناؤ تم کلک‘ میں لکھا ہے :-

”زندگی ہمارے نکلنا ہے، موت گھر لوٹنا ہے۔“

شیخ سعدی نے ایک بہت ہی پکاری سندر چوٹی

سی کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ماسلمان . اُس کی شروع کی اور آخر کی لائنیں یہ ہیں :-

”ماہممان کوئے دل دارم

رخ با دنیا و دین نمی دارم



اپنی ہی لیلیا ہے، اس میں کوئی گھر نہیں۔ تب آتما قر، شک اور دھ کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر نہ پاپ و مہا ہے نہ پلہ، نہ کوئی وہم یا اندھ و شواہی۔ کسی نہ کسی سے جلدی یا دیر میں یہ مکتی، یہ نجات ہر جہو آتما کو حاصل ہوتی ہے۔ طرح طرح کے سکھ دکھوں، پاپ پلہوں اور زندگی کی اونچ نیچ میں سے نکلتے ہوئے سب اس منزل پر جا پہنچتے ہیں، کیونکہ سب روحوں آخر اسی ایک روح کل کا آئیں ہیں۔

ویدک دھرم، بودھ دھرم اور جین دھرم میں اسے مکتی یا نروان اور اسلام میں اسے نجات یا فدا فی اللہ کہتے ہیں۔ فدا فی اللہ کے تھوک و می معنی ہیں جو نروان کے ہیں یعنی اپنی مصلحتوں کی فدا یا ختم ہو جانا۔ قرآن کی مشہور آیت ہے—

إِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

یعنی ہم صوب اللہ سے آئے ہیں اور لوٹ کر اللہ ہی میں جا ملیں گے۔

یہودی اس آخری حالت کو ”پریم کا مصل“ کہتے ہیں۔ گروستک سمہدائے کے لوگ اسے ”اننت جہوتی یا ابدی نور کا پھنکار“ کہا کرتے تھے۔ مہسائی اسے ”کلکڈم آب مہون“ یعنی سرورگ کا راج کہتے ہیں۔ الگ الگ دھرموں کے سنتوں، صوفیوں اور مہانتوں نے اسے اور بھی طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ سنت پال نے لکھا ہے کہ:—

”سچائی (یہ سچائی کہ آتما اور پرماٹما ایک ہیں) تمہیں سب بندھنوں سے آزاد کر دے گی۔“

اس حالت کو پہنچ کر پھر کوئی ”ارتنا“ یعنی ’فہریت‘ نہیں رہ جاتی۔ ”انہی“ ”پورن“ ہو جاتا ہے۔ ”انانیت ادنی“ ”انانیت اعلیٰ“ ہو جاتی ہے۔ شخصیت ادنیٰ شخصیت اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ خود یا خودی خدا ہو جاتی ہے۔ ہرند سمندر ہو جاتی ہے، یہاں پہنچ کر روح کو عشق مجازی اور عشق حقیقی کا فرق سمجھ میں آتا ہے۔ اسی حالت کا نام سچہداسند ہے۔

وگ وید میں ایک پڑا رہتا آتی ہے:—

”ید اکلے سہام اہم نوم، نوم وادھاسہا اہم“

یعنی اے اگلی میں تو ہو جاؤں اور تو میں ہو جائے۔ اگلی آتما کے اندر کی اسی روحانی کا نام ہے جو آدمی کو آتم کا راستہ دکھاتی ہے۔

صوفی نے اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:—

من تو ہدم تو من شدی من تن شدی تو جاں شدی  
تانس نہ گوید ہاد ازیں من دیکرم تو دیکری  
یعنی میں تو ہو گیا اور تو میں ہو گیا، میں جسم ہو گیا اور تو جان ہو گیا۔ تاہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ کہ میں اور ہیں اور تو اور ہے۔



## چیندگی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا.

( ڈاکٹر بگوان داس )

ہماری چیندگی کی آخری سب سے بڑی سچائی ہی ہماری چیندگی کا مقصد ہے۔ آتما لوٹ کر اپنے اصل آپے میں جا ملتی ہے، اپنے اس اننت روپ میں جا ملتی ہے جسے وہ بھول گیا تھا اور جو اسے اب پہر سے یاد آ جاتا ہے۔ بھٹکا ہوا مسافر اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔ دوسرے شہدوں میں گہاں پہلی معرفت کا سانپ خود اپنی دم نکل لیتا ہے۔ آتما کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں سرے ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں۔ تپ دکھائی دیتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا متعدد ذرا ہی ہے انت لامحدود بھی ہے ذرا ہی آفتاب ہے، ہوند ہی سندر ہے، چہرہ آتما اور پرمانما روح شخصی اور روح کل ایک ہیں۔

چیندگی کا غنت، اسکا لکھن یا اسکا مقصد دو طرح کا ہے۔ پہلا مقصد ہے 'ابھودے' جسے 'اقبال مدنی' یا 'نعمت دنیاوی' کہا جاتا ہے، یعنی اس دنیا کے اندر کی خوش حالی اور کامیابی، یا 'نعمت دنیاوی' اور ہاتھ پیروں کے پریشہ دنیا کے جائز سکھوں کا بھوک کرنا۔ ہلدو شاستروں میں اس کے تین حصہ کئے گئے ہیں—دھرم، ارتھ اور کام۔ دوسری اصطلاح میں ان تینوں کو دیانت، دولت اور لذت دنیا کہا جاتا ہے۔ ان تینوں کو آلت کر اور مل کر سمجھنا چاہئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں پہلی گھسکی کی زندگی کو، دھرم دولت، صحتی اور ملکیت کے ساتھ مل کر 'دھارمک نیموں' یعنی 'قانون الہی' کی روشنی میں اپنے فرض کرتے ہوئے نیکانے حاصل رکھتے ہوئے بدانا چاہئے۔ یہ ہے زندگی کے شروع کے آدھے حصہ کے لئے۔ زندگی کا دوسرا اور آخری حصہ دوسرے اور آخری مقصد کو حاصل کرنے میں خرچ کرنا چاہئے۔ وہ اصل مقصد ہے موکش یعنی نجات، سب طرح کے دکھوں سے چھٹکارا۔ اسی کو 'نہہ شریہ' یا 'حظاملی' کہتے ہیں۔ یہی 'پرمانند' ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی آمد نہیں، کوئی سکھ نہیں۔ یہ ہے پرمانما کی طرح ہو جانا، پرمانما میں لہن یا فلما ہو جانا، سویم پرمانما ہو جانا۔

ہر آدمی کے دل کے اندر جانے یا غنجانے چیندگی کا یہی مقصد دھلورے لیتا رہتا ہے۔ اپنے جس حال سے ہم بھٹک گئے تھے اسی میں پھر لوٹ جائیں۔ ہمیں پوری طرح پتہ چل جائے کہ یہ سارا سلسلہ چکر ہماری

## زندگی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا

( ڈاکٹر بگوان داس )

ہماری زندگی کی آخری سب سے بڑی سچائی ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ آتما لوٹ کر اپنے اصل آپے میں جا ملتی ہے، اپنے اس اننت روپ میں جا ملتی ہے جسے وہ بھول گیا تھا اور جو اسے اب پہر سے یاد آ جاتا ہے۔ بھٹکا ہوا مسافر اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔ دوسرے شہدوں میں گہاں پہلی معرفت کا سانپ خود اپنی دم نکل لیتا ہے۔ آتما کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں سرے ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں۔ تپ دکھائی دیتا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا متعدد ذرا ہی ہے انت لامحدود بھی ہے ذرا ہی آفتاب ہے، ہوند ہی سندر ہے، چہرہ آتما اور پرمانما روح شخصی اور روح کل ایک ہیں۔

زندگی کا انت، اس کا لکھن یعنی اس کا مقصد دو طرح کا ہے۔ پہلا مقصد ہے 'ابھودے' جسے 'اقبال مدنی' یا 'نعمت دنیاوی' کہا جاتا ہے، یعنی اس دنیا کے اندر کی خوش حالی اور کامیابی، یا 'نعمت دنیاوی' اور ہاتھ پیروں کے پریشہ دنیا کے جائز سکھوں کا بھوک کرنا۔ ہلدو شاستروں میں اس کے تین حصہ کئے گئے ہیں—دھرم، ارتھ اور کام۔ دوسری اصطلاح میں ان تینوں کو دیانت، دولت اور لذت دنیا کہا جاتا ہے۔ ان تینوں کو آلت کر اور مل کر سمجھنا چاہئے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں پہلی گھسکی کی زندگی کو، دھرم دولت، صحتی اور ملکیت کے ساتھ مل کر 'دھارمک نیموں' یعنی 'قانون الہی' کی روشنی میں اپنے فرض کرتے ہوئے نیکانے حاصل رکھتے ہوئے بدانا چاہئے۔ یہ ہے زندگی کے شروع کے آدھے حصہ کے لئے۔ زندگی کا دوسرا اور آخری حصہ دوسرے اور آخری مقصد کو حاصل کرنے میں خرچ کرنا چاہئے۔ وہ اصل مقصد ہے موکش یعنی نجات، سب طرح کے دکھوں سے چھٹکارا۔ اسی کو 'نہہ شریہ' یا 'حظاملی' کہتے ہیں۔ یہی 'پرمانند' ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی آمد نہیں، کوئی سکھ نہیں۔ یہ ہے پرمانما کی طرح ہو جانا، پرمانما میں لہن یا فلما ہو جانا، سویم پرمانما ہو جانا۔

ہر آدمی کے دل کے اندر جانے یا غنجانے زندگی کا یہی مقصد دھلورے لیتا رہتا ہے۔ اپنے جس حال سے ہم بھٹک گئے تھے اسی میں پھر لوٹ جائیں۔ ہمیں پوری طرح پتہ چل جائے کہ یہ سارا سلسلہ چکر ہماری



यह जिन्दगी वह हसीन फूल बन नहीं सकती  
कि जिसके सीने की और मिठास खा जायं  
यह हलकी जोत नहीं है अन्धेरे कमरे की  
उभर के जिसको अन्धेरे यं ही पचा जायं  
मैं जिन्दगी के यह अनजाम चाहता ही नहीं  
मेरे खुदा मैं मुसीबत से खेल सकता हूँ  
मैं आंधियों में उमड़ती हुई घटाओं में  
बतन की शोख मुहब्बत से खेल सकता हूँ  
मैं वह दरखत बनूँ जिसकी नरम डालों से  
मुसीबतों की घटाओं की बिजलियां गुजरें  
समय के झोंके ज़मीन से उखाड़ दें जिसको  
अमल की राह पे मेरे वह आंधियां उभरें  
मैं एक चट्टान बनूँ इतने ऊंचे परबत की  
जो लड़ते लड़ते ही आंधी से टूट कर गिर जाय  
बिखर पड़े जो बतन की हसीन घाटी पर  
हर एक टूटे हुए मन पे देस इतराय  
गुलाम क्रौम ने सालों की बेड़ियां तोड़ीं  
वह आज दंड रही है भलाई के मैदान  
सिपाहियों के हसीन रूप की सुनहरी चमक  
बढ़ा रही है उभरते हुए निरान की शान  
तमाम दुनिया में छा जाय गूंज शेरों की  
कुरां के नीचे मजालिम समय के दब जायं  
हर एक रूप से फूटें हयात की किरनें  
यों जालिमों के स्याह कारनामों धुल जायं  
हयात अपनी वहीं पर निसार मैं कर दूँ  
वहीं पे अपने लहू की बहाऊं मैं धारा  
वहीं पे गूंजे मेरी आखरी हयात की चीख  
वहीं पे डूबे मेरी ज़िस्त का हसीन तारा  
वहीं पे नाब जुबो दूँ मैं अपने जीवन की  
खरबते गूंजते लोहों की खड़खड़ा हट में  
बिगुल की शोख सदाओं में डूब जाऊँ मैं  
वहीं पे तोप की डूबूँ मैं घड़घड़ाहट में  
कुचल कुचल के वहीं मेरी लाश से गुजरें  
वह अस्प जिसकी है मंजिल मुक़ामे आज़ादी  
वहीं पे बिखरी हुई हड्डियों पे बिखरा दे  
हसीन गीत कोई ले के नाम आज़ादी  
वह मौत मौत है जिस पर हयात नाफ़ करे  
कि जिस पे नाफ़ करे अपनी सुबह आज़ादी  
वह जोत फूटे मेरी हड्डियों के टुकड़ों से  
हसीन नूर से भर जाय वक्त की बादी

अनुबाषक—वरन सरन 'नाफ'

یہ زندگی وہ حسوں پہول بن نہیں سکتی  
کہ جس کے سینے کی پھونکے مٹھاس کھا جائیں  
یہ ہلکی جوت نہیں ہے اندھیرے کمرے کی  
اُبھر کے جس کو اندھیرے یوں ہی پچا جائیں  
میں زندگی کے یہ انجام چاہتا ہی نہیں  
میرے خدا میں مصہبت سے کھل سکتا ہوں  
میں آندھوں میں اُڑتی ہوئی کھٹاؤں میں  
وطن کی شمع مصہبت سے کھل سکتا ہوں  
میں وہ درخت بلوں جس کی نرم ڈالوں سے  
مصہبتوں کی کھٹاؤں کی بجلیاں لڈریں  
سم کے چھونکے زمین سے اُکھاڑ دیں جسکو  
عمل کی راہ پہ میرے وہ آندھیں اُبھریں  
میں اک چٹان بلوں اُتے اُنچے پرست کی  
جو لوٹے لوٹے ہی آندھی سے ٹوٹ کر گر جائے  
بکھر پڑے جو وطن کی حسوں کھائی پر  
ہر ایک ٹوٹے ہوئے من پہ دیس اُترائے  
غلام قوم نے سالوں کی بھڑیاں توڑیں  
وہ آج ڈھونڈ رہی ہے بھلائی کے میدان  
سواہیوں کے حسوں روپ کی سلہری چمک  
بوجھا رہی ہے اُبھرتے ہوئے نشان کی شان  
تمام دنیا میں چھا جائے گونج شہروں کی  
لغاں کے نہچے مظالم سم کے دب جائیں  
ہر ایک روپ سے پھوٹیں حیات کی کرنیں  
یوں ظالموں کے سہہ کارنامے دھل جائیں  
حیات اپنی وہیں پر فشار میں کردوں  
وہیں پہ اپنے لہو کی بہاؤں میں دھارا  
وہیں پہ گونچے میری آخری حیات کی چھج  
وہیں پہ ڈوبے میری زبست کا حسوں تارا  
وہیں پہ ناز قبو دوں میں اپنے چھوٹی کی  
لورزٹے گونچتے لوہوں کی کھڑ کھڑ میں  
بگل کی شمع صداؤں میں قرب جاؤں میں  
وہیں پہ تربتی تربتوں میں کھڑ کھڑت میں  
کچل کچل کے وہیں میری لاش سے لڈریں  
وہ اُسمپ جس کی ہے منزل مقام آزادی  
وہیں پہ بکھری ہوئی ہڈیوں پہ بکھرا دے  
حسوں کھیت کوئی لے کے نام آزادی  
وہ موت موت ہے جس پر حیات ناز کرے  
کہ جس پہ ناز کرے اپنی صبح آزادی  
وہ جوت پھوٹے میری ہڈیوں کے ٹکڑوں سے  
حسوں نور سے भर جائے وقت کی وادی

انپوادک—چرن سرن 'ناز'



# نیا ہند

جلد 14

مارچ، سن '53

نمبر 3

مارچ، سن '53

جلد 14

جلد 14

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لئے پریم کی جہولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لئے پریم کی جہولی۔

## سیپاہی کا گم

(سینڈور پتوکی)

[سینڈور پتوکی 1 جنوری 1923 کو ہنگری کے کیتھوٹس گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ 16 سال کی عمر میں وہ اپنے گھر سے نکل پڑا۔ وہ گلوں گاؤں اور شہروں شہروں بھرا۔ وہاں اس نے اپنے ملک کی فریبی دیکھی، اس نے دیکھا کہ وہیں برگ خاندان کے راجہ کس طرح فریب چلتا پر ظلم کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں میں چھتلا پیدا ہو رہی تھی، وہ بھی وہیں برگ کے خلاف اپنے ملک کو سونپ کر دیتے ہیں، جی جان سے جیت لیا، دھوڑے دھوڑے وہاں کے جن آندولس کا نعتا بن بیٹھا۔ اس نے اپنی کویتاؤں کے ذریعے تمام ہنگری میں ایک نئی جان پھونک دی۔ اس کی کویتاؤں میں سادگی، یوکرنا اور ایک نیا سلیڈ ہے۔ 31 جولائی 1948 میں 26 برس کی بھری جوانی میں سمجھوتہ کے میدان میں لڑتے لڑتے وہ شہید ہو گیا۔ پتوکی کے نام سے آج ہنگری کا بچہ بچہ پڑھتا ہے۔ ہنگری کے نواسی اس کو 'آزادی کا گوی' نام سے یاد کرتے ہیں۔ نیچے ہم اس کی مشہور کویتا 'سیپاہی کا گم' کا آزاد ترجمہ دے رہے ہیں۔ آشا ہے شہید نوجوان پتوکی کی یہ کویتا ہمارے ہاتھوں کو پسند آئے گی۔

[سینڈور پتوکی 1 جنوری 1923 کو ہنگری کے کیتھوٹس گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ 16 سال کی عمر میں وہ اپنے گھر سے نکل پڑا۔ وہ گلوں گاؤں اور شہروں شہروں بھرا۔ وہاں اس نے اپنے ملک کی فریبی دیکھی، اس نے دیکھا کہ وہیں برگ خاندان کے راجہ کس طرح فریب چلتا پر ظلم کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں میں چھتلا پیدا ہو رہی تھی، وہ بھی وہیں برگ کے خلاف اپنے ملک کو سونپ کر دیتے ہیں، جی جان سے جیت لیا، دھوڑے دھوڑے وہاں کے جن آندولس کا نعتا بن بیٹھا۔ اس نے اپنی کویتاؤں کے ذریعے تمام ہنگری میں ایک نئی جان پھونک دی۔ اس کی کویتاؤں میں سادگی، یوکرنا اور ایک نیا سلیڈ ہے۔ 31 جولائی 1948 میں 26 برس کی بھری جوانی میں سمجھوتہ کے میدان میں لڑتے لڑتے وہ شہید ہو گیا۔ پتوکی کے نام سے آج ہنگری کا بچہ بچہ پڑھتا ہے۔ ہنگری کے نواسی اس کو 'آزادی کا گوی' نام سے یاد کرتے ہیں۔ نیچے ہم اس کی مشہور کویتا 'سیپاہی کا گم' کا آزاد ترجمہ دے رہے ہیں۔ آشا ہے شہید نوجوان پتوکی کی یہ کویتا ہمارے ہاتھوں کو پسند آئے گی۔

میرے یہ گم ہے کہیں زندگی کے دن آرد رات  
گذر نہ جائیں ہیں ہی کویتوں بدلے ہوئے  
وہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں ہوئی  
جو نہ ہم پر نہ تھی۔ انی ہے پہنچے ہوئے

میرے یہ گم ہے کہیں زندگی کے دن آرد رات  
گذر نہ جائیں ہیں ہی کویتوں بدلے ہوئے  
وہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں ہوئی  
جو نہ ہم پر نہ تھی۔ انی ہے پہنچے ہوئے



“नया हिन्दू”  
हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

का

माहवारी परचा

मार्च 1953

“نہا ہند”  
ہندوستانی کلچر سوسائٹی

کا

ماہواری پرچہ

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

1. سیپاہی کا گم ( کہانی )—سےندور پتوکی ...	75	... 75	سپاہی کا گم ( کہانی )—سےندور پتوکی
2. پینڈی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا—ڈاکٹر بھگوان داس ...	77	... 77	پینڈی کا مقصد ہے—سب کے اندر ایک ہی آتما کو دیکھنا—ڈاکٹر بھگوان داس
3. جگ شانتی اور دوس—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا ...	83	... 83	جگ شانتی اور دوس—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا
4. ہندوستانی شہدیاں کا چوتھا اصول : ہندیاوا—ڈاکٹر جاکر حسن ...	87	... 87	ہندوستانی شہدیاں کا چوتھا اصول : ہندیاوا—ڈاکٹر جاکر حسن
5. سत्य اور چمٹکار—بھگوان دین ...	92	... 92	سत्य اور چمٹکار—بھگوان دین
6. اور وہ مرگیا.....؟ ( کہانی )—موجیہ ریڈھی ...	101	... 101	اور وہ مرگیا.....؟ ( کہانی )—موجیہ ریڈھی
7. چین سے ایک خط—پروشتم پرماد ...	111	... 111	چین سے ایک خط—پروشتم پرماد
8. بھارت میں امریکی قدم—ایم پرکاش سنگل ...	120	... 120	بھارت میں امریکی قدم—ایم پرکاش سنگل
9. بچوں کی دنیا—	130	... 130	بچوں کی دنیا—
10. کچھ کتابیں—	132	... 132	کچھ کتابیں—
11. پرواسی کی ڈائری—	134	... 134	پرواسی کی ڈائری—
12. ہماری راہ—	140	... 140	ہماری راہ—
ڈاکٹر مسدق اور شاہ—موجیہ ریڈھی، ایم بھ اور یونو—بھگوان دین، چیرا بھگوان دین—موجیہ ریڈھی.			ڈاکٹر مسدق اور شاہ—موجیہ ریڈھی، ایم بھ اور یونو—بھگوان دین، چیرا بھگوان دین—موجیہ ریڈھی.

ہندوستان میں چھ درجہ سال، باہر دس درجہ سال، ایک پرچہ دس آئے .

مینیجر

‘نہا ہند’

145، مڈیگن، ہلاہاواہ.

ہندوستان میں چھ درجہ سال، باہر دس درجہ سال، ایک پرچہ دس آئے .

مینیجر

‘نہا ہند’

145، مڈیگن، ہلاہاواہ.



# नया हिन्दू مجله

पडीटर ताराचंद, भगवानदान, मुन्नाचर हमन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अधिर-नारा चन्द्रा नेकान दिन मظهر سن شمسہ نامہ سندھ لال

नाराच पडाय सुरेश रामभाई, मुन्नाच रिजवी نائب الادب- سر پھ رام بهائی، مذهب رمزی

\* \* \* \* \*

## इस नम्बर के शीर्ष लेख

## اس نمبر کے خاص لیکچر

- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग

## हमारी गाय

## هماری گائے

- डॉक्टर मुन्नाचर और नाथ- मुन्नाच रिजवी
- एडम बम और युना-भगवानदान
- चिरारा बुक गया-मुन्नाच रिजवी

- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग
- डॉ. ताराचंद के 'नया हिन्दू' का उद्देश्य और विचार-मार्ग

स्तानी कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद



دستانی کچر سوسائٹی آباد

मार्च 1953

कीमत दस आना

قیمت دس آنہ



## अंकार

सम्पादक श्री गुरुपति महाय 'फिराक'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनौ हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सन्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है आज की उर्दू शायरी गुल व बलबुल और बस्त व फिराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किमानों और मज़दूरों के दिलों की धड़कने सुनाई देगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ग़मी आवाज़ सुनोगे जो आपके दिल को गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं. सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में आदनाय है..."

23-1-52

- रीझाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चस्तर की हैं"

6-3-52

--- 'विशाल भारत' कलकत्ता

"अंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज की के युग की समस्याओं से आंत प्रोत हैं"

17-2-52

--- नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और काव से इस संग्रह का आनन्द लगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52

- 'अमृत पात्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती है भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है"

8-5-52

--- 'जीवन साहित्य' दिल्ली

"अंकार का रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बाल बाल के निकट है" - 'नया गमान' कलकत्ता नागरी लिखावट में गंगा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़ उम्दा छपाई दाम भिर्क तीन रुपया. दस किताबों का एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्दिगंज, इलाहाबाद.

## जहतकार

सम्पादक - श्री रफीक़ुल्लाही 'फ़राक़'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनौ हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़कर आपको मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह ख्याली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सन्चाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है आज की उर्दू शायरी गुल व बलबुल और बस्त व फिराक तक ही सीमित नहीं है. अब आप को उर्दू कविता में किमानों और मज़दूरों के दिलों की धड़कने सुनाई देगी. गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप एक ग़मी आवाज़ सुनोगे जो आपके दिल को गहराइयों को छुएगी.

"इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं. सजीव तथा साकार हैं... वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में आदनाय है..."

23-1-52

- रीझाना 'लोकवाणी' जयपुर

"जहाँ तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्चस्तर की हैं"

6-3-52

--- 'विशाल भारत' कलकत्ता

"अंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज की के युग की समस्याओं से आंत प्रोत हैं"

17-2-52

--- नव भारत टाइम्स' दिल्ली

"हिन्दी के पाठक स्नेह और काव से इस संग्रह का आनन्द लगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है."

13-1-52

- 'अमृत पात्रिका' इलाहाबाद

"हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्रायल हैं वह एक नए युग का सन्देश देती है भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है"

8-5-52

--- 'जीवन साहित्य' दिल्ली

"अंकार का रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिल्कुल बाल बाल के निकट है" - 'नया गमान' कलकत्ता नागरी लिखावट में गंगा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़ उम्दा छपाई दाम भिर्क तीन रुपया. दस किताबों का एक साथ खरीदारी पर पचास फीसदी कमीशन.

मिलने का पता

मैनेजर 'नया हिन्द' 145, मुद्दिगंज, इलाहाबाद.



## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ہندستانی کلچر سوسائٹی

### مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایکتا پہنچانے کے لئے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پھاڑے، غرو، کتاب غرو، سہاڑوں، کانفرنسوں، نمائندوں سے سب ذہن، جانتوں، بیداروں اور دلوں میں آپس کا مہل بڑھانا۔

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ — سی۰ عبداللہ مہدی راجا،  
وائس پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبدالحق،  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ — ڈاکٹر بھگوان داس،  
سکرٹری — پندرہ سندر لال۔

### گورننگ باڈی کے آفیسر —

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر بارا چاند، مہدی سہد  
سلمان ندوی، مسد مظہر علی سمیعہ، شی بی۔ جی  
کھن، پندرہ رستمہ راتھ، مہاتما بھگوان دین، سہتہ پونم  
چند داسا قاسمی، محمد عبدالغفار اور شہی اوم پوکاش  
پالیاوال

ممبروں کے قاعدوں کے لئے! بھتر۔

ممبروں کے قاعدوں کے لئے! بھتر۔

سندر لال

سندر لال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

سکرٹری، ہندوستانی کلچر سوسائٹی

115، مورتی گج، ایلاناباد

115 مٹھی گنج، الہ آباد۔

نوٹ - سوسائٹی کے نئے قاعدے کے अनुसार ممبروں کی فیس صرف ایک روپیہ ہونی چاہیے۔ "نیا ہند" کے جو قارئین ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس دینے پر ہی ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔

نوٹ - سوسائٹی کے نئے قاعدے کے अनुसार ممبروں کی فیس صرف ایک روپیہ ہونی چاہیے۔ "نیا ہند" کے جو قارئین ممبر بننا چاہتے ہیں ان کی فیس دینے پر ہی ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔ اگر کسی قارئین کی فیس دینے والے سوسائٹی کی نیکلی ہڈی کاٹ دیا جائے تو وہ ممبر بنایا جائیگا۔



# ہمارے پاس کھانے والی کھانے اور کھانے

# ہمارے پاس کھانے والی کھانے اور کھانے

نوٹ:—یہ کھانے سب کھانے میں ہیں

نوٹ:—یہ کھانے سب کھانے میں ہیں

نام کھانے	لکھنؤ	دہلی	نام کھانے
1. رور اور شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہلی	8 0 0	1. شعر و شاعری
2. رور اور شاعری	"	8 0 0	2. شعر و شاعری
3. گھرے والی پتہ	"	2 8 0	3. گھرے والی پتہ
4. ہمارے آواز	شری بنارسی داس جتروہی	3 0 0	4. ہمارے آواز
5. سنسکرت	"	2 0 0	5. سنسکرت
6. دو ہزار دہائی پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جھن	3 0 0	6. دو ہزار دہائی پرانی کہانیاں
7. ج्ञान गंगा	شری نارائن پرساد جھن	6 0 0	7. ج्ञान गंगा
8. पथ चिन्ह	شری شانتی پریم چند	2 0 0	8. पथ चिन्ह
9. पंच प्रदीप	شری شانتی ایم . اے	2 0 0	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	شری کنہीलाल مشر پرہار	2 0 0	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्ति दूत	شری ویرेंद्र कुमार जैन एम . ए	5 0 0	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	شری बच्चन	4 0 0	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	ڈاکٹر رامकुमार वर्मा	2 8 0	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	شری तन्मय मुखारिया	2 8 0	14. मेरे बापू
15. विरह संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	15. विरह संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	شری भगवानदास केला	5 0 0	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	19. साम्राज्य اور ان کا پتن
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	20. भारतीय स्वाधीनता آندولن
21. सर्वोच्च अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	21. सर्वوच्च अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियाँ	شری भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	22. हमاری آدم جاتیاں
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	شری दया शंकर दुबे, एम . ए. एल . एल . बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला	2 0 0	23. अर्थशास्त्र شब्داوली
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	24. नागरिक शिक्षا
25. राष्ट्र मंडल शासन	شری दयाशंकर दुबे	1 8 0	25. राष्ट्र مंडل शासन
26. सामाजी	महात्मा भगवानदास	3 0 0	26. सामाजी
27. सामने की दिम्नत !	"	1 0 0	27. सामने की दिम्नत !
28. सामने का	"	0 8 0	28. सामने का
29. मेरे काल	"	1 0 0	29. मेरे काल

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, सुदीप, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

154, मैनेजिंग 'नया हिन्द' 3.



## حیرکاوندی پر باپو

سम्पादक—श्री श्रीकरन दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा।

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुकसानों को समझे और इस फाहर को अपने अन्दर से साफ करे।

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज. दो सौ सके. कीमत दो रुपया.

## भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी. राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी.

क़रीब सवा सौ सके की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया

## فرقہ بندی پر باپو

سہادک—شری شریکرشن داس

اس ہنگ میں سن 1921 سے سن 1948 تک لکھی جی نے سامہر دایکتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا یہ سب آپکو ایک جگہ ملوگا .

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارتی وادی سامہر دایکتا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے .

سندھر جلد . اچھا کاغذ . دو سو صفحے . قیمت دو روپے .

## بھاشا

لکھک—لالہ مدن گوپال

ہندی اُردو اور ہندستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ رائے اس کتاب میں آپ کو ملے گی . واشتر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھے گی اور طرح طرح کی تگ نظریاں مٹیں گی .

کریب سوا سو صفحے کی سندھر کتاب، دام تیرہ روپے .

700 PAGES,  
32 ILLUSTRATION  
2 COLOURED MAPS

## "CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly infomative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedia...characterized by acute observation of detail as well as by...instuctive grasp of the fundamental perspective.. To read it is veritabily like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay.

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endesavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.



## مہاتما گاندھی کی بستییت

لکھک—بھی مندر اہلی سوکھا

آپنے دہانت سے کھڑے پھلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سوا سبب میں بدل دینے کے لیے اپنی تہذیبی لکھی تھی۔ یہ دہش کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دیکھا گاندھی جی کے پرم بھکت شری ملطز علی سوکھا نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور ایلانے والے دہش کے لیے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھیواہ کو سمجھنے کے لیے اسکا پدنا بھوت ضروری ہے۔ 225 سرفے کی سندر جلد بھدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—بھی مندر اہلی سوکھا

اس بھوتی سی کتاب کو پڑھ کر آپکو پتا چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح انکے راستے پر چل کر اھنساتمک ہنگ سے دہش میں اھنساتمک جاسکتا ہے۔

پہلیس پائے کی کتاب، دام سرف چار آنے۔

## آج کے شہید

لکھک—بھی رتن لاکھ بھسل

ان بھادروں کی کھانیاں جنھوں نے بیدہشی حاکموں کی پہلائی پھوت کی آگ میں اھنساتمک کو بھسم ہونے دیکھا ایک جہنم کی بھی بھرتی کی اور اے بھجوانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی۔ دام سرف ڈاڑھ بپنا۔

## مسلم دیش بھکت

لکھک—بھی رتن لاکھ بھسل

ان مسلمان دہش بھکتوں کے جہنم کا حال جنھوں نے اپنی جان بھجوانی پر دھکھر دھکھستان اور دھکھش میں دھتے ہوئے بھارت مانا۔ کو دھاسی کی دھکھشوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب بھوے دھکھسپ دھکھک سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپہ بارہ آنے۔

قیمت کا پتہ—

بھگوان بھگت دھکھ 145، بھگوان بھگت دھکھ۔

## مہاتما گاندھی کی وصیت

لکھک—بھی مندر علی سوکھا

ان دیکھاں سے کچھ بھکت بھلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سوا سبب میں بدل دینے کے لیے اپنی تہذیب لکھی تھی۔ یہ دہش کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دیکھا گاندھی جی کے پرم بھکت شری ملطز علی سوکھا نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور ایلانے والے دہش کے لیے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

گاندھی واد کو سمجھنے کے لیے اسکا پڑھنا بھوت ضروری ہے۔ 225 سرفے کی سندر جلد بھدی کتاب کی قیمت صرف دو روپے۔

## اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—بھی مندر علی سوکھا

اس بھوتی سی کتاب کو پڑھ کر آپ کو پتا چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک دھکھ سے دہش میں اھنساتمک جاسکتا ہے۔

پہلیس پے کی کتاب، دام سرف چار آنے۔

## آج کے شہید

لکھک—بھی رتن لاکھ بھسل

ان بھادروں کی کھانیاں جنھوں نے دھکھش حاکموں کی پہلائی پھوت کی آگ میں اھنساتمک کو بھسم ہونے دیکھا ایک جہنم کی بھی بھرتی کی اور اے بھجوانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی۔ دام سرف ڈاڑھ بپنا۔

## مسلم دیش بھکت

لکھک—بھی رتن لاکھ بھسل

ان مسلمان دہش بھکتوں کے جہنم کا حال جنھوں نے اپنی جان بھجوانی پر دھکھر دھکھستان اور دھکھش میں دھتے ہوئے بھارت مانا۔ کو دھاسی کی دھکھشوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب بھوے دھکھسپ دھکھک سے لکھی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپہ بارہ آنے۔

قیمت کا پتہ—

بھگوان بھگت دھکھ 145، بھگوان بھگت دھکھ۔



## गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह असमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी. हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं. इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं. बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है. हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है. इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी.

पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

"उन्होंने ( कुदसिया जैदी ने ) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है. वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती. उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है."

मोटे कागज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—वाम केवल दो रुपये.

## विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भू-दान-यज्ञ से आज सारा देश बाकिफ है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, वाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 इण्डियन, इलाहाबाद

## गान्धेजी बाबा

लेखक—कदम जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

ये असमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गान्धेजी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी. हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं. इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं. बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है. हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है. इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी.

पंडित जवाहर लाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

"अपने ( कदम जैदी ने ) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है. वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती. उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है."

मोटे कागज पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—वाम केवल दो रुपये.

## वनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

वनोबाजी के भू-दान-यज्ञ से आज सारा देश बाकिफ है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, वाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैजनेर, 'नया हिन्द'

145 इण्डियन, इलाहाबाद



## लेखक—पंडित सुन्दरलाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मज़मूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्ज़ी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेखक जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कम्पिलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दाबत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब. क्रीमत सिर्फ़ बारह आने.

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और उसका इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया.

क्रीमत बारह आने.

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का दर्दनाक वर्णन. इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं. क्रीमत चार आने.

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1948-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाराणा भगवों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगवों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरीक़ी भी सुझाई गई है. क्रीमत सिर्फ़ दो आने.

बिज्ञाने का पता—

मैनेजर, 'नया दिन्' 145, लुदीमंड, इलाहाबाद.

## लिक्क—पंडित सुन्दर लाल गीता और कुरान

इस किताब में हिन्दू धर्म और इस्लाम दोनों के मेल की बातें, गीता का बड़प्पन, गीता के एक एक अध्याय का निचोड़, कुरान का बड़प्पन, लगभग 15 ख़ास ख़ास मज़मूनों पर कुरान की करीब 500 आयतों का लफ्ज़ी तर्जुमा बरौरा दिया गया है।

जो लोग सब धर्मों की बुनियादी एकता को जानना और समझना चाहें उनके लिये यह किताब अनमोल है।

पौने तीन सौ सफे की सुन्दर जिल्द बंधी किताब की क्रीमत सिर्फ़ ढाई रुपया, डाक खर्च अलग।

### हिन्दू मुसलिम एकता

इस किताब में वह चार लेखक जमा किये गए हैं जो पंडित जी ने कम्पिलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दाबत पर ग्वालियर में दिये थे।

सौ सफे की किताब. क्रीमत सिर्फ़ बारह आने.

### महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी फिरक़ापरस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और उसका इलाज, जिसने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया.

क्रीमत बारह आने.

### पंजाब हमें क्या सिखाता है

महात्मा गांधी की सलाह से अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के दौरे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आईं उन का दर्दनाक वर्णन. इस छोटी सी किताब में आजकल की मुसीबतों को हल करने के लिए कुछ सुझाव भी पेश किये गए हैं. क्रीमत चार आने.

### बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी किताब में 1948-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के फिरक़ेबाराणा भगवों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगवों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरीक़ी भी सुझाई गई है. क्रीमत सिर्फ़ दो आने.

बिज्ञाने का पता—

मैनेजर, 'नया दिन्' 145, लुदीमंड, इलाहाबाद.



## ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے فیاضاً وام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے پیسے ہوں گے۔

## بھارت کا ودھان

### پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔  
'بھارت میں بنگرہجی راج' کے لیکٹر پندت سندرلال دھارا مूल بنگرہجی سے انووادیت۔

ہر بھارتواسی کا کفر ہے کہ جس ویدھان کے بڈھن سواڈھن بھارت کا شاسن اس سمن چل رھا ہے اسے بڈھنی ترھ سمنے۔ بھارت کے ہر ور میں اس پوسٹر کا رھنا ضروری ہے۔

آسان بامعاورہ بھاشا۔ واپل آتھ پھنی برا سائز۔ لک بھگ چار سو پنڈے۔ کھڑے کی سندر جلد۔ قیمت کھول ساڑے سات روپے۔

### یسائی کا سندھیش

لیکٹر—ڈاکٹر جے۔ سی۔ کمارپا۔

انوادک—سورہش رامبائی۔

اس کتاب میں حضرت مسیح کے سندھیش کی ویاکھیا ایسے لاجواب قلمک سے کی گئی ہے کہ پوھنے والا بڑی آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ مسائی دھرم کی خاص تعلیم کوا ہے اور حضرت مسیح نے انسان انسان کی برابر ہی بھائی چارے پریم اور اھسا پر کتنا زور دیا ہے۔

مھاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کھا ہے کہ—

”ہر آسٹیک سے، بڈھ بڈھ یسائی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، میری سفاشرش ہے کہ اسے پدے...“

سندر جلد، بڈھیا کاراڈ، کڑی سوا سوسٹھ کی کتاب کا دام سیرک ایک روپے۔

میلے کا پتہ—

میلے، ’نہا ہڈ‘ 145 سڈیگن، ہٹاڈھاد۔

## ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔  
ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے پیسے ہوں گے۔

## بھارت کا ودھان

### پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔  
'بھارت میں بنگرہجی راج' کے لیکٹر پندت سندرلال دھارا مूल بنگرہجی سے انووادیت۔

ہر بھارت واسی کا کفر ہے کہ جس ویدھان کے بڈھن سواڈھن بھارت کا شاسن اس سمن چل رھا ہے اسے بڈھنی ترھ سمنے۔ بھارت کے ہر ور میں اس پوسٹر کا رھنا ضروری ہے۔

آسان بامعاورہ بھاشا۔ واپل آتھ پھنی برا سائز۔ لک بھگ چار سو پنڈے۔ کھڑے کی سندر جلد۔ قیمت کھول ساڑے سات روپے۔

### یسائی کا سندھیش

لیکٹر—ڈاکٹر جے۔ سی۔ کمارپا۔

انوادک—سورہش رامبائی۔

اس کتاب میں حضرت مسیح کے سندھیش کی ویاکھیا ایسے لاجواب قلمک سے کی گئی ہے کہ پوھنے والا بڑی آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ مسائی دھرم کی خاص تعلیم کوا ہے اور حضرت مسیح نے انسان انسان کی برابر ہی بھائی چارے پریم اور اھسا پر کتنا زور دیا ہے۔

مھاتما گاندھی نے اس کتاب کے بارے میں کھا ہے کہ—  
”ہر آسٹیک سے، چاہے وہ مسائی ہو یا کسی اور دھرم

کا ماننے والا ہو، میری سفاشرش ہے کہ اسے پوھے...“  
سندر جلد، بڈھیا کاراڈ، کڑی سوا سوسٹھ کی کتاب کا دام صرف ایک روپے۔

میلے کا پتہ—

میلے، ’نہا ہڈ‘ 145 سڈیگن، ہٹاڈھاد۔



کرانے تو کتا اکریسر سمجھا جائے گا یا وہ بھوکا لے والا ایک  
بھولیف بھی کہے گا کہ اکریسر نہ کھاتا تو بھوکا لے والا ہی  
اکریسر سمجھا جائے گا۔

اگر سرکس گھنٹی کا منہ پھر اچھ کسی شہر کو کسی کے آدھ چھوڑ دے یا صرف شہر کے پلے پڑے کا دروازہ کھول دے تو شہر کسی پر حملہ کر دے تو شہر اگر پھر سمجھا جائے گا یا سرکس گھنٹی کا منہ پھر؟ ایک پورٹرف بھی شہر کو اگر پھر نہیں کھٹکا۔

ماں باپ کے اشارے پر ہی نہیں اگر اُن کے دیکھتے دیکھتے گھر کا کوئی سمجھدار بچہ کسی کی بے وفائی کو بھگتے تو بچہ الگوسر سمجھا جائے گا یا ماں باپ؟ سب سمجھدار ایک دالے ہو کر ماں باپ کو ہی دسے دار سمجھوں گے اور انہیں کو برا بھلا کہیں گے۔

آج جب کہلم کھلا آئرن ہاور یہ کہ کر 'ایشیا والے  
ایشیا والوں سے 'نہیں' اپنا چھازی بھرا فارموسا سے ہٹا رہے  
ہیں اور چھانگ کائی شہک کے چندریلوں کو بل کر انہیں  
چھین پر حملہ کرنے کی ترغیبیں بٹا رہے ہیں تب کہا  
یہ چھین پر فارموسا آڈریشن مانا جائے گا ؟ یہ امریکہ کی  
چھین پر چڑھائی ہوئی اور اس میں ہر طرح امریکہ  
آڈریشن سمجھا جائے گا . پر کسی کو آڈریشن ثابت کو نیلے  
کا فیصلہ 'نیٹا ہلڈ' کے قابو کی بات 'نہیں' کسی کے قابو  
کی بات نہیں . جس کے قابو کی بات ہے اس کا نام ہے  
یو. این. او. اور وہ ہے امریکہ کے ہاتھ کی کتہ بعلی . وہ تو  
ماونٹس تلک کو آڈریشن کہہ گی : جب چھین کا ایک ہی  
کرو فارموسا پر گریکا یا جاپان کے اس اقدہ پر گریکا جہاں  
امریکی ایٹم بم کے نشہ میں مسست چھانگ کائی شہک  
کے چندریلوں کو آئی لے آئی لے کہ کر لٹکا رہے ہوں گے .

وہی ہندوستان کی سرکار، پھر وہ بھی کل چھوٹ کر  
اگر پھر کہہ بنا کیسے رہ سکرے گی۔ آخر کوریا کے معاملہ میں  
بھی وہ ایسا ہی کہ چکی ہے۔ اور سچے میں ہندوستانی  
حکومت کا کہنا ہے کہ اس کی اُنکلی پتھر تلہ دی ہوئی  
ہے اور اسے یہ آقا ہے کہ ایسے موقعوں پر 'ہاں' کہنے سے شاید  
اُنکلی پتھر تلہ سے نکل آئے۔ کوریا کے معاملہ میں جس  
طرح 'نوا ہند' کی پالیسی اب تک ویسی ہی بنی  
ہوئی ہے جیسی اس وقت تھی جب کوریا کی کھڑیلو  
لڑائی شروع ہوئی تھی ویسی ہی 'نوا ہند' نے اُسی وقت  
سے امریکہ کو ایٹھما کے خلاف اگر پھر مان لیا ہے جس  
وقت آئرن ہاور سے ملہ یہ نکتہ کہ ٹیٹھما والہ ایٹھما  
والوں سے لپھیں۔



بڑے بڑے پارلیمنٹوں نے امریکا کی جاپان سے جان بچائی۔ یہ امریکا یہ چاہے کہ اس ایتھم ہم پر مشورہ کا دیکھا ہو۔  
ہر راج ہو جائے تو اس میں اچر کی کیا بات؟

امریکا کی کمزوری کی یہ سب سے بڑی پہچان ہے کہ وہ ایشیا سے انلی دور دھتے ہوئے بھی ایشیائی طاقتوں سے حد قدر ہوا ہے۔ اور قدر ہوا آدمی یا تو ایک دم دوسرے ہر حملہ کرنے کی سوچ بھٹکتا ہے یا کڑھوں دو کو اس میں لوٹنے کی ترکیب تھونڈ نکالتا ہے۔

ایشیا کے لحاظ سے ٹرومن کے امریکا میں اور آئین ہاور کے امریکا میں کوئی انفر نہیں آیا۔ ٹرومن نے دکھلی کوریا کو بھوکا اور اس سے آڑی کوریا پر جھٹ پت حملہ کوائم۔ اور جب آڑی کوریا نے اپنے بچاؤ کی خاطر دکھلی کوریا پر حملہ بول دیا تو اسے انفریشن کہ کر امریکا لوائی میں کود پڑا اور چاٹکی سے اپنے کودنے کو ہو۔ لیکن او سے ٹھیک ثابت کرا لیا۔ آئین ہاور کا امریکا آج وہی کرتے جا رہا ہے جو ٹرومن نے کیا۔ ٹرومن نے جو کام دب چھپ کر کیا تھا اسی کام کو آئین ہاور قنکے کی چوٹ پر کرنا چاہتے ہیں۔ آج فارموسا اور چین بالکل ایسے ہی ہیں جیسے دکھلی کوریا اور آڑی کوریا۔ فارموسا کی سرکار الگ۔ وہ بالکل دوسروں کے قابو میں۔ چین کی سرکار الگ اس کی حکومت بالکل اپنے تھلک کی۔ یہ وہی کوریا کی طرح ہے جاپان اور فارموسا ایک، یعنی ایک ہی ملک کے دو حصے۔

آئین ہاور چاہتے ہیں فارموسا چین پر حملہ بول دے اور ہو۔ لیکن او اسے انفریشن نہ کہہ۔ لیکن اگر چین اپنے بچاؤ میں فارموسا پر حملہ بول دے اور اسی ناتے ان جاپانی آئین ہاور پر ہم کرا دے جہاں فارموسا کے امریکی مددگار فارموسا والوں کو ہم کرا لے کی تعلیم دے رہے ہیں تو اس کو ہو۔ لیکن او انفریشن قرار دے دے۔

ہندوستانی پالیسی کے بارے میں ہندوستان کی حکومت جانتی پالیسی کے بارے میں ہندوستان کی حکومت جانتی ہے۔ حکومت جانتی ہے کہ وہ کب کس کو انفریشن کا نام دے گی۔

ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف ایک اینٹ اٹھا کر پھینکتا ہے تو اینٹ انفریشن جانی جائے یا اینٹ پھینکنے والا۔ کوئی بھولتوف بھی اینٹ کو انفریشن نہیں کہتا۔

اگر کوئی آدمی کھل اورہ کر شہد کی مکھوں کے چیمے کو بھوکا کر گھروالوں پر حملہ کرلے تو شہد کی مکھوں انفریشن سمجھی جائیں گی یا کھل والا؟ ایک بھولتوف بھی شہد کی مکھوں کو انفریشن نہیں کہتا۔ وہ بھی انفریشن کھل والے کو کہتا۔

اگر کسی محلہ میں ایک آدمی محلہ کے کسی کتے کو بھوکا کر کسی آئے جانے والے پر حملہ

ہندوستانی پالیسی کے بارے میں ہندوستان کی حکومت جانتی ہے۔ حکومت جانتی ہے کہ وہ کب کس کو انفریشن کا نام دے گی۔

ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف ایک اینٹ اٹھا کر پھینکتا ہے تو اینٹ انفریشن جانی جائے یا اینٹ پھینکنے والا۔ کوئی بھولتوف بھی اینٹ کو انفریشن نہیں کہتا۔

اگر کوئی آدمی کھل اورہ کر شہد کی مکھوں کے چیمے کو بھوکا کر گھروالوں پر حملہ کرلے تو شہد کی مکھوں انفریشن سمجھی جائیں گی یا کھل والا؟ ایک بھولتوف بھی شہد کی مکھوں کو انفریشن نہیں کہتا۔ وہ بھی انفریشن کھل والے کو کہتا۔

اگر کسی محلہ میں ایک آدمی محلہ کے کسی کتے کو بھوکا کر کسی آئے جانے والے پر حملہ

اگر کوئی آدمی کھل اورہ کر شہد کی مکھوں کے چیمے کو بھوکا کر گھروالوں پر حملہ کرلے تو شہد کی مکھوں انفریشن سمجھی جائیں گی یا کھل والا؟ ایک بھولتوف بھی شہد کی مکھوں کو انفریشن نہیں کہتا۔ وہ بھی انفریشن کھل والے کو کہتا۔

اگر کسی محلہ میں ایک آدمی محلہ کے کسی کتے کو بھوکا کر کسی آئے جانے والے پر حملہ

اگر کوئی آدمی کھل اورہ کر شہد کی مکھوں کے چیمے کو بھوکا کر گھروالوں پر حملہ کرلے تو شہد کی مکھوں انفریشن سمجھی جائیں گی یا کھل والا؟ ایک بھولتوف بھی شہد کی مکھوں کو انفریشن نہیں کہتا۔ وہ بھی انفریشن کھل والے کو کہتا۔



آبادی کے بعد سے ایسی سب باتوں کو त्याग دیا گیا ہے۔ جو جتنی لمبی دشواری سے ہو سکتی ہے وہ اُٹلی ہی ہو آمدنی کی جگہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ پہلے بھی ٹرانک کی غلطیوں سے درگتگاہوں ہوتی تھیں، لیکن وہ دور دورہ دیکھ میں غلطی ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ غلطیاں اب بڑھ گئی ہیں اور شاید دہشتی ہی جارہی ہیں۔

اوپر کی باتوں سے دو موثر نتیجے نکلتے ہیں: ایک یہ کہ دشواری کا بازار بڑی طرح گرم ہے جس کے کارن تھوڑے دیر کے بعد کا خیال کرنا ضروری ہے۔ دار کے دار سے مل جاتے ہیں۔ یہ لوگ کام کرنے کے بجائے ہوسہ کمانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ سنیے میں آیا ہے جس پر کوئی مستحضر دیکھ بہت دل پر دست کر رہا ہے۔ ابھی حال میں لکھنؤ اور الہ آباد کے بیچ چلنے والی جلیا ایسٹریس 'اوپنچاہار' کے قریب پتروں سے اُتر گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں سراسر استھلہ کی غلطی تھی۔ ٹھیک۔ ہونے پر بار بار چیتاؤنی دی لیکن استھلہ صاحب نے اس کی بات نہیں مانی۔ نتیجہ جو ہونا تھا سو ہوا۔

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ سرکار جان بچانے کے لیے ہوشیار رہنے کے چکر میں رہتی ہے۔ اسی کارن اسات ضرورت سے کم زیادہ کم ہے۔

اس طرح بات صاف ہو جاتی ہے کہ کسی دہشتی یا سلسلہ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے بلکہ سرکاری مشینوں کے کارن ہی یہ درگتگاہوں ہو رہی ہیں۔ سرکار دشواری ہاؤ بلڈ نہیں کر سکتی، یہ اس کے بس نے باہر کی بات ہے۔ لیکن وہ اسات ضرور پوچھا سکتی ہے۔ صرف کام کے ٹھیکے لگتا دیکھ سے ہی کافی درگتگاہوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ انسانی جانوں اور بھارت کی گاڑی کٹائی سے خریدے انجلیوں کی پرہیزی کے نام پر ہمارے سرکار سے اپیل ہے کہ وہ اس طرف سے دھیان دے!

5. 2. '53

—موجیہ ریاضی

—محبوب ریاضی

5. 2. '53

## نئے گنگا کا ابگریشن

اگر امریکہ کے پاس ایٹم بم نہ ہوں تب امریکہ دنیا کی طاقتوں میں تیسرے درجہ کی تو کیا چوتھے درجہ کی ہی طاقت نہ رہ جائے۔ زمین کی لکڑی میں وہ سب طاقتوں سے کمزور ہے۔ اعلیٰ سامنے ہو کر لوائی لونا تو اس کی طاقت سے ایک دم باہر ہے۔

ایٹم بم نے امریکہ کو بے حد پولا دیا ہے اور اسے ایٹم بم کے نام سے دنیا سے بڑا لینے کی خواہش ہے جس کے ایک چھوٹے سے ملک جاپان نے ابھی دس برس پہلے نہیں دیکھے اس کا خاکوں دم کر دیا تھا۔



پٹریاں ٹیک نہ ہوں گی تو دھڑکنے لگیں۔ لاہری تہہ پر ہوں گی۔  
لاہریوں پر کام کرنے والے مچھروں نے جو جانکاری ہمیں  
دی ہے وہ یہ ہے: لاہریوں پر پہلے پانچ فٹ گہرا گڑھا  
خودا جاتا ہے اور پھر اس کو گتے سے پاتا جاتا ہے۔ اس کام کو  
”پٹری گھانا“ کہتے ہیں۔ گتوں پر سلیٹ بچھائی  
جاتی ہے اور سلیٹ کے اوپر اوچے کی لائنیں جڑی جاتی  
ہیں۔ چھلکا ہی گہرا گڑھا مولا آندا ہی کم چھلکا لائنوں  
کو لگے گا۔ برقی زمانے میں توں مہل کی لائن تھلک  
کرنے کے لئے ہوس آدمیوں کا گھلک دھتا تھا۔ وہ ہوس  
لائن کا ڈیمے دار تھا۔ دو آدمیوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ  
8 سلیٹ روز گھایا کریں۔

کانگریس سرکار آنے پر کام کے دنگ میں تھکلی کی  
گئی: (1) گڑھا پانچ فٹ گہرا خودنے کی جگہ تین فٹ  
ہی خودا جانے لگا (2) آٹھ سلیٹ رول گھانے  
کی جگہ دو آدمیوں کو چار سلیٹ رول گھانے کا حکم دیا گیا۔  
(3) پورے ہندوستان میں ڈاڑھ لاکھ  
گنگمیں تھے۔ سرکار نے پچاس ہزار کی کٹنی کر دی۔  
اس کارن جو تیس آدمی تین مہل لائن کے ڈیمے دار تھے انہوں چار مہل  
مہل کی ڈیمے داری دے دی گئی۔

مچھروں کا کہنا ہے کہ اُن کو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ  
کام کرنا پڑتا تھا، اوپر سے آندا کام اور ہوتا دیا گیا ہے۔ وہ  
الٹری دھونس میں اُن کو کام کی خواہ پری کر دیتے ہیں  
لیکن انہوں اس سے مطلب نہیں ہوتا کہ کام خراب ہوا  
ہے یا اچھا۔ نہ اُن کا کچھ بگڑتا ہے اور نہ ادھکاریوں۔  
چھلکا کی جان جاتی ہے اور اُس کی گڑھی کٹائی سے  
خوب دے ہوئے آٹھوں کی بربادی ہوتی ہے۔

برقی زمانے میں ہوشیار گنگمیں رکھے جاتے تھے۔ ایک  
ایک طرح سے اُن کی ایک نسل چل گئی تھی۔ جو گھلک  
میں دو چار بار کام کر لیتا تھا اُس کو ہمیشہ کم دیا جاتا  
تھا۔ آزادی کے بعد سے گھلک مہلوں کی بھرتی میں  
بہی زوروں کی رشوت چلنے لگی۔ جو دو چار بار کام کر لیتا  
ہے وہ سمجھتا ہے کہ کام ملنا اس کا حق ہے اور وہ رشوت  
نہیں دیتا۔ نئے لوگ آتے ہیں تو ادھکاریوں کی جواب  
گرم ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ نئے نئے آدمیوں کے  
سہرہ لائن کا کام کر دیا جاتا ہے۔

لائنوں اتنی خراب ہیں وہی ہیں کہ ایک قرائدور نے  
شکایت کرتے ہوئے کہا: ہتھکڑی سے ہمارا ہمت ملنے لگتا  
ہے اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔

### ترائک

### ٹرائک

برقی زمانے میں نئے نئے ونگروں کو پہلے چھوٹے  
چھوٹے استیشنوں پر رکھ کر ٹرائنگ دی جاتی تھی اور پورے  
کھڑے کار لکوں کو بڑے بڑے استیشنوں پر بھیجا جاتا تھا۔ لیکن

برقی زمانے میں نئے نئے ونگروں کو پہلے چھوٹے  
چھوٹے استیشنوں پر رکھ کر ٹرائنگ دی جاتی تھی اور پورے  
کھڑے کار لکوں کو بڑے بڑے استیشنوں پر بھیجا جاتا تھا۔ لیکن







(7) ہندوستان کے تدریج بنے رہنے میں اور بنے رہنے دینے میں ہی سب ملکوں کا نفا ہے اور دنیا کا نفا ہے۔

(8) ہندوستان کے تدریج رہتے رہتے یہ بات مفرکی ن ہی مالمم ہوتی ہے کی کاندی لکائی دنیا کی لکائی میں بدل جای۔ اور اگر بدل ہی جای تو وہ تیسری لکائی دنیا کی بربادی کا ہتنا ضرور دست کارن ن بن سکتی جیتنا یہ جب بناتی جب ہندوستان کسی یک بلاک میں مل گیا ہوتا۔

(9) ہندوستان کا فیل گاंधی جان پر खेल गया، पर सब को खुशबू देता रहा. किसी एक का बनकर न दिया. अपनी पाली पोसी कांग्रेस से भी अलग हो गया. पर सबको एक आंख से देखने की आज्ञा न छोड़ी. आज के हिन्दुस्तान की हकूमत उसी की देन है. उस की निगरानी में सारा हिन्दुस्तान जान पर खेल जाना पसन्द करेगा. पर किसी एक ब्लॉक में मिलकर न देगा और अपने जीते जी दोनों का समतोल बनाए रखेगा.

5. 2. '63

— भगवानदीन

## रेलवे दुर्घटनायें क्यों?

आजादी के बाद से रेलवे दुर्घटनायें बहुत बढ़ गई हैं. इनकी जिम्मेदारी सरकार कभी किसी राजकाजी पार्टी के सिर थोप देती है और कभी किसी व्यक्ति को दोषी ठहराती है. लेकिन आज तक सरकार दोष लगाती तो जरूर रही है पर उन्हें सिद्ध नहीं कर पाई. इसीलिये सरकार के बयान हमारे गले नहीं उतरते. जांच कमीशन बैठायें जरूर जाते हैं लेकिन वह गोलमोल बात कर के मामला टला देते हैं और सरकार अपने को समझा लेती है कि दस-पांच दुर्घटनायें भी हिन्दुस्तान में न हों तो बात हां क्या है; अमरीका बौरा में तो आप दिन ऐसे हावसे होते रहते हैं.

इस सम्बन्ध में हमने ज्ञानबीन की है. ड्रायवर्स, फायरमैन, कुलियों, गाडों, गैंगमैन और रेलवे के दूसरे तजुर्बेकार मुलाखिमों से जो जानकारी हमें मिली है वह हम पाठकों के सामने रखते हैं. यह लोग मोटे तौर पर पूरे रेलवे महकमे को तीन हिस्सों में बांटते हैं: (1) लोकोमोटिव (2) इंजीनियरिंग (3) ट्राफिक. ऊपर लिखे सब तरह के व्यक्तियों से बात करने के बाद हम इस नतीजे पर पहुंचे हैं कि महकमे के तीनों भाग दुर्घटनाओं के जिम्मेदार हैं.

### लोकोमोटिव

शियादातर अडियों में कनाडियन इंजिन लगा दिये गए हैं. यह इंजिन देखने में तो बहुत भारी भर कम हैं लेकिन इनकी बाडी बहुत सराब है. चलते समय यह पटरियों को बहुत हका देते हैं, जिसकी वजह से पटरी से उतर जाने का खतरा रहता है. भारी होने के कारण इन्हें ईंधन की शियादा जरूरत

(7) हलستان کے تدریج بنے رہنے میں اور بنے رہنے

دینے میں ہی سب ملکوں کا نفع ہے اور دنیا کا نفع ہے.

(8) ہلستان کے تدریج رہتے رہتے یہ بات مشکل

ہی معلوم ہوتی ہے کہ کوئی لوائی دنیا کی لوائی میں بدل جائے. اور اگر بدل ہی جائے تو وہ تیسری لوائی دنیا کی بربادی کا اتنا زبردست کارن نہ بن سکے گی جتنا وہ جب ہلتی جب ہلستان کسی ایک بلاک میں مل گیا ہوتا.

(9) ہلستان کا پھول گاندھی جان پر کھل گیا،

پر سب کو خوشبو دیتا رہا. کسی ایک کا بن کر نہ دیا.

اپنی پالی پوسی کانگریس سے بھی الگ ہو گیا. پر سب

کو ایک آنکھ سے دیکھنے کی عادت نہ چھوڑی. آج کے

ہلستان کی حکومت اسی کی دین ہے. اسکی نگرانی

میں سارا ہلستان جان پر کھل جانا پسند کرے گا

پر کسی ایک بلاک میں مل کر نہ دے گا اور اپنے جیتے جی

دونوں کا سمبول بنائے رکھے گا.

— بھگوان دیون

5-2-63

## ریلوے درگھٹنائیں کیوں؟

آزادی کے بعد سے ریلوے درگھٹنائیں بہت بڑھ گئی ہیں. ان کی ذمے داری سرکار کبھی کسی راج کاجی پارٹی کے سر تھوپ دیتی ہے اور کبھی کسی دیکھتی کو دوشی تھپراتی ہے. لیکن آج تک سرکار دوشی لگاتی تو ضرور دہی ہے پر انہیں سدھ نہیں کر پاتی. اسی لئے سرکار کے بیان ہمارے گلے نہیں اُترتے. جاسچ کمیشن بھٹانہ ضرور جاتے ہیں لیکن وہ ٹول ٹول بات کر کے معاملہ نہ دیتے ہیں اور سرکار اپنے کو سمجھا دیتی ہے کہ جس یانچ درگھٹنائیں بھی ہلستان میں نہ ہوں تو بات ہی کیا ہے؛ امریکہ وغیرہ میں تو آئے دن ایسے حادثے ہوتے رہتے ہیں.

اس سلسلہ میں نے چھان بین کی ہے. ڈرائیوروں، فوئرسمین، لکھوں، ڈرائیور، ٹھلنگ سہلوں اور ریلوے کے دوسرے تاجر کے کار ملازموں سے جو جانکاری ہمیں ملی ہے وہ ہم ہاتھوں کے سامنے رکھتے ہیں. یہ لوگ سوئے طور پر ہارے ریلوے محکمے کو تین حصوں میں بانٹتے ہیں: (1) لوکو موٹرو (2) انجینئرنگ (3) ٹرافک. اوپر لکھے سب طرح کے دیکھتوں سے بات کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ محکمے کے تھلوں بھاگ درگھٹناؤں کے ذمے دار ہیں.

### لوکو موٹر

یادہ تر ڈرائیور میں کتاہیں انجن لگا دیتے گئے ہیں. یہ انجن دیکھتے ہیں تو بہت بھاری بھر کم ہیں لیکن ان کی باقی بہت خراب ہے. چلتے صے یہ پٹریوں کو بہت ہچکا دیتے ہیں جس کی وجہ سے پٹری سے اُتر جانے کا خطرہ رہتا ہے. بھاری ہارے کارن انہوں ایادھن کی زیادہ ضرورت



(1) ہندوستان غریب ملک ہے۔ اس کے یہ مانے نہیں کہ یہ کوئی بھوکوں مرنا دیکھ رہا ہے۔ ہاں، دو ایک ملک سے کم مالدار ہے۔ یعنی اگر اس کی ساری سمجھتی سب لوگوں میں بٹھک سے باقی رہ جائے تو پھر یہ غریب دیکھ نہیں رہا جائے گا۔ غریب دیکھ ہم صرف اس کو اس لئے کہ وہ ہوں کہ یہاں غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مالداروں کی تعداد بہت کم۔

(2) غلط یا صحیح معمولی پرچار سے غریب لوگوں میں سماج واد کا پودا جتنی جلدی جو پکڑتا ہے اتنی جلدی پونجی واد کا پودا جو نہیں پکڑ سکتا۔ ہندوستان میں کچھ ہی دنوں میں سماج واد کی خھالوں نے آدھے سے زیادہ آدمیوں کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے، باقی آدھے سے کم بھی پونجی واد کے پیکے پھروکار نہیں۔ موقع پڑے پر ان کی بہت بڑی تعداد سماج واد کی طرف چھٹکے گی۔ اس لئے سماج واد کا پلہ اور بھی بڑی ہو جائے گا۔

(3) کوئی ویدیشی بہت کوشش کر لے پر بھی یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ ہندوستان میں کتنے سماج واد ہیں۔ ہندوستان کی حکومت بھی اگر چاہے تو ان کی تعداد کا پتہ نہیں لگا سکتی۔

(4) سماج واد ایک دھرم ہے۔ ہندوستان میں دھرم انوکھے ڈھنگ سے کھلتے ہیں۔ جب آریہ سماجی ایک لاکھ تھ تھکے سماج کے خھال کے آدھوں کی تعداد ایک ایک کروڑ تھی۔ اور اب تو ایک طرح سے دسھوں کروڑ آریہ سماج کے خھال دکھتے ہیں، پر آریہ سماجی نہیں کہتے۔ ہندوستان میں تھک اس طرح سے سماج واد پھیل چکا ہے۔ سماج وادوں کی تھک تھک تعداد گورنمنٹ کا قریب قریب ہر ایک آدمی الگ الگ اچھی طرح جانتا ہے، پر سرکار کے سب سے بڑے ہالک نہیں جانتا، کیونکہ اس کے لئے ثبوت چاہئے۔ پر کہتے ہیں والا ثبوت کہیں ہے ہی نہیں۔

(5) سماج وادوں کا نہ دیکھائی دینے والا بکھراؤ اسی وقت تک نہ دیکھائی دینے والا رہے گا جب تک ہندوستانی سرکار تگستہ رہی رہے گی۔ جس سے ہندوستانی سرکار کا پلہ پونجی واد کی طرف معمول سے زیادہ جھکا تو سماج وادوں کا یہ سارا بکھراؤ ایک دم سنگتہ ہو جائے گا اور سرکار کے مقابلے کے لئے آواز ہو جائے گا یعنی ہندوستان میں گھریلو لڑائی چھو جائے گی۔

(6) اگر ہندوستانی سرکار معمول سے زیادہ سماج واد کی طرف چھٹکی تو انگلیوں پر گنا جائے والا پونجی واد کی دل دیکھوں کے ہاتھوں کا کام کرے گا۔ اس کی وجہ سے ایک طوفان تو کھڑا ہوگا پر جلدی دبا جاسکے گا۔ ان کی وجہ سے گھریلو لڑائی کی نوبت آ جائے ایسا نہیں ہو سکے گا۔

(1) ہندوستان غریب ملک ہے۔ اس کے یہ مانے نہیں کہ یہ کوئی بھوکوں مرنا دیکھ رہا ہے۔ ہاں، دو ایک ملک سے کم مالدار ہے۔ یعنی اگر اس کی ساری سمجھتی سب لوگوں میں بٹھک سے باقی رہ جائے تو پھر یہ غریب دیکھ نہیں رہا جائے گا۔ غریب دیکھ ہم صرف اس کو اس لئے کہ وہ ہوں کہ یہاں غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مالداروں کی تعداد بہت کم۔

(2) غلط یا صحیح معمولی پرچار سے غریب لوگوں میں سماج واد کا پودا جتنی جلدی جو پکڑتا ہے اتنی جلدی پونجی واد کا پودا جو نہیں پکڑ سکتا۔ ہندوستان میں کچھ ہی دنوں میں سماج واد کی خھالوں نے آدھے سے زیادہ آدمیوں کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے، باقی آدھے سے کم بھی پونجی واد کے پیکے پھروکار نہیں۔ موقع پڑے پر ان کی بہت بڑی تعداد سماج واد کی طرف چھٹکے گی۔ اس لئے سماج واد کا پلہ اور بھی بڑی ہو جائے گا۔

(3) کوئی ویدیشی بہت کوشش کر لے پر بھی یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ ہندوستان میں کتنے سماج واد ہیں۔ ہندوستان کی حکومت بھی اگر چاہے تو ان کی تعداد کا پتہ نہیں لگا سکتی۔

(4) سماج واد ایک دھرم ہے۔ ہندوستان میں دھرم انوکھے ڈھنگ سے کھلتے ہیں۔ جب آریہ سماجی ایک لاکھ تھ تھکے سماج کے خھال کے آدھوں کی تعداد ایک ایک کروڑ تھی۔ اور اب تو ایک طرح سے دسھوں کروڑ آریہ سماج کے خھال دکھتے ہیں، پر آریہ سماجی نہیں کہتے۔ ہندوستان میں تھک اس طرح سے سماج واد پھیل چکا ہے۔ سماج وادوں کی تھک تھک تعداد گورنمنٹ کا قریب قریب ہر ایک آدمی الگ الگ اچھی طرح جانتا ہے، پر سرکار کے سب سے بڑے ہالک نہیں جانتا، کیونکہ اس کے لئے ثبوت چاہئے۔ پر کہتے ہیں والا ثبوت کہیں ہے ہی نہیں۔

(5) سماج وادوں کا نہ دیکھائی دینے والا بکھراؤ اسی وقت تک نہ دیکھائی دینے والا رہے گا جب تک ہندوستانی سرکار تگستہ رہی رہے گی۔ جس سے ہندوستانی سرکار کا پلہ پونجی واد کی طرف معمول سے زیادہ جھکا تو سماج وادوں کا یہ سارا بکھراؤ ایک دم سنگتہ ہو جائے گا اور سرکار کے مقابلے کے لئے آواز ہو جائے گا یعنی ہندوستان میں گھریلو لڑائی چھو جائے گی۔

(6) اگر ہندوستانی سرکار معمول سے زیادہ سماج واد کی طرف چھٹکی تو انگلیوں پر گنا جائے والا پونجی واد کی دل دیکھوں کے ہاتھوں کا کام کرے گا۔ اس کی وجہ سے ایک طوفان تو کھڑا ہوگا پر جلدی دبا جاسکے گا۔ ان کی وجہ سے گھریلو لڑائی کی نوبت آ جائے ایسا نہیں ہو سکے گا۔



# ہماری رائے

## لڑائی کے बादل

آہلچمن ہاوبر کے گاہیپر بیٹھے ہی دूर پورب میں لڑائی کے बादل جمنے لگے۔

کچھ دینوں یہ حال رہے گا کہ کدھی کدھی ایسا معلوم ہوا کہ बादل کھرے جم گئے ہیں اور برسے کو ہی ہیں۔ اور جلدی ہی یہ معلوم ہونے لگے گا کہ बादل تھر بھر ہو رہے ہیں اور بارش نہیں ہوئی۔

اگل کے موقع پر معمولی बादل کا ٹکڑا اناج کے ہواؤ پر اتر ڈال دیتا ہے۔ توہک اسی طرح شانتی کی حالت میں لڑائی کے बादل کا معمولی سا ٹکڑا دنیا کی تمام چیزوں کی ہواؤں پر اتر ڈال دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے امریکہ نے اسی خیال سے لڑائی کے बादل کا یہ ٹکڑا آسمان پر پھینکا ہو! لہور کرے یہی بات سچ نکلے۔

پر یہ بات سچی ہوتی نظر نہیں آتی، کیونکہ امریکہ کی گدی ایک فوجی جہل کے ہاتھ میں ہے اور فوجی جہل ہی ایسا جس کے اوپر کسی کا دباؤ نہیں۔

امریکہ صرف کھلمے کے لئے لوک شامی ہے۔ صلی طور پر وہ نثر راج شامی اور سامراج شامی ہے اور پھر تانا شامی تو ہے ہی۔

کوریہ کے معاملے میں وہ ہوا جو ٹرومن صاحب نے چاہا اور ٹرومن صاحب نے وہ چاہا جو فوجی جہل میک آرڈر نے چاہا۔

دنیا کے کسی حصہ پر آج اتلی زور کی لڑائی چھوٹی ہے تو جو تیسری دنیا کی لڑائی کا کارن بن سکتی ہے، وہ امریکہ یعنی آئین ہاور کی چھوٹی ہوئی ہو سکتی ہے یا اس کے اشارے پر چھوٹی ہو سکتی ہے۔

لڑائی کے बादل کے جو ٹکڑے دور پورب میں ساری دنیا کو نظر آنے لگے ہیں، وہ امریکہ کے ہاتھ کے پھینکے ہوئے ہیں، یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ٹکڑے تیسری لڑائی کی سرنگ کا لہجہ ثابت ہوں۔ ایسور نہ کرے ایسا ہو! اگر ایسا ہوا تو هندستان کے بارے میں ساری دنیا عام طور سے اور امریکہ خاص طور سے نہچنے کی باتیں نہت کرے:

## لڑائی کے बादل

آئین ہاور کے گدی پر بیٹھے ہی دور پورب میں لڑائی کے बादل جمنے لگ گئے۔

کچھ دنوں یہ حال رہے گا کہ کدھی کدھی ایسا معلوم ہوا کہ बादل کھرے جم گئے ہیں اور برسے کو ہی ہیں۔ اور جلدی ہی یہ معلوم ہونے لگے گا کہ बादل تھر بھر ہو رہے ہیں اور بارش نہیں ہوئی۔

اگل کے موقع پر معمولی बादل کا ٹکڑا اناج کے ہواؤ پر اتر ڈال دیتا ہے۔ توہک اسی طرح شانتی کی حالت میں لڑائی کے बादل کا معمولی سا ٹکڑا دنیا کی تمام چیزوں کی ہواؤں پر اتر ڈال دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے امریکہ نے اسی خیال سے لڑائی کے बादل کا یہ ٹکڑا آسمان پر پھینکا ہو! لہور کرے یہی بات سچ نکلے۔

پر یہ بات سچی ہوتی نظر نہیں آتی، کیونکہ امریکہ کی گدی ایک فوجی جہل کے ہاتھ میں ہے اور فوجی جہل ہی ایسا جس کے اوپر کسی کا دباؤ نہیں۔

امریکہ صرف کھلمے کے لئے لوک شامی ہے۔ صلی طور پر وہ نثر راج شامی اور سامراج شامی ہے اور پھر تانا شامی تو ہے ہی۔

کوریہ کے معاملے میں وہ ہوا جو ٹرومن صاحب نے چاہا اور ٹرومن صاحب نے وہ چاہا جو فوجی جہل میک آرڈر نے چاہا۔

دنیا کے کسی حصہ پر آج اتلی زور کی لڑائی چھوٹی ہے تو جو تیسری دنیا کی لڑائی کا کارن بن سکتی ہے، وہ امریکہ یعنی آئین ہاور کی چھوٹی ہوئی ہو سکتی ہے یا اس کے اشارے پر چھوٹی ہو سکتی ہے۔

لڑائی کے बादل کے جو ٹکڑے دور پورب میں ساری دنیا کو نظر آنے لگے ہیں، وہ امریکہ کے ہاتھ کے پھینکے ہوئے ہیں، یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ٹکڑے تیسری لڑائی کی سرنگ کا لہجہ ثابت ہوں۔ ایسور نہ کرے ایسا ہو! اگر ایسا ہوا تو هندستان کے بارے میں ساری دنیا عام طور سے اور امریکہ خاص طور سے نہچنے کی باتیں نہت کرے:



‘نیا ہند’ میں کر چکے ہیں۔ آج ساتویں पुस्तक ‘धर्म के नाम पर’ किताब کے بارے میں نیچے لکھتے ہیں۔

یہ کتاب 128 صفحوں کی ہے۔ دامن ہے ڈیڑ روپيا، اچھا بہت ساف ہے۔ یہ کرنل انگر سول کے دیاکھان اور نیشنلسٹوں کا مंत्री ہندی میں بامہاوارا अनुवाद है भद्रन्त आनन्द कोसल्यायन. आनन्द जी की लेखनी से सब हिन्दी पाठक अच्छी तरह परिचित हैं. रही किताब की बात वह सचमुच ऐसी है कि उसको पढ़ कर यह हो ही नहीं सकता कि आदमी के अन्दर का आत्मा एक बार हर तरह आघात होने के लिये उछल न पड़े. यों तो इस किताब में ईसाई धर्म के खिलाफ ही प्रियादा लिखा गया है पर वह ऐसा लिखा गया है कि हर धर्म के खिलाफ उसे पढ़ा जा सकता है. धर्म अगर सचाई, ईमानदारी, प्रेम, शील और संतोष जैसे गुणों का नाम है तब तो यह कहना चाहिये कि यह पुस्तक सच्चे मानों में धर्म पुस्तक है क्योंकि इस में इन्हीं गुणों पर जोर दिया गया है. हाँ, अगर धर्म से यह मतलब है कि गिरजों, मंदिर, मसजिद जाना, या पादरी, मुल्ला, मोहितों के हाथ बिक जाना, या नरक से डरना और स्वर्ग पाने की इच्छा करना या यह समझना कि सब कुछ ईश्वर के ही हाथ में है तब यह पुस्तक बेशक धर्म के खिलाफ है. यह किताब तो विचारों की पूरी आघाती देती है और इस नाते हो सकता है जो धर्म के कट्टर हैं वह इससे बिगड़ बैठें और ऐसी सरकारें भी इस किताब को पढ़ कर नाक भौं चढ़ाएं जो बेमतलब के दिखावे में विश्वास रखती हैं, और जो तमाशे के लिये अपने राजाओं पर या अपने प्रेसीडेण्टों पर लाखों का स्वाहा कर देती हैं.

यह पुस्तक ही नहीं, इस माला की सब पुस्तकें इस प्रकार हैं कि घर में रहें और हर हिन्दी जानकार के हाथ में दिखाई दें.

इसी हिन्दी ग्रंथ रत्नाकर की दो किताबें हमें और मिली हैं. एक शरत् पत्रावली यानी बंगाली महाहर उपन्यास का शरत् बाबू की चिट्ठियों का हिन्दी अनुवाद और दूसरी है उनकी उन कहानियों का संग्रह जो शरत् बाबू पूरी न कर पाए, अधूरी छोड़ गए.

शरत् बाबू की किताबों के अनुवाद के बारे में इतना कहना काफी है कि यह अनुवाद और अनुवादकों से अच्छा तो है ही पर कहीं भी ऐसा नहीं हुआ कि बंगाली का आनन्द कम हुआ हो. उसके अनुवादक हैं महादेव जी साहा. अच्छा खुद भी तो बंगला के बहुत अच्छे जानकार हैं.

—भगवानदीन

‘نیا ہند’ میں کرچکے ہیں۔ آج ساتویں पुस्तक ‘धर्म के नाम पर’ किताब کے بارے میں نیچے لکھتے ہیں۔

یہ کتاب 128 صفحوں کی ہے۔ دامن ہے ڈیڑ روپيا، اچھا بہت ساف ہے۔ یہ کرنل انگر سول کے دیاکھان اور نیشنلسٹوں کا مंत्री ہندی میں بامہاوارا अनुवाद है भद्रन्त आनन्द कोसल्यायन. आनन्द जी की लेखनी से सब हिन्दी पाठक अच्छी तरह परिचित हैं. रही किताब की बात वह सचमुच ऐसी है कि उसको पढ़ कर यह हो ही नहीं सकता कि आदमी के अन्दर का आत्मा एक बार हर तरह आघात होने के लिये उछल न पड़े. यों तो इस किताब में ईसाई धर्म के खिलाफ ही प्रियादा लिखा गया है पर वह ऐसा लिखा गया है कि हर धर्म के खिलाफ उसे पढ़ा जा सकता है. धर्म अगर सचाई, ईमानदारी, प्रेम, शील और संतोष जैसे गुणों का नाम है तब तो यह कहना चाहिये कि यह पुस्तक सच्चे मानों में धर्म पुस्तक है क्योंकि इस में इन्हीं गुणों पर जोर दिया गया है. हाँ, अगर धर्म से यह मतलब है कि गिरजों, मंदिर, मसजिद जाना, या पादरी, मुल्ला, मोहितों के हाथ बिक जाना, या नरक से डरना और स्वर्ग पाने की इच्छा करना या यह समझना कि सब कुछ ईश्वर के ही हाथ में है तब यह पुस्तक बेशक धर्म के खिलाफ है. यह किताब तो विचारों की पूरी आघाती देती है और इस नाते हो सकता है जो धर्म के कट्टर हैं वह इससे बिगड़ बैठें और ऐसी सरकारें भी इस किताब को पढ़ कर नाक भौं चढ़ाएं जो बेमतलब के दिखावे में विश्वास रखती हैं, और जो तमाशे के लिये अपने राजाओं पर या अपने प्रेसीडेण्टों पर लाखों का स्वाहा कर देती हैं.

یہ ہستک ہی نہیں، اس مالا کی سب ہستکوں اس قابل ہوں کہ گھر میں رہیں اور ہر ہندی جانکار کے ہاتھ میں دکھائی دیں.

اسی ہندی گرنٹھ رتنا کر کی دو کتابیں ہوں اور ملی ہوں. ایک شرت پتراولی یعنی ہنگالی مشہور اینٹھاس کا شرت بابو کی چٹھوں کا ہندی انواد اور دوسری ہے ان کی ان کہانیوں کا سنگرہ جو شرت بابو پوری نہ کر پائے، ادھوری چھوڑ گئے.

شرت بابو کی کتابوں کے انواد کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ انواد اور انوادوں سے اچھا تو ہے ہی نہ کہیں بھی ایسا نہیں ہوا نہ ہنگالی کا آند کم ہوا ہو، اس کے انوادک ہوں مہا دیو جی ساہا. ہرکاتک خود بھی تو ہنگلے کے بہت اچھے جانکار ہیں.

—بھگوان دیو



فروری 53ء



سے کم پونجی لیا جاسکتی۔ نئی کمپنی پر سرکار کا انڈسٹریل (ڈیولپمنٹ انڈ رگولیشن) ایکٹ بھی لاگو نہ ہوگا۔

آخر میں سرکار نے یہ بھی مان لیا کہ اس کارخانے میں ساکف ہونے والا تیل وہی ماہ پر بچا جس ماہ پر باہر سے آنے والا تیل یہاں بچتا ہے۔ دیہی کے اندر کارخانہ کھل جانے پر بھی خریداروں کو پہلے سے تھوڑا سا تیل نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ جو دو دیہی کمپنیاں (ایک انگریزی اور ایک امریکی) یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے والی ہیں، ان کو بھی یہ ساری سوودھائیں مل سکیں گی۔

### امریکی پونجی پتوں کے لالچ کی حد نہیں

امریکی راجدوت وینسٹر باؤلس نے ان سوودھائیوں کا ٹھیکہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیہی پونجی کے بارے میں بھارتی نیتوں کا رخ بدل رہا ہے:

”ان تین تیل کی کمپنیوں کو جو بھارت میں تیل صاف کرنے کے کارخانے بنا رہی ہیں، 25 سال تک راجدوتی کرنے نہ کرنے کا جو ارادہ اس وقت اور جو دوسرے لالچ دے گئے ہیں ان کی دو ایک سال پہلے کھینچ لی گئی تھی۔“ (امریکی پتر فارن افرس میں پرکاشت ”نویں بھارت“ شورشک لکھ)

ان سوودھائیوں سے بھی امریکی پونجی پتوں کو سنبھالنا نہیں ہے۔ نئے لالچ اور سامراج کے کھینچنے والے ہیں، اتنی ہی آواز مانتے ہیں۔ باؤلس صاحب اسی لکھ میں آگے فرماتے ہیں:

”بھارت سے لوگوں کی آواز ہے کہ دیہی اور دیہی نئی پونجی لگانے والوں کو آکھت کرنے کے لئے بھارت سرکار ابھی اور لالچ دے سکتی ہے۔ حال میں پورٹوریکو میں جو نیتی اپنائی گئی ہے اس نے لوگوں کا کافی دھیان کھینچا ہے۔ وہاں نئی پونجی پر سرکاری ٹیکس معاف دیکھ گئے ہیں اور دوسری انہیں سوودھائیں دی گئی ہیں جن سے بڑی تیزی سے ادھوک وکاس ہونے لگا ہے۔“

پورٹوریکو امریکا کا ایک گولام ملک ہے۔ باؤلس صاحب لکھتے ہیں کہ ہماری سرکار نے صرف پھانسی اڈیوں کو امریکی پونجی پتوں کے ہاتھوں میں سونپ دے اور انہیں من مانے قہنگ سے ہندوستانی مزدوروں اور ہندوستانی خریداروں کو لوٹنے دے، بلکہ قہنگ پورٹوریکو کی طرح ان پر ٹیکس بھی نہ لگائے۔

یہی وہ باؤلس صاحب ہیں جن نے بھارت پریم سے کد کر کر راج پال شری پرکاش لے لیا تھا کہ انہیں امریکہ کا نہیں بلکہ بھارت کا راج دوت سمجھنا چاہئے!

پہلی لی جائے گی۔ نئی کمپنی پر سرکار کا انڈسٹریل (ڈیولپمنٹ انڈ رگولیشن) ایکٹ بھی لاگو نہ ہوگا۔

آخر میں سرکار نے یہ بھی مان لیا کہ اس کارخانے میں صاف ہونے والا تیل اسی ماہ پر بچا جائے گا جس ماہ پر باہر سے آنے والا تیل یہاں بچتا ہے۔ دیہی کے اندر کارخانہ کھل جانے پر بھی خریداروں کو پہلے سے تھوڑا سا تیل نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ جو دو دیہی کمپنیاں (ایک انگریزی اور ایک امریکی) یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے والی ہیں، ان کو بھی یہ ساری سوودھائیں مل سکیں گی۔

### امریکی پونجی پتوں کے لالچ کی حد نہیں

امریکی راج دوت وینسٹر باؤلس نے ان سوودھائیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیہی پونجی کے بارے میں بھارتی نیتوں کا رخ بدل رہا ہے:

”ان تین تیل کی کمپنیوں کو جو بھارت میں تیل صاف کرنے کے کارخانے بنا رہی ہیں، 25 سال تک راشتری کرنے نہ کرنے کا جو ارادہ اس وقت اور جو دوسرے لالچ دے گئے ہیں ان کی دو ایک سال پہلے کھینچ لی گئی تھی۔“ (امریکی پتر فارن افرس میں پرکاشت ”نویں بھارت“ شورشک لکھ)

ان سوودھائیوں سے بھی امریکی پونجی پتوں کو سنبھالنا نہیں ہے۔ نئے لالچ اور سامراج کے کھینچنے والے ہیں، اتنی ہی آواز مانتے ہیں۔ باؤلس صاحب اسی لکھ میں آگے فرماتے ہیں:

”بھارت سے لوگوں کی آواز ہے کہ دیہی اور دیہی نئی پونجی لگانے والوں کو آکھت کرنے کے لئے بھارت سرکار ابھی اور لالچ دے سکتی ہے۔ حال میں پورٹوریکو میں جو نیتی اپنائی گئی ہے اس نے لوگوں کا کافی دھیان کھینچا ہے۔ وہاں نئی پونجی پر سرکاری ٹیکس معاف دیکھ گئے ہیں اور دوسری انہیں سوودھائیں دی گئی ہیں جن سے بڑی تیزی سے ادھوک وکاس ہونے لگا ہے۔“

پورٹوریکو امریکہ کا ایک قلم دیہی ہے۔ باؤلس صاحب لکھتے ہیں کہ ہماری سرکار نے صرف پھانسی اڈیوں کو امریکی پونجی پتوں کے ہاتھوں میں سونپ دے اور انہیں من مانے قہنگ سے ہندوستانی مزدوروں اور ہندوستانی خریداروں کو لوٹنے دے، بلکہ قہنگ پورٹوریکو کی طرح ان پر ٹیکس بھی نہ لگائے۔

یہی وہ باؤلس صاحب ہیں جن نے بھارت پریم سے کد کر کر راج پال شری پرکاش لے لیا تھا کہ انہیں امریکہ کا نہیں بلکہ بھارت کا راج دوت سمجھنا چاہئے!



اسی قانون کی دھارا 511 (B) میں لکھا ہے :

”کسی بھی ملک کو آرٹھک یا تکنیکی سہائت اس وقت تک نہ دی جائے گی جب تک کہ ایسی سہائت دینے سے امریکا کی سربلانی سیاست مضبوط ہوگی... اور جب تک کہ مدد دینے والا ملک یہ سربلانی نہ کرے کہ دنیا میں توازن کے قانون کو دور کرنے کے لئے وہ ایسی کاروائی کرے گا جو دوسروں میں ضروری سمجھوں۔“ یہ شرطیں پوری ہو جانے کے بعد ہی بھارت کو ڈالر کی حد اور امریکی گران سہاراؤں کی مدد ملی ہے۔ یہ بات نہرو رپورٹ میں بھی شریک شرطیں نہیں ملتے۔

یہ سب پوری ہو جانے کے بعد ہی بھارت کو ڈالروں، خاد اور امریکی گران سہاراؤں کی مدد ملی ہے۔ یہ پابندی نہرو رپورٹ میں بھی شریک شرطیں نہیں ملتے۔

✽

✽

✽

### تیل صاف کرنے کے کارخانے

اب تیل صاف کرنے کے اس کارخانے پر بھی وچار کر لیا جائے جس میں امریکا کی اسٹینڈرڈ اویل کمپنی نے 1680 لاکھ روپے کی پونجی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔

بھارت سرکار بہت دنوں سے اس نیت پر اڑی تھی کہ کم سے کم دنیاوی اور پرموختہ وچوگوں میں ویدشی پونجی کو آنے دیا جائے گا تو صرف اس شرط پر کہ ہندوستانیوں کا بہومت دے گا۔ اپریل 1948 میں بھارتی پارلیمنٹ نے یہی نیت اپنائی تھی۔

پر جب تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے کی باتचीت شریک ہوئی تو اس شرط کو بھی ہٹا دیا گیا۔ بھارت سرکار نے سربلانی نہ کر کے ہندوستانیوں کے ہاتھ میں رکھنے کے لئے یہی نیت اپنائی تھی۔

بھارت سرکار نے یہ بھی وعدہ کیا کہ 25 سال تک یہ اس نئے وچوگو کے ویشتری کرن کی بات بھی نہ کریگی اور اس کے بعد بھی ”اچھت“ معاوضہ دے کر ہی ایسا کیا جا سکے گا۔ دھیان رہے، اس کے پہلے بھارت سرکار نے ویشتری کرن کا سوال کھول کر دس سال کے لئے ٹال دیا تھا۔

ساتھ ہی امریکی کمپنی کو یہ ویشکاری ہوگا کہ جب چاہے وچوگو کو بند کر دے اور اپنی پونجی مچ کماؤں کے ویشکاری کوٹا لے جائے۔ یعنی امریکی ویشکاری پونجی کو حق ہوگا کہ چاہیں تو ہمارے ویشکاری کو ٹھپ کر دیں، پر سرکار اس کا ویشکاری کرن بھی نہ کر سکیگی۔

اس کے ویشکاری بھارت سرکار نے کئی اور ویشکاری ویشکاری کو دینا سربلانی کیا۔ اس نے مانا کہ کچھ تیل پر ویشکاری نہیں لگائی جائے گی اور تیل صاف کرنے کے لئے آنے والی ویشکاری پر سرکاری ٹیم

### تیل صاف کرنے کے کارخانے

اب تیل صاف کرنے کے اس کارخانے پر بھی وچار کر لیا جائے جس میں امریکا کی اسٹینڈرڈ اویل کمپنی نے 1680 لاکھ روپے کی پونجی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔

بھارت سرکار بہت دنوں سے اس نیت پر اڑی تھی کہ کم سے کم دنیاوی اور پرموختہ وچوگوں میں ویدشی پونجی کو آنے دیا جائے گا تو صرف اس شرط پر کہ ہندوستانیوں کا بہومت دے گا۔ اپریل 1948 میں بھارتی پارلیمنٹ نے یہی نیت اپنائی تھی۔

پر جب تیل صاف کرنے کے کارخانے کھولنے کی بات चीت شریک ہوئی تو اس شرط کو بھی ہٹا دیا گیا۔ بھارت سرکار نے سربلانی نہ کر کے ہندوستانیوں کے ہاتھ میں رکھنے کے لئے یہی نیت اپنائی تھی۔

بھارت سرکار نے یہ بھی وعدہ کیا کہ 25 سال تک یہ اس نئے وچوگو کے ویشتری کرن کی بات بھی نہ کریگی اور اس کے بعد بھی ”اچھت“ معاوضہ دے کر ہی ایسا کیا جا سکے گا۔ دھیان رہے، اس کے پہلے بھارت سرکار نے ویشتری کرن کا سوال کھول کر دس سال کے لئے ٹال دیا تھا۔

ساتھ ہی امریکی کمپنی کو یہ ویشکاری ہوگا کہ جب چاہے وچوگو کو بند کر دے اور اپنی پونجی مچ کماؤں کے ویشکاری کوٹا لے جائے۔ یعنی امریکی ویشکاری پونجی کو حق ہوگا کہ چاہیں تو ہمارے ویشکاری کو ٹھپ کر دیں، پر سرکار اس کا ویشکاری کرن بھی نہ کر سکیگی۔

اس کے ویشکاری بھارت سرکار نے کئی اور ویشکاری ویشکاری کو دینا سربلانی کیا۔ اس نے مانا کہ کچھ تیل پر ویشکاری نہیں لگائی جائے گی اور تیل صاف کرنے کے لئے آنے والی ویشکاری پر سرکاری ٹیم



(2) آناج کے دام बहुत ऊंचे लगा गए. 1950-51 में अमरीका में गोहूँ का भाव 73.9 डालर फ्री टन था. भारत से 105 डालर फ्री टन वसूल किये गए.

(3) अगरचें भारत अनाज के पूरे दाम मय सूद के देने वाला है, फिर भी देश विदेश में प्रचार किया गया कि अमरीका ने रहम के मारे भूके भारत को 'मदद के तौर पर' अनाज दिया है.

(4) इस क्रजें के सम्बन्ध में भारत सरकार ने जो क़ानून बनाया, (इन्डियन इमेर्जेसी फूड एक्ट) उसकी दूसरी धारा में साफ कहा गया कि अनाज की क़ीमत के एक हिस्से के एक्छ में फ़ौजी नज़र से महत्वपूर्ण कच्चा माल भारत अमरीका को देगा.

(5) हमारे ख़रीदे हुए अनाज के बंटवारे की देख रेख करने के लिये एक पूरा अमरीकी महक़मा नई दिल्ली में खुल गया.

(6) शर्तें रखी गईं कि कम से कम आधा अनाज अमरीकी जहाज़ों पर लाद कर ले जाया जाय. यह तय होना था कि अमरीकी जहाज़ों ने अपना किराया साढ़े 10 डालर से बढ़ा कर 25 डालर फ्री टन कर दिया. और चूँकि फ़ियाज़तर अनाज अमरीकी जहाज़ों में ही लाया गया, इसलिये केवल इस मद में भारत को साढ़े 14 करोड़ रुपय का मुक़सान उठाना पड़ा.

वह राजकाजी शर्तें ऊपर से देखने में कुछ न थीं. पर सभी जानते हैं कि सितम्बर 1951 में, जब भारत सरकार ने अमरीका के तैयार किये हुए जापानी संघि के मसविदे पर दस्तख़त करने से इनकार किया तो यकायक अनाज का आना एक दम कम हो गया. यह बात भी मतलब से खाली नहीं है कि अमरीका के साथ भारत का पहला फ़ौजी समझौता मार्च 1951 में हुआ.

### ग्राम सुधार के लिये मदद

भारत अमरीका तकनीकी सहयोग समझौते के मातहत भारत सरकार ने ग्राम सुधार करने के लिये अमरीका से एक्सपर्ट, खाद, औज़ार और बीज मंगाए हैं इस सम्बन्ध में अधिक कहने की ज़रूरत नहीं है.

यह सब जानते हैं कि यह मदद भारत को अमरीका के आपसी सुरक्षा क़ानून के मातहत मिली है अमरीकी काँग्रेस (पार्लियामेंट) ने इस क़ानून को किस मक़सद से बनाया है, यह क़ानून के ही शब्दों में सुनिये :

"काँग्रेस ऐलान करती है कि इस क़ानून का मक़सद संयुक्त राष्ट्र अमरीका की सुरक्षा नीति को मज़बूत करना और इसकी विदेशी नीति को आगे बढ़ाना है, जिस के लिये मित्र देशों को फ़ौजी, आर्थिक और तकनीकी मदद देने का प्रबंध किया जायगा....." (आपसी सुरक्षा क़ानून की धारा 2)

(2) अनाज के दाम बहुत ऊंचे लागे گئے . 1950-51 میں امریکہ میں گہوہوں کا بھاؤ 73.9 ڈالر فی تن تھا . بھارت سے 105 ڈالر فی تن وصول کئے گئے .

(3) اگرچہ بھارت اناج کے پورے دाम معہ سود کے دینے والا ہے، پھر بھی دیہی و دیہی میں پرچار کیا گیا کہ امریکہ نے رحم کے مارے بھوکے بھارت کو 'ممد کے طور پر' اناج دیا ہے .

(4) اس قرضے کے سبب سے بھارت میں سرکار نے جو قانون بنایا، (انڈین امرجینسی فوڈ ایکٹ) اس کی دوسری دھارا میں صاف کہا گیا کہ اناج کی قیمت کے ایک حصے کے عوض میں فوجی نظر سے مہتمم ہونے والا مال بھارت امریکہ کو دے گا .

(5) ہمارے خریدے ہوئے اناج کے بتوارے کی دیکھ دیکھ کرنے کے لئے ایک پورا امریکی محکمہ نئی دلی میں کھل گیا .

(6) شرط رکھی گئی کہ کم سے کم آدھا اناج امریکی جہازوں پر لاد کر لے جایا جائے . یہ طے ہونا تھا کہ امریکی جہازوں نے اپنا کرایہ ساڑھے دس ڈالر سے بڑھا کر 25 ڈالر فی تن کر دیا . اور چونکہ زیادہ تر اناج امریکی جہازوں میں ہی لایا گیا، اس لئے کھول اس مد میں بھارت کو ساڑھے چودہ کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا .

یہ راج کا جی شرطوں اوپر سے دیکھنے میں کچھ نہ نہیں . پر سبھی جانتے ہیں کہ ستمبر 1951 میں، بھارت سرکار نے امریکہ کے تیار کئے ہوئے جاپانی سندھی کے مسودے پر دستخط کرنے سے انکار کیا تو یکایک اناج کا آنا ایک دم کم ہو گیا . یہ بات بھی مطلب سے خالی نہیں ہے کہ امریکہ کے ساتھ بھارت کا پہلا فوجی سمجھوتہ مارچ 1951 میں ہوا .

### گرام سدھار کے لئے مدد

بھارت امریکہ تکذیکی سمجھوتے کے ماتحت بھارت سرکار نے گرام سدھار کرنے کے لئے امریکہ سے انسپرت، کھاد، اوڑار اور بھیجے ملٹائے ہیں . اس سمجھوتہ میں کھلے کی ضرورت نہیں ہے .

یہ سب جانتے ہیں کہ یہ مدد بھارت کو امریکہ کے آپسی سرکھا قانون کے ماتحت ملی ہے . امریکی کانگریس (پارلیمینٹ) نے اس قانون کو کس مقصد سے بنایا ہے، یہ قانون کے ہی شبدوں میں سنئے :

"کانگریس اعلان کرتی ہے کہ اس قانون کا مقصد سلوکیت راج امریکہ کی سرکھا نہتی کو مضبوط کرنا اور اکی و دیہی نہتی کو آگے بڑھانا ہے، جس کے لئے مہتمم دیہوں کو فوجی، آرتھک اور تکذیکی مدد دینے کا پرومڈہ کیا جائے گا....." (اسی سرکھا قانون کی دھارا 2)



के यहां रहने होने के कारण हिन्दुस्तानी कम्पनी के हिस्से अन्तर राष्ट्रीय शेयर (Share) मार्केट में बिकने लगेंगे और फिर एक दिन ऐसा भी आ सकता है कि पूरी कम्पनी विदेशियों के हाथों में चली जाय।

विश्व बैंक अनेक छोटे बड़े देशों को कर्जा दे चुका है मगर इतनी शर्मनाक, ऐसी देश धातक शर्तें आज ही सुनने में आई हैं। और वह हमारी इस 'राष्ट्रीय' सरकार ने मानी हैं जिसके प्रधान मंत्री कहते हैं कि वह किसी शर्त को मानने के पहले इस्तीफा दे देंगे।

कहने की जरूरत नहीं कि इस्पात का उद्योग किसी भी देश की आर्थिक व्यवस्था में बुनियाद का काम करता है, उसके विदेशियों के हाथों में चले जाने देने का मतलब होता है देश की आजादी का खतमा।

\*

\*

\*

### अनाज वाला कर्ज

अब अमरीकी सरकार के दिये हुए उस कर्ज को लीजिये जो भारत सरकार ने गोहूँ खरीदने के लिये लिया था। लड़ाई के बाद से ही भारत हर साल करोड़ों डालर अमरीका से गोहूँ वगैरा खरीदने पर खर्च करता आ रहा है। 1949 में अनाज के बारे में देश की हालत कुछ विशेष खराब जान पड़ी तो भारत सरकार ने अमरीका की तरफ निहारा। वह 2 करोड़ 80 लाख मन अनाज अमरीका से लेना चाहती थी। पंडित नेहरू अक्टूबर में अमरीका की यात्रा को गए तो उन्होंने बार बार इस बात का जिक्र किया। अमरीकी सरकार ने जवाब दिया—हां, अनाज मिल सकता है, मगर बदले में मैगनीज और अबरक दोनों देने पड़ेंगे। दिसम्बर में भारत सरकार ने कुछ काम बनता न देख कर बातचीत बन्द कर दी।

पर 1950 में देश की हालत और बिगड़ती गई। जून में भारत सरकार ने कुछ ज्वार अमरीका से खरीदी। नवम्बर में उसने अनाज खरीदने के लिये अमरीकी सरकार से कर्ज मांगा। 15 दिसम्बर को श्रीमती पंडित ने बाकायदा 5 करोड़ 60 लाख मन अनाज उधार की मांग की। अमरीका के पास उस वक़्त 28 करोड़ मन सिर्फ फालतू गोहूँ मौजूद था। फिर भी उसने भारत की प्रार्थना को सुना अनसुना कर दिया। अमरीका की तरफ से कहा गया कि गोहूँ चाहते हो तो अपनी विदेशी नीति बचलाओ और चीन के खिलाफ अमरीका का समर्थन करो। छै महीने के बाद, जब अमरीका में बहुत शोर मचा, तब कहीं 15 जून 1951 को अमरीका ने भारत को कर्ज देना स्वीकार किया।

इस कर्ज के सिलसिले में नीचे लिखी बातें महत्वपूर्ण थीं:

(1) यह कि जैसा भारत चाहता था, उसे पूरा गोहूँ नहीं मिला। अनाज का काफी हिस्सा ज्वार और मक्के का था।

के यहाँ ही होने के कारण हिन्दुस्तानी कम्पनी के हिस्से अन्तर राष्ट्रीय शेयर (Share) मार्केट में बिकने लगेंगे और फिर एक दिन ऐसा भी आ सकता है कि पूरी कम्पनी विदेशियों के हाथों में चली जाये।

विश्व बैंक अनेक छोटे बड़े देशों को कर्जा दे चुका है मगर इतनी शर्मनाक, ऐसी देश धातक शर्तें आज ही सुनने में आई हैं। और वह हमारी इस 'राष्ट्रीय' सरकार ने मानी हैं जिसके प्रधान मंत्री कहते हैं कि वह किसी शर्त को मानने के पहले इस्तीफा दे देंगे।

कहने की जरूरत नहीं कि इस्पात का उद्योग किसी भी देश की आर्थिक व्यवस्था में बुनियाद का काम करता है, उसके विदेशियों के हाथों में चले जाने देने का मतलब होता है देश की आजादी का खतमा।

\*

\*

\*

### अनाज वाला कर्ज

अब अमरीकी सरकार के दिये हुए उस कर्ज को लीजिये जो भारत सरकार ने गोहूँ खरीदने के लिये लिया था। लड़ाई के बाद से ही भारत हर साल करोड़ों डॉलर अमरीका से गोहूँ वगैरा खरीदने पर खर्च करता आ रहा है। 1949 में अनाज के बारे में देश की हालत कुछ विशेष खराब जान पड़ी तो भारत सरकार ने अमरीका की तरफ निहारा। वह 2 करोड़ 80 लाख मन अनाज अमरीका से लेना चाहती थी। पंडित नेहरू अक्टूबर में अमरीका की यात्रा को गए तो उन्होंने बार बार इस बात का जिक्र किया। अमरीकी सरकार ने जवाब दिया—हां, अनाज मिल सकता है, मगर बदले में मैगनीज और अबरक दोनों देने पड़ेंगे। दिसम्बर में भारत सरकार ने कुछ काम बनता न देख कर बातचीत बन्द कर दी।

पर 1950 में देश की हालत और बिगड़ती गई। जून में भारत सरकार ने कुछ ज्वार अमरीका से खरीदी। नवम्बर में उसने अनाज खरीदने के लिये अमरीकी सरकार से कर्ज मांगा। 15 दिसम्बर को श्रीमती पंडित ने बाकायदा 5 करोड़ 60 लाख मन अनाज उधार की मांग की। अमरीका के पास उस वक़्त 28 करोड़ मन सिर्फ फालतू गोहूँ मौजूद था। फिर भी उसने भारत की प्रार्थना को सुना अनसुना कर दिया। अमरीका की तरफ से कहा गया कि गोहूँ चाहते हो तो अपनी विदेशी नीति बचलाओ और चीन के खिलाफ अमरीका का समर्थन करो। छै महीने के बाद, जब अमरीका में बहुत शोर मचा, तब कहीं 15 जून 1951 को अमरीका ने भारत को कर्ज देना स्वीकार किया।

इस कर्ज के सिलसिले में नीचे लिखी बातें महत्वपूर्ण थीं:

(1) यह कि जैसा भारत चाहता था, उसे पूरा गोहूँ नहीं मिला। अनाज का काफी हिस्सा ज्वार और मक्के का था।



کیا اور لیتے ہوئے پتہ کیا گیا کہ بھارت کو اس بات کی سخت ضرورت ہے؛ اس کا اٹھان بڑھانے کے لئے سرکار نے جو پروجیکٹس بنائی ہیں، وہ ہمیں پسند ہیں؛ ہم بھارت سے مذاقیہ کریں گے کہ اس کام کے لئے قرضہ دینا سہولت کرے۔ کتنا قرضہ ملے گا، یہ بات ٹول رہی۔ مگر کن شرطوں پر ملے گا، یہ بات لوگوں نے سمجھا صاف ہو گئی۔ کہا گیا شرطیں صرف چار ہیں :

(1) اس بات بنانے والے دو بڑے بھارتی کارخانے—سٹییل کارپوریشن آف بنگال اور انڈین اسٹییل کمپنی—مिला کر एक कर دیے جائیں؛ (2) देशी اسٹیل کے دام بڑا دیے جائیں؛ (3) نئے کارخانوں کے لیے مشینیں امریکا سے خریدی جائیں؛ (4) भारत सरकार قرضہ داروں کی ضمانت بنے یا ان کی ذمہ داری لے لی کہ وہ قرضہ واپس نہ کرے گا۔

مطلب صاف تھا۔ دو کارخانوں کو ملا کر امریکی پونجی پتی ہمارے دیس میں بھی اچارے جاری یا ایکادھار قائم ہونے کی گویا کو تہز کرنا چاہتے تھے۔ دیسی اسٹیل کے دام بڑھا کر وہ دیسی اسٹیل کے لئے ہندوستانی بازار کھول دینا چاہتے تھے۔ تیسری اور چوتھی شرطیں تو صاف تھیں ہی۔

پھر ہماری دیسی سرکار نے ایک ایک کر کے چاروں شرطیں مان لیں۔

اکتوبر 1952 میں اس بات کے بھارتی کارخانوں کے مالکوں وغیرہ کا ایک مشن امریکہ گیا۔ اس نے یہاں یہ سہولتوں کی کسی کو پتہ نہ چلا۔ انہی میں قرضہ مل گیا۔ وٹومینک نے 1575 لاکھ روپے دیئے سو بیکار کر لئے۔ بھارت سرکار نے ایک آرڈیننس نکال کر دونوں ہندوستانی کارخانوں کو ایک کر دیا۔

### بھارتی پھوٹ گیا

بھارتی پھوٹ گیا تھا سو پھوٹ کر رہا۔ خود امریکہ کے مشہور بینک پٹر 'نیویارک ٹائمز' نے اس راز کو کھول دیا کہ اوپر لکھی چار شرطوں کے علاوہ دو شرطیں اور بھی ہیں : (i) یہ کہ قرضہ کے عوض میں ہندوستانی کمپنیوں کی ساری اصل سمیٹی—یعنی مشین، زمین، مکان، جائداد وغیرہ—وٹومینک نے یہاں دھن یا گروی رکھ دی جائے گی؛ اور (ii) یہ کہ کمپنی کی باقی سمیٹی پر بھی وٹومینک کا پہلا حق مانا جائے گا۔

بھارت کے سب سے اہم امریکہ پرست اخبار 'ٹائمز' تک کو ان شرطوں کی فہم نہ تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہی انوکھی بات ہے کہ بھارت سرکار نے ان شرطوں کو قبول کرنے کے پہلے چلتا سے رائے لیتا ضروری نہیں سمجھا اور بعد میں جان بوجھ کر ان پر پردہ ڈال دیا۔ 'ٹائمز' نے لکھا ہے کہ وٹومینک

بھارت کے سب سے اہم امریکہ پرست اخبار، 'ٹائمز' تک کو ان شرطوں کی فہم نہ تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہی انوکھی بات ہے کہ بھارت سرکار نے ان شرطوں کو قبول کرنے کے پہلے چلتا سے رائے لیتا ضروری نہیں سمجھا اور بعد میں جان بوجھ کر ان پر پردہ ڈال دیا۔ 'ٹائمز' نے لکھا ہے کہ وٹومینک

بھارت کے سب سے اہم امریکہ پرست اخبار، 'ٹائمز' تک کو ان شرطوں کی فہم نہ تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہی انوکھی بات ہے کہ بھارت سرکار نے ان شرطوں کو قبول کرنے کے پہلے چلتا سے رائے لیتا ضروری نہیں سمجھا اور بعد میں جان بوجھ کر ان پر پردہ ڈال دیا۔ 'ٹائمز' نے لکھا ہے کہ وٹومینک



## यह कर्जें हैं या गुलामी की जंजीरें ?

थोड़े में, विश्व बैंक के कर्जों के सम्बन्ध में नीचे लिखी बातें हर देशभक्त को ध्यान में रखनी चाहियें.

(1) सूद को दर—4 फी सदी—बहुत ऊंची है.

(2) विश्व बैंक में भारत 40 करोड़ की पूंजी लगा चुका है, उसे देखते हुए कर्जों की रकम बहुत प्रियादा नहीं है.

(3) कर्जों की रकमों को अमरीका में ही खर्च करना पड़ता है. ट्रैक्टर, इंजिन, बिजली की मशीनें सब अमरीका या कनाडा से खरीदनी पड़ती हैं. यानी इन कर्जों के जरिये अमरीका को अपना फालतू सामान और फालतू इंजीनियर हमारे मन्थे बढ़ने में मदद मिलती हैं.

(4) कोई कर्जा भारत का उद्योगीकरण करने के लिये नहीं मिला. कर्जें केवल ऐसी योजनाओं के लिये दिये गये जिन से देश का उद्योगीकरण नहीं होता, बल्कि इन कच्चे मालों की पैदावार बढ़ती है जिनकी अमरीका को जरूरत है या जिन से अमरीकी माल को लाने और भारती कच्चे माल को ले जाने के लिये जरूरी यातायात के साधन सुधरते हैं.

(5) यह कर्जें भी उस वक़्त मिले जब भारत सरकार ने अमरीकी पूंजीपतियों की यह मांग मान ली कि दस साल तक किसी उद्योग धन्दे का राष्ट्री करन न किया जायगा और उनकी पूंजी के साथ देशी पूंजी जैसा व्योहार किया जायगा.

(6.) आखरी बात यह कि कर्जों के समझौतों के अनुसार विश्व बैंक को यह अधिकार दे दिया गया है कि वह अपने नुमाइन्दे भेज कर हमारी सरकार के हिसाब किताब की जांच करा सकता है, योजना की देख रेख करा सकता है और जो माल कर्जों की रकमों से खरीदा जाय उसकी जांच करा सकता है. कहने की जरूरत नहीं कि अमरीका वाले इस अधिकार का पूरा पूरा उपयोग कर रहे हैं.

पर विश्व-बैंक के भी पुराने सारे कारनामे मात हो गए, जब हाल में इन्डियन आइरन एन्ड स्टील कम्पनी को दिये गये 1675 लाख के कर्जों की शर्तों का भांडा फूटा.

हम जान बूझ कर "भांडा फूटा" शब्दों का प्रयोग कर रहे हैं क्योंकि भारत सरकार ने अपनी पूरी ताकत लगा कर इन शर्तों को भारती जनता से छिपाने की कोशिश की थी.

पिछले जून के महीने में मिस्टर जार्ज डी० बुड्स के नेतृत्व से विश्व बैंक का एक तकनीकी मिशन भारत आया था. उसने हमारे लोहे और इस्पात के कारखानों का दौरा

## ये कर्जें हैं या गुलामी की जंजीरें ?

लोहारे में, विश्व बैंक के कर्जों के सम्बन्ध में नीचे लिखी बातें हर देशभक्त को ध्यान में रखनी चाहियें.

(1) सूद की दर—4 फी सदी—बहुत ऊंची है.

(2) विश्व बैंक में भारत 40 करोड़ की पूंजी लगा चुका है, उसे देखते हुए कर्जों की रकम बहुत प्रियादा नहीं है.

(3) कर्जों की रकमों को अमरीका में ही खर्च करना पड़ता है. ट्रैक्टर, इंजिन, बिजली की मशीनें सब अमरीका या कनाडा से खरीदनी पड़ती हैं. यानी इन कर्जों के जरिये अमरीका को अपना फालतू सामान और फालतू इंजीनियर हमारे मन्थे बढ़ने में मदद मिलती हैं.

(4) कोई कर्जा भारत का उद्योगीकरण करने के लिये नहीं मिला. कर्जें केवल ऐसी योजनाओं के लिये दिये गये जिन से देश का उद्योगीकरण नहीं होता, बल्कि इन कच्चे मालों की पैदावार बढ़ती है जिनकी अमरीका को जरूरत है या जिन से अमरीकी माल को लाने और भारती कच्चे माल को ले जाने के लिये जरूरी यातायात के साधन सुधरते हैं.

(5) यह कर्जें भी उस वक़्त मिले जब भारत सरकार ने अमरीकी पूंजीपतियों की यह मांग मान ली कि दस साल तक किसी उद्योग धन्दे का राष्ट्री करन न किया जायगा और उनकी पूंजी के साथ देशी पूंजी जैसा व्योहार किया जायगा.

(6.) आखरी बात यह कि कर्जों के समझौतों के अनुसार विश्व बैंक को यह अधिकार दे दिया गया है कि वह अपने नुमाइन्दे भेज कर हमारी सरकार के हिसाब किताब की जांच करा सकता है, योजना की देख रेख करा सकता है और जो माल कर्जों की रकमों से खरीदा जाय उसकी जांच करा सकता है. कहने की जरूरत नहीं कि अमरीका वाले इस अधिकार का पूरा पूरा उपयोग कर रहे हैं.

पर विश्व-बैंक के भी पुराने सारे कारनामे मात हो गये, जब हाल में इन्डियन आइरन एन्ड स्टील कम्पनी को दिये गये 1675 लाख के कर्जों की शर्तों का भांडा फूटा.

हम जान बूझ कर "भांडा फूटा" शब्दों का प्रयोग कर रहे हैं क्योंकि भारत सरकार ने अपनी पूरी ताकत लगा कर इन शर्तों को भारती जनता से छिपाने की कोशिश की थी.

पिछले जून के महीने में मिस्टर जार्ज डी० बुड्स के नेतृत्व से विश्व बैंक का एक तकनीकी मिशन भारत आया था. उसने हमारे लोहे और इस्पात के कारखानों का दौरा



”یہ بات آج بھی لوگوں کے دیماسوں میں لٹا ہے کہ 1943 کی سٹھاناہی بارہ نے کس طرح ٹرنک روڈ اور ہسٹ انڈین ریلوے کو توڑ ڈالا تھا، اور پوری ہمارے کو باقی دیہی سے کٹ دیا تھا“ اور اس طرح“ لوائی کے زمانے میں ایک بہت ہی نازک موقع پر دیہی دکھائی دے رہا تھا۔ راستے میں مشکلوں سے بھرا ہوا کر دی تھیں۔ سیدک و شہسکوں کے انوسار“ اٹھلی اس بارہ کے کارن پورے چھ مہینے تک ہرما کے سرچے پر فوجی کارروائیاں کر دی تھیں۔“

واقعہ میں، 1943 میں ہی برٹش سرکار نے دامودر غاٹی کا باغ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جواہر لال نہی کی سرکار کے بل اس کا انوسار کر رہی ہے !

مگر دامودر غاٹی یوجنا کا فوجی مہم اندا ہی نہیں ہے۔ اوپر لکھے پرکاشن میں آگے لکھا ہے :

”یہ سب کی جانی ہڈی ایک ساچارن بات ہے کہ کسی دیش کی نیکھت سائنک شکتی سب سے اذیک کویتا، لوتا اور ہسپاٹ، اٹلنیم، اور کائیکلے ویرا کے کلاس اڈیوگاں پر نیربر کرتی ہے۔ دامودر غاٹی میں یہ کلاس پدارتھ ہڈیتا سے پاے جاتے ہیں۔ ہسلیوے، لاکھمی تیر پر یہ غاٹی دیش رکھا کے لیے اضرک اذیکتر اڈیوگاں کا کینڈر بن جاتگی۔ سب تو یہ ہے کہ ہسے ہارت کا اباوی جنباوی ‘شکراگار’ سبکتا چاہیے۔“

لکھن ہس پوری یوجنا میں سب سے پہلے باغ بنانے یا سیکارڈ کی ویتا کرتے کا کام نہیں شرو کیا گیا۔ شرواٹ ہڈی بیجلی کی کل کڈی کرنے سے، کاشیک ہسے ویرب-بیک نے سہارا دینے کی کڑا کا۔

18 اپریل 1950 کو ایک کڑے کے سبکبیتے پر دستخط ہوے اسکی 11 ویں اڈارا میں کڑ شرتے کا ویک تھا جنکے پورا ہونے پر ہی کڑا میل سکتا تھا۔ وہ شرتے ہی 2 کربرری 1951 تک پوری کر دی گئے

بیجلی کی کل کے لیے سامان اڈمریکا کی انڈر نیشنل جنرل ایلکٹریک کمپنی سے مंगाया गया اور اسے کڈی کرنے کا ٹیکا اڈمریکی کمپنی کلجیان کارپوریشن کو سونپا گیا۔ کڑا جہاں سے آیا تھا، وہی پڑھ گیا !

یہی نہیں، ہر دو مہینے کے باڈ بیک کے پرتینیکھ آکر جانچ کر جاتے ہیں کہ ہارت سرکار ٹھیک کام کر رہی ہے یا نہیں۔ اگست 1950 اور مئی 1951 کے بیچ تین ایسے اڈمریکی ویشیکھ آئے۔ انکے نام یہ : جارج برجوس، ایل۔ پی مارشل اور جنرل وھیلر۔

ہسکے اڈاوا ایک اڈمریکی انجینیر پوری یوجنا کا پرمکھ نیوکس کیا گیا ہے، اسے کس ہکار کڑ سے اذیک مائیک تانکا میلکتی ہے !

”یہ بات آج بھی لوگوں کے دیماسوں میں لٹا ہے کہ 1943 کی سٹھاناہی بارہ نے کس طرح ٹرنک روڈ اور ہسٹ انڈین ریلوے کو توڑ ڈالا تھا“ اور اس طرح“ لوائی کے زمانے میں ایک بہت ہی نازک موقع پر دیہی دکھائی دے رہا تھا۔ راستے میں مشکلوں سے بھرا ہوا کر دی تھیں۔ سیدک و شہسکوں کے انوسار“ اٹھلی اس بارہ کے کارن پورے چھ مہینے تک ہرما کے سرچے پر فوجی کارروائیاں کر دی تھیں۔“

واقعہ میں، 1943 میں ہی برٹش سرکار نے دامودر غاٹی کا باغ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جواہر لال نہی کی سرکار کے بل اس کا انوسار کر رہی ہے !

مگر دامودر غاٹی یوجنا کا فوجی مہم اندا ہی نہیں ہے۔ اوپر لکھے پرکاشن میں آگے لکھا ہے :

”یہ سب کی جانی ہڈی ایک ساچارن بات ہے کہ کسی دیش کی نیکھت سائنک شکتی سب سے اذیک کویتا، لوتا اور ہسپاٹ، اٹلنیم اور کائیکلے ویرا کے کلاس اڈیوگاں پر نیربر کرتی ہے۔ دامودر غاٹی میں یہ کلاس پدارتھ ہڈیتا سے پاے جاتے ہیں۔ ہسلیوے، لاکھمی تیر پر یہ غاٹی دیش رکھا کے لیے اضرک اذیکتر اڈیوگاں کا کینڈر بن جاتگی۔ سب تو یہ ہے کہ ہسے ہارت کا اباوی جنباوی ‘شکراگار’ سبکتا چاہیے۔“

لکھن ہس پوری یوجنا میں سب سے پہلے باغ بنانے یا سیکارڈ کی ویتا کرتے کا کام نہیں شرو کیا گیا۔ شرواٹ ہڈی بیجلی کی کل کڈی کرنے سے، کاشیک ہسے ویرب-بیک نے سہارا دینے کی کڑا کا۔

18 اپریل 1950 کو ایک کڑے کے سبکبیتے پر دستخط ہوئے اسکی 11 ویں اڈارا میں کڑ شرتے کا ویک تھا جنکے پورا ہونے پر ہی کڑا میل سکتا تھا۔ وہ شرتے ہی 2 کربرری 1951 تک پوری کر دی گئے

بیجلی کی کل کے لیے سامان اڈمریکا کی انڈر نیشنل جنرل ایلکٹریک کمپنی سے مंगाया गया اور اسے کڈی کرنے کا ٹیکا اڈمریکی کمپنی کلجیان کارپوریشن کو سونپا گیا۔ کڑا جہاں سے آیا تھا، وہی پڑھ گیا !

یہی نہیں، ہر دو مہینے کے باڈ بیک کے پرتینیکھ آکر جانچ کر جاتے ہیں کہ ہارت سرکار ٹھیک کام کر رہی ہے یا نہیں۔ اگست 1950 اور مئی 1951 کے بیچ تین ایسے اڈمریکی ویشیکھ آئے۔ انکے نام یہ : جارج برجوس، ایل۔ پی مارشل اور جنرل وھیلر۔

ہسکے اڈاوا ایک اڈمریکی انجینیر پوری یوجنا کا پرمکھ نیوکس کیا گیا ہے۔ اسے کس ہکار کڑ سے اذیک مائیک تانکا میلکتی ہے !



बाहिये. 18 अगस्त 1949 को बैंक ने भारत को 340 लाख डॉलर का जो कर्ज दिया है, उसका यही उद्देश्य है.....

“भारत सरकार ने बैंक के सामने रेल के इंजिन बनाने की भी एक योजना रखी थी. हमारे सलाहकारों ने इसका सख्त विरोध किया.....”

यानी, ऐसी कोई योजना जिसे भारत खुद अपनी जरूरत की चीजें बनाने लगे और औद्योगिक नज़र से स्वतंत्र हो जाय, विश्व-बैंक के अमरीकी आक्राओं को मंज़ूर न थी. पहले कर्जों के साथ साफ साफ यह शर्तें लगी हुई थी कि उसका कोई हिस्सा इंजिन बनाने पर खर्च न किया जायगा.

### ट्रैक्टर खरीदने के लिये कर्ज

विश्व-बैंक से मिलने वाला दूसरा कर्जा भी किसी औद्योगिक योजना के लिये न था. इसका उद्देश्य यह था कि कांस हटा कर परती ज़मीन तोकने के लिये भारत सरकार अमरीकी ट्रैक्टर खरीद सके.

असल में, इस कर्जों के मिलने के बहुत पहले से भारत सरकार कांस हटा कर परती ज़मीन जोतने की योजना चला रही थी. यह कर्जा तब मिला जब मेजर जे. एच. कौनार्स नामी अमरीकी भारत सरकार के ट्रैक्टर विभाग का प्रमुख नियुक्त किया गया. कर्जा मिल जाने के बाद मेजर कौनार्स ने भारत सरकार की नौकरी छोड़ दी और उनको बैंक की ओर से कांस योजना की देख रेख करने वाले इंजीनियर के रूप में नियुक्त कर दिया गया, और उस समय से ही धड़ाधड़ इस विभाग में अमरीकियों की भरती होने लगी.

ध्यान देने की बात है कि यह कर्ज भी ट्रैक्टर बनाने के लिये नहीं, बल्कि महज़ 180 ट्रैक्टर खरीदने के लिये दिया गया था और यह ट्रैक्टर भी सिर्फ अमरीका से ही खरीदे जाने वाले थे !

### बिजली कल बनाने के लिये कर्ज

तीसरा कर्जा 18 अप्रैल 1950 को दामोदर घाटी योजना के मातहत बोकारो कोनार की बिजली की कल खड़ी करने के लिये दिया गया. सरकारी प्रचारक कहते हैं कि दामोदर घाटी योजना का उद्देश्य “बाढ़ को रोकना और बड़े पैमाने पर सिंचाई का प्रबंध करना है.” लेकिन दामोदर से कहीं अधिक भयंकर और सत्यानाशी बाढ़ हर साल कोसी में आती है जिससे पूरा उत्तरी बिहार चौपट हो जाता है. फिर दामोदर नदी की बांधने की ही इतनी क्या जल्दी थी ? दामोदर घाटी कॉर्पोरेशन का एक प्रकाशन उत्तर देता है :

चाहे. 18 अगस्त 1949 को बैंक ने भारत को 340 लाख डॉलर का जो कर्ज दिया है, उस का भी उद्देश्य है.....

“भारत सरकार ने बैंक के सामने रेल के इंजिन बनाने की भी एक योजना रखी थी. हमारे सलाहकारों ने इसका सख्त विरोध किया.....”

यानी, ऐसी कोई योजना जिसे भारत खुद अपनी जरूरत की चीजें बनाने लगे और औद्योगिक नज़र से स्वतंत्र हो जाय, विश्व-बैंक के अमरीकी आक्राओं को मंज़ूर न थी. पहले कर्जों के साथ साफ साफ यह शर्तें लगी हुई थी कि उसका कोई हिस्सा इंजिन बनाने पर खर्च न किया जायगा.

### ट्रैक्टर खरीदने के लिये कर्ज

विश्व-बैंक से मिलने वाला दूसरा कर्जा भी किसी औद्योगिक योजना के लिये न था. इसका उद्देश्य यह था कि कांस हटा कर परती ज़मीन तोकने के लिये भारत सरकार अमरीकी ट्रैक्टर खरीद सके.

असल में, इस कर्जों के मिलने के बहुत पहले से भारत सरकार कांस हटा कर परती ज़मीन जोतने की योजना चला रही थी. यह कर्जा तब मिला जब मेजर जे. एच. कौनार्स नामी अमरीकी भारत सरकार के ट्रैक्टर विभाग का प्रमुख नियुक्त किया गया. कर्जा मिल जाने के बाद मेजर कौनार्स ने भारत सरकार की नौकरी छोड़ दी और उनको बैंक की ओर से कांस योजना की देख रेख करने वाले इंजीनियर के रूप में नियुक्त कर दिया गया, और उस समय से ही धड़ाधड़ इस विभाग में अमरीकियों की भरती होने लगी.

### बिजली कल बनाने के लिये कर्ज

तीसरा कर्जा 18 अप्रैल 1950 को दामोदर घाटी योजना के मातहत बोकारो कोनार की बिजली की कल खड़ी करने के लिये दिया गया. सरकारी प्रचारक कहते हैं कि दामोदर घाटी योजना का उद्देश्य “बाढ़ को रोकना और बड़े पैमाने पर सिंचाई का प्रबंध करना है.” लेकिन दामोदर से कहीं अधिक भयंकर और सत्यानाशी बाढ़ हर साल कोसी में आती है जिससे पूरा उत्तरी बिहार चौपट हो जाता है. फिर दामोदर नदी की बांधने की ही इतनी क्या जल्दी थी ? दामोदर घाटी कॉर्पोरेशन का एक प्रकाशन उत्तर देता है :



इसके अलावा डाटा हाइड्रो-इलेक्ट्रिक कम्पनी को 720 लाख रुपये और कुछ भारत सरकार को इस्पात का कारखाना खोलने के लिये भी विरय बैंक से एक कार्गो बर्डी रकम कर्ज मिलने वाली है।

## 6. अमरीकी सरकार से आई मदद

न्यूयुर्क सिन्डिकेटिड एक्ट ( आपसी सुरक्षा कानून ) के मातहत तकनीकी सहयोग समझौते के अनुसार यह मदद मिली है।

तारीख	रकम ( लाख रुपये )
1. 5 जनवरी, 1952	2560
2. 3 नवम्बर, 1952	2270

जोड़ 4830

इस तरह भारत में लगी कुल प्राइवेट अमरीकी पूंजी 54 करोड़ 60 लाख रुपये की होती है, और अमरीकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय कहलाने वाली अमरीकी संस्थाओं से भारत ने 1 अरब 65 करोड़ 26 लाख रुपये कर्ज लिये हैं, और अमरीकी सरकार ने हमें 48 करोड़ 30 लाख रुपये की मदद दी है।

इसका मतलब है कि प्राइवेट अमरीकी पूंजी का अभी इतना महत्व नहीं है जितना सरकारी और अब सरकारी कर्जों और मदद का है। इसके कारन पर हम बाद में और करेंगे, पहले बेलना चाहिये कि यह कर्ज और मदद हमें किन शर्तों पर मिली है।

\*\*\*

## इंजिन खरीदने के लिये कर्ज

मिसाल के लिये, विरय-बैंक के कर्जों को लीजिये। भारत सरकार ने कई बार विरय-बैंक को दरखास्तें दीं कि उसे लूके, विशेष कर, भारी उद्योग खोलने के लिये कर्ज दिया जाय। लेकिन हर बार उसकी दरखास्त नमजूर कर दी गई। भारत सरकार ने देखते इंजिन बनाने का कारखाना खोलने के लिये कर्ज मांगा। उस पर भी इनकार हो गया। बैंक ने काफ़ी साफ़ कहा : इंजिन खरीदने के लिये हम कर्ज दे सकते हैं, बनाने के लिये नहीं! जाफ़ार, हमारे नेताओं ने इसी पर सन्तोख किया। 28 अक्टूबर 1949 को विरय बैंक के अमरीकी अध्यक्ष, मिस्टर ई. वार. ब्लैक ने भारत को लिखे गये पहले कर्ज का येखान करते हुए एक बयान में कहा :

'जोड़े से मैं, हमारे सलाहकारों ने सिफारिश की कि बैंक को अमरीका और कनाडा से 650 देर के इंजिन और कुछ और और बाकिर मंगाने के लिये कर्ज दे देना।

अस के लिये तालमालदोर अल्टिमेटम कहली को 720 लके रुपये और खुद भारत सरकार को अमेरिका का कारखाने कहली के लके रुपये और अमेरिका से एक काली रुपये लके रुपये मल्ले वाली है।

## 6. अमरीकी सरकार से आई मदद

महोचल सेकुरटी ऐक्ट ( ऐसी सरकहा लानोन ) के मानसत कहली सेकुरी सेकुरी के अनुसार ये मदद मली है :

तारीख	रकम ( लाख रुपये )
1. 5 जलुस 1952	2560
2. 3 नुसबर 1952	2270

जोड़ 4830

अस तरह भारत में लगी कुल प्राइवेट अमरीकी पूंजी 54 करोड़ 60 लाख रुपये की होती है, और अमरीकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय कहलाने वाली अमरीकी संस्थाओं से भारत ने 1 अरब 65 करोड़ 26 लाख रुपये कर्ज लिये हैं, और अमरीकी सरकार ने हमें 48 करोड़ 30 लाख रुपये की मदद दी है।

अस का मल्ले है कि प्राइवेट अमरीकी पूंजी का अभी इतना महत्व नहीं है जितना सरकारी और अब सरकारी कर्जों और मदद का है। इसके कारन पर हम बाद में और करेंगे, पहले बेलना चाहिये कि यह कर्ज और मदद हमें किन शर्तों पर मिली है।

\*\*\*

## अन्जिन खरीदने के लिये कर्ज

माल के लिये, विरय-बैंक के कर्जों को लीजिये। भारत सरकार ने कई बार विरय-बैंक को दरखास्तें दीं कि उसे लूके, विशेष कर, भारी उद्योग खोलने के लिये कर्ज दिया जाय। लेकिन हर बार उसकी दरखास्त नमजूर कर दी गई। भारत सरकार ने देखते इंजिन बनाने का कारखाना खोलने के लिये कर्ज मांगा। उस पर भी इनकार हो गया। बैंक ने काफ़ी साफ़ कहा : इंजिन खरीदने के लिये हम कर्ज दे सकते हैं, बनाने के लिये नहीं! जाफ़ार, हमारे नेताओं ने इसी पर सन्तोख किया। 28 अक्टूबर 1949 को विरय बैंक के अमरीकी अध्यक्ष, मिस्टर ई. वार. ब्लैक ने भारत को लिखे गये पहले कर्ज का येखान करते हुए एक बयान में कहा :

'जोड़े से मैं, हमारे सलाहकारों ने सिफारिश की कि बैंक को अमरीका और कनाडा से 650 देर के इंजिन और कुछ और और बाकिर मंगाने के लिये कर्ज दे देना।



### 8. 1948 और 1951 के बीच आने वाली अमेरिकी पूंजी

पिछले 12 जून 1952 को भारत की पार्लियामेंट में व्यापार मंत्री ने बताया कि 1948 से लेकर 1951 तक, चार बरस में, 321 लाख रुपए की अमेरिकी पूंजी भारत में आई.

### 4. 1952 में आने वाली अमेरिकी पूंजी

पूरे आंकड़े अभी नहीं मिल सकते, लेकिन इतना सब को मालूम है कि इस साल अमेरिकी की स्टेन्डर्ड वैकुथम आयल कम्पनी को बम्बई में तेल साफ करने का कारखाना खोलने के लिये 1680 लाख रुपए की पूंजी लगाने की इजाजत मिल चुकी है और क्लैक्स कम्पनी को भी इसी तरह की इजाजत मिलने वाली है.

### 8. 1948 और 1951 के बीच आने वाली अमेरिकी पूंजी

पिछले 12 जून 1952 को भारत की पार्लियामेंट में व्यापार मंत्री ने बताया कि 1948 से लेकर 1951 तक, चार बरस में, 321 लाख रुपए की अमेरिकी पूंजी भारत में आई.

### 4. 1952 में आने वाली अमेरिकी पूंजी

पूरे आंकड़े अभी नहीं मिल सकते, लेकिन इतना सब को मालूम है कि इस साल अमेरिकी की स्टेन्डर्ड वैकुथम आयल कम्पनी को बम्बई में तेल साफ करने का कारखाना खोलने के लिये 1680 लाख रुपए की पूंजी लगाने की इजाजत मिल चुकी है और क्लैक्स कम्पनी को भी इसी तरह की इजाजत मिलने वाली है.

### 5. अमेरिकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय संस्थाओं से लिया गया ऋण

5. अमेरिकी सरकार और अन्तर राष्ट्रीय संस्थाओं से लिया गया ऋण

संस्था संस्था	तारीख तारीख	रकम (लाख रुपए में) रकम (लाख (रुपए में)	मकसद मकसद	सूच की दर सूच की दर
1. इन्टरनेशनल मॉनिटरी फंड या विश्वकोष. अंतराष्ट्रीय मुद्रा या विश्वकोष.	1948-49	2740	अमेरिका, कनाडा बरौरा डालर वाले देशों से माल मंगाने के लिये अमेरिकी, कनाडा, बरौरा डालर वाले देशों से माल मंगाने के लिये	1/2% से शुरू कर के 4% तक बढ़ती जायगी 1/2% से शुरू करके 4% तक बढ़ती जायगी
2. विश्व बैंक विश्व बैंक	अगस्त 1949	1700	रेल के इंजन खरीदने के लिये रेल के इंजन खरीदने के लिये	4 कीसदी 4 कीसदी
3. " " " " " "	सितम्बर 1949	481	कांस हटा कर परती फमीन लोडने के कांस हटा कर परती फमीन लोडने के	साढ़े तीन कीसदी साढ़े तीन कीसदी
4. " " " " " "	अप्रैल 1950	890	बिजली की कलें खोलने के लिये बिजली की कलें खोलने के लिये	4 कीसदी 4 कीसदी
5. अमेरिकी सरकार अमेरिकी सरकार	जून 1951	9139	अमेरिकी गेहूँ खरीदने के लिये अमेरिकी गेहूँ खरीदने के लिये	वाई कीसदी वाई कीसदी
6. विश्व बैंक विश्व बैंक	दिसम्बर 1952	1575	इंडियन आयरन एंड स्टील कम्पनी को दिया गया ऋण इंडियन आयरन एंड स्टील कम्पनी को दिया गया ऋण	फैली फुवदी फैली फुवदी
	जोड़	16525		



**بھارت میں لگی ہوئی امریکی پونجی**

**1948**

(i) سیدھے لٹائی گئی ہونے لگی۔

کے بارے میں (چوتھے ماہ میں اردو پتھر کے تہہ) ... 559  
 پتھر کی کھدائی، پانی کی کھدائی، پتھر کی کھدائی ... 36  
 پتھر کی کھدائی ... 192  
 پتھر کی کھدائی ... 301

1132

( ii ) دوسری طرح لکائی گئی ہوگی

238 ... زمین، چاهک، ترست و غیره  
96 ... سرکاری آورد اند سرکاری هلکیان  
47 ... زمین، مکان و غیره  
159 ... جمع و غیره

535

(iii) دھارمک اور لکھا سہل دی سہل تھالیں 658

2325

2325 کل جوڑ  
( یہ آنکڑے بمبئی کے ' کسرس ' نامک پتھر کے 10  
جولائی 1948 کے ایک مہوں پر کاٹھے ہوئے تھے جو اُس نے  
امریکی سڑکار دوا دارا پر کاٹھے دیکھو میں لگی ہوئی  
پونجی کی گلتی کی (پورٹ سے لئے تھے )  
1948 مہوں .

بھارتیہ روز بھنگ نے وہیسی پونجی کی لکٹی کو کے  
جو رپورٹ 30 جون 1948 کو پراکاشت کی تھی، اُس میں  
بھارت میں لکی امریکی پونجی کے بارے میں نوجھ لکھ  
آکے دیئے گئے تھے :

(1) اسم و صفت کے لئے

(4, 5)

ایسی ہونچی جسکا	ایسی ہونچی جسکا	کلم
آدیوک پر نیلکرن	آدیوک پر نیلکرن	
نہوں ۛ		
493	20	کل کارخانے
484	34	بھوپار
...	1	ساروجکک ہس کے بھوسالہ
2	1	پاتالیاہ
...	18	کو انہیں
694	2	بیلک و شہرہ
38	80	پیتکرن

106

106  
1642 (2)

3459 37 14



## بھارت میں امریکی قدمِ بھارت میں امریکی قدم

(بیمہ پرکاش سنگھ)

(اوم پرکاش سنگھ)

ابھی دو مہینے بھی نہیں گئے کہ بھارت واپسیوں کو  
لکھنؤ میں آئے پر دھان ملنے کا نہ تھا لکھا یہاں ہوا  
کر بھی خوشی ہوئی تھی۔ لکھنؤ کے ایک پریس صحن  
میں ملت جی نے فرمایا تھا :

”یہ سرکار اگر ہمیں مدد دینے والی کسی واپسی  
سرکار کے دباؤ کے ساتھ چھٹے لکے کی اور چلتا کو ہی  
ایسی مدد سوچ کر کرے پر مجبور کرے گی تو میں ایک  
دن کے لئے بھی اس کا پر دھان دھلا پسند نہیں کروں گا۔“  
(”امریک بازار پریکھا“ 23 دسمبر 1952)

پڈت جی کا دوا

آگے پڈت جی نے کہا تھا :

”شہر کے ساتھ آنے والی واپسی مدد پر نہیں  
رہنے سے... ہم یہ فیصلا پسند کریں گے کہ تکلیف میں  
رہے۔“

پڈت جی کے ان بیانیوں کا کیا مطلب تھا اور  
جنرل کو انہیں سن کر کیا خوشی ہوئی تھی ؟ بھارت سرکار  
نے اب تک جتنی واپسی سہائیاں سوچ کر کی ہے، اس کا  
بیشک بڑا حصہ یا تو منسلک ریاستوں سے آیا ہے،  
یا پھر ریاستوں کے ہاتھ سے، یا پھر بین الاقوامی  
سंस्थाؤں سے۔ ان संस्थाؤں میں امریکا کی ہی چلتی ہے  
اور امریکا ایک بہت طاقتور سامراجی وادی دیہی  
ہے۔ بھارت واپسیوں کو سامراجی وادی فاسی کا دو سو برس  
کا انبوہ ہے۔ اس لئے انہیں چلتا ہے کہ اگر امریکا کے  
قدم ہمارے دیہی میں ہوں گے تو اس کا بلکا دھار کئے  
بلانہ چھڑیں گے۔

پڈت جی کے ان بیانیوں سے انکی ضرور کچھ دیکھ  
جائے ہوگی، کیونکہ انکا ساکھ مطلب یہ تھا کہ  
(1) امریکی مدد کے ساتھ کسی طرح کی شہر نہیں  
لگے ہیں، اور (2) امریکا بھارت سرکار کے اوپر  
کبھی طرح کا دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔

سوال ہے کہ کیا یہ باتیں سچائی سے منہ کہتی ہیں؟

✽

✽

✽

امریکی پونجی کا لکھا جوتا

بھارت کو امریکا سے ابھی تک کتنی اور کس  
طرح کی مدد ملی ہے اور اس کی اور کتنی پونجی بھا  
ئی ہے : یہ نہج کے آنکھوں سے صاف ہو جائے گا :

دسمبر 53

( 53 )

نومبر 53

پڈت جی کا دوا

آگے پڈت جی نے کہا تھا :

”شہر کے ساتھ آنے والی واپسی مدد پر نہیں  
رہنے سے... ہم یہ فیصلا پسند کریں گے کہ تکلیف میں  
رہے۔“

پڈت جی کے ان بیانیوں کا کیا مطلب تھا اور  
جنرل کو انہیں سن کر کیا خوشی ہوئی تھی ؟ بھارت سرکار  
نے اب تک جتنی واپسی سہائیاں سوچ کر کی ہے، اس کا  
بیشک بڑا حصہ یا تو منسلک ریاستوں سے آیا ہے،  
یا پھر ریاستوں کے ہاتھ سے، یا پھر بین الاقوامی  
سंस्थाؤں سے۔ ان संस्थाؤں میں امریکا کی ہی چلتی ہے  
اور امریکا ایک بہت طاقتور سامراجی وادی دیہی  
ہے۔ بھارت واپسیوں کو سامراجی وادی فاسی کا دو سو برس  
کا انبوہ ہے۔ اس لئے انہیں چلتا ہے کہ اگر امریکا کے  
قدم ہمارے دیہی میں ہوں گے تو اس کا بلکا دھار کئے  
بلانہ چھڑیں گے۔

پڈت جی کے ان بیانیوں سے ان کی ضرور کچھ دیکھ  
جائے ہوگی، کیونکہ ان کا صاف مطلب یہ تھا کہ  
(1) امریکی مدد کے ساتھ کسی طرح کی شہر نہیں  
لگے ہیں، اور (2) امریکا بھارت سرکار کے اوپر کسی  
طرح کا دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔

سوال ہے کہ کیا یہ باتیں سچائی سے منہ کہتی ہیں؟

✽

✽

✽

امریکی پونجی کا لکھا جوتا

بھارت کو امریکا سے ابھی تک کتنی اور کس  
طرح کی مدد ملی ہے اور اس کی اور کتنی پونجی بھا  
ئی ہے : یہ نہج کے آنکھوں سے صاف ہو جائے گا :



ہی ہوگا۔ بااثری 90 کی ساری کھیتیں جہاں کے تھیں رہیں۔  
 اور جیسے دیش کی پیداوار پچھلے 50 سال سے گھٹتی جا  
 رہی ہے ویسے ہی گھٹتی جائیگی۔ بامال کی پیداوار جو  
 1921-22 میں 957 پونڈ کی فکڑ تھی، 1945-46 تک بڑھتے  
 بڑھتے 717 رہ گئی اور گہوں کی پیداوار 845 سے 580  
 رہ گئی، بانی 25 کی ساری اور 19.3 کی ساری کم۔

### پلان کا اصلاتی رپ

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سو کروڑ روپے خرچ  
 کرنے کے باوجود ہمارے دیش کی بونیادیی समस्या—خیتی  
 کی کمزوری—ہل نہیں رہی۔ سچ تو یہ ہے  
 کہ سرکار کے پلان سے بامال جناتا اور کھیتوں کا کوئی  
 فائدہ نہیں ہوتا۔ سرکار کا وچار ساجھے داری کی کھیتی بولانے  
 کا ہے اور پلاننگ کمیشن کی تجویز ہے کہ اگر گاؤں کے دو  
 تہائی کسان یا ایسے آدمی جن کے پاس گاؤں کی آدمی  
 زمین ہے طے کر لیں، تو بانی لوگوں کے لئے ضروری ہو  
 جاتا ہے کہ وہ بھی ساجھے کی کھیتی میں شامل ہوں۔  
 اس کا صاف ارادہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بڑے زمیندار اور  
 دھنی کسان بانی گاؤں والوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ  
 وہ اپنے کھیت اُن کے ہاتھ میں سونپ دیں۔

بھکاری کے سبب کا کوئی ہل پلان میں نہیں ہے۔  
 سرکار کو چاہیے تھا کہ باہر سے بڑی بڑی مشینیں  
 منگانیے بجاوے، جہاں تک ہو سکے دیش کے لاکھوں کروڑوں  
 بھکاریوں کی مدد سے کرایہ اٹھائے۔ چین کی سرکار نے  
 بھی ایسا ہی کیا ہے۔ سرکار 'ڈیگنیٹیڈ آف لبرر ویک'  
 کا سٹانگ تو رچا سکتی ہے لیکن ایسا تھوس کام نہیں کر  
 سکتی۔ پلان کے اصلی روپ کو دیکھ کر کسی کو اس کے  
 لئے جوہں یا اتساہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

پلان کے سوال کا کوئی حل پلان میں نہیں ہے۔  
 سرکار کو چاہئے تھا کہ باہر سے بڑی بڑی مشینیں  
 منگانیے بجاوے، جہاں تک ہو سکے دیش کے لاکھوں کروڑوں  
 بھکاریوں کی مدد سے کرایہ اٹھائے۔ چین کی سرکار نے  
 بھی ایسا ہی کیا ہے۔ سرکار 'ڈیگنیٹیڈ آف لبرر ویک'  
 کا سٹانگ تو رچا سکتی ہے لیکن ایسا تھوس کام نہیں کر  
 سکتی۔ پلان کے اصلی روپ کو دیکھ کر کسی کو اس کے  
 لئے جوہں یا اتساہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سو کروڑ روپے خرچ  
 کرنے کے بعد بھی ہمارے دیش کی بونیادیی سمسیا—  
 کھیتی کی سمسیا—حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ سچ یہ ہے کہ  
 سرکار کے اس پلان سے عام چلتا اور کسان کا کوئی فائدہ  
 نہیں ہوتا۔ سرکار کا وچار ساجھے داری کی کھیتی بولانے  
 کا ہے اور پلاننگ کمیشن کی تجویز ہے کہ اگر گاؤں کے دو  
 تہائی کسان یا ایسے آدمی جن کے پاس گاؤں کی آدمی  
 زمین ہے طے کر لیں، تو بانی لوگوں کے لئے ضروری ہو  
 جاتا ہے کہ وہ بھی ساجھے کی کھیتی میں شامل ہوں۔  
 اس کا صاف ارادہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بڑے زمیندار اور  
 دھنی کسان بانی گاؤں والوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ  
 وہ اپنے کھیت اُن کے ہاتھ میں سونپ دیں۔

### پلان کا اصلی روپ

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سو کروڑ روپے خرچ  
 کرنے کے بعد بھی ہمارے دیش کی بونیادیی سمسیا—  
 کھیتی کی سمسیا—حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ سچ یہ ہے کہ  
 سرکار کے اس پلان سے عام چلتا اور کسان کا کوئی فائدہ  
 نہیں ہوتا۔ سرکار کا وچار ساجھے داری کی کھیتی بولانے  
 کا ہے اور پلاننگ کمیشن کی تجویز ہے کہ اگر گاؤں کے دو  
 تہائی کسان یا ایسے آدمی جن کے پاس گاؤں کی آدمی  
 زمین ہے طے کر لیں، تو بانی لوگوں کے لئے ضروری ہو  
 جاتا ہے کہ وہ بھی ساجھے کی کھیتی میں شامل ہوں۔  
 اس کا صاف ارادہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بڑے زمیندار اور  
 دھنی کسان بانی گاؤں والوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ  
 وہ اپنے کھیت اُن کے ہاتھ میں سونپ دیں۔

بھکاری کے سوال کا کوئی حل پلان میں نہیں ہے۔  
 سرکار کو چاہئے تھا کہ باہر سے بڑی بڑی مشینیں  
 منگانیے بجاوے، جہاں تک ہو سکے دیش کے لاکھوں کروڑوں  
 بھکاریوں کی مدد سے کرایہ اٹھائے۔ چین کی سرکار نے  
 بھی ایسا ہی کیا ہے۔ سرکار 'ڈیگنیٹیڈ آف لبرر ویک'  
 کا سٹانگ تو رچا سکتی ہے لیکن ایسا تھوس کام نہیں کر  
 سکتی۔ پلان کے اصلی روپ کو دیکھ کر کسی کو اس کے  
 لئے جوہں یا اتساہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

پلان میں بتایا گیا ہے کہ اس پوجنا کے تحت خوب  
 کچا مال پیدا ہوگا اور باہر سے تیار مال منگانیے کے لئے اسے  
 باہر بھجوا جائیگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھارت کا  
 کچا مال سستے داموں ملے گا اور اسی مال سے آدمیوں  
 سامان تیار کر کے ویشی ہم سے من مانے دام ایلکتھیں گے۔  
 اس طرح ہم پر قرض کا بھار بڑھتا جائے گا۔ ملک میں  
 دولت آنے کے بجائے دیش کی پونجی ویشیوں کی دولت  
 چوکتی رہے گی۔



## दूसरी योजनाएं

कृषि और तालाब सुदृढ़ाना, बीज बांटना, खाद इकट्ठा करना वगैरह कोई नई योजनाएं नहीं हैं। 'वैदाधार बढ़ाओ' या 'अधिक अनाज पैदा करो' आन्दोलन के नाम का बोल ब्रिटिश सरकार बहुत दिन तक पीटती रही है। इस आन्दोलन में उसने करोड़ों रुपये खर्च भी किये थे। बाद में उसे मानना पड़ा कि इस स्कीम से कोई खास फायदा नहीं हुआ। ( देखिये रिजर्व बैंक आफ इंडिया के रूरल एकनामिक्स डिवीजन्स और बम्बई यूनिवर्सिटी स्कूल आफ इकनामिक्स एन्ड सोशलोजी की रिपोर्टें )

आज टीम डाम प्रियादा है, धूम धाम प्रियादा है। खर्चा पहले से चौगुना बढ़ गया है। लेकिन स्कीम में कोई खास फर्क नहीं है। स्कीम के मुख्य अंग यह हैं :—

( i ) सारा काम अफसरों की देख रेख में होगा। हर जिले में कलक्टर की सदारत में एक कमेटी बनेगी। इस कमेटी में एक प्लानिंग अफसर और दूसरे नामजद किये हुए लोग होंगे। प्लानिंग अफसर ऐसी ही कमेटियां हर तहसील में बनाएगा। सूबाई पैमाने पर एक बड़ा अफसर सब स्कीमों का जोड़ बैठाएगा।

( ii ) कोई ऐसे सुधार नहीं किये जायेंगे जिससे किसान के हाथ में पहले से प्रियादा रुपया आए और खेतिहर को खेत मिले। जमींदारी खातमे की जो स्कीमें हैं उनमें लगान कम होना तो अलग रहा, उल्टे किसान को दसगुना मुआवजे में देना होगा। यानी पहले दस गुना रुपया इकट्ठा करो, तब 15 साल के बाद फायदा हो। जो न दे सके उसे कोई फायदा नहीं। जाहिर है हिन्दुस्तान के अधिकतर किसान दस गुना दाम नहीं दे सकते। जमींदारी खातमे से उल्टे अफसरशाही को किसानों को परेशान करने के दस बहाने और मिल गए।

## कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स

सरकार की योजना में 90 करोड़ रुपये कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के लिये रखे गए हैं। भारत सरकार और अमरीकी समझौते के मुताबिक कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के 55 केन्द्र खोले जायेंगे। हर केन्द्र में 300 गांव शामिल होंगे। इन केन्द्रों के फेरिये नए औजार, खाद, बीज वगैरह किसानों को मुहैया किये जायेंगे। उन्हें खेतों की उपज बढ़ाने और मवेशियों को नस्ल सुधारने वगैरह की सीख भी दी जायगी। इस सब खर्च का आठवां हिस्सा अमरीकी सरकार देगी। पर अमरीका की सलाह के बिना भारत सरकार कोई कदम न उठा सकेगी।

दूसरी सरकारी स्कीमों की तरह इस योजना में भी दिखावट अधिक है, असलियत कम। किसान अफसर शाही से तंग होगा और फायदा सिर्फ थोड़े से धनी किसानों, सरकारी दलालों और वैसे वाले जमींदारों को

## दूसरी योजनाएं

कलकत्ता और तालाब कंदाना, बीज बांटना, खाद इकट्ठा करना वगैरह कोई नई योजनाएं नहीं हैं। 'वैदाधार बढ़ाओ' या 'अधिक अनाज पैदा करो' आन्दोलन के नाम का बोल ब्रिटिश सरकार बहुत दिन तक पीटती रही है। इस आन्दोलन में उसने करोड़ों रुपये खर्च भी किये थे। बाद में उसे मानना पड़ा कि इस स्कीम से कोई खास फायदा नहीं हुआ। ( देखिये रिजर्व बैंक आफ इंडिया के रूरल एकनामिक्स डिवीजन्स और बम्बई यूनिवर्सिटी स्कूल आफ इकनामिक्स एन्ड सोशलोजी की रिपोर्टें )

आज ठम ठाम प्रियादा है, धूम धाम प्रियादा है। खर्चा पहले से चौगुना बढ़ गया है। लेकिन स्कीम में कोई खास फर्क नहीं है। स्कीम के मुख्य अंग यह हैं :—

( i ) सारा काम अफसरों की देख रेख में होगा। हर जिले में कलक्टर की सदारत में एक कमेटी बनेगी। इस कमेटी में एक प्लानिंग अफसर और दूसरे नामजद किये हुए लोग होंगे। प्लानिंग अफसर ऐसी ही कमेटियां हर तहसील में बनाएगा। सूबाई पैमाने पर एक बड़ा अफसर सब स्कीमों का जोड़ बैठाएगा।

( ii ) कोई ऐसे सुधार नहीं किये जायेंगे जिससे किसान के हाथ में पहले से प्रियादा रुपया आए और खेतिहर को खेत मिले। जमींदारी खातमे की जो स्कीमें हैं उनमें लगान कम होना तो अलग रहा, उल्टे किसान को दसगुना मुआवजे में देना होगा। यानी पहले दस गुना रुपया इकट्ठा करो, तब 15 साल के बाद फायदा हो। जो न दे सके उसे कोई फायदा नहीं। जाहिर है हिन्दुस्तान के अधिकतर किसान दस गुना दाम नहीं दे सकते। जमींदारी खातमे से उल्टे अफसरशाही को किसानों को परेशान करने के दस बहाने और मिल गए।

## कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स

सरकार की योजना में 90 करोड़ रुपये कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के लिये रखे गए हैं। भारत सरकार और अमरीकी समझौते के मुताबिक कमयुनिटी प्रोजेक्ट्स के 55 केन्द्र खोले जायेंगे। हर केन्द्र में 300 गांव शामिल होंगे। इन केन्द्रों के फेरिये नए औजार, खाद, बीज वगैरह किसानों को मुहैया किये जायेंगे। उन्हें खेतों की उपज बढ़ाने और मवेशियों को नस्ल सुधारने वगैरह की सीख भी दी जायगी। इस सब खर्च का आठवां हिस्सा अमरीकी सरकार देगी। पर अमरीका की सलाह के बिना भारत सरकार कोई कदम न उठा सकेगी।

दूसरी सरकारी स्कीमों की तरह इस योजना में भी दिखावट अधिक है, असलियत कम। किसान अफसर शाही से तंग होगा और फायदा सिर्फ थोड़े से धनी किसानों, सरकारी दलालों और वैसे वाले जमींदारों को



دو جڑوں پر مشتمل پودا کھانا دینا اور یہی میں پوداوار، پوہانا۔ پان کے مطابق دیہی کی آمدنی پانچ سال میں 11 فیصدی بڑھ جائیگی۔ لیکن ہماری آبادی میں اس دوران میں بڑھ کر رہے گی۔ اس لئے چلتا کی آمدنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پرستہ آرتھ شاستری ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ کا کہنا ہے کہ اگلے 15 سال تک چلتا کی آمدنی میں کوئی بڑھوتری نہیں ہو سکتی۔

ایک قدم اور۔ اگر سرکار کی اس دلیل کو بھی مان لیں کہ اس سے ضرورت پوداوار پوہانے کی ہے اور لگے کی ترقی کی طرف قدم پوہانا ہے تو کیا اس پان سے ہماری پوداوار اور خاص طور سے اناج کی پوداوار کا سوال حل ہو جاتا ہے؟ اگر یہ پان انداز میں کر سکے تو کم نہیں!

پلاننگ کمیشن کا اعدادہ ہے کہ 1955-56 تک پوداوار کی بڑھوتری اس طرح سے ہوگی۔

موجودہ	بڑھوتری	فائدہ
61.6	54	(ملین ٹن)
42.2	29.7	کھاس (لاکھ گائے)
53.9	33.0	پتسن (لاکھ گائے)
6.3	5.6	چمٹی (ملین ٹن)

اوپر کی جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ کی پوداوار 7 ملین ٹن یا 14 فیصدی، کھاس کی 12.6 لاکھ گائے یا 42 فیصدی، پتسن کی 20.9 لاکھ گائے یا 42 فیصدی اور چمٹی کی پوداوار 7 لاکھ ٹن یا 12 فیصدی بڑھانے کی ہو چکا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پوداوار بڑھ کر کس طرح؟ سرکار کا وچار ہے کہ بڑی بڑی آبپاشی کی پوجلاؤں (ڈاموڈر، ہیراکونڈ، بھرا، ننگل) کے ذریعے 23 لاکھ ٹن رالٹا پیدا کیا جاسکے گا۔ باقی 49 لاکھ ٹن آبپاشی کی پوجلاؤں، کھاس، بھرا، بھرا، بھرا، بھرا کی مدد سے اور اوسر زمین کو چھوٹی پوجلاؤں سے پیدا کیا جاسکے گا۔

### چھوٹی پوجلاؤں

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔

### چھوٹی پوجلاؤں

یہ کہنا مشکل ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کو سکھانے کی جو اسکیمیں سرکار نے بنائی ہیں ان سے اصل پوداوار میں کتنی بڑھوتری ہوگی۔ ابھی تو ان پوجلاؤں میں پانی کی طرح روکھ دھپا جا رہا ہے۔ ڈاموڈر کھاتی اسکیم کا خرچ 37 کروڑ سے بڑھ کر 75 کروڑ ہو گیا ہے۔ دوسری پوجلاؤں کے خرچ میں بھی اسی پیمانے پر ترقی ہو رہی ہے۔ صاف ہے کہ جس طرح ان پوجلاؤں کے دواڑا بڑے بڑے انیسویں کی پیمت پچائی ہو رہی ہے اسی طرح جب نئے کھیت باغیچے کا سوال آئے گا تب دوسرے انیسویں کی پیمت پچائی ہوگی۔ امریکی "لیکچرر" کی تو یہ بات ہے۔



دیمارا کی پانچواں بھی۔ یہ ہو بھی کیسے؟ سرکار کے نواہندے آج دین ویڈی پونجی کو داہت دتے رتے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا پانچپتی دیش، امریکی، رپنا دینے کو ہر دس تیار ہٹا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ساہوکار ہٹا کسی جھوٹے اور شرط کے پوسٹ اڈہار نہیں دیتا۔ امریکہ کی شرطیں یہ ہوں۔ امریکی اور ہندوستانی پونجی ہوں کوئی ہود ہٹا نہ رکھا جائے، راشتری کرن نہ کرنے کا پانچ دایا جائے، مبالغہ باہر ہونے کی پوری سہولتوں ہی جائیں وغیرہ۔ بھارت سرکار یہ زیادہ تر شرطیں ماننے کو تیار ہے۔ لیکن اس پر بھی امریکی پانچ پتی سلطنت نہیں ہوں۔ اصل میں ان کو ہند سرکار کی ویڈی پونجی سے شکست ہے۔ وہ چاہتے ہوں کہ سرکار صاف صاف کمونزم کے خلاف جہاد میں امریکوں کی مدد کرنے کا وعدہ کرے، امریکوں کو بھارت میں فوجی اڈے ہٹانے دے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ بھارت کے اندرونی معاملوں میں بھی دخل اندازی کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسی رعایتیں بھی چاہتے ہوں جو بھارت سرکار نے ہندوستانی پونجی پانچوں کو بھی نہیں دی تھی۔

ظاہر ہے کہ بڑی مائرا میں ویڈی پونجی ہوں اپنی آزادی پوری طرح ہٹانے سے ہی مل سکے گی۔ اور تب بھی یہ پونجی دیش کو پانچویں دیشوں کی آرتک غلامی سے آزادی دلانے کے لئے نہیں لگائی جائیگی۔ کیونکہ جو ویڈی پونجی دیش میں آرتکی وہ کچا مال ہوتا کرتے اور پانچپت کے سادھوں کو ہونانے کے کام میں ہی لگائی جائے گی۔

اوپر کی بات سے صاف ہو جاتا ہے کہ ویڈی پونجی پہلے تو جن شرطوں پر شاید ہوں مل سکے وہ ایک آزاد دیش کی شان کے خلاف ہوں، اور دوسرے اس کا مقصد ہمارے دیش کو آزاد اور خوشحال ہٹانا نہیں ہے۔ ہوں پانچپتی کا آقا ہٹانا ہمارے کچے مال کو حاصل کرنا اور ہماری نئی آزادی کو ختم کرنا اس کا لکھ ہے۔

ہمارا اپنا تجربہ اور دوسرے دیشوں کا تجربہ بھی یہی سکھاتا ہے کہ اگر ہوں اپنے دیش کو مضبوط اور خوش حال ہٹانا ہے تو ہوں اپنے ہی ساڈھوں، اپنی ہی مہنت اور کربانیوں پر ہی نبرہر رہنا پڑے گا۔ یہ دتہ کی بات ہے کہ سرکار اور پانچپت کمیشن نے اس بات کو 'جھک' اور ویڈی پونجی کے خطرے کو 'بے مطلب شک' کہ کر ڈالنا چاہا ہے۔

#### کھیتی کی سسٹما

#### خوئی کی سمسٹما

سوال یہ آتھا ہے کہ اگر ہم تھوری دیر کے لئے ویڈی پونجی کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیں تو کیا اس سے ہمارے سسٹما حل ہو جائی ہے؟ پانچپتی سوال ہوں۔ دیش میں چلتا کے چھوٹے رستے کو اونچا اٹھانا، انہوں

سوال یہ آتھا ہے کہ اگر ہم تھوری دیر کے لئے ویڈی پونجی کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیں تو کیا اس سے ہمارے سسٹما حل ہو جائی ہے؟ پانچپتی سوال ہوں۔ دیش میں چلتا کے چھوٹے رستے کو اونچا اٹھانا، انہوں



لگانے کا کام سبھی کی सरकारوں پر छोड़ दिया गया है. इसका कारन यह है कि केन्द्रीय सरकार का यह इरादा नहीं है कि आदमनी के खास खरियों को जिन्हें बड़े बच तक बचाए हुए है छोड़ दे. बड़े बड़े पंजीपतियों को पूरी छुट दी गई है क्योंकि सरकार का विचार है कि अगर उनके हाथ में में रुपया न बढ़ा- तो सरकार को रुपया उधार लेने में कठिनाई होगी. इसलिये अधिक मुनाफा टैक्स नहीं लगाया जायगा, कम्पनियों के टैक्स में कमी होगी, और दूसरी आसानियां भी सरमाथाधारों को दी जायेंगी.

सरकार जब नोट छापने की बात करती है तो इस के मानी होते हैं चीखों के दामों में बढ़ती करना. यादिर है कि यह भार भी जनता के कंधों पर पड़ेगा.

### विदेशी पूंजी

इस योजना की सब से खतरनाक बात दूसरे मुल्कों से 665 करोड़ रुपए की पूंजी उधार लेना है. हमें अपने तजुबों से यह बात अच्छी तरह मालूम है कि विदेशी पूंजी के क्या माने होते हैं. अंगरेजी पूंजी आज भी हमारे देश के आर्थिक जीवन को अपनी मुट्ठी में लिये हुए है. पबसन, चाय के बगीचे, कोयले की खानें, इंजीनियरिंग उद्योग क़रीब क़रीब पूरी तरह से अंगरेजों के हाथ में हैं. बिजली, ट्राम और कपड़ा जैसे उद्योगों में या काफी अंगरेजी पूंजी लगी है और या ऐसे कारखानों का इन्तक़ाम अंगरेजी मैनेजिंग एजन्सियों के हाथ में है. इसके अलावा बहुत सी ऐसी नई नई कम्पनियां खुलती जा रही हैं जिनमें अंगरेज और हिन्दुस्तानी पूंजी-पतियों की मिली जुली पूंजी लगी है. नाम के लिये इन कम्पनियों का उद्देश्य है देश में नये उद्योग धन्दे त्रायम करना. लेकिन यह कम्पनियां विदेशी चीखों को ही देशी नाम देकर बेचती हैं. बिरला की हिन्दुस्तान मोटर खुद बम्बई के कहने के मुताबिक सिर्फ 60 फी सदी हिन्दुस्तानी है. यही बात हवाई जहाज और जहाजों के बारे में कही जा सकती है.

विदेशी पूंजी के खरिये हर साल देश से करोड़ों रुपया बाहर चला जाता है. पंडित जवाहरलाल नेहरू की सवारत में राष्ट्रीय प्लानिंग कमिटी ने (1932-42) में इस बारे में काफी सोच विचार किया था और यह फैसला किया था कि जहां विदेशी पूंजी लगे वहां जांचे से लियाया हिस्सा हिन्दुस्तानियों का होना चाहिये और यह शर्त होनी चाहिये कि हिन्दुस्तानियों को सब तकनीकी काम सिखाये जाय.

होना तो यह चाहिये था कि विदेशी पूंजी का बिलकुल सहारा न लिया जाय, लेकिन इस प्लान में इन शर्तों का भी कहीं ध्यान नहीं है जो पंडित जवाहरलाल नेहरू के

लाने का काम सभे की सरकारों पर छोड़ दिया गया है. इस का कारन यह है कि केन्द्रीय सरकार का यह इरादा नहीं है कि आदमनी के खास खरियों को जिन्हें बड़े बच तक बचाए हुए है छोड़ दे. बड़े बड़े पंजीपतियों को पूरी छुट दी गई है क्योंकि सरकार का विचार है कि अगर उनके हाथ में में रुपया न बढ़ा- तो सरकार को रुपया उधार लेने में कठिनाई होगी. इसलिये अधिक मुनाफा टैक्स नहीं लगाया जायगा, कम्पनियों के टैक्स में कमी होगी, और दूसरी आसानियां भी सरमाथाधारों को दी जायेंगी.

सरकार जब नोट छापने की बात करती है तो इस के मानी होते हैं चीखों के दामों में बढ़ती करना. यादिर है कि यह भार भी जनता के कंधों पर पड़ेगा.

### विदेशी पूंजी

इस योजना की सब से खतरनाक बात दूसरे मुल्कों से 665 करोड़ रुपए की पूंजी उधार लेना है. हमें अपने तजुबों से यह बात अच्छी तरह मालूम है कि विदेशी पूंजी के क्या माने होते हैं. अंगरेजी पूंजी आज भी हमारे देश के आर्थिक जीवन को अपनी मुट्ठी में लिये हुए है. पबसन, चाय के बगीचे, कोयले की खानें, इंजीनियरिंग उद्योग क़रीब क़रीब पूरी तरह से अंगरेजों के हाथ में हैं. बिजली, ट्राम और कपड़ा जैसे उद्योगों में या काफी अंगरेजी पूंजी लगी है और या ऐसे कारखानों का इन्तक़ाम अंगरेजी मैनेजिंग एजन्सियों के हाथ में है. इसके अलावा बहुत सी ऐसी नई नई कम्पनियां खुलती जा रही हैं जिनमें अंगरेज और हिन्दुस्तानी पूंजी-पतियों की मिली जुली पूंजी लगी है. नाम के लिये इन कम्पनियों का उद्देश्य है देश में नये उद्योग धन्दे त्रायम करना. लेकिन यह कम्पनियां विदेशी चीखों को ही देशी नाम देकर बेचती हैं. बिरला की हिन्दुस्तान मोटर खुद बम्बई के कहने के मुताबिक सिर्फ 60 फी सदी हिन्दुस्तानी है. यही बात हवाई जहाज और जहाजों के बारे में कही जा सकती है.

विदेशी पूंजी के खरिये हर साल देश से करोड़ों रुपया बाहर चला जाता है. पंडित जवाहरलाल नेहरू की सवारत में राष्ट्रीय प्लानिंग कमिटी ने (1932-42) में इस बारे में काफी सोच विचार किया था और यह फैसला किया था कि जहां विदेशी पूंजी लगे वहां जांचे से लियाया हिस्सा हिन्दुस्तानियों का होना चाहिये और यह शर्त होनी चाहिये कि हिन्दुस्तानियों को सब तकनीकी काम सिखाये जाय.

होना तो यह चाहिये था कि विदेशी पूंजी का बिलकुल सहारा न लिया जाय, लेकिन इस प्लान में इन शर्तों का भी कहीं ध्यान नहीं है जो पंडित जवाहरलाल नेहरू के



## भारत सरकार की पंचसाला योजना

( डाक्टर सतीशचन्द्र )

भारत सरकार की पंचसाला योजना की पिछले दो तीन साल से देश में काफी चर्चा हुई है। अब सरकार ने योजना का आखिरी खाका तैयार कर लिया है। अगरचे यह आखिरी खाका पुरानी योजना से बहुत अलग नहीं है फिर भी सरकार का दावा है कि जितनी आलोचना जायज थी उसको नफर में रख कर पुरानी योजना में तब्दीली की गई है।

नये प्लान के मुताबिक कुल खर्चा 1493 करोड़ से बढ़कर 2069 करोड़, यानी पहले से 567 करोड़ घिटावा हो गया है। खर्च का मोटा मोटा ब्योरा नीचे दिया जाता है। नीचे के टेबिल में साल की रकम छोड़ दी गई है।

	पुरानी योजना ( करोड़ )	नया प्लान ( करोड़ )
1. खेती बारी और कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स	191	361
2. सिंचाई और बिजली	440	561
3. यातायात	388	497
4. उद्योग धन्दे	100	173
5. समाज सेवा	833	476
6. बाक़ी चीज़ें	28	...
	1493	2068

इस तरह हम देखते हैं कि खर्च खेती बारी, कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स, सिंचाई, बिजली, यातायात और उद्योग धन्दों के ऊपर बढ़ा दिया गया है।

सवाल यह उठता है कि 2069 करोड़ रुपये की रकम सरकार के हाथ में आएगी कहाँ से ? प्लान में यह सवाल सबसे बाद में उठाया गया है। सौर से देखा जाय तो मालूम होगा कि यह प्लान का बह हिस्सा है जिसके बग़ैर प्लान केवल काराख़ी प्लान बन कर रह जायगा। जनता के लिये भी यह सवाल काफी अहम है। सरकार का विचार है कि टैक्सों की शकल में 738 करोड़ रुपया वसूल किया जाय और 520 करोड़ रुपया जनता से उधार लिया जाय। 156 करोड़ विदेशी मबद सरकार को मिल चुकी है। 655 करोड़ रुपये की रकम विदेशों से और ली जायगी। बाक़ी नये टैक्स लगा कर हासिल की जायगी और या नोट छाप कर पूरी की जायगी।

बिक्री टैक्स, विकास टैक्स, पानी टैक्स बतौरा बतौरा सास टैक्स लगाये जायंगे। इसके अलावा नये नये टैक्स

## भारत सरकार की पंच साले योजना

( डाक्टर सतीश चन्द्र )

भारत सरकार की पंच साले योजना की पिछले दो तीन साल से देश में काफी चर्चा हुई है। अब सरकार ने योजना का आखिरी खाका तैयार कर लिया है। अगरचे यह आखिरी खाका पुरानी योजना से बहुत अलग नहीं है फिर भी सरकार का दावा है कि जितनी आलोचना जायज थी उसको नफर में रख कर पुरानी योजना में तब्दीली की गई है।

नये प्लान के मुताबिक कुल खर्च 1493 करोड़ से बढ़कर 2069 करोड़, यानी पहले से 567 करोड़ घिटावा हो गया है। खर्च का मोटा मोटा ब्योरा नीचे दिया जाता है। नीचे के टेबिल में साल की रकम छोड़ दी गई है।

	पुरानी योजना ( करोड़ )	नया प्लान ( करोड़ )
1. कृषि बारी और कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स	191	361
2. सिंचाई और बिजली	440	561
3. यातायात	388	497
4. उद्योग धन्दे	100	173
5. समाज सेवा	333	476
6. बाक़ी चीज़ें	28	...
	1493	2068

इस तरह हम देखते हैं कि खर्च खेती बारी, कम्युनिटी प्रोजेक्ट्स, सिंचाई, बिजली, यातायात और उद्योग धन्दों के ऊपर बढ़ा दिया गया है।

सवाल यह उठता है कि 2069 करोड़ रुपये की रकम सरकार के हाथ में आएगी कहाँ से ? प्लान में यह सवाल सबसे बाद में उठाया गया है। सौर से देखा जाय तो मालूम होगा कि यह प्लान का बह हिस्सा है जिसके बग़ैर प्लान केवल काराख़ी प्लान बन कर रह जायगा। जनता के लिये भी यह सवाल काफी अहम है। सरकार का विचार है कि टैक्सों की शकल में 738 करोड़ रुपया वसूल किया जाय और 520 करोड़ रुपया जनता से उधार लिया जाय। 156 करोड़ विदेशी मबद सरकार को मिल चुकी है। 655 करोड़ रुपये की रकम विदेशों से और ली जायगी। बाक़ी नये टैक्स लगा कर हासिल की जायगी और या नोट छाप कर पूरी की जायगी।

बिक्री टैक्स, विकास टैक्स, पानी टैक्स बतौरा बतौरा सास टैक्स लगाये जायंगे। इसके अलावा नये नये टैक्स



اسکی تھک کر نہ کر۔ اس بار میں جیل نہیں جا سکتا۔ خان مقصود کو مر جائے اسے ایک گواہ نہیں ملے گا۔ تو یہ بتا کہ لوکمن نے مجھے جیل کرائی تو کہا اب وہ میرا بھائی نہیں رہا؟ تو کہا اس کی عورت میری ہو جائی نہیں رہی؟ اور کہا اس کا لڑکا میرا بھتیجا نہیں رہا؟

لکھنؤ تلک کر بولی—تو مرد بھی عجیب ہوتے ہو؟ جانے تمہاری ناک موم کی ہے یا کاغذ کی۔ میرے لپٹے تو منڈو ایک دن سٹھا لکھ کر آیا تھا، میں نے صاف انکار کر دیا اور مفلوجیہ کہا۔ کم دینا ایسی اس سے کہ میں یہ ان کے دیور کے جمل بھجوانے کی خوشی کا لبرک نہیں لہتا چاہتی۔

اوری بھلی مانس! یہ تو نے کہا کہا! تو نے تو منگل خاندان کی عزت کو ہٹا لیا۔ کہا سنی موری اور لوکمن کی ہوئی تھی اور کن بھائی بھائی میں اس میں جھگڑا نہیں ہوتا؟ تجھ سے تو نہ تو نے لوکمن آیا تھا اور نہ لوکمن کی عورت۔ اور بچہ! اس، پھارے بچہ کو تجھ سے بچکارا بھی نہیں کیا! بہت کرتی تو لوکمن سے نہ بات کرتی۔ لوکمن سے تو تو ویسے ہی پردہ کرتی ہے ہر موری ہو جائی اور بھتیجہ لے گیا بگڑا تھا؟ بھائی بھائی لڑے تو کہا دنیا بھر کو دشمن مان لگی!

لکھنؤ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

—بھگوان دین

لکھنؤ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

—بھگوان دین

”ہٹ تونے کی چوڑی کے پہلے  
ہرے ہند کی چوڑی بہت ضروری ہے۔  
اگر یہ ہو جائے تو سب اور تو ہوا ہی  
ہے۔“

”ایہلٹ چوڑی کی چوڑی کے پہلے  
ہرے ہند کی چوڑی بہت ضروری ہے۔  
اگر یہ ہو جائے تو سب اور تو ہوا ہی  
ہے۔“

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی



رہمان، جہان سنبھال کر بات کر، رپے لیتے ہیں  
ہاई آئے سود پر، میں آج ہی سارے سات آئے پہونچا  
دوڑتا۔

جہان میں کچھ سنبھال، جہان تو سنبھال۔ وہی مان کھی  
کا، بھڑ بولتا ہے، ہاई رپے کو ہاई آنا کہتا ہے۔

وہی مان تو !

اس کے جواب میں رحمان کے منہ سے لوکمن کو ماں  
کی گالی نکلنی۔ اسی وقت جیل سے بھڑ کر احمد  
علی آ پہونچا۔ رحمان کی گالی اُس کے کان میں بوجھتی تھی۔  
رحمان دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سا قندآ لٹے ہوئے تھا  
اور بائیں ہاتھ سے لوکمن کا ہاتھ ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔  
وہ قندآ اٹھا کر جمانے کو ہی تھا کہ احمد علی نے رحمان  
خاں کے ہاتھ سے قندآ ٹھونچ کر ایک دم آواز دی—خان  
لوکمن کا ہاتھ چھوڑ۔

اس کے لوگ تو یہ سمجھ کر اب احمد علی نے لہا  
لوکمن سے بدو۔ اب منلو سوا چکھوٹکے احمد علی کو  
جیل بھجوانے کا۔ اُنہ میں احمد علی کا ذندا ہوا خان کے  
ہاتھ پر۔ وہ لوگ مان کا ہاتھ چھوڑ احمد علی کی طرف  
لپکا۔ جب تک احمد علی نے اُس کی کہوڑی پر دو اور  
گسی کے جمانے، اب خان کو بھانٹے ہی بلما۔ اندر سے  
والے اگر احمد علی سے بولے۔

تم نے پھر جیل جانے کی تیاری کر لی۔ لوکمن سے  
تمہیں اتنی مصیبت تھی تو نہ کچھ بات کے لئے تم نے  
اس کا ہاتھ کھینچا تو؟

تم بھی صحیح آدمی ہو۔ وہ روزی کا سوال تھا  
پہت کا سوال تھا، اصول کا سوال تھا۔

اور اب جس نے تمہیں جیل بھجوا دیا تھا اُس کی  
خاطر تم میں اتنا بھار کہاں سے جاگ آیا؟

تم لوگوں میں شرم نہیں ہے تو میں نے تو اپنی شرم  
نہیں بچھڑائی۔ لوکمن کی ماں میری چاچی ہوتی ہے کی نہیں،  
اور تم میں سے بھی کسی کی تاई ہے، کسی کی بھیا ہے  
اور کسی کی کھڑ۔ اس کمبخت خان نے جب  
اس کو ماں کی گالی دی تو میری چاچی کو گالی دی کی نہیں،  
اور تمہاری تاई اور بھیا کو گالی دی کی نہیں۔ یہ  
لوکمن کا سوال نہیں ہے، مسئلے کی عزت کا سوال ہے،  
اگر تم آج اس طرح مسئلے کی عزت لٹوا دو گے تو کل  
فرنگیوں کی چوٹیاں کھاتے پھو گے۔

سب مسئلے والے یہ کہتے ہوئے کہ احمد علی بات تو  
پچے کی کہتا ہے، اپنے آپ کو کھر چل دے۔

احمد علی جیسے ہی گھر پہونچا لطفاً اے طعمہ  
دیہ—جس نے تمہیں جیل بھجوا دیا اب اُس کی خاطر  
پھر جیل جانے کی تیاری کر لی !







لوکمان یہ سنواری سوکر تاج میں آگیا اور  
گاؤ کا ہاتھ پکڑ کر بولا—اے تود میرا ہاتھ۔

ابھمبہ ابھی اس چوہی کی بددلت نہ کر سکا۔  
وہ نے کھڑا ہوا ایک ہڈا اور مارا لوکمان کے ہاتھ میں۔  
لوکمان کے چوہے تو بڑے گرم گرم چوہے تھے  
فصل میں بھول گیا اور احمد علی سے لپٹ پڑا اور دونوں  
میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے۔ دوسرے دوکان دار بچانے کے لئے  
دور سے آئے اور ان کو الگ کر دیا۔ گاہک ہنسے چھوڑ چلتا  
ہوا۔ دوکان داروں نے قصور لوک من کا ہی ثابت کیا۔ ان  
کی دلیل یہ تھی کہ لوک من کو گاہک سے ہنسے لئے بھڑ  
سوہا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لوک من اس فیصلے سے  
چمپ تو ہو گیا۔ پر جب اسکی چوہے ٹھنڈی ہو چکی تھی  
اور بڑی طرح دکھ دینے لگی تھی اور جیسے ہی اس نے  
چوہے پر ہاتھ رکھا تو اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اسکی ہڈی  
ٹوٹ گئی ہے۔ اب وہ کچھ چوہے سے کچھ ہار ہے۔ کھسکا  
کہ دوکان بڑھا کر چل دیا اور تھانے میں رہت لکھا آیا۔  
دس دن کے اندر قبیلے صاحب کے یہاں سے فیصلہ ہو گیا۔  
احمد علی کو تین مہینے کی جہول ہو گئی۔ مقدسہ میں  
سب مل کر لوک من کے پچیس روپے سات آنے خرچ ہوئے  
پر جہول کی خوشی میں وہ اس ہنسے کی چوہے  
کو برداشت کر گیا۔

( 2 )

دیکھو ری، منلو کی ماں، جب تک احمد علی جہول  
سے چھٹ کر نہ آئے احمد علی کی عورت لطیفہ کو کسی  
طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

اس میں تمہارے کہنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے  
چوہے بھائی کی بہو ہے تو وہ مہرے دیور کی بھی تو عورت  
ہے۔ مہرے دیورانی ہے۔ میں اُسے تکلیف کہوں ہونے دوںگی۔  
پر یہ تو بتاؤ کہ تم نے مہرے دیور کو جہول بھجوا کر کیا  
کوئی ہاتھ کا زخم اچھا کر لیا۔ فصل سب کو حرام ہے۔ تمہیں  
کو آجاتا اور تم اس پر قنڈا چلا بھٹکتے اور پھر وہ تھانے  
میں جاتا تو کیا تمہیں نہ جہول ہو جانی۔ اور جب  
دوکانداروں نے فیصلہ کر دیا تھا تب تم فرنگیوں کی عدالت  
میں کہیں پہنچ گئے۔

منلو کی ماں، بات تو تم ہی عقل کی کرتی ہو پر  
اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب یہ انہو تو نہیں ہو سکتا  
اور میں تو بچہ میں ہی مقدسہ واپس لے رہا تھا پر یہ  
شیطان کے بچے وکیل صاحب مجھ سے بولے، اگر تم مقدسہ  
واپس لوگے تو تم پھنس جاؤ گے۔ اب تمہیں بتاؤ میں کیا  
کرنا ؟

تم یہ کہتے کہ تھانے میں رہت لکھانے سے پہلے مجھ  
سے مل کر جاتے تو میں تمہیں رہت ہی نہ لکھانے دیتی۔

ہاں، منلو کی ماں، یہ تو بھول ہوئی۔ میں نے کان  
پکڑے۔ سنتوں کا کہنا ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنی پکڑی سے ہی

منلو کی ماں، بات تو تم ہی عقل کی کرتی ہو پر  
اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب یہ انہو تو نہیں ہو سکتا  
اور میں تو بچہ میں ہی مقدسہ واپس لے رہا تھا پر یہ  
شیطان کے بچے وکیل صاحب مجھ سے بولے، اگر تم مقدسہ  
واپس لوگے تو تم پھنس جاؤ گے۔ اب تمہیں بتاؤ میں کیا  
کرنا ؟



نکلی بڑی آواز سے۔ نگر کے تیرے کمرے پر آئی  
گئی۔

بڑی دیر میں دونوں نے مل کر سرخسے خریدے اور ہاتھ باندھ کر کھائے۔ چار بج گئے اور کوئی گھنٹہ  
دونوں میں سے کسی کی دکان پر نہ آیا۔ آدھ گھنٹہ کے  
بعد ایک گھنٹہ احمد علی کے پاس آیا۔ دراج کے مطابق  
احمد علی نے بیگم سے اس سے ایک پوسٹ مانگا۔ اس  
نے پوسٹ دے دیا اور گھنٹہ دکان پر سے تھان اُٹھا کر  
دیکھنے لگا۔

یہ پوسٹ اس لئے دیا جاتا تھا کہ جب تک گھنٹہ  
اس پوسٹ کو واپس نہ لے لے تب تک دوسرا دکان دار  
اس گھنٹہ کو اپنے پاس بلانے کا حقدار نہیں۔

احمد علی سے وہ سودا نہ پتا۔ گھنٹہ اُٹھ کر ہوا اور  
اپنا پوسٹ واپس مانگنے لگا۔ وہ دیکھنے میں ٹال مٹول کر  
رہا تھا اور گھنٹہ کو چوروٹا نہیں چاہتا تھا۔ گھنٹہ اب  
بالکل اُوب تھا اور وہ اس سے لہنا نہیں چاہتا تھا۔  
جب احمد علی نے پوسٹ دیکھنے میں آنا کانی کی تو گھنٹہ  
پوسٹ لئے بغیر لوک من کے پتے کے سامنے آگیا اور بیگم  
اس دکان کے تھان دیکھنے لگا۔ اس پر احمد علی بکڑ بکڑا  
اور لوک من سے ہوا۔

بھائی لوک من یہ گھنٹہ مہرا ہے، تم اسے تھان نہیں  
دکھا سکتے، اسے مہرے پاس بھیج دو۔

لوک من ہوا۔ یہ خوب، تم نے کوئی گھنٹہ مول خرید  
لیا ہے۔ میں نے تو اسے بلایا نہیں۔ وہ اپنے آپ آیا، بیگم  
اور دیکھنے لگا۔ میں کہوں نہ تھان دکھائوں؟

احمد علی ہولاساں، میں نے گھنٹہ خرید لیا ہے۔  
اس کا پوسٹ ابھی مہرے پاس ہے۔ تم نے اگر تھان کا مول  
تول کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ مہرا گھنٹہ مہرے پاس  
بھیج دو۔

لوک من ہوا۔ تم اچھے آئے کہیں کے نواب، جو مہرے  
پر حکم چلاتے ہو۔ گھنٹہ کا ایک پوسٹ نہیں دیکھو اور کہتے  
ہو گھنٹہ مہرا ہے۔ اب مہری دکان کے سامنے آگیا، اب  
مہرا ہے۔

دیکھو لوک من، بات بڑھ کر نہ کرو۔ گھنٹہ مہرا ہے،  
تمہارا نہیں۔

اچھا، دیکھ لیا گھنٹہ والے۔ دیکھیں تو تو مہری دکان کے  
سامنے سے گھنٹہ لے جائے۔

مہری کی دوا کر لوک من، مہری کی دوا۔ جو تھان  
گھنٹہ سے سودا پٹایا تو مہری گردن توڑ دینگا۔

تو نواب کر کے تو بول نہیں، ہمت ہو تو آ جا۔ ہو  
جائے دے ہو دوا۔

احمد علی ہوا۔ اچھا تو پکو تو گھنٹہ کا ہاتھ، اگر تھان  
ہاتھ ہی نہ توڑیں تو مہرا نام بھی احمد نہیں۔







وہ بھی کیا تھا !

انیسویں صدی ختم ہونے میں کچھ سو سالہ باقی تھے۔  
 انگریزی راج کو جسے بالعموم برصغیر کو کہتے ہیں  
 ناروے کی دیاسلائی کو چھوڑ کر ساری چھوٹی گاؤں کی  
 پہلے میں دیشی ہی ہوتی تھیں۔ بوہائی کھولنے اور  
 دیوار لے کر آتے تھے۔ لوہار چائو، کھلچئی، آستری، کھجور  
 اور اسی طرح گھر کی دوسری ضروری چیزیں بوجھتے نظر آتے  
 تھے۔ ہانہ کے بلے کاغذ بھی مل سکتے تھے۔ کھار مٹی کے  
 کھلونے لاتے تھے۔ لکھوے لاکھ کی چیزیں بوجھتے ملتے تھے۔ انہوں  
 کے پاس بچوں کے کھیلنے کے لئے لاکھ کی گولہبیں ملتی  
 تھیں، جو پیسے میں چار تک مل جاتی تھیں۔ انہوں  
 یہ گویہ کی بلی ہوتی ہوتی تھیں اور ان پر لاکھ  
 چڑھی دھتی تھی۔ آج کی دہائی گولہبے سے بھی زیادہ  
 ہلکی ہوتی تھیں۔ کاغذ کے بلے ہونے بھی طرح طرح کے  
 کھلونے مل جاتے تھے۔ ہلکے والے ہلکے بوجھتے تھے۔  
 کھجوریاں سر کی کے جھون چھلنے اور ڈولی ہلنا کر بوجھتی  
 تھیں، جن کے دام دو کڑی ہوتے تھے۔ یعنی ایک پیسے  
 میں چالیس۔ دیشی ہکر، کو اور پرچونی کی اور چھڑیاں  
 سبھی پہنتے۔ ہن مل جاتی تھیں۔ ہانڈیوں میں کھی  
 دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ روانہ کھی جب  
 آدھی آدھی چھٹانگ ہانگی میں چکھنے کو مل جانا  
 تھا تو لطاف آ جانا تھا۔ ولایتی کھڑا دیکھنے کو بھی نہ  
 تھا۔ ہانہ کے نئے سوت کو لے لے کر چھوٹی چھوٹی لوکھاں اور  
 بڑی بڑھیاں آتی تھیں اور جولاہوں کو وہ سوت بیچ دیتی  
 تھیں۔ جولاہے اپنے ہانہ کے بلے تھان ان لوگوں کے ہانہ  
 بیچ دیتے تھے جو ان کو رنگنے اور چھاپ کر طرح طرح کی  
 چھوٹکیوں میں تبدیل کرنے کا کام جانتے تھے۔ ایک خاص  
 طرح کا کھڑا ہوتا تھا جس کی زمیں نہلی ہوتی تھی ہر  
 بیچ بیچ میں سفید جگہ دھتی تھی اور اس میں چھوٹا  
 سا گلاب کا پھول ہلکا رہتا تھا، اس کھڑے کا نام سرگل ہوتا  
 تھا۔ یہ پہنتے میں تو ہلکے کم آتا تھا، زیادہ تر کابل چلا  
 جاتا تھا۔ اسی پہنتے میں تیار کھڑے کے بوجھنے والے ہوا  
 بھی دھتے تھے جن کے پاس ہر رنگ اور ہر طرز کا کھڑا رہتا  
 تھا لال رنگ کے کھڑے کو سورج پانہی کہتے تھے۔ اردے رنگ  
 کے ہارک ہارک ہونٹوں سمیت کھڑے کا زوی نام رہتا تھا۔  
 تو شک اور لضاف کے بول ہونے دار اہرے بھی مل جاتے تھے۔  
 پہنتے میں عام طور سے نوکلن داروں کی جگہ پہلے سے  
 ہی لیس دھتی تھی۔ گاؤں کی چھوٹی سی کھیتی ان  
 سے کچھ معمولی کرانہ اصول کر لیتی تھی۔ جگہوں کے لئے  
 کبھی کبھی چھوٹا بھی ہو جاتا تھا ہر گاؤں کھیتی اس کو ہوتی



भीमान, यह भारतमाता का मंदिर है; क़िबला, यह आपकी ख़ाला का घर नहीं है, यहाँ प्रसाद सब को बराबर मिलता है; यहाँ अन्न-यह नहीं होने दिया जायेगा कि आप हर रोज़ ईद मनायें और हर रात शबबरात; और बाक़ी बचे लोग दिन को रोज़ा और रात को फाक़ा करें. क्या आपने गांधी को यह कभी कहते नहीं सुना कि “जो चीज़ करोड़ों की नहीं हो सकती वह मुझे मान्य नहीं है. अहिंसा अगर करोड़ों की नहीं हो सकती तो वह मेरे लिये कौड़ी काम की नहीं.” लिहाज़ा आपकी यह ईदें और शबबरातें अगर हम करोड़ों की नहीं हो सकती तो हुज़ूर पुरनूर के लिये भी हराम होनी चाहियें.

आप को पांच साल, सात साल अवधि दी जा रही है, और वक्त चाहिये और ले लीजिये, मगर बता दीजिये कुल कितना वक्त लेंगे, तब तक यकीन मानिये, हम अहिंसा की क्रसम खाए खड़े रहेंगे, मगर गुस्ताखी माफ़, आपने रामायण तो पढ़ी होगी, जब राम के अंगद की बात रावण ने नहीं मानी थी तो क्या हुआ था ? और महाभारत तो आपने पढ़र पढ़ी होगी, पढ़ी क्या, पढ़ाई होगी, जब पांडवों के कुरन की शिरटाई की दुर्योधन ने उपेक्षा कर दी थी तो आपके खानदान वालों की क्या हालत हुई थी, बारे-खातिर न हो तो अपनी मुहलत के दौरान में अपने इन अवतारों की लीलाओं के हथ को याद रखियेगा।

ज़रा और सुनिये. भारत के पुनीत विधान में 'आर्थिक समानता' की घोशना कर दी गई है और मैं बिरला और भिकारी, हालमिया और मजलूमियां, टाटा और परकाटा की आर्थिक असमानता देख रहा हूँ. जनता-जनार्दन, दरिद्र नारायन, अब अपने क्षीर सागर वाली शेष शैया पर लक्ष्मी विलास के लिये आतुर हो रहे हैं. कल्पान्त हुआ चाहता है.

“.....जो धर्म शुद्ध अर्थ का विरोधी है वह धर्म नहीं है। जो धर्म राजनीति का विरोधी है वह धर्म नहीं है। धर्म के बिना अर्थ बेमानी है। धर्म के बिना राजसत्ता शैतानी है। अर्थ बगैरा से अलग धर्म नाम की कोई चीज़ नहीं.....”

—महात्मा गांधी

شرعی مان، یہ بھارت مانا کا ملحد ہے؛ قبلہ، یہ آپ کی خالہ کا گھر نہیں ہے۔ یہاں پرساد سب کو برابر ملتا ہے؛ یہاں آپ یہ نہیں ہونے دیا جائے گا کہ آپ ہر روز عید منائیں اور ہر رات شب بھارت اور بھارتی بچے لوگ دن کو روزہ اور رات کو فائز کریں۔ کیا آپ نے گاندھی کو یہ کہہ کر دیا کہ ”جو چھوڑ کروروں کی نہیں ہو سکتی وہ مجھے ماننے نہیں ہے۔ اہلسا اگر کروروں کی نہیں ہو سکتی تو وہ میرے لئے کوڑی کام کی نہیں۔“ لہذا آپ کی یہ عہدیں اور شب بھارتیں اگر ہم کروروں کی نہیں ہو سکتیں تو حضور پروردگار کے لئے بھی حرام ہونی چاہئیں۔

آپ کو پانچ سال، سات سال اودھی دی جا رہی ہے۔ اور وقت چاہئے اور لے لہجئے، مگر بتا دیجئے کل کتنا وقت لہائیے۔ تب تک پتھن مانئے، ہم اہلسا کی قسم کھائے کھوے وہیں گئے۔ مگر گستاخی معاف، آپ نے رامالہن تو پڑھی ہوئی۔ جب رام کے انگد کی بات راون نے نہیں مانی تھی تو کہا ہوا تھا؟ اور مہا بھارت تو آپ نے ضرور پڑھی ہوئی۔ پڑھی کھا، پڑھائی ہوئی۔ جب پانڈوں کے کرشن کی ششثائی کی قاریودھن نے آپکشا کر دی، تھی تو آپ کے خاندان والوں کی کھا حالت ہوئی تھی۔ ہار خاطر نہ ہو تو اپنی سہلت کے دوران میں اچھ۔ ان اوتاروں کی لہاؤں کے حشر کو یاد رکھئے گا۔

فورا اور سنئے . بھارت کے پلیمت ودھان میں آرٹھک  
صانعا کی کھوشیا کر دی گئی ه اور میں ہرلا اور بھکاری  
قالہا اور مطلبمیاں' قاتا اور پرکاتا کی آرٹھک اسانعا  
دیکھ دھا هیں . چلتا چلارن' در در نارائیں' اب اپنے  
چھو رسائر والی شیش شہا پر لکشمی وائس کے لئے آتر  
هو رہے هیں . کلہانت هوا چامتا هے .

”..... جو دھرم شدہ اُرتھ کا ورور دھی ہے  
وہ دھرم نہیں ہے . جو دھرم راج نہتی کا ورور دھی  
ہے وہ دھرم نہیں ہے . دھرم کے ہلکا اُرتھ ہے معنی  
ہے . دھرم کے ہلکا راج ستا شیطانی ہے . اُرتھ وغیرہ  
سے الگ دھرم نام کی کبھی چیز نہیں.....“

—مہاتما گاندھی



053 1224



इस तरह 14 करोड़ की आबादी बार सूबों में बंटे तो दक्खिन की राजकाजी सत्ता भाशाबार होगी, वह खुद पूरी और काफ़ी बलवान भी होगी. हां, इन दो भाशा बोलने वाले सूबों का संगठन व शासन कैसे हो, इस पर गौर करना जरूरी है.

اس طرح 14 کروڑ کی آبادی چار صوبوں میں بٹے تو دکن کی راج کاجی سکتا بھاشاوار ہوگی وہ خود ہوری اور کافی بلوان بھی ہوگی. ہاں، ان دو بھاشا بولنے والے صوبوں کا سنگتھن و شاسن کسے ہو، اس پر غور کرنا ضروری ہے.

## वेदान्त कल्पान्त

(नारायण प्रसाद जैन)

वेदान्त नहीं कहता कि दुनिया छोड़ दो. वेदान्त 'नहीं' कहता कि अपने रोज-व-रोज के जरूरी काम न करो. वेदान्त सिर्फ लगाव, वृष्णा, राग द्वेष, आसना वासना, इच्छा कामना, वगैरा मन के दोशों को छोड़ने के लिये कहता है.

वेदान्त कहता है, 'यह सब पसारा ब्रह्म है' 'अपनी आत्मा ही ब्रह्म है', 'ब्रह्म आनन्द स्वरूप है' यानी यह सब कुछ राम ही राम है, मैं ही मैं हूँ. आनन्द ही आनन्द है. अगर यह राम, मैं या आनन्द कुछ भी न करे तो जड़ हो जाय. इसलिये यह रामलीला, मेरा खेल या आनन्द की मस्ती, या रासलीला हमेशा से चलती आ रही है और हमेशा चलती रहेगी. इस रासलीला से मुक्ति नहीं है. आपको दुख से मुक्ति मिल सकती है, आनन्द से मुक्ति नहीं मिल सकती, आनन्द कोई शिलाखंड नहीं कि किसी उजाड़ खंड में मुँद्रे की तरह पड़ा रहे! कोई बालक बुत बना बैठा रहे तो घर वाले घबरा जाय और किसी डाक्टर को दिखलाने दौड़ें! कोई खिलाड़ी खेले नहीं तो वह खिलाड़ी कैसा? कोई नाचने वाली नाचे नहीं तो क्या शोभा दे?

'सत् का सार चित् (हलन चलन) है और चित् का सार आनन्द है.' आनन्द को चिद् रूप होना ही चाहिये. ईश्वर निश्किय (निकम्मा) (Static) नहीं, क्रियाशील (Dynamic) है. साइन्स का कहना है, हर चीज़ घूम रही है. बदलाव ही एक नियम है, जो कभी नहीं बदलता. यों हमेशा इन्कलाब फ़िन्दा रहता है!

वेदान्त हमें काम में जुटाता है. बे-गारब बे-लौस काम का बढ़िया आनन्द ईश्वर का ऐश्वर्य है, सौन्दर्य है यानी खुदा की खुदाई और शान है!

आप जीवन सुख्त, अरिहन्त, भी क्यों न हो गए हों,

## वेदान्त कल्पान्त

(नारान प्रसाद जैन)

वेदान्त नेहें केहता के दनिया जेहो डो . वेदान्त नेहें केहता के अहे रोजे रोजे के जरूरी काम न करे . वेदान्त صرف लखो 'ब्रह्म' 'राग द्वेष' 'आसना वासना' 'इच्छा कामना' وغیره में के दर्शों को जेहो डो के लई केहता है .

वेदान्त केहता है 'ये सब पसारा ब्रह्म हैं' 'अपनी आत्मा ही ब्रह्म है' 'ब्रह्म आनन्द स्वरूप है' 'यानी यह सब कुछ राम ही राम है, मैं ही मैं हूँ. आनन्द ही आनन्द है. अगर यह राम, मैं या आनन्द कुछ भी न करे तो जड़ हो जाय. इसलिये यह रामलीला, मेरा खेल या आनन्द की मस्ती, या रासलीला हमेशा से चलती आ रही है और हमेशा चलती रहेगी. इस रासलीला से मुक्ति नहीं है. आपको दुख से मुक्ति मिल सकती है, आनन्द से मुक्ति नहीं मिल सकती, आनन्द कोई शिलाखंड नहीं कि किसी उजाड़ खंड में मुँद्रे की तरह पड़ा रहे! कोई बालक बुत बना बैठा रहे तो घर वाले घबरा जाय और किसी डाक्टर को दिखलाने दौड़ें! कोई खिलाड़ी खेले नहीं तो वह खिलाड़ी कैसा? कोई नाचने वाली नाचे नहीं तो क्या शोभा दे?

'सत् का सार चित (हलन चलन) है और चित् का सार आनन्द है.' आनन्द को चिद् रूप होना ही चाहिये. ईश्वर निश्किय (निकम्मा) (Static) नहीं, क्रियाशील (Dynamic) है. साइन्स का कहना है, हर चीज़ घूम रही है. बदलाव ही एक नियम है, जो कभी नहीं बदलता. यों हमेशा इन्कलाब फ़िन्दा रहता है!

वेदान्त हमें काम में जुटाता है. बे-गारब बे-लौस काम का बढ़िया आनन्द ईश्वर का ऐश्वर्य है, सौन्दर्य है यानी खुदा की खुदाई और शान है!

आप जीवन सुख्त, अरिहन्त, भी क्यों न हो गए हों,







ایک دوسرا اصول یہ بھی ہے کہ اپنے دیہی کے شامین چھوٹے گا۔ وکھندری کرن ہو۔ یہ وکھندری کرن ہمارے آرٹھک، ٹھیک اور کھیتی سیکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس سے ہمارا شامین چھوٹے ہی وکھندرت نہیں ہوگا، بلکہ ہمارا راج گچی چھوٹے اور ساتھ ہی آرٹھک چھوٹے ہی وکھندرت ہوگا۔ اس وکھندری کرن سے ہماری شکتی بڑھتی ہے۔ ہماری لوک شاہی زیادہ سہل ہوگی۔ اس اصول سے ہونے والا دوش تبھی دور ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہر ایک پرائٹ اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بھاشا کو ضرور سیکھنے اور کام میں لانے کا بھی ہلدوبست کرے۔ جو ہندی بھاشا بھاشی پرائٹ ہیں وہاں پر سہی بڑھ لکھ لوگوں کو ایک صوبائی بھاشا کا سیکھنا ضروری بنا دیا جائے۔ جو بغیر ہندی بھاشا بھاشی ہیں، انہیں ایک پڑوسی بھاشا کو سیکھنا بہت ضروری ماننا چاہئے۔ وکھندری کرن کی پوجنا میں ہمارا کوئی صوبہ ایسا ہی نہیں ہونا چاہئے جس سے آرٹھک نظر سے ہی نہیں بلکہ بھاشاوار سیکھنے کی نظر سے ہی اپنا کام چلانے کے لئے اسمرتہ نہ ہو جائے۔

اس سیمے ہماری کچھ ایسی ریاستوں میں جو رقبہ کی نظر سے ضرورت سے زیادہ بڑی ہیں۔ جب ایسی ریاستوں میں ایک سے زیادہ بھاشاؤں بولی جاتی ہیں تو نہایت ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ مدراس، بمبئی اور حیدرآباد میں اس وقت ہے۔ مدراس میں چار، بمبئی میں تین، حیدرآباد میں تین بھاشاؤں کا چھوٹے ہیں۔ اس کے لئے الگ الگ کانگریس کمیٹیاں بھی ہیں اور دوسرے راج گچی دلوں کے سیکھنے بھی بھاشاوار ہی ہونے ہیں۔ جب کہ سارے حکومت کے کام کے لئے ایک ہی کو نہایت حاصل ہے تب دوسری بھاشاؤں کے دلوں کے نہایتوں میں اس کے لئے ہور چلتی ہے۔ اعداد کی زیادتی سے ہی اسکا طہ توڑ ہوتا ہے۔ اس ہور کا قسط کارن یہی ہے کہ ہماری راج گچی سنا ہی نہیں بلکہ ہماری ساری آرٹھک سنا اور شامین بھی اس سے حد سے زیادہ کھندرت ہے۔ اسکا وکھندرت ہونا بہت ضروری ہے۔ وکھندری کرن سے ہی ایسی پرستہتی پیدا ہوگی جس سے نہایتوں اعداد کے ذریعہ حاصل کرنے کی ہور کم ہو سکتی ہے۔

ہماری ساری طائمت جہاں تک راجوں کا سوال ہے وہاں سبھاؤں میں نہیں ہے۔ ان وہاں سبھاؤں میں ایک ایک بھاشا کے ممبر اپنے اپنے پردیش سے چن کر آجاتے ہیں۔ مثلاً کے لئے مدراس کی وہاں سبھا کو لیا جائے۔ اس میں 375 ممبر ہیں۔ 140 آندھ بھاشا بھاشی، 190 تمل بھاشا بھاشی، 30 ممبر مملالم بھاشا بھاشی، 15 ممبر کڑ بھاشا بھاشی ہیں۔ جب چاروں پرائٹوں کے ممبر اپنی اپنی مائرت بھاشا میں بولنے کے حق پر زور دیتے ہیں تو سبھا کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ صرف ایک اور بھاشا

ایک دوسرا اصول یہ بھی ہے کہ اپنے دیہی کے شامین چھوٹے گا۔ وکھندری کرن ہو۔ یہ وکھندری کرن ہمارے آرٹھک، ٹھیک اور کھیتی سیکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس سے ہمارا شامین چھوٹے ہی وکھندرت نہیں ہوگا، بلکہ ہمارا راج گچی چھوٹے اور ساتھ ہی آرٹھک چھوٹے ہی وکھندرت ہوگا۔ اس وکھندری کرن سے ہماری شکتی بڑھتی ہے۔ ہماری لوک شاہی زیادہ سہل ہوگی۔ اس اصول سے ہونے والا دوش تبھی دور ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہر ایک پرائٹ اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بھاشا کو ضرور سیکھنے اور کام میں لانے کا بھی ہلدوبست کرے۔ جو ہندی بھاشا بھاشی پرائٹ ہیں وہاں پر سہی بڑھ لکھ لوگوں کو ایک صوبائی بھاشا کا سیکھنا ضروری بنا دیا جائے۔ جو بغیر ہندی بھاشا بھاشی ہیں، انہیں ایک پڑوسی بھاشا کو سیکھنا بہت ضروری ماننا چاہئے۔ وکھندری کرن کی پوجنا میں ہمارا کوئی صوبہ ایسا ہی نہیں ہونا چاہئے جس سے آرٹھک نظر سے ہی نہیں بلکہ بھاشاوار سیکھنے کی نظر سے ہی اپنا کام چلانے کے لئے اسمرتہ نہ ہو جائے۔

اس سیمے ہماری کچھ ایسی ریاستوں میں جو رقبہ کی نظر سے ضرورت سے زیادہ بڑی ہیں۔ جب ایسی ریاستوں میں ایک سے زیادہ بھاشاؤں بولی جاتی ہیں تو نہایت ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ مدراس، بمبئی اور حیدرآباد میں اس وقت ہے۔ مدراس میں چار، بمبئی میں تین، حیدرآباد میں تین بھاشاؤں کا چھوٹے ہیں۔ اس کے لئے الگ الگ کانگریس کمیٹیاں بھی ہیں اور دوسرے راج گچی دلوں کے سیکھنے بھی بھاشاوار ہی ہونے ہیں۔ جب کہ سارے حکومت کے کام کے لئے ایک ہی کو نہایت حاصل ہے تب دوسری بھاشاؤں کے دلوں کے نہایتوں میں اس کے لئے ہور چلتی ہے۔ اعداد کی زیادتی سے ہی اسکا طہ توڑ ہوتا ہے۔ اس ہور کا قسط کارن یہی ہے کہ ہماری راج گچی سنا ہی نہیں بلکہ ہماری ساری آرٹھک سنا اور شامین بھی اس سے حد سے زیادہ کھندرت ہے۔ اسکا وکھندرت ہونا بہت ضروری ہے۔ وکھندری کرن سے ہی ایسی پرستہتی پیدا ہوگی جس سے نہایتوں اعداد کے ذریعہ حاصل کرنے کی ہور کم ہو سکتی ہے۔

ہماری ساری طائمت جہاں تک راجوں کا سوال ہے وہاں سبھاؤں میں نہیں ہے۔ ان وہاں سبھاؤں میں ایک ایک بھاشا کے ممبر اپنے اپنے پردیش سے چن کر آجاتے ہیں۔ مثلاً کے لئے مدراس کی وہاں سبھا کو لیا جائے۔ اس میں 375 ممبر ہیں۔ 140 آندھ بھاشا بھاشی، 190 تمل بھاشا بھاشی، 30 ممبر مملالم بھاشا بھاشی، 15 ممبر کڑ بھاشا بھاشی ہیں۔ جب چاروں پرائٹوں کے ممبر اپنی اپنی مائرت بھاشا میں بولنے کے حق پر زور دیتے ہیں تو سبھا کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ صرف ایک اور بھاشا



پاگلپن ہے۔ اپنی भाषा کے آستانے پر دہائی کے لیے دوسری भाषा پر دوش لگانے کی آواز بھی دہائی کے لیے نुकسان پہنچانے والی ہے۔ لہٰذا کیا کیا جائے؟ ایک ریاست کے لیے چار-چار भाषाओं में हुकमत का काम चलाना भी तो मुश्किल है۔ देश भर के लोगों की एक आम भाषा जब तक न हो तब तक इस मसले को रोक रखना भी नुकसान दे है۔ इसलिये कोई इन्तظام करना बहुत जरूरी है। असल में हमारी इन दिक्कतों के मूल में ही बहुत बड़ी अड़चन सत्ता हासिल करने की जल्दबाजी है। यह कैसे कहा जाय कि जिन ریاستوں में भाषा की एकता है، वह विकास की राह पर आगे बढ़ रही हैं। उदिसा के लोगों को अपना राज मिले सोलह साल हो गये। इससे उस भाषा की कितनी तरक्की हुई और उस भाषा का इस्तेमाल उस राज के हुकमत के कामों में कहां तक हो रहा है? बंगला और असामी भाषाओं के भी अपने अपने राज कायम हैं। उनको कहां तक फायदा पहुँचा? क्या यह भाषाएँ दूसरी भाषाओं से कहीं आगे बढ़ी हैं? हिन्दुस्तान की सभी भाषाओं की स्थिति करीब करीब एक सी है। आज भी सब जगह अंगरेजी ही राज कर रही है। हुकमत के काम के लिये हम अपनी भाषा का नाम लेते हैं, लेकिन आसानी अंगरेजी का ही इस्तेमाल करने में ही है। भाषावार नये प्रान्त बन जाने से तुरन्त ही किसी भाषा को नया पद मिल सकता हो सो बात नहीं। इसलिये भाषावार प्रान्त के पहले देशी भाषाओं की तरक्की पर विचार करना बहुत जरूरी है।

यह भी जरूरी है कि हम देशी भाषाओं की तरक्की पर एक साथ विचार करें और उन्हें इस लायक बना दें जिससे कि वह अंगरेजी का स्थान ही नहीं, बल्कि हमारे सारे कामों को चलाने के लिये अच्छे माध्यम बन सकें।

सब से पहले अपने पड़ोसी भाषा-भाषियों के लिये प्रेम और इज्जत की, सब भाषाओं के स्तर को एक ही मानने की, हिन्दुस्तान की सभी भाषाएँ अपनी ही हैं, ऐसा समझने की मनोवृत्ति का हर एक भारतवासी में पैदा होना बहुत जरूरी है। ऐसी भावना सिर्फ उपदेश से या अच्छी इच्छा से ही पैदा नहीं होगी, बल्कि भाषाओं के सामूहिक विकास योजना के काम धाम से ही बन सकती है। यह साफ है कि अलग-अलग भाषा इकाइयों से जितना फायदा होगा, उतना न हो तो कुछ न कुछ नुकसान जरूर होगा। इसे दूर करना हो तो हमारे लिये यह जरूरी है कि हम हर एक भाषा की इकाई में ऐसे दो भाषा-भाषियों को भी जगह दें जिससे कि हमें अपने पड़ोसियों के लिये सब-भावना को बढ़ाने और दूसरों की भाषाओं के लिये अधिक आदर दिखाने का मौका मिल सके।

कहा जाता है कि भाषावार प्रान्तों के बंटवारे के पीछे

पائلین है۔ اپنی بھاشا کے آستانے پر دہائی کے لیے دوسری بھاشا پر دوش لگانے کی عادت بھی دہائی کے لیے نقصان پہنچانے والی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ ایک ایک ریاست کے لیے چار چار بھاشاؤں میں حکومت کا کام چلانا بھی تو مشکل ہے۔ دہائی کے لوگوں کی ایک عام بھاشا جب تک نہ ہو تب تک اس مسئلے کو روک رکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ اس لئے کوئی انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔ اصل میں ہماری ان دقتوں کے مول میں ہی بہت بڑی اورچن سنا حاصل کرنے کی جلدبازی ہے۔ یہ کوسے کہا جائے کہ جن ریاستوں میں بھاشا کی ایکتا ہے، وہ کاس کی راہ پر آگے بڑھ رہی ہیں۔ آریسہ کے لوگوں کو اپنا راج ملے سولہ سال ہوئے۔ اس سے اس بھاشا کی کتنی ترقی ہوئی اور اس بھاشا کا استعمال اس راج کے حکومت کے کاموں میں کہاں تک ہو رہا ہے؟ بلکہ اور آسانی بھاشاؤں کے بھی اپنے اپنے راج قائم ہیں۔ ان کو کہاں تک فائدہ پہنچا؟ کیا یہ بھاشاؤں دوسری بھاشاؤں سے کہیں آگے ہوئی ہیں؟ ہندستان کی سبھی بھاشاؤں کی استہتی قریب قریب ایک سی ہے۔ آج بھی سب جگہ انگریزی ہی راج کر رہی ہے۔ حکومت کے کام کے لئے ہم اپنی بھاشا کا نام لیتے ہیں، لیکن آسانی انگریزی کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ بھاشاوار نئے پرائنٹ بن جانے سے توند ہی کسی بھاشا کو نیا پد مل سکتا ہو سو بات نہیں ہے۔ اس لئے بھاشاوار پرائنٹ کے پہلے دہائی بھاشاؤں کی ترقی پر وچار کرنا بہت ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ہم دہائی بھاشاؤں کی ترقی پر ایک ساتھ وچار کریں اور انہیں اس لائق بنادیں جس سے کہ وہ انگریزی کا استہان ہی نہیں، بلکہ ہمارے سارے کاموں کو چلانے کے لئے اچھے مادہ ہوں سکیں۔

سب سے پہلے اپنے پڑوسی بھاشا بھاشیوں کے لئے ہریم اور عزت کی سب بھاشاؤں کے استر کو ایک ہی ماننے کی، ہندستان کی سبھی بھاشاؤں اپنی ہی ہیں، ایسا سمجھنے کی، ضرورتی کا ہر ایک بھارتیہ میں پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسی بھاشا صرف اہدیش سے یا اچھی اچھا سے ہی پیدا نہیں ہوگی، بلکہ بھاشاؤں کے ساموہک وکس پہنچانے کے کام دھام سے ہی بن سکتی ہے۔ یہ صاف ہے کہ الگ الگ بھاشا ایکاؤں سے جتنا فائدہ ہوگا، اتنا نہ ہو تو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوگا۔ اسے دور کرنا ہو تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر ایک بھاشا کی ایکاؤں میں ایسے دو بھاشا بھاشیوں کو بھی جگہ دیں جس سے کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے لئے سہاواؤں کو بڑھانے اور دوسروں کی بھاشاؤں کے لئے ادھک آدر دکھانے کا موقع مل سکے۔

کہا جاتا ہے کہ بھاشاوار پرائنٹوں کے بتوارے کے



गुजराती	17
आसामी	14
कश्मीरी	6

17	...	कश्मीरी
14	...	आसामी
6	...	गुजराती

इन भाषाओं से यह साफ है कि कोई बड़े बड़े पांच सूबे मिल कर भी हिन्दी के बराबर नहीं हो सकते यह जाहिर है कि पार्लियमेंट में ही सारी हकूमत की बागडोर है, उसी से सब कानून निकलते हैं और उसी के जरिये सारा शासन चलता है, सभी रियासतों को शक्ति और मदद प्राप्त होती है। इस हालत में भाषा-भाषी बंटे हुए भारत में अपनी अपनी भाषा की आत्मीयता के साथ जुदा जुदा रियासतों के प्रतिनिधि हर एक चीज को देखने लगे तो हमारा सारा राजकाजी जीवन बहुत ही कठिन और दुखदाई हो जायगा।

हिन्दुस्तान में दक्खिन भारत ही एक ऐसा प्रदेश है जहां भाषाओं का अधिक से अधिक भगड़ा है। तेलुगु, तमिल, मलयालम, कन्नड़, मराठी भाषा-भाषी प्रान्तों से ही भाषा-भाषी रियासतों के बंटवारे की मांग है। अगर भाषा-भाषी रियासतें इन भाषा-भाषियों के लिये बन जायें तो इस समय बंबई, मैसूर, तिरुवितांकूर-कोयंबटूर, मद्रास, कुर्ग, हैदराबाद और मध्यप्रदेश कुल 7 रियासतों के स्थान पर चार रियासतें हो जायेंगी और एक-एक रियासत की जन संख्या डेढ़ करोड़ और तीन करोड़ के बीच में रहेगी। यह मांग बहुत पुरानी है। इस मांग को ठीक समय पर महात्मा गांधी और कांग्रेस ने भी जल्दी पूरा करने के लिये वादा किया था। लेकिन इस बीच में ही अपनी अपनी सरहदों के और बंबई, मद्रास जैसे शहरों के ऊपर अधिकारों के सवाल को लेकर इतने भगड़े उठ खड़े हुए कि इस सवाल को हाथ में लेते ही हमारे देश के नेता डर रहे हैं। इस स्थिति के लिये वह ही लोग जिम्मेदार हैं जो भाषा-भाषी रियासतें की मांग करते हैं। इस भगड़े की बुनियाद को दूर करना उतना ही जरूरी है जितना कि भाषा-भाषी रियासतें कायम करना। यह काम कौन करे? हमारे बड़े बच्चीर पंडित जवाहरलाल नेहरू पर इस समस्या के हल की जिम्मेदारी डालना तो बहुत ही गौर मुनासिब है।

थोड़ा इस बात पर भी विचार किया जाय कि क्या हमारे लिये यह बहुत जरूरी है कि हम अपने को एक भाषा-भाषी एकाइयों में बांट ही लें? क्या अपने सफल राजकाजी जीवन के लिये और देश के आर्थिक, कलचरी और और औद्योगिक विकास के लिये एक भाषा-भाषी सूबे कायदे मन्व सन्तुष्ट होंगे? एक सूबे में दो-तीन भाषा-भाषी निवासियों के होने से क्या भगड़ा बढ़ता ही रहेगा? इस पर भी हमें जरूर सोच लेना चाहिये। हमारा देश बहुभाषा-भाषी है, बहुभाषा-भाषी ही रहेगा। भाषाओं को मिटा कर उसे एक भाषा-भाषी बनाना नामुमकिन ही नहीं,

इन आँकों से यह साफ है कि कौन्सी बड़े बड़े पांच सूबे मिल कर भी हिन्दी के बराबर नहीं हो सकते। यह जाहिर है कि पार्लियमेंट में ही सारी हकूमत की बागडोर है, उसी से सब कानून निकलते हैं और उसी के जरिये सारा शासन चलता है; सभी रियासतों को शक्ति और मदद प्राप्त होती है। इस हालत में भाषा-भाषी बंटे हुए भारत में अपनी अपनी भाषा की आत्मीयता के साथ जुदा जुदा रियासतों के प्रतिनिधि हर एक चीज को देखने लगे तो हमारा सारा राजकाजी जीवन बहुत ही कठिन और दुखदाई हो जायगा।

हिन्दुस्तान में दक्खिन भारत ही एक ऐसा प्रदेश है जहां भाषाओं का अधिक से अधिक भगड़ा है। तेलुगु, तमिल, मलयालम, कन्नड़, मराठी भाषा-भाषी प्रान्तों से ही भाषा-भाषी रियासतों के बंटवारे की मांग है। अगर भाषा-भाषी रियासतें इन भाषा-भाषियों के लिये बन जायें तो इस समय बंबई, मैसूर, तिरुवितांकूर-कोयंबटूर, मद्रास, कुर्ग, हैदराबाद और मध्यप्रदेश कुल 7 रियासतों के स्थान पर चार रियासतें हो जायेंगी और एक-एक रियासत की जन संख्या डेढ़ करोड़ और तीन करोड़ के बीच में रहेगी। यह मांग बहुत पुरानी है। इस मांग को ठीक समय पर महात्मा गांधी और कांग्रेस ने भी जल्दी पूरा करने के लिये वादा किया था। लेकिन इस बीच में ही अपनी अपनी सरहदों के और बंबई, मद्रास जैसे शहरों के ऊपर अधिकारों के सवाल को लेकर इतने भगड़े उठ खड़े हुए कि इस सवाल को हाथ में लेते ही हमारे देश के नेता डर रहे हैं। इस स्थिति के लिये वह ही लोग जिम्मेदार हैं जो भाषा-भाषी रियासतें की मांग करते हैं। इस भगड़े की बुनियाद को दूर करना उतना ही जरूरी है जितना कि भाषा-भाषी रियासतें कायम करना। यह काम कौन करे? हमारे बड़े बच्चीर पंडित जवाहरलाल नेहरू पर इस समस्या के हल की जिम्मेदारी डालना तो बहुत ही गौर मुनासिब है।

थोड़ा इस बात पर भी विचार किया जाय कि क्या हमारे लिये यह बहुत जरूरी है कि हम अपने को एक भाषा-भाषी एकाइयों में बांट ही लें? क्या अपने सफल राजकाजी जीवन के लिये और देश के आर्थिक, कलचरी और औद्योगिक विकास के लिये एक भाषा-भाषी सूबे कायदे मन्व सन्तुष्ट होंगे? एक सूबे में दो-तीन भाषा-भाषी निवासियों के होने से क्या भगड़ा बढ़ता ही रहेगा? इस पर भी हमें जरूर सोच लेना चाहिये। हमारा देश बहुभाषा-भाषी है, बहुभाषा-भाषी ही रहेगा। भाषाओं को मिटा कर उसे एक भाषा-भाषी बनाना नामुमकिन ही नहीं,



کیرل پرائنٹوں میں اپنے پڑوسی پرائنٹوں کے भाषा भाषी काफی तादाद में बसे हुए हैं. हां, वह बिखरे हुए खरूर हैं. जैसे कि, मैसूर में करीब 25 की सदी रौर कमड़ी हैं. किरल में करीब 15 की सदी रौर मलयाली हैं. तमिल में करीब पचास लाख रौर तमिल हैं. आन्ध्र में काफ़ी तादाद में तमिल और कमड़ी हैं. इससे यह जाहिर है कि इसके पहले भाषा का कोई सवाल नहीं था. रोषी के सवाल ने लोगों को दूसरे पرائंटों में बसने को मजबूर किया था. इतिहास की घटनाओं ने भी बाष्पाब्ता भाषावार पرائंटों को बनने नहीं दिया.

प्रजासत्ता में राजसत्ता हासिल करने के लिए जैसा कहा पहले गया है प्रजा सेवकों की इच्छा जैसे जैसे बढ़ती जाती है वैसे वैसे नए मसले भी पैदा होते जाते हैं जिनमें सब से बड़ी और ज़ियादा उलझी हुई समस्या आजकल भाषा की है.

ऊपर के आंकड़ों से मालूम होता है कि ऐसे राज्यों की तादाद जिन्होंने हिन्दी अपनी सूबाई भाषा मान ली है कुल 11 है और उनकी जन संख्या साढ़े पंद्रह करोड़ है. बाक़ी 21 करोड़ लोग 11 भाषाओं और 18 रियासतों के बीच में बटे हुए हैं. इनमें अगर कश्मीर को छोड़ दिया जाय तो आसाम की तादाद सब से छोटी है—करीब एक करोड़ की है, उसके बाद उड़ीसा की है; गुजराती और मलयालम डेढ़ करोड़ से भी कम; उसके बाद बाक़ी भाषाओं की. फ़र्ज़ किया जाय कि हरेक प्रान्त ने अपना काम अपनी अपनी सूबाई भाषा में चलाना शुरू कर दिया, लोगों के बीच में अपनी सूबाई भाषा का अपना-पन इतना बढ़ गया कि वह अपने अपने प्रान्त के लिये ज़ियादा से ज़ियादा सत्ता हासिल करने की कोशिश करने लगे और ऐसा अपना-पन हिन्दी भाषा बोलने वालों में भी उतनी ही मात्रा में आ गया जितना कि दूसरे पرائंटों में है. तब क्या होगा? क्या हिन्दी के सामने दूसरी भाषाएं टिक सकेंगी? इसका साफ़ साफ़ सबूत हमें पाना हो तो पार्लियामेन्ट की ही मिसाल ले सकते हैं. आजकल पार्लियामेन्ट के कुल मेम्बरो की तादाद इस वक़्त कोई 485 है, वह नीचे लिखे अनुसार भाषावार बंटे हुए हैं :—

हिन्दी	...	210
तेलुगु	...	43
मराठी	...	40
तमिल	...	37
बंगला	...	34
कन्नड़	...	26
पंजाबी	...	20
उड़िया	...	20
मलयालम	...	18

कैबल पرائंटों में अपने पड़وسی पرائंटों के भाषा भाषी काफ़ी تعداد में बसे हुये हैं. हां, वह बिखरे हुये खरूर हैं. जैसे कि, मैसूर में करीब 25 फ़ैसदी फेर कन्नड़ी हैं. कैबल में करीब 15 फ़ैसदी फेर मलयाली हैं. तमिल में करीब पचास लाख रौर तमिल हैं. आन्ध्र में काफ़ी तादाद में तमिल और कन्नड़ी हैं. इससे यह जाहिर है कि इसके पहले भाषा का कोई सवाल नहीं था. रोषी के सवाल ने लोगों को दूसरे पرائंटों में बसने को मजबूर किया था. इतिहास की घटनाओं ने भी बाष्पाब्ता भाषावार पرائंटों को बनने नहीं दिया.

प्रजासत्ता में राज सत्ता हासिल करने के लिये जैसा कहा पहले गया है प्रजा सेवकों की इच्छा जैसे जैसे बढ़ती जाती है वैसे वैसे नए मसले भी पैदा होते जाते हैं जिनमें सब से बड़ी और ज़ियादा उलझी हुई समस्या आजकल भाषा की है.

ऊपर के आंकड़ों से मालूम होता है कि ऐसे राज्यों की तादाद जिन्होंने हिन्दी अपनी सूबाई भाषा मान ली है कुल 11 है और उनकी जन संख्या साढ़े पंद्रह करोड़ है. बाक़ी 21 करोड़ लोग 11 भाषाओं और 18 रियासतों के बीच में बटे हुए हैं. इनमें अगर कश्मीर को छोड़ दिया जाय तो आसाम की तादाद सब से छोटी है—करीब एक करोड़ की है, उसके बाद उड़ीसा की है; गुजराती और मलयालम डेढ़ करोड़ से भी कम; उसके बाद बाक़ी भाषाओं की. फ़र्ज़ किया जाय कि हरेक प्रान्त ने अपना काम अपनी अपनी सूबाई भाषा में चलाना शुरू कर दिया, लोगों के बीच में अपनी सूबाई भाषा का अपना-पन इतना बढ़ गया कि वह अपने अपने प्रान्त के लिये ज़ियादा से ज़ियादा सत्ता हासिल करने की कोशिश करने लगे और ऐसा अपना-पन हिन्दी भाषा बोलने वालों में भी उतनी ही मात्रा में आ गया जितना कि दूसरे पرائंटों में है. तब क्या होगा? क्या हिन्दी के सामने दूसरी भाषाएं टिक सकेंगी? इसका साफ़ साफ़ सबूत हमें पाना हो तो पार्लियामेन्ट की ही मिसाल ले सकते हैं. आजकल पार्लियामेन्ट के कुल मेम्बरो की तादाद इस वक़्त कोई 485 है, वह नीचे लिखे अनुसार भाषावार बंटे हुये हैं :—

हिन्दी	...	210
तेलुगु	...	43
मराठी	...	40
तमिल	...	37
बंगला	...	34
कन्नड़	...	26
पंजाबी	...	20
उड़िया	...	20
मलयालम	...	18



راج د	رقبہ ( مربع میل ) ( درجہ )	जन संख्या جن سکنیہا	भाषाएँ भाषाओं
कच्छ	8 461	567,825	گجراتی
जम्मू-कश्मीर	82,258	43,70,000	کشمیری
मैसूर	29,458	90,71,678	کنڑ
हैदराबाद	82,313	1,86,52,964	تھلگو، مراثی، کنڑ، تمل،
तिरुवतांकूर	9,115	92,65,157	தமிழ், மலयाலம்
हिमाचल प्रदेश	10,600	9,89,437	ہندی اور پنجابی
पैपس	10,099	34,68,631	پنجابی
दिल्ली	574	17,43,992	ہندی
अजमेर	2,426	6,92,506	" "
सिक्किम	2,745	1,35,646	" "
कुर्ग	1,593	2,29,255	کنڑ
बिलासपूर	453	1,27,566	ہندی
अंडमान-निकोबार	3,143	30,963	" "
त्रिपुरا	4,049	6,49,930	بنگلا
मनीपुर	8,620	5,79,058	असामी

ऊपर के आंकड़े अगर फिर भाषावार बांटे जायें तो नतीजा करीब करीब इस तरह होगा :—

भाषा	जनसंख्या
हिन्दी	15 करोड़ 50 लाख
तेलुगु	3 " 20 "
मराठी	3 " 0 "
तमिल	2 " 80 "
बंगला	2 " 56 "
कन्नड़	2 " 0 "
उड़िया	1 " 50 "
पंजाबी	1 " 40 "
गुजराती	1 " 30 "
मलयालम	1 " 40 "
आसामी, मणिपुरी	1 " 0 "
कश्मीरी	44 "
	36 10

اوپر کے اعداد اگر پھر بھاشا وار بانٹے جائیں تو نتیجہ قریب قریب اس طرح ہوگا :—

भाषा	जन संख्या
हिन्दी	15 करोड़ 50 लाख
तेलگو	" 20 " 3
मराठी	" 0 " 3
तमिल	" 80 " 2
بنگلا	" 56 " 2
کنڑ	" 0 " 2
اڑیا	" 50 " 1
پنجابی	" 40 " 1
گجراتی	" 30 " 1
ملیالم	" 40 " 1
آسامی ملی پوری	" 0 " 1
کشمیری	" 44 "
	10 36

जब भाषावार रियासतें बनेंगी जैसा कि इस वक्त मांग की जा रही है और ऊपर लिखी तादाद के अनुसार रियासतें बनाई जायेंगी तो इसका यह मतलब नहीं कि उन रियासतों में दूसरे भाषा भाशी नहीं रहेंगे. भाषावार प्रान्त जब बनेंगे तो उन दो भाषा बोलने वालों को भी अपनी सूबाई भाषा को ही मानना पड़ेगा और उसी में कारोबार चलाना पड़ेगा—ऐसा एक मत है. दूसरा मत यह है कि हर एक भाषा भाशी को अपनी मातृ भाषा का उपयोग करने का हक भी रहेगा यद्यपि कि उनकी तादाद काफी हो. मिसाल के लिए दक्खिन भारत को ही ले लिया जाय. कन्नड़, तेलुगु, तमिल और

جب بھاشا وار ریاستیں بنیں گی جیسا کہ اس وقت مانگ کی جا رہی ہے اور اوپر لکھی تعداد کے انوسار ریاستیں بنائی جائیں گی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ریاستوں میں دوسرے بھاشا بھاشی نہیں رہیں گے. بھاشا وار پرائنٹ جب بنیں گے تو ان دو بھاشا بولنے والوں کو بھی اپنی صوبائی بھاشا کو ہی ملنا پڑے گا اور اسی میں کاروبار چلانا پڑے گا—ایسا ایک मत ہے. دوسرا मत یہ ہے کہ ہر ایک بھاشا بھاشی کو اپنی ماتر بھاشا کا اہوک کرنے کا حق بھی رہے گا بشرطہ کہ ان کی تعداد کافی ہو. مثال کے لئے دھکن بھارت کو ہی لے لیا جائے: کنڑ، تھلگو، تمل اور



हो सकता है कि चूंकि हमारे राज की आमदनी कम है, इस से दो भाषा बोलने वाली मिली जुली भाषा-भाषी जनता को भी अपने राज के अन्दर मिलाएँ, तो उसकी आमदनी बढ़ सकती है और उस आमदनी के जरिये जनता का भला हो सकता है। इसलिये हमें अपनी-अपनी भाषा का राज क्षेत्र बढ़ाना चाहिये। एक तीसरा कारन यह है कि हम प्रजासत्तम का मतलब तादाद मानने लग गये हैं। तादाद में हमारा खिरबास बहुत खियादा बढ़ता जा रहा है। क्योंकि जब तक खियादा तादाद में हमारे आदमी न हों तब तक राजकाजी सत्ता हमें नहीं मिल सकती। लोकशाही की बुनियाद में, जैसा कि पिछले चुनाव में देखा गया कि तादाद का बल क्या है। इस तरह अपनी और अपने हिमायतों की तादाद बढ़ाने की मनोवृत्ति भाषा क्षेत्रों में भी आ गई है। अगर किसी भाषा के बोलनेवाले खियादा तादाद में मिलें, तो वह अपने को बलवान मानते हैं। हम चूंकि मानते हैं कि मातृभाषा के प्रति प्रेम स्वाभाविक है इसलिये इसके जरिये अपनी तादाद बढ़ाना चाहते हैं या शायद हमारी भाषा के अगड़े में किसी जगह पर तीनों कारन मौजूद हैं तो किसी जगह पर दो और किसी जगह पर एक। हाँ, तादाद का मोह सब से बलवान है।

हमारा देश इस समय 29 रियासतों में बंटा हुआ है और इन 29 रियासतों में 12 भाषाएँ चालू हैं। कुछ रियासतें ऐसी हैं, जिनमें एक ही भाषा को माना गया है, कुछ में दो और कुछ रियासतों में तीन और कुछ में चार को। भारत की रियासतों का और उनकी भाषाओं का व्योरा यों है :—

राज दा	रकबा ( वर्गमील ) (कैद (वर्ग मील))	जन संख्या जन संख्या	भाषाएँ भाषाएँ
उत्तरप्रदेश प्रदीप	1,12,523	6,32,54,118	हिन्दी
बिहार	70,368	4,02,18,916	"
बम्बई	1,15,570	3,59,43,559	मराठी, गुजराती, कन्नड़, तमिल, तेलगू, मलयालम
मद्रास	1,27,768	5,69,52,332	तमिल, तेलगू, कन्नड़, मलयालम
मध्यप्रदेश प्रदीप	1,30,323	2,13,27,898	हिन्दी और मराठी
पंजाब	37,428	126,38,611	पंजाबी
पच्छिमी बंगाल	29,476	2,47,86,683	बंगला
उड़ीसा	59,869	1,46,44,293	उड़िया
आसाम	54,084	91,29,442	असामी
राजस्थान	1,28,424	1,52,97,979	हिन्दी
मध्य भारत	46,610	79,41,642	"
उत्तरप्रदेश प्रदीप	24,600	35,77,431	"
ओरिसा	6,921	8,88,107	"
महाराष्ट्र	21,062	41,36,005	मराठी

हो सकता है कि चूंकि हमारे राज की आमदनी कम है, इस से दो भाषा बोलने वाली मिली जुली भाषा-भाषी जनता को भी अपने राज के अन्दर मिलाएँ, तो उसकी आमदनी बढ़ सकती है और उस आमदनी के जरिये जनता का भला हो सकता है। इसलिये हमें अपनी-अपनी भाषा का राज क्षेत्र बढ़ाना चाहिये। एक तीसरा कारन यह है कि हम प्रजासत्तम का मतलब तादाद मानने लग गये हैं। तादाद में हमारा खिरबास बहुत खियादा बढ़ता जा रहा है। क्योंकि जब तक खियादा तादाद में हमारे आदमी न हों तब तक राजकाजी सत्ता हमें नहीं मिल सकती। लोकशाही की बुनियाद में, जैसा कि पिछले चुनाव में देखा गया कि तादाद का बल क्या है। इस तरह अपनी और अपने हिमायतों की तादाद बढ़ाने की मनोवृत्ति भाषा क्षेत्रों में भी आ गई है। अगर किसी भाषा के बोलनेवाले खियादा तादाद में मिलें, तो वह अपने को बलवान मानते हैं। हम चूंकि मानते हैं कि मातृभाषा के प्रति प्रेम स्वाभाविक है इसलिये इसके जरिये अपनी तादाद बढ़ाना चाहते हैं या शायद हमारी भाषा के अगड़े में किसी जगह पर तीनों कारन मौजूद हैं तो किसी जगह पर दो और किसी जगह पर एक। हाँ, तादाद का मोह सब से बलवान है।

हमारा देश इस समय 29 रियासतों में बंटा हुआ है और इन 29 रियासतों में 12 भाषाएँ चालू हैं। कुछ रियासतें ऐसी हैं, जिनमें एक ही भाषा को माना गया है, कुछ में दो और कुछ रियासतों में तीन और कुछ में चार को। भारत की रियासतों का और उनकी भाषाओं का व्योरा यों है :—



اپنے आई کی तरह मानते हैं और उसके अनुसार हम अपना परिवारिक, सामाजिक, आर्थिक और राजकाजी गठ बन्धन कर लेते हैं। अगर हमारे देश के लोग सहज ही सभी सूबों में समझी जाने वाली किसी एक भाषा को अपनी सुबाई भाषाओं के साथ साथ समझ लेते तो भाषा के सबाल को ले कर हमारे देश में इतनी चख चख नहीं होती। पता नहीं, वह जमाना कब आएगा जब कि इस देश के निवासी अपनी भाषा के साथ साथ देश की दूसरी भाषा को भी समझ सकें। ऐसी कोशिश तो हम लोगों की 50 साल से जारी है। लेकिन जितनी सफलता की उम्मीद थी अब तक हम को नहीं मिली। इस बीच में मराठी, गुजराती, बंगला, हिन्दी, पंजाबी वगैरा पड़ोसी भाषाओं और संघ की भाषा हिन्दी के बीच में रोजाना झगड़ा चलता आ रहा है।

बंगाली और बिहारी अपने सूबे की सरहद के कैसले के बारे में बहुत पुराना झगड़ा जारी किये हुए हैं। पंजाबी और हिन्दी के बीच में झगड़ा कम नहीं हो रहा है। हिन्दी और मराठी के बारे में मध्यप्रदेश के कारकर्ताओं में हमेशा कानाफूसी रहती है। सिरोही के मसले को लेकर राजस्थान और गुजरात के बीच में कम झगड़ा नहीं है।

तमिल और तेलुगु के बीच में झगड़ा बहुत पुराना है जिसके फलस्वरूप आन्ध्र के लोग अपना प्रान्त अलग करना चाहते हैं; करनाटक और मराठी सदियों से पड़ोसी होने पर भी आज अपने-अपने हकों के बारे में ऐसे जागरूक हैं कि समय आए तो लड़ पड़ें। कन्नड़ और तेलुगु लोगों के बीच में बल्लारी जिले को लेकर जो झगड़ा शुरू हुआ अब तक शान्त नहीं हुआ। क्या भाषा हमें अपने जीवन की सुविधा के लिये और सेवा के साधन के लिये ही नहीं बल्कि अपने अड़ोस पड़ोस के लोगों के साथ झगड़ा करने के लिये भी चाहिये ?

अगर हमें एक की जगह दो भाषाएँ मालूम हों और दोनों के जरिये हम अपने और अपने समाज की सेवा कर सकते हों तो क्या नुकसान होगा ? हम इतने कट्टर क्यों हैं कि अपने पड़सियों को, जो हम से अलग भाषा बोलते हैं, अपने से जुदा समझते हैं ? हम उस क्षेत्र को अपने क्षेत्र में क्यों मिलाना चाहते हैं जो भाषा के अनुसार हम समझते हैं कि हमें मिल सकता है ? इस के जरूर कुछ कारन होंगे। इस मनोवृत्ति की वजह से जो मनमुटाव पैदा हो रहा है उसे दूर करना हमारा धर्म है। उन कारनों में एक खास कारन यह हो सकता है कि भाषा के जरिये हम अपने देश की लोकशाही का संगठन करना चाहते हैं और चूंकि हमारे क्षेत्र की प्रजा एक खास भाषा बोलती है, इसलिये इसके संगठन में उसका क्षेत्र दो भाषा वाला क्षेत्र हो तो निश्चित नेतृत्व के अन्दर नहीं आ सकता। इसलिये हमें अपने क्षेत्र को अपनी भाषा से बांधना चाहिये। एक दूसरा कारन यह

अपने ऐसी की طرح مانعہ میں اور اُس کے انوسار ہم اپنا پروہاد، ساساج، آرٹک اور راج کاچی گنہمندہیں کر لیتے ہیں۔ اگر ہمارے دیس کے لوگ سہج ہی سہی صوبوں میں سمجھی جانے والی کسی ایک بھاشا کو اپنی صوبائی بھاشاؤں کے ساتھ ساتھ سمجھ لیتے تو بھاشا کے سوال کو لے کر ہمارے دیس میں اتنی جھج جھج نہیں ہوتی۔ پتا نہیں، وہ زمانہ کب آئے گا جب کہ اس دیس کے نواسی اپنی بھاشا کے ساتھ ساتھ دیس کی دوسری بھاشا کو بھی سمجھ سکیں۔ ایسی کوشش تو ہم لوگوں کی 50 سال سے جاری ہے۔ لیکن جتنی سہولتا کی اُمد تھی اب تک ہم کو نہیں ملی۔ اس بیچ میں مراٹھی، گجراتی، بلکھا، ہندی، پنجابی وغیرہ پڑوسی بھاشاؤں اور سلکھ کی بھاشا ہندی کے بیچ میں روزانہ جھگڑا چلتا آ رہا ہے۔

بلکالی اور بہاری اپنے صوبے کی سرحد کے ٹھسلے کے بارے میں بہت پرانا جھگڑا جاری کئے ہوئے ہیں۔ پنجابی اور ہندی کے بیچ میں جھگڑا کم نہیں ہو رہا ہے۔ ہندی اور مراٹھی کے بارے میں مدھیہ پردیش کے کاربہ کرناؤں میں ہمیشہ کتا پھوسی رہتی ہے۔ سرورہی کے مسئلے کو لے کر راجستھان اور گجرات کے بیچ میں کم جھگڑا نہیں ہے۔ تمل اور تھلگو کے بیچ میں جھگڑا بہت پرانا ہے جس کے پہلے سورپ آندھ کے لوگ اپنا پرانت الگ کرنا چاہتے ہیں؛ کرناٹک اور مراٹھی صدیوں سے پڑوسی ہونے پر بھی آج اپنے اپنے حقوں کے بارے میں ایسے جاکروکھوں کہ سب آئے تو لڑ پڑیں۔ کللو اور تھلگو لوگوں کے بیچ میں بلاری ضلع کو لے کر جو جھگڑا شروع ہوا اب تک شانت نہیں ہوا۔ کیا بھاشا ہمیں اپنے جھوں کی سریدھا کے لئے اور سہوا کے سادہن کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنے اوردس پڑوس کے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے کے لئے بھی چاہئے ؟

اگر ہمیں ایک کی جگہ دو بھاشائیں معلوم ہوں اور دونوں کے ذریعے ہم اپنے اور اپنے سماج کی سہوا کر سکتے ہوں تو کیا نقصان ہوگا ؟ ہم اتنے کٹر کیوں ہیں کہ اپنے پڑوسوں کو، جو ہم سے الگ بھاشا بولتے ہیں، آپ سے جدا سمجھتے ہیں ؟ ہم اُس جھگڑے کو اپنے جھگڑے میں کیوں ملانا چاہتے ہیں جو بھاشا کے انوسار ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں مل سکتا ہے ؟ اس کے ضرور کچھ کارن ہونگے۔ اس منوروتی کی وجہ سے جو من متاؤ پیدا ہو رہا ہے اُسے دور کرنا ہمارا دھرم ہے۔ اُن کارنوں میں ایک خاص کارن یہ ہو سکتا ہے کہ بھاشا کے ذریعے ہم اپنے دیس کی لوک شامی کا سلکھوں کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ ہمارے جھگڑے کی پرچا ایک خاص بھاشا بولتی ہے، اس لئے اس کے سلکھوں میں اُسکا جھگڑے دو بھاشا والا جھگڑے ہو تو نہ چھت نہ پرتو کے اندر نہیں آسکتا۔ اس لئے ہمیں اپنے جھگڑے کو اپنی بھاشا سے باندھنا چاہئے۔ ایک دوسرا کارن یہ



## प्रजातंत्र भारत में भाषावार प्रान्त

( मो० सत्यनारायण )

भारत एक बहुत बड़ा भू खंड है, दो हिस्सों में बंटने पर भी आज इसकी आबादी चीन को छोड़ कर दुनिया के किसी भी देश से कम नहीं है। इसकी आबादी रूस और अमरीका दोनों की मिली हुई आबादी से भी बड़ी है। 1951 की मर्दमशुमारी के अनुसार 36,12,61,624 आदमी इस देश में रहते हैं। यह 1,22,17,200 वर्ग मील में बंटा हुआ है। इस देश में सभी तरह की आब हवा मिलती है और बहुत पुरानी जातियां बसती हैं।

हमारा देश जितना बड़ा है, उतनी ही बड़ी बड़ी समस्याएं भी हमारे सामने हैं। अब तक इस देश के सामने हिन्दू-मुसलमान सामप्रदायिक संघर्ष एक बहुत बड़ा मसला था। लाख कोशिश करने पर भी हम उसे हल नहीं कर पाए। आखिर उसका हल हमें अपने देश को मुसलमान हिन्दुस्तान, हिन्दू हिन्दुस्तान के तौर पर दो हिस्सों में बांटने से ही मिला।

सामप्रदायिक संघर्ष के बाद हमारे देश में भाषा के मसले को ले कर काफी बहस सुबाहसा हुआ। बहुत बड़ा देश होने के कारन यह स्वाभाविक है कि हमारे देश के लोग अपने अपने प्रदेशों में अपनी अपनी भाषाएं बोलें और यह भाषाएं मुहावरा, आवाज, रचना को ले कर एक दूसरे से अलग हों पिछले 50 बरसों से हमने अपनी भाषाओं को ज़ियादा ठोस और प्रमानिक बनाने की कोशिश की। हम आज सर जार्ज की प्रियर्सन की रिपोर्ट के अनुसार सैकड़ों भाषाओं के बीच में बंटे हुए नहीं हैं। हमारे देश में आज कुल 12 भाषाएं हैं। प्राचीन भाषा संस्कृत और जगह जगह फैली हुई दूसरी भाषाएं और उर्दू को मिला कर कुल 14 भाषाओं को हमने माना है। यही बात विधान की आठवीं सूची में दर्ज है। विधान परिषद ने भारत की सुबाई भाषाओं के और संघ राज की भाषा के बीच का जो सम्बन्ध और संघ राज की भाषा और सुबाई भाषाओं के उपयोग का जो फैसला किया उसका ब्योरा विधान के सतरहवें अध्याय में दिया गया है।

वैसे तो भाषा एक साधन मात्र है। उसके द्वारा एक आदमी को दूसरे आदमी से बोलने की सुविधा मिलती है। हमारे जीवन में अक्सर सभी क्षेत्रों में इस सुविधा की जरूरत पड़ती है। एक दूसरे की भाषा को समझने की सुविधा से हम एक दूसरे के नज़दीक आते हैं। जो हमारे नज़दीक होते हैं और हमारी भाषा समझते हैं, उन्हें हम

## प्रजातंत्र भारत में भाषावार प्रान्त

( मो० सत्यनारायण )

भारत एक बहुत बड़ा भू खंड है। दो हिस्सों में बंटने पर भी आज इसकी आबादी चीन को छोड़ कर दुनिया के किसी भी देश से कम नहीं है। इसकी आबादी रूस और अमरीका दोनों की मिली हुई आबादी से भी बड़ी है। 1951 की मर्दमशुमारी के अनुसार 36,12,61,624 आदमी इस देश में रहते हैं। यह 1,22,17,200 वर्ग मील में बंटा हुआ है। इस देश में सभी तरह की आब हवा मिलती है और बहुत पुरानी जातियां बसती हैं।

हमारा देश जितना बड़ा है, उतनी ही बड़ी बड़ी समस्याएं भी हमारे सामने हैं। अब तक इस देश के सामने हिन्दू-मुसलमान सामप्रदायिक संघर्ष एक बहुत बड़ा मसला था। लाख कोशिश करने पर भी हम उसे हल नहीं कर पाए। आखिर उसका हल हमें अपने देश को मुसलमान हिन्दुस्तान, हिन्दू हिन्दुस्तान के तौर पर दो हिस्सों में बांटने से ही मिला।

सामप्रदायिक संघर्ष के बाद हमारे देश में भाषा के मसले को ले कर काफी बहस सुबाहसा हुआ। बहुत बड़ा देश होने के कारन यह स्वाभाविक है कि हमारे देश के लोग अपने अपने प्रदेशों में अपनी अपनी भाषाएं बोलें और यह भाषाएं मुहावरा, आवाज, रचना को ले कर एक दूसरे से अलग हों पिछले 50 बरसों से हमने अपनी भाषाओं को ज़ियादा ठोस और प्रमानिक बनाने की कोशिश की। हम आज सर जार्ज की प्रियर्सन की रिपोर्ट के अनुसार सैकड़ों भाषाओं के बीच में बंटे हुए नहीं हैं। हमारे देश में आज कुल 12 भाषाएं हैं। प्राचीन भाषा संस्कृत और जगह जगह फैली हुई दूसरी भाषाएं और उर्दू को मिला कर कुल 14 भाषाओं को हमने माना है। यही बात विधान की आठवीं सूची में दर्ज है। विधान परिषद ने भारत की सुबाई भाषाओं के और संघ राज की भाषा के बीच का जो सम्बन्ध और संघ राज की भाषा और सुबाई भाषाओं के उपयोग का जो फैसला किया उसका ब्योरा विधान के सतरहवें अध्याय में दिया गया है।

वैसे तो भाषा एक साधन मात्र है। उसके द्वारा एक आदमी को दूसरे आदमी से बोलने की सुविधा मिलती है। हमारे जीवन में अक्सर सभी क्षेत्रों में इस सुविधा की जरूरत पड़ती है। एक दूसरे की भाषा को समझने की सुविधा से हम एक दूसरे के नज़दीक आते हैं। जो हमारे नज़दीक होते हैं और हमारी भाषा समझते हैं, उन्हें हम



نکال کرے اور آپ کے ساتھ ہی رہے۔ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں جتنا ہم سکتے ہیں اتنا یہ کہا ہے۔ ہم نے آپ کے کہی دیکھی ہیں نہیں تھے۔ یہاں تلخوہ نہ لہا کوئی ستواڑہ ہو سکتا ہے، یہ تو ایک طرح کا اسہوگ ہوا! اور اسہوگ کہوں اپنی سرکار سے کہا جاتا ہے! آپ نے اسہوگ کہا تھا تو اس سرکار سے کہا تھا جو دیکھی تھی! بولا، یہ اپنی سرکار کو دیکھی سرکار کی طرح سمجھتے ہیں تب ان کے ساتھ کوئی رعایت کسے کی جا سکتی ہے، اور پھر ہم بھی تو نردنی کسے ان سکتے ہیں! یہ ہم کسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی ہمارے نوکری تھوگ تھوگ بجائے، تھوگ وقت پر آئے اور تھوگ وقت پر جائے اور کھانے کے لئے تلخوہ نہ لے پھر وہ جگہ کا کسے؟ یہ تو ایک طرح کی خود کشی یعنی آتم گھت ہوا! اور آتم گھت قانون کی نظر میں جرم ہے، پھر ایسے مجرموں کو سزا نہ دی جائے تو کہا کہا جائے! ہمارے اس کام پر کچھ لوگ انگلی اٹھائیں تو اٹھائیں، ہم پرواہ کھوں کریں؟

ہاں، آپ کے جہوں کا فلسفہ کچھ اس قسم کا ہے جسے ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس کا مذاق ہی آرا سکتے ہیں یا ہمدی نقل کر سکتے ہیں۔ اچھا، آرائیں مذاق کریں نقل اور ہمتیں اس کا نتیجہ۔

ہمیں ہاں ہم تھوگ کہتے ہیں!

آپ چپ ہیں، ہم سمجھ گئے۔ چپ دھنا ایک طرح ہاں ہی ہے۔

—بھواندین

—بھواندین

ہاں، آپ کے جہوں کا فلسفہ کچھ اس قسم کا ہے جسے ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ہم آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اس کا مذاق ہی آرا سکتے ہیں یا ہمدی نقل کر سکتے ہیں۔ اچھا، آرائیں مذاق کریں نقل اور ہمتیں اس کا نتیجہ۔

کیوں ہاں ہم ٹیک کہتے ہیں!

آپ چپ ہیں، ہم سمجھ گئے، چپ رہنا ایک طرح ہاں ہی ہے۔

ایک خاص مہاد نے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی भाषा میں جاری ہونا چاہیے۔ اپیل کی آخری عدالت کی زبان ہندوستانی قرار دی جائے، لکھنؤ چاہے دیوناگری ہو یا فارسی۔ سیکرٹریل گورنمنٹ اور اسمبلیوں کی भाषا بھی ہندوستانی ہی ہو۔ انٹر راشٹری راج بھوار کی भाषا انگریزی رہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اچھے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سو راج کی اچھا نہیں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوڑتے ہی اس کی ہلسی نہ آرائے لکھیں گے۔

ایک خاص مہاد نے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی भाषा میں جاری ہونا چاہیے۔ اپیل کی آخری عدالت کی زبان ہندوستانی قرار دی جائے، لکھنؤ چاہے دیوناگری ہو یا فارسی۔ سیکرٹریل گورنمنٹ اور اسمبلیوں کی भाषा بھی ہندوستانی ہی ہو۔ انٹر راشٹری راج بھوار کی भाषा انگریزی رہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اچھے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سو راج کی اچھا نہیں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوڑتے ہی اس کی ہلسی نہ آرائے لکھیں گے۔

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی



जल्दी आजाद कर सकते हैं और इसी अकालीन के आचार पर हम आपकी समाधी से अपना बाधा रगड़ते हैं और समझते हैं कि इतना कर लेने भर से हम जरूर भारत को हमेशा आजाद बनाए रखेंगे ! कुछ ना समझ हमारे इस काम को भूटी मूरत पूजा समझते रहें तो समझते रहें !

बापू, आप देश की खातिर हमेशा खून बहाने के लिये तैयार रहते थे, हम भी आप की तरह हमेशा खून बहाने के लिये तैयार हैं. फर्क इतना है कि आप हम से बहुत पीछे थे हम आप से बहुत आगे हैं. आप सिर्फ अपना खून बहा सकते थे, हम देश की खातिर अपनी का बहा सकते हैं, बहाते हैं, जरूरत पड़े तो बहाने की तैयार मिलेंगे. तौरों के खून बहाने की तो बात ही क्या ? रही अपने तन की बात उसका खून हम कैसे बहायें, और कैसे बहने दें ? वह तो अब हमारा है ही नहीं, वह तो देश और समाज का हो चुका, उस के तो हम ट्रस्टी भर हैं ! हमारी इतनी सीधी बात न जाने कुछ लोग क्यों नहीं समझ पाते, और हां, बापू, आपको भी सब लोग कहां समझ पाए !

बापू, हम तलवार की नोक से लोगों को सच बोलना सिखा कर रहेंगे, बड़ी बड़ी सच्चाएं दे कर लोगों को ईमानदार बना देंगे और लाखों भूटे लालच दे कर लोगों को अहिंसक बना कर छोड़ेंगे. आप के सत्य और अहिंसा दोनों जतों को जैसे बनेगा वैसे कायम रखेंगे.

बापू, आप यह न समझना कि हम सिर्फ आप के दो ही जतों पर ध्यान रखेंगे. हमें वह श्लोक अच्छी तरह याद है जिसमें आपके सब के सब ग्यारह जत आ जाते हैं. जतों के मामले में हम आप के अनासक्तयोग के कायल हैं. हम स्वादिरट से स्वादिरट चीज और चटपटी गरम मसालेदार चीजें जब भी खाते हैं तो उस में कोई आसक्ती नहीं रखते. इस अनासक्ती की बात को लोग समझते हैं नहीं, हम पर चटोरा होने का इलजाम लगाते हैं. लगाया करें ! जैसे बापू आप अपने टीकाकारों की परबा न कर के अपने काम में लगे रहते थे, वैसे ही हम टीकाकारों की तरफ से अपने कानों को बन्द कर देश की तरक्की में जुटे हुए हैं !

बापू, आप को गुस्सा नहीं आता था, क्योंकि आप से बढ़ कर आप के कामों की कोई नक़ल करने वाला आप के सामने था ही नहीं ! गुस्सा तो हमें भी नहीं आना चाहिये और अक्सर नहीं भी आता पर आप की तरह जब कोई सत्याग्रह कर बैठे जो असल में होगी तो नक़ल पर वह कहेगा उसे असल, तब हमें गुस्सा आ जाता है और फिर ऐसे ही सत्याग्रही या सत्याग्रहियों का हम पुलिस और कौज से मुकाबला करते हैं और मिंटों में ठीक कर देते हैं. हम यह हरगिज गबारा नहीं कर सकते कि कोई आप की भाँ

जल्दी आजाद कर सकते हैं और इसी अकालीन के आचार पर हम आपकी समाधी से अपना बाधा रगड़ते हैं और समझते हैं कि इतना कर लेने भर से हम जरूर भारत को हमेशा आजाद बनाए रखेंगे ! कुछ ना समझ हमारे इस काम को भूटी मूरत पूजा समझते रहें तो समझते रहें !

बापू, आप दिखी की खातर हमेशा खून बहाने के लिये तैयार रहे, हम भी आप की तरह हमेशा खून बहाने के लिये तैयार हैं. फर्क इतना है कि आप हम से बहुत पीछे थे हम आप से बहुत आगे हैं. आप सिर्फ अपना खून बहा सकते थे, हम देश की खातिर अपनी का बहा सकते हैं, बहाते हैं, जरूरत पड़े तो बहाने की तैयार मिलेंगे. तौरों के खून बहाने की तो बात ही क्या ? रही अपने तन की बात उसका खून हम कैसे बहायें, और कैसे बहने दें ? वह तो अब हमारा है ही नहीं, वह तो देश और समाज का हो चुका, उस के तो हम ट्रस्टी भर हैं ! हमारी इतनी सीधी बात न जाने कुछ लोग क्यों नहीं समझ पाते, और हां, बापू, आपको भी सब लोग कहां समझ पाए !

बापू, हम तलवार की नोक से लोगों को सच बोलना सिखा कर रहेंगे, बड़ी बड़ी सच्चाएं दे कर लोगों को ईमानदार बना देंगे और लाखों भूटे लालच दे कर लोगों को अहिंसक बना देंगे. आप के सत्य और अहिंसा दोनों जतों को जैसे बनेगा वैसे कायम रखेंगे.

बापू, आप यह न समझना कि हम सिर्फ आप के दो ही जतों पर ध्यान रखेंगे. हमें वह श्लोक अच्छी तरह याद है जिसमें आपके सब के सब ग्यारह जत आ जाते हैं. जतों के मामले में हम आप के अनासक्तयोग के कायल हैं. हम स्वादिरट से स्वादिरट चीज और चटपटी गरम मसालेदार चीजें जब भी खाते हैं तो उस में कोई आसक्ती नहीं रखते. इस अनासक्ती की बात को लोग समझते हैं नहीं, हम पर चटोरा होने का इलजाम लगाते हैं. लगाया करें ! जैसे बापू आप अपने टीकाकारों की परबा न कर के अपने काम में लगे रहते थे, वैसे ही हम टीकाकारों की तरफ से अपने कानों को बन्द कर देश की तरक्की में जुटे हुए हैं !

बापू, आप को गुस्सा नहीं आता था, क्योंकि आप से बढ़ कर आप के कामों की कोई नक़ल करने वाला आप के सामने था ही नहीं ! गुस्सा तो हमें भी नहीं आना चाहिये और अक्सर नहीं भी आता पर आप की तरह जब कोई सत्याग्रह कर बैठे जो असल में होगी तो नक़ल पर वह कहेगा उसे असल, तब हमें गुस्सा आ जाता है और फिर ऐसे ही सत्याग्रही या सत्याग्रहियों का हम पुलिस और कौज से मुकाबला करते हैं और मिंटों में ठीक कर देते हैं. हम यह हरगिज गबारा नहीं कर सकते कि कोई आप की भाँ



बापू, ऊपर की बातें तो हमने यों ही कह दी. असल में हम यह कहना चाहते हैं कि हमने यह समझ लिया है कि हम अपने देश के ट्रस्टी हैं! यह देश देश का है! बस इसी नाते, बापू, हम इसको हर तरह का आराम पहुंचाते हैं, अपनी खातिर नहीं सिर्फ अपने इस जिस्म की खातिर, जिसके हम ट्रस्टी हैं, मालिक किसी तरह नहीं. कुछ जुटा लेते हैं, तो, न जाने, इस बात को ले कर कुछ मूर्ख क्यों हाथ तोबा मचा उठते हैं? हम कुछ अपने लिये मोटर थोड़े रखते हैं. हम तो उस तन की खातिर रखते हैं जिसके हम ट्रस्टी हैं! हम अपने तन को बढ़िया से बढ़िया माल खिलाते हैं क्योंकि वह हमारा नहीं है! वह देश का है! हमारे पास धरोहर है! हम तो उसके ट्रस्टी भर हैं! उस तन को तकलीफ दे कर क्या हम अपने कर्तव्य को बढ़ा नहीं लगायेंगे! कुछ मूर्ख चिल्लाते रहें कि हम हज्जार हज्जार, पांच पांच हज्जार, तनखा लेते हैं, हम उनकी एक नहीं सुनेंगे! और हम तन को अपनी ट्रस्टीशिप में किसी तरह दुबला नहीं होने देंगे! आपने भी कब किसी सेठ को दुबला होने दिया था! हां, आप भी तो जीते जी अपने को अपने तन के ट्रस्टी समझते रहे और मरते दम तक उसे ऐसा ही चिकना चुपड़ा रखा जैसा कोई असली मालिक उसे रखता! क्या आपके खाने पीने पर लोगों की उंगलियां नहीं उठी थीं! और क्या आपने दो ट्रक जवाब नहीं दिया था? बापू, इस मामले में हम आपसे बहुत आगे बढ़ गए हैं! हम पर यह कह कर लाखों करोड़ों उंगलियां उठती हैं कि हम बड़ी बड़ी तनखाएं लेते हैं, सेठों से भी ज़्यादा मोटे हो गए हैं, और, न जाने, क्या क्या, पर हम हैं, कि उसकी कौड़ी भर परवा नहीं करते! आप दो ट्रक जवाब देते थे, हम सौ ट्रक जवाब देते हैं!

आपके ट्रस्टी के विचार की जय!

बापू, लोगों का मुंह बन्द करने के लिये हम कभी किसी का बदन आधा कर देते हैं, पर, बापू, आप घबरायें नहीं. हम वैसा कर के भी टोटे में नहीं रहते! टोटे में रह कर क्या हम अपने ट्रस्टीशिप को बढ़ा लगायेंगे? हमें तो जो तन देश वालों ने धरोहर के तौर पर दे रखा है उसकी लाख जतन कर के वैसा ही बनायें रखेंगे जैसा आप बनाए रखते थे!

बापू, हीरो बशिप यानी नायक पूजा में हम आप से बहुत आगे निकल गए हैं. आपने लोकमान्य तिलक की रथी को कंधा भर लगाया था और ऐसे ही देशबंधु चित रंजन दास और भाई मोतीलाल जी की रथी को कंधा दिया था, पर हम तो अपना सिर उस समाधी पर रगड़ डालते हैं जिस के अन्दर आपकी हड्डी के कुछ फूल हैं! हमारा क्या है आपका यह विरवास जरूर रहा होगा कि आप नायकों की रथी को कंधा लगा कर भारत को

बापू, और की बातों को हम ने यों ही कह दिया. असल में हम यह कहना चाहते हैं कि हमने यह समझ लिया है कि हम अपने देश के ट्रस्टी हैं! यह देश देश का है! बस इसी नाते, बापू, हम इसको हर तरह का आराम पहुंचाते हैं, अपनी खातिर नहीं सिर्फ अपने इस जिस्म की खातिर, जिसके हम ट्रस्टी हैं, मालिक किसी तरह नहीं. कुछ जुटा लेते हैं, तो, न जाने, इस बात को ले कर कुछ मूर्ख क्यों हाथ तोबा मचा उठते हैं? हम कुछ अपने लिये मोटर थोड़े रखते हैं. हम तो उस तन की खातिर रखते हैं जिसके हम ट्रस्टी हैं! हम अपने तन को बढ़िया से बढ़िया माल खिलाते हैं क्योंकि वह हमारा नहीं है! वह देश का है! हमारे पास धरोहर है! हम तो उसके ट्रस्टी भर हैं! उस तन को तकलीफ दे कर क्या हम अपने कर्तव्य को बढ़ा नहीं लगायेंगे! कुछ मूर्ख चिल्लाते रहें कि हम हज्जार हज्जार, पांच पांच हज्जार, तनखा लेते हैं, हम उनकी एक नहीं सुनेंगे! और हम तन को अपनी ट्रस्टीशिप में किसी तरह दुबला नहीं होने देंगे! आपने भी कब किसी सेठ को दुबला होने दिया था! हां, आप भी तो जीते जी अपने को अपने तन के ट्रस्टी समझते रहे और मरते दम तक उसे ऐसा ही चिकना चुपड़ा रखा जैसा कोई असली मालिक उसे रखता! क्या आपके खाने पीने पर लोगों की उंगलियां नहीं उठी थीं! और क्या आपने दो ट्रक जवाब नहीं दिया था? बापू, इस मामले में हम आपसे बहुत आगे बढ़ गए हैं! हम पर यह कह कर लाखों करोड़ों उंगलियां उठती हैं कि हम बड़ी बड़ी तनखाएं लेते हैं, सेठों से भी ज़्यादा मोटे हो गए हैं, और, न जाने, क्या क्या, पर हम हैं, कि उसकी कौड़ी भर परवा नहीं करते! आप दो ट्रक जवाब देते थे, हम सौ ट्रक जवाब देते हैं!

आप के ट्रस्टी वचा की जे!

बापू, लोगों का मुंह बन्द करने के लिये हम कभी किसी का बदन आधा कर देते हैं, पर, बापू, आप घबरायें नहीं. हम वैसा कर के भी टोटे में नहीं रहते! टोटे में रह कर क्या हम अपने ट्रस्टीशिप को बढ़ा लगायेंगे? हमें तो जो तन देश वालों ने धरोहर के तौर पर दे रखा है उसकी लाख जतन कर के वैसा ही बनायें रखेंगे जैसा आप बनाए रखते थे!

बापू, हीरो बशिप यानी नायक पूजा में हम आप से बहुत आगे निकल गए हैं. आपने लोकमान्य तिलक की रथी को कंधा भर लगाया था और ऐसे ही देशबंधु चित रंजन दास और भाई मोतीलाल जी की रथी को कंधा दिया था, पर हम तो अपना सिर उस समाधी पर रगड़ डालते हैं जिस के अन्दर आपकी हड्डी के कुछ फूल हैं! हमारा क्या है आपका यह विरवास जरूर रहा होगा कि आप नायकों की रथी को कंधा लगा कर भारत को



ہندوستانی سہی ہندی ہے۔ یہ آپس میں تین پہلوں میں۔ تین سوگھن نہیں۔ تین دوست ہیں، تین دشمن نہیں۔ اگر تین میں سے ہندی کو راج کماری بلایا گیا تو بالکل ٹھیک ہوا، اس کا اندھکڑ زیادہ تھا اور وہ راج کدی کا حق بھی رکھتی تھی۔ راج کدی پر بھٹکر اسے پہلے سے زیادہ نہا کرنا چاہئے اور اپنی ام مقبولیت یا ہر دل پریم بوجھانے کے لئے جنتی بھاشا کا روپ دھار کرنا پڑے گا۔ آج کل کی راج کدی سامراج کی کدی نہیں ہوتی وہ جلتا راج کی کدی ہوتی ہے۔ اگر ہندی اس سچائی کو بھول جائے گی تو شاید اس کا راج کدی پر بھٹکا اور بھٹکا ہی جائے تو سنبھلا مشکل ہوگا۔ یہ کسی ہندی کھتی کی بددعا اور ملبوس خواہش نہیں ہے بلکہ ہندی پریمی کی وقت سے پہلے آگاہی ہے۔ اگر وقت سے پہلے آگاہ کرنے والے ہندی پریمی کو آپ ہندی شہر و صحبہوں کو آپ کی ناستحی اور مہرا درہناتہ ہے۔ اپنا فرز سمجھ کر مجھے ہندی کی بھائی کی خاطر ہندستانی کا پرچار کرنا ہے کہوں کہ ہندی ہندستانی کا روپ دھار کر کے ہی سارے دیس اور داہتر کی بھاشا بن سکتی ہے۔

## باپو سے

باپو، جب ہمیں آپ کی 'ٹرسٹی' والی نہی سڑک کی یاد آ جاتی ہے تو جی بھوک اٹھتا ہے! آپ کا ٹرسٹی کا آٹھیا سچے سچ کپھلنم کو کو دیکر مارنے جھسا ہے! ٹرسٹی کا وچار وہ آگ ہے جو پونجی واد کی دسی کے بت قائم رکھتی ہے، پر اس کو واکہ بنا دیتی ہے! آپ کا ٹرسٹی والا وچار ہمیں بھد پسند ہے! آپ اچے جیتے جی کسی سینگے ساہوکار کو فریب نہیں ہونے دیا، اسے جی بھر پہلے پہولنے دیا، یہ دوسری بات ہے کوئی اکا دکا انگریزی راج کی سکتی کا شکار ہوکر فریب ہوگیا، ہاں، اگر وہ اکا دکا ذرا اوروں جھسا چلاک ہوتا تو وہ بھی فریب نہ ہو پاتا!

کمیونیزم سے آپ کے کچھ بھکتر کو چوہ سے ہلکتی ہے۔ باپو، ہمارے 'کچھ' شہد کو آپ نوٹ کر لیں، کہونکہ آپ کے کچھ بھکت اسے بھی ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ گندھی واد کا مطلب ہے 'مسلما دھت کمیونزم' جن کا یہ کہنا ہے کہ گندھی واد مسلما دھت کمیونزم ہے انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ٹرسٹی بچے کا وچار وہ وچار ہے جو پونجی واد میں آپ و آپ کمیونزم پہول کرنا ہے!

## باپو سے

کمیونزم سے آپ کے کچھ بھکتر کو چوہ سے ہلکتی ہے۔ باپو، ہمارے 'کچھ' شہد کو آپ نوٹ کر لیں، کہونکہ آپ کے کچھ بھکت اسے بھی ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ گندھی واد کا مطلب ہے 'مسلما دھت کمیونزم' جن کا یہ کہنا ہے کہ گندھی واد مسلما دھت کمیونزم ہے انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ٹرسٹی بچے کا وچار وہ وچار ہے جو پونجی واد میں آپ و آپ کمیونزم پہول کرنا ہے!



بیلکول اہلگ اہلگ ہیں۔ آپ بولتی طرف جا رہے ہیں۔ ہم سیدھی طرف۔ آپ پورب کو جارہے ہیں تو ہم پچھم کو، آپ بیدانوں کا کٹن راسا پسند کرتے ہیں۔ ہم آسام جناتا ہے راسا۔ آپ میں آہر ہم میں مہل ہو ہی نہیں سکتا۔

ہاں، اگر آپ جناتا کے اچان اور تلتو کو بدلو تلتو (Alternative Pronunciation) کی ہئسیات ہی مان لیں اور اس کو بیگاڑ یا اہپہش کہنا چہور دیں تو بھی آپ ہم ایک راستے پر جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ سرل ہندی کا راستہ ہے، یہی آسان اردو کا راستہ ہے اور یہی ہندوستانی کا راستہ ہے۔ اگر منزل اور تھکا ایک ہو تب بھی مہمت ہے، آپ چاہے موٹر میں جائیں، چاہے ہوائی جہاز میں جائیں، چاہے پیدل چلیں، بہر حال دیر سویر ایک ہی منزل پر تو پہنچیں گے بشرطیکہ سب کی منزل ایک ہو : سکر ترقی دوستوں اور راج انہوں کی منزل ایک نہیں ہوتی، انقلابیوں اور توڑ انقلابیوں کے راستے الگ الگ اور ایک دوسرے کے آگے ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جسے پچھلی سدی میں انشا اللہ خاں نے، اسی سدی کے شرر میں شہلی نعمانی، آزاد اور حالی نے دکھایا تھا اور جو ہمارے زمانے میں سلیمتی کنار چتر جی دہا دے میں اور سب سے بھکر مہانا گاندھی دہا گئے ہیں تو ہم چلتا کی ترقی میں روڑے اٹا کر، بہاشا کو تھیں ہذا کر نہ صرف دیس اور قوم کو نقصان پہنچائینگے بلکہ دو تین دھائیوں میں اپنی کوششوں کو ناکام ہوتا ہوا دیکھ کر براس اور ہمت دھرم ہو جائیں گے۔

میرے پورا یقین ہے کہ ان دھائیوں پہلے آسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھاوت اور بدلو تلتو کے ساتھ ساتھ اصلاحوں کے بلانے میں زیادہ تر مفسرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بہارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہدر آباد اور اسماعیل یونیورسٹی نے تو ایسا موقا کھو دیا اب ہندی تو موقا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی چلتا کا ورودہ کرنے لگے گی، بہانت بہانت کے پودیشوں کی بہاشاؤں سے شد قبول نہیں کیے گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موتے موتے ڈویل اور بہادرک اصلاحوں کو ہتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدا انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بہادر، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندوستانی ہندی کے میں ان میں ورودہ میں ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہوتا ہے۔ سہی مدیس میں زبانی کلام کی تھکا کڑی میں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم اہلک ہیں۔ تھکاسی تہ آسان اردو ہندوستانی ہے اور

ہاں اگر آپ جناتا کے اچان اور تلتو کو بدلو تلتو (Alternative Pronunciation) کی ہئسیات ہی مان لیں اور اس کو بیگاڑ یا اہپہش کہنا چہور دیں تو بھی آپ ہم ایک راستے پر جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ سرل ہندی کا راستہ ہے، یہی آسان اردو کا راستہ ہے اور یہی ہندوستانی کا راستہ ہے۔ اگر منزل اور تھکا ایک ہو تب بھی مہمت ہے، آپ چاہے موٹر میں جائیں، چاہے ہوائی جہاز میں جائیں، چاہے پیدل چلیں، بہر حال دیر سویر ایک ہی منزل پر تو پہنچیں گے بشرطیکہ سب کی منزل ایک ہو : سکر ترقی دوستوں اور راج انہوں کی منزل ایک نہیں ہوتی، انقلابیوں اور توڑ انقلابیوں کے راستے الگ الگ اور ایک دوسرے کے آگے ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جسے پچھلی سدی میں انشا اللہ خاں نے، اسی سدی کے شرر میں شہلی نعمانی، آزاد اور حالی نے دکھایا تھا اور جو ہمارے زمانے میں سلیمتی کنار چتر جی دہا دے میں اور سب سے بھکر مہانا گاندھی دہا گئے ہیں تو ہم چلتا کی ترقی میں روڑے اٹا کر، بہاشا کو تھیں ہذا کر نہ صرف دیس اور قوم کو نقصان پہنچائینگے بلکہ دو تین دھائیوں میں اپنی کوششوں کو ناکام ہوتا ہوا دیکھ کر براس اور ہمت دھرم ہو جائیں گے۔

میرے پورا یقین ہے کہ ان دھائیوں پہلے آسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھاوت اور بدلو تلتو کے ساتھ ساتھ اصلاحوں کے بلانے میں زیادہ تر مفسرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بہارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہدر آباد اور اسماعیل یونیورسٹی نے تو ایسا موقا کھو دیا اب ہندی تو موقا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی چلتا کا ورودہ کرنے لگے گی، بہانت بہانت کے پودیشوں کی بہاشاؤں سے شد قبول نہیں کیے گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موتے موتے ڈویل اور بہادرک اصلاحوں کو ہتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدا انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بہادر، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندوستانی ہندی کے میں ان میں ورودہ میں ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہوتا ہے۔ سہی مدیس میں زبانی کلام کی تھکا کڑی میں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم اہلک ہیں۔ تھکاسی تہ آسان اردو ہندوستانی ہے اور

میرے پورا یقین ہے کہ ان دھائیوں پہلے آسمانی ہونی ورتی اور نظام سرکار نے آسان اردو کا راستہ اختیار کیا ہونا اور بدلو لکھاوت اور بدلو تلتو کے ساتھ ساتھ اصلاحوں کے بلانے میں زیادہ تر مفسرت اور ہندی سے مدد لی ہوتی تو آج بہارت میں بہاشی مسئلہ بالکل غور اہم ہوتا۔ مہدر آباد اور اسماعیل یونیورسٹی نے تو ایسا موقا کھو دیا اب ہندی تو موقا ملے ہے۔ اگر ہندی بھی چلتا کا ورودہ کرنے لگے گی، بہانت بہانت کے پودیشوں کی بہاشاؤں سے شد قبول نہیں کیے گی، اگر وہ چالو شہدوں کو نکالنا چاہے گی، موتے موتے ڈویل اور بہادرک اصلاحوں کو ہتی رہے گی تو سب سے زیادہ فائدا انگریزی کو ہوگا اور وہ سماج اور بہادر، راج اور کام کاج کی بہاشا رہے گی۔ ہندی ہندی کے مانے ہندوستانی ہندی کے میں ان میں ورودہ میں ہوئے نہیں ہو سکتا۔ بہگران کا رپ اوتار میں ہوتا ہے۔ سہی مدیس میں زبانی کلام کی تھکا کڑی میں۔ وہ دونو ایک دوسرے کے ہم رنگ اور ہم اہلک ہیں۔ تھکاسی تہ آسان اردو ہندوستانی ہے اور



بدلاؤں کو بیگاڑ، بپہنہ، سत्याناسی سے تابیہ کر کے اپنا بھر چلاتے اور چلا سکتے ہیں۔ باقی مرمت یا بد کہتے ہیں کہ بیگاڑ یا بدبھی ضرورتوں کے تحت "شুদ্ধ بچارن" لافانی ہے مینال کے تیر پر وہ کہتے ہیں کہ نرم اور گرم کو نرم اور گرم پدا جائے تو اردو کے سیکڑوں شہر بوزن اور بے اسر ہو جائیں گے۔ جیسے اس مشہور شعر میں :-

باہم سلوک تھا تو اٹاتے تھے نرم گرم  
کاہے کو 'میر' کاہے دے، جب بیگاڑ گئی

کوئی نرم گرم کی 'ر' کو حرکت دے تو کلام بے موزوں ہو جاتا ہے۔

ہندی والے کہتے ہیں کہ سٹیشن اور شنان کی طرح اگر ہم سٹیشن کو اسٹیشن کہیں تو اس کا ارتہ ہی الٹا ہو جاتا ہے۔

ان پتراجوں کا جواب یہ ہے کہ ادبی یا کویتی اردو ویدیائی زوروتوں کے تہت لغزوں کے اچارن کو بدلنا ہر زبان میں ٹھیک مانا گیا ہے۔ اور اس قسم کی مسالوں بہت کم ہیں۔

ان پتراجوں کا جواب یہ ہے کہ ادبی یا کویتی اردو ویدیائی زوروتوں کے تہت لغزوں کے اچارن کو بدلنا ہر زبان میں ٹھیک مانا گیا ہے۔ اور اس قسم کی مسالوں بہت کم ہیں۔

شخصی ناموں کی حد تک تو یہ سوال سارے شمسار میں چل پڑا ہے کہ ہر شخص کا نام اس کی اچھا کے مطابق لکھنا چاہئے۔

راہیندر ناٹھ ڈیوگر کو رینیئر ناٹھ ڈاکور لکھنا یا کہنا عام سببیتا اور مہفیل کے آداب کے خلاف ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ونھی دھر کہلوانا چاہتا ہے، اسے اسی تہ یاد کرنا چاہئے۔ آم بول چال کی حد تک بدلاؤ اچارن کے اصول کے مطابق ویدیائی تلفز کے ساتھ آم تلفز بھی سہی ہے۔ ہندی چلتا اور اردو چلتا کے تلفز کو بگاڑ کہنا، اسے اپہنہن تہہرانا اور ہر حالت میں فلت سببیتا تو کسی قوتہ چاہز نہیں، اگر آپ دیکھیں ہی کہنے پر اسرار کریں گے اور دیکھیں ہر حالت میں فلت تہہرائیں گے تو اس کے یہ حال ہونگے کہ آپ کے اور ہمارے راستے

راہم سلوک تھا تو اٹاتے تھے نرم گرم  
کاہے کو 'میر' کوئی دے، جب بگاڑ گئی  
کوئی نرم گرم کی 'ر' کو حرکت دے تو کلام بے موزوں ہو جاتا ہے۔

ہندی والے کہتے ہیں کہ اسٹیشن اور اشنان کی طرح اگر ہم سٹیشن کو اسٹیشن کہیں تو اس کا ارتہ ہی الٹا ہو جاتا ہے۔

ان پتراجوں کا جواب یہ ہے کہ ادبی یا کویتی اردو ویدیائی زوروتوں کے تہت لغزوں کے اچارن کو بدلنا ہر زبان میں ٹھیک مانا گیا ہے۔ اور اس قسم کی مسالوں بہت کم ہیں۔

بہر حال ہندی والوں کے سلسکرت پریم اور اردو والوں کی فارسی پرستی اور ادبی دوستی کو دیکھتے ہوئے، ان کے بل بوتے کو جانتے ہوئے، سب سے بڑھکر آجکل کی فزا اور اوسے رنجشوں کا خیال کرتے ہوئے ہم یہ سوچنا چاہتے ہیں کہ ہندوستانی کو ترقی دینے کے لئے بدلاؤ تلفز کو اصولی طور پر سہی مان لینا چاہئے۔ اور ان لغزوں کے تلفز کو ٹھیک مان لینا چاہئے جو ویدیائی یا کویتی مسجوری سے آم تلفز سے الگ ہو۔ جیسے ہندوستان کے قومی ترانے میں "ہمونا" کا تلفز آیا ہے یا اردو شاعری میں نرم کو نرم پڑھنا پڑے۔

شخصی ناموں کی حد تک تو یہ سوال سارے شمسار میں چل پڑا ہے کہ ہر شخص کا نام اس کی اچھا کے مطابق لکھنا چاہئے۔

راہیندر ناٹھ ڈیوگر کو رینیئر ناٹھ ڈاکور لکھنا یا کہنا عام سببیتا اور مہفیل کے آداب کے خلاف ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ونھی دھر کہلوانا چاہتا ہے، اسے اسی تہ یاد کرنا چاہئے۔ آم بول چال کی حد تک بدلاؤ اچارن کے اصول کے مطابق ویدیائی تلفز کے ساتھ آم تلفز بھی سہی ہے۔ ہندی چلتا اور اردو چلتا کے تلفز کو بگاڑ کہنا، اسے اپہنہن تہہرانا اور ہر حالت میں فلت سببیتا تو کسی قوتہ چاہز نہیں، اگر آپ دیکھیں ہی کہنے پر اسرار کریں گے اور دیکھیں ہر حالت میں فلت تہہرائیں گے تو اس کے یہ حال ہونگے کہ آپ کے اور ہمارے راستے

راہیندر ناٹھ ڈیوگر کو رینیئر ناٹھ ڈاکور لکھنا یا کہنا عام سببیتا اور مہفیل کے آداب کے خلاف ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ونھی دھر کہلوانا چاہتا ہے، اسے اسی تہ یاد کرنا چاہئے۔ آم بول چال کی حد تک بدلاؤ اچارن کے اصول کے مطابق ویدیائی تلفز کے ساتھ آم تلفز بھی سہی ہے۔ ہندی چلتا اور اردو چلتا کے تلفز کو بگاڑ کہنا، اسے اپہنہن تہہرانا اور ہر حالت میں فلت سببیتا تو کسی قوتہ چاہز نہیں، اگر آپ دیکھیں ہی کہنے پر اسرار کریں گے اور دیکھیں ہر حالت میں فلت تہہرائیں گے تو اس کے یہ حال ہونگے کہ آپ کے اور ہمارے راستے

راہیندر ناٹھ ڈیوگر کو رینیئر ناٹھ ڈاکور لکھنا یا کہنا عام سببیتا اور مہفیل کے آداب کے خلاف ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ونھی دھر کہلوانا چاہتا ہے، اسے اسی تہ یاد کرنا چاہئے۔ آم بول چال کی حد تک بدلاؤ اچارن کے اصول کے مطابق ویدیائی تلفز کے ساتھ آم تلفز بھی سہی ہے۔ ہندی چلتا اور اردو چلتا کے تلفز کو بگاڑ کہنا، اسے اپہنہن تہہرانا اور ہر حالت میں فلت سببیتا تو کسی قوتہ چاہز نہیں، اگر آپ دیکھیں ہی کہنے پر اسرار کریں گے اور دیکھیں ہر حالت میں فلت تہہرائیں گے تو اس کے یہ حال ہونگے کہ آپ کے اور ہمارے راستے



ہے جس پر ٹکسال کا تھپا ہو چکا ہے۔ اب ہر شخص جان سکتا اور پہچان سکتا ہے کہ یہ تو لاہور چاندی ہے۔ اس کے لہجہ میں کسی کو نہ جھجھک ہو سکتی ہے نہ قہر۔

سچ پوچھیے تو یہ کہنا ہوا مشکل ہے کہ کون سا لفظ "اسلی" تھا اور کون سا بدلتا ہوا ہے جسے ہم سنسکرت یا لائٹنی یا اردی یا یونانی لفظ کہتے ہیں، ان میں سے ہزاروں لفظ بہت پرانی زبانوں سے لئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ ہمیں کہ فلاں شہد سنسکرت کا ہے، لہذا اس کا اچار سنسکرتی طریقہ پر ہونا چاہئے۔ ہماری سہا بہول ہے کہوں کہ یہ بھی کہا مالم کہ وہ سچ مچ سنسکرت کا ہی لفظ ہے، کسی اور پہاڑ سے لیا ہوا نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو سنسکرت کو دیوبانی سمجھتے ہیں، ان سے ہماری بہس نہیں۔ دنیا کو چھٹی سمجھنے والوں سے جغرافیہ جاننے والے بہس کر ہی کہا سکتے ہیں، اسی کے انسانیات اور سماج و دنیا کے جاننے والے جو یقین کرتے ہیں کہ ساری تہذیب دھرم دھرم وجود میں آئی تھی، برابر بدلتی رہی تھی، اب تک بدل رہی ہے اور آئندہ بھی بدلتی رہے گی، کسی زبان کے پودائشی برون ہونے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

فرز بہاوانیات اور شہدایات کے اقل قایدے کے انوسار ہندوستانی میں بھی۔

گزارش भाषायात और शब्दात के बदल कायदे के अनुसार हिन्दुस्तानी में भी

राज	कहना चाहिये, न कि	राज्य
दीवाली	ही सही है, न कि	दीपावली
बरस	शुद्ध है "	वर्ष
बारिश	ठीक "	वर्षा
इसी तरह		
लालटेन	की बजाय	लेनटर्न
छिन्टी	"	छिप्पूटी
लन्दन	"	लन्डन
ब्रन्दाबन	"	विरन्दाबन
वंशीधर	"	वंशीधर
बम	"	बौम्ब
गरम	"	गर्म
बेनकेट	"	बेनेकट

राज	कहना चाहئے نہ کہ	راجہ
دیوالی	ہی سہی ہے نہ کہ	دیپا ولی
برس	شده ہے "	ورس
بارش	تھک ہے "	ورشا
اسی ترہ		
لائٹن	کی بجائے	لہٹن
تپتی	"	تپھوتی
لندن	"	لنڈن
برندا بن	"	ورندا بن
ہمسی دھر	"	ونسی دھر
بم	"	ہوامب
گرم	"	گرم
ہلکت	"	ویلکت

کھلوانے کی کوشش کرنا یا تو جہت و عم ہے (یا لے Inferiority Complex جس کا تھپا بلا کارن سمجھ لیتا ہے کہ اس کی سمجھتا نہج ہے اور دوسرے دیمیں یا زمانوں کی تہذیب بہتر تھی یا ہے) یا نہیں تو المی نہایت ہے Pedantry۔

پھر بھی ماننا پڑے گا کہ اردو میں پاکباز اور ہندو کے شدہ دیمیں کالی بلوان ہیں۔ وہ سماج اور راج کی اہم خدمتوں پر دیمیں ہیں۔ چلتا میں لائن کا کالی وقار (مان) ہے۔ وہ بہاوانی تبدیلیوں اور لفظی

فیر بھی ماننا پڑے گا کہ اردو میں پاکباز اور ہندو کے شدہ دیمیں کالی بلوان ہیں۔ وہ سماج اور راج کی اہم خدمتوں پر دیمیں ہیں۔ چلتا میں لائن کا کالی وقار (مان) ہے۔ وہ بہاوانی تبدیلیوں اور لفظی

فیر بھی ماننا پڑے گا کہ اردو میں پاکباز اور ہندو کے شدہ دیمیں کالی بلوان ہیں۔ وہ سماج اور راج کی اہم خدمتوں پر دیمیں ہیں۔ چلتا میں لائن کا کالی وقار (مان) ہے۔ وہ بہاوانی تبدیلیوں اور لفظی



میرے والد مرحوم یہی کہتے تھے۔ یہ سب غلط تلفظ کہوں کر کر سکتے ہیں اور زبان میں آخر سہی اور غلط کا مہار ہی کیا ہے؟ زبان ہماری ہے نہ کہ انہوں اور انہوں، انگریزوں یا ترکوں کی۔ اس کا جواب وہ یہی دیتے تھے کہ میں غلطی کر رہا ہوں، ہمت دعوں میں اور گستاخ ہوں! بہر حال وہ مرتے مرتے مگر کبھی اپنی غلطی مہسوس نہیں کی۔ ان کے زندہ چرے آج بھی سوکڑے نہیں ہزاروں میں جو اپنی زبان میں غیر زبانوں کی تقابلی کرنا اور کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش کبھی سہل نہیں ہوئی اور نہ آئے ہوگی۔ ہاں ان کی بدولت اہم کا پرچار نہیں ہو سکتا، زبان کی دقتوں سے اہم چکرا رہتا۔ اہم کی دشواریوں کے ساتھ ساتھ زبان کی دشواریاں بھی دھنکی اور ان دو نے ملوں بہار کا اٹھانا بہت بڑی آسیریت کے لئے ناممکن ہوا۔

نہ معلوم ہم کب اس قدرتی قانون کو جانہیں گے کہ شکشا کے زریعہ سرکار اور دیہاتی سہماں جلتا کو تھوڑا بہت کفروں کر سکتی ہیں مگر جلتا کے جھکاؤ کو اس کی ہسرتوں اور خاموشیوں کو ایک دم نہیں بدل سکتی۔ اسی ترہ ہم جلتا کی اچاروں یا آم تلفظ تھوڑا بہت کفروں میں لاسکتے ہیں۔ مگر یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس کے رخ کو بالکل ہی بدل ڈالیں۔

جب داؤد اور David، اسحاق اور Isaac، موسیٰ اور Moses، ابراہیم اور Abraham، ایک ہی لفظ سے بنے تھے دو الگ الگ اچاروں کی وجہ سے دو الگ الگ بھاشاؤں میں سے ہیں تو سلسلہ "پرساد" اور ہندی پرساد یا سلسلہ دیہی اور ہندی دیہی یا اربی قلعہ اور اردو قلعہ کہوں غلط ہو سکتے ہیں؟ جب اربی میں یونانی لفظ، انگریزی میں فرنچ لفظ، ایسا "اصل" تلفظ باقی نہیں رہ سکتے تو ہندوستانی میں بھی دوسری زبانوں سے لئے ہوئے لفظوں کا "اصل تلفظ" یا "شده اچار" کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ہر بھاشا کے اچاروں جھکاؤ کے اوسار غیر لفظ کے اچاروں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی ہے۔

اس آئل تبدیلی کو "ہٹاؤ" کہنا، "خرابی" سے تاہر کرنا، "اپ بھرنس" کا شوق نام دینا ہماری فلامانہ داس پرکرتی، چہمت و ہم اور جہالت کا سہوت ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قلعہ Qale کو قلعہ Qile کی ترہ اردو میں بولے جانے والے اربی لفظوں پر اربی تلفظ لانے کی تمام کوششوں اسی ترہ بے کار چاہدگی جیسے جلتا کو ہونا یا جلتا کو جلتا کہلانے کی کوششوں آخر کار نام دھنکی۔

ہمیں انہی ترہ سے مالم کر لینا چاہئے کہ ہندیاہے ہوئے شہد ہی ہندوستانی کا جز بن سکتے ہیں۔ ہندیاہے ہوا شہد مانو اس تولے بہر چاندی کی ترہ

میرے والد مرحوم یہی کہتے تھے۔ یہ سب غلط تلفظ کہوں کر کر سکتے ہیں اور زبان میں آخر سہی اور غلط کا مہار ہی کیا ہے؟ زبان ہماری ہے نہ کہ انہوں اور انہوں، انگریزوں یا ترکوں کی۔ اس کا جواب وہ یہی دیتے تھے کہ میں غلطی کر رہا ہوں، ہمت دعوں میں اور گستاخ ہوں! بہر حال وہ مرتے مرتے مگر کبھی اپنی غلطی مہسوس نہیں کی۔ ان کے زندہ چرے آج بھی سوکڑے نہیں ہزاروں میں جو اپنی زبان میں غیر زبانوں کی تقابلی کرنا اور کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش کبھی سہل نہیں ہوئی اور نہ آئے ہوگی۔ ہاں ان کی بدولت اہم کا پرچار نہیں ہو سکتا، زبان کی دقتوں سے اہم چکرا رہتا۔ اہم کی دشواریوں کے ساتھ ساتھ زبان کی دشواریاں بھی دھنکی اور ان دو نے ملوں بہار کا اٹھانا بہت بڑی آسیریت کے لئے ناممکن ہوا۔

نہ معلوم ہم کب اس قدرتی قانون کو جانہیں گے کہ شکشا کے زریعہ سرکار اور دیہاتی سہماں جلتا کو تھوڑا بہت کفروں کر سکتی ہیں مگر جلتا کے جھکاؤ کو اس کی ہسرتوں اور خاموشیوں کو ایک دم نہیں بدل سکتی۔ اسی ترہ ہم جلتا کی اچاروں یا آم تلفظ تھوڑا بہت کفروں میں لاسکتے ہیں۔ مگر یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس کے رخ کو بالکل ہی بدل ڈالیں۔

جب داؤد اور David، اسحاق اور Isaac، موسیٰ اور Moses، ابراہیم اور Abraham، ایک ہی لفظ سے بنے تھے دو الگ الگ اچاروں کی وجہ سے دو الگ الگ بھاشاؤں میں سے ہیں تو سلسلہ "پرساد" اور ہندی پرساد یا سلسلہ دیہی اور ہندی دیہی یا اربی قلعہ اور اردو قلعہ کہوں غلط ہو سکتے ہیں؟ جب اربی میں یونانی لفظ، انگریزی میں فرنچ لفظ، ایسا "اصل" تلفظ باقی نہیں رہ سکتے تو ہندوستانی میں بھی دوسری زبانوں سے لئے ہوئے لفظوں کا "اصل تلفظ" یا "شده اچار" کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ہر بھاشا کے اچاروں جھکاؤ کے اوسار غیر لفظ کے اچاروں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آئی ہے۔

اس آئل تبدیلی کو "ہٹاؤ" کہنا، "خرابی" سے تاہر کرنا، "اپ بھرنس" کا شوق نام دینا ہماری فلامانہ داس پرکرتی، چہمت و ہم اور جہالت کا سہوت ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قلعہ Qale کو قلعہ Qile کی ترہ اردو میں بولے جانے والے اربی لفظوں پر اربی تلفظ لانے کی تمام کوششوں اسی ترہ بے کار چاہدگی جیسے جلتا کو ہونا یا جلتا کو جلتا کہلانے کی کوششوں آخر کار نام دھنکی۔

ہمیں انہی ترہ سے مالم کر لینا چاہئے کہ ہندیاہے ہوئے شہد ہی ہندوستانی کا جز بن سکتے ہیں۔ ہندیاہے ہوا شہد مانو اس تولے بہر چاندی کی ترہ



کا تالکھنؤ سنسکرت یا فارسی یا عربی یا انگریزی کے متاثر ہو۔

ہندوستان کی یونیورسٹی میں عربی ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے صدر نے ایک بار مجھے "امراٹیا" کہتے ہوئے ٹوکا تھا اس زمانے میں قین ہونے کی وجہ سے وہ میرے بڑے افسر بھی تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں کرنے کے باوجود وہ "امراٹیا" کہانے پر اصرار کرتے تھے اور مجھ سے سخت ناراض رہتے تھے۔ ہندوستان ہی کے ایک بڑے وزیر کے موصوفہ "امراٹیا" میں استعمال ہونے والے عربی لفظوں کا "مصحف لفظ" اپنے مانعوں کو بتاتے تھے اور ان میں سے باز اپنی واقفیت اپنے جان پہچان والوں پر جملتے تھے۔ آجکل بھی اسی قسم کی زہمت رکھنے والے ہندوستان بزرگوں ہماری اسٹیٹ میں موجود ہیں۔ مگر ہندوستان سے اردو کا تخت اور تختہ چوں کہ الٹ گیا ہے۔ ان عربی پرست شدیدیوں کی اہمیت گت گئی ہے۔

آجکل کے ہندی ڈیپارٹمنٹ کے صدر اپنا نام خالین سنسکرتی تہر پر کھلوانے پر ہوا دور دیتے ہیں۔ شدہ اچارن کے بارے میں ان کے وہی خیالات ہیں جو پچھلے زمانے کے عربی کے پروفیسر صاحب کے تھے:

"نوراللغات" ہماری زبان کی ایک پرمانک لغت مانی جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے:

"کولکی: کولکی غلط ہے، سہی کولکی ہے۔"

اسی ڈکشنری میں:

"کولنج" کے بارے میں لکھا ہے "کولنج کا بیگناہ ہوا۔"

"کولا" پر فز گارن سے زبر دیا تاکہ آپ کولا ن پڑے۔

"کولیل" کے نیچے زبر دیا تاکہ آپ کولیل ن کہیں۔

اگر خود ڈکشنری تہر تہر دینے والے ایسی گمراہی میں مبتلا ہوں تو سرکاری ہندوستانوں یا ہندوستانوں میں لکھنؤ اور فارسی لکھنؤ کو سہی اور اردو بولنے والی ماں بہنوں پڑھ لکھوں اور خود آئیں کا لکھنؤ غلط ہے! مصحف لکھنؤ کو غلط سمجھنا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اردو پچھلے دیکر صاحب سے کہا تھا کہ "امراٹیا علم" میں نے ہندوستان ہار الہاس ہرنی صاحب کے لکھنؤ میں سنا تھا، میں خود دو تین دھانڈوں سے بھی بولتا چلا آیا ہوں، میرے ہندوستان شاگرد بھی امراٹیا ہی کہتے تھے، انہیں کے خاندان کے ایک بزرگ دولہ صاحب کی زبانی بھی میں نے امراٹیا سنا:

کا لکھنؤ سنسکرت یا فارسی یا عربی یا انگریزی کے متاثر ہو۔

ہندوستان کی یونیورسٹی میں عربی ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے صدر نے ایک بار مجھے "امراٹیا" کہتے ہوئے ٹوکا تھا۔ اس زمانے میں قین ہونے کی وجہ سے وہ میرے بڑے افسر بھی تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں کرنے کے باوجود وہ "امراٹیا" کہانے پر اصرار کرتے تھے اور مجھ سے سخت ناراض رہتے تھے۔ ہندوستان ہی کے ایک بڑے وزیر کے موصوفہ "امراٹیا" میں استعمال ہونے والے عربی لفظوں کا "مصحف لفظ" اپنے مانعوں کو بتاتے تھے اور ان میں سے باز اپنی واقفیت اپنے جان پہچان والوں پر جملتے تھے۔ آجکل بھی اسی قسم کی زہمت رکھنے والے ہندوستان بزرگوں ہماری اسٹیٹ میں موجود ہیں۔ مگر ہندوستان سے اردو کا تخت اور تختہ چوں کہ الٹ گیا ہے۔ ان عربی پرست شدیدیوں کی اہمیت گت گئی ہے۔

آجکل کے ہندی ڈیپارٹمنٹ کے صدر اپنا نام خالین سنسکرتی تہر پر کھلوانے پر ہوا دور دیتے ہیں۔ شدہ اچارن کے بارے میں ان کے وہی خیالات ہیں جو پچھلے زمانے کے عربی کے پروفیسر صاحب کے تھے:

"نوراللغات" ہماری زبان کی ایک پرمانک لغت مانی جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے:

"کولکی: کولکی غلط ہے، سہی کولکی ہے۔"

اسی ڈکشنری میں:

"کولنج" کے بارے میں لکھا ہے "کولنج کا بیگناہ ہوا۔"

"کولا" پر فرض زبر سے زبر دیا تاکہ آپ کولا نہ پڑے۔

"کولیل" کے نیچے زبر دیا تاکہ آپ کولیل نہ کہیں۔

اگر خود ڈکشنری تہر تہر دینے والے ایسی گمراہی میں مبتلا ہوں تو سرکاری ہندوستانوں یا ہندوستانوں میں لکھنؤ اور فارسی لکھنؤ کو سہی اور اردو بولنے والی ماں بہنوں پڑھ لکھوں اور خود آئیں کا لکھنؤ غلط ہے! مصحف لکھنؤ کو غلط سمجھنا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے اردو پچھلے دیکر صاحب سے کہا تھا کہ "امراٹیا علم" میں نے ہندوستان ہار الہاس ہرنی صاحب کے لکھنؤ میں سنا تھا، میں خود دو تین دھانڈوں سے بھی بولتا چلا آیا ہوں، میرے ہندوستان شاگرد بھی امراٹیا ہی کہتے تھے، انہیں کے خاندان کے ایک بزرگ دولہ صاحب کی زبانی بھی میں نے امراٹیا سنا:



ہسپتال یا ہسپتال، سٹامپ، سٹیشن، بیباگی، ٹیکٹ، فٹ، لالٹین، کلالین، جارجٹ، جمنہ، ماسم، مایٹ جیسے ہزاروں لفظ ہیں جن کا تلفظ اردو یا ہندی میں ان لفظوں کی ”اصل زبانوں“ کے تلفظ سے الگ ہوتا ہے۔

### جن تارے تلفظ یا آہام اوجہارن کی اہمیت

جن تارے آہام کے تلفظ کو رات سہم کر بڑے لوگ کوشش کر چکے اور کرتے رہتے ہیں کہ ہماری آہام میں بولے جانے والے لفظوں کا ”سہی تلفظ“ ہو۔ اس قسم کی اہمیت رکھنے والے اور کوشش کرنے والے وہی لوگ ہیں جو بھاشائیں اور آوازات کے انہوں سے ناواقف، آہم سمجھ سے مہم، اپنی جز اہمیت کی نمایش نے شولہ اور سب پر تارے کے سہمی یا اہمی وہوں سے اہمیت ہم میں اہمیت ہیں۔

خان بھادروں اور راتے بھادروں کی تارے مہمیت میں لت پت ہزاروں نام راتے اور کسی نہ کسی وجہ سے تہوڑی اہمیت موت یا سہم پائے ہوئے لوگ اہمیت ہیں کہ لفظ لفظ اہمیت ہے، اس کا تہم ہوں ہوں ہوں اہمیت۔ اہمیت اہمیت ہے، اسے اہمیت لکھنا اور ہونا اہمیت۔ ہندو اہمیت ہے، سہم ہونا اہمیت۔ اسی طرہ اہمیت ہوں ہونا اہمیت ہے۔ ہوشاد کو ہوشاد اہمیت اور دہس کو دہس! تہوڑے ن اہمیت وہوں کے لہاس کے متاہی یہ لہو اہمیت یا سہمیت سے آہم ہوں اور ان کا وہی تلفظ ہونا اہمیت۔

یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہزاروں لفظ ہیں وہ اپنی مہمیت واقعہ کی ہلکا پر اہمیت سمجھتے ہیں۔ سہم سے اہمیت ہی ہوں بلکہ اہمیت ہوں لہمی یا ہونانی یا فرنچ یا کسی اور زبان سے آہم ہوں۔ ہلکا اہمیت ہزاروں قدیم ہونانی بھاشوں نے ہزاروں کو ہم اہمیت لہم سمجھتے ہیں اور اس کا اہم ہوں اہمیت تہوڑا اہمیت ہوں۔ ہوں ہوں ہوں ہوں جب ہندی اور اردو اہمیت ہوں ”اہمیت“ اہمیت کو ہندی اہمیت پر لکھنے کے ہلکا ”اہمیت“ اہمیت ہونچال کے متاہی یا اسکی قریبی نقالی میں لکھا ہوا دیکھتا ہوں اہمیت۔

سٹیشن	کی بجا	سٹیشن
لندن	”	لندن
امریکا	”	امریکا

اہمیت کر پنجاہ اور ہندوآباد میں نہ سہمیت تہوڑے بڑے لکھ بلکہ بڑی تہمیت والے، اہم سہمیت خدمتوں پر لہم اہمیت نہ خد اردو نے ہندو سہمیت ریدر لکچرار اور لکچرار اہمیت اس اہمیت ہوں ہوں کہ ہندی اور اردو میں آہم تہوڑے ہونچال والے لفظوں

اسپتال یا ہسپتال، اسٹامپ، اسٹیشن، بیباگی، ٹیکٹ، فٹ، لالٹین، کلالین، جارجٹ، جمنہ، ماسم، مایٹ جیسے ہزاروں لفظ ہیں جن کا تلفظ اردو یا ہندی میں ان لفظوں کی ”اصل زبانوں“ کے تلفظ سے الگ ہوتا ہے۔

### جن تارے تلفظ یا آہام اوجہارن کی اہمیت

جن تارے آہام کے تلفظ کو رات سہم کر بڑے لوگ کوشش کر چکے اور کرتے رہتے ہیں کہ ہماری آہام میں بولے جانے والے لفظوں کا ”صحیح تلفظ“ ہو۔ اس قسم کی اہمیت رکھنے والے اور کوشش کرنے والے وہی لوگ ہیں جو بھاشائیں اور آوازات کے انہوں سے ناواقف، آہم سمجھ سے مہم، اپنی جز اہمیت کی نمایش نے شولہ اور سب پر تارے کے سہمی یا اہمی وہوں سے اہمیت ہم میں اہمیت ہیں۔

خان بھادروں اور راتے بھادروں کی تارے مہمیت میں لت پت ہزاروں نام راتے اور کسی نہ کسی وجہ سے تہوڑی اہمیت موت یا سہم پائے ہوئے لوگ اہمیت ہیں کہ لفظ لفظ اہمیت ہے، اس کا تہم ہوں ہوں ہوں اہمیت۔ اہمیت اہمیت ہے، اسے اہمیت لکھنا اور ہونا اہمیت۔ ہندو اہمیت ہے، سہم ہونا اہمیت۔ اسی طرہ اہمیت ہوں ہونا اہمیت ہے۔ ہوشاد کو ہوشاد اہمیت اور دہس کو دہس! تہوڑے ن اہمیت وہوں کے لہاس کے متاہی یہ لہو اہمیت یا سہمیت سے آہم ہوں اور ان کا وہی تلفظ ہونا اہمیت۔

یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہزاروں لفظ ہیں وہ اپنی مہمیت واقعہ کی ہلکا پر اہمیت سمجھتے ہیں۔ سہم سے اہمیت ہی ہوں بلکہ اہمیت ہوں لہمی یا ہونانی یا فرنچ یا کسی اور زبان سے آہم ہوں۔ ہلکا اہمیت ہزاروں قدیم ہونانی بھاشوں نے ہزاروں کو ہم اہمیت لہم سمجھتے ہیں اور اس کا اہم ہوں اہمیت تہوڑا اہمیت ہوں۔ ہوں ہوں ہوں ہوں جب ہندی اور اردو اہمیت ہوں ”اہمیت“ اہمیت کو ہندی اہمیت پر لکھنے کے ہلکا ”اہمیت“ اہمیت ہونچال کے متاہی یا اسکی قریبی نقالی میں لکھا ہوا دیکھتا ہوں اہمیت۔

اسٹیشن	کی بجا	اسٹیشن
لندن	”	لندن
امریکا	”	امریکا

خاص کر پنجاب اور ہندوآباد میں نہ سہمیت تہوڑے بڑے لکھ بلکہ بڑی تہمیت والے، اہم سہمیت خدمتوں پر لہم اہمیت نہ خد اردو نے ہندو سہمیت ریدر لکچرار اور لکچرار اہمیت اس اہمیت ہوں ہوں کہ ہندی اور اردو میں آہم تہوڑے ہونچال والے لفظوں



جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، اوزائیل، اسماعیل، اسحاق و ہمرہ: یہی خالص اُربی لغز نہیں ہیں بلکہ ہمدرد اور سہریا اس سے پہلے کی زبانوں سے اُربی میں چلن پائے ہوئے فرشتوں اور انسانوں کے نام ہیں۔

فارسیاے ہونے لگا

ایران سے جتنی ختم آئے ہیں اس پر ”پست ایران“ لکھا ہوتا ہے۔ یہ ”پست“ اونچائی کا لفظ نہیں ہے بلکہ فرانسیسی زبان کے زریعہ داخل کیا ہوا یورپی لفظ ہے جسے انگریزی میں Psot کہتے ہیں یا پتہ۔ الم اور فن کا فرق لقب جیسے انگریزی میں ڈاکٹر (Doctor) کہتے ہیں۔ فارسی میں ڈاکٹر نہیں بلکہ دکتور (ہروژن انگور) کہا جاتا ہے۔ فارسی لغت (شہدائولی) آٹھارہ غور سے دیکھئے یا خالص فارسی دانوں سے بات چیت کوجائے آپ کو سیکھیں نہیں ہزاروں مسالہن ملے گی جن سے سبب ہوگا کہ ایرانی فہر زبانوں کے اکثر لفظوں کو اپنی زبان کی ہولچالی فہر کے مطابق بدل دیتے ہیں۔

”سختدان فارس“ میں مسعود حسین  
 آزاد نے سیکڑوں فارسی لغز دیے ہیں جو سنسکرت سے  
 لئے گئے ہیں۔ آپ نے سہی لکھا ہے:

”جس طرح ملکوں کی آہوہوا آدمیوں کے رنگ، روپ، ذہل قول، رسم و رواج بدلتی ہے، اسی طرح لہجوں، آوازوں اور تلفظ کے فرق سے ان کے لفظوں کے ذہل قول اور عبادتوں کے جزو توو میں فرق آکھا.....“

اُٹے چل کر آپ نے کہا خوب لکھا ہے :-

”تجربے اور مشاہدے نے قانون بنایا کہ اکثر الفاظ شروع میں لچر اور غلط شہار ہوتے ہیں۔ پھر اگر مصداق نے انہیں منظور کر لیا اور خواص نے زبان میں جگہ دی اور نظم و نثر نے لکھاوتی سند دے دی تو وہی غلط سلفٰ مستقل لغت ہو کر اجزائے زبان ہو جاتے ہیں.....ملک سخن میں کوئی لفظ صحیح نہیں، کوئی لفظ غلط نہیں۔ جس پر قبول عام اور رواج قائم ہو کر دے وہ لفظ صحیح ہے۔ یہ نہ ہو تو صحیح ہی مرہون ہے“

اردو اے ۲۰۱۷

قدوت کے اتل قانون کے متعلق ہماری زبان میں  
 ہر زبان کے ہوا میں لغز بدل گئے ہیں۔ اور اب  
 • مطبع مکتب عام، لاہور کا چھپا ہوا ہے۔

1907 2, 3  
53



کی ناسمجھت کہتے تھے، بس اسی روز سے وہ بھی سمجھنے لگی کہ کو اپنی جڑوں والی قوم چلتے پھرتے تھے۔

یورپی مہینوں کے لاتیینی نام فرینچ میں الگ طرح سے بولے جاتے ہیں، انگریزی میں الگ طرح سے اور ہندوستانی میں الگ طرح سے۔ مغربیت کے ساتھ ساتھ مغربی ولس شادی بھی سارے سنسار میں پھیل گئی۔ ہم یونان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہر زبان میں ان کا لغز کچھ نہ کچھ اختلاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ہم باد میں دئے ہوئے (تھیل) سے کر سکتے ہیں جس میں یورپی مہینوں کے نام جرمن، انگریزی اور ہندوستانی لغز کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں۔

#### لاتیینی مہینوں کے نام

انگریزی	جرمن	ہندوستانی
جنوری	یانوآر	جنوری
فروری	فبروآر	فروری
مارچ	مہرتس	مارچ
اپریل	آپرل	اپریل
مئی	مئی	مئی
جون	یونی	جون
جولائی	یولی	جولائی
اگست	اگست	اگست
ستمبر	زپٹمبر	ستمبر
اکتوبر	اکتوبر	اکتوبر
نومبر	نومبر	نومبر
دسمبر	دسمبر	دسمبر

اسی ایک (تھیل) سے ہم دنیا بھر کی زبانوں پر لاگو ہو سکتے والے قانون کا پتا چلا سکتے ہیں، جو قدرتی ہونے کی وجہ سے سائنسی قانونوں کی طرح آٹل ہے۔

”تمام مشہور مقاموں اور شخصیتوں کے نام، تمام مشہور چیزوں کے ناموں کی طرح ہر زبان میں اس زبان کے ’اپ ولہجہ‘ بلحاظ اور جہکوں کے مطابق مختلف شکل اختیار کرتے ہیں۔“

اسی قانون کی سنسار پانہ اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہم مختلف زبانوں میں چلن پائے ہوئے ہر زبانوں کے لغزوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

#### عربی کے لغز

سقراط، افلاطون اور ارسطو کی طرح بقراط، جالینوس، نسافورث خاص نام ہیں۔ قصص، فلسفہ اور جغرافیہ، قذیل، قونسل اور فیل کی طرح دوسری زبانوں کے لغز ہیں جو ادبی سانچے میں قعال کر رہے گئے ہیں۔ دوسری سنساری جنگ میں چرچل کا نام لیگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا۔ ادبی میں سارے سے چ ہے ہی نہیں لہذا تمام ادب چرچل کو شریل یا تشریل کہتے اور لکھتے تھے۔



## ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल: बदलाव उच्चारन और आम तलप्रफुज

( डाक्टर जाकर हसन )

ہندوستانی شبدیات کا تیسرا असूल یہ ہے کہ لفظ چاہے کبھی کے ہوں: یورپ کے یا भारत کے; پुरانی زبانوں کے یا نئی भाशाओं کے; لفظ چاہے کبھی سے لिये गए हों, अंगरेजी से, लातीनी से, यूनानी से, अरबी से, फ़ारसी से, तुर्की से, संस्कृत से. दिली झुकाव यह होना चाहिये कि इन लफ़्ज़ों को हिन्दुस्तानी सांचे में ढाल कर हिन्दियाया जाय. यह जरूरी नहीं कि कोई लफ़्ज़ अपने असली रूप में बाक़ी न रहे, मगर अक्सर शब्दों के रंग रूप का बदलना भाषाईयात का अटल क़ानून है. इस अहम क़ानून की नावाक़फ़ियत से जिस क़दर नुक़सान हिन्दी और उर्दू को पहुँच चुका और पहुँच रहा है उसका अन्दाज़ा करना ही मुश्किल है. इस क़ानून की मुजरिमाना नावाक़फ़ियत हमारे कई पंडितों और मौलवियों बल्कि आलिमों और विद्वानों की सब से बड़ी भूल है.

यूनानी और लातीनी के हजारों शब्द यورप की تمام भाषाओं में चालू हैं मगर इन शब्दों के उच्चारन भांत भांत के हो गए हैं. शब्दों को जाने दीजिये इनसानों और मुक़ामों के नाम अक्सर बदल जाते हैं और हर ज़बान में उसकी निजी फ़ितरत के मुताबिक़ उनका उच्चारन किया जाता है.

जैसे अंगरेजी में

काली घाट या कलकत्ता को	Calcutta
देहली या दिल्ली	Delhi
बम्बई	Bombay
हैदराबाद	Hyderabad

बोलते हैं. जर्मन अपनी ज़बान के क़ायदे और क़तरी झुकाव के अनुसार कलकत्ते को Kalkutta लिखते और कल कत्ता कहते हैं. जर्मन भाषा में ज सिरے से है ही नहीं. लिहाज़ा वह जापान को यापान और शाहजहाँ को शाह-यहाँ कहते हैं और यही तलफ़फ़ुज जर्मन की हद तक सही है. अगर आप जर्मन बोलते हुए Kalkutta की बजाय कलकत्ता कहें तो सुनने वाले ख़याल करेंगे कि आप सिर्फ़ अपनी वाक़फ़ियत जतलाना चाहते हैं. इल्म नुमाई या विद्या प्रदर्शनी बुराई है. दूसरी संसारी जंग में हिटलर का नाम अनगिनत मौक़ों पर लिखा जाता था. इसी सिलखिले में नाज़ी पार्टी और नाज़ीयत का झंडा ख़ैर होता था. हमारे देस के एक साहब ने किसी से सुन लिया कि खुद जर्मन नाज़ी तहरीक को नात्सी और नाज़ीयत

## ہندستانی شبدیات کا تیسرا اسول: بدلاؤ اُچارن اور آم تلفز

( ڈاکٹر جانر حسن )

ہندستانی شبدیات کا تیسرا اسول یہ ہے کہ لفظ چاہے کبھی کے ہوں: یورپ کے یا भारत کے; پورانی زبانوں کے یا نئی بہاشاؤں کے; لفظ چاہے کبھی سے لئے گئے ہوں: انگریزی سے، لاطینی سے، ہونانی سے، اربی سے، فارسی سے، ترکی سے، سنسکرت سے. دلی چھکاؤ یہ ہونا چاہئے کہ ان لفظوں کو ہندستانی سانچے میں ڈھال کر ہندیا یا جائے. یہ ضروری نہیں کہ کوئی لفظ اپنی اصلی روپ میں باقی نہ رہے، مگر افسر شبدوں کے رنگ روپ کا بدلتا بہاشاؤات کا اٹل قانون ہے. اس اہم قانون کی ناواقفیت سے جس قدر نقصان ہندی اور اردو کو پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ کرنا ہی مشکل ہے. اس قانون کی معجزمانہ ناواقفیت ہمارے کئی پندتوں اور مولویوں بلکہ آلموں اور ودوانوں کی سب سے بڑی بھول ہے.

یونانی اور لاطینی کے ہزاروں شبد یورپ کی تمام بہاشاؤں میں چالو ہوں مگر ان شبدوں کے اُچارن بہانت بہانت کے ہوئے ہوں. شبدوں کو جائے دیجئے انسانوں اور مقاموں کے نام افسر بدل جاتے ہوں اور ہر زبان میں اس کی نجی فطرت کے مطابق ان کا اُچارن کیا جاتا ہے.

جیسے انگریزی میں

کالی گھاٹ یا کلکٹہ	Calcutta	کو
دہلی یا دلی	Delhi	"
بمبئی	Bombay	"
حیدرآباد	Hyderabad	"

ہولتے ہیں. جرمن اپنی زبان کے قایدے اور فطری چھکاؤ کے انوسار کلکٹے کو Kalkutta لکھتے اور دل کتا کہتے ہوں. جرمن بہاشا میں ج سیرے سے ہے ہی نہیں. لہذا وہ جاپان کو یاپان اور شاہجہاں کو شاہجہاں کہتے ہوں اور یہی تلفز جرمن کی حد تک سہی ہے. اگر آپ جرمن ہولتے ہوئے Kalkutta کی بجائے کلکٹہ کہیں تو سنے والے خيال کریں گے کہ آپ صرف اپنی واقفیت جتلاتا چاہتے ہیں. الم نماں یا دنیا پردریشی برای ہے. دوسری سلسلاری جنگ میں ہٹلر کا نام ان گنت مولوں پر لیا جاتا تھا. اسی سلسلے میں نازی پارٹی اور نازییت کا ذکر کھڑ ہوتا تھا. ہمارے دیس کے ایک صاحب نے کسی سے سن لیا کہ خد جرمن نازی تہریک کو ناٹسی اور ناٹسیت



का दुरमन है ? फिर उस तीन की कमेटी में चाहिर है कि कम्युनिस्ट चीन और कोरिया के हक में अपनी राय देगा और और कम्युनिस्ट संयुक्त राष्ट्र संघ के पक्ष में, पर वह तीसरा बिचौलिया ? वह भी क्या उस संयुक्त राष्ट्र संघ के पक्ष में राय न देगा जिसके लड़ाई एलान करने में वह धीरीक रहा है ? इस तरह इस कमेटी की हकीकत असलियत में नहीं के बराबर हो जाती है, तीसरी बात यह है कि आखिर किस प्वाइन्ट पर पान मुन जान की बातचीत रुक गई थी ? इसी बात पर न कि कैदी किस उसूल से लौटाए जायें ? और उस निश्चित चीन और कोरिया का कहना एक था और संयुक्त राष्ट्र संघ या अमरीका का दूसरा, वह बुनिबादी भगवा हिन्दुस्तानी मसविदे में बद्स्तूर ज्ञायम है, इसलिये उस मसले पर मामला जहां का तहां रह जाता है और चीन या कोरिया देखता है कि जिस बात के लिये वह पान मुन जान में अड़ा था उस में कोई फर्क नहीं पड़ा, इस तरह हिन्दुस्तान के मसविदे ने समझौते को आगे नहीं बढ़ाया और उस की इबारत की लफ्फाखी हटा देने पर भगड़े की हकीकत वही की वही रह जाती है, फिर कोई वजह नहीं कि सारे संसार का माना हुआ जिनेवा का उसूल न माना जाय, सोवियत रूस ने जो लड़ाई को बिलकुल बन्द कर देने की बात उठाई है वह भी एक जरूरी बात है जिसका इवाला हिन्दुस्तानी मसविदे में नहीं है, जब हम मुलह की बात चीत करते हैं तो उस बातचीत में पहली शत यही हानी चाहिये कि लड़ाई बिलकुल बन्द कर दी जाय आखिर ऐसा करने में अमन पसंद क्लोमों को क्या और क्यों एतराज हो सकता है ? उन लोगों को अकल से कोई बास्ता नहीं जो यह समझते हैं कि लड़ाई रुकते ही चीन, कोरिया या रूस वालों को लड़ाई के सामान बनाने का मौका मिल जायगा क्योंकि उन्हें समझना चाहिये कि मोर्चों पर लड़ने वाली फौजें घर लौट कर हथियार नहीं बनाती, उन्हें घर वाले ही बनाते हैं और बनाते रहते हैं.

कोरिया की लड़ाई की हकीकत यह है, कोरिया और चीन की लड़ाई मंजर नहीं क्योंकि लड़ाई उनके निर्माण के कामों के खिलाफ जायगी, वह अपने घर में बैठे दूसरों की ताकत और धनद भरी बरबतता का शिकार हो रहे हैं, उन की बरबतता का जो अपने मुक्त की हवों से बाहर दूसरों की जमीन पर हैं और वहां अपनी आजादी की रक्षा कर रहे हैं ! चीन के बांद तारे उस के अमन की कैफियत जानते हैं और कोरिया की जमीन लहू से उस का समुत देती है, उस की हवा में अमन के लिये मरे हुआ की पुकार गज रही है,

کا دشمن ہے ؟ پھر اس تہن کی کمیٹی میں ظاہر ہے کہ کمونسٹ چھن اور کوریا کے حق میں اپنی رائے دے گا اور پھر کمونسٹ سلیکٹ واشٹر سنگھ کے پکھی میں ۔ یہ وہ تیسرا پھولہا ؟ وہ بھی کہا اس سلیکٹ واشٹر سنگھ کے پکھی میں رائے نہ دے گا جس کے لوائی اعلان کرنے میں وہ شریک رہا ہے ؟ اس طرح اس کمیٹی کی حقیقت اسلیکٹ میں نہیں کے برابر ہو جاتی ہے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ آخر کس پوائنٹ پر پان من جان کی بات چھت رک گئی تھی ؟ اسی بات پر نہ کہ قہودی کس اصول سے لوتائے جائیں ؟ اور اس نسبت چھن اور کوریا کا کہنا ایک تھا اور سلیکٹ واشٹر سنگھ یا اسریک کا دوسرا ۔ وہ بلہادی چھگوا ہندستانی مسودے میں بدستور قائم ہے ۔ اس لئے اس مسئلے پر معاملہ جہاں کا تھاں رہ جانا ہے اور چھن یا کوریا دیکھتا ہے کہ جس بات کے لئے وہ پان من جان میں آوا تھا اس میں کوئی فرق نہیں پڑا ۔ اس طرح ہندستان کے مسودے نے سمجھوتے کو آنک نہیں بڑھایا اور اُسکی عبارت کی لغاطی مٹا دیئے پر چھگوا کی حقیقت وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے ۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ سارے سندسار کا مانا ہوا چھگوا کا اصول نہ مانا جائے ۔ سویت روس نے جو لوائی بالکل ہلد کر دیئے کی بات اٹھائی ہے وہ بھی ایک ضروری بات ہے جس کا حوالہ ہندستانی مسودے میں نہیں ہے ۔ جب ہم صلح کی بات چھت کرتے ہیں تو اس بات چھت میں پہلی شرط یہی ہونی چاہے کہ لوائی بالکل ہلد کر دی جائے ۔ آخر ایسا کرنے میں اسن پسند قوموں کو کہا اور کھوں اعتراض ہو سکتا ہے ؟ ان لوگوں کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ لوائی دکتے ہی چھن ، کوریا یا روس والوں کو لوائی کے سامان ہلانے کا موقع مل جائے گا کیونکہ انہیں سمجھنا چاہئے کہ مورچوں پر لڑنے والی فوجوں کھر لوٹ کر ہتھیار نہیں بدلتے ، انہوں کھر والے ہی ہلاتے ہیں اور ہلاتے رہتے ہیں ۔

کوریا کی لڑائی کی حقیقت یہ ہے ۔ کوریا اور چین  
 کو لڑائی منظور نہیں کہونکہ لڑائی ان کے زمانے کے کاموں  
 کے خلاف جائے گی ۔ وہ اپنے گھر میں بوتھ ، دوسروں کی  
 طاقت اور کمزوری پر ہر پتا کا شکار ہو رہے ہیں ، ان کی  
 بددلتی کا جو اپنے ملک کی حدوں سے باہر دوسروں کی زمین  
 پر ہے اور وہاں اپنی آزادی کی رکشا کر رہے ہیں ! چین  
 کے چاند تارے اس کے امن کی کھلیمت جانتے ہیں اور کوریا  
 کی زمینوں پر اس کا ثبوت دیتی ہے ۔ اسکی ہوا میں  
 اس کے لئے مڑے ہوئے کی پکار گونج رہی ہے ۔



मच्छर वगैरा दूर के दूर बम के टुकड़ों के साथ ऐसी जगहों में मिले जहाँ बगैर ले जाय गए उनका पहुँच सकना मुमकिन न था। उन टाइफाइड, कालरा, मलेरिया, चेचक वगैरा बीमारियों के जरियों को हमने खुद देखा, पीकिंग की नुमायश में। हम इस बात से डरते थे कि हमारे कहने का लोग यकीन न करेंगे पर जो अन्तरराष्ट्री निरपक्ष वैज्ञानिकों की रिपोर्ट निकली उस पर टीका टिप्पणी करते हुए 'मैनचसटर गारजियन' ने लिखा कि हम उस हर चीज को भूट नहीं कह सकते जो कम्युनिस्ट दुनिया से आती है। जिस लन्दन यूनिवर्सिटी के अंगरेज वैज्ञानिक की तहकीकात की कैफियत और राय इस बारे में छपी है उस ने 30 बरस वैज्ञानिक तरीकों से इंगलैंड में ईमानदार खोजें की हैं और कोई बजह नहीं कि हम उसकी बात को भूट करार दें।

मुआह की बात इधर चल ही रही थी कि उधर कोरिया और चीन के क्लैवी कनसन्ट्रेशन कैम्पों में गोल के गोल, सैंकड़ों की तादाद में मारे जाने लगे और आज भी मारे जा रहे हैं। सवाल यह है कि लड़ाई के क्लैवियों का क्या हो। इसी एक बात पर सारा मामला लटका हुआ है कोरिया और चीन का कहना यह है कि 1949 में जिनेवा कान-फांन्स में जो उसूल एक बार तय हो चुका है उसी के मुताबिक क्लैवियों को लड़ाई बन्द होते ही अपने पक्ष को लौटा दिया जाय। पर अमरीका इस की मुखालफत इसलिये लगातार करता रहा है कि चीनी और उत्तर कोरिया के क्लैवियों को वह चियांग काई शेक और सिंग मन री कां देकर उन्हें अपने ही मुल्क की तोपों के मुंह में भोंक दिया जाय या उन्हें अमरीकी रेडियो के सामने खड़ा कर उन से कहलाया जाय कि वह अपने कम्युनिस्ट मुल्क में तबाह हैं। यक़ीनन इसे न उत्तर कोरिया मज़ूर कर सकता है और न चीन।

इधर हाल में हिन्दुस्तान ने संयुक्त राष्ट्र संघ के सामने मसविदा पेश किया था जिस में एक कम्युनिस्ट, एक गैर कम्युनिस्ट और एक बिचौलिये की एक कमेटी कायम करने की सलाह दी गई। अमरीका पहले उसकी मुखालफत करता रहा पर जैसे ही उसने देखा कि सोवियत उस के खिलाफ है वैसे ही उसने दुनिया की राय को सोवियत के खिलाफ करने के लिये हिन्दुस्तानी मसविदे को उद्घाटन शुरू किया। चीन के उसे ना मंजूर करने से बहुत से लोगों के दिल को चोट पहुंची और बहुतों ने नाक भोंसि कोड़ी। पर इस के मुतालिक कुछ बुनियादी बातें समझ लेनी जरूरी हैं। अख्बल तो यह कि इस लड़ाई में एक फराक़ क़ानूनन संयुक्त राष्ट्र संघ है, दूसरा कोरिया चीन है। जब तक कि दूसरे फ़रीक़ को उस सभा में बैठने का इक़ हासिल न होगा तब तक उस संस्था का कोई प्रस्ताव क्या एक तरफ़ा न होगा और वह उस ख़ुद एक फ़रीक़ का जो दूसरे

مچھڑ وغیرہ قھیر کے قھیر ہم کے لکڑوں کے ساتھ ایسی جگہوں  
میں ملے جہاں بغیر لے جائے گئے اُن کا پہنچ سکتا سکون  
نہ تھا۔ اُن قاتلانیہ، کالا، ملوہا، چمچک وغیرہ بیماروں  
کے ٹھکانوں کو ہم نے خود دیکھا، پھلنگ لے سائیں مہوں ۔  
ہم اِس بات سے قرتے تھے کہ ہمارے کہنے کا لوگ یقین  
نہ کریں گے پر جو انکو راشٹری نشیکش، دیکھانکوں کی رپورٹ  
نکلی اس پر ٹھکا ٹھوہیں کرتے ہوئے، سہلچسٹر کارڈوں، لے  
لکھا کہ ہم اُس ہر چھڑ کو چھوٹ نہیں کہہ سکتے جو  
کمونسٹ دنیا سے آئی ہے ۔ جس لندن یونیورسٹی کے  
انگریز دیکھانک کی تحقیقات کی کھوسٹ اور رائے اِس  
بارے میں چھوٹی ہے اُس نے 30 برس دیکھانک طریقوں سے  
انکلیفٹ میں ایمان دار ہو چوں کی مہوں اور کوئی وجہ  
نہیں کہ ہم اُس کی بات کو چھوٹ قرار دے دیں ۔

صالح کی بات ادھر چل ہی رہی تھی کہ ادھر کو یا  
 اور چمن کے قہقی قہقہہ میں سے غول نے غول  
 سہکوں کی تعداد میں مارے جانے لگے اور آج بھی مارے  
 جا رہے ہیں سوال یہ ہے کہ لڑائی نے قہقہوں کا کیا ہو۔  
 اسی ایک بات پر سارا واسطہ لگا رہا ہے۔ کوریا اور چمن  
 کا کہنا یہ ہے کہ 1949 میں چنگھوا کانفرنس میں جو  
 اصول ایک بار طے ہو چکا ہے اسی نے مطابقی قہقہوں کو  
 لڑائی بند ہونے ہی اپنے پکھی کو لوٹا دیا جائے۔ پر امریکہ  
 اس کی مخالفت اس لئے لگاتا رہتا رہا ہے کہ چمن  
 اور اتر کوریا کے قہقہوں کو وہ چھانگ گئی شہک اور  
 صلیب میں ہی کو دے کر انہیں اپنے ہی ملک کی توجوں  
 کے ملے میں چھوڑ دیا جائے یا انہیں امریکی ریڈیو کے  
 واسطے بھرا کر ان سے بھلا جائز نہ وہ اپنے کھوسست ملک  
 میں تھکے ہیں۔ یقیناً اسے نہ اتر کوریا منظور کر سکتا ہے  
 اور نہ چمن ۔

اندھر حال میں ہندوستان نے سلوٹک واشٹر سٹک کے سامنے مسودہ پیش کیا تھا جس میں ایک کمیونسٹ ایک غیر کمیونسٹ اور ایک بچپولہ کی ایک کمیٹی قائم کرنے کی صلاح دی گئی۔ امریکہ پہلے اس کی مخالفت کرنا دھا پر چوسے ہی اس نے دیکھا کہ سوویت اس نے خلاف ہے دوسرے ہی اس نے دنیا کی رائے کو سوویت کے خلاف کرنے کے لئے ہندوستانی مسودے کو اچھالنا شروع کیا۔ چین کے آگے نامعلوم کرنے سے بہت سے لوگوں کے دل کو چھوٹا پھونچا اور بہتوں نے ناک بھوس سکڑی۔ پر اس نے متعلق کچھ پلمادی ہانوں سمجھ لہلی ضروری ہیں۔ اول تو یہ کہ اس لڑائی میں ایک فریق قانوناً سلوٹک واشٹر سٹک ہے، دوسرا فریا چین ہے۔ جب تک کہ دوسرے فریق کو اس سبھا میں ہوتیجے کا حق حاصل نہ ہوگا تب تک اس جلسہ کا کوئی پرستار کیا ایک طرف نہ ہوگا اور وہ اس خون ایک فریق کا جو دوسرے



26 سال کا توپچی تھا۔ اس نے دسے نے ایک گاؤں کی دیکھا کرتے ہوئے 17 سال کی ایک لڑکی اور ایک بچے کو بچایا۔ بچہ قہرمت مر گیا پر لڑکی جسکی مرہم پٹی کرنی تھی جب شرم مارے کے زہن میں کو چلی تو وانگ لے اس سے کہا—'بہن' میں تجھ سے کئی سال بڑا ہوں۔ بھائی کے سامنے پردہ کر اپنی جان نہ کرو۔ جسم کے کھوئے آثار ڈال جس سے تیری مرہم پٹی کر سکوں اور جان کہ مرنے بھی بہنوں میں جن کو بچھون میں میں نے ننگی دیکھا ہے۔ لڑکی نے کھوئے آثار دیکھے۔ اچھلی بھائی مرہم پٹی کر دشمنوں کے فرائی میں چل پوا اور کوریا قہرمتھن کے اس پر دھان لے سن سن را کا جو بیان کیا وہ تو انسان کے اتھاس میں سونے کے حرفوں میں لکھا جائے گا۔ سن سن را اس اسہمال کی برس تھی جسے گاؤں کے ساتھ ہی امریکی فوجوں نے پرہاد کر دیا تھا۔ سن سن را کو پکو کر اونچے چھوٹے پر مارڈرڈ ننگی کھڑا کر دیا گیا اور اس کے پچھے ایک آدم قد شہشہ نکا دیا گیا۔ پھر اتر کوریا نے سپاہوں کو اسے دیکھتے ہوئے سامنے سے نڈرے کا حکم ملا۔ وہ تھتھکے اور انہوں نے اپنی آنکھوں قہرمت لیں۔ سن سن را نے چلا کر کہا—'کوریا کے بہادر سپاہوں' اپنی اسبابہت کی ننگی عزت کو بے خوف دیکھ لو اور یہ کہ کوریا کی بھتی کس شان سے مرہا جانتی ہے' جس سے تم اس کے دشمنوں سے ہڈا لے سکو۔' بے خوف کوریا سپاہوں نے معرہ پلندہ کیا—'امریکی سامراج وادسردہ باد!' پھر تو دشمنوں پر کچھ ایسا خوف چھا گیا کہ سن سن را اور اس کے ساتھ ہوں تو چھوڑ کر وہ چپ چاپ چلے گئے۔

یہ دونکھے کھڑے کر دینے والی قربانیاں ہیں اور یہ کل نہیں محض کچھ ہیں' ان بے شمار قربانوں میں سے کچھ جو کوریا کی لڑکی میں آزادی کے یودھاؤں نے کی ہیں۔ دنیا کے جن مت اور اپنی شکلیں سے پریشان ہو کر امریکہ کے صلح کی بات چھوڑنے صلح کی بات ہونے لگی ہر اس بچے بھی صلح کے مرکز پر بھی امریکی ہم بازوں نے حملہ کر کے اور کوئہ ان کے جنرل پہلے اس ذمے داری سے انکار کرتے گئے ہر آخر میں انہوں ماندا پوا کہ قاعدہ ان نے ہم بازوں لے توڑا ہے۔ صلح کی بات چھوڑنے کے بچے اگر لڑائی بالکل روٹی نہیں جاسکتی تھی تو کم سے کم اس کی تھوڑی میں تو نرمی لائی ہی جا سکتی تھی۔ پر ایسا کچھ نہ کر 500 امریکی ہم بازوں نے پائو کی سرحد پر' چھوڑ زہن پر' پھر لوانو آبادی پر' ہم ہرسانہ۔ جاری دنیا نے اس امریکی بے حیائی پر لعنت بھجی۔ خود پلخت نہرو نے پارلیمانیت میں بڑی جھلمیت کے ساتھ اس خبر کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی جرمنی میں بھی دیکھی جانے لگے اور سکوی' مکہاں'



کچھا ڈال دیا گیا؟ اور اگر روس کے الگ دھڑے کورییا کی لڑائی لگی کہہ سکتے ہیں تو چھین کو حملہ آور قرار دینے پر دونوں کی دوستانہ صلح کے مطابق جب چھین پر حملے کے بعد روس کھلم کھلا لڑائی کے میدان میں اتر کر چار دن میں پچھلی یورپ کو روند ڈالے گا تو اسے کون بچا دے گا؟

لڑائی چلتی رہی۔ چھین کے کسانوں اور مزدوروں کے کام کے کھیتوں کے بعد آمد کھیت اور اس لئے محصولات کرنے لگے کہ کورییا کے مورچے پر لڑنے والے چھینی والے کھیتوں یا کورییا لڑائیوں کو کھانے پہلے کی کس نہ ہو۔ اس پہلے امریکہ کے کارخانوں نے توپوں اگلیوں، ہوائی جہاز اگلے، نہام اور جرمیٹے ہم اگلے۔ اور کورییا کے ساتھ ساتھ چھین کی سرحدی زمینوں یا لہو کی کھائی خون سے لال ہو گئی۔ جب تک 38 ویں پڑی سرحدی لکیر دور نہیں آچے سن ہون کہتے رہے مسلسل وہی ہے، بس وہی۔ ہر وہاں تک پہنچتے ہی انہوں نے اپنی بے رحم زبان بدل دی اور کہا، اس لکیر کو پار کر جانا تو بالکل ٹھیک ہے۔ اور وہ پار کر گئے۔

لڑائی چلتی رہی۔ چھین کے کسانوں اور مزدوروں کے کام کے کھیتوں کے بعد آمد کھیت اور اس لئے محصولات کرنے لگے کہ کورییا کے مورچے پر لڑنے والے چھینی والے کھیتوں یا کورییا لڑائیوں کو کھانے پہلے کی کس نہ ہو۔ اس پہلے امریکہ کے کارخانوں نے توپوں اگلیوں، ہوائی جہاز اگلے، نہام اور جرمیٹے ہم اگلے۔ اور کورییا کے ساتھ ساتھ چین کی سرحدی زمینوں یا لہو کی کھائی خون سے لال ہو گئی۔ جب تک 38 ویں پڑی سرحدی لکیر دور نہیں آچے سن ہون کہتے رہے مسلسل وہی ہے، بس وہی۔ ہر وہاں تک پہنچتے ہی انہوں نے اپنی بے رحم زبان بدل دی اور کہا، اس لکیر کو پار کر جانا تو بالکل ٹھیک ہے۔ اور وہ پار کر گئے۔

آج کورییا کے شہر اور گاؤں مٹی میں مل چکے ہیں، توپوں کی توپ سے پہاڑ کی چھاتی بہت چمکی ہے، اس کی کھپڑوں میں لوگوں نے پناہ لی ہے۔ اس پہلے کی ہوئی کورییا کی قربانیاں بہان تواریخ کے ورق پر پکار کر سنا سکتے ہیں۔

آج کورییا کے شہر اور گاؤں مٹی میں مل چکے ہیں، توپوں کی توپ سے پہاڑ کی چھاتی بہت چمکی ہے، اس کی کھپڑوں میں لوگوں نے پناہ لی ہے۔ اس پہلے کی ہوئی کورییا کی قربانیاں بہان تواریخ کے ورق پر پکار کر سنا سکتے ہیں۔

آج کورییا کے شہر اور گاؤں مٹی میں مل چکے ہیں، توپوں کی توپ سے پہاڑ کی چھاتی بہت چمکی ہے، اس کی کھپڑوں میں لوگوں نے پناہ لی ہے۔ اس پہلے کی ہوئی کورییا کی قربانیاں بہان تواریخ کے ورق پر پکار کر سنا سکتے ہیں۔

ان قربانیوں کا جو چتر پینٹنگ کانگریس میں آئے کورییا تھیلی کھشن کے ہمشوا ہان سل یا نے کھینچا ہے، یہاں یہاں نہیں جاسکتا۔ کہنے لگے ہمارے گاؤں میں ایک گھر کھڑا نہیں، ایک مرد نہیں، ایک بچہ نہیں، ایک عورت نہیں جس کی عصمت بچی ہو، جس کے جسم کی شرم کی جگہیں سلگھلیں سے پہاڑ نہ ڈالی گئی ہوں۔ مہرے سامنے دولت ایکٹ کے بعد کا اس پہنچائی گاؤں کا روپ کھڑا ہو گیا جس کا ذکر مہاتما گاندھی نے اپنی آنم کتھا میں کیا ہے۔ کہ کس طرح وہاں کے مرد بکڑ لگے گئے تھے اور عورتوں پر شہر انسانی ظلم ڈھائے گئے تھے۔

ہان سل یا نے اپنی آنکھوں میں آنسو بہا کر بتایا کہ کس طرح ایک کمرے میں 77 بچے برف میں جم گئے تھے۔ جن کے ناخن اس لئے اکھڑ گئے تھے کہ جب چھین چلائے انہوں نے کھڑکیوں کو پکڑا تو ان کے ہاتھوں میں سلسار کی آزادوں کے ذمہ دار امریکی سپاہیوں نے سلگھلیں بہوگ دی تھیں، ہان سل یا کے منہ کا کور نکلا نہ جاسکا۔

اور ہمدردی اور دلگیری کی جو مثالیں انہوں نے دیں وہ لڑائی کے اتھاس میں لڑائی ہیں۔ وانگ لن ہو،

اور ہماری اور دیکھنے کی جو میسائیل انہوں نے دیں وہ لڑائی کے اتھاس میں لڑائی ہیں۔ وانگ لن ہو،



کھڑا رہا۔ اس کا اعلان تھا کہ وہ 'کوئی چلتی ہوئی چھوڑ دینا' اور اس نے نہ کہول گاؤں کے گاؤں جلا ڈالے، کھیت اور مویشی نشہ کر دیے، بچوں کی ذرا سی جان پر وہ دانت بہہ نہچ کر ہوا بلکہ پہاڑوں تک کو اس نے چور چور کر ڈالا۔ یہاں تک کہ اس کی یہ دھوس لہا خود سلگ منری کی سرکار کے وزیروں کو برداشت نہ ہو سکا، دکن کوریا کے پارلیمنٹ کے ممبروں نے بغاوت کرنی اور سلگ منری کو اُنہیں قہد کرنا پڑا۔ سلگ منری کی اپنے ہی دیہی مہن وہی دشا ہوئی جو چھانگ کاٹی شہک کی چھن مہن ہوئی تھی۔ آج بھی وہ امریکہ کے ہوتے دکن کوریا مہن کھڑا ہے۔

جب امریکہ دوا دکن کوریا کے باہلہوں کا ہشمار خون چھن کو برداشت نہ ہو سکا تب اس نے والدہرو لاکھوں کی تعداد مہن سلسلہ کی شانتی بھنگ کرنی ہوئی اس امریکی فوج کے خلاف اپنے پروہی کی حفاظت کے لئے لوائی کے مہدان مہن کوڈ پڑے۔ پانسا پلٹ گیا۔ جون 1950 اور دسمبر 1951 کے بیچ جو امریکی سہنا کی دھائی ہوئی ہے وہ اتھاس مہن ایلا استھان دکھتی۔ 38 ویں پڑی دیکھایا، سوؤل 'لنگہ' دور دکن سندر کدارے کی طرف ودیہی فوج بھاگ چلی، اپنے پکھ والوں کے ہی گاؤں جلاتی، پل توڑتی، دہل اُٹھاتی، سوکھن نشہ کرتی، ہمارتیں لڑاتی، کھڑی کھیتی جلاتی۔ اپنے سارے استر شستروں کے ساتھ، توہوں ساتھ لئے ٹولہکوں مہن بوٹتی، پھر پھر دیکھتی اور اُن کے پھچھا کر لے والے نہتہ کورین اور چھٹی لڑائے صرف نام کو مہتھار لئے، زیرو ذکری سے نہچے کی سردی سوں دوزخ دھلے مہن تر پتر چنکے رکتے ہی لباس جم جاتے تھے۔ امریکی فوج کے کالک لگ گئی، افریقہ کے مہدانوں سے جرمن فوجیں اتلی تھو نہ بھاگی تھوں اور نہ گریس کی زمہن سے جرمنوں کے سامنے سے انگریز جلتا کوریا کے مہدانوں سے دھترن ہوئے۔ خونی مہکارنہر کا پڑی ہات کھتا چھوٹا ٹھوہو ٹھوچے لٹک گیا۔ ٹرومن نے اُسے نکمہ کہ اُسے لوائی کے مہدان سے برخاست کر دیا۔

امریکہ نے یونو کی ہوتھکوں مہن ہر چلد کوشش کی کہ چھن کو حسلہر قرار دے دیا جائے جس سے اُس پر ایٹم بم پھٹکا جاسکے۔ پر سوویت اور ہندستان نے مارے وہ نہ ہو سکا۔ جنرل ور نے کہا—آخر کتے ایٹم بم چھن پر توڑوئے—پانچ، دس، پندرہ، کتے؟ پندرہ کا مطلب ہے شانہ 50 لاکھ چھٹی چائیں، جو چھن اپلی اور ایشیا کی حفاظت کے لئے بھڑکی قربان کر دیتا۔ پر اگر کہیں ہم نے پانچ سادے بم، اُن حفاظتی ہولنوں کو بھد کر، جلدیں ہم ضرور ہی بھد لہنگے، نہوہاری پر پھٹک دے تو ہلا مہن ہتن کا

جس امریکی دوا دکن کوریا کے باہلہوں کا ہشمار خون چھن کو برداشت نہ ہو سکا تب اس نے والدہرو لاکھوں کی تعداد مہن سلسلہ کی شانتی بھنگ کرنی ہوئی اس امریکی فوج کے خلاف اپنے پروہی کی حفاظت کے لئے لوائی کے مہدان مہن کوڈ پڑے۔ پانسا پلٹ گیا۔ جون 1950 اور دسمبر 1951 کے بیچ جو امریکی سہنا کی دھائی ہوئی ہے وہ اتھاس مہن ایلا استھان دکھتی۔ 38 ویں پڑی دیکھایا، سوؤل 'لنگہ' دور دکن سندر کدارے کی طرف ودیہی فوج بھاگ چلی، اپنے پکھ والوں کے ہی گاؤں جلاتی، پل توڑتی، دہل اُٹھاتی، سوکھن نشہ کرتی، ہمارتیں لڑاتی، کھڑی کھیتی جلاتی۔ اپنے سارے استر شستروں کے ساتھ، توہوں ساتھ لئے ٹولہکوں مہن بوٹتی، پھر پھر دیکھتی اور اُن کے پھچھا کر لے والے نہتہ کورین اور چھٹی لڑائے صرف نام کو مہتھار لئے، زیرو ذکری سے نہچے کی سردی سوں دوزخ دھلے مہن تر پتر چنکے رکتے ہی لباس جم جاتے تھے۔ امریکی فوج کے کالک لگ گئی، افریقہ کے مہدانوں سے جرمن فوجیں اتلی تھو نہ بھاگی تھوں اور نہ گریس کی زمہن سے جرمنوں کے سامنے سے انگریز جلتا کوریا کے مہدانوں سے دھترن ہوئے۔ خونی مہکارنہر کا پڑی ہات کھتا چھوٹا ٹھوہو ٹھوچے لٹک گیا۔ ٹرومن نے اُسے نکمہ کہ اُسے لوائی کے مہدان سے برخاست کر دیا۔

امریکہ نے یونو کی ہوتھکوں مہن ہر چلد کوشش کی کہ چھن کو حسلہر قرار دے دیا جائے جس سے اُس پر ایٹم بم پھٹکا جاسکے۔ پر سوویت اور ہندستان نے مارے وہ نہ ہو سکا۔ جنرل ور نے کہا—آخر کتے ایٹم بم چھن پر توڑوئے—پانچ، دس، پندرہ، کتے؟ پندرہ کا مطلب ہے شانہ 50 لاکھ چھٹی چائیں، جو چھن اپلی اور ایشیا کی حفاظت کے لئے بھڑکی قربان کر دیتا۔ پر اگر کہیں ہم نے پانچ سادے بم، اُن حفاظتی ہولنوں کو بھد کر، جلدیں ہم ضرور ہی بھد لہنگے، نہوہاری پر پھٹک دے تو ہلا مہن ہتن کا

امریکہ نے یونو کی ہوتھکوں مہن ہر چلد کوشش کی کہ چھن کو حسلہر قرار دے دیا جائے جس سے اُس پر ایٹم بم پھٹکا جاسکے۔ پر سوویت اور ہندستان نے مارے وہ نہ ہو سکا۔ جنرل ور نے کہا—آخر کتے ایٹم بم چھن پر توڑوئے—پانچ، دس، پندرہ، کتے؟ پندرہ کا مطلب ہے شانہ 50 لاکھ چھٹی چائیں، جو چھن اپلی اور ایشیا کی حفاظت کے لئے بھڑکی قربان کر دیتا۔ پر اگر کہیں ہم نے پانچ سادے بم، اُن حفاظتی ہولنوں کو بھد کر، جلدیں ہم ضرور ہی بھد لہنگے، نہوہاری پر پھٹک دے تو ہلا مہن ہتن کا



ڈرنے لگتا ہے اور جو آخر میں جا کر اس طرح کے  
 ایک بلب میں ختم ہوتے ہیں جو پورے ہوئے ہیں اور  
 جو ہمارے خیال کی دور سے دور کی پہنچ سے ہی رہے ہیں۔“

## کورییا

( ڈاکٹر بھگت سرن دپاڈی )

یہ کورییا ہے، جس سے نہایا دھوا، آج کئی سال  
 سے بڑھ چکا ہے اسلئے کہ اپنی آجادی کو انسان  
 کی آجادی کے دشمنوں سے رکشا کر سکے اور اپنی  
 اس آجادی کے لئے کوئی کڑی، کوئی کڑی اس نے  
 منہ نہیں سمجھی ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

## کورییا

( ڈاکٹر بھگت سرن دپاڈی )

یہ کورییا ہے، جس سے نہایا دھوا، آج کئی سال  
 سے بڑھ چکا ہے اسلئے کہ اپنی آجادی کو انسان  
 کی آجادی کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ کس نے کس پر کیا  
 کیا؟ یہ سوال پورے ہے، آج کئی سال سے وہ  
 رہا ہے اس لئے کہ اپنی آزادی کو انسان کی آزادی  
 کے دشمنوں سے رکشا کر سکے۔ اور اپنی اس آزادی کے لئے  
 کوئی کڑی، کوئی کڑی قربانی اس نے منہ نہیں سمجھی  
 ہے۔



“जो बातों का मेरे दिल पर गहरा असर है—पहली यह कि सचमुच हमारे इस तरह के शक्तिशाली मकदगार मौजूद हैं जो किसी न किसी सीधे और नपक्कीकी तरीके पर हमें रास्ता दिखाते हैं, हमारा प्रबन्ध करते हैं और एक अनुचित इस के अन्दर हमें बस में रखते हैं, और जो अपने काम में लगे हुए हैं, पर जो सर्व शक्तिमान शान्ति का विरोध प्रस्तुत नहीं हैं, दूसरी बात यह कि इस आत्मन (विश्व) के अन्दर जो मेरे अन्दर हैं जिनकी शान का उद्घाटन करके दिल

”ہو یا تو اس کا سورہ دل پر گہرا اثر ہے۔ پہلی یہ کہ  
 سچ سچ ہمارے اس طرح کے شکتی ہائی مددگار موجود  
 ہوں جو کسی نہ کسی سجدہ اور نواہی کی طریقہ پر ہمیں  
 راستہ دکھاتے ہوں“ ہمارا پروردگار کرتے ہوں اور ایک  
 مناسب حد کے اندر ہمیں پس نہیں رکھتے ہوں“ اور جو  
 آپ نام میں لکے ہوئے ہوں“ پر جو سوز شکتی مانی یعنی  
 قادر مطلق ہوں ہوں“ درحقیقت بات یہ کہ اس عالم و ہونے  
 کے لیے جو اس قدر پہلو ہوں جن کی شان کا خیال کر کے دل



ایک اور عجیب لوگ تھیں جن میں  
ہو گیا ہے۔

”مفتیشان میں ایک نئی ہوا ہے جس کا رنگ  
میرا ہے اور جس کا نام نہیں تھا۔“

ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ آئینہ یا کرسی ہے ۔ کرکسی کے مسئلہ پر متبادل کے طور پر ۔

پارسیوں نے انہیں لکھا تھا۔

۱۰ انسان کی قوم سے اہم کرنے والے جوشیلتوں کے ساتھ  
ہوئے انسانوں کو لے لو گئے سے تھپڑی آنا لا ہوا ہوا۔ میں  
میں وہی سے آواز عمل سے ان پر چلو۔ ہر دیکھ میں  
پیش تک کہ اسے دیکھ دیکھوں میں وہی جوشیلتا ہوئے  
جس جوشیلتا کے ساتھ ان کی قوم شاعری کو حاصل کیا ہے۔  
اس عالم کے سرانجام نے جو سب لکھ رہا تھا وہ ہم سب  
کے پاس جوشیلتا ہوئے میں تاکہ وہ ہمیں لکھ لکھ

— 1997 —

”میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میری کتاب کو سب سے زیادہ پڑھا جائے اور سب سے زیادہ فائدہ پہنچے۔“

پہلی بار : اس کتاب کے جو نسخہ دستخط ہو  
 یہ چاہئے کہ وہ ہو ۔  
 جس کے لئے اس کتاب کو مندرجہ ذیل ہے :

خطرات مہسوی نے آنجہل مہوں کہا ہے :-

”میں پھر آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا“  
 نالہ چہلی میں چلتا ہوں تم بھی جا سکو۔“

انجیل میں اسی طرح کی باتیں بار بار کہی گئیں  
میں، اور یہ صاف لکھا ہے کہ۔

”اس طرح کی راہ دکھانے والے شروع زمانے سے آج تک  
موجودہ آتے رہے ہیں۔“

قد آن سہیں ہار ہار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مستحق  
کے ساتھ یہ اللہ بولتا ہے ۔

حکومت عیسوی نے ہوں افسوس میں یہی بات کہی ہے۔

ہم اگر قبول این مہاں آتماؤں کا خیال رکھیں اور یہ سمجھیں کہ یہ سب ہمارے پرہی اور سداکار نہ تو ہم اپنے اندر روحانی اور اخلاقی طالب پیدا کر سکتے ہیں اور اپنے اندر کی طاقتوں کو جگا کر روحانی قربی کی آگ کی مشعلیں بن کر سکتے ہیں ۔

پہاڑی کی پہاڑی سہاگیاں اور دھرم کے اصول سب  
 جگہ ایک ہی سے ہیں اور سدا ایک ہی سے رہیں گے ،  
 پہاڑ وہ پہاڑ کہ قلعہ ہے ، وہ رہت رواج ، وہ طریقے ، وہ شہد  
 ہیں وہ سہاگیاں ہمارے کی گلوں میں ہر آن پہر جائے  
 ہیں ، ان کا لڑ کم ہوتا جاتا ہے ، اس لئے انہیں  
 سہاگیوں کو پھر سے دھڑالنے کی ضرورت پڑتی ہے ، یہی کام  
 ان سہاگیوں کا ہے ، یہ لوگ سچے پرہیزگار ، سچے سچے  
 سے ہوتے ہوتے ہیں ، وہ سدا سب کا ہوتا ہے ،  
 ان کے لئے ہم ، وہ ایک ہی ہے ، وہ ایک ہی ہے ، وہ ایک ہی ہے











یہودی مذہب کی کتاب زبور میں لکھا ہے—”جو کسے انسان آسمانی اس سڑیٹ یا نی آسمان کے سارے رشتوں یا نی راہوں کی کسی بھی ایک آسمانی کے پھیرے میں پھڑکتا ہے۔“ یہودی کتبوں کی مسموہر کھابو ہے—”جو کسے یہودی نیچے ہے۔“

یہودی میں لکھا ہے—”کیونکہ جس طرح کھڑا اس جسم کے اندر رہی ہوئی ہے اسی طرح کھڑا سارے آسمان کے اندر رہا ہوا ہے، جس طرح کھڑا جس کو سنبھالے ہوئے ہے اسی طرح کھڑا عالم کو سنبھالے ہوئے ہے جس طرح روح دیکھتی ہے لیکن دیکھی نہیں جاسکتی، اسی طرح خدا دیکھتا ہے لیکن دیکھا نہیں جاتا۔“

مسلمان صوفی انسان کے جسم اور سارے عالم کی اس تشویش یا آہ کو بہت ادھک بڑھا کر لے گئے ہیں اور انہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، جہاں تک کہ پڑھنے والے کو بیکارل پوسا لگانے لگتا ہے کہ یہ سارا عالم ایک چھتیا جاکتا جسم ہے جس کے ہم سب ایک یا ذرے ہیں۔ خواجہ خاں نے اپنی انگریزی کتاب ’نی فلسفی آب اسلام‘ میں مسلمان صوفیوں کے اس طرح کے بیان اور وہ ’پرائی اور ایڈیٹوں کے بیانوں کو خوب تفصیل کے ساتھ مل کر دکھایا ہے۔ خاص کر دکن کے مسلمان صوفیوں کے بیان اور ہندو پرائی کے بیان میں تو فرق نکال سکتا نامکن ہے۔“

کچھ سالس والوں نے یہ رائے بھی ظاہر ہے آسمان کے ’سورج‘، ’چاند‘، تارے اور نکشتر سب الگ الگ جھتی جاتی جانداز ہستیاں ہیں۔ ایک جرمن سائنسدان لیکٹر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہمارے یہ زمین ایک جاندار ہستی ہے۔ مشہور امریکی دارشک و لوم جسمس نے بھی اپنی ایک کتاب ’ای پلوریلسٹک یونیورس‘ میں یوں و دونا کے ساتھ اس خیال کی تائید کی ہے۔ ہندستان کے پرائی میں پڑھوں کو ’دیوی‘ کہا ہی گیا ہے۔ اس طرح کے خیال اسلام اور دوسرے دھرموں میں بھی ملتے ہیں۔

یہ سب بات قدرتی ہے۔ جب ایشور اللہ ایک ہے، ایک ہی آتما سب کے اندر رہا ہوا ہے تو سب کے اندر اس عکاس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ کسری نام رپوں کی عکاسی ہمیں اس عکاس کو دیکھنے کے لئے اور بھی بچوں کو دیتی ہے۔ اس لئے راج کچ پملى سياست میں آدمی ’پرائی‘، ’پرائی‘ کا نعرہ اٹھاتا کرتے پر مشہور ہو جاتا ہے اور عوامک آدمی کہتا ہے—”مردم سرور سرور“ یعنی سب سب جگہ اور ہر جگہ ہے۔

صوفی اس کو ’اندر لاج کل‘ کہتا ہے۔ عربی کے ایک صوفی صوفی ہیں۔

یہودی مذہب کی کتاب زبور میں لکھا ہے—”جو کسے انسان آسمانی اس سڑیٹ یا نی آسمان کے سارے رشتوں یا نی راہوں کی کسی بھی ایک آسمانی کے پھیرے میں پھڑکتا ہے۔“ یہودی کتبوں کی مسموہر کھابو ہے—”جو کسے یہودی نیچے ہے۔“

مسلمان صوفی انسان کے جسم اور سارے عالم کی اس تشویش یا آہ کو بہت ادھک بڑھا کر لے گئے ہیں اور انہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، جہاں تک کہ پڑھنے والے کو بیکارل پوسا لگانے لگتا ہے کہ یہ سارا عالم ایک چھتیا جاکتا جسم ہے جس کے ہم سب ایک یا ذرے ہیں۔ خواجہ خاں نے اپنی انگریزی کتاب ’نی فلسفی آب اسلام‘ میں مسلمان صوفیوں کے اس طرح کے بیان اور وہ ’پرائی اور ایڈیٹوں کے بیانوں کو خوب تفصیل کے ساتھ مل کر دکھایا ہے۔ خاص کر دکن کے مسلمان صوفیوں کے بیان اور ہندو پرائی کے بیان میں تو فرق نکال سکتا نامکن ہے۔“

کچھ سالس والوں نے یہ رائے بھی ظاہر ہے آسمان کے ’سورج‘، ’چاند‘، تارے اور نکشتر سب الگ الگ جھتی جاتی جانداز ہستیاں ہیں۔ ایک جرمن سائنسدان لیکٹر نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہمارے یہ زمین ایک جاندار ہستی ہے۔ مشہور امریکی دارشک و لوم جسمس نے بھی اپنی ایک کتاب ’ای پلوریلسٹک یونیورس‘ میں یوں و دونا کے ساتھ اس خیال کی تائید کی ہے۔ ہندستان کے پرائی میں پڑھوں کو ’دیوی‘ کہا ہی گیا ہے۔ اس طرح کے خیال اسلام اور دوسرے دھرموں میں بھی ملتے ہیں۔

یہ سب بات قدرتی ہے۔ جب ایشور اللہ ایک ہے، ایک ہی آتما سب کے اندر رہا ہوا ہے تو سب کے اندر اس عکاس کا ہونا بھی لازمی ہے۔ کسری نام رپوں کی عکاسی ہمیں اس عکاس کو دیکھنے کے لئے اور بھی بچوں کو دیتی ہے۔ اس لئے راج کچ پملى سياست میں آدمی ’پرائی‘، ’پرائی‘ کا نعرہ اٹھاتا کرتے پر مشہور ہو جاتا ہے اور عوامک آدمی کہتا ہے—”مردم سرور سرور“ یعنی سب سب جگہ اور ہر جگہ ہے۔

صوفی اس کو ’اندر لاج کل‘ کہتا ہے۔ عربی کے ایک صوفی صوفی ہیں۔

صوفی اس کو ’اندر لاج کل‘ کہتا ہے۔ عربی کے ایک صوفی صوفی ہیں۔



## ایک ہی کتاب کا سبب جگمگ

( ڈاکٹر ابھانواس )

ایک اور سچائی جس کی طرف دنیا کے سب مذاہب  
صاراً دھیان دلاتے ہیں یہ ہے کہ جو کچھ اس سارے عالم  
میں ہے وہی سب ہی چھوٹے سے چھوٹے فرقوں میں ہیں۔  
ہندو دھرم میں انسان کے جسم کو پختہ اور اس سارے  
دھرم یا عالم کو پختہ کہا جاتا ہے۔ ویدانت کی ایک  
مذہب یہ کہتا ہے :-

یथा پیدہ تথা بھاسندے

یانی—جو کچھ پیدہ کے اندر ہے وہی بھاسندے کے اندر  
ہے۔ پیدہ اور بھاسندے ہی کو 'پیدا ویراٹ' اور 'مہا ویراٹ'  
ہی کہتے ہیں۔ دھرماتما سواہی انہی کو 'پالنے سرگور'  
اور 'پالنے کبیر' کہتے ہیں۔ پانچویں نے انہی کو 'ماہکوی  
کاظم' اور 'مہکوی کاظم' کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جب جی کچھ پیدہ میں ہے وہی بھاسندے میں  
ہے تو جی کچھ ایک پیدہ میں ہے وہی سب پیدوں  
میں ہونا چاہئے۔ اسی لیے ہر فرقے نے بہت کچھ  
کہا ہے :-

विद्या विनय सम्पन्ने

ब्राह्मणे गवि हस्तिनि

शुनि चैव श्वपाके च

पण्डिताः सम वर्णिनः

یانی—جو لیاں پندیت یا سچے جانکار ہیں وہ اس  
بھاسندے کو جو پیدہ اور ویراٹ (پیدا) سے سچا ہے،  
گاو کو، ہاشی کو، کتے کو اور بھاسندے کو سب کو ایک  
نیگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سواہی کہتا ہے کہ :-

मोहविमल ह्रीं बीनद अन्तर एविल

कि दर खूबखाने बीन-बी-बगिल

یانی—جو کچھ کو جاننے والا ہے وہ کج کے بے  
بے جیسم کے اندر ہی کسی چیز کو دیکھتا ہے جسے  
وہ چاہے یا چاہے نہ ہو۔ لوگوں کے اندر دیکھتا ہے،  
یعنی کا نام سم دیکھتا ہے۔ یہی سچا کہاں ہے۔ یہی  
اسلمت کو دیکھتا ہے۔ دنیا کی ساری سالکوں میں  
قہرنگ سے اسی سچا دیکھتا کے اصول سے لگتی ہیں۔ مطلق  
یا لچک میں اسی کا نام لگتے ہیں یہ لگتے ہیں  
سالکوں کی بھلاہ ہے۔ سالکوں میں بھلاہ ہے کہ  
جو کچھ اس سارے سولہویں اور چھٹی یعنی نظام  
شمسی میں ہے وہی ہر ایک کو یا کچھ میں ہے۔  
یہی ہر ایک طرح سے بہت سی مذاہب کی سچائی  
مذہب اور اسلام لگتے ہیں ہر بار کچھ لگتی ہے۔

یہی کا نام سم دیکھتا ہے۔ یہی سچا جانا ہے وہی  
اسلمت کو دیکھتا ہے۔ دنیا کی ساری سالکوں میں  
قہرنگ سے اسی سچا دیکھتا کے اصول سے لگتی ہیں۔ مطلق  
یا لچک میں اسی کا نام لگتے ہیں یہ لگتے ہیں  
سالکوں کی بھلاہ ہے۔ سالکوں میں بھلاہ ہے کہ  
جو کچھ اس سارے سولہویں اور چھٹی یعنی نظام  
شمسی میں ہے وہی ہر ایک کو یا کچھ میں ہے۔  
یہی ہر ایک طرح سے بہت سی مذاہب کی سچائی  
مذہب اور اسلام لگتے ہیں ہر بار کچھ لگتی ہے۔

یہی کا نام سم دیکھتا ہے۔ یہی سچا جانا ہے وہی  
اسلمت کو دیکھتا ہے۔ دنیا کی ساری سالکوں میں  
قہرنگ سے اسی سچا دیکھتا کے اصول سے لگتی ہیں۔ مطلق  
یا لچک میں اسی کا نام لگتے ہیں یہ لگتے ہیں  
سالکوں کی بھلاہ ہے۔ سالکوں میں بھلاہ ہے کہ  
جو کچھ اس سارے سولہویں اور چھٹی یعنی نظام  
شمسی میں ہے وہی ہر ایک کو یا کچھ میں ہے۔  
یہی ہر ایک طرح سے بہت سی مذاہب کی سچائی  
مذہب اور اسلام لگتے ہیں ہر بار کچھ لگتی ہے۔

## ایک ہی خیال سب جگمگ

( ڈاکٹر ابھانواس )

ایک اور سچائی جس کی طرف دنیا کے سب مذاہب  
صاراً دھیان دلاتے ہیں یہ ہے کہ جو کچھ اس سارے عالم  
میں ہے وہی سب ہی چھوٹے سے چھوٹے فرقوں میں ہیں۔  
ہندو دھرم میں انسان کے جسم کو پختہ اور اس سارے  
دھرم یا عالم کو پختہ کہا جاتا ہے۔ ویدانت کی ایک  
مذہب یہ کہتا ہے :-

یथा پیدہ تথা بھاسندے

یانی—جو کچھ پیدہ کے اندر ہے وہی بھاسندے کے اندر  
ہے۔ پیدہ اور بھاسندے ہی کو 'پیدا ویراٹ' اور 'مہا ویراٹ'  
ہی کہتے ہیں۔ دھرماتما سواہی انہی کو 'پالنے سرگور'  
اور 'پالنے کبیر' کہتے ہیں۔ پانچویں نے انہی کو 'ماہکوی  
کاظم' اور 'مہکوی کاظم' کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جب جی کچھ پیدہ میں ہے وہی بھاسندے میں  
ہے تو جی کچھ ایک پیدہ میں ہے وہی سب پیدوں  
میں ہونا چاہئے۔ اسی لیے ہر فرقے نے بہت کچھ  
کہا ہے :-

विद्या विनय सम्पन्ने

ब्राह्मणे गवि हस्तिनि

शुनि चैव श्वपाके च

पण्डिताः सम वर्णिनः

یانی—جو لوگ پندیت یا سچے جانکار ہیں وہ اس  
بھاسندے کو جو پیدہ اور ویراٹ (پیدا) سے سچا ہے،  
گاو کو، ہاشی کو، کتے کو اور بھاسندے کو سب کو ایک  
نیگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سواہی کہتا ہے کہ :-

मोहविमल ह्रीं बीनद अन्तर एविल

कि दर खूबखाने बीन-बी-बगिल

یانی—جو کچھ کو جاننے والا ہے وہ کج کے بے  
بے جیسم کے اندر ہی کسی چیز کو دیکھتا ہے جسے  
وہ چاہے یا چاہے نہ ہو۔ لوگوں کے اندر دیکھتا ہے،  
یعنی کا نام سم دیکھتا ہے۔ یہی سچا کہاں ہے۔ یہی  
اسلمت کو دیکھتا ہے۔ دنیا کی ساری سالکوں میں  
قہرنگ سے اسی سچا دیکھتا کے اصول سے لگتی ہیں۔ مطلق  
یا لچک میں اسی کا نام لگتے ہیں یہ لگتے ہیں  
سالکوں کی بھلاہ ہے۔ سالکوں میں بھلاہ ہے کہ  
جو کچھ اس سارے سولہویں اور چھٹی یعنی نظام  
شمسی میں ہے وہی ہر ایک کو یا کچھ میں ہے۔  
یہی ہر ایک طرح سے بہت سی مذاہب کی سچائی  
مذہب اور اسلام لگتے ہیں ہر بار کچھ لگتی ہے۔



आवादी है इनकी लोही  
इन के उड़ने को तैयारे  
होल का लेकिन बोल खिलाती  
काने खों क्रसमें बेचारे  
लास तरीकों से फुललाया  
लास जलन भी करके हारे  
गुबारा बरत कभी लोहा है  
कोई भी इसकी लास पुकारे  
ठाट पड़े रह जाते हैं सब  
चल पड़ते हैं जब बनजारे

पहेली—

मजबूर इस पेट की खातिर  
रूप नये फनकार ने धारे  
भांड बना और कोई मेककर  
और कने कुछ राख दुलारे  
लाल बुलबुल समझे लेकिन  
नाम न लेंगे हर के सारे

शहर आशोब— नदी नाले खून की भैया  
खेतों में बोए अंगारे

जंग अजब यह जंग है साथी  
हारा जोखे जीता हारे

फसीदा—

सुलह की कोशिश अमन के जलसे  
उमड़े हुए अमृत के धारे  
रुस और चीन की बातें सुनकर  
जाग उठे अकफार हमारे

जहन में एक जलत सी बनाकर  
नाच गए आंखों में मजारे  
आने बढ़ते जावंगे साथी  
कांधा जोड़े सीना हमारे

होगी जब आकाद यह भूमि  
रक्त करेंगे चांद सितारे  
गायेगी ले कर गोध में सोना  
रक्त करेंगे चांद खिलारे

लोरी—

सरसों फूली फूल बसन्ती  
नन्हे नन्हे प्यारे प्यारे

सोना सोना येरी गुड़िया  
सुबह बलेंगे खेल किनारे

बोल के पाखी में समुन को  
नखकी से छोड़ेंगे गुबारे

सोना सोना मेरी गुड़िया  
झिंझोले में पांव पसारें

आंस मिचोली निझा खेले  
काया माया बपकी मारे.

आँखें हैं इन की लुत्त  
इन के आँखों को प्यारे  
दमोल का लेकिन बोल केली  
कोले लके लसमें बोजारे  
दो टपटप में बसलिया  
ला जलन भी करके हारे  
गुबारा बरत कभी लोहा है  
कोई भी इसकी लास पुकारे  
ठाट पड़े रह जाते हैं सब  
चल पड़ते हैं जब बनजारे

पहेली—

मजबूर इस पेट की खातिर  
रूप नये फनकार ने धारे  
भांड बना और कोई मेककर  
और कने कुछ राख दुलारे  
लाल बुलबुल समझे लेकिन  
नाम न लेंगे हर के सारे

शहर आशोब— नदी नाले खून की भैया  
खेतों में बोए अंगारे

जंग अजब यह जंग है साथी  
हारा जोखे जीता हारे

सुलह की कोशिश अमन के जलसे  
उमड़े हुए अमृत के धारे  
रुस और चीन की बातें सुनकर  
जाग उठे अकफार हमारे

जहन में एक जलत सी बनाकर  
नाच गए आंखों में मजारे  
आने बढ़ते जावंगे साथी  
कांधा जोड़े सीना हमारे

होगी जब आकाद यह भूमि  
रक्त करेंगे चांद सितारे  
गायेगी ले कर गोध में सोना  
रक्त करेंगे चांद खिलारे

सरसों फूली फूल बसन्ती  
नन्हे नन्हे प्यारे प्यारे

सोना सोना येरी गुड़िया  
सुबह बलेंगे खेल किनारे

बोल के पाखी में समुन को  
नखकी से छोड़ेंगे गुबारे

सोना सोना मेरी गुड़िया  
झिंझोले में पांव पसारें

आंस मिचोली निझा खेले  
काया माया बपकी मारे.

आँखें हैं इन की लुत्त  
इन के आँखों को प्यारे  
दमोल का लेकिन बोल केली  
कोले लके लसमें बोजारे  
दो टपटप में बसलिया  
ला जलन भी करके हारे  
गुबारा बरत कभी लोहा है  
कोई भी इसकी लास पुकारे  
ठाट पड़े रह जाते हैं सब  
चल पड़ते हैं जब बनजारे

मजबूर इस पेट की खातिर  
रूप नये फनकार ने धारे  
भांड बना और कोई मेककर  
और कने कुछ राख दुलारे  
लाल बुलबुल समझे लेकिन  
नाम न लेंगे हर के सारे

शहर आशोब— नदी नाले खून की भैया  
खेतों में बोए अंगारे

जंग अजब यह जंग है साथी  
हारा जोखे जीता हारे

सुलह की कोशिश अमन के जलसे  
उमड़े हुए अमृत के धारे  
रुस और चीन की बातें सुनकर  
जाग उठे अकफार हमारे

जहन में एक जलत सी बनाकर  
नाच गए आंखों में मजारे  
आने बढ़ते जावंगे साथी  
कांधा जोड़े सीना हमारे

होगी जब आकाद यह भूमि  
रक्त करेंगे चांद सितारे  
गायेगी ले कर गोध में सोना  
रक्त करेंगे चांद खिलारे



16 FEB 1955

# नया हिन्द

14 जिल्द

फरवरी, सन '53

नम्बर 2

2

فروری، سن 53

14 جلد

जात आदमी, प्रेम धर्म है, हिन्दुस्तानी बोली,  
'नया हिन्द' पहुँचेगा घर घर लिये प्रेम की मोली.

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لیکے پریم کی جھولی۔

## सब रंग

'वामिक' जौनपुरी

राजल—

रोज के हमदम शब के सहारे  
दलके आंसू टूटे तारे  
नजरें मिल कर हट जाने में  
हो जाते हैं लाख इशारे  
झुबती किरती देख के अकसर  
आंख चुरा लेते हैं किनारे  
फिर भी बचने वाले बचे हैं  
तूफान में मौजों के सहारे  
'वामिक' जब मयखाना अपना  
साझी साझी कौन पुकारे

वासोक्त—

गरबत का पहसास कयामत  
बस जाते हैं रुह पे आरे  
मंगे रह कर जी सकते हैं  
कट जायं यह भूक के मारे  
चम्प गुलाब आका बन बैठे  
पाप यह सिर से कौन उतारे

लख (कथंग)— यह टोपी नेताओं की है  
क्रहस व बबा जिन के हरकारे  
पूजी पतियों के हर घर में  
मैलते हैं उनके जयकारे  
यह तो भारत के हैं सदाही  
परमिट से पुर उन के पिदारे  
यह जो चाहें कर सकते हैं  
काम के सब कामूल न्वारे

## सब रंग

('वामिक' जौनपुरी)

फूल—

रोज के हमदम शब के सहारे  
दलके आंसू टूटे तारे  
नजरें मिल कर हट जाने में  
हो जाते हैं लाख इशारे  
झुबती किरती देख के अकसर  
आंख चुरा लेते हैं किनारे  
फिर भी बचने वाले बचे हैं  
तूफान में मौजों के सहारे  
'वामिक' जब मयखाना अपना  
साझी साझी कौन पुकारे

वासोक्त—

गरबत का पहसास कयामत  
बस जाते हैं रुह पे आरे  
मंगे रह कर जी सकते हैं  
कट जायं यह भूक के मारे  
चम्प गुलाब आका बन बैठे  
पाप यह सिर से कौन उतारे

लख (कथंग)— यह टोपी नेताओं की है  
क्रहस व बबा जिन के हरकारे  
पूजी पतियों के हर घर में  
मैलते हैं उनके जयकारे  
यह तो भारत के हैं सदाही  
परमिट से पुर उन के पिदारे  
यह जो चाहें कर सकते हैं  
काम के सब कामूल न्वारे



“نیا ہند”  
ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

فروری 1953

“نیا ہند”

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

۴

ماہواری پرچا

کس سے	صفحہ نمبر	کس سے
1. سب رنگ (کوئٹا) — ’وامق‘ جوبوری	1 ...	1. سب رنگ (کوئٹا) — ’وامق‘ جوبوری
2. ایک ہی خیال سب جگہ — ڈاکٹر بھگوان داس	3 ...	2. ایک ہی خیال سب جگہ — ڈاکٹر بھگوان داس
3. کوہیا — ڈاکٹر بھگوت سرن ایادھوائے	9 ...	3. کوہیا — ڈاکٹر بھگوت سرن ایادھوائے
4. ہندوستانی شہدیاں کا تیسرا اصول — بدلاؤ اچچارن اور عام تلور — ڈاکٹر جعفر حسن	15 ...	4. ہندوستانی شہدیاں کا تیسرا اصول — بدلاؤ اچچارن اور عام تلور — ڈاکٹر جعفر حسن
5. باپو سے — بھگوان دین	24 ...	5. باپو سے — بھگوان دین
6. پرچانگتر بھارت میں بھاشاوار پراست — سو. ستھہ بارائن	28 ..	6. پرچانگتر بھارت میں بھاشاوار پراست — سو. ستھہ بارائن
7. ویدانت کلتانت — بارائن پرساد جھن	37 .	7. ویدانت کلتانت — بارائن پرساد جھن
8. وہ بھی کہا تھے؟ (کہانی) — بھگوان دین	40 ..	8. وہ بھی کہا تھے؟ (کہانی) — بھگوان دین
9. بھارت سرکار کی پंचसाला योजना — ڈاکٹر ساتیاشچندر	47 ..	9. بھارت سرکار کی پंचसाला योजना — ڈاکٹر ساتیاشچندر
10. بھارت میں امریکی قدم — آرم پرکاش سنگل	53 ..	10. بھارت میں امریکی قدم — آرم پرکاش سنگل
11. کچھ کتابیں —	65 ...	11. کچھ کتابیں —
12. ہماری رائے —	67 ...	12. ہماری رائے —
لڑائی کے بدلے — بھگوان دین؛ ریلوے درگاہوں کے لیے؟ — منجھہ رضوی؛ نئے قلعے کا انیشن — بھگوان دین .		لڑائی کے بدلے — بھگوان دین؛ ریلوے درگاہوں کے لیے؟ — منجھہ رضوی؛ نئے قلعے کا انیشن — بھگوان دین .

کلیमत — ہندوستان میں ۱۰۰ روپے سال، باہر دس روپے  
سال، ایک پرچہ دس آنے .

مینیجر

‘نیا ہند’

145، سڈیگنج، کلاہا آباد.

نیا ہند — ہندوستان میں ۱۰۰ روپے سال، باہر دس روپے  
سال، ایک پرچہ دس آنے .

مینیجر

‘نیا ہند’

145، سڈیگنج، کلاہا آباد.



# نیا ہند نیمبر



ایڈیٹر—تارا چند، بھگوان دین، مہاشیگر ہسن، بھیشمر ناہ، سندر لال

ایڈیٹر—نارا چند، بھگوان دین، مظہر حسن، بھیشمر ناہ، سندر لال

نائب ایڈیٹر—سوریش رام بھائی، محبوب رضوی



## اس نمبر کے خاص لیکھ

## اس نمبر کے خاص لیکھ

★ کوریوا—ڈاکٹر بھگوان سرن، بھیشمر ناہ

★ کوریوا—ڈاکٹر بھگوان سرن، بھیشمر ناہ

★ ہندوستانی شہدیت کا تیسرا اصول : بدلاؤ  
 انجیوارن اور ام تلہڑ—ڈاکٹر حاکم حسن

★ ہندوستانی شہدیت کا تیسرا اصول : بدلاؤ  
 انجیوارن اور ام تلہڑ—ڈاکٹر حاکم حسن

★ وہ بھی کیا تھ ؟ ( کہانی )—بھگوان دین

★ وہ بھی کیا تھ ؟ ( کہانی )—بھگوان دین

★ پرچانکتر بھارت میں بھاشاوار پد است—  
 مو . ستھہ نارائن

★ پرچانکتر بھارت میں بھاشاوار پد است—  
 مو . ستھہ نارائن

★ بھارت سرکار کی پंचسالہ योजना  
 ڈاکٹر ساتیش چندر

★ بھارت سرکار کی پंचسالہ योजना  
 ڈاکٹر ساتیش چندر

★ بھارت میں امریکی قدم—آرام  
 پرکاش مہگل

★ بھارت میں امریکی قدم—آرام  
 پرکاش مہگل

### ہماری رائے—

### ہماری رائے—

★ لڑائی کے بادل—بھگوان دین

★ لڑائی کے بادل—بھگوان دین

★ ریلوے دہشتگردانہ کھوں؟—موجاوی راجیو

★ ریلوے دہشتگردانہ کھوں؟—موجاوی راجیو

★ نپ دغا کا اکریشن—بھگوان دین

★ نپ دغا کا اکریشن—بھگوان دین



فروری 1953

کلیمت دس آنا

نہ قیمت دس آنا



نئی کتاب

نئی کتاب

## چائنا ٹو ڈے

لکھک — سندر لال

پہلی اکتوبر 1951 کو نئے چین کے لوکاراج کی دسویں سال گیارھ کے مہینے پر ہندوستان سے ایک گڈویل مشن چین گیا تھا، جس کے नेता پंडت मुन्दरलाल थे.

اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس مشن نے چالیس روز کے چھ مہینوں میں دیکھا اور 'آج' چھوٹا کوسا ہے، اس طرح وہاں سے ویشاپن، بھکمی اور دورگاری کو ختم ہوا تھا، اس طرح وہاں کے بے رحمی والے کرداروں کو دسویں سالوں کی لٹی اور نئے کھیتی سدھار قانون سے چھوٹا کوسا بھکمی سے ان دانا بن گیا، کس طرح امریکہ کی ناکے بندی نے باوجود اس کے اے اے دیوگ دھندے اور کل کارخانے سدھال کر اپنے دو سو اسی ہزار ہزار اس طرح اپنے تعلیم کے نئے تھلک سے پائے ہوئے لکھوں کے دسویں سالوں کو درست کیا اور دیکھ مہینوں کی جان پھونک دی، کس طرح شادی کے نئے قانون نے چھوٹے عورت کو سماج کے اندر مرد کے برابر عزت کی جگہ دی، کس طرح وہاں کے بھکمی نے ایمانداری، سادگی اور جلتا کی سہوا کے نئے اصولوں پر چل کر دیکھ کے اندر سے رشوت خوری، کام چوری اور سہاراوری ختم کی، دیکھ کے آرتھک ملکیت کو تھلک کیا، وفہرہ وفہرہ .

اگر آپ دستار کے ساتھ ان سوالوں کا جواب پانا چاہتے ہوں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے چھوٹے لکھا سبق لے سکتا ہے تو اس کتاب سے آپ کو کافی مدد ملے گی . ساتھ ہی ساتھ یہ کتاب ایک سہرا ہے جس میں چالیس روز کی قانونی بہترین اور دلچسپ تھلک سے دی گئی ہے .

700 سے زیادہ صفحات، بڑھا کاغذ، کپڑے کی جلد، ایک رنگی اور تھیں ایک رنگی تصویریں، دو رنگی نقشوں کے ساتھ — دام صرف ساڑھے سات روپے یا 15 جیلنگ .

اپنے یہاں کے بکسٹروں سے ملنا ہے یا ہمیں لکھئے .

میلنے کا پتا

مہنجر، نیا ہند، 145، مٹھیاں، ایلہ آباد.

میلنے کا پتہ

مہنجر، نیا ہند، 145، مٹھیاں، ایلہ آباد .



## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

## ہندوستانی کلتور سوسائٹی

### مقصد

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، फैلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔

(2) ایکٹا پہلانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پڑائی، گروں، کتاب گروں، سہاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا مہل بڑھانا۔

(1) ایک ایسی ہندوستانی کلتور کا بڑھانا، پہلانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔  
(2) ایکٹا پہلانے کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔

(3) پڑائی، گروں، کتاب گروں، سہاؤں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب دھرموں، جاتوں، برادریوں اور فرقوں میں آپس کا مہل بڑھانا۔

—:—

—:—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ علی،  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ علی،  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس،  
سکرٹری—فلڈت سنگھ لال۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میر عبداللہ علی،  
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس اور ڈاکٹر عبداللہ علی،  
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھگوان داس،  
سکرٹری—فلڈت سنگھ لال۔

### گورننگ باڈی کے اراکین

### گورننگ باڈی کے اراکین

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید  
سلمان ندوی، میر علی سوختہ، شری بی۔ جی  
کھنہ، فلڈت شمشیر ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سیتھ پونم  
چند رائے، قاسمی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
پالہوال۔

ڈاکٹر سید محمد، ڈاکٹر تارا چند، مولوی سید  
سلمان ندوی، میر علی سوختہ، شری بی۔ جی  
کھنہ، فلڈت شمشیر ناتھ، مہاتما بھگوان دین، سیتھ پونم  
چند رائے، قاسمی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش  
پالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

ممبری کے قاعدوں کے لئے لکھئے۔

سندھ لال

سندھ لال

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

سکرٹری، ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145، سٹریٹنگ، ایلانہاوا

115، مٹھی گلیج، ایلانہاوا۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انضمام ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“  
کے جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ اگر کسی ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوئی قیمت لے سکوں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لینے پر ایک بار ایک روپیہ کم کیا سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انضمام ممبری کی  
فیس صرف ایک روپیہ کردی گئی ہے۔ ”نیا ہند“  
کے جو گاہک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چندہ  
دینے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ اگر کسی ممبری کی  
فیس دینے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو  
ایک روپیہ دام کی ہوئی قیمت لے سکوں گے یا زیادہ دام  
کی کتابیں لینے پر ایک بار ایک روپیہ کم کیا سکیں گے۔



(7) इसी दरमियान बड़े बज़ीर ने फौज बुला ली और सत्याग्रही पुलिस को घेरे में कर लिया और उससे हथियार रखवा लिये. साथ ही साथ उनकी पंचायत के दफतर को भी घेर लिया और उसके काराज अपने क़बज़े में कर लिये.

अब मदरास पर पुलिस की जगह फौज का पहरा है.

यह भी ख़बर मिली है कि जिस वक़्त पुलिस पंचायत घर पर घेरा डाला गया उस वक़्त पुलिस के कुछ आदमियों ने ऐसे काम किये जो सत्याग्रह के दायरे में नहीं आते और अमराध के दायरे में आते हैं.

इस आख़री ख़बर को भी सच मान कर हम यही कहते रहेंगे कि मदरास पुलिस का यह सत्याग्रह आज तक के सब सत्याग्रहों से ऊँचे दर्जे का सत्याग्रह था और ऐसा सत्याग्रह या जिससे बहुत से लोग सबक ले सकते हैं.

ऐसा लिखने के लिये हमारे मन ने हमें मजबूर किया और उसने यह कह कर मजबूर किया कि ऐसे मौक़े पर चुप रहना सत्याग्रही की स्पिरिट को बढ़ा लगाना है. हमें अब ऐसा मालूम होने लगा है कि सत्याग्रह करना मामूली आदमी का काम नहीं, इसके लिये ताक़त, हिम्मत और त्याग की सब से ज़ियादा ज़रूरत है. इनके बिना सत्याग्रह जैसा काम हो ही नहीं सकता. इनके साथ साथ और भी ऊँचे दर्जे के गुन हों तो कहना ही क्या. यह कह कर हम यह कहना चाहते हैं कि ख़ाली ऊँचे दर्जे के गुन वाले आदमी ऊँचे दर्जे का सत्याग्रह नहीं कर सकते जब तक उन में ताक़त, हिम्मत और त्याग के गुन न हों.

हमारा दिल यही कहता है कि मदरास के पुलिस सत्याग्रहियों से न मदरास राज को ख़तरा है, न भारत देश को, न किसी और को. अगर उन से किसी को ख़तरा है तो दुराग्रहियों को और उन को जो अन्याय पर कमर कसे हुए हैं.

हमें आशा है मदरास के पुलिस सत्याग्रही अपनी परीक्षा में पूरे उतरेंगे और आख़री दम तक अहिंसक बने हुए सच्चाई पर बटे रहेंगे.

12. 1. '53

—भगवानदीन

(7) इसी दरमियान बड़े बज़ीर ने फौज बुला ली और सत्याग्रही पुलिस को घेरे में कर लिया और उससे हथियार रखवा लिये. साथ ही साथ उनकी पंचायत के दफतर को भी घेर लिया और उसके काराज अपने क़बज़े में कर लिये.

अब मदरास पर पुलिस की जगह फौज का पहरा है.

यह भी ख़बर मिली है कि जिस वक़्त पुलिस पंचायत घर पर घेरा डाला गया उस वक़्त पुलिस के कुछ आदमियों ने ऐसे काम किये जो सत्याग्रह के दायरे में नहीं आते और अमराध के दायरे में आते हैं.

इस आख़री ख़बर को भी सच मान कर हम यही कहते रहेंगे कि मदरास पुलिस का यह सत्याग्रह आज तक के सब सत्याग्रहों से ऊँचे दर्जे का सत्याग्रह था और ऐसा सत्याग्रह या जिससे बहुत से लोग सबक ले सकते हैं.

ऐसा लिखने के लिये हमारे मन ने हमें मजबूर किया और उसने यह कह कर मजबूर किया कि ऐसे मौक़े पर चुप रहना सत्याग्रही की स्पिरिट को बढ़ा लगाना है. हमें अब ऐसा मालूम होने लगा है कि सत्याग्रह करना मामूली आदमी का काम नहीं, इसके लिये ताक़त, हिम्मत और त्याग की सब से ज़ियादा ज़रूरत है. इनके बिना सत्याग्रह जैसा काम हो ही नहीं सकता. इनके साथ साथ और भी ऊँचे दर्जे के गुन हों तो कहना ही क्या. यह कह कर हम यह कहना चाहते हैं कि ख़ाली ऊँचे दर्जे के गुन वाले आदमी ऊँचे दर्जे का सत्याग्रह नहीं कर सकते जब तक उन में ताक़त, हिम्मत और त्याग के गुन न हों.

हमारा दिल यही कहता है कि मदरास के पुलिस सत्याग्रहियों से न मदरास राज को ख़तरा है, न भारत देश को, न किसी और को. अगर उन से किसी को ख़तरा है तो दुराग्रहियों को और उन को जो अन्याय पर कमर कसे हुए हैं.

हमें आशा है मदरास के पुलिस सत्याग्रही अपनी परीक्षा में पूरे उतरेंगे और आख़री दम तक अहिंसक बने हुए सच्चाई पर बटे रहेंगे.

—भगवानदीन

12-1-53



باق میں سत्याग्रہء اہمیت نے آج کل کے سب سے بڑے سत्या-  
 گ్రہ میں اُن کے درجے کا جوا۔ راجا جی، جو آج کل  
 مہاراش کے بڑے بھائی ہیں، گاندھی جی کے ساتھ رہ چکے ہیں،  
 سत्याگرہ کی بڑی جانکاری رکھتے ہیں۔ اس جانکاری کے  
 بدلے پر بڑے مہاراش پولیس سत्याگرہ کو گاندھی سत्याگرہ  
 نہ کہیں، پر انکی یہ بات ہمارے لئے نہیں آئے گی کہ وہ جس  
 جگہ پہنچے ہوتے ہیں وہاں سے مہاراش پولیس کے سٹیٹس  
 پر ایسا فوصلہ نہیں دے سکتے جو سٹیٹس کی کسوتی پر  
 سولہو آئے تھوٹک آئے سکتے۔ اس لئے ہم مہاراش پولیس  
 سٹیٹس کو اس وقت تک سب سے اونچے درجے کا سٹیٹس  
 ماننے دھیں کہ جب تک اس سے اونچے درجے کا سٹیٹس  
 ہم کو دیکھنے کو نہ ملے۔

یہی اس پر راجا جی کی جگہ اگر ہم ہوتے تو  
 سٹیٹس پولیس کے مقابلے میں فوج کو بلا کر بھی ماننے  
 کہ ہماری سٹیٹس کی جانکاری کا دیوالہ نکل گیا۔ ہم یہ  
 سوچے بغیر ہو کر نہ رہتے کہ کل اگر فوج اسی طرح کا سٹیٹس  
 کو بھیجے تب ہم کیا کریں گے اور کسے اپنی مدد کے لئے  
 بلائیں گے؟

ہم تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اکیلے ہی  
 سٹیٹس پولیس کے پاس جاتے اور ان سے ہتھیار واپس  
 مانگ لیتے۔ ہمیں اُن سے ہتھیار واپس مل  
 جاتے، ہو سکتا ہے، ہماری اُمید جوتی ثابت ہوتی۔ تب  
 ہم اُن کو ذاتی سمجھتے اور اپنی جگہ اُن سے زیادہ بہتر  
 آدمی کے ہاتھ طاعت سونپ دیتے۔

پولیس سٹیٹس کہیں شروع ہوا۔ اس کی جو خبریں  
 ہمیں ملی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :-

(1) مہاراش پولیس کو کچھ تکلیفیں تھیں ان  
 تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے اس نے سرکار سے لکھا پڑھی  
 کی لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

(2) مہاراش پولیس کی ایک پمچائیت تھی اس  
 پمچائیت کو سرکار نے مانعہ دے رکھی تھی۔

(3) اب یہ ہوا کہ مہاراش سرکار انوشاسن کی  
 کاروائی کر بھیجی۔

(4) پولیس کی تکلیفیں جب دور نہیں ہوئیں  
 تو پولیس نے ایک نئے ذمہ دار کا سٹیٹس کر دیا۔ اس  
 سٹیٹس کا روپ یہ تھا کہ کام پر جانا، کام ٹیٹک ٹیٹک کرنا پر  
 توجہ نہ لیا۔

(5) اس سٹیٹس کے بعد یہ خبر ملی کہ مہاراش  
 کے بڑے وزیر نے یہ مان لیا ہے کہ اُن کچھ تکلیفیں تھیں  
 ہیں اور ان کو دور کرنے کی ضرورت کوہش کی جائے گی  
 پولیس کو چاہئے کہ وہ اپنی توجہ لے لے۔

(6) کچھ پولیس والوں نے توجہ لے لی پر بہتوں نے  
 نہیں لی۔

بعد چتر سٹیٹس عمل میں آئے ان سب سے یہ سٹیٹس  
 ہمیں اونچے درجے کا چتر، راجا جی، جو آج کل مہاراش کے  
 بڑے وزیر ہیں، گاندھی جی کے ساتھ رہ چکے ہیں،  
 سٹیٹس کی جانکاری رکھتے ہیں۔ اس جانکاری کے بدلے پر  
 وہ مہاراش پولیس سٹیٹس کو شاید سٹیٹس نہ کہیں، پر  
 ان کی یہ بات ہمارے لئے نہیں آئے گی کہ وہ جس  
 جگہ پہنچے ہوتے ہیں وہاں سے مہاراش پولیس کے سٹیٹس  
 پر ایسا فوصلہ نہیں دے سکتے جو سٹیٹس کی کسوتی پر  
 سولہو آئے تھوٹک آئے سکتے۔ اس لئے ہم مہاراش پولیس  
 سٹیٹس کو اس وقت تک سب سے اونچے درجے کا سٹیٹس  
 ماننے دھیں کہ جب تک اس سے اونچے درجے کا سٹیٹس  
 ہم کو دیکھنے کو نہ ملے۔

یہی اس پر راجا جی کی جگہ اگر ہم ہوتے تو  
 سٹیٹس پولیس کے مقابلے میں فوج کو بلا کر بھی ماننے  
 کہ ہماری سٹیٹس کی جانکاری کا دیوالہ نکل گیا۔ ہم یہ  
 سوچے بغیر ہو کر نہ رہتے کہ کل اگر فوج اسی طرح کا سٹیٹس  
 کو بھیجے تب ہم کیا کریں گے اور کسے اپنی مدد کے لئے  
 بلائیں گے؟

ہم تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اکیلے ہی  
 سٹیٹس پولیس کے پاس جاتے اور ان سے ہتھیار واپس  
 مانگ لیتے۔ ہمیں اُن سے ہتھیار واپس مل  
 جاتے، ہو سکتا ہے، ہماری اُمید جوتی ثابت ہوتی۔ تب  
 ہم اُن کو ذاتی سمجھتے اور اپنی جگہ اُن سے زیادہ بہتر  
 آدمی کے ہاتھ طاعت سونپ دیتے۔

پولیس سٹیٹس کہیں شروع ہوا۔ اس کی جو خبریں  
 ہمیں ملی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :-

(1) مہاراش پولیس کو کچھ تکلیفیں تھیں ان  
 تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے اس نے سرکار سے لکھا پڑھی  
 کی لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔

(2) مہاراش پولیس کی ایک پمچائیت تھی اس  
 پمچائیت کو سرکار نے مانعہ دے رکھی تھی۔

(3) اب یہ ہوا کہ مہاراش سرکار انوشاسن کی  
 کاروائی کر بھیجی۔

(4) پولیس کی تکلیفیں جب دور نہیں ہوئیں  
 تو پولیس نے ایک نئے ذمہ دار کا سٹیٹس کر دیا۔ اس  
 سٹیٹس کا روپ یہ تھا کہ کام پر جانا، کام ٹیٹک ٹیٹک کرنا  
 پر توجہ نہ لیا۔

(5) اس سٹیٹس کے بعد یہ خبر ملی کہ مہاراش  
 کے بڑے وزیر نے یہ مان لیا ہے کہ اُن کچھ تکلیفیں تھیں  
 ہیں اور ان کو دور کرنے کی ضرورت کوہش کی جائے گی  
 پولیس کو چاہئے کہ وہ اپنی توجہ لے لے۔

(6) کچھ پولیس والوں نے توجہ لے لی پر بہتوں نے  
 نہیں لی۔



سکھتا کیونکہ اس کے دل میں انسانی ہونا کوہ لہو کی آواز ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا ہے کہ انسان دوسری طرفوں کے قبضے میں چلے جائے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا ہے کہ چٹائی کوئی دوسری قومیں کے ماتحت رہے۔ اس آواز کے لئے وہ چار لاکھ نو صرف ملائی سے بچانے کے لئے وہ روز لاکھوں کو بموں کے گھاؤ اُتار دیتا ہے، نہام ہم استعمال کرتا ہے، جرمیلے ہم پھیلکتا ہے۔ یہ انسان کو بچانے کے لئے ہے۔ قرہ کہیں کمونسٹ انسانوں کو کہا نہ جائے۔ اسلام امریکہ خود ہی انہوں کو نہیں نہ بھون دے!

### نتیجہ

کسی نے تھپک کہا ہے کہ تھپک نہتی سے لوگ دروغ کا راستہ تیار کرتے ہیں۔ هندستان نے سچے سچ تیار کر دیا ہے۔ صلح تو نہیں ہو سکی لیکن جنگ کے بوجھ کا پورا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اچے کامیاب کی تعریف کرتے ہوئے طاقت نہرو نے بھی اس خطرے کو مانا ہے۔ آئرن ہاور نے کوریا کا دورہ ختم کر لیا ہے۔ مہک آرٹھر نے اعلان کیا ہے کہ ان کے پاس جنگ ختم کرنے کا ایک نیا پروگرام ہے۔ مہک آرٹھر کا پروگرام ساری دنیا جانتی ہے۔ آئرن ہاور نے قرار دے کر اس پروگرام کی تفصیل مانگی ہے۔ مہک آرٹھر اور چانگ کانگ کی شہک کی زبردست دوستی ہے، یہ پروگرام اس کے حوالے کچھ نہیں ہے کہ چانگ کانگ شہک امریکی مدد سے چین پر حملہ کر دے اور آئرن ہاور کا خواب پورا ہو۔ ”ایشیا والوں کو آپس میں ہی جنگ کرنے دو۔“

کسی نے تھپک کہا ہے کہ تھپک نہتی سے لوگ دروغ کا راستہ تیار کرتے ہیں۔ هندستان نے سچے سچ تیار کر دیا ہے۔ صلح تو نہیں ہو سکی لیکن جنگ کے بوجھ کا پورا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اچے کامیاب کی تعریف کرتے ہوئے طاقت نہرو نے بھی اس خطرے کو مانا ہے۔ آئرن ہاور نے کوریا کا دورہ ختم کر لیا ہے۔ مہک آرٹھر نے اعلان کیا ہے کہ ان کے پاس جنگ ختم کرنے کا ایک نیا پروگرام ہے۔ مہک آرٹھر کا پروگرام ساری دنیا جانتی ہے۔ آئرن ہاور نے قرار دے کر اس پروگرام کی تفصیل مانگی ہے۔ مہک آرٹھر اور چانگ کانگ کی شہک کی زبردست دوستی ہے، یہ پروگرام اس کے حوالے کچھ نہیں ہے کہ چانگ کانگ شہک امریکی مدد سے چین پر حملہ کر دے اور آئرن ہاور کا خواب پورا ہو۔ ”ایشیا والوں کو آپس میں ہی جنگ کرنے دو۔“

صلح کا وہ ہی انداز ہے۔ ایک دور یورپ سے باہری دیہوں کی فوجوں ہٹائی جائیں، امریکن سول کی حفاظت کرنے کے بجائے واشنگٹن کی رکھا کریں، کوریا سے دونوں طرف کی فوجیں واپس چلی جائیں۔ دوسرے چین کو اسکی جگہ یونو میں ملے۔ سرکاروں چاہے مانے یا نہ مانیں لیکن چلتا کو آواز اُٹھانا چاہئے اور اپنی اپنی سرکاروں کو مسجد پر کر دینا چاہئے کہ وہ مانیں۔ چلتا کی آواز میں بہت طاقت ہے!

صلح کا وہ ہی انداز ہے۔ ایک دور یورپ سے باہری دیہوں کی فوجوں ہٹائی جائیں، امریکن سول کی حفاظت کرنے کے بجائے واشنگٹن کی رکھا کریں، کوریا سے دونوں طرف کی فوجیں واپس چلی جائیں۔ دوسرے چین کو اسکی جگہ یونو میں ملے۔ سرکاروں چاہے مانے یا نہ مانیں لیکن چلتا کو آواز اُٹھانا چاہئے اور اپنی اپنی سرکاروں کو مسجد پر کر دینا چاہئے کہ وہ مانیں۔ چلتا کی آواز میں بہت طاقت ہے!

10. 1. '53

—موجیہ ریڈیو

—محبوب رضوی

10-1-'53

### مدراس پولیس سٹیاگرہ

کسی آگرہ کو ہر آدمی ہر طرح سے تھپاکہ نہیں کر سکتا۔ کسی گرم چھڑ کو بھی کب ہر آدمی ہر حالت میں گرم کہتا ہے۔ ہر چھڑ جب گرم کہی جائے گی کب کسی تھپکی چھڑ کو سانس دیکر کہی جائے گی۔ گرم چھڑ کو یہ سانس دیکر کہی جائے گی۔ اس حالت کو دھماکا کہیں دیکر ہم مدراس پولیس کے آگرہ کو تھپاکہ کہہ رہے ہیں۔ گاندھی جی کے

### مدراس پولیس سٹیاگرہ

کسی آگرہ کو ہر آدمی ہر طرح سے تھپاکہ نہیں کر سکتا۔ کسی گرم چھڑ کو بھی کب ہر آدمی ہر حالت میں گرم کہتا ہے۔ ہر چھڑ جب گرم کہی جائے گی کب کسی تھپکی چھڑ کو سانس دیکر کہی جائے گی۔ گرم چھڑ کو یہ سانس دیکر کہی جائے گی۔ اس حالت کو دھماکا کہیں دیکر ہم مدراس پولیس کے آگرہ کو تھپاکہ کہہ رہے ہیں۔ گاندھی جی کے



उन्होंने कहा है कि जंगी जैदियों के कम्पों में अमरीकी काफी धुल्लम कर रहे हैं। अखबारों से उनकी इस बात का सबूत मिलता है। अजीब मजाक है कि अमरीका वाले जिस कम्प के बारे में यह कहते हैं कि यह लोग चीन लौटना नहीं चाहते उन्हीं कम्पों पर उन्हीं टैन्कों से गोली बरसानी पड़ती है। अमरीका इस बात पर और इसलिये दे रहा है ताकि वह चीनी सिपाहियों को बददिल कर सके। सरदार की जीत और हार सिपाहियों के बल बूते पर होती है। एक सिपाही के हित के लिये सरदार खुद कुरबानी करता है। कम से कम पूरबी देशों की यही प्रथा रही है। फिर यह कैसे हो सकता है कि माओ त्से तुंग तो अमरीकी सद्ग से हाथ मिलायें, डिनर उड़ायें और बेचारे सिपाहियों को अमरीकीनों को सौंप दें। अगर चीन वाले इस बात का मान लेते तो यह बड़ी फलील हरकत होती। हमें खुशी है कि उन्हें अपनी जनता का बेहद खयाल है और उन्होंने इस वक्त हमारे पुराने उसूलों को निभाया है। अफसोस की बात है कि भारत इस पुराने उसूल को न निभा सका।

## अमरीका और भारती ठहराव

अमरीका का कहना है कि चीनी और उत्तरी कोरिया के जंगी क़ैदी अपने अपने देशों को अपनी मरज़ों के ख़िलाफ़ न भेजे जायं। भारत के ठहराव ने इस बात को दृढ़-बढ़ मान लिया। अमरीका का कहना है कि पहले जंगी क़ैदियों की रिहाई का मसला तय हो और फिर आरज़ी सुलह हो भारत ने यह भी मान लिया। हम यह विश्वास से नहीं कह सकते कि भारती ठहराव मेनन के बजाय एचीसन का तैयार किया हुआ था लेकिन ठहराव देख कर ऐसा शक़ फ़ैलर होता है।

ऐसी सूरत में इसे अमरीका को मानना ही चाहिये और रुस और चीन के लिये इसकी मुखातिब करना आवश्यक है.

इस सम्बन्ध में अमरीका के अधिकारी दो बातें कहते हैं: एक यह कि स्टालिन चाहता है कि लड़ाई जारी रहे और अमरीका और उसके साथी छोटे छोटे राष्ट्रों से लड़कर कमजोर होते रहें और वह खुद रूस की कौजी ताकत को मजबूत करते रहें. कहने का मतलब यह है कि अमरीका शान्ति चाहता है और रूस जंग. मामूली अकल का आदमी भी पूछेगा कि फिर ज्ञान बूझ कर अमरीका स्टालिन का खिलाई क्यों बना हुआ है ? क्या वह इतना भोला है ? जो बात स्टालिन करवाना चाहता है वही अमरीका कर रहा है. अमरीका को चाहिये था कि वह हर सूरत में लड़ाई बन्द कर देता. अपने बचाओ के लिये जरूरी था कि वह रूस के ही सुन्दाय को यूनी में मान लेता. लेकिन अमरीका ने ऐसा नहीं किया और न वह करेगा, वह ऐसा नहीं कर.

انہوں نے کہا ہے کہ جنگی قہندیوں کے کہیں میں  
 امریکی کافی ظلم کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس  
 بات کا ثبوت ملتا ہے۔ مہمب مڑاتی ہے کہ امریکہ والے  
 جس گھمب کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ چھون  
 لولنا نہیں چاہتے انہوں کہیں پر انہوں قہلکوں سے  
 کوا ہرسانی ہوتی ہے۔ امریکہ اس بات پر زور اس لئے  
 دے رہا ہے تاکہ وہ چھلی سپاہیوں کو بد دل کر سکے۔  
 سردار کی جھٹ اور ہار سپاہیوں کے ہل ہوتے ہوئے ہیں۔  
 ایک سپاہی کے ہمت کے لئے سردار خود قربانی کرتا ہے۔  
 تم سے کم ہوزی دیشوں کی یہی ہرنتا رہی ہے۔ پھر یہ کہتے ہو  
 سکتا ہے کہ ماروسے تلگ تو امریکی صدر سے ہاتھ ملائیں  
 قنر اڑائیں اور بھجوارے سپاہیوں کو امریکلوں کو سونپ  
 دیں۔ اگر چھون والے اس بات کو مان لیتے تو یہ ہی ذلیل  
 ہرکت ہوتی۔ ہمن خدشی ہے کہ انہوں اپلی چلتا کا  
 بحد خیال ہے اور انہوں نے اس وقت ہمارے پرانے  
 اصولوں کو نہایا ہے۔ اسوس کی بات ہے کہ بھارت اس  
 پرانے اصول کو نہ نہایا سکا۔

## امریکہ اور بھارتی تہذیب

امریکہ کا کہنا ہے کہ چینی اور آئری گورہا کے جنگی قیدی اپنے اپنے دیہوں کو اپنی مرضی کے خلاف نہ بھیجے جائیں۔ بھارت کے ٹھہراؤ نے اس بات کو ہو ہو مان لیا۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ پہلے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ حل ہو اور پھر فارسی صلح ہو۔ بھارت نے یہ بھی مان لیا۔ ہم یہ دھواں سے نہیں کہہ سکتے کہ بھارتی ٹھہراؤ مہینوں کے بجائے ایچسن کا تیار کیا ہوا تھا لیکن ٹھہراؤ دیکھ کر ایسا شک ضرور ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں ایسے امریکہ کو ماننا ہی چاہئے اور  
 دوس اور چوں کے لئے ایسی مخالفت کرنا اوشک ہے ۔

اس مسئلہ میں امریکہ کے اندھکاریو دو باتیں کہتے ہیں : ایک یہ کہ استغاثن چاہتا ہے کہ لوائی جاری رہے اور امریکہ اور اُسکے ساتھی چھوٹے چھوٹے راشتروں سے لڑ کر کمزور ہوتے رہیں اور وہ خود روس کی فوجی طاقت کو مضبوط کرتے رہیں . کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ شائعی چاہتا ہے اور روس جنگ . معمولی کا عقل کا آدمی بھی پوچھے گا کہ پھر جان بوجھکر امریکن استغاثن کا کہلونا کیوں بلنا ہوا ہے ؟ کیا وہ اندا بھولا ہے ؟ جو بات استغاثن کو ماننا چاہتا ہے وہی امریکہ کو رہا ہے . امریکہ کو چاہئے تھا کہ وہ ہر صورت میں لوائی بلند کر دیتا . اچے بچاؤ کے لئے ضروری تھا کہ وہ روس کے ہی چھپاؤ کو پھونک میں مان لیتا . لیکن امریکہ نے ایسا نہیں کیا اور نہ وہ کرے گا . وہ ایسا نہیں کر



بارسائی کی سन्धि میں جس بات پر عمل کرنے کے لیے پور دیا گیا ہے اسی کا ذکر یہاں بھی ہے۔ اسی کنونشن کے 118 ویں دفعہ میں لکھا ہے کہ جیسے ہی لوائی کی سرگرمی ختم ہو ویسے ہی جنگی لہدی دیا کر دیئے جائیں۔ یہ بلدھان عارضی صلح کے سلسلہ میں بند ہونے والی لوائی کے سہولت میں لاکو نہیں ہو سکتا۔ شاید دوسری جنگ کے بعد کے نتیجوں کے اعلان پر یہ بلدھان بدلایا گیا ہے۔ جرمنی، جاپان اور آٹلی نے بنا شرط کے معاہدہ اقل دیئے اور لوائی بند ہو گئی۔ حالانکہ اس بات کی اشد نہیں وہ لگتی تھی کہ لوائی پھر شروع ہو بہر بھی کئی سال تک پارٹیوں میں کوئی سندی نہیں ہوئی۔

”یہ ساری باتیں چاہے کتنا ہی بکواس مالوم ہوتی ہوں لیکن آج آئینہ قانون میں اتنا گہرا ہے اور وہ اس قانون قول حالت میں ہے کہ ترمیم کے استعمال کو لے کر اس میں اور گہرا پہنچنا اچھا نہیں لگتا۔“

قانون شائع کے اس بلدھان کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ٹک کا رواج بھی دیا ہے کہ پہلے عارضی صلح ہو اور پھر سندی کی جائے۔ جنگی لہدیوں کی دھالی سوال سندی کا ایک انگ ہونا چاہئے نہ کہ سندی اس کا ایک انگ بننا چاہئے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوس انصاف کی طرف تھا اور بھارتی تھپڑا لے اسی بات تھپڑا کو ہرجانب ہاری کے فرض سے ملے مورا ہے۔

#### چین اور بھارتی تھپڑا

بھارتی تھپڑا کو پہلے روس نے مالہ سے انکار کیا اور اسی نے یہ بھی بتایا کہ چین بھی اسے نہیں مانے گا۔ اس بات کو لے کر بھی خوب ہرجار کیا گیا ہے کہ چین وہی سب کرتا ہے جو روس کرتا ہے یعنی چین روس کا قلم ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ چین اسی حالت میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کا کوئی پرتھندی امریکہ والے یوں نہیں لہیں آئے تھے۔ پھر اگر اس نے آپ ایک دوسرا کے ذریعہ اپنی بات کہانی تو اس سے یہ کہہ سہ ہوتا ہے کہ وہ روس کا قلم ہے۔

بھارتی تھپڑا کی کاپی چین بھجی گئی تھی۔ اس کا جواب وہاں کے بڑے وزیر جو این قانی نے دیا ہے۔ ان کے جواب میں آپ پتھ کی مہبوطی ہے، انصاف کی کچ ہے اور ساتھ ہی ساتھ مہبوط کی بھارتی ہے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ یوں کے سمجھ نہیں میں اس لئے ان کے لئے یوں کا تھپڑا بھرتا قانی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ ان تھپڑا کے منافیہ پر جو خطرہ حاسہ انہوں نے ان کا نہیں لے ذکر کیا ہے اور بعد میں شانتی قائم کرنے کے لئے آپ مہبوط دیئے ہیں۔ یہ صلح چاہئے وہ کی باتوں میں لوائی جاپان وکھانہ والے کی نہیں۔

#### چین اور بھارتی تھپڑا

بھارتی تھپڑا کو پہلے روس نے ماننے سے انکار کیا اور اس نے یہ بھی بتایا کہ چین بھی اسے نہیں مانے گا۔ اس بات کو لے کر بھی خوب ہرجار کیا گیا ہے کہ چین وہی سب کرتا ہے جو روس کرتا ہے یعنی چین روس کا قلم ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ چین اسی حالت میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کا کوئی پرتھندی امریکہ والے یوں نہیں لہیں آئے تھے۔ پھر اگر اس نے آپ ایک دوسرا کے ذریعہ اپنی بات کہانی تو اس سے یہ کہہ سہ ہوتا ہے کہ وہ روس کا قلم ہے۔

بھارتی تھپڑا کی کاپی چین بھجی گئی تھی۔ اس کا جواب وہاں کے بڑے وزیر جو این قانی نے دیا ہے۔ ان کے جواب میں آپ پتھ کی مہبوطی ہے، انصاف کی کچ ہے اور ساتھ ہی ساتھ مہبوط کی بھارتی ہے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ یوں کے سمجھ نہیں میں اس لئے ان کے لئے یوں کا تھپڑا بھرتا قانی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ ان تھپڑا کے منافیہ پر جو خطرہ حاسہ انہوں نے ان کا نہیں لے ذکر کیا ہے اور بعد میں شانتی قائم کرنے کے لئے آپ مہبوط دیئے ہیں۔ یہ صلح چاہئے وہ کی باتوں میں لوائی جاپان وکھانہ والے کی نہیں۔



سوال کو پہلے دیکھا اور لوائی کے اندر کرنے کے سوال کو بعد میں۔ روس نے چاہا تھا کہ لوائی کے اندر کا سوال پہلے ہو اور پھر بعد میں لہندوں کے بدلے کا سوال آئے۔ نہ جانے کونوں بھارت نے اس معصوم سچھاؤ کو کہوں نہیں مانا! ہماری کمزوری یہ تھی کہ جنگی لہندوں کا بدلہ یونو کی مدد سے نہیں ہونے والا تھا۔ دھیمان دے کہ یونو خود ایک پارٹی ہے اور اسی کے نام پر امریکہ کوہا میں لڑ رہا ہے، پھر کوئی پارٹی کوسہ جچ بن سکتی ہے۔

### روس نے ٹھراوا کونوں نہیں مانا

روس نے ہارٹی سچھاؤ کو نہیں مانا۔ چین نے بھی نہیں مانا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ باخیر انکے انکار میں کونے تفسیر ہے یا نہیں۔ اس سمبندھ میں ضروری ہے کہ انگلینڈ کے مشہور وکیل لارڈ سائمن کے خط کو ہم پڑھ لیں۔ وہ لارڈ چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ پہلی دسمبر 1952 کو انہوں نے 'ٹائمز' میں لکھے دیا خط لکھا تھا:

"اگر ہم عارضی صلح کا یہ ایک اصول مان لیتے ہیں کہ ہر عارضی صلح کے بعد سارے جنگی لہندوں کو دھائی کا اندھکار ہے تو انٹر واشوری قانون میں کافی کھپا سچ جانے کا قہر ہے۔ کوہا کے سمبندھ میں یہ اندھا چاہے ٹھیک ہو لیکن عام طریقے سے عارضی صلح کے بعد ایسا کبھی نہیں ہوا۔ عارضی صلح کا مطلب یہ ہے کہ لولے والی طاقتوں میں لوائی بند کر دیے کا سمجھوتہ ہو جائے اور بعد میں وہ پوری شانتی قائم کرنے کے لئے راستے نکال سکیں۔ مثال کے طور پر ہم پہلی جنگ کے بعد جرمنی کی عارضی صلح کو لے لیں۔ اس میں جنگی لہندوں کی دھائی کی شرط نہیں تھی۔ اصل میں عارضی صلح کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے لئے شانتی قائم ہو جاتی ہے کونکہ دونوں طرف لوائی کی ہرستہتی اسی طرح ہلی دھتی ہے، کھول لولے ہارود نہیں چھوڑتے۔"

"جب عارضی صلح ہو رہی ہے تو اس سے ہمیں جنگی لہندوں کی دھائی کے سوال پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ لیکن عام طریقے سے یہی ہونا ہے کہ سدھی کے سے ہی اس سوال کو حل کھا جاتا ہے۔ وار سائی سدھی کو ہی لے لیتے۔ اسکی دفعہ 214 میں لکھا ہے: اس سدھی کے بعد فوراً جنگی لہندوں اور سولہوں لہندوں کی دھائی عمل میں آئی چاہئے۔ یہ کام بہت تیزی سے ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک کمیشن کے مقرر کرنے کا بندھان ہے جو دھائی کو جلد عمل میں لائے۔"

"1949 کے جنیوا کنونشن کے جس پارا کا سمبندھ جنگی لہندوں کے ساتھ بھوار کرنے سے ہے اسکی 75 ویں دفعہ میں لکھا ہے کہ سدھی کے بعد جنگی چلنی سکی ہو سکے جنگی لہندوں کی دھائی عمل میں لائی جائے۔"

### روس نے ٹھراوا کونوں نہیں مانا

روس نے ہارٹی سچھاؤ کو نہیں مانا۔ چین نے بھی نہیں مانا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ آخر ان کے انکار میں کونے تفسیر ہے یا نہیں۔ اس سمبندھ میں ضروری ہے کہ انگلینڈ کے مشہور وکیل لارڈ سائمن کے خط کو ہم پڑھ لیں۔ وہ لارڈ چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ پہلی دسمبر 1952 کو انہوں نے 'ٹائمز' میں لکھے دیا خط لکھا تھا:

"اگر ہم عارضی صلح کا یہ ایک اصول مان لیتے ہیں کہ ہر عارضی صلح کے بعد سارے جنگی لہندوں کو دھائی کا اندھکار ہے تو انٹر واشوری قانون میں کافی کھپا سچ جانے کا قہر ہے۔ کوہا کے سمبندھ میں یہ اندھا چاہے ٹھیک ہو لیکن عام طریقے سے عارضی صلح کے بعد ایسا کبھی نہیں ہوا۔ عارضی صلح کا مطلب یہ ہے کہ لولے والی طاقتوں میں لوائی بند کر دیے کا سمجھوتہ ہو جائے اور بعد میں وہ پوری شانتی قائم کرنے کے لئے راستے نکال سکیں۔ مثال کے طور پر ہم پہلی جنگ کے بعد جرمنی کی عارضی صلح کو لے لیں۔ اس میں جنگی لہندوں کی دھائی کی شرط نہیں تھی۔ اصل میں عارضی صلح کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ دنوں کے لئے شانتی قائم ہو جاتی ہے کونکہ دونوں طرف لوائی کی ہرستہتی اسی طرح ہلی دھتی ہے، کھول لولے ہارود نہیں چھوڑتے۔"

"جب عارضی صلح ہو رہی ہے تو اس سے ہمیں جنگی لہندوں کی دھائی کے سوال پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ لیکن عام طریقے سے یہی ہونا ہے کہ سدھی کے سے ہی اس سوال کو حل کھا جاتا ہے۔ وار سائی سدھی کو ہی لے لیتے۔ اسکی دفعہ 214 میں لکھا ہے: اس سدھی کے بعد فوراً جنگی لہندوں اور سولہوں لہندوں کی دھائی عمل میں آئی چاہئے۔ یہ کام بہت تیزی سے ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک کمیشن کے مقرر کرنے کا بندھان ہے جو دھائی کو جلد عمل میں لائے۔"



امریکیوں کی بات ہے کہ دوسرا کفر بھی ہینڈسٹائن  
پورا نہ کر سکا۔ ہم نے ہینڈسٹائن کو فور سے پڑھا ہے۔ کہیں یہ پتہ نہیں  
چلتا کہ کسی بھی حالت میں نہا چھن نے تھپڑ کو  
سویکار کیا ہو۔ کسی بات کو مان کر مکر جانا بہت ہوا  
ہوتا ہے۔ دوسری میں تو یہ چھڑ وشواس گھات کے اہلکار  
کے برابر ہے۔ لیکن چھن نے ایسا کوئی اہلکار نہیں کیا۔  
ہینڈسٹائن نے اُس سے مشورہ کیا کہ وہ کوریا میں شانتی  
لانے کے لئے کوشش کرنا چاہتا ہے۔ چھن نے اِس کوشش  
کی سرانجامی اور پوری طرح سپہرگ لگنے کا وجہ دیا۔  
لیکن اُسے یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ کوشش کس انداز پر  
ہوئی۔ افسوس ہے کہ بھارت نے امریکہ کے سامنے اپنے کھلم  
تھک دینے اور اپنے تھپڑوں میں ہینڈسٹائن کو لے کر  
حالت میں تھپڑوں کو ماننے سے انکار کرنے کا چھن کو پورا  
اندھکار تھا۔

ہم ان آدمیوں پر کہہ سکتے ہیں کہ بھارت بھولنے  
کا دوسرا فرض بھی نہیں نبھا سکا : ایک یہ کہ چھن  
اور کوریا سے پوری بات کر کے نہ تھپڑوں رکھا اور نہ ہی  
امریکی مسجھاؤں کو ماتے سمے چھن اور روس سے رابطہ  
لی گئی۔ بھارت کے اندھکاریوں نے بھی اِس بات کو سوچا  
تھا ہے کہ ہونو میں چھن کے پرتشددی کی غور حاضری کی  
وجہ سے پورا مشورہ چھن سے نہیں ہو سکا۔ دوسرے یہ کہ  
جب بھارت کو معلوم ہو گیا کہ چھن اور اُنری کوریا والے  
اُس کے تھپڑوں کے آندھار پر صلح کرنے کو تیار نہیں ہیں تو  
اُسے اپنے تھپڑوں کو واپس لے لیا چاہئے تھا اور پھر بات  
چھت کر کے دوسرا تھپڑوں لیا چاہئے تھا یا جب پتہ چلا  
چاہئے تھا۔ بھولنے کا کام ہے ایسے نقطہ تھپڑوں نکالنا  
جس پر دونوں پارٹی راضی ہو جائیں۔ اُس کا کام تھپڑوں  
پاس کرانا نہیں ہے۔ لیکن نہ جانے کبیں بھارت نے  
بھولنے کی حیثیت چھوٹی کو ایک پارٹی کی حیثیت  
اختیار کر لی اور تھپڑوں کے پاس ہونے یا نہ ہونے کے سوال  
کو اپنی ہار اور چھت سمجھ بیٹھا۔

### تھپڑوں کی کمزوری

پورے تھپڑوں کی بنیاد ایک ہی اور باقی سب  
چھڑیں تھیں۔ وہ بنیاد یہ تھی کہ چھن اور اُنری کوریا  
کے آپ چھنکی تھپڑوں کا بدلہ نہ لیا جائے جو چھن اور  
کوریا لیتا نہیں چاہتے۔ یہ بات امریکہ دھڑا ہے اور یہی  
اُس کا پتہ ہے۔ امریکی پتہ کو پوری طرح بھارت نے  
مان لیا۔ پھر صلح کی گنجائش کبیں رہ جاتی ہے۔ یہ بات  
سمجھنے کا نقطہ نہیں ہو سکتی تھی بلکہ دوسرے فرقے کے  
پتہ کو چھوٹا تھپڑوں تھا اور امریکی پتہ کو جائز۔ اِس  
تھپڑوں کی حسی کمزوری یہ تھی کہ اِس نے تھپڑوں کے بدلے کے

### تھپڑوں کی کمزوری

پورے تھپڑوں کی بنیاد ایک ہی اور باقی سب  
چھڑیں تھیں۔ وہ بنیاد یہ تھی کہ چھن اور اُنری کوریا  
کے آپ چھنکی تھپڑوں کا بدلہ نہ لیا جائے جو چھن اور  
کوریا لیتا نہیں چاہتے۔ یہ بات امریکہ دھڑا ہے اور یہی  
اُس کا پتہ ہے۔ امریکی پتہ کو پوری طرح بھارت نے  
مان لیا۔ پھر صلح کی گنجائش کبیں رہ جاتی ہے۔ یہ بات  
سمجھنے کا نقطہ نہیں ہو سکتی تھی بلکہ دوسرے فرقے کے  
پتہ کو چھوٹا تھپڑوں تھا اور امریکی پتہ کو جائز۔ اِس  
تھپڑوں کی حسی کمزوری یہ تھی کہ اِس نے تھپڑوں کے بدلے کے



ہندوستان کو گاڑی ہے رہا یا وہی دوسرے دین۔ ان دونوں کی تारीف کرتے نہیں سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :

”ہندوستان کے سامنے تین راستے تھے—ایک ٹھہراؤ سے تھک جانا، دوسرے تھک جانا، تیسرے ٹھہراؤ سے تھک جانا۔ یہاں تک کہ لیبرلزم کا ایسے ہندوستان پر دھنی امریکی اخبار نے بھی بھارت سرکار کی تعریف کی :



हिन्दी वर्ग विन्दुस्वामी का ही जीवन होगी, यदि विमान की आठवीं कवरिस्ट में गिनार्इ हुई पाठों भाषाओं के मंदार से अपने को माला माला करेगी, और तब ही वह राष्ट्र भारा कहला सकेगी."

हम सत्य नारायण जी की इस बात से पूरी तरह सहमत हैं, और हमें विश्वास है कि विल्लिन के हिन्दी विरोधी समर्थक जाने वाले भाइयों के विचार भी इससे भिन्न नहीं हैं। आवश्यकता केवल हमारे अपने अपने दिलों को बड़ा करने की है।

5. 1. '58

—مقدمہ لال—

5-1-53

## भारत का शान्ति ठहराव

दुनिया की आम जनता आज लड़ाई से नफ़रत करती है. लड़ाई का वातावरण पैदा करने वाले प्रचार के बीच जब उसे शान्ति की आवाज सुनाई देती है तो वह आशा भरी निगाहों से शान्ति प्रचारक व्यक्ति या देश की तरफ देखने लगती है. भारत ने जब इस बात का एखान किया कि वह कोरिया की लड़ाई के अन्त के लिये एक सुझाव रखेगा तो दुनिया की आम जनता ने उस को बर्बाद ही. हम भारतवासी तो फूले नहीं समाते थे. हमारी बजह से शान्ति कायम हो जाय यह कोई कम गर्व की बात न थी. लेकिन हमें भी निराश होना पड़ा और दुनिया की आम जनता भी निराश हो गई.

जब किसी चीज को पाने की जरूरत हो रही होती है और वह नहीं मिल पाती तो हम व्याकुल हो बैठते हैं, जिन कारणों से हम नाकामयाब होते हैं उनकी परचा होती है और तरह तरह की बातें निकल पड़ती हैं, भारत के शान्ति ठहराव की नाकामयाबी पर जब हम मोटे तरीके से सोचते हैं तो एक ही बजह समझ में आती है, अगर लकी गुट के वेष भी इस ठहराव को मान लेते तो शान्ति कबूर फावम हो जाती, और इस बात को मानने का जरूरी मतीजा यह निकलता है कि अमरीकी गुट कोरिया की समस्या खतम करना चाहता है लेकिन रूसी गुट लड़ाई को जारी रखना चाहता है.

कम से कम थोड़ी देर के लिये भोली जनता के दिमाग में यह कयास फहरा जगा कर गया. जमरी की प्रचार ने जोर लगाया. हिन्दुस्तान के काफी अरबवारों ने मोल जाने और पकड़ोविषय लिये. सब का सर झी का कि इसी दुष्ट के बोल शान्ति नहीं चाहते. कामोत लड़ाई में जमरी का भी यह बहुत बड़ी जीत थी और इस जीत का पूरा सेहरा हिन्दुस्तान के सर है.

## हिन्दुत्व की लारिऊ

जो बिदेसी प्रेम एक दिन पहले एक नेहरू जी



केवल सरकारی پھل سے نہیں، تو سبھی देश की बहुत ही काम की सेवा करेगी। दक्खिन भारत के लोगों के गला से अगर हिन्दी जबरदस्ती उतारी गई तो हमेशा इस बात की सम्भावना रहेगी कि लोग उसका विरोध करें। पर मुझे पूरा विश्वास है कि अगर हिन्दी की जानकारी उसके कलचरी यानी सांस्कृतिक पहलू और सांस्कृतिक काबजे को सामने रख कर फैलाने की कोशिश की गई तो लोग इसे बहुत पसन्द करेंगे। कुछ भी हो, हिन्दी अंगरेजी की तरह कोई विदेशी भाषा नहीं है। एक और मिसाल लीजिये, हमारे देश के लोग लगभग एक सौ बरस से योरपी संगीत सुनते आ रहे हैं। फिर भी योरपी गाने हमें कभी पसन्द न आए। वह हमारे यहां न फैल सके। पर हम सब रीज देखते हैं कि मद्रास प्रान्त के हर हिस्से में छोटे छोटे लड़के और लड़कियां तक आ जा कर रीज ताजे से ताजे हिन्दुस्तानी फिल्मी गाने गाते रहते हैं। इससे पता चलता है कि उत्तर और दक्खिन की बोलियों और कलचरों में बुनियादी तौर पर कोई दुश्मनी नहीं है। मैं आशा करता हूँ और मुझे उम्मीद है कि यह सभा, बिना जबरदस्ती के और बिना सरकार का सहारा लिखे इस सारे प्रान्त भर में हिन्दी को फैलाने की और पियावा कोशिश करेगी।”

श्री राजमन्नार के भाशन से हमने जान बुझ कर इतना लम्बा हिस्सा नक़ल किया है। उनकी बातें उत्तर और दक्खिन दोनों जगहों के हिन्दी प्रेमियों के लिये ध्यान देने की हैं। दक्खिन में लाखों हिन्दू और मुसलमान उर्दू बोलते हैं। उनमें सैकड़ों बल्कि हजारों ही उर्दू के अच्छे विद्वान, लेखक और कवि भी हैं। तमिल, तैलिंग, मलयालम और कन्नड़ का तो वह घर ही है। यह सब भाषाएं बहुत उन्नत भाषाएं हैं। अगर इन सब की मदद से दक्खिन के हिन्दी सेवक राष्ट्र भाषा हिन्दी को माला माल करने, बढ़ाने और सजाने की कोशिश करेंगे तो हमें इस में कोई सन्देह नहीं कि दक्खिन भारत उसी तरह इस देश की आगे की राष्ट्र भाषा हिन्दी का जन्म स्थान और गहवारा साबित होगा जिस तरह वह आज से कई सौ बरस पहले लड़ी बोली रेस्ता का जन्म स्थान रह चुका है।

इस में कोई शक नहीं कि दक्खिन के हिन्दी सेवक और हिन्दी प्रचारक चुपचाप खाने वाले राष्ट्र की सच्ची तामीर में लगे हुए हैं। मद्रास हिन्दी प्रचार सभा के मंत्री श्री सत्यनारायण जी ने बात करते हुए हम से कहा—“हम दक्खिन वालों ने हिन्दी को राष्ट्र भाषा और राष्ट्र एकता के मूल पर अपनाया था। फिर जब हिन्दी उर्दू का मगड़ा चला तो हमने हिन्दुस्तानी को दोनों के संगम के रूप में अपनाया, और अब हम ने हिन्दी को फिर विधान की उन धाराओं के अनुसार ‘राष्ट्र भाषा के रूप में अपनाया है, जिन में स्पष्ट कहा गया है कि राष्ट्र भाषा हिन्दी न केवल

केवल प्रचारक बल्कि हमारे देश के लोगों की सेवा करेगी। दक्खिन भारत के लोगों के गला से अगर हिन्दी जबरदस्ती उतारी गई तो हमेशा इस बात की सम्भावना रहेगी कि लोग उसका विरोध करें। पर मुझे पूरा विश्वास है कि अगर हिन्दी की जानकारी उसके कलचरी यानी सांस्कृतिक पहलू और सांस्कृतिक काबजे को सामने रख कर फैलाने की कोशिश की गई तो लोग इसे बहुत पसन्द करेंगे। कुछ भी हो, हिन्दी अंगरेजी की तरह कोई विदेशी भाषा नहीं है। एक और मिसाल लीजिये, हमारे देश के लोग लगभग एक सौ बरस से योरपी संगीत सुनते आ रहे हैं। फिर भी योरपी गाने हमें कभी पसन्द न आए। वह हमारे यहां न फैल सके। पर हम सब रीज देखते हैं कि मद्रास प्रान्त के हर हिस्से में छोटे छोटे लड़के और लड़कियां तक आ जा कर रीज ताजे से ताजे हिन्दुस्तानी फिल्मी गाने गाते रहते हैं। इससे पता चलता है कि उत्तर और दक्खिन की बोलियों और कलचरों में बुनियादी तौर पर कोई दुश्मनी नहीं है। मैं आशा करता हूँ और मुझे उम्मीद है कि यह सभा, बिना जबरदस्ती के और बिना सरकार का सहारा लिखे इस सारे प्रान्त भर में हिन्दी को फैलाने की और पियावा कोशिश करेगी।”

श्री राजमन्नार के भाशन से हमने जान बुझ कर इतना लम्बा हिस्सा नक़ल किया है। उनकी बातें उत्तर और दक्खिन दोनों जगहों के हिन्दी प्रेमियों के लिये ध्यान देने की हैं। दक्खिन में लाखों हिन्दू और मुसलमान उर्दू बोलते हैं। उनमें सैकड़ों बल्कि हजारों ही उर्दू के अच्छे विद्वान, लेखक और कवि भी हैं। तमिल, तैलिंग, मलयालम और कन्नड़ का तो वह घर ही है। यह सब भाषाएं बहुत उन्नत भाषाएं हैं। अगर इन सब की मदद से दक्खिन के हिन्दी सेवक राष्ट्र भाषा हिन्दी को माला माल करने, बढ़ाने और सजाने की कोशिश करेंगे तो हमें इस में कोई सन्देह नहीं कि दक्खिन भारत उसी तरह इस देश की आगे की राष्ट्र भाषा हिन्दी का जन्म स्थान और गहवारा साबित होगा जिस तरह वह आज से कई सौ बरस पहले लड़ी बोली रेस्ता का जन्म स्थान रह चुका है।

इस में कोई शक नहीं कि दक्खिन के हिन्दी सेवक और हिन्दी प्रचारक चुपचाप खाने वाले राष्ट्र की सच्ची तामीर में लगे हुए हैं। मद्रास हिन्दी प्रचार सभा के मंत्री श्री सत्यनारायण जी ने बात करते हुए हम से कहा—“हम दक्खिन वालों ने हिन्दी को राष्ट्र भाषा और राष्ट्र एकता के मूल पर अपनाया था। फिर जब हिन्दी उर्दू का मगड़ा चला तो हमने हिन्दुस्तानी को दोनों के संगम के रूप में अपनाया, और अब हम ने हिन्दी को फिर विधान की उन धाराओं के अनुसार ‘राष्ट्र भाषा के रूप में अपनाया है, जिन में स्पष्ट कहा गया है कि राष्ट्र भाषा हिन्दी न केवल



ایک کارن یہ ہے کہ ملکی میں سکونت پھیلی ہوئی ہے اور اس کے رہنے والے بھی جگہ سے اور اس میں فارسی کے سہولے سکونت پھیلے ہوئے ہیں اور مصوروں کے لئے بھی سکونت ہے۔ مجھے ملکی اس لئے پسند ہے کیونکہ اس میں یہ سکونت ہے۔ اسی سکونت اور آوازوں کے آثار چوہار کے کارن اس میں سب طرح کے ہوا اور نازک سے نازک خیال ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک آج کل کی زندہ زبان ہے جو بڑھ سکتی ہے۔ موری یہ دیکھو کہ اگر اس دیہ میں کوئی بھاشا ایسی ہے جو کہیں کم سے کم کچھ کاموں کے لئے سارے دیہ کی بھاشا کا کام دے سکتی ہے تو وہ ملکی ہے۔ وہاں کی دفعہ 351 میں صاف بتایا گیا ہے کہ ملکی کا یہ کام کیا ہے۔ دفعہ 351 میں لکھا ہے کہ ملکی کو ایک ایسا مادہ ملتا ہے جس کے ذریعے بھارت کی ملی جلی لکچر کے سب انگ اور سب حصہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ ملکی کا یہی پہلو مجھے سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ملکی کا دوسرا پہلو ہے الگ الگ صوبوں کے بچے یا صوبوں اور ہونٹوں سرکار کے بچے دفتری پتر بھوہار کے کام میں آتا۔ کسی بھی دفتر کے جدول میں یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی بات ہے۔ گوروں جلتا میں سے کلمہ میں جلتا میں اس دفتری پتر بھوہار سے کام پڑتا ہو۔ مجھ سے پوچھو کہ تو یہ پتر بھوہار کسی بھی بھاشا میں ہو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہر صوبہ اپنی ہی صوبائی بھاشا میں چھوٹا بھاشا اور اس کے ساتھ جو بھی سرکاری بھاشا ہو اس میں چھوٹی کا انوار ساتھ لکھنا پڑے۔ چھوٹے سے سرکاری بھاشا میں کوئی سرکاری بھاشا نہیں ہے۔ پر اس سے وہاں کی سنگھ سرکار کے چلنے میں کہیں کوئی بہت کٹھنالی نہیں آتی۔ لیکن میں یہ ضرور مانتا ہوں کہ لوگوں کے دماغوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ بڑی ضروری چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی ایک اس طرح کی بھاشا ہونی چاہئے جس میں ہونٹوں اور کے سب پڑھ لکھ کو ایک دوسرے سے اچھے اور چار پرکٹ کو سکھوں اور سب ایک دوسرے سے بول سکیں۔ مثال کے لئے دھارا سہاؤں کے ممبر راج کاجی اور صاحبی نام کرتے والے، صاحبی کار، کلونٹ، سائنس دان، بھارتی، یعنی وہ سب لوگ جو یا تو اچھے صوبے سے باہر دیہی کے دوسرے صوبوں میں جاتے آتے رہتے ہیں یا جنہوں نے گریباں میں دوسرے صوبوں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ان سب لوگوں کو اچھی طرح ملکی آنی چاہئے۔ سچ ایسی ہے بھارتی دفتر اور بھارتی لکچر کی بھاشا لکھنا کے خیال لوگوں میں پھیلے گا۔ ہر ایک زمانے میں جب وہ لکھ لکھ بہت کم ہے۔ سکونت بھاشا ان سب کو ملتی رہتی ہے اور بھارت کی بھاشا لکھنا کو پرکٹ کرنی نہیں آج ملکی کہیں ایک اچھی طرح کا کام دے سکتی ہے۔ یہ سب کچھ اس بھاشا کی جانکری سب طرف پھیلے ہوئے

ایک کارن یہ ہے کہ ملکی میں سکونت پھیلی ہوئی ہے اور اس کے رہنے والے بھی جگہ سے اور اس میں فارسی کے سہولے سکونت پھیلے ہوئے ہیں اور مصوروں کے لئے بھی سکونت ہے۔ مجھے ملکی اس لئے پسند ہے کیونکہ اس میں یہ سکونت ہے۔ اسی سکونت اور آوازوں کے آثار چوہار کے کارن اس میں سب طرح کے ہوا اور نازک سے نازک خیال ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک آج کل کی زندہ زبان ہے جو بڑھ سکتی ہے۔ موری یہ دیکھو کہ اگر اس دیہ میں کوئی بھاشا ایسی ہے جو کہیں کم سے کم کچھ کاموں کے لئے سارے دیہ کی بھاشا کا کام دے سکتی ہے تو وہ ملکی ہے۔ وہاں کی دفعہ 351 میں صاف بتایا گیا ہے کہ ملکی کا یہ کام کیا ہے۔ دفعہ 351 میں لکھا ہے کہ ملکی کو ایک ایسا مادہ ملتا ہے جس کے ذریعے بھارت کی ملی جلی لکچر کے سب انگ اور سب حصہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ ملکی کا یہی پہلو مجھے سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ملکی کا دوسرا پہلو ہے الگ الگ صوبوں کے بچے یا صوبوں اور ہونٹوں سرکار کے بچے دفتری پتر بھوہار کے کام میں آتا۔ کسی بھی دفتر کے جدول میں یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی بات ہے۔ گوروں جلتا میں سے کلمہ میں جلتا میں اس دفتری پتر بھوہار سے کام پڑتا ہو۔ مجھ سے پوچھو کہ تو یہ پتر بھوہار کسی بھی بھاشا میں ہو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہر صوبہ اپنی ہی صوبائی بھاشا میں چھوٹا بھاشا اور اس کے ساتھ جو بھی سرکاری بھاشا ہو اس میں چھوٹی کا انوار ساتھ لکھنا پڑے۔ چھوٹے سے سرکاری بھاشا میں کوئی سرکاری بھاشا نہیں ہے۔ پر اس سے وہاں کی سنگھ سرکار کے چلنے میں کہیں کوئی بہت کٹھنالی نہیں آتی۔ لیکن میں یہ ضرور مانتا ہوں کہ لوگوں کے دماغوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ بڑی ضروری چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی ایک اس طرح کی بھاشا ہونی چاہئے جس میں ہونٹوں اور کے سب پڑھ لکھ کو ایک دوسرے سے اچھے اور چار پرکٹ کو سکھوں اور سب ایک دوسرے سے بول سکیں۔ مثال کے لئے دھارا سہاؤں کے ممبر راج کاجی اور صاحبی نام کرتے والے، صاحبی کار، کلونٹ، سائنس دان، بھارتی، یعنی وہ سب لوگ جو یا تو اچھے صوبے سے باہر دیہی کے دوسرے صوبوں میں جاتے آتے رہتے ہیں یا جنہوں نے گریباں میں دوسرے صوبوں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ان سب لوگوں کو اچھی طرح ملکی آنی چاہئے۔ سچ ایسی ہے بھارتی دفتر اور بھارتی لکچر کی بھاشا لکھنا کے خیال لوگوں میں پھیلے گا۔ ہر ایک زمانے میں جب وہ لکھ لکھ بہت کم ہے۔ سکونت بھاشا ان سب کو ملتی رہتی ہے اور بھارت کی بھاشا لکھنا کو پرکٹ کرنی نہیں آج ملکی کہیں ایک اچھی طرح کا کام دے سکتی ہے۔ یہ سب کچھ اس بھاشا کی جانکری سب طرف پھیلے ہوئے



अधिक है. वह भी सच है कि दक्षिण में हिन्दी के खिलाफ भावना मौजूद है. पर इस मस्युदाब की जिम्मेवारी जितनी दक्षिण के कुछ भाषियों की कमनिगाही पर है उस से कहीं अधिक उत्तर के कुछ हिन्दी प्रेमियों की ना समझी और कटुता पर है. हिन्दी विरोधी आन्दोलन के सब से बड़े नेता श्री रामास्वामी नायकर हमारे एक पुराने मित्र और पुराने देश भक्त हैं. प्राज्ञानों के बक्ष्यन के वह खिलाफ हैं. हमने उनका यह बयान पढ़ा है कि अगर बात पात की ऊँच नीच का ख्याल हमारे राष्ट्र के जीवन से बिलकुल जाता रहे और राष्ट्र भाषा का विकास बिलकुल गांधी जी की बताई राह पर हो तो वह पूरी तरह उसके साथ हैं. हाल में उन्होंने हिन्दी प्रचार समा के काम की तारीफ भी की है. हमें विश्वास है कि अगर हम प्रेम और समझ से काम लें तो राष्ट्र भाषा के विरोध के वह बादल सारे भारत से बहुत जल्द छुटते हुए दिखाई दें.

हिन्दी प्रचार समा मद्रास के सन 1952 के पद्वी दान समारोह में भाशन देते हुए मद्रास के गवर्नर श्री प्रकाश जी ने समा के संचालकों और काम करने वालों से कहा था—“यह एक बहुत बड़ी और सच्ची बात है कि आप ने राष्ट्र भाषा के जरिये देश को एक करने का खपना इस समय देखा जब कि चारों तरफ अंधेरा था और जब अभी कोई यह अनुमान भी नहीं कर सकता था कि विदेशी सरकार हमारे देश से हट जायगी. यह कोई छोटी बात नहीं है. अपने इस आवर्ष पर आप मजबूती के साथ जमे रहे. उस तक पहुँचने के लिये आपने बड़े बड़े त्याग किये और अधिक से अधिक मेहनत और कोशिशें की.”

श्री प्रकाश जी ने इस बात पर भी जोर दिया कि हिन्दी प्रचार के रास्ते से इकावटों को दूर करने की असल जिम्मेवारी हिन्दी बोलने वालों पर है, और उन्हें इस काम में महात्मा गांधी के से बड़े विला, मेल और प्रेम से काम लेना चाहिये. उन्होंने यह भी कहा कि उत्तर भारत के हर आदमी को अपनी भाषा के साथ साथ कम से कम एक भाषा दक्षिण की भी अच्छी तरह सीखनी चाहिये, जिससे एक दूसरों को समझें और एकता बढ़े.

श्री राजगोपालाचारी ने दिल्ली पार्लिमेन्ट में ठीक कहा था कि—“मैं सच्चाई और अभिमान के साथ दावे से यह कह सकता हूँ, कि भारत की किसी और एक संस्था ने राष्ट्र भाषा हिन्दी को फैलाने और बढ़ाने में इतना काम नहीं किया जितना मद्रास की दक्षिण भारत हिन्दी प्रचार समा ने.”

26 अप्रैल सन 1952 को समा के राजा जी होस्टल को छोड़ते हुए मद्रास के विद्वान श्री जस्टिस श्री पी. वी. रामस्वामी ने कहा था:

“हिन्दी भाषा कुले कई कारकों से खारी लगती है.

अधिक है. ये भी सच है कि दक्षिण में हिन्दी के खिलाफ भावना मौजूद है. पर इस मस्युदाब की जिम्मेवारी जितनी दक्षिण के कुछ भाषियों की कमनिगाही पर है उस से कहीं अधिक उत्तर के कुछ हिन्दी प्रेमियों की ना समझी और कटुता पर है. हिन्दी विरोधी आन्दोलन के सब से बड़े नेता श्री रामास्वामी नायकर हमारे एक पुराने मित्र और पुराने देश भक्त हैं. प्राज्ञानों के बक्ष्यन के वह खिलाफ हैं. हमने उनका यह बयान पढ़ा है कि अगर बात पात की ऊँच नीच का ख्याल हमारे जीवन से बिलकुल जाता रहे और राष्ट्र भाषा का विकास बिलकुल गांधी जी की बताई राह पर हो तो वह पूरी तरह उसके साथ हैं. हाल में उन्होंने हिन्दी प्रचार समा के काम की तारीफ भी की है. हमें विश्वास है कि अगर हम प्रेम और समझ से काम लें तो राष्ट्र भाषा के विरोध के वह बादल सारे भारत से बहुत जल्द छुटते हुए दिखाई दें.

हिन्दी प्रचार समा मद्रास के सन 1952 के पद्वी दान समारोह में भाशन देते हुए मद्रास के गवर्नर श्री प्रकाश जी ने समा के संचालकों और काम करने वालों से कहा था—“यह एक बहुत बड़ी और सच्ची बात है कि आप ने राष्ट्र भाषा के जरिये देश को एक करने का खपना इस समय देखा जब कि चारों तरफ अंधेरा था और जब अभी कोई यह अनुमान भी नहीं कर सकता था कि विदेशी सरकार हमारे देश से हट जायगी. यह कोई छोटी बात नहीं है. अपने इस आवर्ष पर आप मजबूती के साथ जमे रहे. उस तक पहुँचने के लिये आपने बड़े बड़े त्याग किये और अधिक से अधिक मेहनत और कोशिशें की.”

श्री प्रकाश जी ने इस बात पर भी जोर दिया कि हिन्दी प्रचार के रास्ते से इकावटों को दूर करने की असल जिम्मेवारी हिन्दी बोलने वालों पर है, और उन्हें इस काम में महात्मा गांधी के से बड़े विला, मेल और प्रेम से काम लेना चाहिये. उन्होंने यह भी कहा कि उत्तर भारत के हर आदमी को अपनी भाषा के साथ साथ कम से कम एक भाषा दक्षिण की भी अच्छी तरह सीखनी चाहिये, जिससे एक दूसरों को समझें और एकता बढ़े.

श्री राजगोपालाचारी ने दिल्ली पार्लिमेन्ट में ठीक कहा था कि—“मैं सच्चाई और अभिमान के साथ दावे से यह कह सकता हूँ, कि भारत की किसी और एक संस्था ने राष्ट्र भाषा हिन्दी को फैलाने और बढ़ाने में इतना काम नहीं किया जितना मद्रास की दक्षिण भारत हिन्दी प्रचार समा ने.”

26 अप्रैल सन 1952 को समा के राजा जी होस्टल को छोड़ते हुए मद्रास के विद्वान श्री जस्टिस श्री पी. वी. रामस्वामी ने कहा था:

“हिन्दी भाषा कुले कई कारकों से खारी लगती है.



न मिल सकते हैं। एक खास बात यह है—और शायद इसी से हिन्दी प्रचार में सब से अधिक मजबूत मिस्री है—कि वहाँ हिन्दी सीखने में औरतों में मर्दों से भी बढ़ कर हिस्सा लिया है। दूर दूर के गांव तक में शायद ही कोई जगह ऐसी हो जहाँ हिन्दी अच्छी तरह बोल सकने और समझ सकने वाली काफ़ी बहनें न मिल सकती हों।

हिन्दी प्रचार सभा, मद्रास के प्रधान मंत्री श्री मो. सत्यनारायण ने हमारे पास सभा के 35 बरस के काम की एक छोटी सी रिपोर्ट भेजी है। रिपोर्ट से पता चलता है कि मद्रास सूबे भर के अन्दर जगह जगह इस समय लगभग चार हज़ार प्रचारक या अध्यापक हिन्दी पढ़ाने का काम कर रहे हैं। सन 1951 में इन प्रचारकों के जरिये हिन्दी पढ़ाने वालों की तादाद दो लाख से ऊपर थी। उस साल तक 25 लाख विद्यार्थी हिन्दी सीख सीख कर निकल चुके थे और 5,45,783 सभा के इन्तहानों में बैठ चुके थे। अकेले सन 1951 में सभा के इन्तहानों में बैठने वालों की तादाद 1,00,628 थी। हिन्दी की ऊंची से ऊंची डिग्री पाए हुए लोगों की तादाद उस समय प्रान्त में ग्यारह हज़ार थी पिछले पन्द्रह बरस के अन्दर सभा चालीस लाख रुपये से ऊपर अपने काम पर खर्च कर चुकी है। सभा के अपने स्कूलों के अलावा प्रान्त भर के अन्दर 160 कालिजों और 2,900 हाई स्कूलों में हिन्दी पढ़ाने का पूरा पूरा प्रबन्ध है। सभा का एक काम प्रचारक या अध्यापक तैयार करना है। इन में एक बहुत बड़ी तादाद स्त्रियों की है। गांव के लोगों में सभा का प्रचार शहर के लोगों से भी अधिक है और बढ़ रहा है।

पिछले अठारह बरस तक सभा ने किराए के मकानों में काम किया। आज सभा के अपने सुन्दर और शानदार भवन हैं। अपना प्रेस है जिस में बंगरेष्ठी के अलावा देश की बाँठ भाषाओं में सुन्दर साफ़ छपाई होती है। हिन्दी की पढ़ाई और प्रचार के लिये सभा अब तक 167 क्लबों को खोल कर निकाल चुकी है जिन की सब मिला कर एक करीब से ऊपर काफ़िस दक्खिन भारत में फैल चुकी हैं। सभा हिन्दी के दो माहवारी रिसाले निकालती है, 'हिन्दी प्रचार समाचार' और 'दक्खिन भारत'। चारों भाषाई इलाकों में सभा की अलग अलग सूबाई शाखाएँ हैं।

इस में सम्बेद नहीं कि मद्रास सूबे में ऊपर के पदे किसी लोगों में अब भी हज़ारों आकाश ऐसे हैं जो बंगरेष्ठी जानते हैं और बंगरेष्ठी में काम कर सकते हैं। पर न हिन्दी जानते हैं और न हिन्दी में काम कर सकते हैं पर इन के बाँधी अधिक तादाद ऐसे लोगों की है जो न बंगरेष्ठी जानते हैं और न बंगरेष्ठी में काम कर सकते हैं, पर हिन्दी जानते हैं और हिन्दी में काम कर सकते हैं। कुछ मिला कर हिन्दी जानने वालों की तादाद बंगरेष्ठी जानने वालों से

दो मल मिल सकती है। एक खास बात यह है—और शायद इसी से हिन्दी प्रचार में सब से अधिक मजबूत मिस्री है—कि वहाँ हिन्दी सीखने में औरतों में मर्दों से भी बढ़ कर हिस्सा लिया है। दूर दूर के गांव तक में शायद ही कोई जगह ऐसी हो जहाँ हिन्दी अच्छी तरह बोल सकने और समझ सकने वाली काफ़ी बहनें न मिल सकती हों।

हिन्दी प्रचार सभा, मद्रास के प्रधान मंत्री श्री मो. सत्यनारायण ने हमारे पास सभा के 35 बरस के काम की एक छोटी सी रिपोर्ट भेजी है। रिपोर्ट से पता चलता है कि मद्रास सूबे भर के अन्दर जगह जगह इस समय लगभग चार हज़ार प्रचारक या अध्यापक हिन्दी पढ़ाने का काम कर रहे हैं। सन 1951 में इन प्रचारकों के जरिये हिन्दी पढ़ाने वालों की तादाद दो लाख से ऊपर थी। उस साल तक 25 लाख विद्यार्थी हिन्दी सीख सीख कर निकल चुके थे और 5,45,783 सभा के इन्तहानों में बैठ चुके थे। अकेले सन 1951 में सभा के इन्तहानों में बैठने वालों की तादाद 1,00,628 थी। हिन्दी की ऊंची से ऊंची डिग्री पाए हुए लोगों की तादाद उस समय प्रान्त में ग्यारह हज़ार थी पिछले पन्द्रह बरस के अन्दर सभा चालीस लाख रुपये से ऊपर अपने काम पर खर्च कर चुकी है। सभा के अपने स्कूलों के अलावा प्रान्त भर के अन्दर 160 कालिजों और 2,900 हाई स्कूलों में हिन्दी पढ़ाने का पूरा पूरा प्रबन्ध है। सभा का एक काम प्रचारक या अध्यापक तैयार करना है। इन में एक बहुत बड़ी तादाद स्त्रियों की है। गांव के लोगों में सभा का प्रचार शहर के लोगों से भी अधिक है और बढ़ रहा है।

पिछले अठारह बरस तक सभा ने किराए के मकानों में काम किया। आज सभा के अपने सुन्दर और शानदार भवन हैं। अपना प्रेस है जिस में बंगरेष्ठी के अलावा देश की बाँठ भाषाओं में सुन्दर साफ़ छपाई होती है। हिन्दी की पढ़ाई और प्रचार के लिये सभा अब तक 167 क्लबों को खोल कर निकाल चुकी है जिन की सब मिला कर एक करीब से ऊपर काफ़िस दक्खिन भारत में फैल चुकी हैं। सभा हिन्दी के दो माहवारी रिसाले निकालती है, 'हिन्दी प्रचार समाचार' और 'दक्खिन भारत'। चारों भाषाई इलाकों में सभा की अलग अलग सूबाई शाखाएँ हैं।

इस में सम्बेद नहीं कि मद्रास सूबे में ऊपर के पदे किसी लोगों में अब भी हज़ारों आकाश ऐसे हैं जो बंगरेष्ठी जानते हैं और बंगरेष्ठी में काम कर सकते हैं। पर न हिन्दी जानते हैं और न हिन्दी में काम कर सकते हैं पर इन के बाँधी अधिक तादाद ऐसे लोगों की है जो न बंगरेष्ठी जानते हैं और न बंगरेष्ठी में काम कर सकते हैं, पर हिन्दी जानते हैं और हिन्दी में काम कर सकते हैं। कुछ मिला कर हिन्दी जानने वालों की तादाद बंगरेष्ठी जानने वालों से



کا کوئی رُپ جو سत्य اور جدیسا کی کسوتی پر پورا نہ اُترے اور کج بھی ہو 'سत्याمہ' نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہماری راہ میں کسی کسی کے ہاتھ کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے معاملوں میں روپک اور سمجھنے سمجھانے کی جگہ کھول بھانپنا اور آدھی سے کام لینا دیکھنے کو مسائل میں لے جانا ہے۔ دیکھنے کے اسی طرح کے بہتریوں معاملوں میں ہمیں ہر طرح کی تلک نظری اور مہرے مہرے کے سوالوں سے آگے بڑھ کر سب کے آگے سارے دیکھنے کے دور تک کے پہلے کو نکالنا میں دیکھ کر اپنے فواصلہ کرنے چاہئیں اور ان فیصلوں کی روشنی میں ہی سوچ سمجھ کر قدم بڑھانا چاہئے۔

भाषा या भाषाओं के सवाल पर अगर हमें देश को प्रगत रास्ते पर चلने से बचना है तो एक पहली बाल हमें यह करनी चाहिये कि देश का हर पड़ा लिखा आदमी देश की बड़ी बड़ी भाषाओं में से कम से कम कोई दो अच्छी तरह सीखे। हमारी पार्लिमेंट और धारा सभाओं के सदस्यों, बखीरों और बड़े सरकारी अफसरों के लिये जरूरी होना चाहिये कि वह देश की कम से कम दो भाषाओं में अच्छी तरह सब काम कर सकें। इस तरह के उदार और मेले के उपायों से ही हम देश के इस कठिन सवाल का ठीक ठीक हल कर सकते हैं।

22. 12. '52

—सुन्दरलाल

کا کوئی رُپ جو سत्य اور جدیسا کی کسوتی پر پورا نہ اُترے اور کج بھی ہو 'سत्याمہ' نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہماری راہ میں کسی کسی کے ہاتھ کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے معاملوں میں روپک اور سمجھنے سمجھانے کی جگہ کھول بھانپنا اور آدھی سے کام لینا دیکھنے کو مسائل میں لے جانا ہے۔ دیکھنے کے اسی طرح کے بہتریوں معاملوں میں ہمیں ہر طرح کی تلک نظری اور مہرے مہرے کے سوالوں سے آگے بڑھ کر سب کے آگے سارے دیکھنے کے دور تک کے پہلے کو نکالنا میں دیکھ کر اپنے فواصلہ کرنے چاہئیں اور ان فیصلوں کی روشنی میں ہی سوچ سمجھ کر قدم بڑھانا چاہئے۔

بھابھا یا بھاشاؤں کے سوال پر اگر ہمیں دیکھنے کو غلط راستے پر پڑے سے بچانا ہے تو ایک پہلی بات ہمیں یہ کرنی چاہئے کہ دیکھنے کا ہر پڑھا لکھا آدمی دیکھنے کی بڑی بڑی بھاشاؤں میں سے کم سے کم کوئی دو اچھی طرح سمجھے۔ ہماری پارلیمنٹ اور دھارا سبھاؤں کے ممبروں، وزیروں اور بڑے سرکاری افسروں کے لئے ضروری ہونا چاہئے کہ وہ دیکھنے کی کم سے کم دو بھاشاؤں میں اچھی طرح حسب کام کر سکیں۔ اس طرح کے اُदार اور مہل کے اُچاروں سے ہی ہم دیکھنے کے اس کٹھن سوال کا ٹھیک ٹھیک حل کر سکتے ہیں۔

22-12-'52

—سندھ لال

## हिन्दी प्रचार सभा, मद्रास

महात्मा गांधी ने जो बहुत से काम देश में प्रेम, एकता और बल पैदा करने के लिये किये उन में उनका एक बहुत बड़ा काम सन 1918 में दक्खिन भारत हिन्दी प्रचार सभा की बुनियाद डालना था। उन दिनों हिन्दी के बड़े से बड़े भक्त हिन्दी प्रचार की खास जगह उत्तर और पच्छिम के उन प्रांतों को ही बनाना चाहते थे जहां की भाषाएं हिन्दी से मिलती हैं। गांधी जी के सोचने का ढंग दूसरा था। उनकी निगाह पहले पूर दक्खिन के उन इलाकों पर गई जहां की भाषाएं हिन्दी से बहुत दूर विलंब देती थीं। आज 35 बरस के मद्रास हिन्दी प्रचार सभा के काम को देखने से पता चलता है कि गांधी जी की निगाह कितनी दूर की और उन की सलाह कितनी काम की थी।

दक्खिन की चारों उन्नत भाषाओं तैलिगु, तमिल, कन्नड़ और मल्लामल के इलाकों में आज हचारों नहीं लाखों आदमी इतनी अच्छी, इतनी साफ और इतनी सही हिन्दी बोलते हैं कि बहुत से उत्तर वालों को भी उनके सामने सिर झुकाया पड़ता है। दक्खिन का कोई छोटे से बोंटा फादर ऐसा नहीं है जहां हिन्दी हिन्दुस्तानी में लैकचर देने वाले को सुनने और समझने वाले हचारों की तादाद में

## हिन्दी प्रचार सभा, मद्रास

महात्मा گاندھی نے جو بہت سے کام دیکھنے میں پریم، ایکتا اور بل پیدا کرنے کے لئے کئے ان میں ان کا ایک بہت بڑا کام سن 1918 میں دکن بھارت ہندی پرچار سبھا کی بنیاد ڈالنا تھا۔ ان دنوں ہندی کے بڑے سے بڑے بھکت ہندی پرچار کی خاص جگہ اتر اور پچھم کے ان پرائنٹوں کو ہی بنانا چاہتے تھے جہاں کی بھاشاؤں ہندی سے ملتی ہیں۔ گاندھی جی کے سوچنے کا تھلک دوسرا تھا۔ ان کی نگاہ پہلے دھردکن کے ان علاقوں پر لگی جہاں کی بھاشاؤں ہندی سے بہت دور دکھائی دیتی تھیں۔ آج 35 برس کے مڈراس ہندی پرچار سبھا کے کام کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی جی کی نگاہ کتنی دور کی اور ان کی صلاح کتنی کام کی تھی۔

دکن کی چاروں اہم بھاشاؤں تیلگو، تمل، کڈو اور مملایم کے علاقوں میں آج ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی انکی اچھی، انکی صاف اور انکی صحیح ہندی بولتے ہیں کہ بہت سے اتر والوں کو بھی ان کے سامنے سر جھکا پڑتا ہے۔ دکن کا کوئی چوڑے سے چوڑا شہر ایسا نہیں ہے جہاں ہندی ہندوستانی میں لکچر دینے والے کو سلیج اور سمجھنے والے ہزاروں کی تعداد میں



इसके अलावा जी पीछे श्रीरामुल के उपवास के साथ काम जिस तरह मधरास प्राप्त में जगह जगह देलगादिया रोकी गई, हजारों के गुनाहों को कस्ट भोगने पड़े और उसके बाद जिस तरह देलगादिया बंदी कर के बंदी गई और करोड़ों की सम्पत्ति जलत जाती गई वह सब काम किसी भी आम्पोलन के न मान को बढ़ा सकते हैं और न इसे सफा नाबूदा बर्खास्त सकते हैं। किसी भी आम्पोलन

اس کے ساتھ ہی دینی ہری واسلو کے آپاس کے ساتھ ساتھ جس طرح میراں پروانے میں چنگ چنگ رہیں گویا دینی فکوں ہزاروں کے گداہوں کو کشت ہو گئے ہیں اور آج کے بعد جس طرح رہیں گویا کہوں کو کے لپٹی فکوں اور کہوں کی سہتی جگہ ڈالی گئی وہ صاب نام کسی بھی کہوں کے نہ مانی کو بڑھا سکتے ہیں اور نہ کہ صاب نام بڑھا سکتے ہیں ، کسی بھی کہوں



پ্রেम اور سب سے अधिक खुशहाली का होना. दुनिया भर की भाषाओं के इतिहास से और खुद अपने ही देश के इतिहास से इन सब बातों के अनगिनत उदाहरन दिये जा सकते हैं. इस तरह के भाषाई आन्दोलनों से आज तक एक भी काम की चीज या दुनिया की निगाहों में चढ़ने वाली चीज किसी देश में पैदा नहीं हुई. हमारा अमनकल का भाषाओं और भाषावार प्रान्तों का आन्दोलन एक बहुत बड़े दर्जे तक गलत, बहकी हुई और हानिकर चीज है. इतना ही नहीं यह आन्दोलन देश में जिस तरह का रूप लेता जा रहा है वह रूप कहीं कहीं इस सवाल को फिरफेराराना सवाल से भी खियादा खतरनाक और देश की उन्नति के लिये उस से भी अधिक घातक बनाता हुआ दिखाई देता है.

हम बम्बई शहर ही को ले लें. बम्बई का शहर भारत का एक ऐसा इलाका है जहां अनेक भाषाओं के बोलने वाले और अनेक धर्मों के लोग रहन सहन के अपने अलग अलग ढंग रखते हुए भी कम से कम कई सौ बरस से प्रेम के साथ मिल जुल कर रहते आए हैं. बम्बई में मराठी बोलने वाले, गुजराती बोलने वाले, तमिल बोलने वाले, तैलिगु बोलने वाले, मारवाड़ी बोलने वाले, हिन्दुस्तानी बोलने वाले, पारसी, ईसाई, हिन्दू, शिया और सुन्नी सब हैं. उनकी एक ही कचहरियां हैं, एक हाईकोर्ट है, एक शानदार युनिवर्सिटी है, एक ही बाजारों में सब करोड़ों का धन्दा करते हैं और भारत के और सब इलाकों और शहरों के मुकाबले में सब खुश और मालामाल हैं. बम्बई के राजकाजी और आर्थिक आन्दोलनों में भी इस रंगारंगी के कारन कुछ मदद ही मिलती है, बाधा कोई नहीं पड़ती. इस निगाह से और इस दर्जे तक बम्बई संयुक्त और अखंड भारत का एक छोटा सा नमूना है और हमें आगे की राह दिखाने वाला एक दीपक है.

खुश क्रिस्मती से बम्बई के बारे में अभी सब यह मान चुके हैं कि अगर बाकी बम्बई प्रान्त का भाषावारी बंटवारा भी हो तब भी बम्बई शहर न किसी एक भाषा वालों की तरफ जायगा न उसके टुकड़े होंगे. लेकिन अगर कभी हमारे गुजराती बोलने वाले और मराठी बोलने वाले भाई अपनी अपनी माबोलियों के अनुचित मोह या बेजा तरफदारी में आ कर इस बात पर लड़ जायं कि बम्बई शहर महाराष्ट्र के साथ जाय या गुजरात के या उसके टुकड़े किये जायें तो यह अपनी भाषाओं की उन्नत करना नहीं होगा, यह होगा सारे देश का रुख उन्नति की ओर से हटा कर अवनति की ओर मोड़ना और देश को बरबादी की तरफ ले जाना.

ऐसे ही अगर प्रान्तों के भाषावार बंटवारे के सिलसिले में यह सवाल भाषाओं की जड़ बन जायं कि कौन जिला या

प्रिम और सب سے ادھک خوں حالی کا ہونا . دنیا بھر کی بھاشاؤں کے ایتھاس سے اور خود اپنے ہی دیس کے ایتھاس سے ان سب بھاشوں کے ائکت آدمرون دیئم جا سکتے ہوں . اس طرح کے بھاشائی آندولنوں سے آج تک ایک بھی کام کی چھڑ یا دنیا کی نگاہوں میں چوہلے والی چھڑ کسی دیس میں پیدا نہیں ہوئی . ہمارا آجکل کا بھاشاؤں اور بھاشادار پروانٹوں کا آندولن ایک بہت بڑے درجے تک غلط ہے کی ہوئی اور ہائی کر چھڑ ہے . اتنا ہی نہیں یہ آندولن دیس میں جس طرح کا روپ لیتا جا رہا ہے وہ وہ روپ نہیں کہیں اس سوال کو فرقہ وارانہ سوال سے بھی زیادہ خطرناک اور دیس کی آندعی کے لئے اُس سے بھی ادھک گھٹاک بلانا ہوا دکھائی دیتا ہے .

ہم بمبئی شہر ہی کو لے لیں . بمبئی کا شہر بھارت کا ایک ایسا علاقہ ہے جہاں ادھک بھاشاؤں کے بولنے والے اور ادھک دھرموں کے لوگ رہن سہن کے اپنے الگ الگ ڈھنگ رکھتے ہوئے بھی کم سے کم لگی سو برس سے پریم کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہوں . بمبئی میں مراٹھی بولنے والے ، گجراتی بولنے والے ، تمل بولنے والے ، اٹھلگو بولنے والے ، مارواڑی بولنے والے ، ہندستانی بولنے والے ، پارسے ، عیسائی ، ہندو ، شیعہ اور سنی سب ہوں . ان کی ایک ہی کچھہریاں ہیں ، ایک ہائی کورٹ ہے ، ایک شاندار یونیورسٹی ہے ، ایک ہی بازاروں میں سب کروڑوں کا دھندا کرتے ہوں اور بھارت کے اور سب علاقوں اور شہروں کے مقابلے میں سب خوش اور مالا مال ہوں . بمبئی کے راج کا جی آد آرتھک آندولنوں میں بھی اس دنکا رنگی کے کارن کچھ مدد ہی ملتی ہے ، ہادھا کوئی نہیں پڑتی . اس ناک سے آد اس درجے تک بمبئی سہلکت اور ادھلکت بھارت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے اور ہمیں اگے کی راہ دکھانے والا ایک دیپک ہے .

خوش قسمتی سے بمبئی کے بارے میں ابھی سب یہ مان چکے ہوں کہ اگر باقی بمبئی پروانٹ کا بھاشاداری بٹوارا بھی ہو تب بھی بمبئی شہر نہ کسی ایک بھاشا والوں کی طرف جائے گا نہ اُسکے ٹکڑے ہونگے . لیکن اگر کبھی ہمارے گجراتی بولنے والے آد مراٹھی بولنے والے ، بھائی ایللی ایللی ماں بولوں کے انوچت موہ یا بھجا طرفداری میں آ کر اِسہانت پر لو جائن کہ بمبئی شہر سہاراشتر کے ساتھ یا جائے یا گجرات کے اُسکے ٹکڑے لٹے جاویں تو یہ ایللی بھاشاؤں کی ائکت کرنا نہیں ہوگا ، یہ ہوگا سارے دیس کا رخ ائکتی کی اور سے ہٹا کر ائکتی کی اور سوزنا اور دیس کر پرہاسی کی طرف لے جانا .

ایسے ہی اگر پروانٹوں کے بھاشا وار بٹوار سلسلے میں یہ سوال جو پڑے کی جو ہیں جاویں کہ کون ضلع یا



پرائنٹوں کے بٹوارے کے اصول کو مان چکی ہے۔ اسی اصول کو مان کر سرکار اس سے پہلے بھی یہ اعلان کر چکی تھی کہ آندھر کو باقی مدراس سے الگ کر دیا جائے گا۔ آندھر کے لوگوں میں اور مدراس پر دیکھی کے ہائی لوگوں میں آندھر کے لوگوں میں اور سرکار میں جھگڑا اس بات پر نہیں تھا۔ جھگڑا کچھ ایسے علاقوں کے بارے میں تھا جن کی کچھ آبائی تہذیبوں والوں کی ہے اور کچھ تمل بولنے والوں کی۔ خاص کر جھگڑا یہ تھا اور یہ جھگڑا ابھی تک چلتا ہے کہ مدراس شہر کو جو تہذیبی علاقے اور تمل علاقے دونوں کے بیچ میں ہے اور جس میں لک بھگ اسی طرح فیصدی آبادی تمل بولنے والوں کی اور سولہ فیصدی تہذیبی علاقے والوں کی بتائی جاتی ہے، کدھر رکھا جائے۔

تمل بولنے والے چاہتے ہیں کہ اگر آندھر کو الگ کیا جائے تو آبائی کے ہیوسٹ کے کارن مدراس شہر تمل کے ساتھ رہے۔ آندھر نعتاؤں میں دو دل ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ مدراس شہر آندھر میں ملایا جائے۔ ان کی دلیہاں میں جانے کی ہمت ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ مدراس دونوں میں سے کسی کو نہ دیا جائے۔ اسے ایک الگ کھلی صوبہ بنا دیا جائے۔ اسی طرح کے کچھ اور تفصیلی جھگڑے بھی ابھی ہیں۔ اسلئے نئے سرکاری کمیشن کا کام اتنا آسان نہیں ہے۔ آندھر آندھرن ابھی جاری ہے۔

یہ تھوک ہے کہ کسی بھی دیس یا پرنسپس کے بچوں کی تعلیم چھٹی اچھی طرح ان کی اپنی ماں بولی میں دی جا سکتی ہے اتنی کسی دوسری بولی میں نہیں دی جا سکتی۔ یہ بھی تھوک ہے کہ ہر علاقے کا عدالتی اور دفتری کام جہاں تک ہو سکے وہیں کی بولی میں ہونا چاہئے۔ اسی لئے کانگریس نے بھاشا وار پرائنٹوں کے بٹوارے کے اصول کو مانا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ کسی بھاشا کی آئینگی کے اس بھاشا کے لئے بولنے والوں کا ایک الگ پرائنٹ یا الگ راج ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ کوئی بھاشا اپنے ایک بھاشی پرائنٹ میں چھٹی آئینگی کر سکتی ہے اتنی یا اس سے بھی ادھک دو یا دو سے بھی ادھک بھاشاؤں والے پرائنٹوں میں دے کر نہیں کر سکتی۔ جن جگہوں میں کئی کئی بولیاں بولی جاتی ہیں وہاں بچے عام طور پر شروع سے دو دو اور تین تین بولیاں بھمت آسانی کے ساتھ اور ایک سی دوانی کے ساتھ ایک ساتھ بولتے اور سمجھتے لگتے ہیں۔ کلکتہ مدراس بمبئی، بنگلور، حیدرآباد اور مدراس جیسی جگہوں میں اب بھی لڑکیاں بچے بچے آسانی کئی کئی بھاشاؤں آسانی سے اور اچھی طرح بولتے سمجھتے ہیں۔ کسی بھاشا کی آئینگی اور اس کے لئے بھاشا وار پرائنٹ کا ہونا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہیں میں اس کا ہونا

پرائنٹوں کے بٹوارے کے اصول کو مان چکی ہے۔ اسی اصول کو مان کر سرکار اس سے پہلے بھی یہ اعلان کر چکی تھی کہ آندھر کو باقی مدراس سے الگ کر دیا جائے گا۔ آندھر کے لوگوں میں اور مدراس پر دیکھی کے ہائی لوگوں میں آندھر کے لوگوں میں اور سرکار میں جھگڑا اس بات پر نہیں تھا۔ جھگڑا کچھ ایسے علاقوں کے بارے میں تھا جن کی کچھ آبائی تہذیبوں والوں کی ہے اور کچھ تمل بولنے والوں کی۔ خاص کر جھگڑا یہ تھا اور یہ جھگڑا ابھی تک چلتا ہے کہ مدراس شہر کو جو تہذیبی علاقے اور تمل علاقے دونوں کے بیچ میں ہے اور جس میں لک بھگ اسی طرح فیصدی آبادی تمل بولنے والوں کی اور سولہ فیصدی تہذیبی علاقے والوں کی بتائی جاتی ہے، کدھر رکھا جائے۔

تمل بولنے والے چاہتے ہیں کہ اگر آندھر کو الگ کیا جائے تو آبائی کے ہیوسٹ کے کارن مدراس شہر تمل کے ساتھ رہے۔ آندھر نعتاؤں میں دو دل ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ مدراس شہر آندھر میں ملایا جائے۔ ان کی دلیہاں میں جانے کی ہمت ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ مدراس دونوں میں سے کسی کو نہ دیا جائے۔ اسے ایک الگ کھلی صوبہ بنا دیا جائے۔ اسی طرح کے کچھ اور تفصیلی جھگڑے بھی ابھی ہیں۔ اسلئے نئے سرکاری کمیشن کا کام اتنا آسان نہیں ہے۔ آندھر آندھرن ابھی جاری ہے۔

یہ تھوک ہے کہ کسی بھی دیس یا پرنسپس کے بچوں کی تعلیم چھٹی اچھی طرح ان کی اپنی ماں بولی میں دی جا سکتی ہے اتنی کسی دوسری بولی میں نہیں دی جا سکتی۔ یہ بھی تھوک ہے کہ ہر علاقے کا عدالتی اور دفتری کام جہاں تک ہو سکے وہیں کی بولی میں ہونا چاہئے۔ اسی لئے کانگریس نے بھاشا وار پرائنٹوں کے بٹوارے کے اصول کو مانا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ کسی بھاشا کی آئینگی کے اس بھاشا کے لئے بولنے والوں کا ایک الگ پرائنٹ یا الگ راج ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ کوئی بھاشا اپنے ایک بھاشی پرائنٹ میں چھٹی آئینگی کر سکتی ہے اتنی یا اس سے بھی ادھک دو یا دو سے بھی ادھک بھاشاؤں والے پرائنٹوں میں دے کر نہیں کر سکتی۔ جن جگہوں میں کئی کئی بولیاں بولی جاتی ہیں وہاں بچے عام طور پر شروع سے دو دو اور تین تین بولیاں بھمت آسانی کے ساتھ اور ایک سی دوانی کے ساتھ ایک ساتھ بولتے اور سمجھتے لگتے ہیں۔ کلکتہ مدراس بمبئی، بنگلور، حیدرآباد اور مدراس جیسی جگہوں میں اب بھی لڑکیاں بچے بچے آسانی کئی کئی بھاشاؤں آسانی سے اور اچھی طرح بولتے سمجھتے ہیں۔ کسی بھاشا کی آئینگی اور اس کے لئے بھاشا وار پرائنٹ کا ہونا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہیں میں اس کا ہونا



انہیں سب مل کر حل کریں' چرخے پر عالمی صورت کھولنے اور اس صورت سے کھڑا ہونے کی طرف زیادہ سے زیادہ دھیان دیں تاکہ کم از کم سونی کھڑوں میں وہ بہت درجہ تک ملوں کی غلامی سے بچ جائیں' سرکار کو جانے والے مہمورنگم پر صوبے ہر کے اتھارہ سال سے اوپر عمر کے بلکروں کے زیادہ سے زیادہ دستخط یا انگوتھیں کے نشان حاصل کریں' 7 جنوری کو امن' ایکٹ اور پوری سرکس کے ساتھ اپنی مانگ کا دن مناویں' اور اس کے بعد ہمارے کانفرنس کے فیصلے کے مطابق 19 جنوری سے 26 جنوری تک "ہینڈلوم ہفتہ" مناویں جس میں پہلی لڑائی اور دوسرے طریقوں سے اچھے کرکٹوں کے بلے کھڑوں کی زیادہ سے زیادہ بکری کی کوشش کریں۔

اتر پردیش کے سب بھائیوں اور بھائیوں سے میری اپیل ہے کہ وہ اس نیک اور چاروں کام میں اپنی پوری شکتی بھر کر اور ہر طرح مدد دیں۔ اگر اس نیک سے میں ہم سب نے مل کر اپنی مالی اور روزگاری مصیبتوں کو حل نہ کیا تو ہماری اندھری راجکاجی آزادی بھی دھوکے کی اور چند روزہ ثابت ہوگی۔ ہم سب کا ایشور اللہ ہمیں شکتی دے کہ ہم ہمت کے ساتھ اس سے کی مصیبتوں کو پار کر سکیں اور سب مل کر دیس کو سچی ترقی' خوشحالی اور بہبودی کی طرف لے جا سکیں!

145 مٹھی گنج،

ہٹاواہا

12.12.52

—سندھ لال

صدر، یو۔ پی۔ یونکر فیکٹری

سندھ لال

صدر، یو۔ پی۔ یونکر فیکٹری

145 مٹھی گنج

الہ آباد

12-12-52

## شری رامول کا شریر त्याग और भाशावार प्रान्तों का बंटवारा

श्री पोट्टी श्री रामूल आन्ध्र के रहने वाले इस देश के सच्चे और निस्वार्थ काम करने वालों में से थे। अठ्ठावन दिन के उपवास के बाद 15 दिसम्बर सन 52 की रात को मद्रास में उन्होंने शरीर छोड़ा। उन की मौत ने देश में और खास कर मद्रास प्रदेश में एक खासी हलचल पैदा कर दी। उन के उपवास की शरत थी देश पर और सरकार पर इस बात के लिये दबाव डालना कि आन्ध्र यानी उस इलाक़े को जहाँ तैलियु बोली जाती है बाक़ी मद्रास प्रदेश से काट कर एक अलग प्रान्त बना दिया जाय। उनके मरने के बाद दिल्ली सरकार की तरफ से पंडित जवाहरलाल नेहरू ने एलान कर दिया है कि आन्ध्र एक अलग प्रान्त बना दिया जायगा। इस काम के लिये सरकार ने एक हाई कोर्ट जज का एक कमीशन भी नियुक्त कर दिया है।

आन्ध्र के एक अलग प्रान्त बनाए जाने का आन्दोलन बासीस बरस से ऊपर का आन्दोलन है। कांग्रेस भाशावार

## शरीर त्याग اور भाषاوار پرائنٹوں کا بٹوارا

شری پوتی شری رامول آندھر کے رہنے والے اس دیس کے سچے اور نساوارتہ کام کرنے والوں میں سے تھے۔ آٹھاون دن کے اپواس کے بعد 15 دسمبر سن 52 کی رات کو مدراس میں انہوں نے شریر چھوڑا۔ ان کی موت نے دیس میں اور خاص کر مدراس پردیش میں ایک خاصی ہل چل پیدا کر دی۔ ان کے اپواس کی فرض تھی۔ دیس پر اور سرکار پر اس بات کے لئے دباؤ ڈالنا کہ آندھر یعنی اس علاقہ کو جہاں تیلگو بولی جاتی ہے باقی مدراس ہر دیس سے کاٹ کر ایک الگ پرائنٹ بنا دیا جائے۔ ان کے مرنے کے بعد دلی سرکار کی طرف سے پختہ جواہر لال نہرو نے اعلان کر دیا ہے کہ آندھر ایک الگ پرائنٹ بنا دیا جائے گا۔ اس کام کے لئے سرکار نے ایک ہائی کورٹ جج کا ایک کمیشن بھی ٹھیک کر دیا ہے۔

آندھر کے ایک الگ پرائنٹ بنانے والے کا آندولن چالیس برس سے اوپر کا آندولن ہے۔ کانگریس भाषावार



تک اب یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ ایک دیہی چڑوہ وہ اس لئے کام میں آئے ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ کی دیکھ کی ہلی چڑوہ اتنی صاف ستھری نہیں ہوتی۔ ہمیں سودیشی کے اس پرانے ہاتھ کو پھر سے دھونا ہوگا۔

سب سے پہلے ہمارے سب ہونکر भाइयों और बहनों کا کर्ज ہے کہ وہ اپنے رोजمرے کے برتنوں میں اور خوشی رانی کے سب مائیکروں پر سیواہ اپنے یا اپنے ہونکر भाइयों کے कर्जों के बने कपड़े के और कोई कपड़ा काम में न लावें۔ हिन्दू बुनकरों और मुसलिम बुनकरों दोनों को इसे अपना धार्मिक और دینی कर्ज समझ कर इस पर अमल करना चाहिये۔ बुनकर भाइयों का यह भी कर्ज है कि वह अपने जूते, बरतन और दूसरी सब चीजों के खरीदने में भी जहां तक हो सके अपने देशी कारीगरों के हाथ की बनी चीजें ही खरीवें और उन्हीं को बरतें। हम सब एक दूसरे के धन्दे को बचाने की कोशिश करेंगे तभी हम सब बच सकते हैं।

देश की सारी जनता का यह कर्ज है कि वह देशी मिलों के कपड़ों या विदेशी कपड़ों का इस्तेमाल बन्द कर के जहां तक हो सके अपनी सारी कपड़े की ضرورتों को देशी कर्जों के बने कपड़ों से पूरा करे۔ इसमें कुछ पैसा अधिक भी खर्च करना पड़े तो कोई हर्ज नहीं। खास कर अमरीका की बनी रेमशी साड़ियों और अमरीकी रेशमी कपड़ों का बेचना, खरीदना और बरतना तीनों को हमें पाप समझना चाहिये۔ आप दिन की अपनी और सब जरूरतों के सम्बन्ध में भी हमें स्वदेशी के असूल और अपने देश के धन्दों को ज़िन्दा रखने के इस असूल पर अमल करना चाहिये, चाहे इसमें थोड़ी तकलीफ और ख़ेरबारी भी क्यों न ठानी पड़े۔

साथ ही देश की जनता को अपने राजकाजी अधिकारों और अपनी शक्ति को भी पूरी तरह समझना चाहिये, और हर जायज़ और अहिंसात्मक तरीक़े से या तो सरकार को अपनी मांग पूरी करने पर मजबूर करना चाहिये और या मौक़ा आने पर इस सरकार की जगह ऐसी सरकार ایام करना चाहिये जो देश की जनता के सच्चे नफ़ے کوکھان کو ममक सके और जनता की राय के मुताबिक़ चल सके۔

आख़یر में देश के और खास कर उत्तरप्रदेश के बुनकर भाइयों का कर्ज है कि वह अपने संगठन को मज़بूत करें, जिन जिन خیلوں में बुनकरों की کافی تعداد है उनमें अपनी یونین, سما یا एसोسیایشن بنायें۔ इस तरह की जितनी बुनकर संस्थाएं सूबे में मौजूद हैं या जो नई बनें, वह सब ५० पी० बुनकर फ़ेडरेशन के साथ अपना सम्बन्ध जोड़ लें, सूत खरीद, माल की बिक्री, तरह तरह के टैक्स और रेलवे कौरा में दिन रात बुनकरों को जो दिक्कतें होती हैं

تک اب یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ ایک دیہی چڑوہ وہ اس لئے کام میں آئے ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ کی دیکھ کی ہلی چڑوہ اتنی صاف ستھری نہیں ہوتی۔ ہمیں سودیشی کے اس پرانے ہاتھ کو پھر سے دھونا ہوگا۔

سب سے پہلے ہمارے سب ہونکر भाइयों और बहनों का कर्ज है کہ وہ اپنے روزمرے کے برتنوں میں اور خوشی رانی کے سب مائیکروں پر سیواہ اپنے یا اپنے ہونکر भाइयों کے कर्जों के बने कपड़े के और कोई कपड़ा काम में न लावें۔ हिन्दू बुनकरों और मुसलिम बुनकरों दोनों को इसे अपना धार्मिक और दینی कर्ज समझ कर इस पर अमल करना चाहिये۔ बुनकर भाइयों का यह भी कर्ज है कि वह अपने जूते, बरतन और दूसरी सब चीजों के खरीदने में भी जहां तक हो सके अपने देशी कारीगरों के हाथ की बनी चीजें ही खरीवें और उन्हीं को बरतें। हम सब एक दूसरे के धन्दे को बचाने की कोशिश करेंगे तभी हम सब बच सकते हैं।

देश की सारी जनता का यह कर्ज है कि वह देशी मिलों के कपड़ों या विदेशी कपड़ों का इस्तेमाल बन्द कर के जहां तक हो सके अपनी सारी कपड़े की जरूरतों को देशी कर्जों के बने कपड़ों से पूरा करे۔ इसमें कुछ पैसा अधिक भी खर्च करना पड़े तो कोई हर्ज नहीं। खास कर अमरीका की बनी रेमशी साड़ियों और अमरीकी रेशमी कपड़ों का बेचना, खरीदना और बरतना तीनों को हमें पाप समझना चाहिये۔ आप दिन की अपनी और सब जरूरतों के सम्बन्ध में भी हमें स्वदेशी के असूल और अपने देश के धन्दों को ज़िन्दा रखने के इस असूल पर अमल करना चाहिये, चाहे इसमें थोड़ी तकलीफ और ख़ेरबारी भी क्यों न ठानी पड़े۔

साथ ही देश की जनता को अपने राजकाजी अधिकारों और अपनी शक्ति को भी पूरी तरह समझना चाहिये, और हर जायज़ और अहिंसात्मक तरीक़े से या तो सरकार को अपनी मांग पूरी करने पर मजबूर करना चाहिये और या मौक़ा आने पर इस सरकार की जगह ऐसी सरकार ایام करना चाहिये जो देश की जनता کے سچے نفع نقصان کو سمجھ سکے اور چلتا کی دائرے کے مطابق چل سکے۔

آخر میں دیہی کے اور خاص کر اتر پردیش کے ہونکر भाइयों का कर्ज है کہ وہ اپنے سنگھٹن کو مضبوط کریں، جن جن خیلوں میں ہونکر भाइयों کی کافی تعداد ہے ان میں اپنی یونین، سما یا ایسوسی ایشن بنادیں۔ اس طرح کی جتنی ہونکر संस्थाएं سوبے میں موجود ہیں یا جو نئی بنیں، وہ سب ۵۰ پی۔ بی۔ ہونکر فیدریشن کے ساتھ اپنا سمبندھ جوڑ لیں، سوٹ خرید، مال کی بکری، طرح طرح کے ٹیکس اور دیکر وغیرہ میں غیبی راز ہونکر भाइयों کو جو دقتیں ہوتی ہیں



पड़े हैं। उनके होशियार कारीगर जिन पर इस सूबे को और सारे देश को धर्मबद्ध था, कुछ रिक्सा चला कर अपने बच्चों को पालने की कोशिश कर रहे हैं, कुछ मजदूरी की तलाश में बम्बई और दूसरे शहरों को निकल गए हैं और जो हजारों अभी बनारस में मौजूद हैं, उनकी यह हालत है कि उनके घरों में इफ्ते में मुरिकल से दो या तीन दिन चूल्हा जलता है। नन्हे नन्हे बच्चों को फाफों पर फाफे गुप्तर रहे हैं। मोपड़ियों की छतें गिर गई हैं, दरवाजे टूट गए हैं, लेकिन पैसा नहीं कि मरम्मत करा सकें। मैंने यह हालत और इससे कहीं बदतर हालत जिसे बयान कर सकना नामुमकिन है, पचासों घरों में घुस घुस कर देखी है। बनारस की यह पुरानी कारीगरी भिड़ रही है।

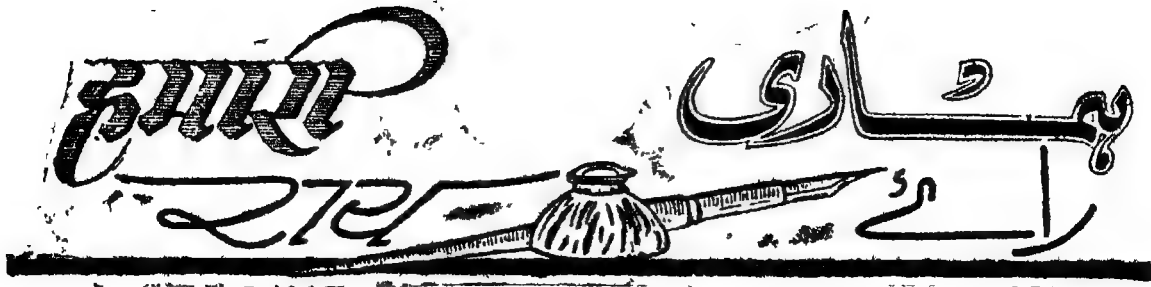
हमारी सरकार अगर चाहती तो यह हालत एक दिन में ठीक हो सकती थी। वह चाहती तो यह नौबत ही न आती। लेकिन सरकार का ढंग कुछ दूसरा ही दिखाई दे रहा है। श्री राजगोपालाचारी ने चाहा था कि खास नम्बर तक के सूत की धोतियां और साड़ियां बुनने से मिलों को रोक दिया जावे और यह काम देश के करघों के लिये छोड़ दिया जावे ताकि यह करोड़ों की आबादी बेकारी और भूक से बच जावे। लेकिन इससे मिलों के मुनाफे में कुछ कमी आती। दिल्ली सरकार को यह बात पसन्द न आई। बनारसी साड़ियों में जो रेशम काम में आता था वह जियादा तर जापान और इटली से आता था। हमारी सरकार ने उस रेशम के मुल्क में आने पर इतना भारी टैक्स लगा दिया जिससे कि बनारस की साड़ियां मंहगी पड़ने लगीं। दूसरी तरफ बनारसी साड़ियों की टक्कर की पहले कोई चीज बाहर से नहीं आती थी। अब अमरीका की बनी बसी तरह की रेशमी साड़ियां खुले बन्दों देश में आ रही हैं और सस्ते दामों बिक रही हैं। उन पर कोई रोक टोक नहीं। बनारस के बुनकर उनसे सस्ता नहीं बेच सकते। शक होने लगता है कि हमारे देश में किस का राज है, अमरीकी पूंजीपतियों और उनके हिस्सेदार कुछ हिन्दुस्तानी पूंजीपतियों का या इस देश के नुमाइन्दों का! फिर भी 6 और 7 दिसम्बर सन '52 की बनारस की यू० पी० बुनकर कानफरेन्स ने दिल्ली सरकार और उत्तरप्रदेश की सरकार, दोनों के पास एक मेमोरेन्डम या प्रार्थनापत्र भेजा है जिसमें बताया गया है कि किस किस तरह सरकार देश के इस इतने बड़े धन्दे को अब भी बरबादी से बचा सकती है और करोड़ों देशवासियों की फिर से काम पर लगा सकती है।

पर इस समय सबसे बड़ा सवाल यह है कि देश की जनता और खुद हमारे बुनकर भाई इस बारे में क्या करें? चालीस बरस से ऊपर तक स्वदेशी का जी क्रिमती पाठ हम पढ़ते रहे, उसे यह अपूरी आजादी पाते ही हमने एक दम भुला दिया। घारा समाजों के अन्दर हमारे मिनिस्टर

बूटे हैं। उन के होशियार कारिगर जिन पर इस सूबे को और सारे देश को धर्मबद्ध था, कुछ रिक्सा चला कर अपने बच्चों को पालने की कोशिश कर रहे हैं, कुछ मजदूरी की तलाश में बम्बई और दूसरे शहरों को निकल गए हैं और जो हजारों अभी बनारस में मौजूद हैं, उनकी यह हालत है कि उनके घरों में इफ्ते में मुरिकल से दो या तीन दिन चूल्हा जलता है। नन्हे नन्हे बच्चों को फाफों पर फाफे गुप्तर रहे हैं। मोपड़ियों की छतें गिर गई हैं, दरवाजे टूट गए हैं, लेकिन पैसा नहीं कि मरम्मत करा सकें। मैंने यह हालत और इससे कहीं बदतर हालत जिसे बयान कर सकना नामुमकिन है, पचासों घरों में घुस घुस कर देखी है। बनारस की यह पुरानी कारीगरी भिड़ रही है।

हमारी सरकार अगर चाहती तो यह हालत एक दिन में ठीक हो सकती थी। वह चाहती तो यह नौबत ही न आती। लेकिन सरकार का ढंग कुछ दूसरा ही दिखाई दे रहा है। श्री राजगोपालाचारी ने चाहा था कि खास नम्बर तक के सूत की धोतियां और साड़ियां बुनने से मिलों को रोक दिया जावे और यह काम देश के करघों के लिये छोड़ दिया जावे ताकि यह करोड़ों की आबादी बेकारी और भूक से बच जावे। लेकिन इससे मिलों के मुनाफे में कुछ कमी आती। दिल्ली सरकार को यह बात पसन्द न आई। बनारसी साड़ियों में जो रेशम काम में आता था वह जियादा तर जापान और इटली से आता था। हमारी सरकार ने उस रेशम के मुल्क में आने पर इतना भारी टैक्स लगा दिया जिससे कि बनारस की साड़ियां मंहगी पड़ने लगीं। दूसरी तरफ बनारसी साड़ियों की टक्कर की पहले कोई चीज बाहर से नहीं आती थी। अब अमरीका की बनी बसी तरह की रेशमी साड़ियां खुले बन्दों देश में आ रही हैं और सस्ते दामों बिक रही हैं। उन पर कोई रोक टोक नहीं। बनारस के बुनकर उनसे सस्ता नहीं बेच सकते। शक होने लगता है कि हमारे देश में किस का राज है, अमरीकी पूंजीपतियों और उनके हिस्सेदार कुछ हिन्दुस्तानी पूंजीपतियों का या इस देश के नुमाइन्दों का! फिर भी 6 और 7 दिसम्बर सन '52 की बनारस की यू० पी० बुनकर कानफरेन्स ने दिल्ली सरकार और उत्तरप्रदेश की सरकार, दोनों के पास एक मेमोरेन्डम या प्रार्थनापत्र भेजा है जिसमें बताया गया है कि किस किस तरह सरकार देश के इस इतने बड़े धन्दे को अब भी बरबादी से बचा सकती है और करोड़ों देशवासियों की फिर से काम पर लगा सकती है।





## ہمارے غریبوں کی بربادی-- ایک اپیل

ہمارے देश کو اس সময় ایک بہت گہرے संकट का सामना करना पड़ रहा है. एक एक कर के देश के लगभग सब धन्दे और सब रोजगार तेजी से मिटते जा रहे हैं. चारों तरफ बेकारी बढ़ रही है और बेकारों की तादाद करोड़ों तक पहुँच गई है. यहां मैं केवल कपड़े के धन्दे की बात करना चाहता हूँ.

हाल में मद्रास के बड़े बज़ीर श्री राजगोपालाचारी ने दुनिया को बताया था कि वहां पर बुनकर भाइयों का धन्दा करीब करीब ठप हो गया है जिसकी वजह से अकेले मद्रास प्रदेश में 50 लाख से ऊपर लोगों पर, जो इस धन्दे में लगे हुए थे, फाँके की नौबत आ गई है. हमारे सूबे उत्तरप्रदेश में कुल लगभग तीन लाख करघे हैं जिनमें आठ लाख कारीगर काम करते हैं. इस काम से कम से कम बालीस लाख मर्द, औरत और बच्चों का पेट पलता है. आज इन बालीस लाख में से अधिकतर सख्त मुसीबत और परेशानी में हैं. यही हालत और सब सूबों की है.

6 दिसम्बर से 9 दिसम्बर तक मुझे बनारस में रह कर वहां के बुनकरों की हालत देखने का मौका मिला. बनारस की रेशमी साड़ियों की दस्तकारी वह बढ़िया और सुन्दर दस्तकारी है जिस पर सारे हिन्दुस्तान की हज़ारों बरस से नाज़ रहा है. चरी का काम वहां बहुत होता है. वहां के कारीगरों में इतना एका है कि अगर कोई कारीगर झूठी चरी लगाते हुए पकड़ा जाय तो उसका बिरादरी में हुजूम पानी और ब्याह शादी तक बन्द कर दिया जाता है. नतीजा यह है कि बनारसी साड़ियों का काम सदियों से टकसाली काम रहा है जिसे गाहक आख बन्द कर के खरीद सकता है. बनारस की इस दस्तकारी को डेढ़ सौ बरस के अंगरेजी राज में भी कोई नुकसान नहीं पहुँचा और यह बराबर फलती-फूलती रही. लेकिन आज बनारस के लगभग पांच हज़ार करघों में से करीब करीब चार हज़ार बन्द

## हमारे ग़ریبوں دھندوں کی بربادی-- ایک اپیل

ہمارے دیس کو اس سے ایک بہت گہرے संकट का सामना करना पड़ रहा है. ایک ایک کر کے دیس کے لگ بھگ سب دھندے اور سب روزگار تیزی سے مٹتے جا رہے ہیں. چاروں طرف بھکاری بڑھ رہی ہے اور بھکاریوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے. یہاں میں کھول کھول کر دھندے کی بات کرنا چاہتا ہوں.

حال میں مدراس کے بڑے وزیر شری راج گوپالاجاری نے دنیا کو بتایا تھا کہ وہاں پر بلکر بھائیوں کا دھندہ قریب قریب ٹھپ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اگلے مدراس پردیس میں 50 لاکھ سے اوپر لوگوں پر جو اس دھندے میں لگے ہوئے تھے، فانی کی نوبت آ گئی ہے. ہمارے صوبہ اتر پردیش میں کل لگ بھگ تین لاکھ کرگھے ہیں جن میں آٹھ لاکھ کارپگر کام کرتے ہیں. اس کام سے کم سے کم چالیس لاکھ مرد، عورت اور بچوں کا پेट پلتا ہے. آج ان چالیس لاکھ میں سے ادھک تر سخت مصیبت اور پریشانی میں ہیں. یہی حالت اور سب صوبوں کی ہے.

6 دسمبر سے 9 دسمبر تک مجھے بنارس میں رہ کر وہاں کے بلکروں کی حالت دیکھنے کا موقع ملا. بنارس کی ریشمی سازبوں کی دستکاری وہ بڑھیا اور سفید دستکاری ہے جس پر سارے ہندوستان کو ہزاروں برس سے ناز رہا ہے. ذری کا کام وہاں بہت ہوتا ہے. وہاں کارپگروں میں ایسا ہے کہ اگر کوئی کارپگر چھوٹی ذری لٹا کر پکوا جائے تو اس کا برادری میں حقہ پائی اور بیاہ ہانسی تک پلٹ کر دیا جاتا ہے. نتیجہ یہ ہے کہ بنارسی سازبوں کا کام محض بے تکسالی کام رہا ہے جسے گاہک آنکھ بند کر کے خرید سکتا ہے. بنارس کی اس دستکاری کو قیوم سو برس کے انگریزی راج میں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا اور یہ برابر پلتی پہنچتی رہی. لیکن آج بنارس کے لگ بھگ پانچ ہزار کرگھوں میں سے قریب قریب چار ہزار بند



اور راج نہایت کے بارے میں اشتہار دیتے چلے آ رہے ہیں۔ آزادی کے بعد سے ان کی اشتہاریت نے سرور و چار دھارا کا بنانا پھینا اور اپنے گہرے چلتن و پھرتن کے بل پر انہوں نے لگ بھگ ایک ہوس ہوا ”سرور و اشتہار“ نام کی ایک انوکھی رچنا پیش کر دی جو اپنے قلم نگار لسانی کتاب ہے۔

اگرچہ شاستر کے بعد کچھ جی راج نہایت کی طرف جھکتے معلوم ہوتے ہیں اور اس جھوٹی سی کتاب سے بچنے چلتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں بھی کوئی بڑی دین دینا چاہتے ہیں جس کے لئے یہ کتاب بھروسہ کا روپ جیسی معلوم پڑتی ہے۔ اس کتاب میں کچھ جی نے زوردار اپیل کی ہے کہ ہمارے راج کچھ کو سرور و اشتہار کے اصول پر بدل دینا چاہئے۔

میں اُمید ہے کہ راج نہایت سے دلچسپی رکھنے والے دیکھنے والے شک اور نہایت کن اس دستک سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

×

×

×

×

×

×

### مکمل (مشرقی لکھنؤ نمبر)

اکتوبر-نومبر 1952ء، سہ ماہی—نورنگہ پراساد جاسوال اور گوپال کھن ملک؛ نکالنے والے—وید پتی بھون، خواجہ راج، سالانہ چلندہ پانچ روپے؛ اس نمبر کا ایک روپہ۔

آج کل کے کشمیر لال شہام لال مشرور والہ ہمارے پیش کے ان چوتھی کے چاروں اور سوچنے والوں میں تھ جتنی کسوٹی میں ہر کسی کو وشواس تھا۔ وہ مانو ایک ہمیشہ جائزہ دینے والے چوکدار تھے جو ہلکا سا کھنڈی کرن کی آہٹ پاتے ہی صبح کو چونکا کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ساتھ ہی ساتھ اٹل نمبر اور سنگین تھے کہ ان کے بارے میں زیادہ جانکاری لوگوں کو ہو ہی نہیں پائی۔

اس لئے ہم ”جہاز“ کے اس نمبر کا سوال کرتے ہیں جس سے مشرور والہ جی جیسے چہرہ ہونے والے کے جدا جدا پہلوؤں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس میں آج کل کے ”نوبا“ کا ”کالنگر“ شری شری کھن داس جاجو، شری کھن ناتھ پندت سنگھ، شری راجیشوری نہرو، شری جانی دیوی بچاچ وغیرہ نے سنگھ لکھے ہیں۔ پر تعجب کی بات ہے کہ پورے کشمیر لال بھائی کی جلم سے لیکر مرتد تک پوری جہنم کھانی کھانے والا ایک لکھ بھی نہیں ہے جو بہت کھنکتا ہے۔ پھر بھی ”جہاز“ کے سہ ماہیوں کو ہم بدھائی دیتے ہیں کہ اتنا کم سے دھتے ہوئے انہوں نے اتنا سنگھ نمبر نکالا۔ ہمیں وشواس ہے کہ کچھ رچنا نگار اور کچھ لکھ اور کچھ لکھ پڑی دونوں اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور جہاز کو زیادہ سے زیادہ سہوار کرنے کے لئے پرتساہن دینگے۔

—سورج رام مہاشی

—سورج رام مہاشی



ہمارے پڑوسی پر جب چھوٹ کی چاروں طرف سے بوجھار ہو رہی ہے، 'نیا چین' نامی ماسک پتر دیا کے سان ہے۔ اس دیا کو نہ بچھلے دیلمے کی اُن سب کو قسم کھانی چاہئے کہ وسیع کی جھٹ دیکھنا چاہتے ہیں اور انہوں 'نیا چین' کو ہر طرح کی مہانتا دیلی چاہئے۔ 'نیا چین' کی ہر چیز سندر ہے۔ سمپادن 'کور' کتاپ اور لکھو۔ ہندی جاننے والوں کے لئے 'نیا چین' بہت ہوا خزانہ ہے۔

ہمیں دعواس ہے کہ بھارت کی جلتا اپنے ہمت کے لئے 'نیا چین' کو کبھی بند نہ ہولے دے گی۔ لکھکوں اور پاتھکوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ یوکتا کے مطابق 'نیا چین' کی ادھک سے ادھک مدد کریں۔

—محبوب دھوبی

—محبوب دھوبی

## نیا سماج — پیوار نیوجن انک

سمپادک — موہن سنگھ سہلگر؛ پتہ — 33 نہتاجی سبھاں روڈ، کلکتہ 1؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 120؛ دام ایک روپیہ۔

'نیا سماج' پانچ سال سے نیکل رہا ہے۔ ہندی کے شایعہ کھڑا ہی پتر اسکی بھاری اور گوتھپ کا سکرابلا کر سکتے۔ 'نیا سماج' کا جنوری انک 'پریموار نیوجن انک' (اولاد پر روک) ہے۔ اس بات کو لے کر ہندستان میں بہت بحث چلی ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ فور لدرتی کھلک سے اولاد کی کمی نہ ہونی چاہئے اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس سمپادہ میں چلتی ہی مدد ہم سائنس سے لے سکتے ہیں وہ لہنی چاہئے۔ اس رشم سے سمپادہ دکھنے والے سبھی پہلوؤں پر کافی لکھا جا چکا ہے۔ لیکن یہ سب سامکھہ ادھک تر انگریزی میں ہے اور کبھی کبھار ہی ہندی پاتھکوں کو تھورا بہت پوھلے کو ملتا ہے۔ 'نیا سماج' نے اس رشم پر یہ انک نکال کر اچھی سامکھہ سہوا کی ہے۔ اس انک کی ایک بڑی کدوڑی یہ ہے کہ یہ ایک پکھس ہی کی بات پاتھک کے سامنے رکھتا ہے۔ ایسی پیوجناؤں کے درودھیوں کے وچاروں کو اس میں جگہ نہیں ملی۔ اس کارن سے انک کا مہتر کم ہو جاتا ہے۔

—محبوب دھوبی

## نیا سماج — پیوار نیوجن انک

سمپادک — موہن سنگھ سہلگر؛ پتہ — 33 نہتاجی سبھاں روڈ، کلکتہ 1؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ 120؛ دام ایک روپیہ۔

'نیا سماج' پانچ سال نیکل رہا ہے۔ ہندی کے شایعہ کچھ ہی پتر اسکی چھوٹائی اور گت اپ کا مقابلہ کر سکوں گے۔ 'نیا سماج' کا جلدوری انک 'پریموار نیوجن انک' (اولاد پر روک) ہے۔ اس بات کو لے کر ہندستان میں بہت بحث چلی ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ فور لدرتی کھلک سے اولاد کی کمی نہ ہونی چاہئے اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس سمپادہ میں چلتی ہی مدد ہم سائنس سے لے سکتے ہیں وہ لہنی چاہئے۔ اس رشم سے سمپادہ دکھنے والے سبھی پہلوؤں پر کافی لکھا جا چکا ہے۔ لیکن یہ سب سامکھہ ادھک تر انگریزی میں ہے اور کبھی کبھار ہی ہندی پاتھکوں کو تھورا بہت پوھلے کو ملتا ہے۔ 'نیا سماج' نے اس رشم پر یہ انک نکال کر اچھی سامکھہ سہوا کی ہے۔ اس انک کی ایک بڑی کدوڑی یہ ہے کہ یہ ایک پکھس ہی کی بات پاتھک کے سامنے رکھتا ہے۔ ایسی پیوجناؤں کے درودھیوں کے وچاروں کو اس میں جگہ نہیں ملی۔ اس کارن سے انک کا مہتر کم ہو جاتا ہے۔

—محبوب دھوبی

## سروودے راج کیوں اور کیسے ؟

لکھک — بھگوان داس کھلا، نیکالنے والے — भारतीय ग्रंथ माला, दारागंज, इलाहाबाद, लिखावट नागरी, सफे 71, दाम दस आने, पहली बार 1952.

श्री भगवानदास कला हिन्दी जगत के उन बुजुर्गों में से हैं जो सन् 1915 से अब तक लगातार अर्थशास्त्र

## सरोदے راج کیوں اور کیسے ؟

لکھک — بھگوان داس کھلا، نیکالنے والے — भारतीय ग्रंथ माला, दारागंज, इलाहाबाद, लिखावट नागरी, सफे 71, दाम दस आने, पहली बार 1952.

श्री भगवानदास कला हिन्दी जगत के उन बुजुर्गों में से हैं जो सन् 1915 से अब तक लगातार अर्थशास्त्र



اس سبھ کی آخری نکتہ میں راہی نے دنیا کو  
اسکی اصلی شکل دکھانے کی کوشش کی ہے:

آج ہر سمیت اندھیرا ہی ملے گا لچھو  
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں  
لیکن شاعر مایوس نہیں ہے اور وہ کہتا ہے:

اور تیرا کے مچلنے میں بھی اب دیر نہیں  
اور سورج کے نکلنے میں بھی اب دیر نہیں

جس جوش سے لوگ راہی کی نکتہ میں مسکراتے ہیں  
ہیں ہمارا خیال ہے کہ اسی جوش سے راہی کا 'نیا سال'  
خرویدیں گے ہی۔

—محبوب روضی

اسی سنگہ کی آخری نظم میں راہی نے دنیا کو  
اسکی اصلی شکل دکھانے کی کوشش کی ہے:

آج ہر سمیت اندھیرا ہی ملے گا لچھو  
رات کے پاس اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں  
لیکن شاعر مایوس نہیں ہے اور وہ کہتا ہے:

اور تیرا کے مچلنے میں بھی اب دیر نہیں  
اور سورج کے نکلنے میں بھی اب دیر نہیں

جس جوش سے لوگ راہی کی نظمیں مشاعروں میں ملتے  
ہیں ہمارا خیال ہے کہ اسی جوش سے راہی کا 'نیا سال'  
خرویدیں گے ہی۔

—محبوب روضی

## آہنگ

## آہنگ

لیکھنے والے—اسرار الحق مجاز، نیکالنے والے—  
آجڑا کتا، کلاں محل، دہلی، لکھاوت اردو، دام چار روپیہ،  
دسمبر 216۔

لیکھنے والے—اسرار الحق مجاز، نیکالنے والے—  
آجڑا کتا، کلاں محل، دہلی، لکھاوت اردو، دام چار روپیہ،  
دسمبر 216۔

'آہنگ' اردو کے مشہور شاعر مجاز کی نظمیں اور  
غزلوں کا سنگہ ہے۔ اس میں مجاز کی سن 30 سے سن 52  
تک کی رचनाیں شامل ہیں۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔  
چھپائی 28 پوائنٹ کے سنگہ کاغذ پر ہے۔ کور وغیرہ  
خوبصورت ہیں۔

'آہنگ' اردو کے مشہور شاعر مجاز کی نظمیں اور  
غزلوں کا سنگہ ہے۔ اس میں مجاز کی سن 30 سے سن  
52 تک کی رचनाیں شامل ہیں۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن  
ہے۔ چھپائی 28 پوائنٹ کے سنگہ کاغذ پر ہے۔ کور  
وغیرہ خوبصورت ہیں۔

'مجاز' کی رचनाؤں کی تین منبجیل رہی ہے—جام  
اور سوراہی—انکلیلاہی لالکار—سوراہی کی کھڑکھڑ  
نیکالنے والی انکلیلاہی لالکار—کلیہ احمد 'کلیہ' نے  
اس کتاب کے دیباچے میں مجاز کی شاعری پر کافی  
روشنی ڈالی ہے۔

'مجاز' کی رचनाؤں کی تین منبجیل رہی ہے—جام  
اور سوراہی—انکلیلاہی اور لالکار—سوراہی کی کھڑکھڑ  
والی انکلیلاہی لالکار—فرض احمد 'فرض' نے اس کتاب کے  
دیباچے میں مجاز کی شاعری پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اسرار الحق کو شرب نے مارا ہے اور اسرار الحق  
کا لکھاوت دیا ہے۔ اب بھی کہیں کہیں وہ جاگتا ہے  
لیکن کب تک یہ چلتا رہے گا اور چلے گی کیا نہیں جاسکتا۔

اسرار الحق کو شرب نے مارا ہے اور اسرار الحق  
کا لکھاوت دیا ہے۔ اب بھی کہیں کہیں وہ جاگتا ہے  
لیکن کب تک یہ چلتا رہے گا اور چلے گی کیا نہیں جاسکتا۔

—محبوب روضی

—محبوب روضی

## نیا چین

## نیا چین

ایڈیٹر—منورما سین، ملنے کا پتا—D47/411  
راماپورا، بنارس؛ لکھاوت ہندی، سالانہ چلتی تین  
روپیہ؛ ایک کاپی کا دام پانچ آنہ۔

ایڈیٹر—منورما سین، ملنے کا پتا—D47/411  
راماپورا، بنارس؛ لکھاوت ہندی؛ سالانہ چلتی تین  
روپیہ؛ ایک کاپی کا دام پانچ آنہ۔

'نیا چین' کو مجاز کی آنکھوں میں کھینچتا ہے اور  
کچھ لڑکوں کو سمیت دیتا ہے، اُسا بدھاتا ہے۔ پہلا گروہ  
نیا چین کو بدنام کرنے پر لا ہوا ہے، جھوٹ سچ جس  
طرح سے ہی ہو قابل کے زور پر ہر دم پودا کرنے کی کوشش  
میں ہے۔ دوسرا گروہ نردمن ہے پر اُسے اپنے پکھی کی  
سچائی پر دھواں ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ دو گروہ  
ہیں۔

'نیا چین' کچھ لڑکوں کی آنکھوں میں کھینچتا ہے اور  
کچھ لڑکوں کو سمیت دیتا ہے، اُسا بدھاتا ہے۔ پہلا گروہ  
نیا چین کو بدنام کرنے پر لا ہوا ہے، جھوٹ سچ جس  
طرح سے ہی ہو قابل کے زور پر ہر دم پودا کرنے کی کوشش  
میں ہے۔ دوسرا گروہ نردمن ہے پر اُسے اپنے پکھی کی  
سچائی پر دھواں ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ دو گروہ  
ہیں۔



# کے گناہیں

## فیاضات

لکھنے والے — سرائی معصوم رضا؛ نکلنے والے — موامی کتاب گھر، بشہر منزل، غازی پوری؛ لکھاؤت اُردو؛ دام بارہ آنہ؛

صفحہ 64

مصوم رضا اور 'راہی' دونوں ایک ہی آدمی کے نام ہیں  
 لیکن پھر بھی دونوں میں کافی فرق ہے۔ مصوم رضا کا نام  
 سن کر لوگ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کس کا نام ہے۔ پھر  
 'راہی' کا نام آتے ہی لہجوں کے دل میں گڈگڈی ہونے لگتی  
 ہے، 'اُن کے سامنے بھولا مسکراتا ہوا ایک ایسا چہرہ ناچ  
 اُٹھتا ہے جس کی آواز اور جس کی نظموں میں شاعرے  
 جان قال دیتی ہیں۔ راہی کی عمر چاہے چھٹی بھی  
 کم ہو لیکن جس راہ کا وہ راہی ہے وہ پُرانا راستہ ہے، وہ  
 قربانی، تھاک، ہمت کا راستہ ہے۔ یہی قربانی اُسکی  
 نظموں کی جان ہے، یہی ہمت اُسکی آواز میں للکار  
 پیدا کرتی ہے۔

’نہا سال‘ اُسی نوجوان شاعر کی پانچ نظموں کا سنگترہ ہے۔ پہلی نظم پاکستان اور پاکستان کے پہنچے بچوں کو چھٹائی ہے۔ دہلی کا نقشہ اُلتا مضبوط ہے کہ کسی آفت کے سامنے ہوی دے سر جو کالے کو تھار نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے:—

سر۔ مگر موت کی خواہش یہ نہیں جھک سکتے ۔

گھوڑا۔ لوہے کی ساختوں سے نہیں رک سکتے۔

حاجر جہت کا اثر سچے انجیلوں کی ہمت پر نہیں پوتا۔ اُن کے سامنے لوگ متعجب ہوتا ہے اور وہ اطمینان سے کتابوں کی مقابلہ کرتے ہوئے اُسے حاصل کرنے کے لئے لگے ہوئے جاتے ہیں۔ راہی نے اُسی سوال کو یہیں نظم کیا ہے :

اپنی ہی فتح، کوئی جنگ کا دستور نہیں  
ہو، تو، ساجو، کاسکوں، موہوں سے کچھ دور نہیں  
ہوں تو کب دلوں نہیں، چراگت، منصوبہ نہیں  
زندگی موت کے قانون سے معذور نہیں

جسم مر جائے پر ایمان نہیں مر سکتا  
موت مر جائے گی انسان نہیں مر سکتا



سرکار نے اس کمیٹی کو اسلئے بنایا تھا کہ وہ اس بات پر رپورٹ کرے کہ خیتا سے خیتا کتنی زمین ہر ایک آدمی کے کھیتوں میں رہنے دی جائے، کسے خیتی نہ کرنے والے اور خیر سکونت ریتوں کو ختم کیا جائے، کسانوں کو کسے کھیت کا مالک بنایا جائے اور لگان کسے مقرر ہو۔ کمیٹی کو خیتا دی گئی تھی کہ وہ خاص افسر کی اور کمارپا کھیتی دولتوں کی رپورٹوں پر بھی رور کرے۔

اس کمیٹی کی رپورٹ 1951 میں خپی۔ اس رپورٹ میں کسانوں کے بچاے زمینداروں کے خیت کی ریتا کی گئی تھی۔ کمارپس کے اس مسئلہ پر سارے پرالے سچاؤں اور پرانی مانگوں کی یہ رپورٹ رورندہ میں تھی۔

آج بھی مدراس میں کھیتی کا مسئلہ خوں کا خوں بنا ہوا ہے۔

اس کمیٹی کی رپورٹ 1951 میں خپی۔ اس رپورٹ میں کسانوں کے بچاے زمینداروں کے خیت کی ریتا کی گئی تھی۔ کمارپس کے اس مسئلہ پر سارے پرالے سچاؤں اور پرانی مانگوں کی یہ رپورٹ رورندہ میں تھی۔

آج بھی مدراس میں کھیتی کا مسئلہ خوں کا خوں بنا ہوا ہے۔

## کسان خینتی

( خوامی مارھرخی )

کر کے مہر مہری باکر تم نے اونچے محل بلانے  
چک مگ مہرے دیئے بچا کر اپنے کھو کے خیم چلانے  
مہرے سلہرے کھلہاؤں پر آئے ترچہ داؤں لکانے  
لوٹ لئی نرہل کی آشا کسے تم نے جال بچھانے۔

سولہ کھاکھو ہار میں مہرے، لال پھلورا کال تمہارے  
خیم کے قنکر بالک مہرے لالوں کے میں لال تمہارے  
بھوک میں ہم ایک کور کو ترسوں کھر میں ہوں ترمال تمہارے  
اہلی کمانی آہ لٹا کر ہوئے ہم کلال تمہارے۔

مہرے دمن سے ملے بلانے، بہانے بہانے کی کلوں لکانے  
آپ ملہجے، آپ ڈریمٹر، آپ ہی چک دا نا کہلانے  
مہری پھلورا سے ہر پھر آپ ہی سارا لہو آٹھانے  
کورا کورا ہو کر کے، مہتا مہتا ہپ کر جانے۔

## کسان بتتی

( خوامی مارھرخی )

کر کے مہر مہری باکر تم نے اونچے محل بلانے  
چک مگ مہرے دیئے بچا کر اپنے کھو کے خیم چلانے  
مہرے سلہرے کھلہاؤں پر آئے ترچہ داؤں لکانے  
لوٹ لئی نرہل کی آشا کسے تم نے جال بچھانے۔

سولہ کھاکھو ہار میں مہرے، لال پھلورا کال تمہارے  
خیم کے قنکر بالک مہرے لالوں کے میں لال تمہارے  
بھوک میں ہم ایک کور کو ترسوں کھر میں ہوں ترمال تمہارے  
اہلی کمانی آہ لٹا کر ہوئے ہم کلال تمہارے۔

مہرے دمن سے ملے بلانے، بہانے بہانے کی کلوں لکانے  
آپ ملہجے، آپ ڈریمٹر، آپ ہی چک دا نا کہلانے  
مہری پھلورا سے ہر پھر آپ ہی سارا لہو آٹھانے  
کورا کورا ہو کر کے، مہتا مہتا ہپ کر جانے۔



کارنوں سے پھر بھی ضروری ہے کہ کسانوں کی حفاظت کی جائے۔

دوسری بات جو کمیٹی نے کہی یہ تھی کہ کسانوں کی ملکیت کی حفاظت کا مسئلہ کھیتی سداہار سے الگ ایک اہم مسئلہ ہے۔ چونکہ کمیٹی کے ممبر اس مسئلہ پر ایک رائے نہیں ہو پائے اس لئے اس سوال پر دوسری کمیٹی بھیجائی جائے۔

3 دسمبر 1938 کو مدراس اسمبلی میں شری پرکاشم نے اعلان کیا :

”کانگریس اور دوسرے ہلالہ سرکار سے مانگ کر رہے ہیں کہ سب سے پہلے زمین کے کھیتوں کے قانون پاس ہونا چاہیے۔ ریتباری پڑا کے ماتحت جو ہلالہ ہیں کارکنوں کو کھیتوں کا حق دینے کا مطالبہ ہے کہ پڑا داروں سے سارے اہم کارکن چھین لئے جائیں۔ سرکار اس سوال پر سوچ وچار نہیں کر رہی ہے۔“

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اوپر کی بات مدراس کے زمیندار اس مسئلہ پر بات کرتے ہوئے ہمیشہ کرتے ہیں۔

پراکاشم کمیٹی کی سفارش پر 1946 میں سرکار نے ایک خاص افسر مقرر کیا کہ وہ اس بات کا پتہ لگائے کہ زمینداروں کی علاقوں میں لگانداری کی کتنی قسمیں ہیں اور ان میں کتنا سداہار کیا جاسکتا ہے۔ اس افسر نے 1948 میں اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں سارے ضروری سداہاروں کی سفارش کی گئی تھی۔ لیکن اس رپورٹ کو رد کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ کماؤپا کمیٹی کے چھپنے پر اس پر کارروائی کی جائے گی۔

پراکاشم کمیٹی کی سفارش پر 1946 میں سرکار نے ایک خاص افسر مقرر کیا کہ وہ اس بات کا پتہ لگائے کہ زمینداروں کی علاقوں میں لگانداری کی کتنی قسمیں ہیں اور ان میں کتنا سداہار کیا جاسکتا ہے۔ اس افسر نے 1948 میں اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں سارے ضروری سداہاروں کی سفارش کی گئی تھی۔ لیکن اس رپورٹ کو رد کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ کماؤپا کمیٹی کے چھپنے پر اس پر کارروائی کی جائے گی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔

کماؤپا کمیٹی کی رپورٹ 1949 میں نکل گئی۔ مدراس سرکار نے ایک مالکداروں کی کمیٹی بھیجائی۔



وصول کرتے ہیں۔ یہ مالگڈاری کی کسی بھی ایک وجہ ہے جس نے لوگوں کو زمین خریدنے پر اکسایا۔ کسی سہ بھی سرکار نے مبالغہ کی رقم کا آٹھ سے زیادہ مالگڈاری کے روپ میں نہیں وصول کرانہ موجودہ قانون کے ماتحت وہ زیادہ وصول کر سکتی تھی۔ عام طریقے سے سرکاری مالگڈاری اور زمیندار کے لگن میں ٹوک اور چار کی نسبت ہوتی تھی۔ آجکل ایک اور دس کی نسبت ہے۔ یعنی اگر زمیندار سرکار کو ایک روپ مالگڈاری دیتا ہے تو وہ کسان سے دس روپے لگن وصول کرتا ہے۔

## کمیٹیاں

1936 کی فہرہ روز پور کانگریس میں کسان سمیت ہر  
کلی وچار ہوا تھا۔ کانگریس نے مانگ کی تھی کہ لکان  
میں کمی ہو، لکان کی حد ستر ہزار کسان آجے کہہتے ہیں  
تبدیلہ رکھ سکے اور قانون پاس کر کے کہہتوں ہر کام کرنے  
والوں کی ضروری مقدار کر دی جائے۔ 1937 میں کانگریس  
کارکنوں نے اسمبلی کے سپرور کو ہدایت دی تھی کہ وہ  
اوپر کے پروگرام کو عملی جامہ پہنلانے کی کوشش کریں۔  
1946 میں چنناؤ کے سمر کانگریس پھر اعلان کیا کہ وہ  
راج کا بہار سلیمانہ پر سرکار اور کسانوں نے بھیجے کے دلالوں  
کو ختم کر دے گی اور دوسرے سدھار بھی لگو کرے گی۔  
1948 میں ایک کانگریس آرٹیکل پروگرام کہتی  
ہئی تھی چھ مہینوں پندت جواہر لال نہرو نے۔ 1949  
میں کانگریس نے ڈاکٹر نمازپا کی صدارت میں  
پھر اسی سوال پر ایک کہتی ہتھائی تھی۔ لیکن  
ان سب کہتوں اور پروگراموں کا کوئی اثر مدراس کی  
سرکار پر نہیں ہوا۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انہاس کے پلوں سے پتہ چلتا ہے کہ حال تک کسانوں کو اپنی اپنی زمین پر قبضہ رکھنے کا حق تھا۔ کھیتی سمیت اس کے سدھار کے لئے ضروری ہے کہ یہ حق پھر ان کسانوں کو مل جائے۔ 1938 میں اسی سوال پر شری پرکاشم کی صدارت میں ایک کمیٹی بنی تھی۔ اس کمیٹی نے اصلی کاشتکار کی ملکیت کے حق کو نہیں مانا۔ اس رپورٹ میں لکھا ہے :  
"چمب کمیٹی کے لئے کسانوں میں ہوئی لگی ہو اور قبضہ سے قبضہ رقم دے کر وہ زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کمیٹی کا کاشتکار کون ہے۔ کاشتکار کی پہچان کرنا ممکن نہیں۔ جو زمینداروں کے پاس پہنچتا ہے اور اچھت رقم دیتا ہے زمیندار اسی کو زمین دے دیتا ہے۔ ہر سال یہ کرم چلتا رہتا ہے۔ اسے کاشتکار کو زمین کا مالک سمجھ مانا جا سکتا ہے۔"

تہذیب بہت سمجھ کا آدمی ہیں یہ کہہ گا کہ انہوں



## मालगुजारी

सारे रीयत घारी इलाक़े की नाप जोख की गई. ऐसी नाप जोख के लिये यूनिट बना दिये गए. एक यूनिट में ज़ियादा से ज़ियादा दस एकड़ ज़मीन आती थी. एकड़ के सौबें हिस्से की भी यूनिट बन गई थीं. पैमाइश के बाद अलग अलग यूनिट का अलग अलग लगान मुक़रर कर दिया गया. मोटे ढंग से ज़मीन की दो क़िस्में मानी गईं. एक सिंचाई वाली और दूसरे बिना सिंचाई वाली. सरकारी मालगुजारी का मतलब है कि पैदावार में सरकार का जो हिस्सा है उसका नक़द दाम. इस दाम को हमेशा के लिये मुक़रर करने के लिये खेतों की पैदावार और उपजाऊ पन बरौदा का अन्दाज़ा लगाया गया. हर इलाक़े के लिये एक अनाज स्टैन्डर्ड मान लिया गया. सिंचाई वाली ज़मीन के लिये धान और बिना सिंचाई वाली के लिये 'छोलम' और 'रंगी' स्टैन्डर्ड अनाज मान लिये गए. खेतों की पैदावार का अन्दाज़ा लगाते समय पुराने तज़ुरबों के आधार पर फ़सल की खराबी और ग़ैर उपजाऊ ज़मीन के लिये रियायतें दी गई. गांव की स्थिति से नफ़ा तुक़सान को और सिंचाई के ढंगों को सामने रख कर और भी छूट दी गई. ऐसे बीस साल के भावों का औसत ले लिया गया जिन में क़हत न पड़ा हो. अब जो पैदावार बची उसका दाम इस आधार पर तय किया गया. इस रक़म में से कुछ फ़ी सदी दुलाई बरौदा के ख़रचे के लिये छोड़ दी गई. फिर बाक़ी रक़म में से कुछ हिस्सा फ़सल की तैयारी की लागत के तौर पर छोड़ी गई. अब मुनाफ़े को रुपया में तबदील कर लिया गया. इस रक़म का एक हिस्सा जो लगभग आधा तक होता है सरकारी मालगुजारी के रूप में मुक़रर कर दिया जाता है. इस व्यवस्था को बन्दोबस्त कहा जाता है. हर तीस साल के बाद पैदावार में सरकारी हिस्से की क़ीमत ऊपर बत्ताए ढंग से आंकी जाती है. ऐसा लगता है कि 1837 के बाद फिर तीस साला बन्दोबस्त नहीं हुआ.

मालगुजारी का मौजूदा तरीक़ा अपने हर रूप में बड़े ज़मींदारों के मुक़ाबले में छोटे किसानों को बहुत ज़ियादा बुरा है. 1937 में कांग्रेसी सरकार ने मालगुजारी में साढ़े बारह फ़ी सदी की छूट दे दी थी. मिसाल के तौर पर हम इसी छूट को ले लें. यह छूट उस समय दी गई थी जब खेती की पैदावार के दाम बहुत बढ़ गए थे. इस छूट से छोटे किसानों को कोई फ़ायदा नहीं हुआ. दो चार आने जैसे जो उनके पल्ले पड़े होंगे वह भी मालगुजारी अफ़सरों की नज़र हो गए. लेकिन बड़े बड़े ज़मींदारों को इससे काफ़ी फ़ायदा हुआ.

बड़े बड़े ज़मींदार ग़ैर सींचाऊ ज़मीन पर दो रुपया से ज़ियादा मालगुजारी सरकार को नहीं देते, लेकिन सब जानते हैं कि ऐसी ज़मीन पर बहुत ज़ियादा लगान वह

## मालगुजारी

सारे रीयतवादी मामले की नाप जोख की गئی. ऐसी नाप जोख के लिये यूनिट बना दिये गئے. एक यूनिट में ज़ियादा से ज़ियादा दस एकड़ ज़मीन आती थी. एकड़ के सौबें हिस्से की भी यूनिट बन गई थीं. पैमाइश के बाद अलग अलग यूनिट का अलग अलग लगान मुक़रर कर दिया गया. मोटे ढंग से ज़मीन की दो क़िस्में मानी गئیں. एक सिंचाई वाली और दूसरे बिना सिंचाई वाली. सरकारी मालगुजारी का मतलब है कि पैदावार में सरकार का जो हिस्सा है उसका नक़द दाम. इस दाम को हमेशा के लिये मुक़रर करने के लिये खेतों की पैदावार और उपजाऊ पन बरौदा का अन्दाज़ा लगाया गया. हर इलाक़े के लिये एक अनाज स्टैन्डर्ड मान लिया गया. सिंचाई वाली ज़मीन के लिये धान और बिना सिंचाई वाली के लिये 'छोलम' और 'रंगी' स्टैन्डर्ड अनाज मान लिये गए. खेतों की पैदावार का अन्दाज़ा लगाते समय पुराने तज़ुरबों के आधार पर फ़सल की खराबी और ग़ैर उपजाऊ ज़मीन के लिये रियायतें दी गई. गांव की स्थिति से नफ़ा तुक़सान को और सिंचाई के ढंगों को सामने रख कर और भी छूट दी गई. ऐसे बीस साल के भावों का औसत ले लिया गया जिन में क़हत न पड़ा हो. अब जो पैदावार बची उसका दाम इस आधार पर तय किया गया. इस रक़म में से कुछ फ़ी सदी दुलाई बरौदा के ख़रचे के लिये छोड़ दी गई. फिर बाक़ी रक़म में से कुछ हिस्सा फ़सल की तैयारी की लागत के तौर पर छोड़ी गई. अब मुनाफ़े को रुपया में तबदील कर लिया गया. इस रक़म का एक हिस्सा जो लगभग आधा तक होता है सरकारी मालगुजारी के रूप में मुक़रर कर दिया जाता है. इस व्यवस्था को बन्दोबस्त कहा जाता है. हर तीस साल के बाद पैदावार में सरकारी हिस्से की क़ीमत ऊपर बत्ताए ढंग से आंकी जाती है. ऐसा लगता है कि 1837 के बाद फिर तीस साला बन्दोबस्त नहीं हुआ.

मालगुजारी का मौजूदा तरीक़ा अपने हर रूप में बड़े ज़मींदारों के मुक़ाबले में छोटे किसानों को बहुत ज़ियादा बुरा है. 1937 में कांग्रेसी सरकार ने मालगुजारी में साढ़े बारह फ़ी सदी की छूट दे दी थी. मिसाल के तौर पर हम इसी छूट को ले लें. यह छूट उस समय दी गई थी जब खेती की पैदावार के दाम बहुत बढ़ गए थे. इस छूट से छोटे किसानों को कोई फ़ायदा नहीं हुआ. दो चार आने जैसे जो उनके पल्ले पड़े होंगे वह भी मालगुजारी अफ़सरों की नज़र हो गए. लेकिन बड़े बड़े ज़मींदारों को इससे काफ़ी फ़ायदा हुआ.

बड़े बड़े ज़मींदार ग़ैर सींचाऊ ज़मीन पर दो रुपया से ज़ियादा मालगुजारी सरकार को नहीं देते, लेकिन सब जानते हैं कि ऐसी ज़मीन पर बहुत ज़ियादा लगान वह







بات کو اہمیت حاصل ہو جائے کہ اسے آج کل کے دنوں کی طرح نہ چھوڑنا پڑے گا۔ اس مسئلہ کے پتہ چلنے لگے ہیں۔ کسانوں کو پہلے ایسے ادھکار اور سودھائیں حاصل تھیں۔ دھیرے دھیرے ایسے انتظامات کیے گئے ہیں کہ کسانوں سے یہ ادھکار چھین کر ایک ایسے طبقہ کے ہاتھ میں زمینوں میں جو کھیتی کو مالکداری وصول کر کے دے دیا کرے۔ اس بات کو سامنے رکھ کر ہی ہمیں کانگریس کے کارنامے کو دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔

### اقل کمیون کی سفارشوں

پوری حالت سمجھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم 1880 کے اقل کمیون کی سفارشوں کے بارے میں بھی جان لیں۔ کمیون نے تین اہم سفارشیں کی تھیں: پہلی یہ تھی کہ زمینداری علاقوں میں لگان داری کی ملکیت کے حق میں بڑھتی ہوئی کی جائے۔ دوسری یہ کہ شکی زمینداری پر روک لگائی جائے کیونکہ شروع کے زمینداروں سے کچھ ایسے لوگوں نے زمین خرید لی ہے جو دیہاتوں میں نہیں رہتے اور ان کے مانے داسوں پر شکی کاشتکاروں کو کھیت دیتے ہیں۔ تیسری سفارش یہ تھی کہ زمینداروں کی ملکیت پر روک لگائی جائے۔

”جو لوگ سرکاری کاشتکاروں میں زمینداروں کے لئے جاتے ہیں ان کا یہ رخ ہے کہ وہ کسانوں کو کھیت لگان پر دیتے ہیں اور اس طرح سرکاری لگان ادا کرنے کے بعد جو رقم ان کے پاس بچ رہتی ہے اس سے اپنا گزارا چلاتے ہیں۔ اس طرح ان شکی کسانوں کا ایک طبقہ پیدا ہوتا جا رہا ہے جو ہمیشہ کے لئے کھیت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اسے اپنا زیادہ لگان دینا پڑتا ہے کہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ غریب رہے۔ ان کاشتکاروں کو سرکاری مانتا نہیں ملتا۔ ایسے طبقہ کے وجود سے وہی برائیاں پیدا ہوتی ہیں جن کا ذکر آئرلینڈ کے کسانوں کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کیا ہے۔ ہمارا وچار ہے کہ مقامی سرکار اس بات پر دھیان دے کہ کیا مالکداری بلڈرہسٹ کے ماتحت سرکاری زمینداروں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو لگان پر کھیت دے سکیں اور اگر ایسا ہے تو سرکار کو چاہئے کہ وہ ایسے کاشتکاروں کو مانتا دے اور جو زمیندار کاشتکاروں کے قبضے میں ہے جو لگان دے دیتے ہیں اور ان کے لگان داری کی پرتھ سب کا اندراج سرکاری کاشتکاروں میں کرانے۔“

### کھیت نہر دس

مدراس کے صوبے میں کسانوں کے حق کو جاننے والے آج بھی وہ رجسٹر نہیں ہیں جو ہندوستان کے دوسرے زمینداروں کے قبضے میں ہیں۔ ہر گاؤں میں

### کھیت نہر دس

مدراس کے صوبے میں کسانوں کے حق کو جاننے والے آج بھی وہ رجسٹر نہیں ہیں جو ہندوستان کے دوسرے زمینداروں کے قبضے میں ہیں۔ ہر گاؤں میں



کو رعیتداری اور زمینداری دونوں علاقوں میں پھیلنے سے کھیت پر قبضہ رکھنے کا جو حق تھا وہ پچھلی صدی میں ختم ہو گیا۔

### 1880 کا اکل کمیशन

مدراس کے کسانوں کی حالات کی چرچا 1880 کے اکل کمیशन کی رپورٹ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک خیت نکلد لگان پر اٹھنے شروع ہو گئے اور کسانوں کے کھیتوں کے ہک ختم ہو گئے۔ اتر مدراس کے 'ولکڑی' اور دکن کے 'کودی' اس সময় تک ہی خیت پر کھپا رکھ سکتے تھے جب تک کہ میراںسیدار کی مرچی ہو۔ پیدابار میں میراںسیدار کا حصا بد گیا تھا۔

مدراس سرکار نے اکل کمیशन کے سامنے ایک ممبرانڈم پیش کیا تھا۔ اس میں مدراس کے مالگوزاری بورڈ نے لگانداری کے بارے میں نیچے لکھی باتیں کھی ہیں :

"1871-72 میں بورڈ نے خیتی کرنے والی آباوا کی گینتی کی۔ کول 71 لاکھ آدمی اس پیشے میں لگے تھے۔ ان میں 20 لاکھ ستر ہزار سے ہیں جو خیتوں پر کام کرتے ہیں لیکن انکا اپنا کوئی کھیت نہیں ہے۔ 32 لاکھ پچاس ہزار سے ہیں جن کے پاس کچھ زمین ہے اور جو تھیں روپے سے کم مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں یا اپنی زمین کو لکان پر دے کر کھیت پالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہیں جن کے پاس تھوڑی بہت زمین بھی ہے لیکن وہ پیدابار وغیرہ کرتے ہیں۔ بارہ لاکھ پچاس ہزار آدمی لکان پر کھیت اٹھاتے ہیں اور اسی سے گزارا چلاتے ہیں۔ اس بارہ لاکھ میں سے 1800 پتہدار ایسے ہیں جو پانچ سو روپے اور اس سے اوپر مالگوزاری ادا کرتے ہیں اور 5,288 ایسے پتہدار ہیں جو 250 روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔"

### برہمن زمینداروں کی لڑت

اوپر کے ممبرانڈم میں ہی چھوٹکیلیٹ کے کمکٹر مسٹر پرائس نے اس بات کی سخت شکیت کی ہے کہ برہمن زمیندار زمین کو پرتی رکھتے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ چالیس فری سدی زمین سے زمینداروں کے کھیتوں میں ہے جو نہ تو کسانوں کا حصہ ہی کرتے ہیں اور نہ گاؤں میں ہی دھتے ہیں۔ یہ لوگ کسانوں کو خرب چوستے ہیں اور ہر طریقے سے دتم مضم کرنے کی کوشش میں دھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب سے وہ اس ضلع میں آئے تھے انھوں نے آدھے درجن بھی کھاتے تھے کاشکار نہیں دیکھے۔

### کانگریس راج اور کسان

آج مدراس کا کسان اس بات کی مانگ کرتا ہے کہ کم سے کم جاجن لگان ضررر ہو جائے اور اس

کو رعیتداری اور زمینداری دونوں علاقوں میں پھیلنے سے کھیت پر قبضہ رکھنے کا جو حق تھا وہ پچھلی صدی میں ختم ہو گیا۔

### 1880 کا اکل کمیशन

مدراس کے کسانوں کی حالات کی چرچا 1880 کے اکل کمیशन کی رپورٹ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک کھیت نقد لکان پر اٹھنے شروع ہو گئے اور کسانوں کے کھیتوں کے حق ختم ہو گئے۔ اتر مدراس کے 'الکڑی' اور دکن کے 'کودی' اس حصے تک ہی کھیت پر قبضہ رکھ سکتے تھے جب تک کہ میراںسیدار کی مرضی ہو۔ پیدابار میں میراںسیدار کا حصہ بد گیا تھا۔

مدراس سرکار نے اکل کمیशन کے سامنے ایک ممبرانڈم پیش کیا تھا۔ اس میں مدراس کے مالگوزاری بورڈ نے لگانداری کے بارے میں نیچے لکھی باتیں کھی ہیں :

"1871-72 میں بورڈ نے کھیتی کرنے والی آبادی کی گنتی کی۔ کل 71 لاکھ آدمی اس پیشے میں لگے تھے۔ ان میں سے 20 لاکھ ستر ہزار ایسے ہیں جو کھیتوں پر کام ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا کوئی کھیت نہیں ہے۔ 32 لاکھ پچاس ہزار ایسے ہیں جن کے پاس کچھ زمین ہے اور جو تھیں روپے سے کم مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں یا اپنی زمین کو لکان پر دے کر کھیت پالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہیں جن کے پاس تھوڑی بہت زمین بھی ہے لیکن وہ پیدابار وغیرہ کرتے ہیں۔ بارہ لاکھ پچاس ہزار آدمی لکان پر کھیت اٹھاتے ہیں اور اسی سے گزارا چلاتے ہیں۔ اس بارہ لاکھ میں سے 1800 پتہدار ایسے ہیں جو پانچ سو روپے اور اس سے اوپر مالگوزاری ادا کرتے ہیں اور 5,288 ایسے پتہدار ہیں جو 250 روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک مالگوزاری ادا کرتے ہیں۔"

### برہمن زمینداروں کی لڑت

اوپر کے ممبرانڈم میں ہی چھوٹکیلیٹ کے کمکٹر مسٹر پرائس نے اس بات کی سخت شکیت کی ہے کہ برہمن زمیندار زمین کو پرتی رکھتے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ چالیس فری سدی زمین سے زمینداروں کے کھیتوں میں ہے جو نہ تو کسانوں کا حصہ ہی کرتے ہیں اور نہ گاؤں میں ہی دھتے ہیں۔ یہ لوگ کسانوں کو خرب چوستے ہیں اور ہر طریقے سے دتم مضم کرنے کی کوشش میں دھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب سے وہ اس ضلع میں آئے تھے انھوں نے آدھے درجن بھی کھاتے تھے کاشکار نہیں دیکھے۔

### کانگریس راج اور کسان

آج مدراس کا کسان اس بات کی مانگ کرتا ہے کہ کم سے کم جاجن لکان ضررر ہو جائے اور اس



بجائے پارسیوں نے اس زمین میں بھی لگانا شروع کیا کہ انہیں کم سے کم چھ فیصدی منافع تو ضرور ہی ہوگا۔ بڑے بڑے وکھلوں اور ان لوگوں نے جنہوں نے شہروں میں کافی زمین کھائی تھی اس میں سے زمین خریدنے کو بہت اچھا اور سرکشت بہو بیار سمجھا۔ گاؤں کے وہ چھوٹے چھوٹے لوگ جن کے پاس زمین کی ملکیت کا حق تھا کسانوں کو لگان پر کھیت دے دیتے تھے اور دھورے دھورے لگان وصول کر کے اپنا گزارا چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بہت پالنے کا اور کوئی سادھی نہیں تھا۔ ایسے لوگ دن پر دن غریب ہوتے گئے اور آخر میں زمین بھول گئے۔ گروہی زمین کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ اس طرح گاؤں کی مالی دہشتہا میں اور زیادہ کھلدی کرن شروع ہوا۔ ایک طرف مٹی بھر لوگوں کا زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ ہونے لگا اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ لوگ ان کھیتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے جن پر کسی نہ کسی صورت میں ان کا قبضہ تھا۔

سری شری نواس رائے رائے نے مدراس راج کی چالیس سالہ انتہی پر ایک مہمورنظم لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے 1850 اور 1890 کے بیچ میں لگان داری کے طریقے میں جو وکس ہوا ہے اس کی بھی چرچا کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

”عام یا نقد کے روپ میں لگان لینے کا طریقہ تلچور ضلع میں ختم سا ہو رہا ہے۔ ساجے کی کھیتی کا رواج بڑھ رہا ہے۔“

”دکھنی اراکٹ کے کسان ایسے لگان دار ہیں جنہوں نے کھیت پر قبضہ رکھنے کا اس سے تک ادمہ کر رہے ہیں کہ وہ خود اس حق کے استعمال سے استعفیٰ نہ دے دیں۔ نجی زمینوں پر کسان لوگ کھیت کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ’پدیال‘ کہا جاتا ہے۔ تعلیم دار اور کسان کے بیچ میں بچھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ بچھوٹے کسانوں کو زمین لگان پر دیتے ہیں۔ لگان نقدی شکل میں بھی لیا جاتا ہے لیکن ادھکثر غلے کے روپ میں ہی لینے کی کوشش بچھوٹے کرتے ہیں۔ بچھوٹے جب چاہیں کسانوں کو فصل کے ختم ہونے پر کھیت سے ہٹا سکتے ہیں۔“

انگریزوں نے آئری لینڈ میں مالکداری کی وصولی کے لئے زمیندار پیدا کئے تھے۔ انہیں اس سے فائدہ ہوا تھا۔ انہوں نے بھی طریقہ یہاں ہی لگو کر لیا ہے۔ انگریزوں نے مالکداری کی جو لمبی لمبی رقم مقرر کی رکھی تھی اس کی وصولی کے لئے ضروری تھا کہ وہ مہواری داروں کو جس کا تپا بنا دیتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے زمیندار کو زمین کا مالک بنا دیا تھا اسی طرح مہواری دار کو بھی زمین کا مالک بنا دیا۔ ان مہواری داروں کے قبضے جو کسان تھے ان کو کوئی قانونی حق کھیت پر نہیں دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسان

بجائے پارسیوں نے اس زمین میں بھی لگانا شروع کیا کہ انہیں کم سے کم چھ فیصدی منافع تو ضرور ہی ہوگا۔ بڑے بڑے وکھلوں اور ان لوگوں نے جنہوں نے شہروں میں کافی زمین کھائی تھی اس میں سے زمین خریدنے کو بہت اچھا اور سرکشت بہو بیار سمجھا۔ گاؤں کے وہ چھوٹے چھوٹے لوگ جن کے پاس زمین کی ملکیت کا حق تھا کسانوں کو لگان پر کھیت دے دیتے تھے اور دھورے دھورے لگان وصول کر کے اپنا گزارا چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بہت پالنے کا اور کوئی سادھی نہیں تھا۔ ایسے لوگ دن پر دن غریب ہوتے گئے اور آخر میں زمین بھول گئے۔ گروہی زمین کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ اس طرح گاؤں کی مالی دہشتہا میں اور زیادہ کھلدی کرن شروع ہوا۔ ایک طرف مٹی بھر لوگوں کا زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ ہونے لگا اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ لوگ ان کھیتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے جن پر کسی نہ کسی صورت میں ان کا قبضہ تھا۔



ہرگز ہے اور ان کے مرنے کے بعد وہ حق اُن کی اولاد کو حاصل ہو جاتا ہے۔ ”کبھی مہراس“ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین کے مالک ہوتے ہیں اور جو ملکیت کا حق دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔“

### پیداہشی اچھوت کاہتکار

اسی طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گلدنوں سے اس بات کو سند کیا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادا کیا تھا۔

مدراس مالگجاری بورڈ کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی، اس میں انہوں نے لکھا ہے:

”میرا سبھیوں کا کھجوا ہونے کے بجائے گاؤں میں اور خاص کر بھان گاؤں میں اچھوت ہی خیتوں کو جوتے ہیں۔ یہ لوگ جمن کے आधार پر خیت کا پورا ادا کرتے ہیں۔“ لیکن کانونن اسے کھجوا کو نہیں ماننا تھا۔

پریوی کونسل کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی، اس میں انہوں نے لکھا ہے:

پریوی کونسل کے ایک اہم فیصلے کا ذکر یہاں ضروری نہ ہوگا۔ یہ اسی بات سے متعلق ہے کہ پریوی کونسل کے ایک فیصلے کے تحت کسان زمین پر کھجوا کرنا تھا اور زمین اس کے قبضے میں رہتی تھی۔ اس لیے اس کا قانونی قبضہ نہیں مانا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو پریوی کونسل میں ایک مقدمہ چلا گیا جس میں پریوی کونسل نے بولے جو قبضہ والے کو زمین کا مالک مانا تھا۔

### خیتوں پر بھوپاریوں کی نظر

اس طرح کے سارے مقدمے پریوی کونسل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ سرکار کو چاہئے تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے آدھار پر وہ کوئی قانون بنا دیتی۔ پر سرکار نے اس فیصلے میں کچھ نہ کیا۔ اگلے کسان کے قبضے پر قبضے کے انوسار قبضے داروں کو ترجیح دے دی گئی۔ مانتا تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔ مالگجاری کے پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔ مالگجاری کے پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔

حق اُن کے مرنے کے بعد وہ حق اُن کی اولاد کو حاصل ہو جاتا ہے۔ ”کبھی مہراس“ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین کے مالک ہوتے ہیں اور جو ملکیت کا حق دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔“

### پیداہشی اچھوت کاہتکار

اسی طرح کے اور بہت سے اعتبار کے قابل گلدنوں سے اس بات کو سند کیا جاسکتا ہے کہ مدراس میں زمین پر کسان کا قبضہ پڑھوں سے چلا آتا تھا اور بہت سی صورتوں میں اسے ملکیت کا حق تبدیل کرنے کا بھی ادا کیا تھا۔

مدراس مالگجاری بورڈ کے ایک ممبر مسٹر پ. ڈی. کمپبیل نے سر ہامس سٹرو کے لیے ایک رپورٹ تیار کی تھی، اس میں انہوں نے لکھا ہے:

”میرا سبھیوں کا کھجوا ہونے کے بجائے گاؤں میں اور خاص کر بھان گاؤں میں اچھوت ہی خیتوں کو جوتے ہیں۔ یہ لوگ جمن کے आधार پر خیت کا پورا ادا کرتے ہیں۔“ لیکن کانونن اسے کھجوا کو نہیں ماننا تھا۔

پریوی کونسل کے ایک اہم فیصلے کا ذکر یہاں ضروری نہ ہوگا۔ یہ اسی بات سے متعلق ہے کہ پریوی کونسل کے ایک فیصلے کے تحت کسان زمین پر کھجوا کرنا تھا اور زمین اس کے قبضے میں رہتی تھی۔ اس لیے اس کا قانونی قبضہ نہیں مانا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو پریوی کونسل میں ایک مقدمہ چلا گیا جس میں پریوی کونسل نے بولے جو قبضہ والے کو زمین کا مالک مانا تھا۔

اس طرح کے سارے مقدمے پریوی کونسل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ سرکار کو چاہئے تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے آدھار پر وہ کوئی قانون بنا دیتی۔ پر سرکار نے اس فیصلے میں کچھ نہ کیا۔ اگلے کسان کے قبضے پر قبضے کے انوسار قبضے داروں کو ترجیح دے دی گئی۔ مانتا تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔ مالگجاری کے پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔ مالگجاری کے پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔

### خیتوں پر بھوپاریوں کی نظر

اس طرح کے سارے مقدمے پریوی کونسل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ سرکار کو چاہئے تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے آدھار پر وہ کوئی قانون بنا دیتی۔ پر سرکار نے اس فیصلے میں کچھ نہ کیا۔ اگلے کسان کے قبضے پر قبضے کے انوسار قبضے داروں کو ترجیح دے دی گئی۔ مانتا تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔ مالگجاری کے پریوی کونسل کے فیصلے کے تحت کسان کا قبضہ کسانوں کے قبضوں پر ڈال دیا جو ان کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔



مالگوجاری بورد کی 5 جنوری 1814 کے کارروائیوں میں یہی فیصلہ دینے کو ملتا ہے:

”تامل کے بہت سے علاقوں میں اور خاص کر تنجور ضلع کے علاقوں میں کسانوں کے بہت سے اہلکار برہمنوں نے خرید لے لئے ہیں، یا ان کو زبردستی حاصل کر لئے ہیں۔ برہمن ہی اب زمین پر قبضہ کر رہے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تمل کے ’ویلکوں‘ ’لوہڑوں‘ اور آگر سہارا کے زمینداروں کو زمین کی ملکیت کے حق سارے ہندوستان میں حاصل تھے۔“

### ۱۸ویں صدی کا آغاز

یہ بات پوری طرح سے مدد ہو چکی ہے کہ ۱۸ویں صدی کے شروع میں دو طرح کے کسان تھے۔ ایک ’اگر دس‘ اور دوسرے ’پورا کو دس‘۔ ان دونوں کو زمین پر وراثتی قبضہ کا حق تھا۔ لیکن یہ لوگ ملکیت کو دوسرے کے نام نہیں کر سکتے تھے۔ بعد میں جب ’جولے والوں‘ کی کمی ہوئی لگی تو ’اگر دس‘ کسانوں کو اجازت دے دی گئی کہ اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو تو وہ دوسرے کو زمین دے سکتے ہیں۔ انہیں اس بات کی بھی اجازت دے دی گئی کہ اگر انہوں نے کھیت کو ترقی دینے پر اپنا دھن خرچ کیا ہے تو وہ کھیت بچھ سکتے ہیں۔ مہرانی دار صرف ’تہندو ورم‘ کے روپ میں ہندوؤں کا سارے بارہ فیصدی کسان سے لے سکتا تھا۔ ’تہندو ورم‘ اس زمین کی فیس کے روپ میں لیا جاتا تھا جو مہرانیوں کو جولے کے لئے دی جاتی تھی۔ ’پورا کو دس‘ کسان عام طریقے سے گاؤں میں نہیں رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی گاؤں میں رہنا شروع کر دیا۔ ”ایسے کسان جب تک لیان ادا کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنی زمین پر پورا حق رکھنا تھا اور ان کو بھی حق ملتا تھا۔“

### لیان داروں کی الگ الگ قسمیں

۱۸ویں صدی کے پہلے میں مدراس میں کئی طرح کے لیان دار تھے اس کا پتہ مدراس ہائی کورٹ میں چلنے والے ایک مقدمے کے فیصلے سے چلتا ہے، اس میں لکھا ہے:

”پائٹل پہلی وہ کسان جنہیں زمین پر کوئی حق نہیں ہے یا ’اسالور پورا کو دس‘ یعنی بے گھر ہار کسان‘ اور پورا کو دس‘ یعنی گاؤں میں نہ رہ کر کھیتی کرنے والے کسان بن جاتے ہیں اور یہ لکھ کو ’اولاد دانی‘ لیکن دار کہتے ہیں۔ ’اولاد دانی‘ کسان وہ ہیں جنہیں کھیت پر کچھ دینے کا حق ہوتا ہے اور جو کہ تو مہرانی ہوتے ہیں اور نہ وراثتی قبضہ کا انہیں اندھا کار ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہوتے ہیں جنہیں زمین پر مہرانی کے قبضہ کا حق ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ مہرانی‘ وہ کسان ہیں جنہیں مہرانی کے قبضہ کا بھی

### لیانداروں کی الگ الگ قسمیں

۱۸ویں صدی کے پہلے میں مدراس میں کتنے طرح کے لیاندار تھے اسکا پتا مدراس ہائی کورٹ میں چلنے والے ایک مقدمے کے فیصلے سے چلتا ہے، اس میں لکھا ہے:

پائٹل پہلی وہ کسان جنہیں زمین پر کوئی حق نہیں ہے یا ’اسالور پورا کو دس‘ یعنی بے گھر ہار کسان‘ اور پورا کو دس‘ یعنی گاؤں میں نہ رہ کر کھیتی کرنے والے کسان بن جاتے ہیں اور یہ لکھ کو ’اولاد دانی‘ لیکن دار کہتے ہیں۔ ’اولاد دانی‘ کسان وہ ہیں جنہیں کھیت پر کچھ دینے کا حق ہوتا ہے اور جو کہ تو مہرانی ہوتے ہیں اور نہ وراثتی قبضہ کا انہیں اندھا کار ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ وہ کسان ہوتے ہیں جنہیں زمین پر مہرانی کے قبضہ کا حق ہوتا ہے۔ ’اولاد دانی‘ مہرانی‘ وہ کسان ہیں جنہیں مہرانی کے قبضہ کا بھی



آتا ہے تو بازار کے بڑے ہونے بہاؤ کے آدھار پر یا آگے بڑھنے کی  
 اُسہدائی کے آدھار پر لگان بوجھ دینا جاتا ہے۔ اسی کارن کسی  
 کسان کے پاس ایک سال سے زیادہ دنوں تک کھیت نہیں  
 دھلے پاتا۔ قدرتی طور پر کسان کو پیداوار بڑھانے کی لکن  
 نہیں دھتی کہونکہ وہ جانتا ہے کہ پیداوار بڑھانے سے اُس  
 کا لگان بھی بڑھ جائے گا۔

کسی صورت میں بھی زمیندار پورا کا پورا لگان معاف نہیں کرتا۔ جب پانی بالکل ہی نہیں ہوتا اور فصل بالکل ہی خراب ہو جاتی ہے تو لگان میں کچھ کمی ضرور کی جاتی ہے۔ یہ کمی ایک آدھ آدمیوں نے لگے نہیں کی جاتی بلکہ پورے پورے گاؤں کے کسانوں کے لگے کی جاتی ہے۔ ان حالتوں میں عام طریقے سے مقرر لگان کو 'ورم لگان' میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ 'ورم' اُس لگان کو کہتے ہیں جو زمین کا مالک پیداوار کا کچھ حصہ کسان سے لگان کی صورت میں لے لیتا ہے اور نقد دام نہیں مانگتا۔ اِس طرح کسان کو نقصان پہنچتا ہوتا ہے۔ اِسی لگت بھی وصول نہیں ہو پاتی۔ سچی بات یہ ہے کہ لگان میں چھوٹ دیلے گا کوئی نعم نہ ہونے کی وجہ سے کسان ہوشہ کھاتے میں رہتا ہے۔

گھول سلا ہار میں لمبی معہاد کی لگان داری کی صورت  
میں کسان کو کھیت کو ترقی دینے کا معاوضہ ملتا ہے ۔  
کم معہاد والی لگان داری میں وہ بھی نہیں ملتا ۔

لوہر کی باتوں سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رحمت واری  
علاقہ کا کعبہ ہالک مالک کی مرفی پر ہے۔ ہر فصل کے  
ساتھ لگان داری کا آبکا حق ختم ہو جاتا ہے۔ موروثی  
اور لمبی معاد کے لگانداری کے اندھار پر بھی وہ کوئی ادھک  
حق نہیں پا سکتا۔

### مسئله دار کا حق — ایک تاریخی جھلک

دعوتِ واری لگاندار ہمیشہ سے آج کی طرح دہلی نہیں  
تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے شروع کے شروع کے 'کلکٹوں' مالکداری  
بورڈ کے ریکارڈوں اور شروع شروع کے برتھی راج کے کلکٹروں  
کے ۱۷۹۹ء ہونے نرٹ اس بات کا ثبوت ہوں کہ مدراس  
میں بہت دنوں تک دعوتِ واری لگان داروں کو سلطنت  
کا حق تھا۔ اس بات کا ذکر مدراس کے کلکٹر مسٹر پلہسی  
کی 6 جون 1799 کی 'رپورٹ میں ملتا ہے۔ یہ رپورٹ  
ایسٹ انڈیا کمپنی کے مسٹروں پر خاصی کمپنی  
کی پانچویں رپورٹ کی سولہویں جوز کی صورت میں  
چھپی ہے۔

1814ء ایک کلکتہ کی گواہی

1814 میں مدراس کے کلکٹر مسٹر ایف. قہلو۔  
ایلس نے بھی لکھا ہے کہ کسانوں کو زمین پر ہمسائیگی  
کے قبضہ کا حق تھا۔



ہم اب دوسری بیڑیوں کے ساتھ ساتھ یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ مدراس کی دھت واری پر تھا مفسد کسان کی کیا حالت ہے اور کس طرح ان گڈ کسیتوں پر خواہ مخواہ روپیہ خرچ کیا گیا ہے۔ ان کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ آج بھی زمین پر کسان کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس معاملے میں دوسرے صوبوں کی کانگریسی سرکاروں کے مقابلے میں بھی مدراس سرکار بہت پھرتی رہی ہے۔

مدیر اس کا دعوتی کا شکر

مدراس میں زمون کی حکومت کے بہت سے قاعدے ہیں—زمونداروں، انعام داروں، رعیت داروں، جلمی، ملتانى وغیرہ۔ مالا پار اور دکھلی کفارے کو چھوڑ کر جہاں کلم، دار اور ملتانى کاشتکار، اصلی کاشتکار اور رعیت کے درمیان بھولنے کی حیثیت سے ہوں ریاست اور میں اسے بھولوں کو اور کہوں یہی قانونی ماننا نہیں ملی۔ بڑے بڑے نجی تعلقوں یا سلسلہوں جیسے "دھواستھانام" کے تعلقوں میں بڑے بڑے بھولنے ہوتے ہیں جو تعلقوں سے زمون لے کر چھوٹے چھوٹے کسانوں کو لگان پر دیتے ہیں۔ لیکن عام طریقہ سے رعیت خود ہی کسان سے لون لین رکھتا ہے۔

## لکھن کا طریقہ

سہلچاؤ زمہن پردھان اور سوکھی زمہن پر جو وفہرہ  
جھسی فصلوں کا لگان دو طریقے سے طے ہوتا ہے۔ ایک تو لگان  
کی پرتھا کے اندھار پر اور دوسرے زمہن کے اچھاؤ پن اور  
سہلچائی کی آسانی کے اندھار پر۔ ساجھ کی کھیتی میں  
کسان کو پوری پوداوار کا ایک تھائی سے دو تھائی تک  
زمہندار کو دینا پوتا ہے۔ یہی حالت اُس مقررہ لگان  
کی بھی ہے جو جنس کے روپ میں لیا جاتا ہے۔ کسان  
ایک تھائی ادا کرے یا دو تھائی یہ بات دو اندھار پر طے  
ہوتی ہے۔ ایک تو لگان کی پرتھا اور زمہن کے اچھاؤ پن  
اور سہلچائی کی آسانی کے اندھار پر اور دوسرے اِس اندھار  
پر کہ زمہندار کل خرچ کا قعلا حصہ خود برداشت کرتا  
ہے۔ دکھلی شلعمیں میں ساجھ کی کھیتی کا بہت رواج  
ہے۔ لکھک تو اچھوت اور بہت ہی غریب کسان اسطرح  
کے کاہتکار ہوتے ہیں۔ مقررہ لگان پر وہ کسان کھیت لیتے  
ہیں جن کے پاس کچھ نہ کچھ پیسہ ہو جاتا ہے۔ کُلا  
نہیں، تمباکو اور موم پہلی ایسی بھریاری فصلوں اگانے  
والے کھیتوں کا لگان نقدی شکل میں طے ہوتا ہے۔ کچھ  
نھلی کسان ہی اسطرح کے کھیت لے پاتے ہیں۔ ان  
کھیتوں کے لگان میں بڑھتی ہوئی دھتی ہے۔

پھر یہی فصلوں کے ہزاروں پہاڑ کو سامنے رکھ کر ان کو پھٹوں کا لڑائی طے ہوتا ہے۔ جب نہایت لکھنے کا



खेती की आमदनी और वर्ष 1945 में तमाम आबादी की औसत.

گھنٹی کی آمدنی اور خرچ—1945 مہینہ تمام  
آہائی کی اوسط۔

درجہ درجہ	1	2	3	4	5	تمام آبادی کی آمدنی کی آوسط
1. تمام آبادی پر ایک خاندان پر	4,332.1	1,339.6	687.5	686.1	477.7	902.3
2. تمام آبادی پر ایک آدمی پر	347.7	201.7	116.1	108.9	91.7	144.4
3. کل آبادی پر ایک آدمی پر	113.3	64.1	37.6	21.3	8.3	40.8
4. 3 : 4 آوسط	32.5	31.8	32.4	19.5	9.0	28.2

बम्बई यूनिवर्सिटी के डाक्टर बी. बी. सायन ने मद्रास सूबे की किसान समस्या पर काफी मेहनत और ज़ानबीन की है। उन्होंने पता लगाया है कि जो ज़मीन खेती करने वाले किसानों, छोटे रैयतों और छोटा धन्दा करने वालों के पास थी वह अब ज़मींदारों, सौदागरों और सरमाया-दारों के पास पहुँचती जा रही है। इस बारे में दूसरा रुख यह है कि ज़मीन सङ्कनती ज़मींदारों के पास से ग़ैर सङ्कनती ज़मींदारों के क़ब्ज़े में पहुँच रही हैं। डाक्टर सायन ने यह बात बड़े जोर से कही है कि क़र्ज़ देकर ज़मीन हड़पने का तरीक़ा देश के दूसरे हिस्सों में भी आम हो चला है।

लखनऊ कांग्रेस कमेटी के पैम्फलेट से पता चलता है कि सन 1945-46 से लेकर अब तक आमदनी का जो कुछ भी बटवारा किया गया है वह बड़े ज़मींदारों के हक में हो रहा है। ज़रूरी पैदावार की कीमतें बढ़ती जाती हैं। खास तौर से अन्न के दाम बहुत बढ़ गए हैं। इस बढ़ती से जो नफ़ा होता है वह बड़े ज़मींदारों के हिस्से में ही जाता है क्योंकि इनकी के पास बेचने के लिये बहुत सा माल होता है।

بھٹی پھونپھونستی کے ڈاکٹر وی . وی . سائن نے  
مدرسہ صوبے کی کسان سمیٹا ہر کافی مصدق اور چھان  
بھی کی ہے . انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ جو زمین کھیتی  
کر کے والے کسانوں چھوٹے زمیندار اور چھوٹا دھندا کرنے  
والوں کے پاس تھی وہ اب زمینداروں سوانکاروں اور  
سرمایہ داروں کے پاس پھونپھونستی جا رہی ہے . اس بارے  
میں دوسرا رخ یہ ہے کہ زمین سکونت زمینداروں کے  
پاس سے پھر سکونت زمینداروں کے قبضے میں پھونچ رہی ہے .  
ڈاکٹر سائن نے یہ بات بڑے زور سے کہی ہے کہ قرض  
دے کر زمین ہڑپاے کا طریقہ دیہات کے دوسرے حصوں  
میں بھی عام ہو چکا ہے .

اصل ناد کانگریس کمیٹی کے ہدفات سے ہٹتے چلتے آئے۔ سن 1945-46 سے لے کر اب تک آمدنی کا جو کچھ بھی پیداوار لیا گیا ہے وہ بڑے زمینداروں کے حق میں ہو رہا ہے۔ ضروری پیداوار کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ خاص طور پر اناج کے دام بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس بڑھوتری سے جو نفع ہوتا ہے وہ بڑے بڑے زمینداروں کے حصے میں ہی آتا ہے کیونکہ انہیں کے پاس ہوجانے کے لئے بہت سا مال ہوتا ہے۔



”کسانوں کے لیے درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان پر ایک آبادی کی 4 فی صدی کرپا بڑھا ہے۔ جہاں تک زمین والوں کی بات ہے ان کی حالت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ان کا کرپا 45.6 فی صدی تک پہنچ گیا ہے۔“

”کسانوں کے لیے درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان پر ایک آبادی کی 4 فی صدی کرپا بڑھا ہے۔ جہاں تک زمین والوں کی بات ہے ان کی حالت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ان کا کرپا 45.6 فی صدی تک پہنچ گیا ہے۔“

نیچے لکھا ڈیٹیل مری ریفرم کی کتاب Agrarian Reforms and Parity Economy سے لیا گیا ہے۔

نیچے لکھا ڈیٹیل مری ریفرم کی کتاب Agrarian Reforms and Parity Economy سے لیا گیا ہے۔

سن 1945 میں ہر علاقے کی اوسط آمدنی اور اوسط دیہی داری:

سن 1945 میں ہر علاقے کی اوسط آمدنی اور اوسط دیہی داری:

علاقہ	کونسا پیچھے آمدنی	آبادی پیچھے آمدنی	کونسا پیچھے دیہی داری	آبادی پیچھے دیہی داری
1. بیسنگامپٹم	754.8	112.1	289.2	42.9
2. سرکار کے کنارے	1010.5	161.8	336.4	53.9
3. سرکار کے پٹھان	1064.4	168.5	268.5	42.5
4. دکنی ضلع	623.5	107.0	269.7	46.3
5. کوناٹک	1017.8	174.5	327.9	56.2
6. کابری ڈیلٹا	774.1	125.6	191.9	31.1
7. کینٹری سٹریٹ	954.0	163.7	231.2	37.2
8. دکنی پٹھان کوٹہ	1030.9	164.0	140.1	22.3
9. دکنی پٹھان کوٹہ	969.8	169.9	253.8	43.9
10. پٹھان کوٹہ	880.3	121.8	307.6	42.5
کل اوسط	902.3	144.4	255.2	40.8

اوپر لکھی اوسط کو معمولی حساب سے جانچنے پر اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس لیے اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس لیے اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔

اوپر لکھی اوسط کو معمولی حساب سے جانچنے پر اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس لیے اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس لیے اس میں کافی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔



## مکمل زمین کی قیمت

(3) بڑے کسان جن کے پاس 5 ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔

(4) لگاندار، پور

(5) بڑے کسان جن کے پاس زمین بیکار نہیں ہے۔

جانب پر تال سے جو نتیجے نکلے وہ یہ ہیں :

### کُل کرپا

1939-49 1944-45  
2,191,64,000 روپا 2,177,15,000 روپا

ایک ہزار سال میں ایک ایکڑ کے پیچھے کرپا :

درجہ	1939	1945	کرپا	کلی ساری کرپا یا بڑی
1.	188.5	113.3	-75.2	-39.9
2.	78.8	59.4	-19.4	-24.6
3.	42.8	37.6	-5.2	-12.3
4.	20.5	21.3	+0.8	+4.1
5.	5.7	8.3	+2.6	+45.6

پانچ درجوں کا کلی ساری کرپا 1939 اور 1945 میں :

درجہ 1 2 3 4 5 کُل

(3) 1939 14.4 43.5 35.3 4.4 1.4 100.0

(4) 1945 10.8 41.0 38.7 7.0 2.5 100.0

(5) کلی ساری

(2) سے (1) تک 60.0 70.0 88.0 104 143 80.1

ڈاکٹر ناگھڑ جین خاص اور بڑے کسانوں پر پڑے وہ یہ ہیں :-

”ہم انکسوں سے پتا چلتا ہے کہ لوہائی کے دوران میں جو فائدے ہوئے وہ بڑے بڑے کسانوں کو ہی ہوئے۔ ان کے کل کرپے کا حصہ 1939 میں 14.4 فی صدی تھا۔ لیکن یہی کرپہ 1945 میں صرف 10.8 فی صدی رہ گیا۔ اسی طرح سے بڑے بڑے زمینداروں کا کرپہ 1945 میں 41 فی صدی رہ گیا۔ بڑے زمینداروں کا جو کرپہ 1945 میں 38.7 فی صدی رہ گیا۔ اس کا کرپہ 35.3 فی صدی رہ گیا۔ یعنی ان کا کرپہ 3.4 فی صدی ہوا۔“

”لگانداروں سے بھی پتا چلتا ہے کہ زمینداروں کے اوپر کرپہ بڑا ہے۔“

## مکمل زمین کی قیمت

(3) چھوٹے کسان جن کے پاس 5 ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔

(4) لگاندار اور

(5) بڑے کسان جن کے پاس زمین بیکار نہیں ہے۔

جانب پر تال سے جو نتیجے نکلے وہ یہ ہیں :

### کُل کرپہ

1944-45 1939-49  
2,177,15,000 روپہ 2,191,64,000 روپہ

ایک ایکڑ میں ایک ایکڑ کے پیچھے کرپہ :

درجہ	1939	1945	کرپہ	کلی ساری کرپہ یا بڑی
1.	188.5	113.3	-75.2	-39.9
2.	78.8	59.4	-19.4	-24.6
3.	42.8	37.6	-5.2	-12.3
4.	20.5	21.3	+0.8	+4.1
5.	5.7	8.3	+2.6	+45.6

پانچ درجوں کا فی صدی کرپہ 1939 اور 1945 میں :-

درجہ 1 2 3 4 5 کُل

(3) 1939 14.4 43.5 35.3 4.4 1.4 100.0

(4) 1945 10.8 41.0 38.7 7.0 2.5 100.0

(5) فی صدی

(2) سے (1) تک 60.0 70.0 88.0 104 143 80.1

ڈاکٹر ناگھڑ جین خاص اور بڑے کسانوں پر پڑے وہ یہ ہیں :-

”ہم انکسوں سے پتا چلتا ہے کہ لوہائی کے دوران میں جو فائدے ہوئے وہ بڑے بڑے کسانوں کو ہی ہوئے۔ ان کے کل کرپے کا حصہ 1939 میں 14.4 فی صدی تھا۔ لیکن یہی کرپہ 1945 میں صرف 10.8 فی صدی رہ گیا۔ اسی طرح سے بڑے بڑے زمینداروں کا کرپہ 1945 میں 41 فی صدی رہ گیا۔ بڑے زمینداروں کا جو کرپہ 1945 میں 38.7 فی صدی رہ گیا۔ اس کا کرپہ 35.3 فی صدی رہ گیا۔ یعنی ان کا کرپہ 3.4 فی صدی ہوا۔“

”لگانداروں سے بھی پتا چلتا ہے کہ زمینداروں کے اوپر کرپہ بڑا ہے۔“



بچے انہوں نے بھی اپنی زمینیں کسانوں کے علاقے پر آگیا ہے۔

مدراس سٹیٹ میں 72 لاکھ بڑے جमीدار اور 70 لاکھ چھوٹے جमीدار ہیں جو ریاست والے طریقے کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کے پاس 31 لاکھ ایکڑ آبادی والی جमीن ہے جس پر سرکار نے سیدھا کا پرہیز کیا ہے اور 185 لاکھ ایکڑ ایسی جमीن ہے جس پر آبادی نہیں کی جاتی۔ 70 لاکھ کاشتکاروں میں سے 5 لاکھ ایسے ہیں جن کے پاس سب سے کم زمین ہے۔ ان کی مالکداری پچاس روپے یا اس سے بھی کم ہے۔ ان کے پاس کل 11 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے اور 102 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے۔ دوسری طرف نئے قاتلوں تو پتہ چلے گا کہ 2 لاکھ ایسے مالک ہیں جو پچاس روپے سے زیادہ مالکداری دیتے ہیں۔ ان کے پاس 22 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سیدھا کا پرہیز کیا ہے اور 38 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں ہوتی۔

اگر فی صدی کے حساب سے اس دور کریں تو معلوم ہوگا کہ چھوٹے زمیندار 97 فی صدی ہیں۔ ان میں سے 59 فی صدی کے پاس سیدھا زمین ہے۔ ان کو اس بات کی گارنٹی دی گئی ہے کہ ان کو سیدھا کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ بڑے زمیندار قریب 3 فی صدی ہیں۔ ان کے پاس 41 فی صدی سیدھا زمین ہے۔ ان کو بھی سیدھا کے لئے پانی کی گارنٹی ہے۔ چھوٹے زمینداروں کے پاس 88 فی صدی اور بڑے زمینداروں کے پاس 17 فی صدی سیدھا زمین ہے۔

یہ آگے 1945-46 میں تمل ناڈو کانگریس کمیٹی کے رپورٹ میں ملتا ہے۔ اس میں اس حالت کا ذکر نہیں ہے جو بڑی جنگ کے بعد سامنے آئی۔

ڈاکٹر بی. بی. نارائن سوامی نے 1946 میں اس بارے میں جانچ پڑتال کی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ کسانوں کی تہذیب بہت غریبی تھی۔ لیکن کھیتی موزوںوں کی حالت میں ترقی نہیں ہوئی۔ 1939 میں مدراس سٹیٹ میں قرض قریب 272 کروڑ روپے تھا۔ 1945 میں یہ قرض قریب 218 کروڑ روپے رہ گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض میں 45 کروڑ کی بڑھوتری ہو گئی۔

جانچ پڑتال کے لئے ڈاکٹر بی. بی. نارائن سوامی نے کھیتی کرنے والی آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ وہ یہ ہیں:

- (1) وہ بڑے کسان جن کے پاس 25 ایکڑ یا اس سے زیادہ سیدھا زمین ہے۔
- (2) وہ بڑے کسان جن کے پاس 5 اور 25 ایکڑ کے درمیان زمین ہے۔

مدراس سٹیٹ میں 72 لاکھ بڑے زمیندار اور 70 لاکھ چھوٹے زمیندار ہیں جو ریاست والے طریقے کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کے پاس 31 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سیدھا کا پرہیز کیا ہے اور 185 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں کی جاتی۔ 70 لاکھ کاشتکاروں میں سے 5 لاکھ ایسے ہیں جن کے پاس سب سے کم زمین ہے۔ ان کی مالکداری پچاس روپے یا اس سے بھی کم ہے۔ ان کے پاس کل 11 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے اور 102 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے۔ دوسری طرف نئے قاتلوں تو پتہ چلے گا کہ 2 لاکھ ایسے مالک ہیں جو پچاس روپے سے زیادہ مالکداری دیتے ہیں۔ ان کے پاس 22 لاکھ ایکڑ آبادی والی زمین ہے جس پر سرکار نے سیدھا کا پرہیز کیا ہے اور 38 لاکھ ایکڑ ایسی زمین ہے جس پر آبادی نہیں ہوتی۔

اگر فی صدی کے حساب سے اس دور کریں تو معلوم ہوگا کہ چھوٹے زمیندار 97 فی صدی ہیں۔ ان میں سے 59 فی صدی کے پاس سیدھا زمین ہے۔ ان کو اس بات کی گارنٹی دی گئی ہے کہ ان کو سیدھا کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ بڑے زمیندار قریب 3 فی صدی ہیں۔ ان کے پاس 41 فی صدی سیدھا زمین ہے۔ ان کو بھی سیدھا کے لئے پانی کی گارنٹی ہے۔ چھوٹے زمینداروں کے پاس 88 فی صدی اور بڑے زمینداروں کے پاس 17 فی صدی سیدھا زمین ہے۔

یہ آگے 1945-46 میں تمل ناڈو کانگریس کمیٹی کے رپورٹ میں ملتا ہے۔ اس میں اس حالت کا ذکر نہیں ہے جو بڑی جنگ کے بعد سامنے آئی۔

ڈاکٹر بی. بی. نارائن سوامی نے 1946 میں اس بارے میں جانچ پڑتال کی۔ اس جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ کسانوں کی تہذیب بہت غریبی تھی۔ لیکن کھیتی موزوںوں کی حالت میں ترقی نہیں ہوئی۔ 1939 میں مدراس سٹیٹ میں قرض قریب 272 کروڑ روپے تھا۔ 1945 میں یہ قرض قریب 218 کروڑ روپے رہ گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض میں 45 کروڑ کی بڑھوتری ہو گئی۔

جانچ پڑتال کے لئے ڈاکٹر بی. بی. نارائن سوامی نے کھیتی کرنے والی آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ وہ یہ ہیں:

- (1) وہ بڑے کسان جن کے پاس 25 ایکڑ یا اس سے زیادہ سیدھا زمین ہے۔
- (2) وہ بڑے کسان جن کے پاس 5 اور 25 ایکڑ کے درمیان زمین ہے۔



بجائے 'ریت' کھیتان اپنی جہاں کو بچاؤ کرانے اور اس میں کچھ بیج اسے مال کرنے کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ یہ سب سے اہم وجہ ہے جس کے کارن کھیتی مدراس میں ترستی نہیں کر رہی ہے۔

ریتواری تریکے میں وہی کمجوریاں آا गईں جو پہلے جمیاداری تریکے میں پائی جاتی थीں۔ جمیاداری والی جگہوں پر کسانوں نے اپنی جہوجہد کے کارن کچھ ریتاوتے اور ہک ڈاسیل کر لیتے थे لکین ریتواری تریکے میں کسان کے بالے کچھ بھی ن پدا۔ بکے دیکھ کے ساک کھنا پکاتا ہے کی ریت اور کسانوں کے بیچ مام-سااٹ چلوانے کی کوششا سرکار نے بھی نہیں کی۔ اسکا نتیجا یہ ہوا کی جوتی ملکوں پونجی پونجی اور سرمایداروں کے ہاتھ میں پہنچ گئیں۔ یہ بات خاص طور پر 1928 میں بریٹار میں ملنی آ جانے کے سم ہوئی۔ 1934 میں سرکار نے اس کی جانچ پرتال کرائی۔ اس جانچ پرتال سے معلوم ہوا کہ ریت واری زمین قریب قریب 10,351 ہزار ایکڑ ہے جس کا 20 فی صدی یا 2,070 ہزار ایکڑ اُن لوگوں کے پاس چلا گیا ہے جو کھیتی نہیں کرتے۔ اس طرح چھوٹے اور بچے کے ہتھ دار بے کھیت ہو گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کل بھی یہی حالت ہے۔ اس طرح شی ریڈنڈر نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ کسان پیداوار کا ہوا حصہ زمیندار کو ملتا ہے۔ بچے کا ٹھیل اس پر روشنی ڈالتا ہے :

کسان کا حصہ زمیندار کا حصہ  
ایک ایکڑ میں (فی صدی) ایک ایکڑ میں (فی صدی)

ضلع	کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی)	زمیندار کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی)
چنگل پٹ	33	67
لکھنؤ	16.1	83.9
پوری گوداوری	40.1	59.9
دربھا پٹنم	44.4	55.6
اکر اڑکھا	23.1	76.9
بھدروی	43.5	56.5
تھنڈولی	24.3	75.7
کویسٹور	7.6	92.4
دکن گڈا	43.5	56.5

کسان کا ہتھوڑا ٹھیک ڈھنگ سے نہ ہونے کے کارن سود کی دیر بکڑ गई ہے، کسان چوستے جا رہے ہیں اور غریب ہوتے جا رہے ہیں، مچھوڑی کے دام گیر گپ ہے اور رکن سڈن کا دجا کافی گیر گیا ہے۔ آجکل مدراس اور دوسرے ضلعوں کی حالت بہت زیادہ خطرناک ہے۔

جو کسان ریت واری طریقے میں آتے ہوں وہ قریب قریب 56 سے 60 فی صدی تک ہوں۔ 15 فی صدی ایسے زمیندار ہوں جو گلوں سے دور رہتے ہوں۔ انہوں نے اپنی زمین بچے پر آٹھا رکھی ہے۔ 25 سے 30 فی صدی تک چوپائی

وجہ سے 'ریت' کھیتان اپنی زمین کو بچاؤ کرتے اور اس میں کچھ بیج استعمال کرنے کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ یہ سب سے اہم وجہ ہے جس کے کارن کھیتی مدراس میں ترستی نہیں کر رہی ہے۔

ریت واری طریقے میں وہی کمجوریاں آگئیں جو پہلے زمینداروں کے ہاتھ میں پائی جاتی تھیں۔ زمینداروں والی جگہوں پر کسانوں نے اپنی جہوجہد کے کارن کچھ ریتاوتے اور ہک ڈاسیل کر لیتے थे لکین ریت واری طریقے میں کسان کے بالے کچھ بھی نہ پدا۔ بکے دیکھ کے ساک کھنا پکاتا ہے کہ ریت اور کسانوں کے بیچ معاملات سلجھانے کی کوشش سرکار نے بھی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی چھوٹی ملکوں پونجی پونجی اور سرمایداروں کے ہاتھ میں پہنچ گئیں۔ یہ بات خاص طور پر 1928 میں بریٹار میں ملنی آ جانے کے سم ہوئی۔ 1934 میں سرکار نے اس کی جانچ پرتال کرائی۔ اس جانچ پرتال سے معلوم ہوا کہ ریت واری زمین قریب قریب 10,351 ہزار ایکڑ ہے جس کا 20 فی صدی یا 2,070 ہزار ایکڑ اُن لوگوں کے پاس چلا گیا ہے جو کھیتی نہیں کرتے۔ اس طرح چھوٹے اور بچے کے ہتھ دار بے کھیت ہو گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کل بھی یہی حالت ہے۔ اس طرح شی ریڈنڈر نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ کسان پیداوار کا ہوا حصہ زمیندار کو ملتا ہے۔ بچے کا ٹھیل اس پر روشنی ڈالتا ہے :

کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی) زمیندار کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی)

ضلع	کسان کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی)	زمیندار کا حصہ ایک ایکڑ میں (فی صدی)
چنگل پٹ	33	67
لکھنؤ	16.1	83.9
پوری گوداوری	40.1	59.9
دربھا پٹنم	44.4	55.6
اکر اڑکھا	23.1	76.9
بھدروی	43.5	56.5
تھنڈولی	24.3	75.7
کویسٹور	7.6	92.4
دکن گڈا	43.5	56.5

زمین کا ہتھوڑا ٹھیک ڈھنگ سے نہ ہونے کے کارن سود کی دیر بکڑ گئی ہے، کسان چوستے جا رہے ہوں اور غریب ہوتے جا رہے ہوں، مچھوڑی کے دام کر گئے ہوں اور دھن سڈن کا درجہ کافی گر گیا ہے۔ آجکل مدراس اور دوسرے ضلعوں کی حالت بہت زیادہ خطرناک ہے۔

جو کسان ریت واری طریقے میں آتے ہوں وہ قریب قریب 56 سے 60 فی صدی تک ہوں۔ 15 فی صدی ایسے زمیندار ہوں جو گلوں سے دور رہتے ہوں۔ انہوں نے اپنی زمین بچے پر آٹھا رکھی ہے۔ 25 سے 30 فی صدی تک چوپائی



تقریباً نیچے دیئے آؤکڑوں سے ساک ساک مالکس ہو جائیگی :

تقریباً نیچے دیئے آؤکڑوں سے صاف صاف معلوم ہو جائے گی :

میلکیات کی تاواہ پکڑ میں ملکوت کی تعداد ایکڑ میں	رجسٹرڈ مالکوں کی تاواہ लाख میں رجسٹرڈ مالکوں کی تعداد لاکھ میں	ہر پلو کی گینتی کا پکڑی جوڑ ہر گروپ کی گنتی کا فی صدی جوڑ	زمین کی میلکیات लाख پکڑ میں زمین کی ملکیت لاکھ ایکڑ میں	ہر پلو کی میلکیات کا جوڑ پکڑی میں ہر گروپ کی ملکیت کا جوڑ فیصدی میں	ماملی زمین کا جوڑ پکڑ میں ماملی زمین کا جوڑ ایکڑ میں	سیدھا زمین کا حصہ سیدھا زمین کا حصہ ایکڑ میں
1 ایکڑ سے نیچے	5.0	24.0	1.62	2.5	0.32	0.06
1—3 ایکڑ	10.0	48.0	15.1	23.3	1.5	0.0
3—9 ” ”	3.8	18.3	17.2	26.5	4.5	1.4
9—12 ” ”	1.1	5.3	8.1	12.5	7.4	3.0
12—18 ” ”	0.6	2.9	7.6	17.7	12.7	5.6
18—50 ” ”	0.22	1.1	6.2	9.6	28.2	14.6
50 سے زائد ” ”	0.08	0.4	9.0	13.9	112.5	61.8

اوپر کی ڈیٹیل سے مالکس ہو جاتا ہے کہ ان چھ صوبوں میں 90.3 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس ٹوٹک 52.3 فیصدی زمین ہے اور 9.7 فیصدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 47.7 فیصدی زمین ہے۔

مدراس صوبے کا دو تہائی حصہ رعیت واری تھا اور باقی ایک تہائی زمینداروں کے پاس تھا۔ آج کل کیا صورت ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ رعیت واری طریقے میں سرکار اور چوٹائی کرنے والے کے بیچ سودا دھندہ ہوتا رہتا ہے۔ اصل میں رعیت ہی زمین کی مالک ہوتی ہے۔ لیکن اب ایسے بہت سے رعیت ہیں جو خود چوٹائی نہیں کرتے۔ رعیت اس رجسٹرڈ زمیندار کو کہتے ہیں جس کے پاس ایک خاص زمین کا ٹکڑا ہوتا ہے اور جس پر اس کو پورا اختیار رہتا ہے۔ ایسے رعیت سرکار کو مالکداری دیتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس بڑی زمینداروں میں انہوں نے دوسرے لونچے کام اپنا لئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ گاؤں سے دور جا کر بس گئے ہیں۔ عام طور پر وہ اپنی زمین سائلہ لگان پر کسانوں کو دے دیتے ہیں۔ ایسے کسانوں کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا جاتا۔ ایسے کسانوں کی حالت ان کسانوں سے زیادہ خراب ہے جن کے لئے آؤ پریس میں 1926 میں آؤرہ پولیسی ایکٹ پاس ہوا تھا۔ انہیں تمام کاربن اور پریشانوں کی

مدراس صوبے کا دو تہائی حصہ رعیت واری تھا اور باقی ایک تہائی زمینداروں کے پاس تھا۔ آج کل کیا صورت ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ رعیت واری طریقے میں سرکار اور چوٹائی کرنے والے کے بیچ سودا دھندہ ہوتا رہتا ہے۔ اصل میں رعیت ہی زمین کی مالک ہوتی ہے۔ لیکن اب ایسے بہت سے رعیت ہیں جو خود چوٹائی نہیں کرتے۔ رعیت اس رجسٹرڈ زمیندار کو کہتے ہیں جس کے پاس ایک خاص زمین کا ٹکڑا ہوتا ہے اور جس پر اس کو پورا اختیار رہتا ہے۔ ایسے رعیت سرکار کو مالکداری دیتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس بڑی زمینداروں میں انہوں نے دوسرے لونچے کام اپنا لئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ گاؤں سے دور جا کر بس گئے ہیں۔ عام طور پر وہ اپنی زمین سائلہ لگان پر کسانوں کو دے دیتے ہیں۔ ایسے کسانوں کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں دیا جاتا۔ ایسے کسانوں کی حالت ان کسانوں سے زیادہ خراب ہے جن کے لئے آؤ پریس میں 1926 میں آؤرہ پولیسی ایکٹ پاس ہوا تھا۔ انہیں تمام کاربن اور پریشانوں کی



اوپر لکھے آٹکوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آٹھ سے زیادہ کھیتی کرنے والوں کے پاس دو ایکڑ سے بھی کم فائدہ پہونچانے والی زمین ہے۔ یہ زمین ان کے گزر بسر کے لئے پوری نہیں ہوتی، اس لئے یہ زمین مرنے تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ اگر اس بات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ مدراس کی 82 فی صدی کھیتی کرنے والی آبادی کے پاس آٹھ سے بھی کم فائدہ پہونچانے والی زمین ہے تو سمجھا نہ ہوگا۔

نیچے لکھے آٹکے تاملناڈو کانگریس سے ریسرچ محکمہ نے لکھے ہیں، اس سے یہ بات اور صاف ہو جاتی ہے:

نہجے لکھے آٹکے تامل ناڈو کانگریس کے ریسرچ محکمہ نے لکھے ہیں، اس سے یہ بات اور صاف ہو جاتی ہے:

مدراس صوبے میں رعیتداری زمین کا ہتوارہ مدراس صوبے میں رعیتداری زمین کا ہتوارہ

میلکییت کی تاواہ ایکڑ میں ملکیت کی تعداد ایکڑ میں	رجسٹرڈ مالکوں کی تاواہ लाख में رجسٹرڈ مالکوں کی تعداد لاکھ میں	هر موط کی گینتی کی ف्री سदी का जोड़ हर گروپ کی گنتی کی فی صدی کا جوڑ	زمین کی ملکیت کی تعداد لاکھ میں	هر موط کی ملکیت کی ف्री سदी में ظاہر کیا گیا	ماملی زمین کا آسوت ایکڑ میں	آبادی کا زمین کا حصہ ایکڑ میں
1 ایکڑ سے نیچے	16.4	22.8	9.5	3.4	0.58	0.07
1—3 ایکڑ	39.7	55.1	104.3	37.8	2.6	0.2
3—9 ” ”	11.2	15.6	75.0	27.2	6.7	1.2
9—12 ” ”	2.7	3.8	28.3	10.2	10.7	2.8
12—18 ” ”	1.4	1.9	23.4	8.3	16.7	5.1
18—50 ” ”	0.46	0.6	16.9	6.2	42.0	16.0
50 ایکڑ سے اوپر	0.14	0.2	18.9	6.9	134.0	55.0

ان آٹکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 93.5 فی صدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 68.4 فی صدی زمین ہے اور 6.5 فی صدی زمین سے فائدہ اٹھانے والوں کے پاس 31.6 فی صدی کھیتی کی زمین ہے۔

چھ ضلعوں میں—ملاپار، تلچور، گنٹور، کستور، پوربی گوداوری اور پچیمس گوداوری میں رعیتداری زمین کی

چھ ضلعوں میں—ملاپار، تلچور، گنٹور، کستور، پوربی گوداوری اور پچیمس گوداوری میں رعیتداری زمین کی



مدراس جیلے کی آبادی سب سے جیادہ ہے اور آبادی جیادہ ہونے کے کارن خیتی باری کی جمنی کم پڑ جاتی ہے۔ جمنی کا بچھا اور بچاؤ حصہ ایسے لوگوں کے پاس ہے جو خیتی باری نہیں کرتے۔ اور سیکر یہی کارن ہے کی خیتی باری کرنے والے لوگ ناخوش ہیں۔

نیچے لیکھے آٹکڈوں سے یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتیگی کی مدراس جیلے میں آسٹت خیتی کرنے والے ایک آبادی اور ایک خاندان کی کیا حالت ہے۔ اسلی حالت تو اس سے ادھک دردناک اور بچرہج ہوتی ہے۔

مدراس جیلے کی آبادی سب سے زیادہ ہے اور آبادی زیادہ ہونے کے کارن خیتی باری کی زمین کم ہو جاتی ہے۔ زمین کا اچھا اور اچھاؤ حصہ ایسے لوگوں کے پاس ہے جو خیتی باری نہیں کرتے۔ اور صرف یہی کارن ہے کہ خیتی باری کرنے والے لوگ ناخوش ہیں۔

نیچے لیکھے آٹکڈوں سے یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتیگی کہ مدراس جیلے میں آسٹت خیتی کرنے والے ایک آدمی اور ایک خاندان کی کیا حالت ہے۔ اصلی حالت تو اس سے ادھک دردناک اور بچرہج ہوتی ہے۔

	جوتا دھڑا رکھا (ایکڑ)	جوتا دھڑا بیکار (ایکڑ)	کل (ایکڑ)	
	جوتا ہوا رقبہ (ایکو)	جوتا ہوا بیکار رقبہ (ایکو)	کل (ایکو)	
ایک کسان پر آسٹت رقبہ	0.86	0.59	1.45	ایک کسان پر آسٹت رقبہ
ایک خاندان پر آسٹت رقبہ	5.29	3.64	8.93	ایک خاندان پر آسٹت رقبہ

ایک خاندان میں پانچ جوان آدمیوں کی آسٹت مانی گئی ہے۔

نیچے لیکھے آٹکڈوں سے سب سے زیادہ کا سب سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ آٹکڈے نائب سرورے ڈائریکٹر نے دیے ہیں۔ وہ سیکرل سرورے آفس مدراس کے انچارج میں :

ایک خاندان میں پانچ جوان آدمیوں کی آسٹت مانی گئی ہے۔

نیچے لیکھے آٹکڈوں سے سب سے زیادہ کا سب سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ آٹکڈے نائب سرورے ڈائریکٹر نے دیے ہیں۔ وہ سیکرل سرورے آفس مدراس کے انچارج میں :

#### رقبہ مربع میل

1. زمینداروں جس میں انعامدار بھی شامل نہ 75,604.94
2. پورے انعامدار 7,415.77
3. زمینداروں 25,661.29
4. رزرو جنگلات اور پہاڑیاں 17,146.95

کل 125,828.95

آری ریکڈر کا کہنا ہے کی سب سے جمنی تین طرح سے بانٹی جا سکتی ہے—یانی اگر وہ آبادی والی ہو تو 20 ایکڑ، باری والی ہو تو 10 ایکڑ اور اگر وہ سب سے زیادہ آبادی والی ہو تو 30 ایکڑ۔ اس سے یہ ساک جادیر ہو جاتا ہے کی ایک خیتی کرنے والا خاندان مدراس میں ایسی زمین پر جوئی کرنا ہے جس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ نیچے لیکھے آٹکڈے اس بارے میں آٹکڈے کہتے ہیں :

آسٹت گینتی ان خاندانوں کی جو ایسی جمنی رکھتے ہیں :

2 ایکڑ سے بھی کم	51 کی سدی
2 سے 5 ایکڑ تک	11 کی سدی
5 سے 10 ایکڑ تک	7 کی سدی
10 ایکڑ سے زائد	11 کی سدی

آری ریکڈر کا کہنا ہے کہ سب سے زیادہ آبادی والی ہو تو 20 ایکڑ، باری والی ہو تو 10 ایکڑ اور اگر وہ سب سے زیادہ آبادی والی ہو تو 30 ایکڑ۔ اس سے یہ ساک جادیر ہو جاتا ہے کی ایک خیتی کرنے والا خاندان مدراس میں ایسی زمین پر جوئی کرنا ہے جس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ نیچے لیکھے آٹکڈے اس بارے میں آٹکڈے کہتے ہیں :

2 ایکڑ سے بھی کم	51 فی صدی
2 سے 5 ایکڑ تک	31 فی صدی
5 سے 10 ایکڑ تک	7 فی صدی
10 ایکڑ سے زائد	11 فی صدی



جیسے کھیتوں کی بھی میٹھا لیں کی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گاؤں والے مل کر کام کریں۔ ہندو سرکار نے اپنی پانچ سالہ योजना میں بھی اسی بات پر کافی زور دیا ہے۔ مائیس ڈاٹ نے اس 'ساموہیک گاؤں تنظیم' کی بات کو دو چوڑوں پر سباری کرنے جیسا بتایا ہے۔

ایک سچے ریڈیئر گرو نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: "کھیتی باری کا سوال آج جتنا ضروری ہے اتنا پہلے کبھی نہیں رہا۔ اس سوال کے مسئلے پر ہمیشہ سولہلی ماں جیسا ہونا چاہیے تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دلچسپی بھی اس سوال پر بہت ہی کم دکھائی گئی ہے۔"

اب ہم اس بات پر وچار کریں کہ مدراس سرکار نے کس طرح رقمہ کو تقسیم کیا ہے:

تقسیم مدراس صوبے میں 1946-47 میں  
(میں تہی، کستل اور موسم رپورٹ کے متاثر ہے۔)  
تقسیم

ایک سچے ریڈیئر گرو نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: "کھیتی باری کا سوال آج جتنا ضروری ہے اتنا پہلے کبھی نہیں رہا۔ اس سوال کے مسئلے پر ہمیشہ سولہلی ماں جیسا ہونا چاہیے تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دلچسپی بھی اس سوال پر بہت ہی کم دکھائی گئی ہے۔"

اب ہم اس بات پر وچار کریں کہ مدراس سرکار نے کس طرح رقمہ کو تقسیم کیا ہے:

تقسیم مدراس صوبے میں 1946-47 میں  
(میں تہی، فصل اور موسم رپورٹ کے مطابق ہے۔)  
تقسیم

رقبہ ایکڑ میں	رقبہ ایکڑ میں
31,035,475 (a)	کل رقبہ ہوائی
13,496,668	جنگل
14,054,038	پانی
9,498,721 (b)	وہ زمین جس پر چٹائی نہیں ہوئی اور ایک سال کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے
9,498,721 (c)	آجکل کی ایسی زمین جس پر ایک سال کے لئے چٹائی کی ضرورت نہیں ہے۔
79,933,806	کل رقبہ

آری ریڈیئر کی کتاب کے अनुसार مدراس میں خیتی کرنے والوں کی آبادی تقریباً 36,142,332 ہے۔ یہ کتاب 1951 کی مردم شماری سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اس آبادی کو نوچے کچے ضلعوں میں بانٹا گیا ہے:

ضلع کا نام	خیتی کرنے والوں کی آبادی	ضلع کا نام	خیتی کرنے والوں کی آبادی
بیجاپور	3,064,163	دکن	36,142,332
پوربی گوداوری	1,479,069	دکن	36,142,332
پوربی گوداوری	1,137,068	دکن	36,142,332
کستل	1,062,807	دکن	36,142,332
گنور	1,818,471	دکن	36,142,332
کرنول	986,206	دکن	36,142,332
بیلاری	807,265	دکن	36,142,332
انڈیا پور	1,025,245	دکن	36,142,332
کدپا	8,99,260	دکن	36,142,332
نیلور	1,420,196	دکن	36,142,332
چنگل پٹ	1,483,373	دکن	36,142,332
دکن اراکٹ	2,425,737	دکن	36,142,332
چنگل پٹ	1,50,5417	دکن	36,142,332

ہری ریڈیئر کی کتاب کے अनुसार مدراس میں کھیتی کرنے والوں کی آبادی تقریباً 36,142,332 ہے۔ یہ کتاب 1951 کی مردم شماری سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اس آبادی کو نوچے کچے ضلعوں میں بانٹا گیا ہے:

ضلع کا نام	خیتی کرنے والوں کی آبادی	ضلع کا نام	خیتی کرنے والوں کی آبادی
اتو اراکٹ	2,172,165	دکن	36,142,332
سالیم	2,23,2879	دکن	36,142,332
کویمبٹور	1,228,693	دکن	36,142,332
تیرتھناپلی	1,729,678	دکن	36,142,332
تتتور	2,119,949	دکن	36,142,332
مدورا	1,595,934	دکن	36,142,332
رامناڈ	1,102,462	دکن	36,142,332
تینبلی	1,362,432	دکن	36,142,332
ملاپار	2,486,328,	دکن	36,142,332
دکن کمارا	960,713	دکن	36,142,332
نیلگیری	36,823	دکن	36,142,332
سوا	36,142,332	دکن	36,142,332



## مدراس میں خेتی کی समस्या

(کرنل جرنل)

مدراس سرکار نے خیتی سوار کو ڈالنے کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے۔ 'جنرل کی آواز' اور 'جمنی دار سبھا کی آواز' کا بھانا لے کر سرکار نے ان کے درمیان میں ایک ہی طرح کا پتہ چار ہو گیا۔ لیکن پچھلے کئی سالوں سے سرکار کی ان کوششوں کے جو نتیجے نکلے ہیں وہ نہایت کم ہیں۔

بڑے بڑے جمنی داروں نے کمارپا کمیٹی کو ایک طرف اور کمیونسٹ طریقے کا کارڈ دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمیٹی ان سواروں پر پھر سے سوجانے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکار کی کمیٹی نے بھی کمارپا کمیٹی کے تمام سچاؤں کو رد کر دیا اور لیکن اور کمیٹی تھیں کے بارے میں کچھ حدائقہ دیں۔ لیکن سواروں نے پھر سرکاری کمیٹی کی حدائقہ کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمیٹی ہل کی بحث چلائی لیکن سواروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے 'ملائڈری بلڈریسٹ' اچھی سہلچائی اور تھیں کی تھک وصولی وغیرہ کے بھی سچاؤ سرکار نے رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسی کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھلا گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوار اپنی سر میں مٹی کرتے گئے۔

## مدراس میں خیتی کی سمسیا

(کرنل جرنل)

سواروں نے کمارپا کمیٹی کو ایک طرف اور کمیونسٹ طریقے کا کارڈ دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمیٹی ان سواروں پر پھر سے سوجانے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکار کی کمیٹی نے بھی کمارپا کمیٹی کے تمام سچاؤں کو رد کر دیا اور لیکن اور کمیٹی تھیں کے بارے میں کچھ حدائقہ دیں۔ لیکن سواروں نے پھر سرکاری کمیٹی کی حدائقہ کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمیٹی ہل کی بحث چلائی لیکن سواروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے 'ملائڈری بلڈریسٹ' اچھی سہلچائی اور تھیں کی تھک وصولی وغیرہ کے بھی سچاؤ سرکار نے رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسی کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھلا گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوار اپنی سر میں مٹی کرتے گئے۔

سواروں نے کمارپا کمیٹی کو ایک طرف اور کمیونسٹ طریقے کا کارڈ دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمیٹی ان سواروں پر پھر سے سوجانے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکار کی کمیٹی نے بھی کمارپا کمیٹی کے تمام سچاؤں کو رد کر دیا اور لیکن اور کمیٹی تھیں کے بارے میں کچھ حدائقہ دیں۔ لیکن سواروں نے پھر سرکاری کمیٹی کی حدائقہ کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمیٹی ہل کی بحث چلائی لیکن سواروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے 'ملائڈری بلڈریسٹ' اچھی سہلچائی اور تھیں کی تھک وصولی وغیرہ کے بھی سچاؤ سرکار نے رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسی کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھلا گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوار اپنی سر میں مٹی کرتے گئے۔

سواروں نے کمارپا کمیٹی کو ایک طرف اور کمیونسٹ طریقے کا کارڈ دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمیٹی ان سواروں پر پھر سے سوجانے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکار کی کمیٹی نے بھی کمارپا کمیٹی کے تمام سچاؤں کو رد کر دیا اور لیکن اور کمیٹی تھیں کے بارے میں کچھ حدائقہ دیں۔ لیکن سواروں نے پھر سرکاری کمیٹی کی حدائقہ کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمیٹی ہل کی بحث چلائی لیکن سواروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے 'ملائڈری بلڈریسٹ' اچھی سہلچائی اور تھیں کی تھک وصولی وغیرہ کے بھی سچاؤ سرکار نے رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسی کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھلا گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوار اپنی سر میں مٹی کرتے گئے۔

سواروں نے کمارپا کمیٹی کو ایک طرف اور کمیونسٹ طریقے کا کارڈ دے دیا۔ اس پر سرکار نے ایک کمیٹی ان سواروں پر پھر سے سوجانے وچارنے کے لیے قائم کی۔ اس سرکار کی کمیٹی نے بھی کمارپا کمیٹی کے تمام سچاؤں کو رد کر دیا اور لیکن اور کمیٹی تھیں کے بارے میں کچھ حدائقہ دیں۔ لیکن سواروں نے پھر سرکاری کمیٹی کی حدائقہ کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد مدراس سرکار نے اس بارے میں دلچسپی لہذا چھوڑ دیا۔ ایک بار سرکار نے کمیٹی ہل کی بحث چلائی لیکن سواروں کو یہ ہل بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ اسی طریقے سے 'ملائڈری بلڈریسٹ' اچھی سہلچائی اور تھیں کی تھک وصولی وغیرہ کے بھی سچاؤ سرکار نے رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی واپس لے لیا گیا۔ اسی کے بعد مدراس سرکار نے دلی سرکار سے مانگ کی کہ وہ اس صوبے کی بھلائی کے لیے کچھ قاعدے قانون بنا دے۔ لیکن اُسکی یہ مانگ بھی بھلا گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوار اپنی سر میں مٹی کرتے گئے۔

جمنی دار جو کچھ چاہتے تھے انکو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے سرکار سے 'حفاظتی فوجوں' کی مانگ کی۔ ان کے کہنے کے مطابق فوجوں کو بھلائی ہوئی جنگوں پر بھیج دیا گیا۔ سواروں کو قریب قریب جب سب سرودھانوں مل گئیں تو اُس نے قریب کسانوں اور مزدوروں پر مٹی مانی شروع کر دی۔

ابھی حال میں 'جمنی سوار پر کمیونسٹ وچار' (Communist Spotlight on the Land Problem) نامی پمکلیٹ نکلا ہے۔ اس کی ایک ہی پمک کو دی۔ دانا مورتی نے لکھا ہے۔ اسی میں انہوں نے کمیونسٹ وچاروں کی زمین سوار کی کڑی آواز کی ہے۔ اُن کے چل کر مورتی نے زوردار شہدوں میں مانگ کی ہے۔ کہ کمیونسٹ کو زمین سوار کی نہتی پر ایک صلی اور مشہور قدم اٹھانا چاہیے۔ اُن سواروں کو صاف کرنے کے لیے انہوں نے جی۔ جی۔ ایچ۔ کول لورر مہلکم



में सिंचाई की जमीन का रकबा 32 लाख एकड़ बढ़ गया है। साथ ही साथ 160 लाख एकड़ जमीन को, जिसमें पहले से सिंचाई होती थी, खास फायदा पहुँचा। बाढ़ का हलाक़ा इस हिसाब से कम किया गया है:

1949	67 लाख हेक्टर
1950	40 " "
1951	14 " "

नये चीन की सिंचाई योजनाओं पर वहाँ की सरकार और जनता दोनों को ही गर्व है और इससे पता चलता है कि दोनों एक दूसरे में कितने घुल मिल गये हैं।

खेती के औजारों के मामले में भी चीन का किसान आगे बढ़ रहा है और ज़ियादा अच्छे ढंग से खेती करता है। 1951 के शुरू के छै महीने में चीन में दस लाख टन से ज़ियादा खली और डेढ़ लाख टन क़रीब के बिलायसी खाद किसानों ने सहयोगी समितियों से ख़रीदी। सरकार की तरफ़ से 160 कारख़ाने चल रहे हैं जो बढ़िया औज़ार तैयार करते हैं।

खेती की पैदावार में मद्दगार चौथी सहायक और महत्व की चीज़ हैं आपसी मदद की टोलियाँ। हम यहाँ यह बता दें कि नये चीन में सरकार कहीं भी मुरतरका खेती के लिये दबाव नहीं डालती है। किसान को पूरी आज़ादी है कि वह अकेले खेती करे या मिल कर। आपसी मदद की आज यहाँ हज़ारों टोलियाँ हैं। कुछ टोलियाँ तो इतनी कामयाब हुई हैं कि पैदावार दुगुनी बढ़ गई है। 'आपसी मदद टोलियों' के अलावा मेहनत एक्चेंजी (Exchange Labour) टोलियाँ भी हैं। इसके अलावा ज़ियादा पैदावार करने वालों को आदर्श किसान कहा जाता है जिन्हें सरकार इनाम व बढ़ावा देती है।

### नये चीन की चुनौती

चीन का जमीन सुधार क़ानून आज सारी दुनिया के लिये और खास कर पूरबी देशों के लिये एक चुनौती है। इस क़ानून के माह्रत जोतने वाले ज़मीन के मालिक बन गए हैं और इसी कारन चीन की पैदावार बरौरा में अचरज भरी तरफ़की हुई है। इसके मुक़ाबले हमारे देश के सूबों के ज़मींदारी अन्त क़ानून हैं जिनसे न किसान सुखी हैं और न ज़मींदार और पैदावार की कमी लगभग वैसी की वैसी ही कमी हुई है।

नया चीन तलफ़ार कर कह रहा है कि हर मुल्क अपनी क़ाबा फ़लट सकता है और तबाही को तरफ़ती में बदल सकता है। क्या हमारे देश की सरकारें और प्लानिंग कमिशन बल्ल रहते चेंगे, किसान के सच्चे हमदर्द बनेंगे और देश को ख़ूबने से बचावेंगे !

( "बाइस टूडे" से )

—सुरेश रामभाई

मैंने सोलहवाँ की 'ज़मिन' का तब 32 लाख एकड़ बोझा है। साथ ही साथ 160 लाख एकड़ ज़मिन को, जिसमें पहले से सोलहवाँ होती थी, खास फ़ादह भोजन। बारह का मालह इस हिसाब से कम किया गया है :

1949	67 लाख हेक्टर
1950	40 " "
1951	14 " "

नूँचे ज़मिन की सोलहवाँ भोजन पर वहाँ की सरकार, और ज़मिन को ही दो है और इस से पक्ते चलता है कि दोनों एक दूसरे में कितने मिल गये हैं।

क़ेहती के अज़ादों के मालह में भी ज़मिन का क़सान आगे बढ़ रहा है और ज़ियादा अच्चे तलफ़क से क़ेहती करता है। 1951 के शुरु के छै महीने में चीन में दस लाख टन से ज़ियादा क़ेहती और ज़ियादा लाख टन के बिलायसी खाद किसानों ने सहयोगी समितियों से ख़रीदी। सरकार की तरफ़ से 160 कारख़ाने चल रहे हैं जो बढ़िया औज़ार तैयार करते हैं।

क़ेहती की पैदावार में मद्दगार चौथी सहायक और महत्व की चीज़ हैं आपसी मदद की टोलियाँ। हम यहाँ यह बता दें कि नये चीन में सरकार कहीं भी मुरतरका क़ेहती के लिये दबाव नहीं डालती है। किसान को पूरी आज़ादी है कि वह अकेले क़ेहती करे या मिल कर। आपसी मदद की आज यहाँ हज़ारों टोलियाँ हैं। कुछ टोलियाँ तो इतनी कामयाब हुई हैं कि पैदावार दुगुनी बढ़ गई है। 'आपसी मदद टोलियों' के अलावा मेहनत एक्चेंजी (Exchange Labour) टोलियाँ भी हैं। इसके अलावा ज़ियादा पैदावार करने वालों को आदर्श किसान कहा जाता है जिन्हें सरकार इनाम व बढ़ावा देती है।

### नये चीन की चुनौती

चीन का ज़मिन सुधार क़ानून आज सारी दुनिया के लिये और खास कर पूरबी देशों के लिये एक चुनौती है। इस क़ानून के माह्रत जोतने वाले ज़मिन के मालिक बन गए हैं और इसी कारन चीन की पैदावार बरौरा में अचरज भरी तरफ़की हुई है। इसके मुक़ाबले हमारे देश के सूबों के ज़मींदारी अन्त क़ानून हैं जिनसे न किसान सुखी हैं और न ज़मींदार और पैदावार की कमी लगभग वैसी की वैसी ही कमी हुई है।

नया चीन तलफ़ार कर कह रहा है कि हर मुल्क अपनी क़ाबा फ़लट सकता है और तबाही को तरफ़ती में बदल सकता है। क्या हमारे देश की सरकारें और प्लानिंग कमिशन बल्ल रहते चेंगे, किसान के सच्चे हमदर्द बनेंगे और देश को ख़ूबने से बचावेंगे !

( "बाइस टूडे" से )

—सुरेश रामभाई



किसान की शिक्षाजत और उसकी बेहतरी के लिये चीन की जनवादी सरकार ने तरह तरह के कानून कायदे लागू किये. पहली जून 1950 को सरकार ने खेती सम्बन्धी सारे टैक्सों में 25 फी सदी कमी का ऐलान किया. किसी इलाके में जो औसत फसल पैदा होती है उससे ज़ियादा फसल हो तो बढ़ती हिस्से पर कोई लगान नहीं. किसान को लगान नकदी की बजाय जिनस की शकल में देना पड़ता है जिससे उसको और भी आसानी रहती है. आम तौर से यह लगान फसल की 13 फी सदी है.

चीन के पुराने काराघात से पता चलता है कि ईसवी सन् के शुरू होने से अब तक वहां कोई सात सौ बड़ी बड़ी बाढ़ें और हजारों से ऊपर अकाल आ चुके हैं. कोमिन-तांग राज के 25 बरस में 1937 तक लगभग 80 म्हामारियां आईं. जंग के दिनों में इसकी रफ्तार और भी बढ़ गई. इन सबके कारण चीन का किसान लबे-दम रहा करता था और पेट भर खाना भी उसे नसीब नहीं होता था.

नई सरकार ने चीन के इस रोग को पहचाना और उसकी दवा की. पहला काम उसने यह किया कि कच्चे और पम्पवार दोनों तरह के कुएं खूबवा डाले ताकि किसान अपनी कारत को सींच सके उत्तर चीन में तीन बरस में जो यह काम हुआ उसके आंकड़े यह हैं:

साल	कच्चे कुएं	पम्पवार कुएं
1949	9,0803	3,26,246
1950	9,53,955	3,95,333
1951	9,92,910	4,62,036

सिर्फ इन कुंओं से ही कारत के लायक ज़मीन 1950 में 46 लाख माओ और 1951 में 24 लाख माओ के करीब बढ़ गई. और 1950 में पैदावार 1949 के मुक़ाबले 2740 करोड़ केटी बढ़ी और 1951 में 1950 के मुक़ाबले 1588 करोड़ केटी बढ़ी.

कुएं खोदने वगैरा जैसी छोटी स्कीमों के अलावा नये चीन ने बड़ी बड़ी स्कीमों भी बनाई हैं. इनमें सब से बड़ी है हु आई नदी योजना जो आज दुनिया का सब से बड़ा अचरज समझी जाती है. नवम्बर 1950 में इस योजना का काम शुरू किया गया. जुलाई 1951 तक इस योजना में लगभग 80 लाख किसानों ने काम किया और लगभग 20 करोड़ मीटर मिट्टी खोद फेंकी, बांध बना डाले और नहरें चालू कर दीं. जुलाई 1951 तक ही इस योजना ने लगभग साढ़े पांच करोड़ किसानों को बाढ़ के डर से मुक्त कर दिया और उस साल उस इलाके की पहली औरदार फसल हुई.

हु आई योजना के अलावा नये चीन में लगभग दो सौ अगह धानी को बांधा गया है और पंद्रह लाख से ऊपर खान, तात्ताव वगैरा बनस गए हैं. इन सब के कारण चीन

कसान की ज़ाहलत और अस की बेहतरी के लिये चीन की ज़क़ासी सरकार ने तरह तरह के कानून कायदे लागू किये. पहली जून 1950 को सरकार ने खेती सम्बन्धी सारे टैक्सों में 25 फी सदी कमी का ऐलान किया. किसी इलाके में जो औसत फसल पैदा होती है उससे ज़ियादा फसल हो तो बढ़ती हिस्से पर कोई लगान नहीं. किसान को लगान नकदी की बजाय जिनस की शकल में देना पड़ता है जिससे उसको और भी आसानी रहती है. आम तौर से यह लगान फसल की 13 फी सदी है.

चीन के पुराने काराघात से पता चलता है कि ईसवी सन् के शुरू होने से अब तक वहां कोई सात सौ बड़ी बड़ी बाढ़ें और हजारों से ऊपर अकाल आ चुके हैं. कोमिन-तांग राज के 25 बरस में 1937 तक लगभग 80 म्हामारियां आईं. जंग के दिनों में इसकी रफ्तार और भी बढ़ गई. इन सबके कारण चीन का किसान लबे-दम रहा करता था और पेट भर खाना भी उसे नसीब नहीं होता था.

नई सरकार ने चीन के इस रोग को पहचाना और उसकी दवा की. पहला काम उसने यह किया कि कच्चे और पम्पवार दोनों तरह के कुएं खूबवा डाले ताकि किसान अपनी कारत को सींच सके. अतः चीन में तीन बरस में जो यह काम हुआ उसके आंकड़े यह हैं:

साल	कच्चे कुंओं	पम्पवार कुंओं
1949	9,0803	3,26,246
1950	9,53,955	3,95,333
1951	9,92,910	4,62,036

सिर्फ इन कुंओं से ही कारत के लायक ज़मीन 1950 में 46 लाख माओ और 1951 में 24 लाख माओ के करीब बढ़ गई. और 1950 में पैदावार 1949 के मुक़ाबले 2740 करोड़ केटी बढ़ी और 1951 में 1950 के मुक़ाबले 1588 करोड़ केटी बढ़ी.

कुएं खोदने वगैरा जैसी छोटी स्कीमों के अलावा नये चीन ने बड़ी बड़ी स्कीमों भी बनाई हैं. इनमें सब से बड़ी है हु आई नदी योजना जो आज दुनिया का सब से बड़ा अचरज समझी जाती है. नवम्बर 1950 में इस योजना का काम शुरू किया गया. जुलाई 1951 तक इस योजना में लगभग 80 लाख किसानों ने काम किया और लगभग 20 करोड़ मीटर मिट्टी खोद फेंकी, बांध बना डाले और नहरें चालू कर दीं. जुलाई 1951 तक ही इस योजना ने लगभग साढ़े पांच करोड़ किसानों को बाढ़ के डर से मुक्त कर दिया और उस साल उस इलाके की पहली औरदार फसल हुई.

हु आई योजना के अलावा नये चीन में लगभग दो सौ अगह धानी को बांधा गया है और पंद्रह लाख से ऊपर खान, तात्ताव वगैरा बनस गए हैं. इन सब के कारण चीन



جس کے اندر نئے قانون کی ہر دفعہ تفصیل سے سمجھائی جاتی تھی، جو وہ سوال پوچھتے انہیں حل کیا جاتا اور ہر طرح کے شک دور کئے جاتے تھے۔ یہ گاؤں والے ٹریڈنگ کے بعد اپنے گاؤں میں جا کر نئے قانون کے سب سے بڑے ہر چارگ اور پھروار کا کام کرتے۔

زمین سہارا قانون کی پہلا سہارا 'کسان سہارا' کا سنگتوں ہے۔ جس کے بارے میں قاعدے قانون 14 جولائی سن 1950 کو پاس ہوئے۔ یہ کسان سہارا کسانوں کی اپنی چھڑ میں جن میں وہ اپنی مرضی سے شامل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد ہے کہ ہر مزدوروں، غریب کسانوں، بچے کے کسانوں اور دیہات کی سبھی سالمیت و روہی طاقتوں کو جمع کر کے ایک کرنا تاکہ کسانوں کے مت سرکشت رہیں اور نہ قانون خوبی کے ساتھ عمل میں لایا جائے۔ ان سہاراں کا دوسرا کام ہے دیہاتی سہارا سہارا کا سنگتوں کرنا تاکہ کہتی اور دوسرے ادھوک دہندے پلمپ سکھ اور ترقی پائوں اور دوسرا کام ہے کسانوں کے راج کچی حقوں کی حفاظت کرنا، ان کا راج کچی اور ترقی استر اور اٹھانا اور لوک شاہی راج کے قائم کرنے میں مدد دینا۔ یہ کسان سہارا ہی وہ قانونی سادھن میں جنہوں نے نہ زمین سہارا قانون لگو لیا۔

کسان سہارا کی سب سے نیچے کی کڑی ہے ہساک (گاؤں) کسان سہارا۔ اس کے اوپر جو کسان سہارا جس طرح ہمارے یہاں گاؤں کے اوپر ملتا ہوتا ہے۔ جو کے بعد کاؤنٹی یا تحصیل سہارا آتی ہے، پھر ضلع اور پرائنٹ کسان سہارا۔

زمین سہارا کے دوران میں ہر تحصیل میں ایک چلتا ٹریبونل ہوتا تھا کرنا تھا جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ قانون ٹھیک طرح سے لگو کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ یہ ٹریبونل جگہ جگہ کوہم کر سب ہاتھ دیکھتا اور قانون کی پابندی کرنا اور جو بھی خلاف جانتے انہیں سزا دیتا۔ لیکن کئی ہاتھوں کی مڈادی تھی—جسے چاہے پکو لہنا، لوگوں کے بدن پر چوٹ کرنا یا قتل وغیرہ۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر کسان کو اور اُس نے پرتی ندی کو ادھوکا ہے کہ جلسوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے ہندو دار کی بھجا حرکت پر اعتراض کر سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔

#### کہتی کے دوسرے سہارے

جیسا ہم نے اوپر کہا ہے نئے زمین سہارا قانون نے جنوں کی اناج کی پیداوار اور تمام ادھوک دہندوں کی نکمی کو پرحد ترقی دی ہے۔ پر اس کے علاوہ چار چیزیں اور ہیں جنہوں نے کالی مدد پہنچائی ہے—(i) لکان میں کسی اور سرکاری مدد (ii) ہائی ہاندھنے کی چھوٹی بڑی پوچھنا (iii) کہتی کے نئے اوزار اور (iv) ایسی مدد کی ٹولیاں۔

زمین سہارا کے دوران میں ہر تھسیل میں ایک جناتا ٹریبونل بٹھا کرتا تھا جسکا کام یہ دیکھنا تھا کہ قانون ٹیک طرح سے لاگو کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ یہ ٹریبونل جگہ جگہ پھوم کر سب باتیں دیکھتا اور قانون کی پابندی کرنا اور جو بھی خلاف جانتے انہیں سزا دیتا۔ لیکن کئی باتوں کی منادی تھی—جسے چاہے پکڑ لینا، لوگوں کے بدن پر چوٹ کرنا یا قتل وغیرہ۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر کسان کو اور اس کے پرانی ندی کو ادھوکا ہے کہ جلسوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے ہندو دار کی بھجا حرکت پر اعتراض کر سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔

#### خیتی کے دوسرے سہارے

جیسا ہم نے اوپر کہا ہے نئے زمین سہارا قانون نے زمین کی بنیاد کی پیداوار اور تمام وڈیو ہندوں کی نیکیا کو بھد طرحی دی ہے۔ پر اس کے علاوہ چار چیزیں اور ہیں جنہوں نے کالی مدد پہنچائی ہے—(i) لکان میں کسی اور سرکاری مدد، (ii) پانی بانہنے کی ڈیوٹی بڑی یोजना، (iii) خیتی کے نئے اوزار اور (iv) آبپسی مہد کی ڈولیاں۔



آمناء ن منگا کر اسی طرح دھندوں کو بڑانے والی دوسری دوسری چیزیں منگاتے ہیں۔ 73 برس کے بعد آئندہ کسری ہونے سے پہلے ہی بار بھرت 1951 میں ہوئے۔

آمناء شکتی کی سورت یہ ہے کہ اتر اور چین میں چار سو سے زائد آدمی 1949 میں جہاں 36 گز کپڑا خرید سکتے تھے، 1951 میں وہ 80 گز خرید سکتے تھے۔ سن 1950 میں لوگوں کی آمد آمد شکتی 1949 کے مقابلے 68 فی صدی زیادہ تھی اور 1951 میں 1950 سے 53.5 فی صدی یعنی 1949 کی تعداد کی کمی۔ ایک گاؤں کا سروے کرنے پر دیکھا گیا کہ 1948 میں وہاں کے لوگوں کی خرید شکتی 100 مان لیں تو 1949 میں 136 تھی اور 1950 میں 263۔

زمین سوار کانون کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ زمین کی جنمات میں جاگرتی اور سچی لوک شادی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنمات کی آہستہ آہستہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون راج کرنا ہے اور کون راجہ نہیں کا لہذا والی بات تھی۔ لیکن اب صورت ایک دم بدل گئی ہے اور جملہ یہ محسوس کرتی ہے کہ دیہات ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ زمین کی جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

### زمین سوار کیسے؟

سوال اٹھتا ہے آخر زمین کے زمینداروں نے یہ سب کیسے کر لیا؟ یہ جادو کا سا اسرار کیوں کر پیدا کیا؟ اسکی تفصیل میں نہ جا کر ہم صرف اتنا کہیں گے کہ اس کی بنیاد میں وہ تین اصول ہیں جن پر ماؤتسے تلک اور چین کے سبھی زمینداروں نے سختی کے ساتھ عمل کیا—ایمانداری، سادگی اور جنمات کی سب سے زیادہ جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کانون کو آہستہ آہستہ جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

آمناء شکتی کی سورت یہ ہے کہ اتر اور چین میں چار سو سے زائد آدمی 1949 میں جہاں 36 گز کپڑا خرید سکتے تھے، 1951 میں وہ 80 گز خرید سکتے تھے۔ سن 1950 میں لوگوں کی آمد آمد شکتی 1949 کے مقابلے 68 فی صدی زیادہ تھی اور 1951 میں 1950 سے 53.5 فی صدی یعنی 1949 کی تعداد کی کمی۔ ایک گاؤں کا سروے کرنے پر دیکھا گیا کہ 1948 میں وہاں کے لوگوں کی خرید شکتی 100 مان لیں تو 1949 میں 136 تھی اور 1950 میں 263۔

زمین سوار کانون کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ زمین کی جنمات میں جاگرتی اور سچی لوک شادی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنمات کی آہستہ آہستہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون راج کرنا ہے اور کون راجہ نہیں کا لہذا والی بات تھی۔ لیکن اب صورت ایک دم بدل گئی ہے اور جملہ یہ محسوس کرتی ہے کہ دیہات ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ زمین کی جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کانون کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ زمین کی جنمات میں جاگرتی اور سچی لوک شادی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنمات کی آہستہ آہستہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون راج کرنا ہے اور کون راجہ نہیں کا لہذا والی بات تھی۔ لیکن اب صورت ایک دم بدل گئی ہے اور جملہ یہ محسوس کرتی ہے کہ دیہات ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ زمین کی جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کانون کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ زمین کی جنمات میں جاگرتی اور سچی لوک شادی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنمات کی آہستہ آہستہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون راج کرنا ہے اور کون راجہ نہیں کا لہذا والی بات تھی۔ لیکن اب صورت ایک دم بدل گئی ہے اور جملہ یہ محسوس کرتی ہے کہ دیہات ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ زمین کی جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔

زمین سوار کانون کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ زمین کی جنمات میں جاگرتی اور سچی لوک شادی کی نیب۔ پہلے تو زمیندار لوگ زمین کے مالک ہونے کے کارن کسان کو سواتے اور چوستے تھے۔ اسلئے جنمات کی آہستہ آہستہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون راج کرنا ہے اور کون راجہ نہیں کا لہذا والی بات تھی۔ لیکن اب صورت ایک دم بدل گئی ہے اور جملہ یہ محسوس کرتی ہے کہ دیہات ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ زمین کی جملہ میں آج جان ہے، سفکٹوں ہے، آرم ایمنان ہے اور ساری دنیا کی جملہ کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور شانتی کی ہر کوشش میں ہوا ہاتھ بٹانے کو ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔



اوپر کے آئیکوں سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ نئے زمین سداوار قانون نے چین کی حالت کو بے پناہ طور سے بہتر بنا دیا ہے اور لوگوں میں نئی جان ڈال دی ہے۔ زمین کا مالک بننے کے بعد چین کا کسان کھیتی ہر مزدور سمیت آئندہ سے زمین اور من لگا کر کام کرتے ہیں۔ اس کے لازمی نتیجہ چین کی کھیتی کی پیداوار پر ہونا تھا اور جو پڑا۔ 1948-49 میں چانگ کالی شہک کا چین جو ویدیں سے اناج کی بھیک مانگتا تھا 1952 میں سائنس کے آئی چین نے ہندوستان و دوسرے دیہوں کو اناج امداد کے طور پر بھیجا۔

زمین سداوار قانون کا اثر چین کے کھیتی پر کیا ہوا ہے اس کے آئیکوں ہم نیچے دیتے ہیں۔ 1936 میں چین میں سب سے بہترین پیداوار ہوئی تھی پھر اس کے بعد جاپان کے حملے، اسی لوائی اور جنگ ویاہی جنگ کے اچالے سے وہاں پیداوار نہیں مل سکی۔ سن 1936 کے آئیکوں کو 100 مان کر ہم سن 1950 اور 1951 کے آئیکوں دے رہے ہیں۔

اناج	1936	1950	1951
1. چاول	100	87.0	92.8
2. گہوں	100	96.5	99.4
3. سویا بہن	100	80.4	88.5
4. کپاس	100	83.7	133.0
5. لنبھاک	100	24.1	130.5
6. دھنپ	100	114.7	227.1

سن 1950 میں اناج کی کل پیداوار 1250 لاکھ ٹن تھی جو 1949 کی پیداوار سے 122 لاکھ ٹن زیادہ تھی۔ جیسا ہم نے اوپر کہا اب چین اناج کے لئے دوسروں کا محتاج نہیں رہا۔ 1948-49 میں وہ جہاں 20 لاکھ ٹن اناج باہر سے ملاتا تھا وہاں 1951 میں اس نے 5 لاکھ ٹن سے زیادہ اناج ہندوستان کو ہی بھیجا۔ اور 1952 میں چین کی پیداوار اتنی زیادہ ہوئی کہ چین کی 47 کروڑ آبادی کے لئے اگلی فصل تک کے واسطے غلہ رکھنے کے بعد اتنا غلہ بچ رہا جس سے دس کروڑ آدمی ایک سال تک اپنا کام اچھی طرح چل سکتے تھے۔

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فوائد ہوئے—(i) انٹر نوسنی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر تھی۔

1949 میں چین کا انٹر نوسنی بیوپار غلے کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے

سن 1250 میں اناج کی کل پیداوار 1250 لاکھ ٹن تھی جو 1949 کی پیداوار سے 122 لاکھ ٹن زیادہ تھی۔ جیسا ہم نے اوپر کہا اب چین اناج کے لئے دوسروں کا محتاج نہیں رہا۔ 1948-49 میں وہ جہاں 20 لاکھ ٹن اناج باہر سے ملاتا تھا وہاں 1951 میں اس نے 5 لاکھ ٹن سے زیادہ اناج ہندوستان کو ہی بھیجا۔ اور 1952 میں چین کی پیداوار اتنی زیادہ ہوئی کہ چین کی 47 کروڑ آبادی کے لئے اگلی فصل تک کے واسطے غلہ رکھنے کے بعد اتنا غلہ بچ رہا جس سے دس کروڑ آدمی ایک سال تک اپنا کام اچھی طرح چل سکتے تھے۔

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فوائد ہوئے—(i) انٹر نوسنی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر تھی۔

اناج	1936	1950	1951
1. چاول	100	87.0	92.8
2. گہوں	100	96.5	99.4
3. سویا بہن	100	80.4	88.5
4. کپاس	100	83.7	133.0
5. لنبھاک	100	24.1	130.5
6. دھنپ	100	114.7	227.1

1949 میں چین کا انٹر نوسنی بیوپار غلے کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے

پیداوار میں اس اضافے کے کارن چین کو تین خاص فوائد ہوئے—(i) انٹر نوسنی بیوپار میں ترقی، (ii) لوگوں کی خرید شکتی کا اوپر اٹھنا اور (iii) عام چلتا میں جا کر تھی۔

1949 میں چین کا انٹر نوسنی بیوپار غلے کا سودا تھا۔ اس کی خاص وجہ تھی اناج کی خریداری—جسے ہمارے ہندوستان میں بھی آج ہو رہا ہے۔ اب چین والے



## نیا دھند

## نیا دھند

سوال ہی نہیں تھا۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں سے لی ہوئی زمین انہیں کو ہانت دی گئی تھی۔ زمینداروں اور مالدار کسانوں کے علاقے پرانے ملندروں، کرجوں، مٹھوں، اسکولوں اور دوسری جن سہولتوں اور ادھوک پتھوں و دیواریوں کی زمینیں بھی ضبط کر کے ان آدمیوں میں بانٹ دی گئیں۔

زمین سدھار قانون سے چھن کی حالت میں کیا فرق ہوا ہے اس کا اندازہ سمجھنے کے لئے ہم چھن کے سن کھانگ پرانے کے ایک گاؤں یلگ کوٹی کو لیتے ہیں۔

زمین سدھار قانون کے پہلے وہاں کھیتی ہو مزدوروں، غریب کسانوں، درمیانی کسانوں، مالدار کسانوں اور زمینداروں کی تعداد و حالت کھسم تھی اور اس قانون کے بعد کیا حالت ہوئی۔

لانون کے پہلے

لانون کے پہلے

گینتی کٹی	نام	آبادی	زمین	घर	घोड़े	गाड़ी
1	खेतिहर मजदूर	283	...	...	...	...
2	गरीब किसान	117	0.4	14	10	2
3	दरम्यानी किसान	82	45.3	20	29	4
4	मालदार किसान	131	315.7	92	55	3
5	जमींदार	63	208.4	102	44	4

लانون के बाद

गिनती कटी	नाम	आबादी	जमीन	घर	घोड़े	गाड़ी
1	खेतीहर मजदूर	285	189.26	95	47	13
2	गरीब किसान	166	110.22	52	21	3
3	दरम्यानी किसान	93	62.93	36	17	5
4	मालदार किसान	146	96.94	32	16	...
5	जमींदार	82	51.45	13	5	...



اس کانون کا بنیادی اصول ہے کہ زمیندار کی ملکیت کی پوری پوریت کے بجائے زمین پر کھیتی کرنے والے کسان کی ملکیت کی پوریت قائم ہو تاکہ دیہی کی پیداوار بڑھ سکے اور اس کا اچھی طرح وکاس ہو۔ جیسا ہم اوپر کہ چکے ہیں چرتی کے و نہج والے درجے—زمیندار اور کھیتی ہر—دور—نام کے لئے بھی نہیں دھتے گئے۔ لیکن کس طرح—زمیندار کے پاس جو زمین کھیتی والے جانور یا ارزہ بڑھی فلتہ اور دیہات کے اندر جو بڑھی ممکن ہونکہ وہ ضبط کر لئے جائیں گے۔ لیکن اس کی دوسری جائداد—جیسے گاؤں یا تجارتی سامان اور وہ زمین و دوسری جائدادیں جو زمیندار لوگ براہ راست کارخانوں یا دیہات کے کام میں استعمال کرتے ہیں—ضبط نہیں کی جائے گی۔ لیکن انقلابی فوج کے آدمی شہروں کے بال بچے یا ان کے سہارے پورے ہانے والے کاریگر لوگ کام کرنے والے مزدور ہونے والے ماسٹر خونچہ بچنے والے اور دوسرے لوگ جن کے پاس کچھ نہروں سے زمین ہے وہ اسے لگان پر لٹھا دیتے ہیں کیونکہ خود نہیں جوت سکتے ہیں۔ انہیں زمینداروں میں نہیں شمار کیا جائے گا اور ان کی زمینوں کو ہاتھ بھی نہیں لایا جائے گا۔ ہر طرح کے زمینوں پر آدمی کو ملنے والی زمینوں سے دگلی ہوں۔ لیکن اگر دگلی سے زیادہ ہوگی تب اسے ضبط کر لیا جائے گا۔ اگر ان زمینوں کے مالک بڑھے ہوں، یہ ہم ہیں، لچار بدھوا اور زمین ہی ان کا ایک سہارا ہے تو دگلی ہونے پر بھی ان کے ساتھ رعایت برتی جائے گی۔

مالدار کسان کی زمین عام طور پر ضبط نہیں کی گئی کیونکہ وہ کارخانے والے کی طرح پیداوار میں خود حصہ لیتا ہے۔ ان کے پاس جو زمین ہے جسے وہ خود جوتتے ہیں یا مزدوروں سے جوتاتے ہیں وہ ضبط نہیں کی گئی۔ ان کو ایسی زمین کا کچھ حصہ لگان پر لٹھا دیتے ہیں کہ وہی اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر لگان پر دی گئی زمین کا رقبہ اس زمین سے زیادہ ہو جو وہ مالدار کسان خود جوتتا یا مزدوروں سے جوتاتا ہے تو لگان زمین ضبط کر لی گئی۔

درمہانی کسان کی زمین پر ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔ یہی نہیں اگر کسی درمہانی کسان کے پاس اوسط سے کم زمین ہے تو اسے اور زمین سرکار نے دے دی۔ پر اگر اس کے پاس زمین اوسط سے زیادہ تھی تب بھی اسے نہیں چھوڑا گیا۔ اس وجہ سے درمہانی کسانوں نے جو کل کھیتی آبادی کا لگ بھگ ایک تہائی ہوں گے جن کے زمین سدھار قانون کا پوری طرح سہارہ تھا۔

شریب کسان اور کھیتی ہر مزدور سے کچھ لیتے کا

گاری کسان اور کھیتی ہر مزدور سے کچھ لینے کا



روپی کے لیے دوسروں کے شوقن پر निर्भर है. जमींदार यह शोषण कई तरह के करता है—लगान वसूल करना, सूद पर रुपया देना, मजदूरों से बेगार लेना. पर शोषण का आम रूप लगान वसूली होता है.

मालदार किसान वह आदमी है जिसके पास अपनी जमीन है, लगान की है या दोनों है और साथ ही साथ उसके पास कुछ पूंजी है और पैदावार के दूसरे बेहतरीन साधन भी हैं, और वह थोड़ी बहुत मेहनत खुद भी करता है. लेकिन आम तौर से वह शोषण पर निर्भर है. जिसके लिये वह या तो मजदूरों से बेगार लेता है या जमीन का लगान वसूल करता है या सूद पर रुपया देता है. जमींदार और मालदार किसान में बुनियादी फर्क यह है कि मालदार किसान थोड़ी बहुत मेहनत खुद भी करता है लेकिन जमींदार बिल्कुल नहीं करता.

वरम्यानी किसान वह आदमी है जो जिस जमीन को जोतता है उसका कुल या थोड़ा सा हिस्सा उसका अपना है और बाक़ी का लगान देता है, या बिल्कुल बेजमीन वाला है और कुल जमीन का लगान देता है. उसके पास खेती के कुछ औजार होते हैं जिनके जरिये वह पूरे तौर पर या ज़ियादा तर अपनी मेहनत पर निर्भर करता है और दूसरों का शोषण नहीं करता. बल्कि लगान या सूद की शकल में दूसरे ही उसका शोषण कर लेते हैं. लेकिन कभी कभी वह अपनी उस आमदनी से जो उसकी रोज़ी का मुस्तक़िल और खास साधन नहीं है दूसरों का कुछ हद तक शोषण कर भी लेता है.

गरीब किसान वह आदमी है जो जिस जमीन को जोतता है उसमें से बहुत थोड़ी सी उसकी है या बिल्कुल नहीं है. उसके पास खेती के अधूरे औजार होते हैं और लगान पर जमीन लेता है, और दूसरे लोग उसका शोषण लगान, सूद या बेगार की शकल में करते हैं. वरम्यानी किसान और गरीब किसान में फर्क यह है कि वरम्यानी किसान आम तौर पर अपनी मेहनत नहीं बेचता लेकिन गरीब किसान को समय समय पर अपनी मेहनत बेचना पड़ती है.

खेतिहर मजदूर वह आदमी है जिसके पास न औजार हैं न जमीन. है भी तो बहुत ही कम. वह रोज़ी के लिये अपनी कुल की कुल या ज़ियादा-तर मेहनत बेचने पर मजबूर है.

अब हम यह देखेंगे कि जमीन सुधार क़ानून के मातहत इन पांचों के साथ कैसा व्यवहार किया गया.

रोपी के لئے دوسروں کے شوقن پر निर्भर ہے. زمیندار یہ شوشن کئی طرح سے کرتا ہے—لگان وصول کرنا، سود پر روپیہ دینا، مزدوروں سے بھگارت لینا. پر شوشن کا عام روپ لگان وصولی ہی ہوتا ہے.

مالدار کسان وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنی زمین ہے، لگان کی ہے یا دونوں ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پاس کچھ پونجی ہے اور پیداوار کے دوسرے بہترین سادھن بھی ہیں اور وہ تھوڑی بہت محنت خود بھی کرتا ہے. لیکن عام طور سے وہ شوشن پر निर्भर ہے. جس کے لئے وہ یا تو مزدوروں سے بھگارت لیتا ہے یا زمین کا لگان وصول کرتا ہے یا سود پر روپیہ دیتا ہے. زمیندار اور مالدار کسان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مالدار کسان تھوڑی بہت محنت خود بھی کرتا ہے لیکن زمیندار بالکل نہیں کرتا.

درمیانہ کسان وہ آدمی ہے جو جس زمین کو جوتتا ہے اس کا کل یا تھوڑا سا حصہ اس کا اپنا ہے اور باقی کا لگان دیتا ہے یا بالکل بے زمین والا ہے اور کل زمین کا لگان دیتا ہے. اس کے پاس کھیتی کے کچھ اوزار ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ پورے طور پر یا زیادہ تر اپنی محنت پر निर्भर کرتا ہے اور دوسروں کا شوشن نہیں کرتا. بلکہ لگان یا سود کی شکل میں دوسرے ہی اس کا شوشن کر لیتے ہیں. لیکن کبھی کبھی وہ اپنی اس آمدنی سے جو اس کی روزی کا مستقل اور خاص سادھن نہیں ہے دوسروں کا کچھ حد تک شوشن کر بھی لیتا ہے.

غریب کسان وہ آدمی ہے جو جس زمین کو جوتتا ہے اس میں سے بہت تھوڑی سی اس کی ہے یا بالکل نہیں ہے. اس کے پاس کھیتی کے ادھورے اوزار ہوتے ہیں اور لگان پر زمین لیتا ہے اور دوسرے لوگ اس کا شوشن لگان، سود یا بھگارت کی شکل میں کرتے ہیں. درمیانہ کسان اور غریب کسان میں فرق یہ ہے کہ درمیانہ کسان عام طور پر اپنی محنت نہیں بیچتا لیکن غریب کسان کو سب سے پہلی محنت بیچنا پڑتی ہے.

کھیتی ہر مزدور وہ آدمی ہے جس کے پاس نہ اوزار ہے نہ زمین. ہے ہی تو بہت ہی کم. وہ روزی کے لئے اپنی کل کی کل یا زیادہ تر محنت بیچنے پر مجبور ہے.

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ زمین سدھار قانون کے ماتحت ان پانچوں کے ساتھ کسسا رویہ ہوا کیا.



دیکھن پچھمی حصے میں ہے اور جہاں چانگ کالی شوک کا دخل نہیں چلتا تھا۔ اس وجہ کو عملی جامہ پہنا کر تھری نہایت کامیابی اور سولہ آلے آتم و شواس حاصل کر لیا۔ پہلی اکتوبر 1949 کو جب سارے چین کی باگدور ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے پہلا کام زمین سداہار کا ہی کیا۔ چین کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا زرعیین سداہار قانون میں ہمارے انقلاب کی بلحاظی ایلیٹ ہے اور اسی سداہار کی بدولت ہم اپنے دیہات کا کچھ بہتر کر سکتے ہیں۔ هندوستان کے جو بھائی اور بہن پچھلے قیوم برس میں چین گئے ہیں انہوں نے بھی اس سچائی کو قبول کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ چین کی کالیا پلٹنے میں زمین سداہار قانون کا بہت ہی بڑا ہاتھ ہے۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھیں گے کہ چین کا زمین سداہار قانون کیا ہے اور اس نے کس طرح چین کے قریب سے قریب آدمی کے اندر نئی جان پونک دی۔

پرانے چین میں—چانگ کالی شوک والے چین میں—خیتی پر پیندا رہنے والے لوگوں کی آبادی 41 کروڑ تھی اور خیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 140 کروڑ مو (جی مو = ایک ایکڑ) تھا۔ اس آبادی میں تقریباً پانچ فیصدی لوگ زرعیین تھے اور پانچ فیصدی مالدار کسان تھے۔ اس دس فیصدی آبادی کے پاس چین کی 70 فیصدی خیتی والی زمین تھی۔ باقی 10 فیصدی آبادی کے پاس—جس میں بیچ کے کسان اور غریب کسان اور خیتی پر مزدور شامل ہیں—باقی 30 فیصدی زمین تھی۔ ان مزدوروں کو اپنی معیشت سے پیدا کی ہوئی فصل کا آدھا یعنی پچاس فیصدی حصہ لکان کے روپ میں دے دینا پڑتا تھا اور کبھی کبھی 100 فیصدی۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی حالت میں دیہات میں ضرورت کے لائق نہ تو کافی اناج پیدا ہوتا تھا اور آٹے دن جگہ جگہ اگل اور بھکری کا زور دھتا تھا۔

چین نے زرعیین سداہار کے سلسلے میں پوری کھیتی پر آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا: (1) زرعیین (2) مالدار کسان (3) درمیانی کسان (4) غریب کسان (5) زرعیین والا مزدور۔ ان پانچوں کا مطالبہ نیچے دیا جا رہا ہے:—

زرعیین وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

چون نے زمین سداہار سلسلے میں پوری کھیتی پر آبادی کو پانچ حصوں میں بانٹا: (1) زرعیین (2) مالدار کسان (3) درمیانی کسان (4) غریب کسان (5) زرعیین والا مزدور۔ ان پانچوں کا مطالبہ نیچے دیا جا رہا ہے:—

زرعیین وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

زرعیین وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی

زرعیین وہ آدمی ہے جو زمین کا مالک ہے لیکن خود کوئی معیشت نہیں کرتا اور جو اپنی



## چین میں زمینی سدھار

چین ہمارا پڑوسی देश है और उससे हमारा नाता आज का नहीं हजारों बरस पुराना है. बहुत सी बातों में हिन्दुस्तान और चीन क्राफी मिलते हैं—(1) इन दोनों देशों की आबादी दुनिया के किसी भी तीसरे देश से खियादा है. (2) दोनों देशों की सभ्यता बहुत ही पुरानी है. (3) दोनों देशों की लगभग तीन चौथाई आबादी खेती पर गुजर करती है. (4) दोनों देशों में जमीन पर मिलकियत कुछ जमींदारों की रही और लाखों व करोड़ों आवमी ऐसे हैं जिन के पास अपनी जमीन या तो है ही नहीं या बहुत थोड़ी है और जिन की मेहनत का फायदा जमींदार या गिन्ती के कुछ लोगइस तरह उठाते हैं कि उन्हें रोखाना दो खून रोटी भी नमीष नहीं होती. (5) जोते बोये कोई, फसल काये कोई, के कारन खेतिहर किसान पूरे उत्साह के साथ काम नहीं कर पाता. इस वजह से पूरे देश की पैदावार कम पड़ गई और दोनों देशों को विदेशों से अनाज खरीदना पड़ा.

जो देश बाहरी अनाज के सहारे खिन्दा रहेगा वह या तो गुलाम हो जायगा और या उसे इंगलैंड की तरह देशों को अपना गुलाम बनाना पड़ेगा. पर हिन्दुस्तान और चीन की मिट्टी में ही कुछ ऐसी खासियत है कि वहां के लोग विदेशों पर छापा मारने और उनको अपना ताबेदार बनाने की लालच नहीं रखते. इस लिये वह खुद उलटे विदेशों के चक्कर में फंसकर अपनी आबादी को खतरे में डाल लेते हैं.

हमारे आजाद हिन्दुस्तान में ऊपर बताई हुई हालत आज मौजूद है और कोई साढ़े तीन साल पहले चीन में भी मौजूद थी. पहली अक्टूबर 1949 को चीन ने नया जन्म लिया और नये चीन की नय्या के खेबनहार माओ-त्से-तुंग और उनके साथियों ने इरादा कर लिया कि चीन को अगर हमेशा के लिये सुखी और आजाद बनाना है और करोड़ों जनता के अन्दर यह भावना पैदा करनी है कि राज उन्हीं का है तो दूसरों की मेहनत लूटने वाला जमींदार और अपनी जान देने वाला बेजमीन किसान या मजदूर दोनों खतम होने चाहिये और देश के बरूबे बरूबे के पास इतनी जमीन हो कि उस पर मेहनत करके वह अपने पांव पर खड़ा हो सके.

माओ त्से तुंग के दिल में यह विचार उनके राज-काजी जीवन में आने के समय से ही काम कर रहा था और चीन में जब चांग काई शेक का राज चलता था तो माओ त्से तुंग ने येनान नाम के सूबे में—जो चीन के

## چین میں زمینی سدھار

چین ہمارا پڑوسی देश ہے اور اُس سے ہمارا ناتا آج کا نہیں ہزاروں برس پرانا ہے۔ بہت سی باتوں میں ہندوستان اور چین کافی ملتے ہیں—(1) ان دونوں دیہوں کی آبادی دنیا کے کسی بھی تیسرے دیہ سے زیادہ ہے۔ (2) دونوں دیہوں کی سبھت بہت ہی پرانی ہے۔ (3) دونوں دیہوں کی لگ بھگ تین چوتھائی آبادی کھیتی پر گذر کرتی ہے۔ (4) دونوں دیہوں میں زمین پر ملکیت کچھ زمینداروں کی رہی اور لاکھوں و کروڑوں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس اپنی زمین یا تو ہے ہی نہیں یا بہت تھوڑی ہے اور جن کی معیشت کا فائدہ زمیندار یا گنتی کے کچھ لوگ اِس طرح اٹھاتے ہیں کہ انہوں روزانہ دو جون دوتی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ (5) جوتے بوئے کوئی، فصل کھائے کوئی، کے کارن کھیتی ہر کسان ہورے اتساہ کے ساتھ کام نہیں کر پاتا۔ اِس وجہ سے ہورے دیہ کی پیداوار کم ہو گئی اور دونوں دیہوں کو ویدیہوں سے اناج خریدنا پوا۔

جو دیہ باہری اناج کے سہارے زندہ دھکا رہے یا تو غلام ہو جائیگا اور یا اُسے انگلینڈ کی طرح دیہوں کو اپنا غلام بنانا پویگا۔ پر ہندوستان اور چین کی مٹی میں ہی کچھ ایسی خاصیت ہے کہ یہاں کے لوگ ویدیہوں پر چھاپا مارنے اور اُن کو اپنا تابعدار بنانے کی لالچ نہیں دیتے۔ اِس لئے وہ خود اُتے ویدیہوں کے چکر میں پھنس کر اپنی آزادی کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔

ہمارے آزاد ہندوستان میں اوپر بتائی ہوئی حالت آج موجود ہے اور کوئی ساڑھے تین سال پہلے چین میں بھی موجود تھی۔ پہلی اکتوبر 1949 کو چین نے نیا جلم اٹھا اور لئے چین کی نیا کے کھوون ہار۔ ماوتسے تلگ اور اُن کے ساتھوں نے اِرادہ کر لیا کہ چین کو اگر ہمیشہ کے لئے سکھی اور آزاد بنانا ہے اور کروڑوں چلتے کے اندر یہ بہارنا پیدا کرنی ہے کہ راج انہوں کا ہے تو دوسروں کی معیشت لوتنے والا زمیندار اور اپنی جان دینے والا مہم جو کسان یا مہم جو دروں ختم ہونے چاہئیں اور دیہ کے بچے بچے کے پاس اپنی زمین ہو کہ اُس پر معیشت کر کے وہ اچے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

ماوتسے تلگ کے دل میں یہ وجہ اُن کے راج لاجی چین میں آنے کے سے سے ہی کام کر رہا تھا اور چین میں جب چانگ کائی شیک کا راج چلتا تھا تو ماوتسے تلگ نے چنان نام کے صوبے میں—جو چین کے



ہلاک، کو اپنا نہوا ہلاک دھ کا۔ اُسے ایسا لگتا ہے کہ یہی ہارتی اُس کے ہست کا خیال رکھتی ہے۔

کسان چپ یہ ملتے ہے کہ امریکی سامراجی اٹلی کے اچانک دباؤ اندھیرے پتھروں سے مل کر اٹلی کو لوٹ رہے ہیں اور تھلک ہلانے کے چکر میں چلتے کے رست کو ٹھکرا رہے ہیں تو وہ نالی پھٹتا ہے۔ امریکیوں کے خلاف چھوٹے چھوٹے اندھیرے پتھروں اور کسانوں میں کافی نفرت پھیل گئی ہے۔

گلوں کے چکر لگانے اور کسانوں سے بات کرنے کے بعد مہرا انبوہ وہ کہ اٹلی کا کسان تریکٹر اور کھیتی کھاد کے استعمال کے لئے اس سمہ بالکل تیار نہیں ہے۔ اس طرح کا اگر کوئی نعرہ دیا جائے گا تو وہ بھڑکے گا۔ اٹلی میں ایسے بھہانک پہاڑی علاقے ہیں جہاں مکمل مکمل کھیتی سیکھ میں بھی نہیں سوچی جاسکتی۔ بڑے بڑے فارمیں پر اتر بھل کی جگہ تریکٹر استعمال ہونے لگے تو دودھ اور گوشت کی سمہیا کھڑی ہو جائے گی۔ یہ بات اپنی جگہ پر صدمہ ہے کہ تریکٹر سے بے روزگاری بڑھ گئی ہے کھیتے گئی نہیں۔ اصل میں جس چھڑ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کھیتی کے مؤثرروں کی بھلائی کے لئے دھن لگایا جائے۔ کھول زمین پر ہی سدھار نہ ہو بلکہ گلوں کے اڑتھاسٹر سے سبیلدہ رکھنے والے آدمیوں کو خوب پروتساھن دیا جائے۔

”کھیتی سدھار کی خاص بات  
 زمینداروں سے زمین لے کر کھیت مزدوروں  
 اور شویب کسانوں میں بانٹ دینا ہے ۔  
 اِس طرح ساج سے زمیندار ورگ کا اُنت  
 ہو گا اور اُس کی جگہ پر جو تلے والا زمین کا  
 مالک بنے گا.....کھیتی سدھار ایک لگانار  
 چلنے والا اور مہان سلگھرہی ہے ۔“

—لی شامو . چو



جب کہ زمیندار کو ملتا تھا اس کی محنت کی وجہ سے ایک دن میں لگ بھگ تین سو روپے کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس کی دلی اچھا ہے کہ زمیندار ختم ہو جائے۔ لیکن شاید زیادہ لوگ اس کی رائے کے نہیں تھے۔

اٹلی کے تمام دیہاتی علاقوں اور کچھ آدیوادی علاقوں (بولوڈی، کوٹہولک، ایکشن) میں یہ بات گونجتی رہتی ہے کہ اگر نئی اور تو فیملی کی عام چلاؤ میں جوت ہوئی اور انہوں نے سوکر کا بہار سمجھا تو امریکن اٹلی میں ٹمس پورس کے اور زور کی کھریلو لوائی شروع ہو جائے گی۔ 1944 اور 45 کی کڑی یا دے لوگوں کے دیماروں سے ابھی دور نہیں ہوئی اور وہ لوائی کے وچار سے بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔

اٹلی کے کسان نیچا اس وقت اس بات پر زیادہ زور دے رہے ہیں کہ کسان کھیتوں سے بے دخل نہ ہونے پائیں، پوداوار میں ادھک حصہ کسانوں کو ملے اور ان کی آسانی کے لئے اسکول، اسپتال وغیرہ کا پر بندہ ہو۔ اس سب سے زیادہ تالیاں بچوں میں بھری لے کہا کہ زمینداروں نے 2300 کسانوں کو بے دخل کرنا چاہا لیکن کسانوں کے مضبوط ایگے اور سنگھٹن کے کارن کھول 20 کسان ہی بے دخل ہو سکے۔ کسانوں کا ایک دن پر دن بڑھ رہا ہے۔ 1950 سے اب تک نہ جانے کتنے کسان پولیس کی گولی سے مر چکے ہیں اور گھائل ہو چکے ہیں۔

یونانی کے کچھار میں مجھے کچھ ایسی کوآپریٹو دکھائی دیں جن کا ڈھنگ تو بہت اچھا نہیں تھا لیکن ان کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ان کو دماغ میں دیکھ کر میں نے بار بار لوگوں سے سوال کئے کہ کوآپریٹو کھولنا ہی کسان آندولن کا ایک پروگرام کون نہ ہو؟ کہیں تو مجھے زوروں سے ”ہاں“ کہنے والے ملے لیکن زیادہ لوگوں نے بے رخی دکھائی۔

جو انگریز میں اگلے کرسکا ہوں ان کے آندھار پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معمولی کسان کی آمدنی جس کے ایک بھوی اور دو بچے ہوں اور سب کے سب کام کرتے ہوں پہاڑی ٹارمیں پر 1800 روپے سالانہ ہے اور مہداس میں تین ہزار روپے ہے لے کر تین ہزار سات سو پچاس روپے سالانہ ہے۔

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد ماروا دی قہقہہ سے سبکدوش چلے گا اور راج کا جی چیتا کے لئے لہجہ

جس کی تمام دیہاتی علاقوں اور کچھ آدیوادی علاقوں (بولوڈی، کوٹہولک، ایکشن) میں یہ بات گونجتی رہتی ہے کہ اگر نئی اور تو فیملی کی عام چلاؤ میں جوت ہوئی اور انہوں نے سوکر کا بہار سمجھا تو امریکن اٹلی میں ٹمس پورس کے اور زور کی کھریلو لوائی شروع ہو جائے گی۔ 1944 اور 45 کی کڑی یا دے لوگوں کے دیماروں سے ابھی دور نہیں ہوئی اور وہ لوائی کے وچار سے بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔

اٹلی کے کسان نیچا اس وقت اس بات پر زیادہ زور دے رہے ہیں کہ کسان کھیتوں سے بے دخل نہ ہونے پائیں، پوداوار میں ادھک حصہ کسانوں کو ملے اور ان کی آسانی کے لئے اسکول، اسپتال وغیرہ کا پر بندہ ہو۔ اس سب سے زیادہ تالیاں بچوں میں بھری لے کہا کہ زمینداروں نے 2300 کسانوں کو بے دخل کرنا چاہا لیکن کسانوں کے مضبوط ایگے اور سنگھٹن کے کارن کھول 20 کسان ہی بے دخل ہو سکے۔ کسانوں کا ایک دن پر دن بڑھ رہا ہے۔ 1950 سے اب تک نہ جانے کتنے کسان پولیس کی گولی سے مر چکے ہیں اور گھائل ہو چکے ہیں۔

یونانی کے کچھار میں مجھے کچھ ایسی کوآپریٹو دکھائی دیں جن کا ڈھنگ تو بہت اچھا نہیں تھا لیکن ان کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ان کو دماغ میں دیکھ کر میں نے بار بار لوگوں سے سوال کئے کہ کوآپریٹو کھولنا ہی کسان آندولن کا ایک پروگرام کون نہ ہو؟ کہیں تو مجھے زوروں سے ”ہاں“ کہنے والے ملے لیکن زیادہ لوگوں نے بے رخی دکھائی۔

جو انگریز میں اگلے کرسکا ہوں ان کے آندھار پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معمولی کسان کی آمدنی جس کے ایک بھوی اور دو بچے ہوں اور سب کے سب کام کرتے ہوں پہاڑی ٹارمیں پر 1800 روپے سالانہ ہے اور مہداس میں تین ہزار روپے ہے لے کر تین ہزار سات سو پچاس روپے سالانہ ہے۔

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد ماروا دی قہقہہ سے سبکدوش چلے گا اور راج کا جی چیتا کے لئے لہجہ

کھیت مزدوروں کی مزدوری لگ بھگ پانچ روپے روز ہے۔ لیکن انہیں کام نہیں ملتا ہے۔ تھوڑے سے ہی ایسے ہیں جو تنخواہ پر کام کرتے ہیں اور برابر ان کی نوکری لگی رہتی ہے۔ کسی صورت میں بھی ایک کھیت مزدور کی آمدنی ساڑھے دس سو سے ادھک نہیں ہو پاتی۔ جب تک یہ حالتیں ہیں تب تک اٹلی کا کسان سد ماروا دی قہقہہ سے سبکدوش چلے گا اور راج کا جی چیتا کے لئے لہجہ



اپنی چیخوں کے دامن میں گھرا لیں؟ دہائیوں کی مٹائی کے کام میں لگانے کے لیے سرکار کے پاس پैसे نہیں ہیں اور امریکی فوج کے ہندو قیدیوں کو پالنے کے لیے اس کے پاس پैसे نہیں ہیں؟ کیا مہنگائی کا کارن ہتھیار بندی کی دہائی نہیں؟ ان باتوں پر بھی کسانوں نے خوب غالیاں بچائیں۔

ایک جگہ کہا ہو کہ میں بات چیت کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔ اور وہی تھی۔ اٹلی کے ممالک پر کامیاب کسب کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ مسئلہ بھی خوب ہے۔ اٹلی میں ابھی تک زمیندار صاحب زمین پر آ رہے ہیں۔ جب کوئی زمیندار کسی کو اپنا زمیندار پر دیتا ہے تو وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ کسان ہر کسب پر زمیندار کو اتنے اٹے اور اٹلی مہنگاں بھرت کرے گا۔ اس کا کارن یہ ہے کہ کسان کی مہنگاں زمین پر چمکیں گی۔ اس طرح وہ زمیندار کے حصے کا بھی غلہ کھائیں گی۔ اس غلے کے بدلے میں زمیندار کو مہنگی اور اٹے ملے گی چاہیں۔ اس بات سے کسان بھرت چمکتا ہے۔ کسان اور زمیندار کے بیچ مہنگی اور اٹوں کی تعداد پر چمکوا چلتا رہتا ہے۔ کسانوں نے جگہ جگہ پر کافی سنگسار کیا ہے اور وہ کھیں کھیں بھرت چمکتا ہے میں کامیاب ہو کر رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ کسب اور زمیندار میں بہت زیادہ ان بن نہیں تھی۔ مہنگی کے مطابق انہوں نے زمیندار کو چار مہنگاں اور تین درجن اٹے ہر کسب کو دینا چاہئے تھا۔ انہوں نے اٹے اور مہنگاں دینے کے بجائے یہ سببوتہ کر لیا کہ وہ ہر سال زمیندار کی چمکی کو ہولنگا شہر میں ایک مہنگی بھرت کر دیا کریں گے۔ اٹے کو اروپ سے بچاتے ہوئے کسب نے کہا "فارم بھر میں سب سے مہنگی مہنگی میں نے اس کے غلے باندھ دی۔" سب لوگ ہنس پڑے اور بحث ٹھہرائیں کے بیچ ختم ہو گئی۔

میں نے اس بات کی چرچا یہاں اس لئے کی ہے کہونکہ یہی سب چیزیں اٹلی کے کسانوں کی سسٹم کو بہت پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ ساجھی دار کسانوں اور زمینداروں درمیان پر زمین (ہاتھ پاؤں) کا رنگ چمکا ہوا ہے۔ میں جہاں جہاں گیا ہوں اور جو حالت میں نے وہاں دیکھی ہے وہ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اچھا نہ ہوگا کہ آنے والے عام چمکاؤ میں بیچ کے اٹلی کے ادھکار کسانوں کے وقت اس سرچے کو ملوں گے جس کے لئے زمینداروں اور زمینداروں کا اتنا ورودہ نہیں ہے۔

میں امریکا کے پہاڑی علاقوں کے فارم پر گیا۔ یہاں ایک کسان نے بہت دنوں سے اس بات کی شکایت کی کہ اسے چمکی کا مسئلہ اٹلی تک پہنچانے کے بعد اور دن بھر تک رہنے کے بعد صرف تین روز ملے ہیں۔

ایک جگہ کہا ہو کہ میں بات چیت کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔ اور وہی تھی۔ اٹلی کے ممالک پر کامیاب کسب کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ مسئلہ بھی خوب ہے۔ اٹلی میں ابھی تک زمیندار صاحب زمین پر آ رہے ہیں۔ جب کوئی زمیندار کسی کو اپنا زمیندار پر دیتا ہے تو وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ کسان ہر کسب پر زمیندار کو اتنے اٹے اور اٹلی مہنگاں بھرت کرے گا۔ اس کا کارن یہ ہے کہ کسان کی مہنگاں زمین پر چمکیں گی۔ اس طرح وہ زمیندار کے حصے کا بھی غلہ کھائیں گی۔ اس غلے کے بدلے میں زمیندار کو مہنگی اور اٹے ملے گی چاہیں۔ اس بات سے کسان بھرت چمکتا ہے۔ کسان اور زمیندار کے بیچ مہنگی اور اٹوں کی تعداد پر چمکوا چلتا رہتا ہے۔ کسانوں نے جگہ جگہ پر کافی سنگسار کیا ہے اور وہ کھیں کھیں بھرت چمکتا ہے میں کامیاب ہو کر رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ کسب اور زمیندار میں بہت زیادہ ان بن نہیں تھی۔ مہنگی کے مطابق انہوں نے زمیندار کو چار مہنگاں اور تین درجن اٹے ہر کسب کو دینا چاہئے تھا۔ انہوں نے اٹے اور مہنگاں دینے کے بجائے یہ سببوتہ کر لیا کہ وہ ہر سال زمیندار کی چمکی کو ہولنگا شہر میں ایک مہنگی بھرت کر دیا کریں گے۔ اٹے کو اروپ سے بچاتے ہوئے کسب نے کہا "فارم بھر میں سب سے مہنگی مہنگی میں نے اس کے غلے باندھ دی۔" سب لوگ ہنس پڑے اور بحث ٹھہرائیں کے بیچ ختم ہو گئی۔

میں نے اس بات کی چرچا یہاں اس لئے کی ہے کہونکہ یہی سب چیزیں اٹلی کے کسانوں کی سسٹم کو بہت پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ ساجھی دار کسانوں اور زمینداروں درمیان پر زمین (ہاتھ پاؤں) کا رنگ چمکا ہوا ہے۔ میں جہاں جہاں گیا ہوں اور جو حالت میں نے وہاں دیکھی ہے وہ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اچھا نہ ہوگا کہ آنے والے عام چمکاؤ میں بیچ کے اٹلی کے ادھکار کسانوں کے وقت اس سرچے کو ملوں گے جس کے لئے زمینداروں اور زمینداروں کا اتنا ورودہ نہیں ہے۔

میں امریکا کے پہاڑی علاقوں کے فارم پر گیا۔ یہاں ایک کسان نے بہت دنوں سے اس بات کی شکایت کی کہ اسے چمکی کا مسئلہ اٹلی تک پہنچانے کے بعد اور دن بھر تک رہنے کے بعد صرف تین روز ملے ہیں۔

میں امریکا کے پہاڑی علاقوں کے فارم پر گیا۔ یہاں ایک کسان نے بہت دنوں سے اس بات کی شکایت کی کہ اسے چمکی کا مسئلہ اٹلی تک پہنچانے کے بعد اور دن بھر تک رہنے کے بعد صرف تین روز ملے ہیں۔



( 2 )

( 2 )

150



کرریب کرریب 28000 एकड़ है. इस से सरकार को बहुत फायदा है. वह यह भी सुनायेंगे कि इस डेल्टा को उपजाऊ बनाने के लिये जो ढंग वह अपना रहे हैं वह बहुत ही कारगर सिद्ध हुए हैं. इस में شک नहीं कि जमीन को खेती के लायक बनाने की कोशिश की गई है. लेकिन यह कहानी भी मजेदार है. मुसोलिनी के समय में बड़ी बड़ी कंपनियों को बहुत सी रिश्चारतें मिल गई थीं. उन्होंने दलदली जमीन को सुखा कर खेती के योग बनाने की कुछ कोशिश भी की थी. वह कंपनियां आज भी अपने काम में लगी हैं. लगभग दस हजार एकड़ जमीन उनके कब्जे में है. पर उनकी पालिसी यह रही है कि गाय को चारा कम से कम और दूध जियादा से जियादा. वह अपनी जरूरत के लिये कुछ पैसा लगाते हैं और उस से जियादा से जियादा फायदा उठाने की कोशिश करते हैं. वह पैदावार जियादा इसलिए भी नहीं बढ़ाते क्योंकि ऐसी हालत में टैक्स बढ़ने का डर है. फिर वह खामखा दर्द सर मोल क्यों ले. अगर सिचाई का प्रबन्ध नहीं है, अगर खाद के बिना जमीन खराब हो रही है, तो इसकी चिन्ता उनको नहीं है. इटली के किसानों की बे रोजगारी की समस्या को हल करने की जिम्मेदार कंपनियां कैसे हो सकती हैं. अगर लोग दिर्र के बीमार हैं तो हुआ करें. स्कूल, अस्पताल, सफाई वगैरा का प्रबन्ध नहीं है तो न हो. कंपनी के डायरेक्टर कभी इन बेवकूफी की बातों पर ध्यान नहीं देते.

ऐसा लगता है कि सरकार भी इन बातों को ध्यान देने के लायक नहीं समझती. अखबारों में जमीन सुधार का दिवारा जरूर पीटा जाता है—अब तक लगभग दस लाख एकड़ जमीन सरकार 20 हजार खानदानों में बांट चुकी है, तीस तीस साल के लिये पांच एकड़ से लेकर पचास एकड़ तक के प्लाट किसानों को दे दिये गए हैं. सरकार ने गांवों में नौ हजार मकान बनवाए हैं. इन में से छह हजार तैयार हो गए हैं और बाक़ी जल्द तैयार होने वाले हैं वगैरा वगैरा. ऐसी कुछ बातें हुईं जरूर हैं लेकिन उनका फायदा किसानों को नहीं हुआ. इन प्रोग्रामों के पीछे राजकाजी चालें थी. पानी की तरह रुपया बहाया गया और अपनी पार्टी को मजबूत किया गया. इन सुधारों से दक्खिनी इटली के निठल्ले जमींदारों ने खूब फायदा उठाया बीच इटली में जहां का मैं फिर कर रहा हूँ इन प्रोग्रामों का कोई असर दिखाई नहीं पड़ता. इस डेल्टा और कोमेचियु की बात कौन करे, पो और टाईबर नदी के कछारों में भी मुझे किसी सुधार का अनुभव न हुआ. इटली के सभी सूबे गरीबी और कम पैदावार के शिकार हैं. यह हालत मैदान और पहाड़ दोनों हिस्सों के किसानों की है. केवल इटली के 20 लाख बे खेत किसान ही भूखों नहीं मर रहे बल्कि 5 लाख 'मीथादारी' (शिकमी किसान) की भी यही दुर्दशा है.

کرریب کرریب 28000 ایکڑ ہے. اس سے سرکار کو بہت فائدہ ہے. وہ یہ بھی سناؤں گے کہ اس ڈیلٹا کو اُچھاڑ بنانے کے لئے جو قہلنگ وہ اپنا رہے ہیں وہ بہت ہی کارگر سندھ ہوئے ہیں. اس میں شک نہیں کہ زمین کو کھیتی کے لائق بنانے کی کوشش کی گئی ہے. لیکن یہ کہانی بھی مزیدار ہے. موسولینی نے سیم میں ہوتی ہوئی کھیتوں کو بہت سی رعایتیں مل گئیں تھیں. انہوں نے دلدلی زمین کو سکھا کر کھیتی کے یوگ بنانے کی کچھ کوشش بھی کی تھی. وہ کھیتوں آج بھی اپنے کام میں لگے ہیں. لگ بھگ دس ہزار ایکڑ زمین ان کے قبضے میں ہے. پر ان کی پالیسی یہ رہی ہے کہ گائے کو چارہ کم سے کم اور دودھ زیادہ سے زیادہ. وہ اپنی ضرورت کے لئے کچھ پیسے لگاتے ہیں اور اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں. وہ پیداوار زیادہ اس لئے بھی نہیں بڑھاتے کیونکہ ایسی حالات میں ٹیکس بڑھنے کا ڈر ہے. پھر وہ خواہ مشوہ درد سر مول کہیں لیں. اگر سلیجھائی کا پرہیز نہیں ہے 'اگر کھاد کے بلحا زمین خراب ہو رہی ہے' تو اس کی چلتا ان کو نہیں ہے. اٹلی کے کسانوں کی بے روزگاری کی سسٹما کو حل کرنے کی ذمہ دار کھیتوں کے کھسے ہو سکتی ہیں. اگر لوگ حق کے ہمارے ہیں تو ہوا کریں. اسکول 'اسپتال' صفائی وغیرہ کا پرہیز نہیں ہے تو نہ ہو. کھیتی کے ڈائریکٹر کبھی ان ہولناکیوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے.

ایسا لگتا ہے کہ سرکار بھی ان باتوں کو دھیان دینے کے لائق نہیں سمجھتی. اخباروں میں زمین سدھار کا قہلچہرو ضرور چلتا جاتا ہے—اب تک لگ بھگ قہائی لاکھ ایکڑ زمین سرکار 20 ہزار خاندانوں میں بانٹ چکی ہے 'تیس تیس سال کے لئے پانچ ایکڑ سے کر پچاس ایکڑ تک کے پلاٹ کسانوں کو دے دیئے گئے ہیں. سرکار نے گاؤں میں نو ہزار مکان بنوائے ہیں. ان میں سے چھ ہزار تیار ہو گئے ہیں اور باقی جلد تیار ہونے والے ہیں وغیرہ وغیرہ. ایسی کچھ باتیں ہوئی ضرور ہیں لیکن ان کا فائدہ کسانوں کو نہیں ہوا. ان پروگراموں کے پیچھے راجکاچی چالیں تھیں. پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا اور اپنی پارٹی کو مضبوط کیا گیا. ان سدھاروں سے دکنی اٹلی کے نچلے زمینداروں نے خوب فائدہ اُٹھایا. بیچ اٹلی میں جہاں کا میں ذکر کر رہا ہوں ان پروگراموں کا کوئی اثر دکھائی نہیں پڑتا. اس ڈیلٹا اور کومچو کی بات کون کرے 'ہو اور ٹائبر ندی کے کچھاروں میں بھی کسی سدھار کا انبوہ نہ ہوا. اٹلی کے سبھی صوبے غریبی اور کم پیداوار کے شکار ہیں. یہ حالت میدان اور پہاڑ دونوں حصوں کے کسانوں کی ہے. کھول اٹلی کے 20 لاکھ بے کھیت کسان ہی ہوں نہیں مر رہے بلکہ 5 لاکھ 'میڈا داری' (شکمی کسان) کی بھی یہی دھنسا ہے.



हैं और औरतें और बच्चे उस घर से जिसमें कच्चे नम  
क्रय पर लेटना पड़ता है इस सबक को बेहतर समझते हैं।  
अक्सर के महीने में बेरोजगारी कुछ कम हो जाती है,  
फिर भी 75 फीसदी से ज्यादा ही लोग बेरोजगार रहते  
हैं। फसल की कटाई और जुताई के समय काम बढ़ जाता  
है, जाड़ा आते ही बेरोजगारों की तादाद 90 फीसदी तक  
पहुँच जाती है। इसी कारन यह भीड़ भड़कना सबक पर  
रहता है, क़रीब से देखने पर निंदाल चेहरे, सूखे होंट और  
गुस्तीली आँखों का अनुभव होता है।

गरीबी में बच्चों की तादाद भी बढ़ जाती है। कोमेचियु की म्युनिसिपलटी के आंकड़ों से पता चलता है कि हर खानदान में औसतन छै बच्चे होते हैं। शहर के बीच में पुरानी बे मरम्मत कोठरियों में बिना उमर और जिनस के बिचार किये छै छै और सात सात आदमी सोते हैं। शहर से बाहर जाने के लिये कच्ची गलियां हैं। बरसात में इन पर घुटने घुटने कीचड़ हो जाता है। इन इलाकों में भी आदमी ठुंसे रहते हैं। भोंपड़े मिट्टी और ठठुर के बने होते हैं और उन में खिड़कियां तक नहीं होतीं। एक खाते पीते कहे जाने वाले खानदान की सालाना आमदनी कुल 70 पौंड होती है। लोगों को ढंग का खाना तक नहीं मिलता। इसीलिये ज़ियादातर लोग दिक्क के शिकार होते हैं, जल्द ही उनकी आंखें खराब हो जाती हैं। शहर तक में बिजली का कोई इन्सुचाम नहीं है। गन्दगी हद दर्जे की पहुंची हुई है। यहां पानी के नल भी नहीं हैं। लगभग पानी के नल तो पूरे डेलटे में ही नहीं हैं। पीने का पानी बीस बीस मील की दूरी से गाँड़ियों पर लाद कर लाया जाता है और बेचा जाता है। एक छोटे गगरे का दाम एक आना होता है, जिस समय मैं वहां गया था तो कम से कम चालीस खानदान ऐसे थे जिन के पास कोई घर नहीं था। कोमेचियु में आम तरीक़े से लोग ठठुर पर फाग़ाज़ लपेट कर मकान बना लेते हैं। इन बेचारों के पास ऐसा भी कोई मकान नहीं था। किराया न देने के कारन यह सब घर से निकाल दिये गए थे। सब के सब एक छोटे से स्कूल में ठुंसे पड़े थे। यह इमारत मेयर ने किसी सूरत में ऐसे लोगों के लिये खाली करा दी थी।

शहर इटली की राजधानी रोम में जा कर कोमेचियु का और या इस डेल्टा का कोई जिक्र करे तो वह अधिकारियों के प्रेम का पात्र न होगा. अधिकारी जल्द ही बतायेंगे कि यह समस्या बहुत ही मुश्किल है और इटली की मौजूदा माली हालत इस योग्य नहीं है कि कोई हल इस सवाल का निकाला जाय. वह डेल्टा इस परिस्थिति से फायदा बताने लगेन. इस डेल्टे में जो निचले इलाक़े हैं उनसे मछली के व्योपार के कारन 45 रुपय पकड़ से लेकर 150 रुपय पकड़ तक का हर साल फायदा होता है. इस तरह की ज़मीन

ہیں اور عورتیں اور بچے اس گھر سے جس میں کچھ لم فرش پر لیٹا ہوتا ہے اس سرک کو بہتر سمجھتے ہیں۔ انگریزوں کے مہمانوں میں بے روزگاری کچھ کم ہو جاتی ہے، یہ بھی 75 فیصدی سے زیادہ ہی لوگ بے روزگار رہتے ہیں۔ فصل کی کٹائی اور چوتائی کے سبب کم بوجھ جاتا ہے۔ جارا آتے ہی بے روزگاروں کی تعداد 90 فیصدی تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی کارن یہ بھڑو بھڑکا سرک پر دھتا ہے، قریب سے دیکھتے ہیں نقد مال چھڑے، سوکھے ہونٹ اور غصہ باری آنکھوں کا انبوہ ہوتا ہے۔

غریبی میں بچوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے ۔  
 کومہ چھو کی مہونس پھلتی کے آنکڑوں سے پتہ چلتا ہے  
 کہ ہر خاندان میں اوسطاً چھ بچے ہوتے ہیں ۔ شہر کے  
 بچے میں پرانی بے سرت کو تھریوں میں بڑا بچہ اور  
 جلس کے وچار کٹہ چھ اور سات سات آدمی سوتے  
 ہیں ۔ شہر سے باہر جانے کے لئے کچی گلیاں ہیں ۔  
 پر سات میں ان پر گھٹلم گھٹلم کیچڑ ہو جاتا ہے ۔ ان  
 علاقوں میں بھی آدمی تھلے رہتے ہیں ۔ جھونڈے مٹی  
 اور تھلے کے بلے ہوتے ہیں اور ان میں کھوکھیاں تک نہیں  
 ہوتیں ۔ ایک ہاتھ پتہ کہہ جانے والے خاندان کی سالانہ  
 آمدنی کل 70 روپے ہوتی ہے لوگوں کو ڈھنگ کا کھانا  
 تک نہیں ملتا ۔ اسی لئے زیادہ تر لوگ دق کے شکار ہوتے  
 ہیں ، جلد ہی ان کی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں ۔  
 شہر تک میں بجلی کا کوئی انتظام نہیں ہے ۔ کلدکی  
 حد درجے کو پہنچتی ہوئی ہے ، یہاں پانی کے بل  
 بھی نہیں ہیں ۔ لگ بھگ پانی کے نل تو پورے قریب  
 میں ہی نہیں ہیں ۔ پونے کا پانی بوس بوس مہل کی  
 دروزی سے گڑوں پر لاد کر لایا جاتا ہے اور بھجنا جاتا ہے ۔  
 ایک چھوٹے گھرے کا دام ایک آنہ ہوتا ہے ۔ جس سے میں  
 وہاں کھا تھا تو کم سے کم چالیس خاندان ایسے تھے جن  
 کے پاس کوئی گھر نہیں تھا ۔ کومہ چھو میں عام طریقہ  
 سے لوگ تھنڈ پر کھڑے لہوٹ کر مکان بنا لیتے ہیں ۔ ان  
 بھتچاروں کے پاس ایسا بھی کوئی مکان نہیں تھا ۔ کراپہ  
 نہ دیکھ کے گاڑی یہ سب گھر سے نکال دیئے گئے تھے ۔ سب کے  
 سب ایک چھوٹے سے اسکول میں تھسے پڑے تھے ۔ یہ عمارت  
 مگر نے کسی صورت ایسی لوگوں کے لئے خالی کرا دی تھی ۔

اگر اٹلی کی راجدھانی روم میں جا کر کوئے چھو کا  
لوو یا اس قبیلے کا کوئی ڈنر کرے تو وہ اندھیکاریوں کے پریم  
کا پاتر نہ ہوگا۔ اندھیکاری جلد ہی بتائیں گے کہ یہ  
سمسہا بہت ہی مشکل ہے اور اٹلی کی موجودہ مالی  
حالیہ اس یوگ نہیں ہے کہ کوئی حل اس سوال کا نکال  
جائے۔ وہ اتنا اس پرستہتی سے فائدہ پہنچانے لگے۔  
اس قبیلے میں جو نچلے علاقے ہیں ان سے منجھلی  
کے پھوٹارے گارن 45 روپے لکڑی کے 150 ایکڑ تک  
کا ہر سال فائدہ ہوتا ہے، اس طرح کی زمینیں



## इटली کے کسان اور ان کی راج نیت

( آریئل میر والینس )

[ آریئل میر والینس انگلینڈ میں چھپنے والے اخبار 'دی نیو سٹریٹس مین اینڈ نیشن' کے رپورٹر ہیں۔ آپ اپنے اٹلی کے گاؤں کا दौरہ کیا ہے اور کسانوں کی ایک کانفرنس میں بھی भाग लिया है۔ यह लेख एक रिपोटाज है इस को पढ़ने के बाद इटली के किसान आन्दोलन और उनकी हालत की एक अच्छी मलक मिलती है। इस लेख का जमींदारी अन्त से संबंध नहीं है लेकिन किसानों की समस्या पर काफी रोशनी पड़ जाती है—एडीटर ]

करेरा से एड्रियाटिक तक जाने वाली तारकोल की उम्दा सड़क यकवारगी आस्ट्रेलेटो पर आकर खतम होती है। यहां से कोमेचियु जाने के लिये दूसरी सड़क पकड़नी पड़ती है। इस जगह को 'कठिनाइयों की राजधानी' कहा जाता है। सड़क पर गर्द उड़ती रहती है और जगह जगह पर गर्द भी हैं। छोटी छोटी गिट्टियां बिछी हैं जिन को चूर चूर करती हुई कोई लारी गुजर जाती है आस्ट्रेलेटो और कोमेचियु के बीच सिर्फ यही एक सड़क है। यहां पहुँच कर पो नवी के कछार के लम्बे चौड़े लहलहाते खेत पीछे छूट जाते हैं। अब एक डेलटा मिलता है जो रेतीला मैदान है सिंचाई और पानी निकालने का जरूरी प्रबन्ध न होने के कारन इस का हफारों एकड़ हर साल गर्मी में सूख जाता है और जाड़ों में पानी में डूब जाता है खेती का कोई खास साधन दिखाई नहीं देता नीले आसमान के नीचे जहां तहां कुछ लोग मरियल बैलों से पुराने हल जोतते दिखलाई पड़ते हैं और दूर दूर नजर घुमाने पर कहीं कहीं कुछ मर्द और औरत कुदाली से खेत के वेले फोड़ते हुए मिलते हैं। आगे चलकर एक लम्बा चौड़ा मैदान मिलता है जिस पर पानी लहरें मार रहा है इस टुकड़े के चारों तरफ नमक की कीलें हैं और कुछ झोपड़े बने हुए हैं। इन झोपड़ों के रहने वाले मछलियां पकड़ कर गुजारा करते हैं। इस डेलटा का रकबा करीब करीब पांच लाख एकड़ है, करीब करीब तीन लाख आदमी इस में आबाद हैं। खियादा आबादी बे खेत मजदूरों की है। यह इलाका भयानक गरीबी और शोर गुल का गह्वारा है।

कोमेचियु की लम्बी सड़क पर चलते चलते जो पहला खयाल किसी के दिमाग में आ सकता है वह यह है कि यह जगह कोई चौक बाजार है। सारी आबादी—मर्द, औरत, बच्चे—सड़क पर इकट्ठे रहते हैं। इसका कारन जल्द ही साख्त हो जाता है, लगभग सभी मर्द बे रोजगार होते

## अली के कसान اور ان کی راج نیت

( آریئل میر والینس )

آریئل میر والینس انگلینڈ میں چھپنے والے اخبار 'دی نیو سٹریٹس مین اینڈ نیشن' کے رپورٹر ہیں۔ آپ نے اٹلی کے گاؤں کا دورہ کیا ہے اور کسانوں کی ایک کانفرنس میں بھی भाग लिया है۔ यह लेख एक रिपोटाज है इस को पढ़ने के बाद इटली के किसान आन्दोलन और उनकी हालत की एक अच्छी मलक मिलती है। इस लेख का जमींदारी अन्त से संबंध नहीं है लेकिन किसानों की समस्या पर काफी रोशनी पड़ जाती है—एडीटर ]

करेरा से एड्रियाटिक तक जाने वाली तारकोल की उम्दा सड़क यकवारगी आस्ट्रेलेटो पर आकर खतम होती है। यहां से कोमेचियु जाने के लिये दूसरी सड़क पकड़नी पड़ती है। इस जगह को 'कठिनाइयों की राजधानी' कहा जाता है। सड़क पर गर्द उड़ती रहती है और जगह जगह पर गर्द भी हैं। छोटी छोटी गिट्टियां बिछी हैं जिन को चूर चूर करती हुई कोई लारी गुजर जाती है आस्ट्रेलेटो और कोमेचियु के बीच सिर्फ यही एक सड़क है। यहां पहुँच कर पो नवी के कछार के लम्बे चौड़े लहलहाते खेत पीछे छूट जाते हैं। अब एक डेलटा मिलता है जो रेतीला मैदान है सिंचाई और पानी निकालने का जरूरी प्रबन्ध न होने के कारन इस का हफारों एकड़ हर साल गर्मी में सूख जाता है और जाड़ों में पानी में डूब जाता है खेती का कोई खास साधन दिखाई नहीं देता नीले आसमान के नीचे जहां तहां कुछ लोग मरियल बैलों से पुराने हल जोतते दिखलाई पड़ते हैं और दूर दूर नजर घुमाने पर कहीं कहीं कुछ मर्द और औरत कुदाली से खेत के वेले फोड़ते हुए मिलते हैं। आगे चलकर एक लम्बा चौड़ा मैदान मिलता है जिस पर पानी लहरें मार रहा है इस टुकड़े के चारों तरफ नमक की कीलें हैं और कुछ झोपड़े बने हुए हैं। इन झोपड़ों के रहने वाले मछलियां पकड़ कर गुजारा करते हैं। इस डेलटा का रकबा करीब करीब पांच लाख एकड़ है, करीब करीब तीन लाख आदमी इस में आबाद हैं। खियादा आबादी बे खेत मजदूरों की है। यह इलाका भयानक गरीबी और शोर गुल का गह्वारा है।

कोमेचियु की लम्बी सड़क पर चलते चलते जो पहला खयाल किसी के दिमाग में आ सकता है वह यह है कि यह जगह कोई चौक बाजार है। सारी आबादी—मर्द, औरत, बच्चे—सड़क पर इकट्ठे रहते हैं। इसका कारन जल्द ही साख्त हो जाता है, लगभग सभी मर्द बे रोजगार होते



मालगुजारी का ख़ातमा करके सरकार ने ठीक ही किया है। इसे कोई बुरा न कहेगा पर इससे भूमि व्यवस्था में सुधार नहीं हो सकते और न किसानों की ही हालत सुधर सकती है। इस में शक नहीं कि किसान को राहत मिली है पर हमारा मक़सद खेती के उद्योग को बढ़ावा और किसान के जीवन स्तर को ऊँचा उठाना है। यह दोनों मक़सद सिर्फ़ मालगुजारी ख़ातमे से पूरे नहीं होते। मालगुजारी ख़ातमा तो सिर्फ़ एक साधन था, मक़सद नहीं। अगर सरकार को खेती और किसान की सब्जी सेवा करना है तो मालगुजारी ख़ातमे को आख़री काम नहीं समझना चाहिये, शुरू का काम ही समझना चाहिये।

ماتنگداری کا خاتمہ کر کے سرکار نے ٹھیک ہی کہا ہے ۔  
اسے کوئی برا نہ کہہ گا پر اس سے یہی ویسوتا ہے ۔  
سداہار نہیں ہو سکتے اور نہ کسانوں کی ہی  
حالت سداہار ہو سکتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ کسان  
کو راحت ملی ہے پر ہمارا مقصد کھیتی کے ادھوک کو  
بھانا اور کسان کے جھون استر کو اڑنچا اٹھانا ہے ۔ یہ  
دونوں مقصد صرف ماتنگداری خاتمہ سے پورے نہیں ہوتے ۔  
ماتنگداری خاتمہ تو صرف ایک سادھن تھا مقصد نہیں ۔  
اگر سرکار کو کھیتی اور کسان کی سچی سمجھا کرنا ہے تو  
ماتنگداری خاتمہ کو آخری کام نہیں سمجھنا چاہئے ،  
بلکہ اس کا کام ہی سمجھنا چاہئے ۔



لےتے ہیں اور پتیل کے پاس رکھنا نہیں ہوتا تو اس سے لےتے ہیں جس سے پتیل لےنے کو کہتا ہے یا کسی ساہوکار سے لےتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سرکاری قرض اب کسان کو قرض لینے کو مجبور کرتا ہے۔

کچھ لوگوں کا مت ہے کہ لگان وصولی کا کام پٹھانیت کو سونپ دیا جائے تو ہوا اچھا ہو۔ ساتھ ہی اگر یہ چھ فیصدی کمیشن گلوں پٹھانیت کو ملے لگے تو وہ اسے گلوں کی ترلی میں خرچ کر سکتی ہیں۔ اس بار کچھ لوگوں نے یہ اٹھایا کی ہے کہ اگر گلوں پٹھانیت کے سرپرست یا پٹھان سرکاری روپے لے کر پتیل روپے لے کر بھاگ جائے تو کیا ہوگا۔ جس طرح کسی گلوں کا ساہوکار روپے لے کر بھاگ سکتا ہے اسی طرح پتیل بھی بھاگ سکتا ہے۔ پٹواری پتیل کا آٹک گلوں میں اسی طرح ہٹا ہوا ہے جس طرح مالگڈار کا تھا۔ اگر پتیل اور پٹواری کا معاملہ ہوا تو کسی بھی سہ کسان کی زندگی اور قسمت کے ساتھ کھلوا کر کیا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ دیکھی گئی ہے کہ سرکاری دھمکیاں کے ماتحت کچھ کم بہت کڑبو ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ مالگڈار سنگھارا لگانے کے لئے اپنے نااہل کا تھوکنہ جوٹھ اسارے کے مہلتے تک دے دیتے تھے۔ لیکن اب پٹھانیت جگہ سے آرہی ہے اور آئے ہیں تب نظام ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لہسا ہوتا ہے کہ جب سنگھارے لگانے کا سہ نکل جاتا ہے تب نظام ہوتا ہے۔ اس طرح جب مہو کی فصل ختم ہو جاتی ہے تب مہو کے پھڑوں کا نظام ہوتا ہے۔ یہ حالت سب جگہ نہیں ہے اور جہاں ہے وہی ممکن ہے سہ پاکر وہ سدھر جائے لیکن اس سے تو لوگوں کو کافی تکلیف ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس بھومی سدھار سے کسانوں کو کیا فائدہ ہوگا۔ جیسا ہم کہ چکے ہیں زیادہ تر پرانے مالگڈار ہی نئے پتیل ہو گئے ہیں اور پٹواری پتیل کا آٹک اسی شکل میں ہے جس شکل میں مالگڈار پتیل کا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آرتھک نظر سے کسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لگان میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ اس نے پورے کر چھوٹے ابواب و مہوہ بود گئے ہیں۔ اب گلوں پٹھانیتوں نے بھی کر لیا دیکھتے ہیں اس نے کسان کو تو کوئی راحت ملی نہیں۔ اصل میں وہ بھومی سدھار کا کوئی سکہ انہیں نہیں کر رہا ہے۔

اب دہی کھیتی میں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے ذریعہ دی جانے والی موڈھاؤں کی بات۔ پٹھانیتوں میں مجھے مذہب پر دھم کے کچھ گلوں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ

دوسری بات یہ دیکھی گئی ہے کہ سرکاری دھمکیاں کے ماتحت کچھ کم بہت کڑبو ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ مالگڈار سنگھارا لگانے کے لئے اپنے نااہل کا تھوکنہ جوٹھ اسارے کے مہلتے تک دے دیتے تھے۔ لیکن اب پٹھانیت جگہ سے آرہی ہے اور آئے ہیں تب نظام ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لہسا ہوتا ہے کہ جب سنگھارے لگانے کا سہ نکل جاتا ہے تب نظام ہوتا ہے۔ اس طرح جب مہو کی فصل ختم ہو جاتی ہے تب مہو کے پھڑوں کا نظام ہوتا ہے۔ یہ حالت سب جگہ نہیں ہے اور جہاں ہے وہی ممکن ہے سہ پاکر وہ سدھر جائے لیکن اس سے تو لوگوں کو کافی تکلیف ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس بھومی سدھار سے کسانوں کو کیا فائدہ ہوگا۔ جیسا ہم کہ چکے ہیں زیادہ تر پرانے مالگڈار ہی نئے پتیل ہو گئے ہیں اور پٹواری پتیل کا آٹک اسی شکل میں ہے جس شکل میں مالگڈار پتیل کا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آرتھک نظر سے کسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لگان میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوئی۔ اس نے پورے کر چھوٹے ابواب و مہوہ بود گئے ہیں۔ اب گلوں پٹھانیتوں نے بھی کر لیا دیکھتے ہیں اس نے کسان کو تو کوئی راحت ملی نہیں۔ اصل میں وہ بھومی سدھار کا کوئی سکہ انہیں نہیں کر رہا ہے۔

اب دہی کھیتی میں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے ذریعہ دی جانے والی موڈھاؤں کی بات۔ پٹھانیتوں میں مجھے مذہب پر دھم کے کچھ گلوں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ

اب دہی کھیتی میں ترلی کرنے کے لئے سرکار کے ذریعہ دی جانے والی موڈھاؤں کی بات۔ پٹھانیتوں میں مجھے مذہب پر دھم کے کچھ گلوں میں جانے کا موقع ملا۔ ایک کسان کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا آپ



کی جگہ ہی یہ جنگل ان کے ہاتھ سے لیسکنے والے ہیں تو انہوں نے ہمواریوں اور ٹھیکہ داروں کے مٹے مٹے مول کے دے دیے اور ان ٹھیکہ داروں نے ان جنگلوں کو صاف کر دیا۔ ٹھیک اور دوسری صارتی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پودے جو کچھ ہی کم ہوں آ سکتے تھے کھاری کے کھاتے آثار دیکھ گئے۔ کچھ لوگوں کا اندازہ ہے کہ اس طرح سرکار کو لگ بھگ ایک کروڑ روپے کا نقصان ہوا اور یہ آج سے چھوٹے چھوٹے جنگل لگ بھگ دس سال میں آباد ہو پائیں گے۔ کیا اچھا ہونا اگر سرکار اس خطرے کو دیکھ لیتی اور ایک آرٹیفیسیل یا اسی کے ذریعے اس پرہیزی کو روک لیتی۔

قانون سے سرکار نے مالکداروں کا تو خاتمہ کر دیا ہے اب سوال یہ آتا ہے کہ ان مالکداروں کی جگہ لگان وصول کون کرے اور اسے سرکاری خزانے میں جمع کون کرے؟ اس کے لئے سرکار نے ہر ایک گاؤں میں پتیل مقرر کئے۔ سرکار کی لوک اشاعتی کی ہواؤں انکی زیادہ بھوک آتی ہے ہر ایک گاؤں میں ان پتیلوں کا کسانوں کے ذریعے چٹاؤ کرایا گیا۔ لیکن جہاں ان پتیل اور آئل کا راج ہو وہاں یہ چٹاؤ کہاں تک سہل ہو سکتے ہیں اس کا انومان ہم آسانی سے کر سکتے ہیں۔ کیا گاؤں والوں کی یا کسانوں کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ جہاں کل تک ایک مالکدار کا راج تھا وہاں آج اس مالکدار کے خلاف کوئی دوسرا آدمی ایک معمولی کسان پتیل چن لیا جائے گا؟ یا چٹاؤ کرانے والے پتیلوں، دیونوں، سپروائزر یا نائب تحصیلدار کی اچھا کے خلاف کوئی کسان پتیل چن لیا جائے گا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ دس میں سے نو پتیل وہی آدمی چلے گئے جو پہلے اس گاؤں کے مالکدار یا مقدم تھے۔ صرف کچھ گاؤں میں جہاں مالکدار کمزور تھے، جانت پت کے بل پر کچھ ایسے آدمی پتیل چلے گئے جو پہلے مالکدار نہیں تھے۔ ان چٹاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں تک کہ کسانوں کا سمجھدہ ہے، ان کے لئے وہ پرانا آئل کچھوں کا نہیں بھا رہا۔ کہا جاتا ہے پتیلوں کے چٹاؤ کی یہ سوجہ مدھم پردیش کے پتیلوں میں منسلک دوا کا پراساد مصر کے دماغ کی اچھ نہیں۔

یہ پتیل کسانوں سے لگان وصول کر کے اسے سرکاری خزانے میں جمع کرتے ہیں اور اس کے لئے چھ فی صدی کمیشن ملتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ایک طرح سے دوسری شکل میں زمینداروں کی ہوتی۔ اب لگان ادائیگی ایک طرح سے سرکاری قرض کا ادا کرنا ہوگا۔ لگ بھگ پر لگان نہیں کیا گیا تو پورا سرکاری قرض کسان پر پڑتا ہے۔ اس کے نام واریٹ نکلتا ہے اور جانے کیا کیا حالت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب پر لگان ادا کر کے کسان اکثر انہیں پتیلوں سے اونچے سود پر روپے

کی جگہ ہی یہ جنگل ان کے ہاتھ سے لیسکنے والے ہیں تو انہوں نے ہمواریوں اور ٹھیکہ داروں کے مٹے مٹے مول کے دے دیے اور ان ٹھیکہ داروں نے ان جنگلوں کو صاف کر دیا۔ ٹھیک اور دوسری صارتی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پودے جو کچھ ہی کم ہوں آ سکتے تھے کھاری کے کھاتے آثار دیکھ گئے۔ کچھ لوگوں کا اندازہ ہے کہ اس طرح سرکار کو لگ بھگ ایک کروڑ روپے کا نقصان ہوا اور یہ آج سے چھوٹے چھوٹے جنگل لگ بھگ دس سال میں آباد ہو پائیں گے۔ کیا اچھا ہونا اگر سرکار اس خطرے کو دیکھ لیتی اور ایک آرٹیفیسیل یا اسی کے ذریعے اس پرہیزی کو روک لیتی۔

قانون سے سرکار نے مالکداروں کا تو خاتمہ کر دیا ہے اب سوال یہ آتا ہے کہ ان مالکداروں کی جگہ لگان وصول کون کرے اور اسے سرکاری خزانے میں جمع کون کرے؟ اس کے لئے سرکار نے ہر ایک گاؤں میں پتیل مقرر کئے۔ سرکار کی لوک اشاعتی کی ہواؤں انکی زیادہ بھوک آتی ہے ہر ایک گاؤں میں ان پتیلوں کا کسانوں کے ذریعے چٹاؤ کرایا گیا۔ لیکن جہاں ان پتیل اور آئل کا راج ہو وہاں یہ چٹاؤ کہاں تک سہل ہو سکتے ہیں اس کا انومان ہم آسانی سے کر سکتے ہیں۔ کیا گاؤں والوں کی یا کسانوں کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ جہاں کل تک ایک مالکدار کا راج تھا وہاں آج اس مالکدار کے خلاف کوئی دوسرا آدمی ایک معمولی کسان پتیل چن لیا جائے گا؟ یا چٹاؤ کرانے والے پتیلوں، دیونوں، سپروائزر یا نائب تحصیلدار کی اچھا کے خلاف کوئی کسان پتیل چن لیا جائے گا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ دس میں سے نو پتیل وہی آدمی چلے گئے جو پہلے اس گاؤں کے مالکدار یا مقدم تھے۔ صرف کچھ گاؤں میں جہاں مالکدار کمزور تھے، جانت پت کے بل پر کچھ ایسے آدمی پتیل چلے گئے جو پہلے مالکدار نہیں تھے۔ ان چٹاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں تک کہ کسانوں کا سمجھدہ ہے، ان کے لئے وہ پرانا آئل کچھوں کا نہیں بھا رہا۔ کہا جاتا ہے پتیلوں کے چٹاؤ کی یہ سوجہ مدھم پردیش کے پتیلوں میں منسلک دوا کا پراساد مصر کے دماغ کی اچھ نہیں۔

یہ پتیل کسانوں سے لگان وصول کر کے اسے سرکاری خزانے میں جمع کرتے ہیں اور اس کے لئے چھ فی صدی کمیشن ملتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ایک طرح سے دوسری شکل میں زمینداروں کی ہوتی۔ اب لگان ادائیگی ایک طرح سے سرکاری قرض کا ادا کرنا ہوگا۔ لگ بھگ پر لگان نہیں کیا گیا تو پورا سرکاری قرض کسان پر پڑتا ہے۔ اس کے نام واریٹ نکلتا ہے اور جانے کیا کیا حالت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب پر لگان ادا کر کے کسان اکثر انہیں پتیلوں سے اونچے سود پر روپے



## مध्य प्रदेश میں بھومی सुधार

( پربالا لال شریواستو )

بھارت میں سہارا کے بعد سرکار نے مار کے کا جو کام کیا ہے وہ ہے کچھ سوچ میں بھومی سہارا . زمینداری کسی بھی راج میں یا کسی بھی آج کے شاسن میں ہونی نہیں چاہئے اور کانگریس تو بہت پہلے زمینداری کا انتظام کر چکی تھی . اس لئے کئی صوبوں میں کانگریس سرکار نے زمینداری ختم کر دی ہے . چونکہ پہلے سال چنڈاؤں میں کانگریس کو چنڈا کے وقت چاہئے تھے اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ چنڈاؤں کے پہلے ہی زمینداری انتظام قانون بن جائیں . چنانچہ وہ قانون بنا دیئے گئے . پر اس سہارا میں کچھ ایسی جملہ بازی کر گئی کہ اس میں کئی کھانوں وہ گئے اور سرکار اور چنڈا دونوں کو اس کے برے پہل ہو گیا پر وہ ہیں . اس لئے کہ مدد پر زمینداری میں زمینداری انتظام اور بھومی سہارا پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس میں کیا غلطیاں وہ گئے اور کسانوں کو کیا فائدہ ہوا .

مध्य प्रदेश میں زمینداروں کو مالگزار کہتے ہیں . 31 مارچ سن 1951 سے مध्य प्रदेश میں ہر طرح سے زمینداری یا مالگزاری ختم کر دی گئی . اس قانون کے زیریں 40 لاکھ مالگزار زمیندار بڑی سے 40 لاکھ ایکڑ زمین پر سے مالگزار کے ہر لے لیتے گئے . اب کارکنار بڑا سا نکرانا دیکر اپنی زمین پر مالگ مکران ہر حاصل کر سکتے ہیں .

جہاں تک اس قانون کا سہارا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ توہم ہے . سرکار اور کارکنار کے بیچ میں اب کوئی تیسرا آدمی نہیں رہ گیا اور لگ بھگ 80 سال تک کسانوں کو مالگزاروں کے جو انیما سہارا تھا ، ان کا خاتمہ ہو گیا . لیکن اس سے کسانوں کی اور بھومی کے سوال کا حل نہیں ہوا . اس پر ہم آئے دیکھیں گے . ابھی تو ہم دیکھیں گے کہ اس قانون کے بلانے میں سرکار نے کیا اور کیا ہوئیں گے .

## مدھیہ پردیش میں بھومی سہارا

( پربالا لال شریواستو )

بھارت میں سہارا کے بعد سرکار نے مار کے کا جو کام کیا ہے وہ ہے کچھ سوچ میں بھومی سہارا . زمینداری کسی بھی راج میں یا کسی بھی آج کے شاسن میں ہونی نہیں چاہئے اور کانگریس تو بہت پہلے زمینداری کا انتظام کر چکی تھی . اس لئے کئی صوبوں میں کانگریس سرکار نے زمینداری ختم کر دی ہے . چونکہ پہلے سال چنڈاؤں میں کانگریس کو چنڈا کے وقت چاہئے تھے اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ چنڈاؤں کے پہلے ہی زمینداری انتظام قانون بن جائیں . چنانچہ وہ قانون بنا دیئے گئے . پر اس سہارا میں کچھ ایسی جملہ بازی کر گئی کہ اس میں کئی کھانوں وہ گئے اور سرکار اور چنڈا دونوں کو اس کے برے پہل ہو گیا پر وہ ہیں . اس لئے کہ مدد پر زمینداری میں زمینداری انتظام اور بھومی سہارا پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس میں کیا غلطیاں وہ گئے اور کسانوں کو کیا فائدہ ہوا .

مدھیہ پردیش میں زمینداروں کو مالگزار کہتے ہیں . 31 مارچ سن 1951 سے مدھیہ پردیش میں ہر طرح سے زمینداری یا مالگزاری ختم کر دی گئی . اس قانون کے زیریں 40 لاکھ مالگزار زمیندار بڑی سے 40 لاکھ ایکڑ زمین پر سے مالگزار کے ہر لے لیتے گئے . اب کارکنار بڑا سا نکرانا دیکر اپنی زمین پر مالگ مکران ہر حاصل کر سکتے ہیں .

جہاں تک اس قانون کا سہارا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ توہم ہے . سرکار اور کارکنار کے بیچ میں اب کوئی تیسرا آدمی نہیں رہ گیا اور لگ بھگ 80 سال تک کسانوں کو مالگزاروں کے جو انیما سہارا تھا ، ان کا خاتمہ ہو گیا . لیکن اس سے کسانوں کی اور بھومی کے سوال کا حل نہیں ہوا . اس پر ہم آئے دیکھیں گے . ابھی تو ہم دیکھیں گے کہ اس قانون کے بلانے میں سرکار نے کیا اور کیا ہوئیں گے .

ہر ایک قانون کو بلانے میں کچھ وقت لگتا ہے . مدھیہ پردیش کے مالگزاروں کو جب معلوم ہوا کہ سرکار اب چنڈی ہی ہماری مالگزاری چھیننے والی ہے تو انہوں نے بھارت کی لگوتی بھلی بھارت کے مطابق ہاروا شروع کر دیا . مدھیہ پردیش میں چنڈا کے ہیں اور ان چنڈوں میں بھارتی لگوتی بھلی ہوتی ہے . سی . سی . ٹیک تو دیں اور دیں میں ہی مشہور ہے . اس طرح کے ہیں سے چنڈا مالگزاروں میں شامل ہے . جب مالگزاروں نے دیکھا

ہر ایک قانون کو بنانے میں کچھ وقت لگتا ہے . مध्य प्रदेश کے مالگزاروں کو جب معلوم ہو گیا کہ سرکار اب جلدی ہی ہماری مالگزاری ختم کرنے والی ہے تو انہوں نے بھارت کی لگوتی بھلی بھارت کے مطابق ہاروا شروع کر دیا . مध्य प्रदेश میں چنڈا کے ہیں اور ان چنڈوں میں بھارتی لگوتی بھلی ہوتی ہے . سی . سی . ٹیک تو دیں اور دیں میں ہی مشہور ہے . اس طرح کے ہیں سے چنڈا مالگزاروں میں شامل ہے . جب مالگزاروں نے دیکھا



17. गांव में काम करने वालों को जितनी मदद वहां के नौजवानों से मिल सकती है उससे कहीं ज्यादा वहां के बड़े बूढ़ों से मिल सकती है, यह बड़े बूढ़े बहुत तजुबे और पते की बात कहते हैं। नौजवान अधिक बलते हुए और तिजारती छुट्टि के हैं। तिजारती लोगों से किसान ज्यादा समझदार हैं।

18. नशा और जुआ, खास कर नौजवानों में गांव में बढ़ता जा रहा है।

19. लोगों को आम तौर पर यह सूझ रहा है कि सारे देश के लिये एक ऐसे नेक और जोरदार आदमी की जरूरत है जो कुटुम्ब के बड़े बूढ़े की तरह सब को ठीक राह पर चला सके।

20. ऐसा मालूम होता है कि दस दस या बीस बीस गांवों को मिला कर उनमें नेक सुविधा नियुक्त करना और ऐसे टुकड़ों को जहां तक हो सके राजनीतिक, आर्थिक और सब निगाहों से स्वावलम्बी और खुद मुख्तार बनाना, वही आज के गांव और वहां की जनता को बचाने का तरीका हो सकता है।

21. गांव स्कूलों के अध्यापक अपने अपने गांव में अच्छा काम कर सकते हैं बशर्ते कि वह खुद सच्चे, प्रेमी, बड़े दिल वाले, निरपेक्ष और चरित्रवान हों।

17. गाँव में काम करने वालों को जितनी मदद वहाँ के नौजवानों से मिल सकती है उससे कहीं ज्यादा वहाँ के बड़े बूढ़ों से मिल सकती है। यह बड़े बूढ़े बहुत तजुबे और पते की बात कहते हैं। नौजवान अधिक बलते हुए और तिजारती छुट्टि के हैं। तिजारती लोगों से किसान ज्यादा समझदार हैं।

18. नशा और जुआ खास कर नौजवानों में गाँव में बढ़ता जा रहा है।

19. लोगों को आम तौर पर यह सूझ रहा है कि सारे देश के लिये एक ऐसे नेक और जोरदार आदमी की जरूरत है जो कुटुम्ब के बड़े बूढ़े की तरह सब को ठीक राह पर चला सके।

20. ऐसा मालूम होता है कि दस दस या बीस बीस गाँवों को मिला कर उनमें नेक सुविधा नियुक्त करना और ऐसे टुकड़ों को जहाँ तक हो सके राजनीतिक, आर्थिक और सब निगाहों से स्वावलम्बी और खुद मुख्तार बनाना, वही आज के गाँव और वहाँ की जनता को बचाने का तरीका हो सकता है।

21. गाँव स्कूलों के अध्यापक अपने अपने गाँव में अच्छा काम कर सकते हैं बशर्ते कि वह खुद सच्चे, प्रेमी, बड़े दिल वाले, निरपेक्ष और चरित्रवान हों।

“मेरी राय में हिन्दुस्तान की और सारे संसार की अर्थ व्यवस्था ऐसी होनी चाहिये कि उसमें बिना खाने और कपड़े के कोई भी रहने न पाये। दूसरे लक्षणों में हर एक को अपनी गुजरबसर के लिये काफी काम मिलना ही चाहिये। यह आदर्श तभी सिद्ध होगा जबकि जीवन की पहली जरूरतें पूरी करने के साधनों पर जनता का अधिकार रहेगा जिस तरह भगवान की पैदा की हुई हवा और पानी सब को मुफ्त मिलता है उसी तरह यह साधन सब को बेरोक टोक के मिलने चाहिये। उन्हें दूसरों को खाने के लिये खान देना भी चाहिये नहीं बनने देना चाहिये।”

—महात्मा गांधी

“मेरी राय में हिन्दुस्तान की और सारे संसार की अर्थ व्यवस्था ऐसी होनी चाहिये कि उसमें बिना खाने और कपड़े के कोई भी रहने न पाये। दूसरे लक्षणों में हर एक को अपनी गुजरबसर के लिये काफी काम मिलना ही चाहिये। यह आदर्श तभी सिद्ध होगा जबकि जीवन की पहली जरूरतें पूरी करने के साधनों पर जनता का अधिकार रहेगा जिस तरह भगवान की पैदा की हुई हवा और पानी सब को मुफ्त मिलता है उसी तरह यह साधन सब को बेरोक टोक के मिलने चाहिये। उन्हें दूसरों को खाने के लिये खान देना भी चाहिये नहीं बनने देना चाहिये।”

—महात्मा गांधी



میں بڑا نہیں چاہتے۔ اپنی زمین سے چاہے ٹکڑے ٹکڑے  
 کویت الگ الگ پھلے ہوئے ہیں بہت ادھک  
 مستحق ہے۔ ایک نہ سبھی دوسرے ٹکڑے سے کسان کچھ نہ  
 کچھ پھنڈا کر کے اپنا کام چلے لیتا ہے۔ جب سارا گھر کام  
 کرتا ہے تو دو تین ہونکہ زمین سے ایک چھوٹے پرپورا کا  
 اچھی طرح گذار ہو جاتا ہے۔

8. کہنتی باری کے پچھمی طریقوں جیسے 'ٹرینکٹروں' کہمائی کہاد و شہرہ کے لوگ بالکل خلاف ہیں .

9. پلٹھانیتوں اور گاؤں سمجھاؤں یا تو بھکار پڑی ہوں اور یا بالکل اُپر کے سرکاری حکمران پر چلتی ہوں۔ لوگ سب ان سے استغاثت ہوں۔ ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے ایک آدمی نے کہا—”تھوئے تھوئے مریں بھلوا“ ہاندھ کھائیں ترنگ۔“

10. عام لوگوں میں سنگھٹن کی کمی ہے ۔ پارٹی  
ہندسی اور علاقہ ہر گاؤں میں پھیلی ہے ۔ پر یہ کارہاری  
لوگوں اور پڑھ لکھوں میں ادھک ہے ۔ سہدھے سادھے  
کسان اب بھی چھکڑے کی بات پسند نہیں کرتے ۔ کوئی  
سمجھاوے تو سنتے بھی ہیں ۔ گادھی جی میں لوگوں  
کو اتھرتا دیکھا ہے ۔ تھائی اور سادھو لوگوں کو وہ پسند  
کرتے ہیں ۔ اُن کا ہردے اب بھی بالکل تھک ہے ۔ اُنہیں  
کسی راز دکھانے والے کی ضرورت ہے ۔

11. مہرا خہال ہے نہ بھڑی کا جانا گاؤں  
میں بالکل بلند ہونا چاہئے۔ اُس کی جگہ لیگوں کو اگر  
تہاؤں پہنا ہی ہے تو اچھے کھیت کی تہاؤں چلم میں  
دکھ کر پھٹس تو کم نقصان ہو اور اُن کا پھسہ بھی بچے۔

12. ہر گاؤں میں ایک ایسے وزن دار اور نہک مکھیا  
کی ضرورت ہے جو اُن میں سچا سنگھتی پیدا کر سکے۔

13. عام قریب لوگوں میں مہمان کی سہولت اور  
ماں، مریہادا کا خیال آپ بھی بہت ہے ۔

14. جنگلوں کی کٹائی اور رہنمائی سے زمین کی

15. کھوے کی نلگی سے لوگ کافی پریشان ہیں۔

16. گاؤں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مونگ

پہلی، نہایت اور ہلاکتی ایکہ جو میں میں کام آتی ہے  
 ان کی کہتی بہت کم کی جارے، اور کھانے کا ناچ، تھیں  
 کھانے اور دیسی ایکہ کی کہتی ادھک کی جارے،  
 ہوس کا چلن کم ہو اور گاؤں والے تجارتی بدھی سے تھوڑا  
 ہنس کر کھانے اور کھڑے میں سوار لہن کی طرف چلیں۔  
 اس سے گاؤں کے دھندے، جوسہ کھڑے کی پٹائی، کولہو  
 وغیرہ بڑھانے اور گاؤں کا دھن باہر ہم جانا بند ہوگا۔ اس  
 طرح اناج کی پیداوار بھی بڑھ سکتی ہے اور دیسی کی  
 ناپ کی کمی بالکل دور ہو سکتی ہے۔



سب جگہ لوگ انہیں پریم کے ساتھ کھانے کو بلاتے اور رہنے کو تھکانے بھی دے دیتے تھے۔

2. انہوں نے دیکھا کہ گاؤں کے عام لوگ سب جگہ کانگریس اور سرکار دونوں سے بہت استغمت تھے۔ کانگریس کے نام تک سے لوگ بیدار تھے، پر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی کا کوئی آدمی ان سے ملنے آیا ہے تو اس سے پریم کے ساتھ ملتے تھے، ایسا سب دیکھوا اس سے کہتے تھے اور اس کی بات دھیان سے سنتے تھے۔

3. اس علاقے کے مہن جو جن حصوں میں نہر نکلی ہے ان لوگ کھڑو چو فصلوں ہی اداہک ہوتے تھے، یعنی سونگ پھلی، تھانو اور نمر ہمارتی ایکہ جھسی چھڑیں جو زمیں سے زیادہ سے زیادہ طاقت کھینچ لیتی تھیں۔ اس سے زمیں کی طاقت نکلتی جا رہی تھی۔ نہر کی زمیں سے ادھر، سرسوں، دیہی ایکہ، کھاس، جھسی کام کی چھڑیں نہیں لی جاتیں۔ نہری علاقوں میں کام کی چھڑیں کو پیدا کرنے کی شکتی بھی نکلتی جا رہی تھی۔ جوار جہاں پہلے جھسی من لی ہوکھا ہوتی تھی وہاں اب نکلتے نکلتے کہیں کہیں پانچ من فی ایکہا رہ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہروں سے باہری تجارت اور لوٹ پائٹ کا کام ہی لیا جاتا ہے گاؤں کی اصلی اور تکیو بھلائی کا نہیں۔

4. پوسوں کے لوہے میں اور فریموں کے کارن گاؤں والے اپنی کٹہ بھینسوں کا دودھ باہر بھج دیتے تھے اور اپنے بچوں، بھڑوں اور بھاروں تک کو دودھ نہیں دے پاتے، جس سے ان کی تندرستی بگڑتی جا رہی ہے۔

5. ایک گاؤں میں لک بھک نوے برس کے ایک بھڑے نے پڑھ آدمی نے مجھ سے کہا: ”جب سے یہ گاؤں کا نوٹ چلا ہے تب سے ہم لوگ متھے جا رہے ہیں۔ جب ہم چھڑوں کی ادا بدلی کر لیتے تھے تب ہمارا کھر بھرا دھتا تھا۔ یہ گاؤں کا نوٹ بار بار گرتا دھتا ہے اور دھوکا دیتا دھتا ہے۔ باہر یہ پیسے کا چلن ٹوٹے تو ہم لوگوں کی جان بچے۔“ موری اپنی رائے ہے کہ گاؤں میں سب مزدوری پوسے کی جگہ چھڑوں کے روپ میں ہی لی دی جائے تو گاؤں والوں کو زیادہ سودھا ہو اور ان کا ادھک بھلا ہو۔

6. ایک انویسٹی گٹر والے نے ان سے کہا: ”آج کل کے آدمی ہڈی چھڑو کتے کی طرح سوکھی ہڈی چھڑو کر اپنے ہی دانوں کے خوں کا سواد لیتے دھتے ہیں، اپنے سے انڈس اپنے بھائی کا خوں چوس کر اُس کی اور اپنی دونوں کی کڑی ہوئی حالت کو بھالے دھتے ہیں۔ دوسرے کے لشکی کے لئے اپنی ناک لگتے پھرتے ہیں۔“

7. سب جگہ اس بات کی ہوشیاری ہے کہ کسی کے پاس ضرورت سے کم زمین ہے اور کسی کے پاس بہت زیادہ۔ پھر بھی لوگ ساموہک کھیتی کے پھدھن

سب جگہ لوگ انہیں پریم کے ساتھ کھانے کو بلاتے اور رہنے کو تھکانے بھی دے دیتے تھے۔

2. انہوں نے دیکھا کہ گاؤں کے عام لوگ سب جگہ کانگریس اور سرکار دونوں سے بہت استغمت تھے۔ کانگریس کے نام تک سے لوگ بیدار تھے، پر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی کا کوئی آدمی ان سے ملنے آیا ہے تو اس سے پریم کے ساتھ ملتے تھے، ایسا سب دیکھوا اس سے کہتے تھے اور اس کی بات دھیان سے سنتے تھے۔

3. اس علاقے کے مہن جو جن حصوں میں نہر نکلی ہے ان لوگ کھڑو چو فصلوں ہی اداہک ہوتے تھے، یعنی سونگ پھلی، تھانو اور نمر ہمارتی ایکہ جھسی چھڑیں جو زمیں سے زیادہ سے زیادہ طاقت کھینچ لیتی تھیں۔ اس سے زمیں کی طاقت نکلتی جا رہی تھی۔ نہر کی زمیں سے ادھر، سرسوں، دیہی ایکہ، کھاس، جھسی کام کی چھڑیں نہیں لی جاتیں۔ نہری علاقوں میں کام کی چھڑیں کو پیدا کرنے کی شکتی بھی نکلتی جا رہی تھی۔ جوار جہاں پہلے جھسی من لی ہوکھا ہوتی تھی وہاں اب نکلتے نکلتے کہیں کہیں پانچ من فی ایکہا رہ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہروں سے باہری تجارت اور لوٹ پائٹ کا کام ہی لیا جاتا ہے گاؤں کی اصلی اور تکیو بھلائی کا نہیں۔

4. پوسوں کے لوہے میں اور فریموں کے کارن گاؤں والے اپنی کٹہ بھینسوں کا دودھ باہر بھج دیتے تھے اور اپنے بچوں، بھڑوں اور بھاروں تک کو دودھ نہیں دے پاتے، جس سے ان کی تندرستی بگڑتی جا رہی ہے۔

5. ایک گاؤں میں لک بھک نوے برس کے ایک بھڑے نے پڑھ آدمی نے مجھ سے کہا: ”جب سے یہ گاؤں کا نوٹ چلا ہے تب سے ہم لوگ متھے جا رہے ہیں۔ جب ہم چھڑوں کی ادا بدلی کر لیتے تھے تب ہمارا کھر بھرا دھتا تھا۔ یہ گاؤں کا نوٹ بار بار گرتا دھتا ہے اور دھوکا دیتا دھتا ہے۔ باہر یہ پیسے کا چلن ٹوٹے تو ہم لوگوں کی جان بچے۔“ موری اپنی رائے ہے کہ گاؤں میں سب مزدوری پوسے کی جگہ چھڑوں کے روپ میں ہی لی دی جائے تو گاؤں والوں کو زیادہ سودھا ہو اور ان کا ادھک بھلا ہو۔

6. ایک انویسٹی گٹر والے نے ان سے کہا: ”آج کل کے آدمی ہڈی چھڑو کتے کی طرح سوکھی ہڈی چھڑو کر اپنے ہی دانوں کے خوں کا سواد لیتے دھتے ہیں، اپنے سے انڈس اپنے بھائی کا خوں چوس کر اُس کی اور اپنی دونوں کی کڑی ہوئی حالت کو بھالے دھتے ہیں۔ دوسرے کے لشکی کے لئے اپنی ناک لگتے پھرتے ہیں۔“

7. سب جگہ اس بات کی ہوشیاری ہے کہ کسی کے پاس ضرورت سے کم زمین ہے اور کسی کے پاس بہت زیادہ۔ پھر بھی لوگ ساموہک کھیتی کے پھدھن



## हमारे गांव—एक भलाक

( कृषिचन्द् दुबे )

[ बरबा जिले में सेलडोह नाम का एक गांव है। ग्राम उद्योग संघ बरबा के मंत्री डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ने हाल में वहां एक आश्रम खोला है जिसका नाम है "पन्ने आश्रम सेलडोह"। 'पन्ने' शब्द तमिल भाषा का है जिसका अर्थ है संस्कृति या कलचर। वहां कई सौ एकड़ जमीन लेकर उसमें लोगों को बसाकर और खेती बाड़ी करके डाक्टर कुमारप्पा यह दिखाना चाहते हैं कि गांधी जी के सिद्धान्तों के अनुसार गांव वालों की आवश्यकता जैसी होनी चाहिये। जमीन खरीदने में जो रुपया लगा और शुरू में मकान बनाने, और बैल चरौरा खरीदने में जो रुपया लगेगा, उसके अलावा डाक्टर कुमारप्पा आश्रम और आश्रम वासियों के माहवारी खर्च के लिए, या आगे काम बढ़ाने के लिए, एक पैसा या कोई चीज बाहर से नहीं ले रहे हैं। डाक्टर कुमारप्पा ने ऐसी जमीन भी कोई नहीं खरीदी जो किसी किसान की जोत में रही हो और जिससे किसी को निकालना पड़े। उन्होंने सब जमीन परती की ली है। पन्ने आश्रम की रचना एक स्वावलम्बी ढंग से हो रही है। अपने ढंग का वह एक नया तजुरबा है।

हाल में पन्ने आश्रम के एक कार्यकर्ता श्री कृषिचन्द् दुबे देश के कुछ गांव की हालत देखने गए। इस के लिए उन्होंने यू. पी. के उम्माव जिले को चुना। ग्यारह दिन में वे इसी गांव गए, अकेले पैदल बिना एक पैसा या खाने का कोई सामान साथ लिये, नंगे पैर, नंगे बदन, कंधे पर खहर की एक मोटी चादर डाले, हाथ में एक मोला लिये जिस में एक फालतू धोती, एक अंगोछा, लोटा डोर, कुछ काता और एक पेंसिल थी। उन गांवों में उन्हें कोई पहले से नहीं जानता था, न उन्होंने किसी को किसी तरह की पहले से सूचना दी थी। हर गांव में जाते थे, जो लोग मिलते थे उनसे बातें करते थे, जो कोई खाना दे देता था खा लेते थे, और जहां जगह मिल जाती थी लेट रहते थे। इस तरह ग्यारह दिन की यात्रा में हर गांव की हालत कुछ देखने के साथ साथ उन्होंने किसानों और मजदूरी पैसा लोगों के अलावा गांव पंचायतों के लोगों, सरपंचों, गांव सभापति, जमींदारों और कांग्रेसी कार्यकर्ताओं से भी काफी बातें कीं। अपने लकड़ के कुछ तजुरबे उन्होंने 'नया हिन्द' को लिख कर भेजे हैं जिनका निबोध हम नीचे दे रहे हैं।

— एडीटर ]

1. हर गांव में थोड़ी दूर के अन्दर ही कम से कम इस बीच आदमी उनकी बातें सुनने के लिये जमा हो जाते थे।

## हमारे गांव—एक जहलक

( लक्ष्म जलदुबे )

[ उरुमा शल्लम में सेलडोह नाम का एक गांव है। ग्राम उद्योग संघ बरबा के मंत्री डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा ने हाल में वहां एक आश्रम खोला है जिसका नाम है "पन्ने आश्रम सेलडोह"। 'पन्ने' शब्द तमिल भाषा का है जिसका अर्थ है संस्कृति या कलचर। वहां कई सौ एकड़ जमीन लेकर उसमें लोगों को बसाकर और खेती बाड़ी करके डाक्टर कुमारप्पा यह दिखाना चाहते हैं कि गांधी जी के सिद्धान्तों के अनुसार गांव वालों की आवश्यकता जैसी होनी चाहिये। जमीन खरीदने में जो रुपया लगा और शुरू में मकान बनाने, और बैल चरौरा खरीदने में जो रुपया लगेगा, उसके अलावा डाक्टर कुमारप्पा आश्रम और आश्रम वासियों के माहवारी खर्च के लिए, या आगे काम बढ़ाने के लिए, एक पैसा या कोई चीज बाहर से नहीं ले रहे हैं। डाक्टर कुमारप्पा ने ऐसी जमीन भी कोई नहीं खरीदी जो किसी किसान की जोत में रही हो और जिससे किसी को निकालना पड़े। उन्होंने सब जमीन परती की ली है। पन्ने आश्रम की रचना एक स्वावलम्बी ढंग से हो रही है। अपने ढंग का वह एक नया तजुरबा है।

हाल में पन्ने आश्रम के एक कार्यकर्ता श्री कृषिचन्द् दुबे देश के कुछ गांव की हालत देखने गए। इस के लिए उन्होंने यू. पी. के उम्माव जिले को चुना। ग्यारह दिन में वे इसी गांव गए, अकेले पैदल बिना एक पैसा या खाने का कोई सामान साथ लिये, नंगे पैर, नंगे बदन, कंधे पर खहर की एक मोटी चादर डाले, हाथ में एक मोला लिये जिस में एक फालतू धोती, एक अंगोछा, लोटा डोर, कुछ काता और एक पेंसिल थी। उन गांवों में उन्हें कोई पहले से नहीं जानता था, न उन्होंने किसी को किसी तरह की पहले से सूचना दी थी। हर गांव में जाते थे, जो लोग मिलते थे उनसे बातें करते थे, जो कोई खाना दे देता था खा लेते थे, और जहां जगह मिल जाती थी लेट रहते थे। इस तरह ग्यारह दिन की यात्रा में हर गांव की हालत कुछ देखने के साथ साथ उन्होंने किसानों और मजदूरी पैसा लोगों के अलावा गांव पंचायतों के लोगों, सरपंचों, गांव सभापति, जमींदारों और कांग्रेसी कार्यकर्ताओं से भी काफी बातें कीं। अपने लकड़ के कुछ तजुरबे उन्होंने 'नया हिन्द' को लिख कर भेजे हैं जिनका निबोध हम नीचे दे रहे हैं।

1. हर गांव में थोड़ी दूर के अन्दर ही कम से कम इस बीच आदमी उनकी बातें सुनने के लिये जमा हो जाते थे।



68 کڑی سدی جانی کڑی 33 لاکھ ایکڑ جمنی ایک لاکھ 25 ہزار جمنی داروں کی ملکیت میں تھی جو خود خدے نہیں کرتے تھے اور کھول 32 لاکھ سدی چھوٹے کسانوں کی ملکیت میں تھی جن کی تعداد قریب آٹھ لاکھ تھی۔ قریب نو لاکھ کسان ایسے تھے جو کسی زمین کے مالک نہیں تھے اور صرف دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے تھے۔ ان انکڑوں سے پتہ چلتا ہے کہ نکلے زمینداروں کی ملکیت میں کتنی زیادہ زمین تھی اور جو لوگ اپنا پسینہ بہا کر زمین پر مصمت کرتے تھے ان کی ملکیت میں کتنی کم تھی چار سو بہتر بڑے بڑے زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ 45 ہزار ایکڑ زمین تھی۔ ایک ہزار آٹھ سو چھاسی زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار سات سو ساٹھ ایکڑ زمین تھی۔ قریب نو ہزار زمیندار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس پونے تیس ایکڑ سے زیادہ زمین تھی اور جن کی کل زمینیں ملا کر چھ لاکھ تریسٹھ ہزار ایکڑ ہوتی تھیں۔ اس میں سے چار لاکھ باسٹھ ہزار ایکڑ زمین نئے قانون کے مطابق چونکے والوں کی ملکیت میں دے دی گئی یا دے دی جا رہی ہے۔ جون سن 1952 تک قریب ایک لاکھ چالیس ہزار ایکڑ زمین ایک لاکھ پچھاس ہزار دو سو چھون کسانوں کو دی جا چکی ہے جو اب اپنی اپنی زمین کے مالک ہیں۔ ان کے گھر والوں کی تعداد ملا کر ساڑھے چار لاکھ ہوتی ہے۔ اسی عرصے کے اندر پچاس ہزار ایکڑ زمین ریاست کی ملکیت میں آئی۔ نئے قانون کے مطابق اندراج ریاست بھر میں تیزی کے ساتھ پورا کیا جا رہا ہے۔

68 لاکھ سدی جانی قریب 33 لاکھ ایکڑ زمین ایک لاکھ 25 ہزار زمینداروں کی ملکیت میں تھی۔ جو خود کھیتی نہیں کرتے تھے اور کھول 32 لاکھ سدی چھوٹے کسانوں کی ملکیت میں تھی جن کی تعداد قریب آٹھ لاکھ تھی۔ قریب نو لاکھ کسان ایسے تھے جو کسی زمین کے مالک نہیں تھے اور صرف دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے تھے۔ ان انکڑوں سے پتہ چلتا ہے کہ نکلے زمینداروں کی ملکیت میں کتنی زیادہ زمین تھی اور جو لوگ اپنا پسینہ بہا کر زمین پر مصمت کرتے تھے ان کی ملکیت میں کتنی کم تھی چار سو بہتر بڑے بڑے زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ 45 ہزار ایکڑ زمین تھی۔ ایک ہزار آٹھ سو چھاسی زمینداروں کے پاس ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار سات سو ساٹھ ایکڑ زمین تھی۔ قریب نو ہزار زمیندار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس پونے تیس ایکڑ سے زیادہ زمین تھی اور جن کی کل زمینیں ملا کر چھ لاکھ تریسٹھ ہزار ایکڑ ہوتی تھیں۔ اس میں سے چار لاکھ باسٹھ ہزار ایکڑ زمین نئے قانون کے مطابق چونکے والوں کی ملکیت میں دے دی گئی یا دے دی جا رہی ہے۔ جون سن 1952 تک قریب ایک لاکھ چالیس ہزار ایکڑ زمین ایک لاکھ پچھاس ہزار دو سو چھون کسانوں کو دی جا چکی ہے جو اب اپنی اپنی زمین کے مالک ہیں۔ ان کے گھر والوں کی تعداد ملا کر ساڑھے چار لاکھ ہوتی ہے۔ اسی عرصے کے اندر پچاس ہزار ایکڑ زمین ریاست کی ملکیت میں آئی۔ نئے قانون کے مطابق اندراج ریاست بھر میں تیزی کے ساتھ پورا کیا جا رہا ہے۔

## کسانوں کا گیت

بہر بھرتی، یہ زندگی ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے،  
 اچھوت بادل بن کے اٹھتے ہیں پربت سے ٹکرائیے۔  
 خستوں کی ہریاوتی بن کر لڑتی اپنی دیکھلائیے،  
 دُنیا کا دُکھ سونچ اپنا کر دُنیا پر لڑا جائیے۔  
 ہم خود ہی تڑپتے ہیں اپنی اچھوتی سہارا ہے،  
 بھہر بھرتی، یہ زندگی ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے۔

—مسز اچھوت 'جسمال'

## کسانوں کا گیت

یہ دھرتی، یہ جہنم حائر، یہ سنسار ہمارا ہے،  
 اچھوت بادل بن کے اٹھتے ہیں پربت سے ٹکرائیے۔  
 دھرتی کی ہریاوتی بن کر لڑتی اپنی دیکھلائیے،  
 دُنیا کا دُکھ سونچ اپنا کر دُنیا پر لڑا جائیے۔  
 ہم خود ہی تڑپتے ہیں اپنی اچھوتی سہارا ہے،  
 یہ دھرتی، یہ جہنم ساگر، یہ سنسار ہمارا ہے۔

—مسز اختر 'جمال'



جین جرمیاداروں کے پاس سیرک دو ایکڑ جمنین سے لے کر بارہ ایکڑ جمنین تک خودکار جمنین ہے وہ اس جمنین کو کسی دوسرے کے نام نہیں کر سکتے اور سب صورتوں میں جمنین کی ملکیت یا اس میں کوئی حق سرکار سے پہلے اجازت لے کر کسی دوسرے کے نام کیا جا سکتا ہے لیکن بغیر سرکار کی اجازت کے نہیں۔ کسی وقت بھی کوئی زمیندار پورے 23 ایکڑ سے زیادہ زمین کا مالک نہیں ہو سکتا اور کوئی کسان ہمیں ایکڑ سے زیادہ زمین اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی علاقے کے کسی رواج کے مطابق یا اس وقت کے کسی قانون کے مطابق کسی کے پاس پورے 23 ایکڑ یا 20 ایکڑ سے زیادہ زمین آگئی ہو تو اتنی زیادہ زمین ضبط شدہ ہو جائے گی۔ یہاں زمین میں جنگل کی زمینوں اور پرتی زمینوں شامل ہیں۔ لیکن جس زمین کے اوپر کسی گاؤں میں یا شہر میں کوئی مکان بنا ہوا ہو یا جو زمین کسی ایسے مکان وغیرہ سے منسلک رہتی ہو وہ شامل نہیں ہے۔

ہم یہ اوپر دیکھا چکے ہیں کہ زمین کے پھولوں کو ختم کر دینے کا ہمارا یہ مطلب نہیں تھا کہ زمینداروں سے ان سب کی زمینوں چھون لی جائیں۔ ہر زمیندار کے پاس اپنے ہاتھ میں ایک زمین اور گھاس کے میدانوں کے علاوہ اتنی کاشت کی زمین رہے جس سے اس کا اور اس کے گھر والوں کا اچھی طرح گزارہ ہو سکے۔ نئے قانون کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک خاص حد سے زیادہ زمین کسی کے پاس نہ ہو اور پہلے وہ کر دوئی دوسروں کی مصیبت پر مبنی نہ کرے۔

یہ سوال کہ جو زمینیں زمینداروں سے چھینی گئی ہیں ان کا کوئی معاوضہ انہیں دیا جائے یا نہ دیا جائے ہم نے ریاست کی کابینہ کی کابینہ اس مسئلے پر فیصلہ دیا۔ اس کے بعد ہمارے یہاں کی کابینہ کی کابینہ اس مسئلے پر ایک رائے یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ جو زمینیں زمینداروں سے لے لی گئی ہیں ان کا انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے۔ پھر بھی جس دن اس مسئلے نے یہ فیصلہ کیا اس دن تک ریاست کی سرکار پرانے زمینداروں کو سالانہ رقمیں یا پھنڈوں دیتی رہی۔ پہلے سال کے لئے اس زمین کی مالکداروں کا تین چوتھائی اور دوسرے سال یا سال کے حصے کے لئے مالکداروں کا دو تہائی سب زمینداروں کو دیا گیا۔ لیکن کسی صورت میں بھی یہ سالانہ رقم 3000 روپیہ سے زیادہ کسی کو نہیں دی گئی۔

جمنو اور کاشمیر ریاست نے چورانہ ہٹا کر چار سو ایکڑ ہٹا کر مریل کے اندر نو ہزار گاؤں ہیں۔ ان نو ہزار گاؤں کی نوے فی صدی آبائی کھیتی سے اپنی روزی چلاتی ہے۔ کھیتی کی کل زمین کا

جمنو اور کاشمیر کے پاس صرف دو ایکڑ زمین ہے ایکڑ بارہ ایکڑ زمین تک خود کاشت زمین ہے وہ اس زمین کو کسی دوسرے کے نام نہیں کر سکتے اور سب صورتوں میں زمین کی ملکیت یا اس میں کوئی حق سرکار سے پہلے اجازت لے کر کسی دوسرے کے نام کیا جا سکتا ہے لیکن بغیر سرکار کی اجازت کے نہیں۔ کسی وقت بھی کوئی زمیندار پورے 23 ایکڑ سے زیادہ زمین کا مالک نہیں ہو سکتا اور کوئی کسان ہمیں ایکڑ سے زیادہ زمین اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی علاقے کے کسی رواج کے مطابق یا اس وقت کے کسی قانون کے مطابق کسی کے پاس پورے 23 ایکڑ یا 20 ایکڑ سے زیادہ زمین آگئی ہو تو اتنی زیادہ زمین ضبط شدہ ہو جائے گی۔ یہاں زمین میں جنگل کی زمینوں اور پرتی زمینوں شامل ہیں۔ لیکن جس زمین کے اوپر کسی گاؤں میں یا شہر میں کوئی مکان بنا ہوا ہو یا جو زمین کسی ایسے مکان وغیرہ سے منسلک رہتی ہو وہ شامل نہیں ہے۔

ہم یہ اوپر دیکھا چکے ہیں کہ زمین کے پھولوں کو ختم کر دینے کا ہمارا یہ مطلب نہیں تھا کہ زمینداروں سے ان سب کی زمینوں چھون لی جائیں۔ ہر زمیندار کے پاس اپنے ہاتھ میں ایک زمین اور گھاس کے میدانوں کے علاوہ اتنی کاشت کی زمین رہے جس سے اس کا اور اس کے گھر والوں کا اچھی طرح گزارہ ہو سکے۔ نئے قانون کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک خاص حد سے زیادہ زمین کسی کے پاس نہ ہو اور پہلے وہ کر دوئی دوسروں کی مصیبت پر مبنی نہ کرے۔

یہ سوال کہ جو زمینیں زمینداروں سے چھینی گئی ہیں ان کا کوئی معاوضہ انہیں دیا جائے یا نہ دیا جائے ہم نے ریاست کی کابینہ کی کابینہ اس مسئلے پر فیصلہ دیا۔ اس کے بعد ہمارے یہاں کی کابینہ کی کابینہ اس مسئلے پر ایک رائے یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ جو زمینیں زمینداروں سے لے لی گئی ہیں ان کا انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے۔ پھر بھی جس دن اس مسئلے نے یہ فیصلہ کیا اس دن تک ریاست کی سرکار پرانے زمینداروں کو سالانہ رقمیں یا پھنڈوں دیتی رہی۔ پہلے سال کے لئے اس زمین کی مالکداروں کا تین چوتھائی اور دوسرے سال یا سال کے حصے کے لئے مالکداروں کا دو تہائی سب زمینداروں کو دیا گیا۔ لیکن کسی صورت میں بھی یہ سالانہ رقم 3000 روپیہ سے زیادہ کسی کو نہیں دی گئی۔

جمنو اور کاشمیر ریاست میں چورانہ ہزار چار سو ایکڑ ہٹا کر مریل کے اندر نو ہزار گاؤں ہیں۔ ان نو ہزار گاؤں کی نوے فی صدی آبائی کھیتی سے اپنی روزی چلاتی ہے۔ کھیتی کی کل زمین کا



زمین کا مالک بنا دیا گیا۔ جو مالگوجاری کے لئے اس وقت زمیندار سے لی جاتی تھی اب کسان سے لی جائیگی اور اس کے علاوہ اس کے چار آنے کے حساب سے اسے ایک خاص ٹیکس (اسپیشل لینڈ ڈیولپمنٹ ٹیکس) بھی دینا ہوگا۔ اس ٹیکس کی ساری آمدنی اس کسان کی زمین کو بہتر بنانے اور اسے خیریت میں مدد دینے کے کام میں خرچ کی جائیگی۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں رہیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کئی زمینیں نہیں تھیں اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پناہ گزینوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست نے ضبط کر لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو جس حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیتوں، تالاب، جومز، نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے ملک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے ملک کا اس قرضہ سے کوئی مسئلہ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے ملک کے حق کو کسی دھراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فوق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو بھجوا جاسکتا ہے۔ اگر وہ زمین کسی دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں رہیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کئی زمینیں نہیں تھیں اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پناہ گزینوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست نے ضبط کر لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو جس حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیتوں، تالاب، جومز، نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے ملک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے ملک کا اس قرضہ سے کوئی مسئلہ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے ملک کے حق کو کسی دھراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فوق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو بھجوا جاسکتا ہے۔ اگر وہ زمین کسی دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں رہیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کئی زمینیں نہیں تھیں اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پناہ گزینوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست نے ضبط کر لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو جس حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیتوں، تالاب، جومز، نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے ملک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے ملک کا اس قرضہ سے کوئی مسئلہ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے ملک کے حق کو کسی دھراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فوق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو بھجوا جاسکتا ہے۔ اگر وہ زمین کسی دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں رہیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کئی زمینیں نہیں تھیں اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پناہ گزینوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست نے ضبط کر لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو جس حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیتوں، تالاب، جومز، نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے ملک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے ملک کا اس قرضہ سے کوئی مسئلہ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے ملک کے حق کو کسی دھراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فوق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو بھجوا جاسکتا ہے۔ اگر وہ زمین کسی دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔

وہ سب زمینیں جن پر سے زمیندار کا حق تو ختم ہو گیا لیکن جو کسی بھی کسان کی کاشت میں نہیں رہیں ریاست کی ملکیت سمجھی گئیں اور وہ سب اس طرح کے کھیتی مزدوروں میں بانٹ دی گئیں جن کی اپنی کئی زمینیں نہیں تھیں اور جو صرف دوسروں کے لئے مزدوری کرتے تھے۔ اس طرح ہمارے یہاں اب کوئی بے زمین کسان نہیں رہ گیا۔ نیا قانون ان زمینوں پر بھی لگو ہوتا ہے جو شہرنا رہیں یا پناہ گزینوں کے قبضے میں تھیں یا جو دشمن کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں تھیں اور جنہوں نے ریاست نے ضبط کر لیا۔ اس سے پہلے زمیندار کو جس حق یا ادھکار اپنی زمین پر حاصل تھے جس میں درخت، کھیتوں، تالاب، جومز، نہریں اور راستے سب شامل تھے وہ سب اب نئے ملک یعنی اصل چوتلے والے کسان کو مل گئے۔ لیکن اگر ان پر زمیندار نے کوئی قرضہ لے رکھا تھا تو نئے ملک کا اس قرضہ سے کوئی مسئلہ نہیں۔ زمین نے اوپر نئے ملک کے حق کو کسی دھراسی یا دیونہو عدالت کی کسی ذمہ داری یا کسی حکم کے عمل درآمد میں نہ فوق کیا جاسکتا ہے اور نہ دوسرے کو بھجوا جاسکتا ہے۔ اگر وہ زمین کسی دوسرے کو دے دی گئی تھی تو وہ دینا دلانا ہی رد نہیں کیا گیا۔



ملازمینوں کے ساتھ ساتھ باقی کر کے اس طرح کی زمینوں کو بھی جو دوسرے کسانوں کے کاشت میں ہوتی تھیں اپنی خود کاشت لکھا لیتے تھے۔ اس ظلم سے کسان کو بچانے کے لئے نئے قانون میں یہ بات شامل کر دی گئی کہ اگر کسی بھی پٹواری کے کاغذ یا سرکاری کاغذ میں کسی زمیندار کی خود کاشت زمین ساڑھ بارہ ایکڑ سے زیادہ لکھی ہوئی ہوگی تو اس اندراج کو غلط مانا جائیگا۔

پچھلے پندرہ برس کے اندر بڑے بڑے زمینداروں کے ظلم اور زمینوں پر ان کے قبضے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سی ایسی زمینوں پر بھی جو 'شاملات' کہلاتی تھیں اور جو سارے گاؤں کی ملکییت مانی جاتی تھیں بڑے بڑے زمینداروں نے قبضہ کر لیا تھا اور انہیں انہیں تو باہر کے ایسے لوگوں کے ہاتھ انہیں بھج دیا تھا یا دھن دے دیا تھا جن کا اس زمین سے کوئی سبب نہ نہیں تھا اور نہ جن کا اس پر کوئی حق تھا۔ لاجار اور فریب کسان کچھ نہ کر سکتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کچھ ہاتھ پیر کرتا بھی تھا تو کچھ برسوں کے طور پر اور قابو میں رہتا تھا ان کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ سرکار نے پورے قانون کو بدل کر 'شاملات' زمینوں کی اس تباہی کو بھی ختم کر دیا۔

13 جولائی سن 1950 ہمارے شہداء کے دن کی انیسویں سالگرہ تھی۔ اس دن سرکار نے یہ تاریخی فیصلہ کر دیا کہ جو جس زمین کو جوئے وہی اس زمین کا مالک اور اسی کے نام زمین کی ملکیت کا اندراج ہونا چاہئے۔ 17 اکتوبر سن 1950 کو بڑی زمینداروں انت قانون (بگ لینڈڈ سٹیتس آکوالیشن ایکٹ) پاس ہوا جسے کسانوں کا سہولت کارنا یعنی مہان ادھکار پتو کہا جا سکتا ہے۔ اس قانون نے ریاست کے زمین کے انتظام میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا تجربہ ہے۔ اس میں گاؤں کی ساری زندگی کو سماجی برابری اور مالی انصاف کی نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس نئے قانون کے مطابق ہر زمیندار کو اپنے باغیچوں، گھاس کے میدانوں اور ایلدھن کے ضروری جنگلوں کے علاوہ صرف پورے تھیں ایکڑ تک زمین اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ جس کسی کے پاس اس سے زیادہ زمین ہے اس کا باقی سب زمین پر سے حق ملکیت ختم کر دیا گیا ہے اور وہ سب زمین ان کسانوں کی ملکیت قرار دی گئی جو اسے جوتتے ہیں اس نے لئے خریف سن 2007 یعنی ستمبر اکتوبر سن 1950 کی کاشت کو تھیک مان لیا گیا۔ خریف سن 2007 میں جو کسان جنگلی زمین کو جوتتا تھا وہی اب ہمیشہ کے لئے اس

ملازمینوں کے ساتھ ساتھ باقی کر کے اس طرح کی زمینوں کو بھی جو دوسرے کسانوں کے کاشت میں ہوتی تھیں اپنی خود کاشت لکھا لیتے تھے۔ اس ظلم سے کسان کو بچانے کے لئے نئے قانون میں یہ بات شامل کر دی گئی کہ اگر کسی بھی پٹواری کے کاغذ یا سرکاری کاغذ میں کسی زمیندار کی خود کاشت زمین ساڑھ بارہ ایکڑ سے زیادہ لکھی ہوئی ہوگی تو اس اندراج کو غلط مانا جائیگا۔

پچھلے پندرہ برس کے اندر بڑے بڑے زمینداروں کے ظلم اور زمینوں پر ان کے قبضے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سی ایسی زمینوں پر بھی جو 'شاملات' کہلاتی تھیں اور جو سارے گاؤں کی ملکییت مانی جاتی تھیں بڑے بڑے زمینداروں نے قبضہ کر لیا تھا اور انہیں انہیں تو باہر کے ایسے لوگوں کے ہاتھ انہیں بھج دیا تھا یا دھن دے دیا تھا جن کا اس زمین سے کوئی سبب نہ نہیں تھا اور نہ جن کا اس پر کوئی حق تھا۔ لاجار اور فریب کسان کچھ نہ کر سکتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کچھ ہاتھ پیر کرتا بھی تھا تو کچھ برسوں کے طور پر اور قابو میں رہتا تھا ان کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ سرکار نے پورے قانون کو بدل کر 'شاملات' زمینوں کی اس تباہی کو بھی ختم کر دیا۔

13 جولائی سن 1950 ہمارے شہداء کے دن کی انیسویں سالگرہ تھی۔ اس دن سرکار نے یہ تاریخی فیصلہ کر دیا کہ جو جس زمین کو جوئے وہی اس زمین کا مالک اور اسی کے نام زمین کی ملکیت کا اندراج ہونا چاہئے۔ 17 اکتوبر سن 1950 کو بڑی زمینداروں انت قانون (بگ لینڈڈ سٹیتس آکوالیشن ایکٹ) پاس ہوا جسے کسانوں کا سہولت کارنا یعنی مہان ادھکار پتو کہا جا سکتا ہے۔ اس قانون نے ریاست کے زمین کے انتظام میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا تجربہ ہے۔ اس میں گاؤں کی ساری زندگی کو سماجی برابری اور مالی انصاف کی نئی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس نئے قانون کے مطابق ہر زمیندار کو اپنے باغیچوں، گھاس کے میدانوں اور ایلدھن کے ضروری جنگلوں کے علاوہ صرف پورے تھیں ایکڑ تک زمین اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ جس کسی کے پاس اس سے زیادہ زمین ہے اس کا باقی سب زمین پر سے حق ملکیت ختم کر دیا گیا ہے اور وہ سب زمین ان کسانوں کی ملکیت قرار دی گئی جو اسے جوتتے ہیں اس نے لئے خریف سن 2007 یعنی ستمبر اکتوبر سن 1950 کی کاشت کو تھیک مان لیا گیا۔ خریف سن 2007 میں جو کسان جنگلی زمین کو جوتتا تھا وہی اب ہمیشہ کے لئے اس



گئے پر جب تک देश کے کسانوں کی مالی آزادی نہیں ملتی تب تک دیہی کی ترقی ناممکن ہے۔ گورنمنٹ نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ زمینوں کا مالک وہی ہونا چاہئے جو اسے جوتے اور اس پر کام کرے اور کوئی نئی جہت جو خود مصیبت نہ کرے اور دوسروں کی مصیبت کے سہارے سوچ اڑا کر کسان کے سر پر نہیں دھلی چاہئے۔ یہی نئے کھمبہ کے ہمراہی سدھار کی تجویز تھی۔ اس کے ذریعے سے سرکار ریاست کے اندر کھمبے کے کام کو نئے اور زیادہ اچھے طریقے پر چلانے اور کسانوں کے دھن سہن کو اونچا کرنے کی اہمیت دیتی ہے۔ ہماری اس تجویز کے دو بنیادی اصول تھے— (1) زمینداری کو ختم کرنا اور (2) جو زمین کو جوتے آئے ہی زمین کا مالک ٹھہرانا۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ کسان کے پاس اپنی زمین کی پھداوار بڑھانے کے لئے کھول سادھوں کی ہی کمی نہ تھی، اس کے پاس آسہ اور ہمت کی بھی کمی تھی۔ وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کھوں اور آخر کس کے لئے مصیبت کرے۔ اور پھر ایک دوسرے کے بعد اس کی مصیبت کا پہل اس سے چھوٹنے کے لئے نکلے لوگوں کا سلسلہ بددعا ہوا تھا جو سے جاگہدار، معافی دار، زمیندار وغیرہ۔

نئی سرکار نے زمینداری ختم کرنے کے لئے پہلا کام یہ کیا کہ سب جاگہداروں کو ختم کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سرکار نے سب معافوں کو ختم کیا اور زمین کی پھداوار سے جن لوگوں کی نقد رقمیں بلدی ہوئی تھیں انہیں 'مقرر' کہتے تھے انہیں بھی سرکار نے ختم کر دیا۔ صرف وہ معافوں اور مقرروں دھلے دی گئیں جن کا دھارہ ایک سلسلہوں کے ساتھ سہلہ تھا۔ اس کے بعد سرکار نے ریاست کے کھمبے قانون (ٹیلنس) کو بدلا۔ پرانے قانون کے مطابق کسان کو جب چاہا اس کی زمین سے بے دخل کیا جاسکتا تھا۔ نئے سدھار کے ذریعے یہ بے دخلی بند کر دی گئی اور کسانوں کو ایک طرح کا پکا حق اپنی اپنی زمین پر دے دیا گیا۔ کسان کے لگان کو بھی ٹھوک ٹھوک مقرر کر دیا گیا۔ یہ طے کر دیا گیا کہ جن کسانوں کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے کم زمین ہے ان سے اصلی پھداوار کا آدھ سے زیادہ لگان نہ لیا جاوے اور جن کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے زیادہ زمین ہے ان سے سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک چوتھائی اور پھر سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک تہائی سے زیادہ لگان کسی سے نہ لیا جائے۔

اس سے پہلے نکلے زمیندار ایک شرارت اور کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر چھوٹے سرکاری افسروں اور سرکاری

نئی سرکار نے زمینداری ختم کرنے کے لئے پہلا کام یہ کیا کہ سب جاگہداروں کو ختم کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سرکار نے سب معافوں کو ختم کیا اور زمین کی پھداوار سے جن لوگوں کی نقد رقمیں بلدی ہوئی تھیں انہیں 'مقرر' کہتے تھے انہیں بھی سرکار نے ختم کر دیا۔ صرف وہ معافوں اور مقرروں دھلے دی گئیں جن کا دھارہ ایک سلسلہوں کے ساتھ سہلہ تھا۔ اس کے بعد سرکار نے ریاست کے کھمبے قانون (ٹیلنس) کو بدلا۔ پرانے قانون کے مطابق کسان کو جب چاہا اس کی زمین سے بے دخل کیا جاسکتا تھا۔ نئے سدھار کے ذریعے یہ بے دخلی بند کر دی گئی اور کسانوں کو ایک طرح کا پکا حق اپنی اپنی زمین پر دے دیا گیا۔ کسان کے لگان کو بھی ٹھوک ٹھوک مقرر کر دیا گیا۔ یہ طے کر دیا گیا کہ جن کسانوں کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے کم زمین ہے ان سے اصلی پھداوار کا آدھ سے زیادہ لگان نہ لیا جاوے اور جن کے پاس ساڑھے ہارے ایکڑ سے زیادہ زمین ہے ان سے سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک چوتھائی اور پھر سہلچائی کی زمینوں کی صورت میں اصل پھداوار کا ایک تہائی سے زیادہ لگان کسی سے نہ لیا جائے۔

اس سے پہلے نکلے زمیندار ایک شرارت اور کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر چھوٹے سرکاری افسروں اور سرکاری

اس سے پہلے نکلے زمیندار ایک شرارت اور کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر چھوٹے سرکاری افسروں اور سرکاری



“मानते हैं वस्ताद तुम्हें भी” ठाकुर साहब ने सराहना की।

जखमी सुक़्खी होश में आने के बाद सोच रहा था— धरती किसकी?—जमींदार की या किसान की—सुक़्खी की या दुक़्खी की।

रात को गांव के सारे किसानों की पंचायत हुई। दुक़्खी और सुक़्खी गले मिले। सुक़्खी ने अपना तजुरबा बताया और सब ने मिल कर क़सम खाई कि यह कभी लालच में नहीं पड़ेंगे, आपस में कभी नहीं लड़ेंगे, अपना संगठन करेंगे, एक ताक़त बनेंगे, जुल्म के सामने एक चट्टान बन जायेंगे!

—मुजीब रिज़वी

‘مانتے ہیں استاد تمہیں بھی’ تھاکر صاحب نے سراہنا کی۔

زخمی سکھی ہوش میں آنے کے بعد سوچ رہا تھا— دھرتی کس کی؟—زمیندار کی یا کسان کی—سکھی کی یا دکھی کی۔

رات کو گاؤں کے سارے کسانوں کی پانچابیت ہوئی۔ دکھی اور سکھی گلے ملے۔ سکھی نے اپنا تجربہ بتایا اور سب نے مل کر قسم کھائی کہ وہ کبھی لالچ میں نہیں پھنسنے گے، آپس میں کبھی نہیں لڑیں گے، اپنا سنگٹھن کریں گے، ایک طاقت بنیں گے، ظلم کے سامنے ایک چٹان بن جائیں گے!

—محبوب ریاضی

## जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार

( एम. ए. बेग, मालगुजारी बज़ीर जम्मू और कश्मीर )

जम्मू और कश्मीर की रियासत में अधिकतर आबादी खेती पेशा लोगों की है। कुल आबादी में सौ पीछे पचासी आदिमियों की शेखी खेती से चलती है।

हमारी अब तक की सभ्यता महाजनी सभ्यता रही है। इस सभ्यता में आम जनता की भयंकर शारीरी का कारन यह है कि धन दौलत पैदा करने के श्रियादातर साधनों पर थोड़े से ऐसे लोगों का कब्ज़ा है जो खुद मेहनत नहीं करते और दूसरों की मेहनत पर मोटे होकर निठुल्लेपन में अपने दिन गुज़ारते हैं। इसी वजह से आम जनता के रहन सहन का दंग दिन पर दिन गिरता चला जा रहा है और उनकी शारीरी और न्यायारी तेज़ी से बढ़ती जा रही है। यही हालत कश्मीर की थी। इन निठुल्ले जमींदारों और अपना पसीना बहा कर नाज़ पैदा करने वाले किसानों के बीच साहूकारों और दूसरे बिचौलियों का एक सिलसिला था जिसकी वजह से कश्मीर के किसान की कमर कर्ज़े से टूट जाती थी और खेती के काम में किसी भी तरह की तरक्की नामुमकिन थी। पैदावार घट रही थी और किसानों की हालत बढ़ से बढ़तर होती जा रही थी।

कश्मीर की मौजूदा गर्बनमेन्ट ने हकूमत की बाग अपने हाथ में लेते ही देखा कि देश को राजकाजी आबादी तो मिल

## جمو اور کشمیر ریاست میں زمین سدھار

( ایم . اے . بیگ ' مالگوزاری وزیر جمو اور کشمیر )

جمو اور کشمیر کی ریاست میں ادھکتر آبادی کھیتی پودے لوگوں کی ہے۔ کل آبادی میں سو پچھتر پچاسی آدمیوں کی روزی کھیتی سے چلتی ہے۔

ہماری اب تک کی سبھوتا مہاجنی سبھوتا رہی ہے۔ اس سبھوتا میں عام چلتا کی بھونکر فریبی کا کارن یہ ہے کہ دھن دولت پیدا کرنے کے زیادہتر سادھنوں پر توجہ سے ایسے لوگوں کا قبضہ ہے جو خود محصلت نہیں کرتے اور دوسروں کی محصلت پر موٹے ہوکر نگھلے پین میں اپنے دن گزارتے ہیں۔ اسوجہ سے عام چلتا کے دھن سپن کا قلمک دن پر دن کرنا چلا جا رہا ہے اور ان کی فریبی اور ناداری لوگوں سے بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی حالت کشمیر کی تھی۔ ان نگھلے زمینداروں اور اپنا پسینہ بہا کر ناچ پیدا کرنے والے کسانوں کے بچھ ساھوکاروں اور دوسرے بچھلوں کا ایک سلسلہ تھا جس کی وجہ سے کشمیر کے کسان کی کمز فریب سے ٹوٹ جاتی تھی، کھیتی کے کام میں کسی بھی طرح کی ترقی ناممکن تھی۔ پیداوار گھٹ رہی تھی اور کسانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

کشمیر کی موجودہ گورنمنٹ نے حکومت کی ہلکا ہاتھ میں لیتے ہی دیکھا کہ دھن کو راجکاچی آزادی تو مل



مقدمہ شروع ہوا۔ ایک طرف کے پھرکار ٹھاکر صاحب تھے اور دوسری طرف کے مہر صاحب۔ زوروں کا مقدمہ چلا۔ عدالت نے فصل کو مقدمہ کے فیصلے تک سرکار کے ذمہ کر دیا اور مکھیا ہولے کے ناتے وہ ٹھاکر صاحب کو سونپ دی گئی۔

مقدمہ چلتا رہا۔ کواہیاں ہوتی رہیں۔ (روپہ کلتا رہا) دونوں کا کڑی ہوتا رہا۔

مہر صاحب کی دسمہ نے سکھی کا قبضہ بچایا۔ پتواری کے کافد نے سکھی کا ساتھ دیا۔ سارا گاؤں جانتا تھا کہ کھیت دیکھی کا ہے۔ لیکن کافد جو کہتے ہیں تھوٹک کہتے ہیں!

سکھی نے جہت کی خوشی میں گوڑا بانٹا۔ مندر میں پرساد چڑھایا دوسری فصل سکھی نے ہوئی، دن دن ہر محنت کرتا رہا۔ دہی بھکوں سے ڈکھوا دوتا رہا اور سکھی بھکوں کی لہا کو سڑھتا رہا۔ فصل تیار ہوگئی۔ سکھی اور اس کی بھر والی نے اٹسہ کے ساتھ فصل کاٹی، ہر مارگ کو کٹتے ہوئے انہوں نے نہ معلوم کتنے بھلے بھلے نہ جانے کتنے متعل بلانے۔

سب قہ گئے، سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہر صاحب کے آدمیوں نے آخر کھیت کو کھیر لیا۔ مہر صاحب نے اگے بڑھ کر کہا—”سکھی! پہلے ہمارا حسان کر دے تب کھیت سے لائے گا۔“

”میں آپ کا کوی کوی ادا کر دوں گا، بس ماڈ کھت کر آپ کا ہی حسان کروں گا۔“

”یا تو آج میرا پسا دے، نہیں تو خیت سے سٹیکا، میں تیسری بات نہیں جانتا۔“

”کریا کیجیے، مہر صاحب۔“

”تو کمینوں کے ساتھ پھسان کرنا دھماکت ہے۔“

”بھرو جی لائے گا میں“ مہر صاحب نے اپنے آدھمیوں کو دھکم دیا۔

سکھی کو بھی جوش آیا اس نے بھی جاتی کھلائی۔

پیچھے سے ایک لٹ سر پر پڑی۔ بھ گھر پڑا۔ مہر صاحب نے بڑھ کر ایک کراچ پر اس کا نشان اکرکھالے لیا۔ لائے آگے گئی۔ کڑی ہائی رہا اور کھیت سے استعفیٰ بھی ہو گیا۔

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے باپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—

”دیکھا میرا دھما۔ تو اس روز آکھت مول لے رہے تھے۔ تھارے تھارے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نئے تھاروں کو آکھما کر دیکھو۔ بیلکھول گوت ٹیک بٹتی ہے۔ آکھ تاکھت کی لکڑی نہیں ہے دھما کی لکڑی ہے..... دھما کی.....“

مقدمہ چلتا رہا۔ کواہیاں ہوتی رہیں۔ (روپہ کلتا رہا) دونوں کا کڑی ہوتا رہا۔

مہر صاحب کی دسمہ نے سکھی کا قبضہ بچایا۔ پتواری کے کافد نے سکھی کا ساتھ دیا۔ سارا گاؤں جانتا تھا کہ کھیت دیکھی کا ہے۔ لیکن کافد جو کہتے ہیں تھوٹک کہتے ہیں!

سکھی نے جہت کی خوشی میں گوڑا بانٹا۔ مندر میں پرساد چڑھایا دوسری فصل سکھی نے ہوئی، دن دن ہر محنت کرتا رہا۔ دہی بھکوں سے ڈکھوا دوتا رہا اور سکھی بھکوں کی لہا کو سڑھتا رہا۔ فصل تیار ہوگئی۔ سکھی اور اس کی بھر والی نے اٹسہ کے ساتھ فصل کاٹی، ہر مارگ کو کٹتے ہوئے انہوں نے نہ معلوم کتنے بھلے بھلے نہ جانے کتنے متعل بلانے۔

سب قہ گئے، سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہر صاحب کے آدمیوں نے آخر کھیت کو کھیر لیا۔ مہر صاحب نے اگے بڑھ کر کہا—”سکھی! پہلے ہمارا حساب کر دے تب کھیت سے لائے گا۔“

”میں آپ کا کوی کوی ادا کر دوں گا، بس ماڈ کھت کر آپ کا ہی حساب کروں گا۔“

”یا تو آج میرا پسا دے، نہیں تو خیت سے سٹیکا، میں تیسری بات نہیں جانتا۔“

”کریا کیجیے، مہر صاحب۔“

”تو کمینوں کے ساتھ پھسان کرنا دھماکت ہے۔“

”بھرو جی لائے گا میں“ مہر صاحب نے اپنے آدھمیوں کو حکم دیا۔

سکھی کو بھی جوش آیا۔ اس نے بھی جاتی کھلائی۔ پہلے سے ایک لٹ سر پر پڑی۔ وہ کر پڑا۔ مہر صاحب نے بڑھ کر ایک کافد پر اس کا نشان اکرکھالے لیا۔ لائے آگے گئی۔ کڑی ہائی رہا اور کھیت سے استعفیٰ بھی ہو گیا۔

ٹھاکر صاحب اور مہر صاحب گالے میں ہاتھ ڈالے ٹھاکر لگااتے واپس ہو رہے تھے۔ مہر صاحب کھ رہے تھے—

”دیکھا میرا دھما۔ تو اس روز آکھت مول لے رہے تھے۔ تھارے تھارے پورانے ہو گئے۔ جڑا بن نئے تھاروں کو آکھما کر دیکھو۔ بیلکھول گوت ٹیک بٹتی ہے۔ آکھ تاکھت کی لکڑی نہیں ہے دھما کی لکڑی ہے..... دھما کی.....“



”دکھی والا کہہ دے تمہیں دے دیں۔“

”اناج سے لدا ہے، سر کے اوپر پتھر ہوں“ ٹاکور صاحب نے شوشہ دیا۔

”نہیں سرکار، دکھی بیٹا اسے پوروں سے جوتے ہے۔ میں اسے کہہ لے سکتا ہوں“ سکھی نے کہا۔

”تم بالکل پاگل ہو سکتی۔ تم اس دنیا کو نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ تم بہت سودھے ہو۔ دکھی بہت چالاک ہے۔ اُس کا پس چلے تو تمہارے دو بونگھے بھی چھوٹ لے۔“

”جو جیسا کرے گا، ویسا پھرے گا“ ایذا ایذا ایمان!“

دکھی نے انکار کا کارن بتایا۔

میر صاحب کہاں ہار ماننے والے تھے، کوشش جاری رکھتے ہوئے انہوں نے سکھی سے پھر کہا۔ ”ہمارا کہنا مان جاؤ، تمہارا کچھ خرچ نہیں ہوگا، ہم پتواری کو بلا کر کہہ دیتے تمہارے نام کرا دیں گے۔ رہا قبضہ۔۔۔۔۔ وہ بھائی تم کر لیتا۔۔۔۔۔ ہم سوچ میں ہوں گے تو لوگ کہیں گے زمیندار کسانوں کو لڑاتے ہیں۔۔۔۔۔ سوچ لو۔۔۔۔۔ جو تمہیں فائدہ کی چیز دکھائی پڑے وہی کرو۔۔۔۔۔“

ایک طرف دکھی تھا، بھائی چارا تھا اور خالی ایمان تھا اور دوسری طرف۔۔۔۔۔ ہوا بھرا لہلہانا کہہ دیتا۔۔۔۔۔ بدلتا۔۔۔۔۔ حاکمیت کا پہل۔۔۔۔۔ خرچ کچھ ہی نہیں۔۔۔۔۔ کھول ’ہاں‘ کہنے کی دیر تھی۔۔۔۔۔ سکھی دکھدا میں پڑ گیا۔ اُس کے دماغ میں جھگڑا ہونے لگا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ’ہاں‘ کہے یا ’نہیں‘۔

”ہمارا کچھ نہیں ہوگا۔ تم ایذا نفع نقصان خود سوچ لو۔۔۔۔۔ کھر والی سے بھی صلح کرلو۔۔۔۔۔ تمہیں ہم ایذا آدمی سمجھتے ہیں اسی لئے چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس بھی کچھ کہیت ہو جائے۔۔۔۔۔ تمہیں تو ہوس کو کہا پڑی ہے۔۔۔۔۔“ میر صاحب نے سکھی کو ’ہاں‘ کی طرف ایک دھکا اور دیا۔

کسان ہار گیا۔ زمیندار کی تکریم جیت گئی۔ اندھرا آجائے پر چھانے لگا۔ سکھی دکھی کے کہیت پر قبضہ کرنے کی نہت سے چل پڑا۔ جلسہ اُس کے ہاتھ میں تھی اور لاندہ پر پکھی لگے۔

ہات چھپ کے ہوئی تھی۔ ٹھاکر صاحب، میر صاحب اور سکھی کے علاوہ اس بھد کو کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ پور بھی یہ بات دکھی کو معلوم تھی۔ اسے کس نے بتایا۔۔۔۔۔ یہ بھی ایک بھد ہے۔۔۔۔۔ دکھی تھا تھا۔ سکھی بھی تھا تھا۔ ایک نے اپنے قبضہ کو مضبوط کرنے کے لئے کہیت کا کچھ حصہ کاٹنا چاہا۔ دوسرے نے روکا۔ ہاتوں کی گڑج میں لڑپوں کی کڑک سنائی دی۔ نہ جانے کھوں اور کھسے ایک طرف سے ٹھاکر صاحب آگئے اور دوسری طرف سے میر صاحب۔ سکھی اور دکھی الگ کر دیئے گئے۔ دونوں کو رائے دی گئی کہ لڑنے کے بجائے عدالت سے فیصلہ کرالیں۔

بات چھپ کے ہوئی تھی۔ ٹھاکر صاحب، میر صاحب اور سکھی کے علاوہ اس بھد کو کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ پور بھی یہ بات دکھی کو معلوم تھی۔ اسے کس نے بتایا۔۔۔۔۔ یہ بھی ایک بھد ہے۔۔۔۔۔ دکھی تھا تھا۔ سکھی بھی تھا تھا۔ ایک نے اپنے قبضہ کو مضبوط کرنے کے لئے کہیت کا کچھ حصہ کاٹنا چاہا۔ دوسرے نے روکا۔ ہاتوں کی گڑج میں لڑپوں کی کڑک سنائی دی۔ نہ جانے کھوں اور کھسے ایک طرف سے ٹھاکر صاحب آگئے اور دوسری طرف سے میر صاحب۔ سکھی اور دکھی الگ کر دیئے گئے۔ دونوں کو رائے دی گئی کہ لڑنے کے بجائے عدالت سے فیصلہ کرالیں۔



ہے۔ یہ اُنہائے کوسے ہو سکتا ہے!“ مہر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سکھی نے ایسی ہلکار بھری جھسے وہ کہتا چاہتا ہو کہ یہ سب داؤں پہنچ مہری سمجھ میں نہیں آتے۔

مہر صاحب کی نظر دوبارہ سکھی پر گئی اور وہ اپنے گاؤں تکھ سے اچھل پڑے اور بولے—’یہ تمہاری زیادتی ہے سکھی۔ انسان انسان سب برابر ہیں۔ یہ بھکوان کی دین ہے کہ کسی کو اُس نے راجہ بنا دیا اور کسی کو جوگی۔ بھائی راجہ اپنی جگہ پر رہے اور جوگی اپنی جگہ پر۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوں، دونوں خلیں رہیں۔ پر آدمی آدمی سب برابر ہیں... یہ نہیں ہو سکتا کہ تم زمین پر بڑھو اور ہم گاؤں تکھ لگائے بڑھتے رہیں...‘

مہر صاحب نے اُٹھ کر سکھی کا ہاتھ پکڑا اور چارپائی پر اُٹھتا ہوا گاؤں کی حالت، کھیتی باری کی حالت اور نہ جانے کبھی کبھی باتوں کی چرچا چل پڑی.....

”آج کل خیتی کا کیا حال ہے سکھی“ مہر صاحب نے پوچھا۔

”میرے پاس تو کچھ دو بڑی خیت ہے سرکار! اسکا ہونا کیا اور نہ ہونا کیا۔“

”تو اور خیت کبھی نہیں جوت لیتے۔“

”کون دے، آپ ہی دو چار بڑی خیت دے دیجئے، جب تک جیندا رہیگا، بڑھتا مانے گا۔“

”ن بابا! تو لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس پیالے میں کھاؤ گے اسی میں چھوڑ کر دے۔ کھیت لیتے وقت تو مہترے بنو گے اور وقت نکل جانے پر آکھ دکھاؤ گے.....“

”مہر صاحب! وہ کوئی اور ہوتے ہونگے۔ آپ نے کبھی مہری شکایت سنی ہے؟ اندلی گڑبڑ ہوئی، تمام اُدھم مچا لیکن میں ہمیشہ الگ رہا—زمیندار آپ لوگوں کو مبارک ہو، ہم تو آپ کے ساتھ تلے جھون بتانا چاہتے ہیں۔“ سکھی نے اس طرح کہا جھسے اسے مہر صاحب سے کھیت تو لیتا ہی ہے۔

”سب کا دیمارا خراب ہو گیا، لیکن سکھی نے کبھی بھرا راستا اختیار نہیں کیا۔ زمیندار کا بھی اُدھر سत्کار کرتا رہا.....“ ٹاکور صاحب نے سکھی کو سٹیٹفیکٹ دیا۔

مہر صاحب جیسے خوش ہو گئے اور انہوں نے سکھی کو ہاتھ پاتے ہوئے کہا—”جو خیت کھو سکھی ہم دے دیں۔“

”جو آپ ہمیں دیں گے، وہ خوشی سے لیں گے، آپ ہمارا خیال نہ کریں کہ تو کون کرے گا۔“

”پھر بھی بولو تو۔“

”جو آپ کی مرضی۔“

”تم اور کھیت کبھی نہیں جوت لیتے۔“

”کون دے، آپ ہی دو چار بڑی خیت دے دیجئے، جب تک زندہ رہیگا، اُدھان مانے گا۔“

”ن بابا! تم لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس پیالے میں کھاؤ گے اسی میں چھوڑ کر دے۔ کھیت لیتے وقت تو مہترے بنو گے اور وقت نکل جانے پر آکھ دکھاؤ گے.....“

”مہر صاحب! وہ کوئی اور ہوتے ہونگے۔ آپ نے کبھی مہری شکایت سنی ہے؟ اندلی گڑبڑ ہوئی، تمام اُدھم مچا لیکن میں ہمیشہ الگ رہا—زمیندار آپ لوگوں کو مبارک ہو، ہم تو آپ کے ساتھ تلے جھون بتانا چاہتے ہیں۔“ سکھی نے اس طرح کہا جھسے اسے مہر صاحب سے کھیت تو لیتا ہی ہے۔

”سب کا دیمارا خراب ہو گیا، لیکن سکھی نے کبھی بھرا راستا اختیار نہیں کیا۔ زمیندار کا بھی اُدھر سत्کار کرتا رہا.....“ ٹاکور صاحب نے سکھی کو سٹیٹفیکٹ دیا۔

مہر صاحب جیسے خوش ہو گئے اور انہوں نے سکھی کو ہاتھ پاتے ہوئے کہا—”جو خیت کھو سکھی ہم دے دیں۔“

”جو آپ ہمیں دیں گے، وہ خوشی سے لیں گے، آپ ہمارا خیال نہ کریں کہ تو کون کرے گا۔“

”پھر بھی بولو تو۔“

”جو آپ کی مرضی۔“



ٹاکور ساہب اس अधिकार को ताकत से लेना चाहते हैं... अपनी ताकत, पुलिस की ताकत...सरकार की ताकत, सारी ताकतें उनके पीछे थीं—वह आगे बढ़ते जाते थे और थाना और कोतवाली में मामले को ठीक रखने का मसाला भी सोच रहे थे.

सब मौन थे, शायद वातावरण भी खमोश था.

मौन टूटा, फिजा बदली, किसी ने आकर जैसे एक नया मोहरा चल दिया और सारे खेल का रंग बदल गया— टाकुर साहब, उनके सिपाही, उनकी बन्दूक, सब के सब घर वापस हो रहे थे—सब कुछ वही था—सिर्फ—गुस्सा नहीं था.....जोश नहीं था.....और टाकुर साहब की गरदन में हाथ डाले मीर साहब साथ साथ चल रहे थे. टाकुर साहब कुछ सुन रहे थे और मीर साहब कुछ कह रहे थे.

फिर टाकुर साहब का दरबार लगा, फिर उन्होंने अपने कारनामे सुनाने शुरू किये. पहले उन्होंने बर की खोज के क्रिसे सुनाए. बड़ी बड़ी मुसीबतों का सामना उन्हें करना पड़ा, ब मुश्किल तमाम योग बर ढूँ पाए.....दस हजार में सौदा तय हुआ.....आजकल यह बाज़ार बहुत गर्म हो गया है.

मीर साहब ने इन सब बातों का समर्थन करते हुए कहा, आज कत बर की बहुत विक्रत हो गई है..... कोई बात नहीं.....दस हजार में अच्छा बर तो मिल गया... यही गनीमत है.....चलों लड़के के दाम चढ़ा देना.....

“मैंने तो तय कर लिया है कि बीस हजार से कम पर राजी न हूँगा. आखीर अशोक का सारा खर्च कहाँ से निकलेगा.....”

टाकुर साहब सारी विक्रत भूल गए, सारी परेशानियाँ उनके दिमाग से दूर हो गईं. यह सब बुराईया उस समय तक थीं जब उनका जेब कट रहा था, जब तक उनकी चहेती बिना बर के थी...और अब...दूसरों के जेब काटने की बारी थी...दूसरे बापों की चहेतियों का मोल तोल उन्हें करना था.....उन्हें पीछे मुड़के देखने की क्या ज़रूरत !

“अरे ओ सुखी, सुखी हो” मीर साहब के आवाज़ दी.

सुखी हर पग पर संकोच करते हुए मीर साहब के पास आ गया.

“तुम तो दर्शन ही नहीं देते भाई, न जाने क्यों खफा हो.”

“नहीं साहब, खफा होने की क्या बात है और वह भी आप से.” ज़मीन पर उकरू बैठते हुए सुखी ने उत्तर दिया.

“यह लोग समझते हैं कि अब ज़मींदारों से व्योहार क्यों किया जाय. ज़मींदारी खतम हो जायगी.” टाकुर साहब ने चुटकी ली.

“यह लोग जो चाहें समझें, न ज़मींदारी खतम होगी और न ज़मींदार. किसी का हक् कोई आज तक छीन सका

تھاکر صاحب اس ادھکار کو طاقت سے لھنا چاہتے ہیں.... اپنی طاقت، پولیس کی طاقت...سرکار کی طاقت، ساری طاقتیں اُن کے پیچھے تھیں—وہ آگے بڑھتے جاتے تھے اور تھانہ کوتوالی میں معاملے کو ٹھیک رکھنے کا مَسالہ بھی سوچ رہے تھے .

سب مومن تھے شاید واناورن بھی خاموش تھا . مومن گوتا، فضا بدلی، کسی نے آ کر جھسٹہ ایک نہا مہرا چل دیا اور سارے کھول کا رنگ بدل گیا—تھاکر صاحب اُن کے سپاہی، اُن کی بندوق، سب کے سب گھر واپس ہو رہے تھے—سب کچھ وہی تھا—صرف—غصہ نہیں تھا... چرخ نہیں تھا...اور تھاکر صاحب کی گردن میں ہاتھ ڈالے مہر صاحب ساتھ ساتھ چل رہے تھے . تھاکر صاحب کچھ سن رہے تھے اور مہر صاحب کچھ کہہ رہے تھے .

مہر تھاکر صاحب کا دربار لگا، پھر اُنہوں نے اپنے کار نامے سناتے شروع کیے . پہلے اُنہوں نے برکی کھوج کے قصے سنائے. بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا اُنہیں کرنا پڑا . بمشکل تمام ہرگ پر دھونڈ پائے...دس ہزار میں سودا طے ہوا... آج کل یہ بازار بہت گرم ہوگیا ہے .

مہر صاحب نے اُن سب باتوں کا سمرٹھن کرتے ہوئے کہا، آجکل برکی بہت دقت ہوگئی ہے....کوئی بات نہیں...دس ہزار میں اچھا بے تو مل گیا...یہی غصہ ہے... چلو لڑکے کے دام چڑھا دینا...

”میں نے تو طے کر لیا ہے کہ بیس ہزار سے کم پر واقعی نہ ہوتا . آخیر اشوک کا سارا خرچ کہاں سے نکلے گا.....“

تھاکر صاحب ساری دقت بھول گئے، ساری پریشانیاں اُن کے دماغ سے دور ہو گئیں . یہ سب ہوائیاں اُس سمے تک تھیں جب اُن کا جوب کٹ رہا تھا، جب تک اُن کی چھتھی پلٹا پر نے تھی...اور اب...دوسروں کے جوب کاٹنے کی باری تھی...دوسرے باپوں کی چھتھوں کا مول تول اُنہیں کرنا تھا...اُنہیں پھچھے ہوئے کے دیکھنے کی کیا ضرورت !

”ارے او سکھی، سکھی ہو“ مہر صاحب نے آواز دی . سکھی ہر ہنگ پر سلکوج کرتے ہوئے مہر صاحب کے پاس آگیا .

”تم تو درشن ہی نہیں دیتے بھائی، نہ جانے کیوں خفا ہو.“

”نہیں صاحب“ خفا ہونے کی کہا بات ہے اور وہ بھی آپ سے .“ زمیں پر اُکرو بیٹھتے ہوئے سکھی نے اُتر دیا . ”یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب زمینداروں سے بھوہار کیوں لھا جائے . زمینداری ختم ہو جائے گی.“ تھاکر صاحب نے چٹکی لی .

”یہ لوگ جو چاہیں سمجھیں، نہ زمینداری ختم ہوگی اور نہ زمیندار . کسی کا حق کوئی آج تک چھین سکا



## دھرتی کس کی ؟

ٹاکور ساہب کی गरز سناई دی—”بدماش کی यह मजाल ! मेरी करनी का यह फल. सब कहा है किसी ने “कमीनों” के साथ कभी नेकी न करो. मैंने समाज की बुराई सही, दोस्तों के तिरस्कार सहें, सब इनके लिये ! मैंने बाप दादा के मंदिर के दरवाजे इनके लिये खोले, इन्हें चारपाई पर बैठाया.....इन्हें सर पर बैठाया.....उसी का नतीजा है.....”

टاکुर साहब का हाथ मूँछों पर था और होंट ऐसे चल रहे थे जैसे सामने लिखी कोई चीज पढ़ रहे हों.

सब खामोश थे, सब पर सन्नाटा छाया हुआ था.

“सरकार ! बहुत ही कमीना निकला. मैंने घी माँगा नहीं कि लगा बमकने.....मैंने भी खूब सुनाई. पुरखों की हड्डी भी जल भुन गई होगी.”

“बदमाश का मुँह क्यों नहीं मोच लिया.”

“सरकार बात तो उसने ऐसी ही की थी ! आपका लिहाज कर गया, बस.....नहीं तो खून की नदी बह जाती..... आपकी बेटी और उसकी छोकड़ी का जोड़.....कहना था —टاکुर साहब की ही बेटी नहीं है, मेरी बेटी भी है. उसकी शादी में घी खर्च करूँगा. टाकुर साहब को क्यों घी दे दूँ.....”

“घी नहीं देगा.....घी इसी वक़्त न ले लिया तो अपने बाप से पैदा नहीं.....बुलाओ आदमियों को.....चलो, चलो, उठो, बढ़ो.....लूट लो.....फिर देख लूँगा..... याना कचहरी समझ लूँगा.....कभी हार नहीं मानी..... दुनिया को हँसी का मौक़ा नहीं दूँगा, चलो, बढ़ो, लूटो, मारो, चलो, बढ़ो !

आगे आगे टाकुर साहब थे, उनके एक हाथ में एक नाली बन्दूक थी, और दूसरा हाथ मूँछों पर था. उनके सिपाही पीछे चल रहे थे. बहुत बड़ा क़िला जैसे उन्हें फतह करना था.....चाल ऐसी थी जैसे फतह तो उनकी ही है... कौन उनको रोक सकता था, कौन उनका मुक़ाबला कर सकता था. दुखी अहीर ! उसकी क्या मजाल कि टाकुर साहब के सामने भी आए, उसकी कैसे ज़ुरअत हो सकती है..... लेकिन कौन जाने, वक़्त बदल रहा है.....टाकुर साहब की माँग पूरी होती आई है, उनके बाप ने जो चाहा वह हुआ...उनके बाप ने जो हुक़म दिया वह हुआ और दुखी, दुखी का बाप, बाप का बाप और इसी तरह न जाने कितनी पीढ़ियाँ हुक़म बजाती आई हैं—लेकिन आज टाकुर से यह अधिकार छिन गया था. दुखी ने जुआ उतार फेंकी थी...

## दहती कस کی ؟

تھاکر صاحب کی گرج سڈائی دی—”بدمعاش کی یہ مہجال ! مہری کرنی کا یہ پھل. سچ کہا ہے کسی نے ”کمیلوں“ کے ساتھ کبھی نہ کی نہ کرو. میں نے سماج کی پرانی سہی، دوستوں کے ترسکار سہے، سب ان کے لئے ! میں نے باپ دادا کے مندر کے دروازے ان کے لئے کھولے، انہوں چارپائی پر بٹھایا.....انہوں سر پر بٹھایا..... اسی کا نتیجہ ہے.....”

تھاکر صاحب کا ہاتھ موچھوں پر تھا اور ہونٹ ایسے چل رہے تھے جیسے سامنے لکھی کوئی چیز پڑھ رہے ہوں.

سب خاموش تھے، سب پر سڈائی چھایا ہوا تھا.

”سرکار ! بہت ہی کمیلہ نکلا. میں نے کھی مانگا نہیں کہ لٹا بکے.....میں نے بھی خوب سڈائی. پرکھوں کی ہڈی بھی چل بھن گئی ہوگی.”

”بدمعاش کا منہ کھوں نہیں نوچ لیا.”

”سرکار بات تو اُس نے ایسی ہی کی تھی ! آپ کا لحاظ کر لیا، بس.....نہیں تو خون کی ندی بہ جاتی..... آپ کی بھتی اور اُس کی چھوڑوں کا جوڑ..... کہتا تھا—تھاکر صاحب کی ہی بھتی نہیں ہے، مہری بھتی بھی ہے. اُس کی شادی میں کھی خرچ کروں گا. تھاکر صاحب کو کھوں کھی دے دوں.....”

”کھی نہیں دے گا.....کھی اسی وقت نہ لے لیا تو اپنے باپ سے پیدا نہیں.....لوگو آدھوں کو...چلو، چلو، اُٹھو، بڑھو...لوٹ لو...پھر دیکھ لوںگا...تھاکر صاحب کی سبھی لولکا...کبھی ہار نہیں مانی...دبھا کو ہلسی کا موقع نہیں دوںگا، چلو، بڑھو، لوٹو، مارو، چلو، بڑھو !

اُگے اُگے تھاکر صاحب تھے، اُن کے ایک ہاتھ میں ایک نالی بندوق تھی اور دوسرا ہاتھ مرنچھوں پر تھا. اُن کے سپاہی پیچھے چل رہے تھے. بہت بڑا قلعہ جیسے اُنہوں فتح کرنا تھا...چال ایسی تھی جیسے فتح تو اُن کی ہی ہے...کون اُن کو روک سکتا تھا، کون اُن کا مقابلہ کر سکتا تھا. دکھی اہیر ! اُس کی کھیا مہجال کہ تھاکر صاحب کے سامنے بھی آئے، اُس کی کیسے جرئت ہو سکتی ہے... لیکن کون جانے، وقت بدل رہا ہے...تھاکر صاحب کی ہر مانگ پوری ہوتی آتی ہے، اُن کے باپ نے جو چاہا وہ ہوا، اُن کے باپ نے جو حکم دیا وہ ہوا...اور دکھی، دکھی کا باپ، باپ کا باپ اور اسی طرح نہ جائے کتلی پورھیاں حکم بجاتی آئی ہیں—لیکن آج تھاکر سے یہ ادھیر چھن گیا تھا. دکھی نے جو آ اُتار پھینکی تھی...



کسانوں نے ہر طرح کی زمینداری ختم کرنے کے لیے بھاڑی سے لڑا لڑی ہے۔ پر اس کے بدلے اسے میلی سرکار کی جرمیاداری، پورانی جرمیاداری میں بھی آپسی رشتے اور نیچی لیٹا پڑ کی کچھ نہ کچھ جگہ تھی۔ اس کی جگہ اب سرکاری نوکر کی کوئی اور شان ہوئی قانون کی پابندی ہوئی۔ لگان کا بوجھ ویسے کا ویسا ہوتا رہے گا۔ کم سے کم 40 سال کے لیے تو ہوتا ہی رہے گا۔ نیا قانون بنانے والوں کو معلوم تھا کہ لگان کا بوجھ کسانوں کو بھروسے قابل رہا ہے اور اس کی ادائیگی میں بھی مشکل نہیں آئیگی۔ لیکن لگان وصولی کے لیے سرکار نے وہ اختیار اپنے ہاتھ میں لیے ہیں جو شروع میں بھارت آئے انگریزوں نے اپنے لیے لیے۔ 'سمن'، 'گرفتاری'، 'نظر بندی'، 'قرقی' اور 'بھلام' لگان وصولی کے لیے کسانوں کو پہلے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سن 52ء میں 'کانگریسی راج' میں جو قانون بنا ہے، اس میں گرفتاری کا عام اختیار ہے۔ حالت اس سے بھی زیادہ چلتا چلکا ہے۔ لہذا یہ ظالم اختیار کام میں لانے کے لیے سرکاری عملہ ہوگا اور اس کی پھتہ پر دیہاتوں میں بھولا کانگریس کا حال ہوگا۔

### نئی زمینداری کا جنم

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نیا قانون سامنتی زمینداری کو سرکاری زمینداری میں بدل کر دھڑے دھڑے ایک نئی جماعت کوڑی کر دینا اور بڑے جوت والوں کی ایک جماعت بنا دینا جو کہ زیادہ تر دھولی بھوسی دھڑے ہونگے۔ اصل کسان اور غریب ہوتے جائیں گے۔ اس کے ساتھ چھوٹے زمینداری اور درکار والے بھی پسوں کے۔ سرکاری زمینداری کی پرورش میں متھے بھر کلک یا ٹھوس کسان سروسکھی مان بن جائیں گے۔

### آگے کا راستہ

اوپر کی باتوں سے شاید کچھ لوگوں پر یہ اثر پڑے کہ ہندوستان کا کسان ایک ایسی حالت میں پھنس گیا ہے جس میں نا امدادی اور بددستی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، پر بات ایسی نہیں ہے، آدمی دنیا کے شروع سے اب تک اپنی خوشی اور بھلائی کے لیے کوشش کرتا آیا ہے اور قدم قدم پر اسے کامیابی ملی ہے۔ یہی حالت ہمارے ملک کے کسانوں کی بھی ہے۔ ان کی غریبی دنیا میں بے مثال ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس حالت میں تبدیلی کسے کی جائے؟ اس تبدیلی کی روپ دیکھا ہم نے اوپر دے دی ہے۔ اس تبدیلی کی کلیدی بھی اسی چلتا ہے ہاتھوں میں ہے جس کے سلکتھن، تھاک اور ستھاک نے اس دیہ سے انگریزی راج کو ختم کیا، یہ راستہ بھی وہی تھاک اور قربانی کا راستہ ہے۔



## پورانے زمیندار کا نیا چولا

زمینداری انت قانون نے صوبے کے کسانوں کو 22 کسٹمز کی جگہ چار کر دیا ہے۔ ان چار میں سے بھومی دھروں اور تھوڑے سے سہراؤں کو خوش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ راج کرنے والوں کی سماجک بنیاد کی طرح دیہاتوں میں رہ سکیں۔ ان بھومی دھروں و تھوڑے سے سہراؤں میں کل کے زمیندار اور بڑے کسان ہی آتے ہیں۔ سہکاری فارموں کے آرتھک سدھار، پمپائتی عدالتوں کے سماجک نہائے اور راج نہتی کی نہتا گری انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے گی۔ ان کی یہ طاقت بٹائی پرتھا جاری رکھنے کی سہولت سے بہت بڑھ گئی ہے۔ بٹائی سے چھوٹے کسانوں کی جو لوٹ کھسوٹ ہوئی اس کی تو مثال ملنا مشکل ہو جائے گا۔ پمپائتی عدالت کے ذریعہ اس جماعت نے نہائے راج نہتی اور سماج میں ویسے ہی دب دیہ قائم کر رکھا ہے۔ گلیکریس کی دیہاتی رچنا میں بنی ہوئی یہ جماعت زمیندار کی شکل میں نہ آ کر پھر دیہاتوں کے پرہندہ میں عہدے دار بن کر آئے گی۔ اور ان عہدیداروں کے اختیار پہلے سے بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح زمیندار و سماجی گروں کے راجا تو بنے ہی رہیں گے، انہیں قانون کی آواز اور لوک راج کا سدھار سہرا بھی پہنچے گا مل جائے گا۔ ابھی تک آرتھک سدھاروں، راج کاجی طاقت اور نہائے کرنے کا جو حق یہ لٹری جماعت اپنے ہاتھوں میں فوراً ضبط سے لے ہوئے تھے، گاؤں پمپائتی کے ذریعہ نہتا قانون انہیں ضبط سے اور حق کا جامہ بھی پہنادے گا۔

## ظلموں کی بھر مار

دیہاتوں کی لڑت کو یہ جامہ تو پہنایا ہی گیا ہے، پر لوٹ کی پرائی، سڑیل ادھ سامنتی اصلیت بھیتر ہی بھیتر قائم رہے گی، جس سے زمین کی اجارہ داری بڑے کی اور ادھک تر کسانوں پر مصہبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ان کی بربادی اور بزدلیک آئی جائے گی۔ یہ دھانچہ جو جو مصہبتوں لائے گا، ان کی گڈی بھی ہو سکتی۔ لکان کی وصولی میں ظلم ہونگے، کھیتی میں لگے لوگوں کی گڈی گڈی برابر بڑھتی جائے گی اور کسانوں کے قبضہ کی زمین کھیتی جائے گی۔ کسانوں کی زوری کا دوسرا ذریعہ دھونڈھنے کے سبھی راستے بند ہوں گے۔ کھیتی کی پیداوار بڑھانے کے راستے میں اچھلے پڑھیں گی۔ کسانوں کی فریبی بڑھے گی، اور ان کی بے دخلیاں بڑھیں گی، جوتوں کا رقبہ کھٹتا جائے گا۔ کسان قرض سے لڈینگے۔ آپسی دھمکی بڑھے گی، اور سماجک تباہی بڑھے گی۔

زمینداری پر لٹا کی یہ سب خرابیاں نئے نظام میں بھی موجود رہیں گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مانگداری زمیندار وصول نہ کریگا، سرکار کرے گی۔ دوسرے شہدوں میں زمیندار کی جگہ سرکار زمیندار بنے گی۔ ہمارے صوبے کے

## پورانے زمیندار کا نیا چولا

زمینداری انت قانون نے صوبے کے کسانوں کو 22 کسٹمز کی جگہ چار کر دیا ہے۔ ان چار میں سے بھومی دھروں اور تھوڑے سے سہراؤں کو خوش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ راج کرنے والوں کی سماجک بنیاد کی طرح دیہاتوں میں رہ سکیں۔ ان بھومی دھروں و تھوڑے سے سہراؤں میں کل کے زمیندار اور بڑے کسان ہی آتے ہیں۔ سہکاری فارموں کے آرتھک سدھار، پمپائتی عدالتوں کے سماجک نہائے اور راج نہتی کی نہتا گری انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے گی۔ ان کی یہ طاقت بٹائی پرتھا جاری رکھنے کی سہولت سے بہت بڑھ گئی ہے۔ بٹائی سے چھوٹے کسانوں کی جو لوٹ کھسوٹ ہوئی اس کی تو مثال ملنا مشکل ہو جائے گا۔ پمپائتی عدالت کے ذریعہ اس جماعت نے نہائے راج نہتی اور سماج میں ویسے ہی دب دیہ قائم کر رکھا ہے۔ گلیکریس کی دیہاتی رچنا میں بنی ہوئی یہ جماعت زمیندار کی شکل میں نہ آ کر پھر دیہاتوں کے پرہندہ میں عہدے دار بن کر آئے گی۔ اور ان عہدیداروں کے اختیار پہلے سے بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح زمیندار و سماجی گروں کے راجا تو بنے ہی رہیں گے، انہیں قانون کی آواز اور لوک راج کا سدھار سہرا بھی پہنچے گا مل جائے گا۔ ابھی تک آرتھک سدھاروں، راج کاجی طاقت اور نہائے کرنے کا جو حق یہ لٹری جماعت اپنے ہاتھوں میں فوراً ضبط سے لے ہوئے تھے، گاؤں پمپائتی کے ذریعہ نہتا قانون انہیں ضبط سے اور حق کا جامہ بھی پہنادے گا۔

## ظلموں کی بھر مار

دیہاتوں کی لڑت کو یہ جامہ تو پہنایا ہی گیا ہے، پر لوٹ کی پرائی، سڑیل ادھ سامنتی اصلیت بھیتر ہی بھیتر قائم رہے گی، جس سے زمین کی اجارہ داری بڑے کی اور ادھک تر کسانوں پر مصہبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ان کی بربادی اور بزدلیک آئی جائے گی۔ یہ دھانچہ جو جو مصہبتوں لائے گا، ان کی گڈی بھی ہو سکتی۔ لکان کی وصولی میں ظلم ہونگے، کھیتی میں لگے لوگوں کی گڈی گڈی برابر بڑھتی جائے گی اور کسانوں کے قبضہ کی زمین کھیتی جائے گی۔ کسانوں کی زوری کا دوسرا ذریعہ دھونڈھنے کے سبھی راستے بند ہوں گے۔ کھیتی کی پیداوار بڑھانے کے راستے میں اچھلے پڑھیں گی۔ کسانوں کی فریبی بڑھے گی، اور ان کی بے دخلیاں بڑھیں گی، جوتوں کا رقبہ کھٹتا جائے گا۔ کسان قرض سے لڈینگے۔ آپسی دھمکی بڑھے گی، اور سماجک تباہی بڑھے گی۔

زمینداری پر لٹا کی یہ سب خرابیاں نئے نظام میں بھی موجود رہیں گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ مانگداری زمیندار وصول نہ کریگا، سرکار کرے گی۔ دوسرے شہدوں میں زمیندار کی جگہ سرکار زمیندار بنے گی۔ ہمارے صوبے کے



### گاंव سभा का असली रूप

یہ سب پد کر لےگا کہ اس کانون کے جریے رام-راج، پंचायत राज یا सोवियत राज कायम हो रहा है. कानून के मकसद में ही कहा गया है—गांव को एक छोटा लोकराज और सहकारी समाज बनाने वाला यह कानून लोगों में आर्थिक और सामाजिक विकास और सामाजिक जिम्मेदारी और भावना पैदा करने के लिये है. हम इस गांव सभा की पैदाइश और उसका असली रूप बनाने की कोशिश नीचे करेंगे.

सभी बालियों से हाथ उठा कर जियादा गिनती वालों को चुनने का जो तरीका गांव सभाओं में इस्तेमाल होता है उसमें छोटे किसानों और खेतिहर मजदूरों के लिये इन्साफ की गारन्टी नहीं रह जाती. अपने ठाकुर के खिलाफ हाथ उठाने में अभी किसान हिचकिचाता है. असली लोकराज के लिये तो यह तरीका सही नहीं है. आज सही लोकराज में बोट देने का वही तरीका सही माना जाता है जो रूस वगैरह में लागू है. उसे हम सच्चा लोकराज कहते हैं.

“गांव का लोकराज या सहकारी समाज” ऐसे शब्द हैं जो सुनने में अच्छे लगते हैं. लेकिन असल में उनके अर्थ हमेशा इतने अच्छे नहीं होते. गांवों में जमींदार और महाजन हमेशा जुल्म डाने वाले और दमन करने वाले रहे हैं. यही लोग गांव सभा में भी मौजूद हैं. जमींदारी खतम होने के बाद जमींदारों का असर और रोबदाब रातों रात तो खतम हुए नहीं. उनकी ताकत गांव के समाज पर कब्जा जमाए रहती है. सूबे में पंचायत राज का जो पिछले तीन साल का अनुभव है, वह हमारे इस बयान को सही साबित करता है.

हर गांव में आम तौर पर दो या दो से जियादा गुट या दल होते हैं. हर दल का कोई न कोई नेता होता है. ऐसी हालत में इन गांव सभाओं में दबी पिसी जनता की आवाज नहीं सुनी जाती. गांवों के अमीरों का ही बोल बाला रहता है. गांवों के यह दल आपस में लडते रहते हैं. उनके नेता अपना अपना असर और कब्जा बढ़ाने की धुन में किसानों के हितों की आड़ लेते हैं. गांव सभाओं की परती पर कब्जा पाने के बाद हर गुट अपने अपने आदमियों को उसका पट्टा दिलाने की कोशिश करेगा और उसके लिये किसानों के बोट मांगेगा. और इस तरह दोनों गुट किसानों की दुहाई देंगे. किसान इस तरह दो दल में बंट जायेंगे. जमींदार महाजन यही तो चाहते हैं. किसानों की फूट से उनकी लूट खसोट का रास्ता खुलेगा. जुल्म और सितम तो नई शकल में जारी रहेंगे ही, कुनबा परस्ती और रिशवत के बाजार भी गरम रहेंगे.

### गांव सभा का اصلی रूप

یہ سب پوہکر لکے گا کہ اس قانون کے ذریعے رام راج، پنچایت راج یا سوویت راج قائم ہو رہا ہے. قانون کے مقصد میں ہی کہا گیا ہے—گاؤں کو ایک چھوٹا لوک راج اور سہکاری سماج بنانے والا یہ قانون لوگوں میں آرتھک اور سماجک وکاس اور سماجک ذمے داری اور بھاؤنا پیدا کرنے کے لئے ہے. ہم اس گاؤں سبھا کی پیدائش اور اس کا اصلی روپ بنانے کی کوشش نیچے کریں گے.

سبھی بالغوں سے ہاتھ اٹھوا کر زیادہ گنتی والوں کو چننے کا جو طریقہ گاؤں سبھاؤں میں استعمال ہوتا ہے اس میں چھوٹے کسانوں اور کھیتی ہر مزدوروں کے لئے انصاف کی گارنٹی نہیں رہ جاتی. اپنے تھاکر کے خلاف ہاتھ اٹھانے میں ابھی کسان چپکچاتا ہے. اصلی لوک راج کے لئے تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے. آج صحیح لوک راج میں ووٹ دینے کا وہی طریقہ صحیح مانا جاتا ہے جو درس و تہرہ میں لگو ہے. اے ہم سچا لوک راج کہتے ہیں.

”گاؤں کا لوک راج یا سہکاری سماج“ ایسے شبد ہوں جو سڈے میں اچھے لگتے ہوں. لیکن اصل میں ان کے ارتھ ہمیشہ اتنے اچھے نہیں ہوتے. گاؤں میں زمہلداری اور سہاجن ہمیشہ ظلم قمانے والے اور دمن کرنے والے رہے ہوں. یہی لوگ گاؤں سبھا میں بھی موجود ہوں. زمہلداری ختم ہونے کے بعد زمہلداروں کا اثر اور دعب داب راتوں رات تو کم ہوئے نہیں. ان کی طقت گاؤں کے سماج پر قبضہ جمانہ دیتی ہے. سرے میں پنچایت راج کا جو پچھلے تین سال کا اُبوہو ہے، وہ ہمارے اس بیان کو صحیح ثابت کرتا ہے.

ہر گاؤں میں عام طور پر دو یا دو سے زیادہ گٹ یا دل ہوتے ہوں. ہر دل کا کوئی نہ کوئی نہکتا ہوتا ہے. ایسی حالت میں ان گاؤں سبھاؤں میں دبی سی جلتا کی آواز نہیں سنی جاتی. گاؤں کے امہدوں کا بول بالا رہتا ہے. گاؤں کے یہ دل آپس میں لوتے دھتے ہوں ان کے نہکتا ایلا ایلا اثر ارد قبضہ ہونے کی دھن میں کسانوں کے عکس کی آڑ لیتے ہوں. گاؤں سبھاؤں کی درتی پر قبضہ پالنے کے بعد ہر گٹ اپنے اپنے آدمیوں کو اس کا بٹہ دلانے کی ہن کوشش کرے گا اور اس کے لئے کسانوں کے ووٹ مانگے گا. اور اس طرح دوتوں گٹ کسانوں کی دھانی دیں گے. کسان اس طرح دو دل میں ہلت جائیں گے. زمہلدار سہاجن یہی تو چاہتے ہوں. کسانوں کی پھرت سے ان کی لوٹ کھسوٹ کا راستہ کھلے گا. ظلم اور ستم تو نئی شکل میں جاری دھیں گے ہی، کلبہ پرستی اور رشوت کے بازار بھی گرم دھیں گے.



مکتبہ ملتی ہے، جو شاید آگے سارے صوبے میں لاکھ ہو۔ ”جنگلی زمین جو کاشتکار فارم کو دے، اسی کے حساب سے اس میں اس کا حصہ ہو۔“ جہانسی کے فارموں کے سلسلہ میں وکس ملٹری نے کہا تھا—ہم زمین کی قیمت آنکھوں کے اور زمین کی مٹی کی قسم و کاشتکار کے بھل و دوسرے جانور، اس کی قابلیت، ہوشیاری و جانکاری وغیرہ کا اندازہ لگا کر فارم کی اوج اسی حساب سے بانٹ دیں گے۔

سرکار جہسی سہکاری کھیتی چلانا چاہتی ہے، اس کی ایک جہلک اس بھان میں ملتی ہے۔ ایسے فارموں اور جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں میں کیا اختلاف ہوگا یہ بتانا شاید ملٹری جی کے لئے بھی مشکل ہو۔ برسوں کی مصلحت کے بعد سرکار نے دو فارم جہانسی میں کھولے جنہوں کو ”آدرہ“ بتائی ہے۔ پر انہیں فارموں کے کچھ کسانوں نے دباؤ اور دھمکی کی شکایتیں بھی کیں۔ اجرت اور مزدوری نہ ملنے کی شکایتیں تو عام تھیں۔ ایک کسان نے کہ—”مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر فارم میں نہ شامل ہوا تو جیل بھیج دیا جائے گا۔“

#### گاؤں سبھا

بھومی سدھار قانون کے مطابق ہر گاؤں میں ایک گاؤں سبھا بنے گی۔ گاؤں والوں کے ملے جلے سنگتوں کے روپ میں یہ سبھا چل اور اچل جائداد لہنے، رکھنے، اُس کے بندوبست کرنے، اُس کا تبادلہ کرنے، ٹھیکے اور سمجھوتے کرنے اور اس سب کے لئے عدالت جانے کا حق رکھے گی۔ گاؤں سبھا کی یہ شکل جوائنٹ اسٹاک کمپنی سے ملتی چلتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے سبھی بالغ اور گاؤں کی زمین کے بھومی دھر، سہدار، آدمی و اسی و اسی سبھا کے ممبر ہونگے۔ ہاؤس اور اوسر زمین کو چھوڑ کر باقی سب بھومی، جنگل، پہاڑ، سب کے استعمال کے کنوین، ہاٹ، بازار، مہلے، تالاب وغیرہ سبھا کے اندھکاروں میں رہنے اور وہی ان کا انتظام کریں گی۔ کھیتی کا وکس اور سدھار، جنگلوں و پہاڑوں کی دیکھ بھال، گاؤں کے راستوں و آبادی کا رکھ رکھاؤ اور وکس، ہاٹ بازاروں کا انتظام اور جانوروں کی نسل سدھار، چک، بلدی، کھریلو دھندوں کا وکس، کلوے تالابوں کا انتظام وغیرہ سبھی کی ذمہ داری گاؤں سبھا پر ہوگی۔ گاؤں سبھا کی پینچایتیں یہ کام کریں گی۔ پینچایتوں کے دس ممبر ہونگے۔ کڑھی، پاڈل، سرکاری نوکر، ایرادھی وغیرہ اُس کے ممبر نہ ہوسکیں گے۔ جن سے نہک چلتی کے لئے مشکل کے لئے کہے ہیں وہ بھی ممبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ پینچایتیں سرکاری حکموں کی پابند ہونگی اور انہیں لگو کریں گی۔ ہر کسی خاص حالت میں سرکار پینچایتوں سے یہ حق لے سکے گی اور کام چلانے کا دوسرا انتظام کرسکے گی۔

گاؤں سبھا

بھومی سدھار قانون کے مطابق ہر گاؤں میں ایک گاؤں سبھا بنے گی۔ گاؤں والوں کے ملے جلے سنگتوں کے روپ میں یہ سبھا چل اور اچل جائداد لہنے، رکھنے، اُس کے بندوبست کرنے، اُس کا تبادلہ کرنے، ٹھیکے اور سمجھوتے کرنے اور اس سب کے لئے عدالت جانے کا حق رکھے گی۔ گاؤں میں رہنے والے سبھی بالغ اور گاؤں کی زمین کے بھومی دھر، سہدار، آدمی و اسی و اسی سبھا کے ممبر ہونگے۔ ہاؤس اور اوسر زمین کو چھوڑ کر باقی سب بھومی، جنگل، پہاڑ، سب کے استعمال کے کنوین، ہاٹ، بازار، مہلے، تالاب وغیرہ سبھا کے اندھکاروں میں رہنے اور وہی ان کا انتظام کریں گی۔ کھیتی کا وکس اور سدھار، جنگلوں و پہاڑوں کی دیکھ بھال، گاؤں کے راستوں و آبادی کا رکھ رکھاؤ اور وکس، ہاٹ بازاروں کا انتظام اور جانوروں کی نسل سدھارنے، چک، بلدی، کھریلو دھندوں کا وکس، کلوے تالابوں کا انتظام وغیرہ سبھی کی ذمہ داری گاؤں سبھا پر ہوگی۔ گاؤں سبھا کی پینچایتیں یہ کام کریں گی۔ پینچایتوں کے دس ممبر ہونگے۔ کڑھی، پاگل، سرکاری نوکر، اُپرادی وغیرہ اُس کے ممبر نہ ہو سکیں گے۔ جن سے نہک چلتی کے لئے مشکل کے لئے کہے ہیں وہ بھی ممبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ پینچایتیں سرکاری حکموں کی پابند ہونگی اور انہیں لگو کریں گی۔ ہر کسی خاص حالت میں سرکار پینچایتوں سے یہ حق لے سکے گی اور کام چلانے کا دوسرا انتظام کرسکے گی۔



بھی کھانن نے سہکاری خیتی کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ اگر کسی علاقے کی دو تہائی زمین کے بھوسے دھڑ اور سہارا (اُن کی کھیتی بھی کل کسانوں کی کھیتی کے دو تہائی ہونی چاہئے) کلکٹر کو سہکاری فارم کے لئے عرضی دیں تو ساری زمین کا تبادلہ سہکاری فارم کے لئے ہو جائیگا۔ اس میں چھوٹی بڑی جوتوں کی قوت نہیں رکھی گئی ہے، ہر فارم کی زمین کی ملکیت بھوسے دھڑوں و سہاراوں کی ہوگی۔ اگر چھوٹی بھڑ کڈارے لائق جوتوں والے کلکٹر اس فارم میں شامل نہ ہو سکیں تو کلکٹر اُن کی زمین لے سکتا ہے۔ فارم کی زمین کی چک بندی ہو جائیگی اور سہارا کو بنے زمینوں کی پابندی کرنی ہوگی۔ کسی سہارا کی موت ہونے پر اُس کی وارث اُس کی جگہ فارم کا سہارا ہو سکتا ہے۔ سہارا ان فارموں کو قرض و دوسری سہولتیں دیگی، کھیتی کی آمدنی پر سہارا ٹیکس و لگان میں کمی ہو جائیگی، سہارا کی طرف سے انہیں کھیتی کے سلسلے میں مفت علاج ملا کرے گی، سہارا میں بھی اول نمبر اُن کا ہوگا، سہارا سہارا کے لئے ایک مہلت رقم مفت دیگی، وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کس کا فائدہ ہے؟

اس میں کس کا فائدہ ہے؟

دنیا کا تجربہ ہے کہ سہکاری کھیتی کو بوجھا دینے کے لئے زمین کے بٹوارے سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں چھوٹے کسان اور بٹوارے سے زمین پانے والے لوگ ایک میں آئے بڑھتے ہیں اور سہکاری کھیتی کے انداز کے نہایت بلتے ہیں۔ بٹوارے نہ ہونے پر کسانوں میں اس طرف دلچسپی اور اُتساہ پیدا کرنے کے لئے سہارا ہی سہولتیں دی ہیں اُن کا فائدہ مٹھی بھر بڑے کسان ہی اُٹھا سکیں گے۔ اس سوال پر فور کرنے کے لئے ایک دوسری بات بھی دھیان میں رکھنا چاہئے۔ مالگداری سے وصول ہونے والی رقم کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہی سہارا کھیتی پر خرچ کرتی ہے۔ چھوٹے کسانوں سے ملنے والی کروڑوں کی رقم کھیتی کے وکس پر نہیں خرچ ہوگی بلکہ زمینداروں کے معاوضے پر خرچ ہوگی۔ اور سہکاری کھیتی کے وکس کے لئے بھی رقم چاہئے۔

دو تہائی کسانوں کی رضامندی کی شرط لگانا ایک قہر ہے جس سے چھوٹے بھڑ کڈارے لائق جوتوں والے کسان اُن سہاراوں سے بھی بلتیت رکھے جائیں گے جو کہ سہکاری فارموں کو ملتی ہیں۔

سہکاری کھیتی کے اس دھانچے میں اگر کسی کو اُتساہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ ہے زمیندار اور بڑا کسان۔ قانون میں وہ اصول بھی نہیں بتایا گیا جس اصول پر فارم کی ایج اس کے سہاراوں میں بانٹی جائے گی۔ جھانسی میں سہکاری پرورش میں جو فارم ہیں اُن سے ان اصولوں کی

دو تہائی کسانوں کی رضامندی کی شرط لگانا ایک قہر ہے جس سے چھوٹے بھڑ کڈارے لائق جوتوں والے کسان اُن سہاراوں سے بھی بلتیت رکھے جائیں گے جو کہ سہکاری فارموں کو ملتی ہیں۔

سہکاری خیتی کے اس ڈانچے میں اگر کسی کو اُتساہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ ہے زمیندار اور بڑا کسان۔ قانون میں وہ اصول بھی نہیں بتایا گیا جس اصول پر فارم کی ایج اس کے سہاراوں میں بانٹی جائے گی۔ جھانسی میں سہکاری پرورش میں جو فارم ہیں اُن سے ان اصولوں کی

سہکاری کھیتی کے اس دھانچے میں اگر کسی کو اُتساہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ ہے زمیندار اور بڑا کسان۔ قانون میں وہ اصول بھی نہیں بتایا گیا جس اصول پر فارم کی ایج اس کے سہاراوں میں بانٹی جائے گی۔ جھانسی میں سہکاری پرورش میں جو فارم ہیں اُن سے ان اصولوں کی



لیکن سیدھا سادہ سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدمی وادی سے پانچ سال کا انتظام کیوں کرایا جارہا ہے اور اُسے زمیندار کے رحم پر کیوں چھوڑا جا رہا ہے؟ جہاں تک لگان کا تعلق ہے، ہجرتی آدمی وادی پر کوئی مار پڑی ہے۔ یا کو وہ مالک کی مرضی کا من مانا لگان دینے کو تیار ہو اور یا جب چاہے بے دخل کر دیا جائے اور موروثی لگان سے ایک نہائی اور زیادہ دے۔ اگر مالک کے پاس آٹھ ایکڑ سے کم زمین ہے تو بھی وہ آدمی وادی کو بے دخل کر سکتا ہے۔

ہم نہایت ہی بظہاد پر اس نہتی کا ورودہ کرتے ہیں۔ اگر اس قانون کا اودادہ یہ ہے کہ دیہاتی جلتا دھلک سے زمین پر بس جائے، تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زمیندار نہتی کو اپنا خاص پیشہ بناتا ہے یا وہ کڈارے کے لئے دوسرے کام کرتا ہے اور کھیتی کھول تھوری سی مدد کے لئے کرتا ہے۔ اگر اُسکا خاص پیشہ کھیتی نہیں ہے، تو بے دخل اُسے ہونا چاہئے نہ کہ آدمی وادی کو—اگر یہ اصول لاگو ہو تو آدمی وادی سرکشت ہو جائے۔ پر یہاں تو سرکار نظام میں سب سے زیادہ بولی لگانے والوں کو ہی بہوسی دھر بدلانے کی فکر میں پریشان معلوم پڑتی ہے۔ بہوسی دھروں کو ایک اور رعایت ملی ہے۔ اگر آدمی وادی بہوسی دھر بدلانے تو سرکار اُس زمین کے لئے زمیندار کو معاوضہ دے گی۔ ایسی حالت میں عام کسانوں کی فوری بڑھتی ہی جائے گی۔ جہاں تک سہکاری کھیتی کا سوال ہے وہ بڑے جوتہ داروں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس بات کا پورا ثبوت ہم پہلے دیں گے۔

## 8. سہکاری کھیتی

سرکار کے نئے بہوسی سدھار قانون کے مطابق چار طرح کے کسان ہونگے۔ پر چوسہ شہر بکری کے ایک کھات پانی پینے کی بات آن ہوئی ہے، ویسے ہی ان الگ الگ قسموں کے کاشتکاروں کی سہکاری کھیتی بھی آن ہوئی ہے۔ اس دمانچے میں نو سدھار کی امریکی 'پائلٹ' کی اسکیم ہی چل سکتی ہے، جس میں غریب کی فریدی ہوئی جاتی ہے اور ساتھ میں امیر کی امیری بھی! لیکن جن لوگوں نے یہ قانون بدلایا انہیں کسانوں کی اس بوہتی ہوئی مانگ کا پتہ تھا کہ سہکاری کھیتی ہو اس لئے اس کا قہول پھٹنے کے لئے قانون میں گنجائش کر لی ہے کہ ہم بھی سہکاری کھیتی کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں۔

گاؤں سبھا کے کوئی بھی بہوسی دھر یا سرکار ممبر جن کی کل زمین کم سے کم تھیں ایکڑ ہے، سہکاری کھیتی کے لئے سوسائٹی بدلانے کی عرض رجسٹرار کو دے سکتے ہیں۔ چھوٹی شہر کڈارے لائق جوت والے کسانوں کے لئے

سرکار کے نئے بہوسی سدھار قانون کے مطابق چار طرح کے کسان ہونگے۔ پر چوسہ شہر بکری کے ایک کھات پانی پینے کی بات آن ہوئی ہے، ویسے ہی ان الگ الگ قسموں کے کاشتکاروں کی سہکاری کھیتی بھی آن ہوئی ہے۔ اس دمانچے میں نو سدھار کی امریکی 'پائلٹ' کی اسکیم ہی چل سکتی ہے، جس میں غریب کی فریدی ہوئی جاتی ہے اور ساتھ میں امیر کی امیری بھی! لیکن جن لوگوں نے یہ قانون بدلایا انہیں کسانوں کی اس بوہتی ہوئی مانگ کا پتہ تھا کہ سہکاری کھیتی ہو اس لئے اس کا قہول پھٹنے کے لئے قانون میں گنجائش کر لی ہے کہ ہم بھی سہکاری کھیتی کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں۔

گاؤں سبھا کے کوئی بھی بہوسی دھر یا سرکار ممبر جن کی کل زمین کم سے کم تھیں ایکڑ ہے، سہکاری کھیتی کے لئے سوسائٹی بدلانے کی عرض رجسٹرار کو دے سکتے ہیں۔ چھوٹی شہر کڈارے لائق جوت والے کسانوں کے لئے



اور سٹارڈ مالک دوسرا ہوگا۔ اس مالک کی مرچہ پر آواز کی تہ سے زمین لے کر وہ کاشت کر سکے گا۔ اگر بھومی دھر یا سہرदार کے حق زمین کے کسی حصے میں ختم ہوئے تو اسامی کے ادھکار اپنے آپ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اسکا لگان کسی اصول کے ماتحت طے نہیں ہوگا۔ زمین کے مالک (یا گاؤں سبھا) جتنی زمین اٹھائیں گے اور جتنے اسامی زمین لیں گے اس کے حساب سے بھاؤ ٹاؤ اور سمجھوتے سے لگان کی رقم طے ہوگی۔ زمین کا مالک (یا گاؤں سبھا) 100 میں 99 بار اسامی کو داغ کر منمانا لگان وصول کرے گی۔ یہ اصول اسامی پر ایسی آفتیں تھائے گا جس کا بہانہ کرنا مشکل ہے۔ جب اسامی بڑھے ہوئے لگان کو ادا نہیں کر پائے گا تب زمین کے مالک اس کی زمین اور اگر باغ ہوا تو پھو کے پھل وغیرہ پر قبضہ کر لیں گے۔ لگان کے لئے فصل پر قبضہ کر لہذا کا اختیار ہر کاشتکار کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ پر اسامی کی غریبی کے کارن قانون کی سب سے بڑی مارتی ہو چکا ہے پڑے گی۔ آج سے سو دھڑ سو سال پہلے انگریزی بلڈویسٹ انسرز نے پہلے پہل جو حق کسانوں کو دیئے تھے وہ ان اسامیوں کے حقوق سے کم ہو کر نہیں رہے۔ لگان کی وصولی کے طریقوں میں بھی کافی دھاندلی ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر گاؤں سبھا یا جسے لگان پاتا ہو وہ اپنے من مطابق لگان نقد مال میں یا جس شکل میں چاہے گا وصول کرے گا۔ مال یا دوسری چھڑ کی قیمت بھی یہ لوگ ہی آکھیں گے۔ لگان پوداوار کی شکل میں بھی لہا جا سکے گا۔ اگر لگان کا ایک حصہ بھی بدلایا وہ جائے تو اسامی کو بے دخل کر دیا جائے گا۔ اس طرح سن 1939 کے قانون نے ماتحت کاشتکار کو جو حق ملے ہوئے تھے زمینداری امت قانون اب انہیں بھی چھین لے گا۔ ابھی تک کاشتکار بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہاں قانون اسے بے دخل بھی کر دے گا۔ اب دیکھئے آدمی وادی کا حال۔

### آدمی وادی

سہر کے کاشتکار (جو سہرदार یا بھومی دھر ہیں) زمین (کاشتکار اور بھومی دھر سہرदार و اسامی چھوڑ کر اور سبھی آدمی وادی میں۔ ان کی ملتی سارے سولتھس لائے ہیں جو کہ لگ کاشتکاروں کی ملتی کا سارے چودہ فی صدی ہے۔ لگ زمین کا سوا سات فی صدی ان کے پاس ہے۔

آدمی وادی میں ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ اور زیادتی کے شکار ہیں۔ انہیں اپنی زمین چھین جانے اور بے دخل ہو جانے کا خطرہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ قانون نے انہیں مہربانی کر کے چھوڑ دی ہے کہ پانچ سال بعد یا زمینداری کی مرضی سے کبھی بھی وہ بھومی دھر بن سکیں گے۔

آدمی وادی (جو سہرदार یا بھومی دھر نہیں ہیں) شیکمی کاشتکار اور بھومی دھر سہرदार و اسامی چھوڑ کر اور سبھی آدمی وادی میں۔ ان کی ملتی سارے سولتھس لائے ہیں جو کہ لگ کاشتکاروں کی ملتی کا سارے چودہ فی صدی ہے۔ لگ زمین کا سوا سات فی صدی ان کے پاس ہے۔

آدمی وادی میں ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ اور زیادتی کے شکار ہیں۔ انہیں اپنی زمین چھین جانے اور بے دخل ہو جانے کا خطرہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ قانون نے انہیں مہربانی کر کے چھوڑ دی ہے کہ پانچ سال بعد یا زمینداری کی مرضی سے کبھی بھی وہ بھومی دھر بن سکیں گے۔



بھومبھروں اور سیرداروں میں دو بنیادی فرق ہیں۔ سیردار زمین بھج نہیں سکتے اور اس پر صرف کھیتی یا جانور پالنے وغیرہ کا کام ہی کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو سب سے خراب شرط لگی ہے، وہ ہے ان کی بھدخالی کی۔ انہیں بھدخالی کرنے کے کئی قانونی طریقے ہیں:—

زمین کے مالک (جیسے گاؤں سبھا) بھٹ مٹ دینا دے کہ سیردار نے زمین دوسرے کو دی ہے اور اس بلا پر اسے بھدخالی کر دے۔

اگر سیردار زمین پر کھیتی کے علاوہ اور کچھ کرتا ہے تو اسے نہ صرف بھدخالی ہی کر دیا جائیگا بلکہ اس سے وہ خرچ بھی وصول کیا جائیگا جو زمین کو فیر سے خیتی کے کلابیل بنانے میں لگے گا۔ اس کے خلیاں بھومبھر اپنی زمین پر کارخانہ بھی چلا سکتے گا۔ لہذا اس میں اور اس کے بعد، زمینداروں نے بڑی بڑی زمینیں نذرانے میں وصول کر چرائی ہیں۔ سرکار یہ جانتی ہے۔ پر قانون اس کے لئے زمیندار کو نہیں سیردار کو سزا دیکھا، کیونکہ گاؤں سبھاؤں کی شکایت پر سیردار چرائیوں سے بھدخالی کر دئے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہے کہ سیردار کے حقوں کی رکشا اس قانون میں نہیں ہے۔

### اسامی

نیچے لکھے کسی بھی قسم کے کاشتکار اسامی کہلائیں گے جو زمینداروں کے مطابق کاشتکاروں کی تیسری قسم ہے۔

- (1) زمینداروں کے ریر دخیلکار کاشتکار۔
- (2) باغ کے شیکمی کاشتکار۔
- (3) جن کے پاس کاشتکاروں نے اپنی زمین رہن رکھی ہے۔
- (4) چرائیوں، پانی سے بھری (سیناٹا) وغیرہ پیدا کرنے والی زمین اور ندری کے کھار کی وہ زمین جہاں کھیتی ہوئی ہے۔ ان میں سے کئی کاشتکار شامل ہیں۔
- (5) ٹھیکیدار۔
- (6) قانون کے ماتحت زمینیں اسامی بنایا گیا ہو۔

اس قانون کے لگو ہونے ہی راج کے دو لاکھ فیر دخیل کار کاشتکار اسامی ہوئے۔ اسامی کے زمین پر وہی حق ہیں جو سیردار کے ہیں۔ اور بے دخلی وغیرہ کا خطرہ بھی اسکا ویسا ہی ہے۔ لیکن ”نئے سماج“ میں اسامی کا درجہ اور رتبہ سیردار سے نیچا ہے۔ اسامی اس زمین کا کاشتکار ہوگا جس کا

بھومبھروں اور سیرداروں میں دو بنیادی فرق ہیں۔ سیردار زمین بھج نہیں سکتے اور اس پر صرف کھیتی یا جانور پالنے وغیرہ کا کام ہی کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو سب سے خراب شرط لگی ہے، وہ ہے ان کی بھدخالی کی۔ انہیں بھدخالی کرنے کے کئی قانونی طریقے ہیں:—

زمین کے مالک (جیسے گاؤں سبھا) جھوٹ موت دینا دے کہ سیردار نے زمین دوسرے کو دی ہے اور اس بلا پر اسے بھدخالی کر دے۔

اگر سیردار زمین پر کھیتی کے علاوہ اور کچھ کرتا ہے تو اسے نہ صرف بھدخالی ہی کر دیا جائیگا بلکہ اس سے وہ خرچ بھی وصول کیا جائیگا جو زمین کو فیر سے خیتی کے کلابیل بنانے میں لگے گا۔ اس کے خلیاں بھومبھر اپنی زمین پر کارخانہ بھی چلا سکتے گا۔ لہذا اس میں اور اس کے بعد، زمینداروں نے بڑی بڑی زمینیں نذرانے میں وصول کر چرائی ہیں۔ سرکار یہ جانتی ہے۔ پر قانون اس کے لئے زمیندار کو نہیں سیردار کو سزا دیکھا، کیونکہ گاؤں سبھاؤں کی شکایت پر سیردار چرائیوں سے بھدخالی کر دئے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہے کہ سیردار کے حقوں کی رکشا اس قانون میں نہیں ہے۔

### اسامی

نیچے لکھے کسی بھی قسم کے کاشتکار اسامی کہلائیں گے جو زمینداروں کے مطابق کاشتکاروں کی تیسری قسم ہے۔

- (1) زمینداروں کے فیر دخیل کار کاشتکار۔
- (2) باغ کے شیکمی کاشتکار۔
- (3) جن کے پاس کاشتکاروں نے اپنی زمین رہن رکھی ہے۔
- (4) چرائیوں، پانی سے بھری (سیناٹا) وغیرہ پیدا کرنے والی زمین اور ندری کے کھار کی وہ زمین جہاں کھیتی ہوئی ہے۔ ان میں سے کئی کاشتکار شامل ہیں۔
- (5) ٹھیکیدار۔
- (6) قانون کے ماتحت زمینیں اسامی بنایا گیا ہو۔

اس قانون کے لگو ہونے ہی راج کے دو لاکھ فیر دخیل کار کاشتکار اسامی ہوئے۔ اسامی کے زمین پر وہی حق ہیں جو سیردار کے ہیں۔ اور بے دخلی وغیرہ کا خطرہ بھی اسکا ویسا ہی ہے۔ لیکن ”نئے سماج“ میں اسامی کا درجہ اور رتبہ سیردار سے نیچا ہے۔ اسامی اس زمین کا کاشتکار ہوگا جس کا



बढ़ जाय, वह अपनी जमीन पर कर्ज ले सकते हैं (लेकिन अगर वह कर्ज के बदले महाजन को जमीन जोतने देंगे तो यह बिकरी मानी जायगी). वह बेवखल न हो सकेंगे, जमीन पर उनका हक तभी खतम होगा जब वह बिना श्रीलाद मर जायेंगे.

इस तरह कानून ने भूमिधरों के अधिकारों की रक्षा की पूरी कोशिश की है. अगर इन हकों पर कोई आघात कर सकता है तो वह है महाजनी सभ्यता का वह नियम जो हमेशा कमजोर को ताकतवर के फायदे के लिये कुरबान कर देता है. यह सोचना भी गलत होगा कि जितने लोग कागज़ पर भूमिधर हो गए हैं वह सभी रईस या पूंजी वाले हो जायेंगे. सिर्फ मुट्ठी भर ही भूमिधर ऐसे होंगे जिन के पास जमीन और उस जोतने के लिये काफी पूंजी और हल बैल हैं. ज़ियादातर भूमिधरों की आर्थिक हालत कमज़ोर ही है और कमज़ोर ही रहेगी.

### सीरदार

उत्तर प्रदेश के जमींदारी अन्त कानून में काश्तकारों की दूसरी क्रिस्म है सीरदार. नीचे लिखे 12 क्रिस्मों के काश्तकार सीरदार कहलायेंगे—

- (1) अबध में दवामी पट्टा वाले.
- (2) सीर साक्रितुल मिलकियत वाले.
- (3) दखीलकार काश्तकार.
- (4) मौरुसी काश्तकार.
- (5) कमी लगान के माफ़ीदार.
- (6) चाय बगीचों के गैर दखीलकार काश्तकार.
- (7) वह शिकमी जो जाबते से निकाले नहीं जा सकते हैं और जिनका असल काश्तकारों का हक़ चल गया है.
- (8) बगीचे वाले जो भूमिधर नहीं हो पाए हैं.
- (9) सीर के काश्तकार जिनके पास पुराना पट्टा रहा है.
- (10) वह सभी काश्तकार जिनको खाली जमीन पर सीरदार का अख्तियार मिलेगा.
- (11) 250 रुपए से ज़ियादा मालगुगारी देने वाले जमींदारों के वह काश्तकार जिन्हें जाबते से खेत का हक़ नहीं मिला है.
- (12) वह काश्तकार जिनकी जमीन और किसी की जोत में नहीं है.

इस तरह सूबे के पौने दो करोड़ किसान— (या कुल काश्तकारों के साढ़े 68 फी सदी) सीरदार हैं जो सवा तीन करोड़ एकड़ जमीन (जो खेती की कुल ज़मान की 72 फी सदी है) के क़ाबिज़ होंगे.

बोम जायें. वे अपनी ज़मीन पर क़رض ले सकते हैं (लेकिन अगर वे क़رض ले बदले सहाज न ज़मीन जोतने देंगे तो यह बिकरी मानी जायेंगी). वे धूल न हो सकेंगे, ज़मीन पर उनका हक़ तब ही खतम होगा जब वे बला आलाद मर जायेंगे.

इस तरह कानून ने भूमिधरों के अधिकारों की रक्षा की पूरी कोशिश की है. अगर इन हकों पर कोई आघात कर सकता है तो वह है महाजनी सभ्यता का वह नियम जो हमेशा कमजोर को ताकतवर के फायदे के लिये कुरबान कर देता है. यह सोचना भी गलत होगा कि जितने लोग कागज़ पर भूमिधर हो गए हैं वह सभी रईस या पूंजी वाले हो जायेंगे. सिर्फ मुट्ठी भर ही भूमिधर ऐसे होंगे जिन के पास जमीन और उस जोतने के लिये काफी पूंजी और हल बैल हैं. ज़ियादातर भूमिधरों की आर्थिक हालत कमज़ोर ही है और कमज़ोर ही रहेगी.

### सुर्दार

अब प्रदेश के जमींदारी अन्त कानून में काश्तकारों की दूसरी क्रिस्म है सुर्दार. नीचे लिखे 12 क्रिस्मों के काश्तकार सुर्दार कहलायेंगे—

- (1) ओदम में दवामी पट्टा वाले.
- (2) सुर् साक्रितुल मिलकियत वाले.
- (3) दखीलकार काश्तकार.
- (4) मौरुसी काश्तकार.
- (5) कमी लगान के माफ़ीदार.
- (6) चाय बगीचों के गैर दखीलकार काश्तकार.
- (7) वह शिकमी जो जाबते से निकाले नहीं जा सकते हैं और जिनका असल काश्तकारों का हक़ चल गया है.
- (8) बगीचे वाले जो भूमिधर नहीं हो पाए हैं.
- (9) सीर के काश्तकार जिनके पास पुराना पट्टा रहा है.
- (10) वह सभी काश्तकार जिनको खाली जमीन पर सीरदार का अख्तियार मिलेगा.
- (11) 250 रुपए से ज़ियादा मालगुगारी देने वाले जमींदारों के वह काश्तकार जिन्हें जाबते से खेत का हक़ नहीं मिला है.
- (12) वह काश्तकार जिनकी जमीन और किसी की जोत में नहीं है.

इस तरह सूबे के पौने दो करोड़ किसान— (या कुल काश्तकारों के साढ़े 68 फी सदी) सीरदार हैं जो सवा तीन करोड़ एकड़ जमीन (जो खेती की कुल ज़मान की 72 फी सदी है) के क़ाबिज़ होंगे.



تک تک ٹیک اور انصاف کا نہیں ملتا تھا جب تک بنا معاوضہ زمینداری نہ ختم کر دی گئی، زمین کا پھر سے بدوارہ نہ ہو گیا اور سامنتی کال کے بڑے ہونے لگان کم نہ کر دیئے گئے۔

### کسانوں کے ساتھ وعدہ خلافی

لیکن اپنے پرانے وعدوں کے خلاف ہو۔ پی۔ کے اس نئے قانون بنانے والوں نے کسانوں کی ان بلندی مانگوں کو تو پورا کیا نہیں؛ بلکہ الگ الگ طرح کے چار قسم کے کاشتکار پتھار رکھ کر پرانے بھید بھاڑ جاری رکھے۔ کئی طرح کے کسان ہونا سامنتی بلندیوں کی خاص نشانی ہے۔ کسانوں میں ”اونچ نیچ“ کا یہ بھید قائم رکھنے کے لئے قانون اتنا جٹل اور پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ ان پر کسانوں کی بات توں نہیں، بڑے لکھ وکھ اور مستحق ہیں اکثر اے سمجھ نہیں پاتے۔ جن کسانوں کے حقوں کی رکشا کا دعویٰ یہ قانون کرتا ہے وہ کسان یہ نہیں جانتے کہ اس قانون میں ہے کیا۔

### بھومی دھر

کانون کے مطابق جس قسم کے کاشتکار کو سب سے زیادہ حق ملے ہیں وہ ہے بھومی دھر۔ جن سات قسم کی کھیتی والے لوگ بھومی دھر بن گئے ہیں وہ ہیں:—

- (1) جن زمینداروں کے پاس سیر، خودکاشت اور باغ ہیں۔
- (2) اوردہ کے دواہمی پٹا والے جو کاشتکار کی حیثیت سے زمین پر سیدھے قابض ہیں۔
- (3) بلل مخرتا کاشتکار یا مالکدار۔
- (4) ایسے کاشتکار جنہیں زمینداروں نے زمین بھولنے کا ادھیکار دیا ہے۔
- (5) سیردار جو سرکار کو 10-12 گونا لگان دیتے ہیں۔
- (6) کاشتکار جو لگان کا دس گونا جما کر دیتے ہیں۔

(7) آبادیابی جو کانون लागू ہونے پر پانچ سال باغ لگان کا 15 گونا جما کر دے یا زمین کے مالک کی ہجرت سے کم از کم 15 گونا جما کر دے۔

اس فہرست کو دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جو بھومی دھر بن گئے ہیں۔ بھومی دھر بن گئے ہیں (جیسے کہ پہلے چار)۔ نئے قانون میں بھومی دھروں کو سب سے زیادہ حق دے دیئے گئے ہیں۔ زمین پر ان کا پورا پورا قبضہ ہوگا۔ اور وہ اسے کسی بھی کام میں استعمال کر سکیں گے۔ وہ ان پر مکان بنا سکیں گے اور دوسرے دھندلے کھول سکیں گے۔ زمین پر انہیں مزرعتی حق ہوگا اور وہ اسے بھول سکیں گے۔ لیکن اگر وہ بھولیں تو شرط یہ ہے کہ اسے ادسی کے ہاتھ نہ بھولیں جس کی جوت 30 ایکڑ سے زیادہ

### کسانوں کے ساتھ وعدہ خلافی

لیکن اپنے پرانے وعدوں کے خلاف ہو۔ پی۔ کے اس نئے قانون بنانے والوں نے کسانوں کی ان بلندی مانگوں کو تو پورا کیا نہیں؛ بلکہ الگ الگ طرح کے چار قسم کے کاشتکار پتھار رکھ کر پرانے بھید بھاڑ جاری رکھے۔ کئی طرح کے کسان ہونا سامنتی بلندیوں کی خاص نشانی ہے۔ کسانوں میں ”اونچ نیچ“ کا یہ بھید قائم رکھنے کے لئے قانون اتنا جٹل اور پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ ان پر کسانوں کی بات توں نہیں، بڑے لکھ وکھ اور مستحق ہیں اکثر اے سمجھ نہیں پاتے۔ جن کسانوں کے حقوں کی رکشا کا دعویٰ یہ قانون کرتا ہے وہ کسان یہ نہیں جانتے کہ اس قانون میں ہے کیا۔

### بھومی دھر

کانون کے مطابق جس قسم کے کاشتکار کو سب سے زیادہ حق ملے ہیں وہ ہے بھومی دھر۔ جن سات قسم کی کھیتی والے لوگ بھومی دھر بن گئے ہیں وہ ہیں:—

- (1) جن زمینداروں کے پاس سیر، خود کاشت اور باغ ہیں۔
- (2) اوردہ کے دواہمی پٹا والے جو کاشتکار کی حیثیت سے زمین پر سیدھے قابض ہیں۔
- (3) بلل مخرتا کاشتکار یا مالکدار۔
- (4) ایسے کاشتکار جنہیں زمینداروں نے زمین بھولنے کا ادھیکار دیا ہے۔
- (5) سیردار جو سرکار کو دس بارہ لگان جمع کر دیتے ہیں۔
- (6) کاشتکار جو لگان کا دس گونا جمع کر دیتے ہیں۔
- (7) اسی واسی جو قانون لگو ہونے پر پانچ سال بعد لگان کا پندرہ لگان جمع کر دیں یا زمین کے مالک کی اجازت سے کبھی بھی پندرہ لگان جمع کر دیں۔

اس فہرست کو دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جو بھومی دھر بن گئے ہیں۔ بھومی دھر بن گئے ہیں (جیسے کہ پہلے چار)۔ نئے قانون میں بھومی دھروں کو سب سے زیادہ حق دے دیئے گئے ہیں۔ زمین پر ان کا پورا پورا قبضہ ہوگا۔ اور وہ اسے کسی بھی کام میں استعمال کر سکیں گے۔ وہ ان پر مکان بنا سکیں گے اور دوسرے دھندلے کھول سکیں گے۔ زمین پر انہیں مزرعتی حق ہوگا اور وہ اسے بھول سکیں گے۔ لیکن اگر وہ بھولیں تو شرط یہ ہے کہ اسے ادسی کے ہاتھ نہ بھولیں جس کی جوت 30 ایکڑ سے زیادہ



جَمیادی اُنت کانون میں لکھا ہے—جس پر लगान बकाया हो उसे गिरफ्तार कर पंद्रह दिन तक बन्द रखवा जा सकता है, अगर वह पंद्रह दिन से पहले बदा कर दे तो वह पहले भी छोड़ा जा सकता है. यह दफा तो विधान में दिये गए बुनियादी अधिकारों की भावना के भी खिलाफ है. सन '39 के आराजी कानून ने बकाया वसूली के लिये कर्त्री, नीलाम, गिरफ्तारी वगैरा सब बन्द कर दी थी. और यह कानून उस समय पास हुआ था जब अंगरेजी हुकूमत कायम थी. लेकिन आज कांग्रेसी राज में किसानों को वह सहूलत भी नहीं मिल रही है जो अंगरेजी राज में थी. आजकल जो लगान लिया जाता है वह चालीस साल तक इसी तरह जारी रहेगा और तब तक उसकी वसूली के लिये यह जुल्म भी जारी रहेंगे.

चालीस साल के बाद बन्दोबस्त अफसर जा कर हर जोत की पैदावार, उस पर खर्च, बचत वगैरा तय करेंगे और उसका एक हिस्सा (जो विधान सभा तय करेगी) नए सिरे से लगान में बाँधेंगे. भूमिधरों का लगान तब भी सीरदारों से आधा होगा.

यह उसूल चाहे जितना अच्छा हो पर यह बात तो माननी ही पड़ेगी कि चालीस साल बाद न्याय करने का तरीका किसी लोकशाही सरकार के लिये ठीक नहीं है. आज कल का लगान और उसकी वसूली के तरीकों को जारी रखने का सिर्फ एक मतलब है और वह यह कि सरकार चालीस साल तक उत्तर प्रदेश के किसानों से सामन्ती लूट जारी रखना चाहती है.

## 7. कांग्रेसी बन्दोबस्त

हमारे देश में जमीन का बन्दोबस्त कई बार हुआ. इस्तमरारी बन्दोबस्त के इलाकों को वहाँ के किसान डकनी बन्दोबस्त कहते हैं, इसकी वजह यह है कि एक अंगरेज डंकन साहब ने इसका बन्दोबस्त किया था. हो सकता है कि जमींदारी के बाद का बन्दोबस्त कांग्रेसी बन्दोबस्त कहा जाय क्योंकि यह बन्दोबस्त कांग्रेस का चलाया हुआ है. जमीन के बन्दोबस्त का मतलब है वह शर्तें जिन पर कारतकार को जमीन जोतने वगैरा के हक मिलते हैं. हमारे यहाँ जो बन्दोबस्त है उसे बदलने की मांग काफी दिनों से चल रही है. इधर तो बहुत से विद्वानों ने भी यह मांग दोहराई है. कहा गया है कि इन सुधारों के बगैर नाज की पैदावार नहीं बढ़ सकती क्योंकि किसानों को जिन शर्तों पर जमीन मिलती है वह शर्तें या तो ऐसी होती हैं कि जिनसे जमीन के साथ किसान का प्रेम बढ़े और जमीन को सुधारने और पैदावार बढ़ाने के लिये उसे दिलचस्पी हो और फिर या ऐसी होती हैं जो उसके प्रेम और हिम्मत दोनों को खत्म कर दें. हाल में दूसरे देशों में जो सुधार हुए हैं उन्हें

زمینداری اُنت قانون میں لکھا ہے—جس پر لگان بکایا ہو اُسے گرفتار کر پندرہ دن تک بند رکھا جاسکتا ہے، اگر وہ پندرہ دن سے پہلے ادا کر دے تو وہ پہلے بھی چھوڑا جاسکتا ہے. یہ دفعہ تو ودھان میں دئے گئے بلھاسی ادھوکروں کی بھاؤں کے بھی خلاف ہے. سن '39 کے آراضی قانون نے بقایا وصولی کے قرقی، نظام، گرفتاری وغیرہ سب بند کر دی تھی. اور یہ قانون اُس سے پاس ہوا تھا جب انگریزی حکومت قائم تھی. لیکن آج کانگریسی راج میں کسانوں کو وہ سہولت بھی نہیں مل رہی ہے جو انگریزی راج میں تھی. آج کل جو لگان لیا جاتا ہے وہ چالیس سال تک اسی طرح جاری رہے گا اور تب تک اُس کی وصولی کے لئے یہ ظلم بھی جاری رہے گا.

چالیس سال کے بعد بندوبست افسر جاکر ہر جوت کی پیداوار، اُس پر خرچ، بچت وغیرہ طے کریں گے اور اُس کا ایک حصہ (جو ودھان سبھا طے کریگی) نئے سرے سے لگان میں بانڈھوں گے. بیومی دھروں کا لگان تب بھی سہرداروں سے آدھا ہوگا.

یہ اصل چاہے جتنا اچھا ہو پر یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ چالیس سال بعد نئے کرنے کا طریقہ کسی لوک شامی سرکار کے لئے تھیک نہیں ہے. آج کل کا لگان اور اُس کی وصولی کے طریقوں کو جاری رکھنے کا صرف ایک مطلب ہے اور وہ یہ ہے کہ سرکار چالیس سال تک اُترپردیش کے کسانوں سے سامنتی لوت جاری رکھنا چاہتی ہے.

## 7. کانگریسی بندوبست

ہمارے دیس میں زمین کا بندوبست کئی بار ہوا. استمراری بندوبست کے علاقوں کو وہاں کے کسان ڈکنی بندوبست کہتے ہیں، اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انگریز ڈکن صاحب نے اِس کا بندوبست کیا تھا. ہو سکتا ہے کہ زمینداری کے بعد کا بندوبست کانگریسی بندوبست کہا جائے کیونکہ یہ بندوبست کانگریس کا چلایا ہوا ہے. زمین کے بندوبست کا مطلب ہے وہ شرطیں جن پر کاشتکار کو زمین چوتلے وغیرہ کے حق ملتے ہیں. ہمارے یہاں جو بندوبست ہے اُسے بدلنے کی مانگ کافی دنوں سے چل رہی ہے. ادھر تو بہت سے ودوانوں نے بھی یہ مانگ دھرائی ہے. کہا گیا ہے کہ اِن سدھاروں کے بغیر ناچ کی پیداوار نہیں بڑھ سکتی کیونکہ کسانوں کو جن شرطوں پر زمین ملتی ہے وہ شرطیں یا تو ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے زمین کے ساتھ کسانوں کا پریم بڑھے اور زمین کو سدھارنے اور پیداوار بڑھانے کے لئے اُسے دلچسپی ہو اور پھر یا ایسی ہوتی ہیں جو اُس کے پریم اور ہمت دونوں کو ختم کر دیں. حال میں دوسرے دیسوں میں جو سدھار ہوئے ہیں انہیں



جب قانون بنانے بیٹھے تو یہ سمجھاؤ بھی بھول گئے اور پرانا لگان اور لگان کا پرانا طریقہ جاری رکھا۔

اس لگان کی تو پیداوار ہی غلط ہے۔ یہ تو کاشتکار زمیندار ملک کے سانچے میں ہی قلم لیا ہوا ہے۔ قاعدے سے کہتی یا زمین کو پیداوار کا سادہان یا ذریعہ مان کر ہی اس پر لگان لگانا چاہئے اور اس میں بھی ایک حد ہونی چاہئے جس کے نیچے آمدنی پر لگان نہ لگے۔ نہرو جی چاہتے ہیں کہ ملک کا 'ملک' چاہئے تو ہندوستان کے ٹھوک ہونے کی پہچان بھی ہے کہ سب سے کم آمدنی والے لوگوں پر ٹیکس کا بوجھ بالکل نہ پڑے۔ اور شاستر کے بہت سے ماہروں نے بھی یہی بات کہی ہے کہ ہر گزارے لائق جوتوں پر لگان اچھا نہیں ہے۔

### نئے قانون میں زیادتی

سن 31 میں سبھا کانگریس نے ایک کمیٹی ایسی تشکیل دی جس کے سربراہان میں سے ایک شخص نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا—“کسی جوت پر لگان تھکانے کا یہی طریقہ ہے کہ زمیندار اور زمیندار کے پتا لگایا جائے اور اگر زمیندار کو پتا ہو تو اس کا ایک حصہ لگان میں لے لیا جائے۔” دوسرے الفاظ میں زمیندار کو پتا لگایا جائے، اس کا اصل غلط ہے، اس کی جگہ زمیندار کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ انصاف، پہلائی اور ہر اہری نے اصولوں کی بھی مانگ ہے۔ اسی لئے قانون سازوں نے لکھنؤ کانگریس کی زمیندار کمیٹی کے رپورٹ کی رائے اس بات کے موافق پڑی ہے۔

سن 31 میں سبھا کانگریس نے ایک کمیٹی ایسی تشکیل دی جس کے سربراہان میں سے ایک شخص نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا—“کسی جوت پر لگان تھکانے کا یہی طریقہ ہے کہ زمیندار اور زمیندار کے پتا لگایا جائے اور اگر زمیندار کو پتا ہو تو اس کا ایک حصہ لگان میں لے لیا جائے۔” دوسرے الفاظ میں زمیندار کو پتا لگایا جائے، اس کا اصل غلط ہے، اس کی جگہ زمیندار کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ انصاف، پہلائی اور ہر اہری نے اصولوں کی بھی مانگ ہے۔ اسی لئے قانون سازوں نے لکھنؤ کانگریس کی زمیندار کمیٹی کے رپورٹ کی رائے اس بات کے موافق پڑی ہے۔

نئے قانون میں زیادتی

سن 31 میں سبھا کانگریس نے ایک کمیٹی ایسی تشکیل دی جس کے سربراہان میں سے ایک شخص نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا—“کسی جوت پر لگان تھکانے کا یہی طریقہ ہے کہ زمیندار اور زمیندار کے پتا لگایا جائے اور اگر زمیندار کو پتا ہو تو اس کا ایک حصہ لگان میں لے لیا جائے۔” دوسرے الفاظ میں زمیندار کو پتا لگایا جائے، اس کا اصل غلط ہے، اس کی جگہ زمیندار کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ انصاف، پہلائی اور ہر اہری نے اصولوں کی بھی مانگ ہے۔ اسی لئے قانون سازوں نے لکھنؤ کانگریس کی زمیندار کمیٹی کے رپورٹ کی رائے اس بات کے موافق پڑی ہے۔

نئے قانون میں زیادتی



ہمارے صوبے کے نئے زمینداروں کے لئے قانون سے تو شکوکوں و غمہ کی بے دخلی کی بھی بارہ آجائیں گی۔ اس بلحاظ پر نئے قانون میں وہ دفعوں لائی گئیں ہیں جن سے قانون لاکھوں کے پانچ سال بعد آدمی واسطوں کی بددھلی ہوگی۔ اس طرح کے شکوکے کا شکار 32 لاکھ ایکڑ زمین چوتھے ہیں اور وہ بہت غریب ہیں، وہ موروسی کاشتکار سے دوائی روپیہ زیادہ لگان دیتے ہیں۔ قانون کی اس دھارا سے یہ زمین سمجھا جا سکتا کہ کبھی ہر مزدوروں کے لئے دکھائی گئی ہمدردی سچی ہے۔

## 6. لگان میں کمی

ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ سابقہ لٹ کا اصلی بوجھ لگان کے ذریعے کسان ہی پر پڑتا ہے، اس لئے زمینداروں خالص کا اصلی مطالبہ یہ ہے کہ کسانوں پر لگان کا بوجھ کم ہو۔ ہمارے صوبے میں فی ایکڑ لگان کا جو اوسط پڑتا ہے، وہ دوسرے صوبوں سے زیادہ ہے۔ فلانڈیشن کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ہنگال میں دخل کار کاشتکار تین روپیہ چھ آنے فی ایکڑ لگان دیتا ہے، پنجاب میں تین روپیہ دو آنے، یو. پی. میں بھی لگان ان صوبوں سے دوا یعنی چھ روپیہ فی ایکڑ ہے۔ وجہ جو بھی ہو، لگان ادھک ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

## زمینداروں کے لئے کمی کی پھول

اس لئے اگر کسانوں کو اُسہد تھی کہ زمینداروں ختم ہونے کے بعد ان کا لگان آدھا ہو جائیگا تو اس میں ان کی غلطی نہیں تھی۔ کراچی کانگریس کے جس تھہراؤ کا حوالہ اوبر دیا گیا ہے، اس میں تھہر گزارے وقت چوتوں والے کسانوں کو لگان سے پوری چھوٹ ہے اور عام طور پر لگان کم کرنے کا سچھا شامل ہے۔ یہی بات زمینداروں انتہا کمیٹی والوں کے دماغوں میں بھی رہی ہوگی، کیونکہ رپورٹ میں لکھا ہے—ہم سمجھتے ہیں کہ لگان بڑی چوتوں پر بڑھانے جانا ضروری ہے۔ اس سے ایک نو چھوٹی چوت والے کسان کا بوجھ ہلکا ہوا اور اُسے پھداوار بڑھانے میں سہولت ہوگی۔ دوسرے آمدنی کے غلط بتوارے میں بھی کسی ہوگی۔ پر جب سچھا دیکھ کی بات آئی تو کمیٹی نے لکھا کہ اس کی سبھی خرابیوں کے باوجود لگان کا یہی طریقہ قائم رکھا جائے۔ کمیٹی نے جو دو ایک سدھار اس سلسلے میں دئے ہیں، وہ بہت نا کافی ہیں۔ کمیٹی کا سچھا تھا کہ ایک ایکڑ تک کی چوت پر چھ آنے، چار ایکڑ تک چار آنے، چھ ایکڑ تک دو آنے، اور دس ایکڑ تک کی چوت پر ایک آنے فی روپیہ چھوٹ دیدی جائے۔ آج کل کی تلکی اور لگان کے پرانے اور پچھلے طریقہ کو دیکھتے ہوئے یہ چھوٹ کم سے کم چھوٹی چوت والوں کے لئے تو نہیں کے برابر ہے۔ پر مزے کی بات یہ ہے کہ کمیٹی کے ممبر



والے رالے میں جو کمی ہو اسے دूर کرنے کا तरीکا یہ نہیں ہے کہ پھر سے زمینداری پر تھا لاکو در دی جائے یا بوی جوت والوں نے یاس زیادہ زمین چھوڑ دی جائے۔ طریقہ یہ ہے کہ شاملات کھیتی کے ذریعہ اہج بڑھائی جائے جو بھج والے کسان میں اُن سے سہکاری کھیتی کروائی جائے۔ یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ یہ سب باتوں تو آئے کی اور لمحہ عرصے میں لاکو ہونے والی ہیں اور ہمیں کل سے ہی شہر کی جگہ کا بہت بھرنا ہے۔ لیکن زمین کے بتوارے کا اثر صرف فائدہ وصولی پر ہو سکتا ہے اور فائدہ وصولی میں سرکار کو زمیندار اور بڑے کسان سے کبھی بھی سہوگ نہیں ملا۔ تبھی سرکار اہج کی 14 فیصدی سے زیادہ کبھی وصول ہی نہ کر پائی۔ اصلیت میں بھکاری اور اکل پھندا کرنے والے زمیندار ہی ہیں۔ زمین کے تھوک بتوارے سے ہی سرکار اور کسان کے بھج سچائی اور دوستی کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے آکھر میں زمین کا اصلی بلندوبست بہت چھوٹی جوتوں پر نہیں ’سہکاری شاملاتی کھیتی پر ہی ہو۔ جب سچے آرتھک لوک راج کی اور سرکار قدم اُٹھائے گی، تبھی دیہات اور شہر دونوں ایسی مدد کے بل پر اپنے اپنے پھروں پر کھڑے ہوں گے۔

زمینداری انت کھیتی نے یہ بھی دلیل دی تھی کہ بتوارے سے کھیتی ہر مزدوروں کی روزی چھن جائے گی۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ بوی بوی جوت والوں کے بڑے فارموں پر کھیتی ہر مزدور برقرار رہیں گے۔ جو زمین زمینداروں سے چھوٹے کی اس میں زمینداروں کے پیروار والے تو کھیتی کریں گے نہیں بلکہ وہاں بھی کھیتی ہر مزدور ہی لگیں گے۔ ہاں! جہاں کسانوں کی جوتوں چھوٹی ہونگی وہاں ضرور کھیتی ہر مزدور خالی ہونگے۔ ہر ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کھیتی ہر مزدور تب اس سامتی فلامی سے بھی چھٹکارا پا جائیگا جس میں آدھے چوتھائی بہت کمانا دے کر زبردستی کام لیا جاتا تھا۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد اس زور زبردستی کا انت ہوگا اور مزدور اور فرتب کسان پہلی بار اپنی مصیبت کی اجرت ملنے کھول کر مانگ سکے گا۔ اسے پہلی بار موقع ملے گا کہ اپنی سہواں کے سہوگ سے اپنی مزدوری اونچتی کر سکے۔ پھر زمین کے بتوارے میں انہیں بھی کچھ نہ کچھ زمین ملے گی ہی۔ اس طرح آدھے فلامی کی طرح بھکاری کی زندگی بسر کرنے کی جگہ کھیتی ہر مزدور آزاد مزدوروں کی طرح مول بہاؤ کرنے کی طاقت کی بھاد پر واجب اجرت مانگیگا اور اُن میں سے بہت سے پہلی بار زمین کے مالک ہونگے۔ یہ حالت آج کل کی آدھ فلامی کی حالت سے کھسی بری ہے؟ وہ تو اس کا سواکت ہی کریں گے۔

زمینداری انت کھیتی نے یہ بھی دلیل دی تھی کہ بتوارے سے کھیتی ہر مزدوروں کی روزی چھن جائے گی۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ بوی بوی جوت والوں کے بڑے فارموں پر کھیتی ہر مزدور برقرار رہیں گے۔ جو زمین زمینداروں سے چھوٹے کی اس میں زمینداروں کے پیروار والے تو کھیتی کریں گے نہیں بلکہ وہاں بھی کھیتی ہر مزدور ہی لگیں گے۔ ہاں! جہاں کسانوں کی جوتوں چھوٹی ہونگی وہاں ضرور کھیتی ہر مزدور خالی ہونگے۔ ہر ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کھیتی ہر مزدور تب اس سامتی فلامی سے بھی چھٹکارا پا جائیگا جس میں آدھے چوتھائی بہت کمانا دے کر زبردستی کام لیا جاتا تھا۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد اس زور زبردستی کا انت ہوگا اور مزدور اور فرتب کسان پہلی بار اپنی مصیبت کی اجرت ملنے کھول کر مانگ سکے گا۔ اسے پہلی بار موقع ملے گا کہ اپنی سہواں کے سہوگ سے اپنی مزدوری اونچتی کر سکے۔ پھر زمین کے بتوارے میں انہیں بھی کچھ نہ کچھ زمین ملے گی ہی۔ اس طرح آدھے فلامی کی طرح بھکاری کی زندگی بسر کرنے کی جگہ کھیتی ہر مزدور آزاد مزدوروں کی طرح مول بہاؤ کرنے کی طاقت کی بھاد پر واجب اجرت مانگیگا اور اُن میں سے بہت سے پہلی بار زمین کے مالک ہونگے۔ یہ حالت آج کل کی آدھ فلامی کی حالت سے کھسی بری ہے؟ وہ تو اس کا سواکت ہی کریں گے۔

زمینداری انت کھیتی نے یہ بھی دلیل دی تھی کہ بتوارے سے کھیتی ہر مزدوروں کی روزی چھن جائے گی۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ بوی بوی جوت والوں کے بڑے فارموں پر کھیتی ہر مزدور برقرار رہیں گے۔ جو زمین زمینداروں سے چھوٹے کی اس میں زمینداروں کے پیروار والے تو کھیتی کریں گے نہیں بلکہ وہاں بھی کھیتی ہر مزدور ہی لگیں گے۔ ہاں! جہاں کسانوں کی جوتوں چھوٹی ہونگی وہاں ضرور کھیتی ہر مزدور خالی ہونگے۔ ہر ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کھیتی ہر مزدور تب اس سامتی فلامی سے بھی چھٹکارا پا جائیگا جس میں آدھے چوتھائی بہت کمانا دے کر زبردستی کام لیا جاتا تھا۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد اس زور زبردستی کا انت ہوگا اور مزدور اور فرتب کسان پہلی بار اپنی مصیبت کی اجرت ملنے کھول کر مانگ سکے گا۔ اسے پہلی بار موقع ملے گا کہ اپنی سہواں کے سہوگ سے اپنی مزدوری اونچتی کر سکے۔ پھر زمین کے بتوارے میں انہیں بھی کچھ نہ کچھ زمین ملے گی ہی۔ اس طرح آدھے فلامی کی طرح بھکاری کی زندگی بسر کرنے کی جگہ کھیتی ہر مزدور آزاد مزدوروں کی طرح مول بہاؤ کرنے کی طاقت کی بھاد پر واجب اجرت مانگیگا اور اُن میں سے بہت سے پہلی بار زمین کے مالک ہونگے۔ یہ حالت آج کل کی آدھ فلامی کی حالت سے کھسی بری ہے؟ وہ تو اس کا سواکت ہی کریں گے۔

لیکن کھیتی ہر مزدوروں کا سوال حل کرنے کی جگہ

لیکن خیتھر مچدوروں کا سوال حل کرنے کی جگہ



کی ضرورت سمجھی گئی تھی لیکن مسلم لیگ کے भीतर और बाहर के जमींदारों का जोर सुहरावर्दी पर पड़ा और बिल कभी पेश ही नहीं हुआ. कांग्रेस को आर्थिक प्रोग्राम कमेटी ने भा जनवरी सन '48 में सिकारिश की थी—बेहतर हांगा। क कम से कम जोत की एक हद बांध दी जाय, उससे जियादा जमीन जिस पर भी हो उस से लेकर सहकारी समिति को दे दी जाय. कांग्रेस का आराज्जी सुधार कमेटी ने भी इस बात को दोहराया.

इन कमेटियों ने यह सुझाव इस असलियत को समझ कर ही दिया था कि सीर और खुद कारत को कम किये बिना न तो सामन्ता जमींदारों का इजारेदार ही तांडी जा सकती है और न किसानों की जमीन की भूक ही मटाई जा सकती है. इसके बिना देश के किसानों का दशा सुधर भी नहीं सकती. जमीन की भूक जमींदारी खतम कर के ही पूरी की जा सकती है. हमारे सूबे में जितने को सदी लाग खेता की जितनी कम जमीन से रोजी चला रहे हैं, उतने किसान भा दूसरे सूबे में नहीं चला रहे हैं. हमारे यहां 50 लाख खेतिहर मजदूर हैं जिन के पास अपनी सुई बराबर भी जमान नहीं है. और हमारे यहां भा ऐसी छोटा छोटी जोतों की तादद सबसे जियादा है जिन पर किसी कुलबे का गुजारा नहीं चल सकता. भूमि सुधार का पहला असूल जमान का फिर से बंटवारा होना चाहिये. हमारे सूबे में इसके बिना काम ही नहीं चल सकता. किसान सभा ने कहा है कि जियादा से जियादा 25 एकड़ जमीन एक आदमी के पास रहे. लेकिन हमारे सूबे में ता 15 एकड़ ही इतनी काफी जमीन है जा कि इतमिनान से गुजारे लायक जोत कही जा सकती है.

### जमींदारी अन्त कानून में दरार

पर इस जमींदारी अन्त कानून में जमान के बंटवारे की कोई बात ही नहीं है. इसकी वजह जमींदार अन्त कमेटी की रिपोर्ट में मिलती है. कमेटी ने ज्ञाते से तो जमान के नए सिरे से बंटवारे का ठीक और मुनासिब बताया है. लिखा है कि "खेती से होने वाली जियादा से जियादा और कम से कम आमदनियों में जो भारी अन्तर है वह बंटवारे से खतम हो जायगा, और सामाजिक न्याय की नींव पड़ जायगी." लेकिन जब काम के सुझाव देने का वक्त आया तो कमेटी को कई फरजी दिक्कतें दिखाई पड़ने लगीं. कमेटी ने लिखा कि "बंटवारे से रूस की तरह मुकमरी और अकाल आ जायगा. कम से कम शहरों में आने वाले शल्ले में इतनी कमी आ जायगी कि शहर वाले भूकों मर जायंगे. इससे खेतिहर मजदूरों की रोजी छिन जायगी बगैरा."

जहां तक रूस की मुकमरी का सवाल है, खुद स्टालिन ने इस सिलसिले में कहा था कि बाजार में आने

की ضرورت समझी گئی تھی لیکن مسلم لیگ کے بھیتر اور باہر کے زمینداروں کا جوہر سہاروہی پر پڑا اور بیل کبھی پیش ہی نہیں ہوا. کانگریس نے آرٹھک پروگرام کمیٹی نے بھی جلد ہی سن '48 میں سفارش کی تھی—بہتر ہانگا. کم سے کم جوٹ کی ایک حد باندھ دی جائے اس سے زیادہ زمین جس پر بھی ہو اس سے لے کر سہکاری سمیٹی کو دے دی جائے. کانگریس کی آرضی سدھار کمیٹی نے بھی اس بات کو دہرایا.

ان کمیٹیوں نے یہ سچھاؤ اس اصلیت کو سمجھ کر ہی دیا تھا کہ سوہ اور خود کاشت کو دم کئے بلکہ تو سامنتی زمینداروں کی اجارے داری ہی توڑی جا سکتی ہے اور نہ کسانوں کی زمین کی بہوت ہی مٹائی جا سکتی ہے اس کے بعد پیش کے کسانوں کی دشا سدھر بھی نہیں سکتی. زمینوں کی بہوت زمینداری ختم کر کے ہی پوری کی جا سکتی ہے. ہمارے صوبے میں جتنی فیصدی لوگ پہلی کی جتنی کم زمین سے روزی چلا رہے ہیں، تھے کسی بھی دوسرے صوبے میں نہیں چلا رہے ہیں. ہمارے یہاں 50 لاکھ پہلی ہر مڑ زمین جن کے پاس اپنی سبزی ہزار بھی زمین نہیں ہے اور ہمارے یہاں بھی ایسی چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے جن پر کسی صوبے کا نظارا نہیں چل سکتا. ہر کسی سدھار کا پہلا اصول زمین کا پورے پتھر اور باغیچے. ہمارے صوبے میں اس کے بعد ہم ہی نہیں چل سکتا. کسان صوبے کے لیے نہ زیادہ سے زیادہ دنے پکڑ زمین ایک آدمی کے پاس رہے لیکن ہمارے صوبے میں تو 15 ایکڑ ہی اتنی کافی زمین ہے جو نہ اطمینان سے گزارے لائق جوٹ بھی جا سکتی ہے.

### زمینداری اس کے قانون میں درار

ہر اس زمینداری اس کے قانون میں زمین کے بتوارے کی کوئی بات ہی نہیں ہے. اس کی وجہ زمینداری اس کے کمیٹی کی رپورٹ میں ملتی ہے. کمیٹی نے رابطہ سے تو زمین کے سب سے سے بتوارے کو ٹھیک اور مناسب بتایا ہے. لکھا ہے کہ "بہوتی سے ہونے والی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم آمدنیوں میں جو بہاری اکتو ہے وہ بتوارے سے ختم ہو جائیگا" اور سماجک سوائے کی نو پڑ جائے گی. "لیکن جب کام کے سچھاؤ دینے کا وقت آیا تو کمیٹی کو کئی فحشی دقتیں دینائی پڑے لگتی. کمیٹی نے لکھا کہ "بتوارے سے روس کی طرح بہتری ور اگل آجائے گا. کم سے کم شہروں میں آئے والے فلم میں اتنی کمی آ جائے گی کہ شہر والے ہوکیں مڑ جائیں گے. اس سے پہلے ہر مڑروں کی روزی چھن جائے گی." وغیرہ.

جہاں تک روس کی بہتری کا سوال ہے، خود اسٹالین نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ بازار میں آنے



معاوضہ صرف انہیں کم ملتا چاہئے تھا جو نے پاس سے ملے۔  
میں گوارے کا کوئی ذریعہ نہیں دے گا تھا اس کا مطلب یہ  
ہے کہ سرکار کو زمینوں اور نیل املا کی پتہ چلا تھا۔  
چاہے وہ زمینداروں یا کھیتوں کو ہو اور چاہے کسی اور ذریعہ  
سے۔ جو کی آمدنی 300 روپے مہلت سے کم ہوتی انہیں  
ان کی زمینداروں کی آمدنی پر ہمارے ذریعہ سے زیادہ  
دس سال تک ہمت دے روپے میں دی جائے۔ سرکاری  
مدد سے دس سال میں سبھی زمیندار آمدنی کے لئے  
ذریعہ اور نئے ہمتے اپنا ہمتے ایسے لوگ چھوٹی آمدنی  
والے ہی ہوتے اور ان پر خرچ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ  
30 کروڑ کی رقم بہت کافی ہوتی۔

یہاں ہم اس بات کو بھر صاف دیکھیں کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

## 5. زمین کا پھر سے بٹوارا

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

## سہرا اور خود کاشت پر پابندی

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔

یہاں ہم اس بات کو بھی صاف کر دے کہ اس بھر  
بسا اور معاوضے کے اصول میں ایک دوسرے سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھاؤ اس لئے دے رہے ہوں کہ  
ہمارے دیہات میں ہمتے کی کوئی پوجا نہیں ہے؛  
اور یہ دیکھنے کی ذمہ داری سرکار کی ہے کہ دیہات کا کوئی  
بھی آدمی ہمتے اور ہمتے کے راستے نہ جائے  
پر سرکار کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے زمیندار  
کل کے ایسے کسان بن جائیں جو کھیت اور جوت سے الگ  
رہ کر دوسروں سے کھیت کرانے ہوں اور یہ مقصد ہمارے  
کسانوں کی ہر جماعت کے لئے خطرناک ہے۔



ان زمینداروں کو سرکاری پائڈ یا پرامیسری نوٹ دئے گئے تو اس سے کافی نوٹوں کے بڑھ جانے، چھڑوں کے اور مہنگے ہو جانے اور دیہی کی آرٹھک ویوسٹیا کے بگڑ جانے کا جو قہر ہے، وہ اس طریقہ سے ختم ہو جائیگا۔

### معاوضے کی رقم کا صحیح اہدوگ

زمینداروں کی دوسری جماعت 250 روپے سے لیکر 3500 روپے کی آمدنی والی ہے۔ اسے بھی معاوضے کی رقم کچھ تو سرکاری سمیٹوں کے ذریعے اور کچھ نقدی میں ملنی چاہئے تھی۔ اس جماعت کے زمینداروں میں شکشا کچھ زیادہ ہے، اور انہیں ہدیہ کا بھی تہوار بہت تجربہ ہے۔ ان لوگوں کو جو نقد روپیہ ملتا اس کے ٹھیک اہدوگ کی آشا زیادہ تھی۔ اس طرح سے معاوضے کی رقم کی چوتھائی (قریب 22 فیصدی) صوبے کی آرٹھک دشا سدھارنے میں تھوگ طرح سے لگ جانی۔

3500 روپے سے 5000 روپے تک مالگزاروں کے دینے والے زمینداروں کو بھی روپیہ سمیٹوں اور نقدی کے روپ میں دیا جاتا۔ لیکن انتظام یہ کیا جانا کہ جیسے جیسے رقم بڑھتی جاتی، نقد ملنے والی رقم کا اوسط بھی دھورے دھورے بڑھتا جاتا۔ اس طرح معاوضے کی رقم کا 90 فیصدی اہدوگ اہدوگ دھندے چلانے کے لئے پورچس کے روپ میں مل جاتا۔ اس وقت اگر ہمارے دیہی میں کسی چھڑی کسی کھٹکتی ہے تو وہ پونجی کی ہی، وہ اس طرح سے پوری ہو جاتی۔

5000 روپے سے زیادہ کے مالگزاروں کو صرف نام کے لئے کچھ معاوضہ دیکر ختم کر دیا جاتا جس سے دھان کے پچھ گھسٹوں اصول کی رکشا بھی ہو جاتی اور زیادہ روپیہ بھی نہیں خرچ ہوتا۔

اس سب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس اسکیم کے حاسی و طرفدار ہیں۔ ہم تو صرف یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس قانونی دعوے میں بھی ترقی کی ٹلجائش نکالی جاسکتی تھی۔ اگر سرکار دیہاتوں کی فریب جلتا ہی حالت سچ میں سدھارنا چاہتی تو اس کی اسکیم اور قانون میں ترقی کی یہ باتیں شامل ہو سکتی تھیں۔

دوسرے ہم تو اسی اصول کو ٹھوک مانتے ہیں کہ زمینداری کے خاتمے سے جن لوگوں کی روزی پوری طرح سے یا کچھ کچھ ختم ہو رہی ہے ان کے کزارے کا پھر سے انتظام کرنے کے لئے ایک پھر ہساؤ بہتہ ہی دیا جانا۔

### سرکار کا فرض اور زمیندار

### سرکار کا فرض اور زمیندار

سرکار کو ہر زمیندار کے سوال پر الگ الگ وچار کرنا چاہئے تھا کیونکہ ایک طرف تو ہکاری سے بچانا تھا اور دوسری طرف معاوضے کے بہانے دھنس بن جانے کی تکڑم بھی ختم کرنی چاہئے تھی۔

سرکار کو ہر زمیندار کے سوال پر الگ الگ وچار کرنا چاہئے تھا کیونکہ ایک طرف تو ہکاری سے بچانا تھا اور دوسری طرف معاوضے کے بہانے دھنس بن جانے کی تکڑم بھی ختم کرنی چاہئے تھی۔



ابھی تک سرکار اس مد میں کل 33 کروڑ روپیہ اکٹھا کر پائی ہے۔ اور اس کے لئے ہزاروں ٹیلن پٹرول پمپوں کا کیا ہے۔ کانگریس کے نمائندوں اور سرکاری افسروں نے لاکھوں کسانوں کی سہولتوں کو دے کر ان میں بہاؤ دئے ہیں۔ ریڈیو، اخبار، سہولتیں پروپیگنڈا اور پرجار کا ہر طریقہ کام میں لایا گیا۔ کھلے کھلے پھسایا اور سمجھایا گیا۔ چھوٹے چھوٹے پٹرول پمپ اور ایسے ایسے زمینداروں کا دباؤ ڈالا گیا جو سمجھ گئے تھے کہ جتنا زیادہ روپیہ اس فنڈ میں آئے گا، اتنا زیادہ انہوں کو ملے گا۔ لیکن اس سب کے بعد بھی صرف تین طرح کے کسانوں نے یہ روپیہ جمع کیا—ایک تو وہ بڑے بڑے کسان جن کے پاس روپیہ تھا، دوسرے وہ جو چھوٹے کھیتوں پر قبضہ جمانا چاہتے تھے اور تیسرے وہ جن پر پولیس اور پٹرول کا زیادہ دباؤ پڑا تھا۔ اس تیسری طرح کے لوگوں کو قرض لیکر یہ رقم جمع کرنی پڑی۔

یہ بات صاف ہے کہ چھوٹے زمینداروں کا سوال انہوں ایک مشترکہ رقم دیکھ کر حل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طریقوں سے کھیتی کا سدھار کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اور نہ انہیں کھیتوں دھندوں یا بیویاں چلانے کا اہلیہ و ہلی ہے۔ جب تک سرکار ان کی رقم اور سادھلوں کا تھوک استعمال کرانے میں انہیں مدد نہیں دیتی، تب تک اس رقم اور سادھلوں کے پرہیز کا خطرہ بنا رہے گا۔ اس طرح نہ تو کھیتی کا سدھار ہوگا اور نہ دھندوں کا وکاس۔ ان دنوں کے ہمارے زمیندار پھر سے بسائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ معاوضے اور بہتے کی رقم ان زمینداروں کی سہکاری سمیٹھاں بنائیں ان سمیٹھوں کو پونجی کی شکل میں دی جائے اور یہ سمیٹھاں آئے کھیتی یا ادھوک دھندوں کے وکاس میں لگاویں۔

معاوضے کی دو تہائی رقم ان زمینداروں کو ملے گی جن کی زمینداروں سے سالانہ آمدنی تین سو روپے تک ہے۔ ہر چھوٹے زمیندار کو جو رقم ملے گی اس کا اوسط تو 250 روپے سے 4250 روپے کے بیچ آتا ہے۔ ہر اصلیت میں ایسے بہت سے زمیندار ہیں اس میں شامل ہوں جنہیں اس سے اور بھی کم رقم ملے گی۔ ایک ارب سے زیادہ کی یہ رقم اگر کھیتی و ادھوک دھندوں کے لئے سہکاری سمیٹھوں میں لگائی جائے تو کسانوں، کھیتی ہر مزدوروں، کارخانوں کے مزدوروں اور درمیانی درجے کی چلتا کو نئے روزگار مل جائیں۔ اس سے زمین پر ترہور دھنے والے لوگوں کی تعداد بھی کم ہو جائے گی اور زمینداروں کی آمدنی بھی پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس آمدنی کو کھیتی کے سدھار اور کسانوں کی حالت اچھی کرنے میں لگایا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر

یہ بات ساک ہے کہ چھوٹے زمینداروں کا سوال انہوں ایک مشترکہ رقم دیکھ کر حل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طریقوں سے کھیتی کا سدھار کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اور نہ انہیں کھیتوں دھندوں یا بیویاں چلانے کا اہلیہ و ہلی ہے۔ جب تک سرکار ان کی رقم اور سادھلوں کا تھوک استعمال کرانے میں انہیں مدد نہیں دیتی، تب تک اس رقم اور سادھلوں کے پرہیز کا خطرہ بنا رہے گا۔ اس طرح نہ تو کھیتی کا سدھار ہوگا اور نہ دھندوں کا وکاس۔ ان دنوں کے ہمارے زمیندار پھر سے بسائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ معاوضے اور بہتے کی رقم ان زمینداروں کی سہکاری سمیٹھاں بنائیں ان سمیٹھوں کو پونجی کی شکل میں دی جائے اور یہ سمیٹھاں آئے کھیتی یا ادھوک دھندوں کے وکاس میں لگاویں۔

معاوضے کی دو تہائی رقم ان زمینداروں کو ملے گی جن کی زمینداروں سے سالانہ آمدنی تین سو روپے تک ہے۔ ہر چھوٹے زمیندار کو جو رقم ملے گی اس کا اوسط تو 250 روپے سے 4250 روپے کے بیچ آتا ہے۔ ہر اصلیت میں ایسے بہت سے زمیندار ہیں اس میں شامل ہوں جنہیں اس سے اور بھی کم رقم ملے گی۔ ایک ارب سے زیادہ کی یہ رقم اگر کھیتی و ادھوک دھندوں کے لئے سہکاری سمیٹھوں میں لگائی جائے تو کسانوں، کھیتی ہر مزدوروں، کارخانوں کے مزدوروں اور درمیانی درجے کی چلتا کو نئے روزگار مل جائیں۔ اس سے زمین پر ترہور دھنے والے لوگوں کی تعداد بھی کم ہو جائے گی اور زمینداروں کی آمدنی بھی پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس آمدنی کو کھیتی کے سدھار اور کسانوں کی حالت اچھی کرنے میں لگایا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر

معاوضے کی دو تہائی رقم ان زمینداروں کو ملے گی جن کی زمینداروں سے سالانہ آمدنی تین سو روپے تک ہے۔ ہر چھوٹے زمیندار کو جو رقم ملے گی اس کا اوسط تو 250 روپے سے 4250 روپے کے بیچ آتا ہے۔ ہر اصلیت میں ایسے بہت سے زمیندار ہیں اس میں شامل ہوں جنہیں اس سے اور بھی کم رقم ملے گی۔ ایک ارب سے زیادہ کی یہ رقم اگر کھیتی و ادھوک دھندوں کے لئے سہکاری سمیٹھوں میں لگائی جائے تو کسانوں، کھیتی ہر مزدوروں، کارخانوں کے مزدوروں اور درمیانی درجے کی چلتا کو نئے روزگار مل جائیں۔ اس سے زمین پر ترہور دھنے والے لوگوں کی تعداد بھی کم ہو جائے گی اور زمینداروں کی آمدنی بھی پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس آمدنی کو کھیتی کے سدھار اور کسانوں کی حالت اچھی کرنے میں لگایا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر



## بھارت کا ودھان اور معارضہ

بھارت کا ودھان اور معارضہ

ہال میں کھڑے لوگوں نے یہ بھی کہا شروع کیا ہے کہ ہمارے ودھان میں ہی معارضہ دینے کا اصول مانا گیا ہے تو ہم کیا کریں۔ پر یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ودھان میں معارضے کا ذکر آنے سے پہلے زمہداری ختم کرنے کے فیصلے کئی صدیوں میں ہو چکے تھے۔ چونکہ دیش کے لوگوں نے معارضہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے ودھان میں بھی یہ دھارا جوڑ دی گئی۔ اگر ان حاکموں کی طبیعت ہو کہ فریب کسانوں کا بھلا کر جائے تو ہمارے جیسا لچکھلا ودھان راستے کا دروازہ نہیں بن سکتا۔ پھر ودھان کے اصول کے یہ معنی بھی تو نکالے جاسکتے تھے کہ معارضہ نام ماتر کا ہو اور یہی اسامیت اور انصاف کی بت بھی ہوتی یا پھر معارضہ کی پوری بات کو ہی چھوڑ کر دوسرا راستہ نکالا جاسکتا تھا جس سے کرائے کی موٹریں چلانے والوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

پر ان باتوں کو طاق پر رکھ کر اور کمیٹی کے سچھاؤں کی پرواہ کئے بغیر ہمارے صوبے کے زمہداری انتظام قانون میں کہ دیا گیا ہے کہ ہر زمہدار کو اتنے گدا معارضہ ملوگا اور پانچ ہزار تک کے مالکداروں کو پھر سے بسانے کے لئے بہتہ بھی دیا جائے گا۔ حساب لگایا گیا ہے کہ معارضہ میں 60 کروڑ اور بہتے میں 80 کروڑ کی رقمیں لگوانی۔ قیوہ ارب کی یہ رقم سرکار کی تین سال کی آمدنی کے برابر ہے۔ کمیٹی کے سدھار کا جو نقشہ کھڑے کھاتے کمیٹی نے بنایا تھا اس کے مطابق اس سدھار میں 36 برس میں جتنی روپیہ لگتا، اتنی رقم معارضہ میں دے دی جا رہی ہے۔ قانون بنانے والوں نے یہ کہیں نہیں کہا کہ زمہدار ایک جماعت کی حیثیت سے کہیں بھی زمین کے مالک تھے۔ اس لئے یہ صاف ہے کہ معارضہ کی یہ ہماری رقم زمین پر مالکانہ حق حاصل کرنے کے لئے نہیں دی جا رہی ہے تب بھی یہ رقم اتنی بڑھا دی گئی ہے۔

## کسانوں پر نہا ہوچہ

سرکار کو قیوہ ارب روپیہ چاہئے۔ کسانوں سے لگان کا دس گنا وصول کر انہیں بھوسہ دھر بڈا کر یہ رقم وصول کرنے کی آمد کی گئی۔ بھوسہ دھاری ادھکار تھوڑے سے میں یہ میں: بھوسہ دھر کو زمین پر استھائی اور موروسی حق ہے، وہ اپنی زمین بھج سکتا ہے ضمانت نہیں دے سکتا، اس کا لگان آدھا ہو جائے گا۔ اس اسکیم کی فرض معارضہ کی رقم اٹھا کرنا تھی۔ اس کے بوجھ یہ بہارنا کام کر رہی تھی کہ دیہاتوں میں بہت سا روپیہ جمع ہوا ہے اور اسے نکال کر اس نہک کام میں لگانا چاہئے۔

## کسانوں پر نیا بوجھ

سرکار کو ڈیڑھ ارب روپیہ چاہیے۔ کسانوں سے لگان کا دس گنا وصول کر انہیں بھوسہ دھر بڈا کر یہ رقم وصول کرنے کی آمد کی گئی۔ بھوسہ دھاری ادھکار تھوڑے سے میں یہ میں: بھوسہ دھر کو زمین پر استھائی اور موروسی حق ہے، وہ اپنی زمین بھج سکتا ہے ضمانت نہیں دے سکتا، اس کا لگان آدھا ہو جائے گا۔ اس اسکیم کی فرض معارضہ کی رقم اٹھا کرنا تھی۔ اس کے بوجھ یہ بہارنا کام کر رہی تھی کہ دیہاتوں میں بہت سا روپیہ جمع ہوا ہے اور اسے نکال کر اس نہک کام میں لگانا چاہئے۔



तीसरे, क्या लगान बसूली कोई नौकरी है, जिसके खतम होने पर दूसरी नौकरी ढूँढ़ने की जरूरत पड़े ? असलियत यह है कि इन लोगों के लिये जमींदारी एक ऐसा काम है जिससे उनकी आमदनी में थोड़ी बहुत मदद मिलती है. उनका असली पेशा तो बड़ी जमींदारी के काश्तकारों की हैसियत से खेती करना है जो उनसे नहीं छीना जाता.

अमनी निगाह से तो यही अच्छा होता कि इन नाम के ज़मींदारों को ज़मींदारी बिनाश का हामी बनाया जाता. अगर वह हामी न बन पाते तो कम से कम उसके विरोधी तो न होते. इनसाफ भी यही है कि समाजी रद्दो बदल में इन नाम के ज़मींदारों को जहां कहीं ज़रूरत हो सरकार ऐसे साधन और हील दे जिनसे वह अपनी गुजर बसर की दिक्कतें दूर कर सकें. ज़मींदारी अन्त कमेटी ने भी अपनी रिपोर्ट में लिखा था—उचित मुआबिजे के अर्थ हैं उन्हें रहन सहन का एक ढग कायम रखने और फिर से बसने का मौका देना. पर कमेटी ने यह उसूल तो लागू किया नहीं, बल्के एक नई बात यह कहनी शुरू कर दी कि ज़मींदारी के ख़ातम से सरकार की जो आमदना बढ़े उसका बड़ा भाग ज़मींदारी के मुआबिजे में दिया जाय. इस नई बात को कमेटी ने ज़ियादा सज़बूत शब्दों में तब कहा जब उसने 136 करांड रुपए मुआबिजे में दिये जान की लिफारिश की. अगर कमेटी अपने पहले असूल पर याना फिर स बसान के लिये ही मुआबिजा दन पर जमा रहता तो मुआबिजे की बड़ी रक़म ख़ता के विकास म लग ज़क़ता, जिस की आज सबसे ज़ियादा ज़रूरत है

لگے۔ دوسرے اسی طرح کہ زمہدار، قہائی سو روپے سے  
 زیادہ لاکھائی نہیں دیتے۔ اس کا مطلب ہوا کہ  
 چانداری سے اسی اندی قن سو روپے سالانہ یا پچاس  
 روپے سہ ماہی کے اندر چھوٹا رقم پانچ لوگوں کا بہوار  
 نہیں چانداری ان کی سب روز حد دستکار، قہہ او طاً  
 تون پکڑے۔ سوا لاکھ سے زیادہ ایسے بتائے جاتے ہیں  
 جن کے پاس سو فی ہزار ہی سو یا خود کاشت نہیں ہے۔  
 دوسرے کھانگان وہ لی کوئی نوکری ہے جس کے حکم  
 ہونے پر دوسری نوکری ڈھونڈنے کی ضرورت پڑے؟  
 اصلیت یہ ہے کہ ان لوگوں کے لگے زمہداری ایک ایسا  
 کام ہے جس سے ان کی آمدنی میں تھوڑی بہت مدد  
 ملتی ہے۔ ان کا اصلی پیشہ تو بڑی زمہداری کے  
 کاموں کی خدمت سے کہمکی زندگی جو ان سے نہیں  
 چھوڑا جاتا۔

مسئله داری است نهیتی کا فیصله

عملی ننگہ سے تو بھی اچھا موتا کہ ان نام کے زمہداروں  
 'و زمہداری وہاں' حاسی بلایا جانا۔ اکثر وہ حاسی  
 بہ بن پتے تو دم سے م اس کے وردھی تو نہ ہوتے  
 انصاف بھی یہی ہے کہ حاجی و تبدل میں ان نام کے  
 زمہداروں کو جہاں کہیں ضرورت ہو سرور ایسے سادھن  
 اور چھلے دے جن سے وہ اپنی کڑو سرور کی دقتیں سرور  
 سرور۔ زمہدارو امت مہتی کے بھی اپنی رپورت  
 میں بکھا تھا۔ چت مہ وضع کے اور مہوں فہمیں دھن  
 مہن کا اپنا دھمک قہر و مہ اور پھر سے ہلنے کا موقع  
 دینا۔ پر مہتی کے یہ اصول تو لاگو ہا نہیں' لقمہ  
 یک دنی ہانت یہ پہلی شمع نردی نہ زمہداری کے  
 حاتم سے سکاڑی جو آمدنی ہوئے اس کا ہو بھاگ  
 زمہداری کے معاوضہ میں دیا جائے اس نئی بات کو  
 کہ مہتی کے زیادہ طلبہ شہدوں میں تب تھا جب اس کے  
 136 سرور روپے مہ وضع میں دئے جائے۔ ی سغارہی کی۔  
 اگر مہتی اپنے پہلے اصول پر پہلی پھر سے ہسارے کے لئے  
 مہ معاوضہ دینے پر چم رہتی تو معاوضہ کی ہوتی رقم  
 مہتی کے وکاس میں ننگ سکتی جس کی اچ سب سے  
 زیادہ ضرورت ہے۔

دھن سہن کا ایک اچھا ڈسٹنگ قائم رہنے کے لئے  
 ۱۲ ایکڑ کی زمینی عام طور پر کافی مانی جاتی ہے ۔  
 اس حساب سے دیکھوں تو جن زمینداروں کا بھوس ایکڑ  
 سے زیادہ حود کاشت یا سہر ہے ، انہیں پھر سے ہسارے کے لئے  
 ۸۰ روپے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ اس حود کاشت کے  
 ۵۰ زمینداروں کے پاس پہلے کی جمع کی ہوئی رقموں  
 سے وہی زمینیں خریدیں گے لگا کر وہ ادام سے روزی نما  
 سکتے ہیں ۔ اس لئے ان کو معاوضہ دینا تو اس صورتوں کو  
 پھر سے پلٹ دینے کے برابر ہی ہوا جو زمینی کے طے نہا  
 تھا ۔ یہ بات یاد رہنے کی ہے کہ اس زمینی کے چھوٹے  
 حود پھر ۔ ہی ۔ کے بڑے وزیر پلٹ جی تھے ۔



सरकार के बीच में आने वाले इन ज़मींदारों के इकठ्ठा उन्हें मुनासिब मुआविज़े देकर ले लिये जायें. इस काम के लिये एक स्कीम तैयार करने के लिये सरकार एक कमेटी बना दे."

देश के तरक्की पसन्द लोग हमेशा ही बिना मुआविज़ा ज़मींदारी खातमे की ताईद करते रहे हैं. मुआविज़े के लिये यह भी तो देखना होगा कि देश की ऐसी हैसियत है या नहीं कि किसानों की पीठ से ज़मींदारी का एक भारी बोझ हटा कर मुआविज़े का दूसरा बोझ उनके कंधों पर लाद दिया जाय. मुआविज़े का सवाल तो उस नुक़सान या बाटे के संबंध में होता है, जिसे पूरा करने या उस समय की मुसीबत दूर करने लिये कुछ रक़म या और चीज़ दी जाती है. मुआविज़ा देने के लिये किसी प्रकार के नुक़सान का होना ज़रूरी है और मुआविज़े की रक़म किसी भी हालत में नुक़सान की रक़म से ज़ियादा नहीं हो सकती.

इस उसूल से देखें तो बात साफ़ हो जायगी कि अगर किसी को मुआविज़ा मिलना है तो किसानों को, ज़मींदारों को नहीं. जो दो हजार रुपए से ज़ियादा के मालगुज़ार हैं, उनके पास खुद इतनी ज़मीन है कि ज़मींदारी के खातमे के बाद भी वह मजे में रह सकते हैं. उनके पास सोना चांदी व नक़दी है, जो रोज़ी कमाने में लगाई जा सकती है. ऐसे लोगों को मुआविज़े देना इनसाफ़ नहीं होगा, समझ और इनसाफ़ के खिलाफ़ बात होगी. इसका हमारी समाजी और आर्थिक तरक्की पर बहुत बुरा असर पड़ेगा.

### छोटे ज़मींदार

दूसरी तरफ़ वह लाखों टुट-पूजिये ज़मींदार हैं जिनकी हालत मामूली किसान से अच्छी नहीं है. वह खुद बड़े ज़मींदारों के काश्तकार हैं और उस तरफ़ से उनकी भी चुसाई होती है. उन्हें ज़मींदार मान कर वैसा ही बरताव करना अन्याय होगा. उनके लिये ज़मींदारी के बाद खेती दूसरे पेशे की तरह है. इन 20 लाख पेशेवर काश्तकारों को ज़मींदारों की क़तार में खड़ा करना एक ढोंग है. उस क़तार में खड़े होकर वह उन मुट्ठी भर बड़े ज़मींदारों की ढाल की तरह इस्तेमाल होते हैं जिनके हित और निगाहें देश के हित के खिलाफ़ हैं.

कहा जाता है कि बीस लाख ज़मींदारों और उनके करीब दो करोड़ रिश्तेदारों की रोज़ी का ज़रिया ज़मींदारी के साथ ख़तम हो जायगा; इसलिये ज़मींदारी ख़तम करने के बाद में उन्हें नौकरी या दूसरे काम दिलाना चाहिये. पर यह बात ग़लत है.

अव्वल तो दुनिया में कहीं भी एक आदमी पर निर्भर रहने वाले रिश्तेदारों की गिनती औसतन दस नहीं मानी गई. औसत ठीक मानने पर आधे लोग तो ऐसे ही निकल

सरकार के हाथ में आने वाले इन ज़मींदारों के हक़ में एक मिलासिब मुआविज़े देकर ले लिये जायें. इस काम के लिये एक स्कीम तैयार करने के लिये सरकार एक कमेटी बना दे."

दिवस के तुरन्त पसलदुर्ग हमेशा ही बना मुआविज़े ज़मींदारी खाने की नालद करते रहे हों. मुआविज़े के लिये यह भी तो देखना होगा कि देश की ऐसी हैसियत है या नहीं कि किसानों की पीठ से ज़मींदारी का एक भारी बोझ हटा कर मुआविज़े का दूसरा बोझ उनके कंधों पर लाद दिया जाय. मुआविज़े का सवाल तो उस नुक़सान या बाटे के संबंध में होता है, जिसे पूरा करने या उस समय की मुसीबत दूर करने लिये कुछ रक़म या और चीज़ दी जाती है. मुआविज़ा देने के लिये किसी प्रकार के नुक़सान का होना ज़रूरी है और मुआविज़े की रक़म किसी भी हालत में नुक़सान की रक़म से ज़ियादा नहीं हो सकती.

अस मूल से दिखे हैं तो बात साफ़ हो जायगी कि अगर किसी को मुआविज़ा मिलना है तो किसानों को, ज़मींदारों को नहीं. जो दो हजार रुपए से ज़ियादा के मालगुज़ार हैं, उनके पास खुद इतनी ज़मीन है कि ज़मींदारी के खातमे के बाद भी वह मजे में रह सकते हैं. उनके पास सोना चांदी व नक़दी है, जो रोज़ी कमाने में लगाई जा सकती है. ऐसे लोगों को मुआविज़े देना इनसाफ़ नहीं होगा, समझ और इनसाफ़ के खिलाफ़ बात होगी. इसका हमारी समाजी और आर्थिक तरक्की पर बहुत बुरा असर पड़ेगा.

### चोथे ज़मींदार

दूसरी तरफ़ वे लाखों टुट-पूजिये ज़मींदार हैं जिनकी हालत मामूली किसान से अच्छी नहीं है. वह खुद बड़े ज़मींदारों के काश्तकार हैं और उस तरफ़ से उनकी भी चुसाई होती है. उन्हें ज़मींदार मान कर वैसा ही बरताव करना अन्याय होगा. उनके लिये ज़मींदारी के बाद खेती दूसरे पेशे की तरह है. इन 20 लाख पेशेवर काश्तकारों को ज़मींदारों की क़तार में खड़ा करना एक ढोंग है. उस क़तार में खड़े होकर वह उन मुट्ठी भर बड़े ज़मींदारों की ढाल की तरह इस्तेमाल होते हैं जिनके हित और निगाहें देश के हित के खिलाफ़ हैं.

कहा जाता है कि बीस लाख ज़मींदारों और उनके करीब दो करोड़ रिश्तेदारों की रोज़ी का ज़रिया ज़मींदारी के साथ ख़तम हो जायगा; इसलिये ज़मींदारी ख़तम करने के बाद में उन्हें नौकरी या दूसरे काम दिलाना चाहिये. पर यह बात ग़लत है.

अव्वल तो दुनिया में कहीं भी एक आदमी पर निर्भर रहने वाले रिश्तेदारों की गिनती औसतन दस नहीं मानी गई. औसत ठीक मानने पर आधे लोग तो ऐसे ही निकल



یہ سندیہیں سنگھ کے لئے ان میں شامل ہوئے۔ اس طرح دیہاتوں کی جلتا کے لئے زمینداری کے خاتمے کی ضرورت مالگداری وصولی کے طریقوں کے بدلے سے بہت زیادہ ہے۔ جلتا تو ہر طرح کی سامنتی لوت کسوت اور چسائی سے چھٹکارا پانا ہی زمینداری کا صحیح انت مانتی ہے۔ جلتا نے دیہی کی آزادی کا مطلب بھی آرتھک آزادی ہی مانا ہے۔

### زمینداری انت کا نچوڑ

زمینداری خاتمے کے کیا مانے ہونی چاہیے یہ بات بھس کی نہیں ہے۔ پوری یورپ اور چین کے کسان آندولنوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔ اگر آپ دیہی کے ہی اثر پچھم میں کشمیر کو ہم دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینداری کے خاتمے کا کیا مطلب ہے۔ موثر روپ سے زمینداری انت کا نچوڑ یہ ہے :-

(i) زمینداری کا انت بیاموآویجا دیئے ہی کیا جاوے (پسے छोटे जमींदारों को रोजगार کے لیے سہايات دی جاوے جن کو زمینداری ختم کرنے سے بچا لگا ہو)۔

(ii) سیر اور خودکاشت کے رقبے کی حد مقرر کر دی جاوے اور اس سے زیادہ زمین زمینداروں سے لے کر چھوٹے کسانوں کو کھیتی ہر مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔

(iii) "جوتنے والا زمین کا مالک ہو۔" نئے بندوبست کا اصول یہ ہو کہ جوتنے والے کا زمین پر سے استھانی موروثی حق نہ ہٹایا جاسکے۔

(iv) زمین پر لگان طے کرنے کا طریقہ ایسا ہو کہ چھوٹی جوتوں پر ایک حد باندھ دی جائے اور ان پر لگان نہ لیا جائے۔ جسے جسے جوت کا رقبہ بڑھتا جائے کھیتی کی آمدنی پر ٹیکس بڑھتا جائے۔ پرانا سامنتی طریقہ ختم ہو۔

(v) بڑے پیمانے پر بڑے سے ساموہک (Collective) اور سہکاری (Co-operative) فارم کھول کر کھیتی کے طریقوں میں سدھار کئے جائیں۔

آئیے اب ان پانچ اصولوں کو تھوڑا وسعت سے دیکھیں اور پھر اس بات پر غور کریں کہ اس بارے میں ہمارے اکثر پردیشی کی سرکار کیا کر رہی ہے۔

### 4. معاوضے کا سوال

زمینداروں کو چھوڑ کر زمینداری کا دوسرا حاسی آج کوئی نہیں ملے گا۔ بہت سے زمیندار خود زمینداری پر نہا کے انت کے پکھ میں ہیں۔ ہر جس بات پر بحث شروع ہوتی ہے وہاں معاوضے کی بات، 8 اگست 1946 کو صوبے کی اسمبلی نے یہ تھوڑا پاس کیا تھا :-

"یہ اسمبلی زمینداری پر نہا کے انت کا اصول مانتی ہے۔ یہ اسمبلی طے کرتی ہے کہ کسان

زمینداری خاتمے کے کیا معاوضہ ہونا چاہئے یہ بات بحث کی نہیں ہے۔ پوری یورپ اور چین کے کسان آندولنوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔ اگر آپ دیہی کے ہی اثر پچھم میں کشمیر کو ہم دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینداری کے خاتمے کا کیا مطلب ہے۔ موثر روپ سے زمینداری انت کا نچوڑ یہ ہے :-

### زمینداری انت کا نچوڑ

(i) زمینداری کا انت ہذا معاوضہ دئے ہی کیا جائے (ایسے چھوٹے زمینداروں کو روزگار کے لئے سہايات دی جائے جن کو زمینداری ختم کرنے سے بچا لگا ہو)۔

(ii) سیر اور خود کاشت کے رقبے کی حد مقرر کر دی جائے اور اس سے زیادہ زمین زمینداروں سے لے کر چھوٹے کسانوں کو کھیتی ہر مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔

(iii) "جوتنے والا زمین کا مالک ہو۔" نئے بندوبست کا اصول یہ ہو کہ جوتنے والے کا زمین پر سے استھانی موروثی حق نہ ہٹایا جاسکے۔

(iv) زمین پر لگان طے کرنے کا طریقہ ایسا ہو کہ چھوٹی جوتوں پر ایک حد باندھ دی جائے اور ان پر لگان نہ لیا جائے۔ جسے جسے جوت کا رقبہ بڑھتا جائے کھیتی کی آمدنی پر ٹیکس بڑھتا جائے۔ پرانا سامنتی طریقہ ختم ہو۔

(v) بڑے پیمانے پر بڑے سے ساموہک (Collective) اور سہکاری (Co-operative) فارم کھول کر کھیتی کے طریقوں میں سدھار کئے جائیں۔

آئیے اب ان پانچ اصولوں کو تھوڑا وسعت سے دیکھیں اور پھر اس بات پر غور کریں کہ اس بارے میں ہمارے اکثر پردیشی کی سرکار کیا کر رہی ہے۔

### 4. معاوضے کا سوال

زمینداروں کو چھوڑ کر زمینداری کا دوسرا حاسی آج کوئی نہیں ملے گا۔ بہت سے زمیندار خود زمینداری پر نہا کے انت کے پکھ میں ہیں۔ ہر جس بات پر بحث شروع ہوتی ہے وہاں معاوضے کی بات، 8 اگست 1946 کو صوبے کی اسمبلی نے یہ تھوڑا پاس کیا تھا :-

"یہ اسمبلی زمینداری پر نہا کے انت کا اصول مانتی ہے۔ یہ اسمبلی طے کرتی ہے کہ کسان



(9) देहात के आर्थिक संकट को ज़ामीवारों ने बढ़ा दिया है। उन्होंने बड़ी तादाद में किसानों को बेदखल करा है; परती तोड़ ली है या उसे पट्टे पर उठा दिया है। जंगल और बंजर भी काट लिये हैं। उन्होंने ये काम उन बजहों से किये हैं :—

(क) अपनी स्तद काशत का रक़षा बढाने के लिये.

४ (ख) नज़राने के जरिये ज़ियादा से ज़ियादा  
माल वसूल करने के लिये.

(ग) 'परती' को 'खेती' दिखला कर जमींदारी खत्म होने पर ज़ियादा से ज़ियादा मुआविजा वसूल करने के लिये.

इस तरह हमारे देश में ज़मींदारी का मतलब है—वह प्रथा जो गरीबी, भुक्कमरी, शल्लो की हमेशा के लिये कमी, जहालत अनपढ़ता और नैतिक पतन बढ़ाती है. आर्थिक ढांचे के ढूढने का यह लाज़मी नतीजा है. ज़मींदारी को बचाने के पक्ष में कोई भी दलील—राजनैतिक, आर्थिक या नैतिक नहीं दी जा सकती. कोई उसूल या सिद्धान्त उसकी ताईद नहीं कर सकता.

### 3. ज़मींदारी के खातमे का मतलब

पिछले बीस साल से ज़मींदारी खतम करने का आन्दोलन देश की आज़ादी की लड़ाई का एक हिस्सा रहा है। "किसानों की हालत में सुधार हों" का नारा लगा कर ही राष्ट्रीय आन्दोलन आम जनता के दिलों में जगह पा सका है, जहाँ तक उत्तर प्रदेश का ताल्लुक है, बीस साल पहले किसान आन्दोलन में एक सुभाव ऐसा भी आया कि पूरी कांग्रेस जमात को किसान कमेटियों में बांट दिया जाय और वहाँ से संगठन शुरू हो, यहाँ कांग्रेस जो जनता की जमात की शक्ति में बनी हुई है, इसकी सबसे बड़ी वजह यही है कि उन दिनों कांग्रेस ने किसानों की मांगे पूरी कराने और उनके संगठन बनाने की कोशिश की, इसका नतीजा एक यह भी हुआ कि कांग्रेस की ताकत तो बड़ी पर किसान आन्दोलन और किसान सभाएं अलग न बन पाईं।

## कराची कांग्रेस और जमींदारी

सन १३१ में कराची में कांग्रेस ने बुनियादी अधिकारों का जो प्रस्ताव पास किया उसमें कहा गया था—कांग्रेस लगान, मालगुजारी और ज़मीन के बन्दोबस्त के तरीकों को बदलना चाहती है.....छांटे किसानों का लगान और मालगुजारी कम होनी चाहिये; जो बहुत छोटी छोटी ज़ोतें हैं उन पर तो लगान और मालगुजारी की पूरी छूट होनी चाहिये. ज़मीन पर जो टैक्स का बोझ है, उसे इस तरह घाटना चाहिये कि जो उसे संभाल सकें उन्हीं पर वह पड़े. इस बात का सभाओं, सम्मेलनों और कानफ़रेन्सों के माध्यम से प्रचार किया गया. लाखों लोग अपने हुक्मारे का

(9) دیہات کے آرتھک سفکیت کو زمہداروں نے اور بڑھایا ہے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں کسانوں کو بھدخل کیا ہے؟ پرتی نور لی ہے یا اے پتہ پر آٹھا دیا ہے اور جنگل اور بلنچر بھی کٹ لئے ہیں۔ انہوں نے یہ کام تھن وجہوں سے کئے ہیں۔

(ک) اپنی خود کاشت کا رقبہ بڑھانے کے لئے .

( کہ ) نظرانے کے ذریعے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرنے کے لئے ۔

(گ) 'پارسی' کو 'کھیتی' دکھا کر، سفیدکاری ختم ہونے پر زیادہ سے زیادہ معاوضہ وصول کرنے کے لئے ۔

اس طرح ہمارے دیش میں زمہداری کا مطلب ہے۔ وہ پڑتا جو فریضی، بھکری، غلہ کی مہیشہ کے لئے کسی، جہالت ان پڑھتا اور نہتک پتن بوعانی ہے۔ آرہتک تھالچہ کے ٹونڈے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ زمہداری کو بچالے کے پکھ میں کوئی بھی دلیل—راج نہتک، آرہتک یا نہتک نہیں دی جا سکتی، کوئی اصول یا سدھانت اس کی تائید نہیں کر سکتا۔

3. زمہداری کے خاتمہ کا مطلب

پچھلے بیس سال سے زمینداروں کو ختم کرنے کا آندولن دیکھ کر آزادی کی لڑائی کا ایک حصہ رہا۔ ”کسانوں کی حالت میں سدھار ہو“ کا نعرہ لگا کر ہی راشٹری آندولن عام چلتا کے دلوں میں جگہ پاسکا ہے۔ چوں تک اُن پر دیکھ کا تعلق ہے بیس سال پہلے کسان آندولن میں ایک سچھاڑا ایسا بھی آیا کہ پوری کانگریس جماعت کو کسان کمیٹیوں میں بانٹ دیا جائے اور وہیں سے سلگتھن شروع ہو۔ یہاں کانگریس جو چلتا کی جماعت کی شکل میں بنی ہوئی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان دنوں کانگریس نے کسانوں کی باتیں پوری کرانے اور ان کے سلگتھن بنانے کی کوشش کی۔ اسکا نتیجہ ایک یہ بھی ہوا کہ کانگریس کی طاقت تو بڑھی پر کسان آندولن اور کسان سچھاڑوں الگ نہ بنیں پائیں۔

کراچی کانگریس اور زمینداری

سن 31' میں کراچی میں کانگریس نے بلوائی ادھکاروں کا جو پرستار پاس کیا اس میں کہا گیا تھا۔ کانگریس لیگ، مالکذاری اور زمین کے بلندوبست کے طریقوں کو بدلنا چاہتی ہے..... چھوٹے کسانوں کا لیگ اور مالکذاری کم ہونی چاہئے؛ جو بہت چھوٹی چھوٹی جوتوں میں اُن پر تو لیگ اور مالکذاری کی پوری چھوٹ ہونی چاہئے۔ زمین پر جو ٹیکس کا بوجھ ہے، اسے اُس طرح بانٹنا چاہئے کہ جو اسے سنبھال سکیں انہیں پروہ پرہ۔

اس بات کا سبھاؤں، سہیلوں اور کامفرنسون کے ذریعے پرچار کیا گیا۔ لاکھوں لوگ اپنے چھتکارے کا



(5) کارشکاریوں کی جمنی کی بھوک بڑھ گئی ہے۔  
 انکی جوتے छोटी छोटी हो गई हैं और इनके भी बटवारे होते गए हैं और बेदखली का डर बराबर बना रहता है۔

(6) जो खेती करने हैं (यानी किसान) उनसे जमीन छीन कर ऐसे लोगों के पास पहुँच रही है जो खेती नहीं करते और अक्सर तो देहातों में भी नहीं रहते (जैसे क्रस्बे के बनिये और शहरी जमींदार)۔ जमींदारी में कारशکاریوں की हफ़ाज़त की गारन्टी नहीं है और इसलिये शिकमी व दूसरे छोटे किसान अपनी आपाद खेती तो कर नहीं पाये पर महाजनों ने जमीनें जरूर हथिया लीं۔ यह महाजन या तो अपनी जमीनें कारशکاریों को पट्टे पर उठा देते हैं या खुद खेती करके अपनी लागत पर भारी मुनाफ़ा उठाते हैं۔ ऐसी महाजनी सभ्यता में खेती का विकास पिछड़ा जाता है और सूख खोरी बढ़ती जाती है। इसीलिये पिछड़े हुए देशों में उद्योग धन्दों में लगाने के लिए पूंजी नहीं बन पाती۔ महाजनों को सूद पर रुपया देने में काफी मुनाफ़ा हो जाता है۔

छोटे जमींदार भी अपना कर्ज़ चुकाने के लिये जमीनें बेचते हैं और महाजन उसे ख़रीदने में जो रकम लगाते हैं उस पर काफ़ी और स्थाई मुनाफ़ा कमाते रहते हैं। इधर हाल में गल्ले के जो दाम बढ़े हैं उसके बावजूद भी छोटे जमींदार दिवालिये पन की तरफ़ बढ़ते जा रहे हैं۔

इसी तरह खेतों को रहन रख देना भी आम बात हो गई है। रहन के जरिये कर्ज़ अंगरेज़ी जमाने में बहुत बढ़ा क्योंकि बीच के दर्जे के जमींदार रहस अपनी आमदनी में रह कर खर्च नहीं चला पाते थे। उन्होंने अपनी जमीनें बेच कर कर्ज़ से छुटकारा पाया। छोटे और बीच के दर्जे के जमींदार भी जमींदारी प्रथा में रह कर कारशकार की तरह ही पिसते हैं।

(7) गरीबी से खेती का विकास न होने की वजह से देहात की ज़ियादातर जनता कर्ज़ के बोझ से दबी हुई है। आज जब अनाज का दाम बढ़ा हुआ है फिर भी देहात का गरीब किसान और मजदूर कर्ज़ से दबा है। हाल में जांच से मालूम हुआ है कि कुछ जिलों में तो 80 की सदी जनता कर्ज़ में गिरफ़्तार है। इस तरह जमींदारी प्रथा ने खेती के विकास में ब्रक का काम किया है।

(8) गरीब किसान की गरीबी और बढ़ गई है और साथ ही साथ अमीरों की अमीरी भी बढ़ी है। इससे देहात के समाजी ढाँचे में ऐसा तनाव पैदा हो गया है कि वहाँ अब अमन से रहना मुश्किल हो गया है। आए दिन किसान जमींदार या किसान-जमींदार-साहूकार की लड़ाइयाँ होती रहती हैं।

(5) کارشکاریوں کی زمین کی بھوک بڑھ گئی ہے۔  
 انکی جوتے چھوٹی چھوٹی ہو گئی ہیں اور ان کے بھی بٹوے ہوتے گئے ہیں اور بددخلی کا قدر برابر بنا رہتا ہے۔

(6) جو کھیتی کرتے ہیں (یعنی کسان) ان سے زمین کو ایسے لوگوں کے پاس پہنچ رہی ہے جو کھیتی نہیں کرتے اور اکثر تو دیہاتوں میں بھی نہیں ہیں۔ (جیسے کرسمبے کے بنیے اور شہری زمیندار)۔ زمینداروں میں کاشتکاروں کی حفاظت کی گارنٹی نہیں ہے اور اس لئے شیکمی و دوسرے چھوٹے کسان اپنی آزاد کھیتی تو کو نہیں پاتے۔ یہ مہاجنوں نے زمینوں پر ضرور ہتھیالیں۔ یہ مہاجن یا تو اپنی زمینوں میں کاشتکاروں کو پتے پر آٹھا دیتے ہیں یا خود کھیتی کر کے اپنی لاگت پر بھاری منافع اٹھاتے ہیں ایسی مہاجلی سبھوتا میں کھیتی کا وکاس پیچھے چلتا ہے اور سود خوردی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی لئے پیچھے ہڑے ہڑے دیشوں میں ادیوگ دھندلے لگانے کے لئے پونجی نہیں بن پاتی۔ مہاجنوں کو سود پر روپیہ دینے میں کافی منافع ہو جاتا ہے۔

چھوٹے زمیندار بھی ایسا قرض چکانے کے لئے زمینوں بیچتے ہیں اور مہاجن اسے خریدنے میں جو رقم لگاتے ہیں اس پر کئی اور استھانی منافع کما دیتے ہیں۔ ادھر حال میں غلے کے جو دام بڑھے ہیں اس کے باوجود بھی چھوٹے زمیندار دیوالیہ پن کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔

اسی طرح کھیتوں کو رہن رکھ دینا بھی عام بات ہو گئی ہے۔ رہن کے ذریعے قرض انگریزی زمانے میں بہت بڑھا کہیں کہ بھج کے درجے کے زمیندار انہیں اپنی آمدنی میں وہ کر خرچ نہیں چلا پاتے تھے۔ انہوں نے اپنی زمینوں بھج کر قرض سے چھٹکارا پایا۔ چھوٹے اور بھج کے درجے کے زمیندار بھی زمینداروں پر تھا میں وہ کر کاشتکار کی طرح ہی پست رہے ہیں۔

(7) غریبی سے کھیتی کا وکاس نہ ہونے کی وجہ سے دیہات کی زیادہ تر جلتا قرض کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے۔ آج جب اناج کا دام بڑھا ہوا ہے پھر بھی دیہات کا غریب کسان اور مزدور قرض سے دبا ہے۔ حال میں جانچ سے معلوم ہوا ہے کہ کچھ ضلعوں میں تو 80 فیصدی جلتا قرض میں گرفتار ہے۔ اس طرح زمینداروں پر تھا نے کھیتی کے وکاس میں میں بڑیک کا کام کیا ہے۔

(8) غریب کسان کی غریبی اور بڑھ گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ امیروں کی امیری بھی بڑھی ہے۔ اس سے دیہات کے سماجی ڈھانچے میں ایسا تناؤ پیدا ہو گیا ہے کہ وہاں امن سے رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ آئے دن کسان زمیندار کسان زمیندار ساھوکار کی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔



تھیں۔ وہ سبھی بھر زمیندار ساتھ فوجدی زمین ہوتے تھے۔  
بہت سے زمین اور دوسری طرف چھوٹے کاشتکاروں کی حالت  
اتنی خراب ہے کہ ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ آدمی آج زمین  
کی کمی ہر مزدور زمین اور بالی میں 80 فوجدی سے  
زیادہ کاشت کاروں کے پاس پانچ ایکڑ سے کم زمین ہے۔

(2) زمینوں کی اپج برابر کم ہوتی جا رہی ہے۔  
خیتی کے کھیتوں میں زمینیں بڑھتی جا رہی ہیں اور  
جہاں زمینیں بڑھتی جا رہی ہیں وہاں زمینیں بڑھتی جا رہی ہیں۔  
کودرتی تیرے پر زمین کی پیداوار کم رہی ہے۔ ایک اچھے  
خیتیہر میں چار گاہوں اور جنگلوں کے لیے جو جگہ  
بڑھتی جا رہی ہے زمینداروں نے اسے  
بھی نہیں چھوڑا۔ ایسی حالت میں اس کا سبب  
برابر بنا رہا اور بڑھتا رہا ہے۔ بلکال کا اکل اور اب یہاں  
اور وہاں جو اکل کی چھاپا دکھائی دیتی ہے سب ایک  
بڑے درجے تک اسی پر تھا کی زمین ہے۔ زیادہ غلہ پیدا کرنے  
کی ساری اسکیموں کا کام رہی ہیں۔ سمرات اکل کے زمانے  
میں فی ایکڑ بیس من کھیتیں پیدا ہوتا تھا۔ سن 1930  
تک یہ اپج کر کے 11 من رہ گئی تھی۔ اور سن 46-47  
میں 9 من سے بھی کم رہ گئی۔ یہی حالت پورے دیس  
کی ہے۔ کوئی سے پہلے کے پچیس برس میں چاول کی  
اپج ایک چوتھائی کم ہو گئی تھی۔ سن 21 کے مقابلے  
میں سن 41 میں 21 لاکھ ایکڑ کم زمین پر کھیتی ہوئی  
اور قریب 80 لاکھ ٹن غلہ کم پیدا ہوا۔ اس بڑھتے ہوئے  
سبب سے ثابت ہے کہ جب تک زمینداری نہیں ختم  
ہوتی کھیتی میں کوئی کام کا سدھار نہیں ہو سکتا۔

(3) دوسروں کی کماڑی پر زمیندار رہنے والے  
اور انہیں کو چھوٹے والے زمینداروں کی یہ جماعت کھیتی کی  
آمدنی کا بڑا حصہ لے تو لیتی ہے پر اس آمدنی کو پھر  
سے پیداوار بڑھانے کے لئے نہیں لگاتی۔ حساب لگایا گیا ہے  
کہ اس صدی کے شروع کے پہلے چالیس برس میں اس  
جماعت نے دو عرب روپیہ کسانوں سے نڈرانے کی شکل  
میں وصول کیا۔ پچھلے دس سال میں یہ لوٹ اور بھی  
بڑھ گئی۔ اس سب کے علاوہ ضابطے کی جائز لوٹ الگ ہے۔

(4) زمینداری پر تنہا لے دیس میں کل کارخانوں  
اور ادھوک دھندوں کا وکاس ہو رہا ہے۔ ایک تو دیس کی  
آمدنی کا بڑا حصہ ہو کر زمیندار اسے ادھوک دھندوں  
یا پیداوار بڑھانے میں نہیں لگاتے اور دوسرے دیس کی  
کروڑوں جلتا کو بے حد غریب بنائے انہوں نے کارخانوں کے  
بلے یا گھریلو دھندوں کے بلے مال کی کمی ہوتی ہی کم کر دی  
ہے۔ جب کسان کی جیب میں پیسہ نہیں ہے تو وہ  
کھڑا، تل، شکر، بھجوں کے لئے کھڈ کے کھلنے وغیرہ کسے  
خریدتا؟



कि कम से कम इतनी ही बेदखलियां और जमीन पर नाजायज कब्जे धौंस पट्टी और जबरदस्ती से भी हुए.

इस तरह हम देखते हैं कि सन '39 के आराखी कानून के बावजूद, जोर जबरदस्ती व हाकिमों की खुली या छिपी मदद से किसानों पर जुल्म होते रहे.

सन '47 में दूसरी कांग्रेसी सरकार ने कानून में कुछ सुधार करके थोड़े से बड़े जमींदारों का सीर बढ़ा लेने का हक कम कर दिया. पर चूंकि छोटे जमींदारों का यह हक बना रहा, बड़े जमींदार अपने मिले जुले परिवार में नकली बंटवारा दिखा कर छोटे जमींदार बन गए और लगातार बेदखलियां करा कर अपनी सीर बढ़ाते रहे. इससे जमींदारों और काश्तकारों के बीच अन बिन, मन मुटाव, झगड़े. मुकदमे बाजी और टक्करें बढ़ती ही रहीं.

सरकार ने हाल में जो 'जमींदारी कानून' बनाया है उससे तीन सवाल पैदा होते हैं: (i) जमींदारी क्यों खत्म की जाय? (ii) जमींदारी के खात्मे का क्या मतलब है? (iii) सरकार ने इस सिलसिले में क्या किया है? इन तीनों सवालों के जबाब हमें इस मसले की बुनियादी बातें समझने में मदद देंगे.

## 2. जमींदारी क्यों खत्म की जाय

राजनीति की नज़र से हमारा जमींदारी प्रथा इंग्लैंड की जमींदारी प्रथा की भौड़ी नक़ल है. अपनी ताक़त मजबूत करने के लिये अंगरेजों ने एक ऐसी जमात को जन्म दिया जो जमीन के असली मालिकों का हक़ खीन कर खुद मालिक बन बैठी—जिसके ज़िन्दा रहने के लिए अंगरेजी सरकार की मदद ज़रूरी थी और अपनी सरकार की जड़ जमाने के लिये अंगरेजों को जिसकी ज़रूरत थी. समाजी निगाह से इस प्रथा ने देहात में एक ऐसी जमात पैदा कर दी जो निठुरली थी. संस्कृति की निगाह से जमींदारी शासकों के हाथ में एक ऐसा हथियार है जिससे जहालत, दुराचार और तरह तरह की चाल चलन की बुराइयां पैदा की गईं और पिछड़े हुए जात पात, बिरादरी कबीले, और अलग अलग धर्मों के झगड़े पनपा कर देहाती दुनिया में सुधार और तरक्की की ताक़तों को रोका गया. माली हालत की निगाह से जमींदारी ने एक ऐसी जमात को पैदा किया है जिसने किसान की रोटी खीन कर भारत जैसे उपजाऊ देश को मुकमरों और राल्ले की कमी वाला देश बना दिया है.

### जमींदारी के घुरे नतीजे

आर्थिक नज़र से जमींदारी का हमें क्या फल मिला है यह नीचे लिखी बातों से देखा जा सकता है:—

(1) इससे खेती के लायक जमीन का रालत बंटवारा हुआ है देहात का हांचा इससे इतना बिगड़ गया है कि एक

क़े कम से कम अन्नी ही बेदखलियां और जमीन पर नाजायज कब्जे देहोन्स पैदा और जबरदस्ती से भी हुये.

अस तरह हम देखते हैं सन '39 के आरखी कानून के बावजूद, जोर जबरदस्ती व हाकिमों की खुली या छिपी मदद से किसानों पर जुल्म होते रहे.

सन '47 में दूसरी कांग्रेसी सरकार ने कानून में कुछ सुधार करके थोड़े से बड़े जमींदारों का सीर बढ़ा लेने का हक कम कर दिया. पर चूंकि छोटे जमींदारों का यह हक बना रहा, बड़े जमींदार अपने मिले जुले परिवार में नकली बंटवारा दिखा कर छोटे जमींदार बन गए और लगातार बेदखलियां करा कर अपनी सीर बढ़ाते रहे. इससे जमींदारों और काश्तकारों के बीच अन बिन, मन मुटाव, झगड़े. मुकदमे बाजी और टक्करें बढ़ती ही रहीं.

सरकार ने हाल में जो 'जमींदारी कानून' बनाया है उससे तीन सवाल पैदा होते हैं: (i) जमींदारी क्यों खत्म की जाय? (ii) जमींदारी के खात्मे का क्या मतलब है? (iii) सरकार ने इस सिले में क्या किया है? इन तीनों सवालों के जबाब हमें इस मसले की बुनियादी बातें समझने में मदद देंगे.

## 2. जमींदारी क्यों खत्म की जाय

राज नीति की नज़र से हमारा जमींदारी प्रथा इंग्लैंड की जमींदारी प्रथा की भौड़ी नक़ल है. अपनी ताक़त मजबूत करने के लिये अंगरेजों ने एक ऐसी जमात को जन्म दिया जो जमीन के असली मालिकों का हक़ खीन कर खुद मालिक बन बैठी—जिसके ज़िन्दा रहने के लिए अंगरेजी सरकार की मदद ज़रूरी थी और अपनी सरकार की जड़ जमाने के लिये अंगरेजों को जिसकी ज़रूरत थी. समाजी निगाह से इस प्रथा ने देहात में एक ऐसी जमात पैदा कर दी जो निठुरली थी. संस्कृति की निगाह से जमींदारी शासकों के हाथ में एक ऐसा हथियार है जिससे जहालत, दुराचार और तरह तरह की चाल चलन की बुराइयां पैदा की गईं और पिछड़े हुए जात पात, बिरादरी कबीले, और अलग अलग धर्मों के झगड़े पनपा कर देहाती दुनिया में सुधार और तरक्की की ताक़तों को रोका गया. माली हालत की निगाह से जमींदारी ने एक ऐसी जमात को पैदा किया है जिसने किसान की रोटी खीन कर भारत जैसे उपजाऊ देश को मुकमरों और राल्ले की कमी वाला देश बना दिया है.

### जमींदारी के घुरे नतीजे

आर्थिक नज़र से जमींदारी का हमें क्या फल मिला है यह नीचे लिखी बातों से देखा जा सकता है:—

(1) इससे खेती के लायक जमीन का रालत बंटवारा हुआ है देहात का हांचा इससे इतना बिगड़ गया है कि एक



### ग़दर के बाद ज़मींदारी क़ानून

इस तरह अंगरेज़ लोग ज़मीन का बन्दोबस्त बराबर ऐसे ढंग से करते रहे कि उनकी राजकाजी जड़ें इस देश में मज़बूत रहें और यहां का कच्चा माल अंगरेज़ी कारख़ानों को मिलता रहे। इस नई व्यवस्था में ज़मींदारों और कारतकारों के आपसी झगड़े भी धीरे धीरे आए दिन की-बात हो गए। किसानों का असन्तोश घटाने के लिये सरकार ने ऐसे क़ानून बनाए जिन से ज़मींदारों को कोई नुक़सान न पहुंचे और किसान भी खुश हो जाय। सन '57 के बाद सन 1930 तक सरकार ने कम से कम नौ ऐसे क़ानून बनाए। इन क़ानूनों को पढ़ने से पता लगता है कि किसानों की खास मांगें तीन थीं:—बंधी हुई मालगुजारी, खेतों पर मौरूसी हक़ और खेती को तरक्की देने की सुविधाएं। उनका असन्तोश सरकार को मजबूर करता था कि हर नए क़ानून में उन्हें कुछ रियायतें मिलें, कुछ मिनी भी। पर इन सब क़ानूनों के बावजूद किसान की बेदखली और ज़मींदार के मनमाने नज़राने और बेगार और टैक्स वसूल करने का ज़मींदारों का हक़ बराबर कायम रहा। नतीजा यह हुआ कि किसानों की बेचैनी लगातार बनी रही। इसी बीच गांधीजी के असहयोग आन्दोलन की गूँज देहांतों में पहुंची।

### कांग्रेस और बेदखलियाँ

सन '30 के बाद यू. पी. के कई ज़िलों में जोर शोर से लगान बन्दी शुरू हुई। राजनैतिक सुलह होने के बाद कांग्रेसी सरकार बनो जिसने सन '39 में नया आराज़ी क़ानून बनाया। इस क़ानून में ज़मींदार के अपनी सीर बढ़ा लेने पर क़ानूनी रोक लग गई और लगान की ठीक दर तय करने की भी कोशिश की गई। लगान की बकाया वसूल करने के लिये कारतकार की गिरफ्तारी, हर बेगार व नज़राना लेना बन्द कर दिया गया। बेदखली बन्द करने की भी कोशिश की गई। इस क़ानून के पहले कारतकारों को अपने खेत पर घर बनाने और कुएं खोदने का हक़ नहीं था। इस नए क़ानून से उन्हें यह हक़ मिल गया। कारतकारों की थोड़ी बहुत हिफाज़त तो हुई, पर उनकी असली उम्मीदों पर पानी फिर गया। सन '41 से '45 तक में इस प्रदेश के ज़मींदारों ने ज़ाबते से साढ़े छै लाख किसानों को साढ़े आठ लाख एकड़ ज़मीन से बेदखल कर दिया और लगभग 80 करोड़ रुपए नज़राने लेकर वही ज़मीन फिर दूसरों को डठा दी। पांच साल में ज़मींदारों ने अपनी सीर और खुद कारत की ज़मीनों में लाखों एकड़ ज़मीन बढ़ा ली। यह सब उस समय के बेईमान अफसरों और पटवारियों से मिल कर हुआ। खुद कारत की ज़मीन बेदखली करा कर और चरागाहों पर क़ब्ज़ा कर के बढ़ाई गई। यह बात तो हुई ज़ाबते की और लिखत पढ़त की। पर अनुमान यह है

### ग़दर के बाद ज़मींदारी क़ानून

अस तरह अंगरेज़ लोग ज़मीन का बन्दोबस्त बराबर ऐसे ढंग से करते रहे कि उनकी राजकाजी जड़ें इस देश में मज़बूत रहें और यहां का कच्चा माल अंगरेज़ी कारख़ानों को मिलता रहे। इस नई व्यवस्था में ज़मींदारों और कारतकारों के आपसी झगड़े भी धीरे धीरे आए दिन की-बात हो गए। किसानों का असन्तोश घटाने के लिये सरकार ने ऐसे क़ानून बनाए जिन से ज़मींदारों को कोई नुक़सान न पहुंचे और किसान भी खुश हो जाय। सन '57 के बाद सन 1930 तक सरकार ने कम से कम नौ ऐसे क़ानून बनाए। इन क़ानूनों को पढ़ने से पता लगता है कि किसानों की खास मांगें तीन थीं:—बंधी हुई मालगुजारी, खेतों पर मौरूसी हक़ और खेती को तरक्की देने की सुविधाएं। उनका असन्तोश सरकार को मजबूर करता था कि हर नए क़ानून में उन्हें कुछ रियायतें मिलें, कुछ मिनी भी। पर इन सब क़ानूनों के बावजूद किसान की बेदखली और ज़मींदार के मनमाने नज़राने और बेगार और टैक्स वसूल करने का ज़मींदारों का हक़ बराबर कायम रहा। नतीजा यह हुआ कि किसानों की बेचैनी लगातार बनी रही। इसी बीच गांधीजी के असहयोग आन्दोलन की गूँज देहांतों में पहुंची।

### कांग्रेस और बेदखलियाँ

सन '30 के बाद यू. पी. के कई ज़िलों में जोर शोर से लगान बन्दी शुरू हुई। राजनैतिक सुलह होने के बाद कांग्रेसी सरकार बनो जिसने सन '39 में नया आराज़ी क़ानून बनाया। इस क़ानून में ज़मींदार के अपनी सीर बढ़ा लेने पर क़ानूनी रोक लग गई और लगान की ठीक दर तय करने की भी कोशिश की गई। लगान की बकाया वसूल करने के लिये कारतकार की गिरफ्तारी, हर बेगार व नज़राना लेना बन्द कर दिया गया। बेदखली बन्द करने की भी कोशिश की गई। इस क़ानून के पहले कारतकारों को अपने खेत पर घर बनाने और कुएं खोदने का हक़ नहीं था। इस नए क़ानून से उन्हें यह हक़ मिल गया। कारतकारों की थोड़ी बहुत हिफाज़त तो हुई, पर उनकी असली उम्मीदों पर पानी फिर गया। सन '41 से '45 तक में इस प्रदेश के ज़मींदारों ने ज़ाबते से साढ़े छै लाख किसानों को साढ़े आठ लाख एकड़ ज़मीन से बेदखल कर दिया और लगभग 80 करोड़ रुपए नज़राने लेकर वही ज़मीन फिर दूसरों को डठा दी। पांच साल में ज़मींदारों ने अपनी सीर और खुद कारत की ज़मीनों में लाखों एकड़ ज़मीन बढ़ा ली। यह सब उस समय के बेईमान अफसरों और पटवारियों से मिल कर हुआ। खुद कारत की ज़मीन बेदखली करा कर और चरागाहों पर क़ब्ज़ा कर के बढ़ाई गई। यह बात तो हुई ज़ाबते की और लिखत पढ़त की। पर अनुमान यह है



## یو. پی. میں زمینداری

( ڈاکٹر ویر بہادر سنگھ، لکھنؤ یونیورسٹی )

### 1. زمینداری کا جنم

ہماری آجکل کی سبھتا پوجی وادی یا مہاجلی سبھتا ہے۔ آج کل سب جگہ پیسہ کا بول بالا ہے۔ اس سبھتا میں اپنا سامراج بڑھانے کی اچھا بھی دوسروں پر حکومت کرنے کی لالسا سے کم اور دوسروں کا دھن چوسنے کی لالسا سے زیادہ ہوتی ہے۔ "تاکتور" देशों में दूसरे देशों पर हुकूमत करने की इच्छा भी इसीलिये होती है कि हुकूमत से दूसरों का धन चूसने के सब से अच्छे साधन आسانی से उनके हाथ में आ जाते हैं۔ इसीलिये आजکل کے سامراجوں کا خراس رُخ جیتنا آর্থیک یا مالی ہوتا ہے۔ اتنا راجکاجی نہیں۔ اسی طرح کا ایک سامراج ہمارے دیس میں سن 1947 تک انگریزوں کا تھا۔ اسی لئے انگریزوں نے وہ قلعہ اپنایا جس سے ہم اپنا کچا مال اور اناج انہیں بوجھنے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے بدلے میں وہاں سے ان کی مشینوں کے بلے سامان خریدیں۔

### انگریزی راج اور زمینداری

اس کے لئے دیہاتوں کو قابو میں رکھنا ضروری تھا۔ دیہاتوں کا آرہوک دھانچا آراضی قانونوں کی دھری پر گھومتا ہے۔ اسی لئے انگریزوں نے اس دیس میں زمین کے ایسے نئے مالک بنائے جو اپنی خود مرضی کی وجہ سے اپنے دیس نے درست نہ ہو کر انگریزوں کے پٹھو بنے رہے۔

ہمارے آؤ پر دیس پر انگریزوں کا قبضہ تین دور میں ہوا۔ پہلے انہیں ہمارے صوبہ ملا جہاں انہوں نے استعماری بندوبست لگو کیا۔ دوسرے دور میں انہوں نے تبدیل قلعہ اور کچھ دوسرے علاقوں میں ولایت کے قلعہ پر زمیندار بنانے کی کوشش کی۔ انگریز یہاں کی بھاشا نہیں جانتے تھے اس لئے انہیں دیسی قانون گروں کی مدد لینی پڑی۔ جنہوں نے جس کو چاہا اسے زمیندار لکھا دیا اور من مانی مالکداری جاری کرا دی۔ اس بندوبست کے پہلے زمین کس کی تھی، اسے ثابت کرنے کے لئے زور زبردستی کا سہارا لیا گیا۔ انگریزی راج کی نہو پکی کرنے کے لئے دوسرے دور میں اودھ میں تعلقداری کو بڑھاوا دیا گیا۔ اس کے بعد سن 1857 کا صدر ہوا اور صدر کے بعد گورنر جنرل نے کچھ خیر خواہ زمیندار خاندانوں کو چھوڑ کر باقی سب کی زمینیں ضبط کر لیں اور ان کے نئے مالک بنائے گئے جو ہمیشہ انگریز بہادر کی ہی ہان میں ہاں ملتے رہے۔

## یو. پی. میں زمینداری

( ڈاکٹر ویر بہادر سنگھ، لکھنؤ یونیورسٹی )

### 1. زمینداری کا جنم

ہماری آج کل کی سبھتا پوجی وادی یا مہاجلی سبھتا ہے۔ آج کل سب جگہ پیسہ کا بول بالا ہے۔ اس سبھتا میں اپنا سامراج بڑھانے کی اچھا بھی دوسروں پر حکومت کرنے کی لالسا سے کم اور دوسروں کا دھن چوسنے کی لالسا سے زیادہ ہوتی ہے۔ "تاکتور" देशों में दूसरे देशों पर हुकूमत करने की इच्छा भी इसीलिये होती है कि हुकूमत से दूसरों का धन चूसने के सब से अच्छे साधन आسانی से उनके हाथ में आ जाते हैं۔ इसीलिये आजکل کے سامراجوں کا خراس رُخ جیتنا آর্থیک یا مالی ہوتا ہے۔ اتنا راجکاجی نہیں۔ اسی طرح کا ایک سامراج ہمارے دیس میں سن 1947 تک انگریزوں کا تھا۔ اسی لئے انگریزوں نے وہ قلعہ اپنایا جس سے ہم اپنا کچا مال اور اناج انہیں بوجھنے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے بدلے میں وہاں سے ان کی مشینوں کے بلے سامان خریدیں۔

### انگریزی راج اور زمینداری

اس کے لئے دیہاتوں کو قابو میں رکھنا ضروری تھا۔ دیہاتوں کا آرہوک دھانچا آراضی قانونوں کی دھری پر گھومتا ہے۔ اسی لئے انگریزوں نے اس دیس میں زمین کے ایسے نئے مالک بنائے جو اپنی خود مرضی کی وجہ سے اپنے دیس نے درست نہ ہو کر انگریزوں کے پٹھو بنے رہے۔

ہمارے آؤ پر دیس پر انگریزوں کا قبضہ تین دور میں ہوا۔ پہلے انہیں ہمارے صوبہ ملا جہاں انہوں نے استعماری بندوبست لگو کیا۔ دوسرے دور میں انہوں نے تبدیل قلعہ اور کچھ دوسرے علاقوں میں ولایت کے قلعہ پر زمیندار بنانے کی کوشش کی۔ انگریز یہاں کی بھاشا نہیں جانتے تھے اس لئے انہیں دیسی قانون گروں کی مدد لینی پڑی۔ جنہوں نے جس کو چاہا اسے زمیندار لکھا دیا اور من مانی مالکداری جاری کرا دی۔ اس بندوبست کے پہلے زمین کس کی تھی، اسے ثابت کرنے کے لئے زور زبردستی کا سہارا لیا گیا۔ انگریزی راج کی نہو پکی کرنے کے لئے دوسرے دور میں اودھ میں تعلقداری کو بڑھاوا دیا گیا۔ اس کے بعد سن 1857 کا صدر ہوا اور صدر کے بعد گورنر جنرل نے کچھ خیر خواہ زمیندار خاندانوں کو چھوڑ کر باقی سب کی زمینیں ضبط کر لیں اور ان کے نئے مالک بنائے گئے جو ہمیشہ انگریز بہادر کی ہی ہان میں ہاں ملتے رہے۔





جلد 13

دسمبر، سن '52

نمبر 6

نمبر 6

دسمبر، سن '52

جلد 13

جات آبادی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لئے پریم کی جھولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،  
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لئے پریم کی جھولی۔

### اپنے کو پہچانو

جنان کو دے دو دیش نکالا  
بیا کا کر دو منہ کالا  
اپنے آپ کو پہچانو  
بیا جنان ہسی کو جانو

پریم کا کر دو دیش نکالا  
نیا کا کر دو تم منہ کالا  
نیز سواہر میں تم دم جاؤ  
پریم نیا دونوں کو پاؤ

چالاک کی کا دیش نکالا  
کرو فائدے کا منہ کالا  
ڈاکر رہے نہ چور بیا  
یہ دونوں تو ان کے پیارے

سکھ کو دے دو دیش نکالا  
دکھ کا منہ کر دو تم کالا  
سوارتھ کم کرنا ہی سکھ ہے  
دکھ جاننا ہی سکھ ہے

سکھ دھرم کی کھیتی اُئی  
پریم نیا کی مچی دھائی  
بیا لے آئی چالاک  
مککاری کیوں رہتی باکی

—بگوان دین

[ ایک چینی فیلاسفر کے بیا ]

### اپنے کو پہچانو

جنان کو دے دو دیش نکالا  
بیا کا کر دو منہ کالا  
اپنے آپ کو پہچانو  
بیا جنان ہسی کو جانو

پریم کا کر دو دیش نکالا  
نیا کا کر دو تم منہ کالا  
نیز سواہر میں تم دم جاؤ  
پریم نیا دونوں کو پاؤ

چالاک کی کا دیش نکالا  
کرو فائدے کا منہ کالا  
ڈاکر رہے نہ چور بیا  
یہ دونوں تو ان کے پیارے

سکھ کو دے دو دیش نکالا  
دکھ کا منہ کر دو تم کالا  
سوارتھ کم کرنا ہی سکھ ہے  
دکھ جاننا ہی سکھ ہے

سکھ دھرم کی کھیتی اُئی  
پریم نیا کی مچی دھائی  
بیا لے آئی چالاک  
مککاری کیوں رہتی باکی

—بگوان دین

[ ایک چینی فیلاسفر کے بیا ]







## अंकों

‘नया हिन्द’ का ‘जमींदारी अंक’ पाठकों के सामने है. अंक अच्छा है या बुरा इस का अन्दाजा खुद पाठक ही लगाएंगे, हमें इस सम्बन्ध में कुछ कहने की आवश्यकता नहीं. हम आभारी होंगे अगर पाठक अपनी अपनी रायें हमें लिख भेजें.

‘नया हिन्द’ देर से निकल रहा है, इस के लिये ज़रूर पाठकों से हम माफी चाहते हैं. कठिनाइयां जब सामने आती हैं तो इकट्ठा आती हैं. हमने कठिनायों पर जीत तो हासिल कर ली पर समय पर ‘नया हिन्द’ न भेंट कर सके. दिसम्बर का अंक हमें इन्हीं कारनो से जनवरी अंक से मिला देना पड़ा. इस तरह ‘नया हिन्द’ का यह अंक दिसम्बर 1952-जनवरी 1953 अंक है.

इस देर से एक लाभ ज़रूर हुआ है वह यह है कि हम फरवरी अंक पहली तक पाठकों को भेंट कर सकेंगे.

हमारे अगले अंक में पिछले सारं फीचर होंगे और साथ ही एक नया फीचर भी होगा—“भारत में अमरीकी कदम.”

एक दफा फिर हम देर के लिये माफी चाहने हैं और आशा करते हैं कि पाठक हमें भाग्य कर देंगे

मनीजर, ‘नया हिन्द’  
इलाहाबाद

## चरित्र

‘नया हल्द’ का जर्मिलारो ‘अंक’ पाठकों के सामने है. अंक अजब है या बुरा इस का अन्दाजा खुद पाठक ही लगायें. हमें इस सम्बन्ध में कुछ कहने की आवश्यकता नहीं. हम आभारी होंगे अगर पाठक अपनी अपनी रायें हमें लिख भेजें.

‘नया हल्द’ देर से निकल रहा है. इस के लिये ज़रूर पाठकों से हम माफी चाहते हैं. कठिनाइयां जब सामने आती हैं तो अकट्ठा आती हैं. हमने कठिनायों पर जीत तो हासिल कर ली पर समय पर ‘नया हल्द’ न भेंट कर सके. दिसम्बर का अंक हमें अगले फीचर होंगे और साथ ही एक नया फीचर भी होगा—“भारत में अमरीकी कदम.”

इस देर से एक लाभ ज़रूर हुआ है वह यह है कि हम फरवरी अंक पहली तक पाठकों को भेंट कर सकेंगे. हमारे अगले अंक में पिछले सारं फीचर होंगे और साथ ही एक नया फीचर भी होगा—“भारत में अमरीकी कदम.”

मनीजर ‘नया हल्द’

इलाहाबाद

34968

SVOR



ماہواری پرچا

ماہواری پرچا

دسمبر - جنوری 1952-53

دسمبر - جنوری

کتاب کی قیمت

قیمت

ہا کس سے

1. اپنے کو پہچانو (کوہتا) — بھگوان دیان ... 409 ..
  2. یو. پی. مہن زمینداری — ڈاکٹر ویر بھادرا سنگھ ... 410 ..
  3. دھرتی کس کی؟ (کہانی) — منجیو ریجیوی ... 438 ..
  4. جمنو اور کشمیر ریاست مہن دھن سدھار — اہم ... 413 ..
  5. ہمارے گاؤں — ایک چھلک — کشن چند دوہے ... 449 ..
  6. مدھہ پردیش مہن بھوسہ سدھار — پٹالال سدھوادی ... 453 ..
  7. اٹلی کے کسان اور ان کی راج نہتی — اٹلمہو والہنس ... 457 ..
  8. چھن مہن دھن سدھار — سریش رام بھائی ... 464 ..
  9. مدراس مہن کھیتی کی سمسہا — کرشن ارجن ... 474 ..
  10. کچھ کتابیں — ... 496 ..
  11. ہمارے رائے — ... 500 ..
- ہمارے گھر لے دھندوں کی پرہاسی — ایک ایہل —  
 سندھ لال؛ شری راملو کا شریو نہاک اور  
 بھاشاوار پرانتوں کا بتوار — سندھ لال؛  
 بھارت کا شانتی تھہراؤ — منجیو ریجیوی؛  
 مدراس پولیس سٹھاکرہ — بھگوان دیان .

کلیات — ہندوستان میں لے روپیا سال، باہر دس روپیا سال، ایک پرچا دس آنے .

مینیجر

‘نیا ہند’

145، سٹریٹ، دلاہا آباد.

مینیجر

‘نیا ہند’

145، مٹی گلی، دلاہا آباد.



# आहिन्द

# ترجمہ

एडिटर—ताराचंद, भगवानदीन, मुजफ्फर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

अतिर—ताराचंद, भगवानदीन, मुजफ्फर हसन, विशम्भर नाथ, सुन्दरलाल

नायब एडिटर—सुरेश रामभाई, मुजीब रिजवी

## जमींदारी अंक

- ★ यू. पी. में जमींदारी—डॉक्टर वीर बहादुर सिंह
- ★ जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार एम. ए. बेरा
- ★ इटली के किसान और उनकी राजनीति—आणलमीर वालेन्स
- ★ मदरास में खेती की समस्या—कृष्णशर्मा

- ★ मेहनत और जमींदारी—डॉक्टर वीर बहादुर सिंह
- ★ जम्मू और कश्मीर रियासत में जमीन सुधार—एम. ए. बेरा
- ★ अली के किसान और उनकी राजनीति—आणलमीर वालेन्स
- ★ मदरास में खेती की समस्या—कृष्णशर्मा

### हमारी राय

### हमारी राय

- ★ हमारे घरेलू धन्यों की बरबादी—एक अपील—सुन्दरलाल
- ★ श्री रामलू का शरीरत्याग और भागवार प्रान्तों का बटवारा—सुन्दरलाल
- ★ भारत का शान्ति ठहराव—मुजीब रिजवी
- ★ मद्रास पुलिस सत्याग्रह—भगवानदीन

- ★ हमारे घरेलू धन्यों की बरबादी—एक अपील—सुन्दरलाल
- ★ श्री रामलू का शरीरत्याग और भागवार प्रान्तों का बटवारा—सुन्दरलाल
- ★ भारत का शान्ति ठहराव—मुजीब रिजवी
- ★ मद्रास पुलिस सत्याग्रह—भगवानदीन

पहली कलचर सोसाइटी, इलाहाबाद

दिसम्बर - जनवरी

1952-53

दिसम्बर - जनवरी

53

52



